بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

زیر سرپرستی: عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی

زیر صدارت: خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی

زیر ہدایت: مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی

زیر حمایت: سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

زیر قیادت: فخر صحافت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی

مجلس مشاورت: جملہ اساتذہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی قلمی انجمن

سالنامہ

باغ فردوس مبارک پور

کا خصوصی شمارہ بنام

قائم شدہ
۱۴۳۷ھ
۲۰۱۶ء

شمارہ نمبر
(۲)

مجتہدین اسلام

(جلد اول)

صحابۂ مجتہدین و اہل فتویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

شرکائے سفر

محمد یونس رضوی
محمد صدام حسین رضوی
شاہد رضا
معین الدین
محمد رضا
عارف رضا
محمد فیضان رضا
سلمان رضا غوثی
شاکر غزالی
فیروز عالم
محمد فیضان رضا تیغی

ہم قدم

عبد الوہاب قادری
سید اویس کمال فردوسی
شاداب عالم برکاتی
شہباز احمد رضوی
محمد داؤد علی
قاضی اخلاق
طیب رضا
آصف رضا
قاری ریاض الدین
غلام سرور
محمد مرشد رضا تیغی

زیر ادارت

محمد ابو ہریرہ رضوی
محمد فیضان سرور
محمد اسلم آزاد
محمد ظفر الدین صدیقی

ناشر

تنظیم پیغام اسلام (طلبۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)
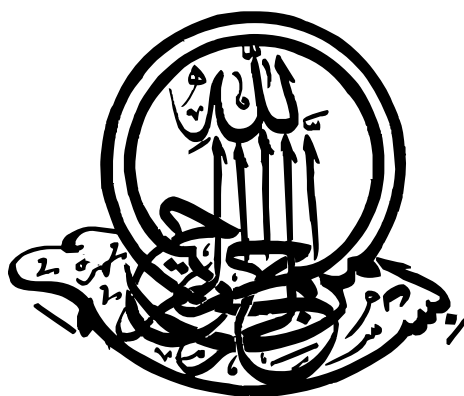
شرف انتساب

ہم اپنی اس دوسری کاوش کو

خلاصۂ کائنات رحمت عالم حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں نذر کرتے ہوئے۔

☆ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کرام۔

☆ مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سلف وصالحین۔

☆ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے امت کو روشناس کرانے والے مجددین اسلام۔

☆ سلاسل اربعہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے مشایخِ عظام۔

☆ محدثین خانوادۂ ولی اللّٰہی، علماے فرنگی محل، بزرگان کچھوچھہ مقدسہ، ساداتِ مارہرہ مطہرہ، اکابر بریلی اور مشائخ بدایوں۔

☆ بالخصوص شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی، تارک سلطنت سید اشرف جہاں سمنانی، شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محقق بریلوی اور معین الحق علامہ فضل رسول قادری بدایونی۔

☆ اعلیٰ حضرت علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی، صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی، مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری، سید العلما شاہ آل مصطفیٰ مارہروی، احسن العلما سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی، محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی اور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری عباسی۔

☆ جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، نائب حافظ ملت حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری اور بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی۔

کے افکار و نظریات اور مسلک حق و صداقت کا ترجمان...

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

کے نام

منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

محمد ابوہریرہ رضوی مصباحی، ظفر الدین صدیقی مصباحی، فیضان سرور مصباحی، محمد اسلم آزاد مصباحی

فہرست مضامین

دعائیہ کلمات

ابتدائیہ

اسمائے صحابۂ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اسمائے صحابۂ اہل فتویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

صدائے بازگشت (تأثرات)

دعائیہ کلمات

دعــائیہ کلمــات

(۱)

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مجدد دین وملت سرکار اعلیحضرت عظیم البرکت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا الحاج الشاہ

حجۃ الاسلام مولانا الشاہ محمد حامد رضا خاں رضی اللہ عنہ
مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ محمد مصطفٰے رضا خاں رضی اللہ عنہ
مفسر اعظم ہند مولانا الشاہ محمد ابراہیم رضا خاں رضی اللہ عنہ
قائد ملت مولانا الشاہ محمد ریحان رضا خاں رضی اللہ عنہ

نبیرۂ اعلیحضرت سبحانی میاں محمد سبحان رضا خاں
سجادہ نشین و متولی خانقاہ عالیہ رضویہ و ناظم اعلیٰ جامعہ منظر اسلام رضا نگر محلہ سوداگران بریلی شریف

Nabeera-e-Aala Hazrat Shahzada-e-Rehan-e-Millat, Alhaj MAULANA SUBHAN RAZA KHAN SUBHANI MIAN
Sajjada Nasheen Khanqah-e-Alia, Razvia, Hamidia, Nooria, Jeelania, Rehania Raza Nagar 84, Saudagran, Street, Bareilly-243003 (U.P)

MANAGER
Jamia Razvia
Manzar-e-Islam
Boerilly Shareef

MUTAWALLI
Raza Masjid
Bareilly Shareef

CHIEF EDITOR
Ala Hazrat
Monthly Magazine
Bareilly Shareef

Ref.................................... ۷۸۶/۹۲ Date....................................

اظہار مسرت

حامدا ومصلیا ومسلما!

مذہب مہذب مذہب اسلام کو مٹانے، اس کے رخ زیبا کو مسخ کرنے، اس کی بنیادوں کو متزلزل کرنے، اس کے اصولی اور بنیادی عقائد حقہ میں باطل وخود ساختہ افکار ونظریات کی آمیزش کرنے، اس کے متفق علیہ معمولات میں بگاڑ پیدا کرنے اور اپنی طرف سے ایجاد کردہ معمولات سیئہ کو اس دین خالص کا حصہ بنانے کی ناپاک کوششیں اور خطرناک سازشیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں مگر یہ اللہ رب العزت کا فضل و احسان اور پیارے آقا ﷺ کا صدقہ ہے کہ ان باطل پرستوں کی سازشوں کو ناکام کرنے، مذہب اسلام کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے، بلاخوف وخطر احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضہ کو انجام دینے اور اس دین متین کے احیاء وتجدید کی اہم ذمہ داریاں انجام دینے کے لئے ہر صدی میں اللہ تعالیٰ اپنے کچھ ایسے مخصوص بندوں کو مبعوث فرماتا رہا ہے اور تاقیامت مبعوث فرماتا رہے گا کہ جنہیں مجددین کی مقدس جماعت کہا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مقدس جماعت کے تاریخ ساز افراد کی حیات مبارکہ کے درخشندہ گوشوں، انکی بے لوث خدمات دینیہ، انکے تجدیدی کارناموں کو امت مسلمہ خاص کر ہماری نسل نو تک عمدہ واحسن طریقے سے پہونچایا جائے۔

عزیز القدر مفتی محمد سلیم بریلوی اور پھر سالنامہ باغ فردوس کے ایڈیٹر عزیزی مولوی محمد ابوھریرہ رضوی کی زبانی یہ سن کر بڑی مسرت وشادمانی ہوئی کہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے کچھ جواں حوصلہ طلبہ نے "تنظیم پیغام اسلام" کے بینر تلے "سالنامہ باغ فردوس" کا ایک خصوصی شمارہ "مجددین اسلام نمبر" کے نام سے سال گزشتہ خوبصورت اور دلکش انداز میں شائع کیا جس میں اول صدی سے لیکر پندرہویں صدی تک کے تقریبا پچپن مجددین اسلام کے حالات اور ان کی بے مثال تجدیدی خدمات کو نہایت عرق ریزی کے ساتھ مرتب کیا ہے جس میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور سب سے آخر میں میرے جد امجد سیدی سرکار اعلیٰ حضرت اور سیدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات وخدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مزید مسرت یہ سنکر بھی ہوئی کہ اب ۴۲/ویں عرس حافظ ملت کے موقع پر اس سالنامہ کا دوسرا شمارہ مجتہدین اسلام (جلد اول) کے نام سے شائع کر رہے ہیں جس میں تقریبا ایک سو پچیس مجتہد صحابۂ کرام کی حیات وخدمات کے اہم گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان دونوں خصوصی شماروں کی تاریخ ساز اشاعت پر ہم ان شاہین صفت طلبہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ان طلبہ کو دارین کی سعادتیں اور ان کی ان خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے نیز مذہب ومسلک کی بے لوث خدمت انجام دینے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمیــــن بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ
درگاہ اعلیٰ حضرت خانقاہ رضویہ بریلی شریف
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

Ph:. 2555624, 3293800, 2575683 (Off) Mob. 9359103539, 9719092786 Fax: 2574627 (0091-581)
E-mail : subhanimian@yahoo.co.in, alahazrat786@rediffmail.com. Website : www.alahazrat.org.in

(۲)

حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات وخدمات سے نئی نسل کو واقف کرانا بہت ضروری ہے؛ تاکہ نسل نو صحابۂ کرام کی روش پر چل کر اپنی دنیا وآخرت کو کامیاب بنا سکے۔

اسلامی احکام کی نشر اشاعت اور قرآن وسنت کی روشنی میں جدید فقہی مسائل کے اجتہاد استنباط کے حوالے سے صحابہ وصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرفہرست ہیں، ان نفوس قدسیہ کی اسلامی خدمات اور فقہی واجتہادی کارنامے امت اسلامیہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی۔ طلبۂ اشرفیہ مبارک پور کا موجودہ "مجتہدین صحابہ واہل فتویٰ نمبر" اس احسان شناسی اور صحابۂ کرام سے گہری الفت محبت کا نتیجہ ہے۔

سال گذشتہ ہمارے جامعہ کے شاہین صفت اور باذوق طلبہ نے تنظیم پیغام اسلام کے بینر تلے سالنامہ ن "باغ فردوس" کا آغاز کیا تھا اور پہلا سالنامہ "مجد دین اسلام۔ حیات خدمات" کے عنوان سے نکالا تھا۔ بڑی مسرت کی بات ہے کہ اس سلسلۃ الذہب کو برقرار رکھتے ہوے امسال بھی ہمارے طلبہ "مجتہدین صحابہ واہل فتویٰ" کے نام سے ایک وقیع اور گراں قدر دستاویز پیش کرنے جا رہے ہیں۔ یہ دستاویز تمام صحابۂ مجتہدین اور اکثر اہل فتویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے۔

یہ ایک لائق تقلید اور قابل ستائش قدم ہے۔ ہم اس خصوصی پیش کش میں حصہ لینے والے تمام طلبہ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جذبہ وحوصلہ کو سلامت رکھے، ان کی یہ دینی کاوش قبول کرے اور ان کے علم وعمل، عمر اقبال مندی میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

عبد الحفیظ غفرلہ

۲۵؍ جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ

(۳)

مبلغ اسلام حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری مصباحی

المجمع الاسلامی ملت نگر، مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی)

نحمدہ و نصلی و نسلم علی حبیبہ الکریم و اٰلہ و صحبہ اجمعین

فقہ واجتہاد کے عنوان سے آج کی نئی نسل کی معلومات بہت ناقص ہے، غیر مقلدین نے جو مزاج بنایا ہے اس کا اثر یہ ہوتا جارہا ہے کہ قرآن پاک اور حدیث رسول کے علاوہ مجتہدین اور ان کے فقہی مباحث کا اسلام میں کوئی مقام ہی نہیں، اسی وجہ سے غیر مقلدیت کو فروغ مل رہا ہے، لہذا نئی نسل کو یہ بتانا ضروری ہے کہ فقہ واجتہاد قرآن و حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں قرآن پاک اور حدیث رسول سے مستنبط وہ مسائل ہیں جن کی امت کو ضرورت پڑتی رہی ہے اور آج بھی پڑتی ہے اور قیامت تک پڑتی رہے گی آج مجتہدین تو نہیں پائے جاتے۔

لیکن انھوں نے جو اصول مرتب کر دیے ہیں ان کی روشنی میں فقہائے اسلام قیامت تک اپنی ضرورتوں کی تکمیل کرتے رہیں گے یہ اصول بھی کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ صحابہ کرام میں جو صحابہ فقہ واجتہاد سے زیادہ تعلق رکھتے تھے ان کا تذکرہ عام کیا جائے ان کے اجتہادات آج لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں جو یہ کہتے ہیں ایک ہی مسئلہ میں دو یا کئی رائے کیسے ہو سکتے ہیں وہ صحابہ کرام کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال کو دیکھیں اور اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں اور اس سلسلے میں جو حضرات تذبذب کا شکار ہیں وہ بھی سبق لیں۔

فقہاے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اس تذکرے کی ترتیب کی ذمہ داری عصر حاضر میں اہل سنت کا عظیم جامعہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے طلبہ نے لی اور اساتذہ و اہل علم کی نگرانی میں اس اہم کام کو انجام دیا اور اس کی اشاعت کا بار طلبہ جامعہ کی انجمن تنظیم پیغام اسلام نے برداشت کیا ہے گذشتہ سال اسی انجمن نے مجد دین اسلام نامی کتاب کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا تھا مولیٰ عزوجل ان طلباء اور جملہ طالبان اشرفیہ کو مزید ایسی خدمات کی توفیق بخشے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ واٰلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

(۴)

فخر صحافت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی

ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ انسانی پر ایک نگاہ ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور ﷺ کا دور سب سے سنہرا اور عظیم تھا، اس عہد کی مثال نہ عہد قدیم میں ملتی ہے اور نہ اس کے بعد سے آج تک۔ خشیت ربانی، اطاعت مصطفی ﷺ، تقویٰ شعاری اور انسانی رواداری میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ آپ خود غور کریں جس دور کے قدسی صفات حضرات عنایت الٰہی کے جلووں میں ڈوبے ہوئے ہوں اور جن کی نگاہوں کے سامنے محبوب رب العالمین کا جلوۂ زیبا ہو، ان کے مقام و منصب کی بلندیوں تک ہم جیسے کم سواد کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ان کے تصور سے دماغ ٹھنڈے، آنکھیں پر نور اور دلوں میں مٹھاس کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

مقام مسرت یہ ہے کہ ان کے عہد میں ان کے پیغمبر ﷺ پر کلام الٰہی کا نزول ہو رہا تھا، جس زمانے میں ہمارے سرکار کی بعثت ہوئی، پوری دنیا میں نہ کوئی دین اپنی اصل حالت پر تھا اور نہ انسانوں میں انسانیت باقی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ پر اپنا دین مذہب اسلام کی شکل میں عطا فرمایا۔ یہ مذہب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک آج بھی حق ہے اور قیامت تک برحق رہے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [آل عمران:۱۹]

بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ [آل عمران:۸۵]

جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کرے تو اسے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

یہاں یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذہب اسلام حق ہے اور دیگر ادیان باطل ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے ایمان والو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کی اتباع نہ کرو۔ بے شک وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔" [البقرہ:۲۰۸]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ حقانیت اور شیطانیت کے راستوں کا فرق کہاں سے معلوم ہو گا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی

الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ [التوبۃ:۱۲۲]

ترجمہ: اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب مومن نکل کھڑے ہوں، تو ایسا کیوں نہیں ہو کہ ہر قبیلے سے چند آدمی نکلیں تاکہ دین میں تفقہ حاصل کریں، اور جب اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ کر آئیں تو انھیں ڈرائیں تاکہ وہ [نافرمانیوں سے] بچیں۔

اب اس کے بعد اللہ تعالی نے اپنی اطاعت اپنے پیارے حبیب ﷺ کی پیروی اور صاحبان امر کی اتباع کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' [النساء:۵۹]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالی کی اطاعت کرو، رسول کا کہنا مانو، اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اتباع کرو۔

''وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ'' [النساء:۸۳]

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اُس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔

پیش نظر ضخیم وعظیم دستاویزی نمبر ''صحابہ مجتہدین واہل فتوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' میں ''تنظیم پیغام اسلام'' جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے میں ایک سو تیرہ صحابۂ کرام کے احوال وکوائف بڑی عقیدت ومحبت سے طلبۂ جامعہ سے تحریر کرائے ہیں ان میں چند امہات المومنین اور کچھ دیگر بزرگ صحابیات بھی شریک ہیں۔ مگر یہ سلسلۂ خیر ابھی اور دراز ہو سکتا ہے۔ یہ موضوع عہد حاضر کے اردو داں حلقوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ ایک مقدس ترین عہد تھا، آپ کے ظاہری طور پر پردہ فرمانے کے بعد کا زمانہ بھی بے پناہ برکتوں اور رحمتوں والا تھا۔ محققین اسلام کے ایک جائزے کے مطابق صحابۂ کرام کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی، ان میں ہر ایک خشیت ربانی اور عشق رسول ﷺ سے سرشار تھا، صحابۂ کرام کی پاک باز زندگیوں کے احوال وکوائف مستقل ایک عظیم موضوع ہے۔ بعض محققین کے نزدیک صحابۂ کرام میں مجتہدین کی تعداد بیس سے زائد ہے، اور اہل فتوی کی تعداد بھی خاصی ہے۔ سردست ہم آقا ﷺ کی ایک حدیث پاک حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

'' آقا ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا والی مقرر فرمایا اور وہ اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! مقدمہ سامنے آنے پر فیصلہ کس طرح کرو گے ؟ انھوں نے عرض کیا کتاب اللہ کے مطابق، آقا نے فرمایا: اگر اس کا جواب کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر، عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر سنت رسول میں بھی نہ پاسکو تو کیا کرو گے ؟ انھوں نے عرض کیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا۔

حضرت معاذ بن جبل کہتے کہ یہ سن کر رسول مکرم ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرط مسرت سے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ تعالی کے لیے جس نے اپنے رسول کے پیغامبر کو اسی چیز کی توفیق بخشی جس کو اللہ تعالی کا رسول پسند کرتا

ہے۔'' (سنن ابی داؤد، باب اجتہاد الرائ فی القضاء، ج:۳، ص:۳۳۰)

باشعور طلبہ نے اپنی بے پناہ جد وجہد سے بڑے نستعلیق لب ولہجہ میں منتخب صحابہ کرام کے احوال کو سپرد قلم کیا ہے، بعض طلبہ کی تحریریں اس لائق ہیں کہ انھیں عصر رواں کے معروف قلم کاروں میں پیش کیا جا سکے۔ ان طالبان علوم نبویہ نے اپنے مطالعہ وتحقیق کا زور اس پر صرف فرمایا ہے کہ مجتہدین صحابۂ کرام کی مجتہدانہ کوششوں کو بھی جمع کیا جائے، اسی طرح ان کبار فقہا صحابہ کرام کی فقہی خدمات کی طرف بھی بھر پور توجہ مبذول فرمائی ہے۔

اس وقت ہم خاص طور پر مبارک باد پیش کرتے ہیں ان اساتذۂ کرام کی بارگاہوں میں جن کی تربیت سے ان باذوق طلبہ نے اس عظیم کارنامے کو انجام دیا، ان کے بعد بے پناہ مبارک باد پیش کرتے ہیں، عزیز اسعد مولانا محمد ابو ہریرہ رضوی مصباحی سلمہ اور عزیز القدر محب گرامی مولانا محمد فیضان سرور مصباحی سلمہ کو اور ان تمام کو جن کے زیر ادارت یہ اہم دستاویزی سالنامہ باغ فردوس کا نمبر شائع ہوا۔ مذکورہ دونوں حضرات کی تحریریں بھی بڑی فکر انگیز اور معلومات افزا ہیں۔ انھیں کے ساتھ ہم اپنی محبتوں کے گلدستے نذر کرتے ہیں مختلف جہتوں سے خدمت انجام دینے والے ان تمام طلبہ کو جو قدم قدم پر شریک فکر وعمل رہے۔ بفضلہ تعالی اس نمبر میں سیرت رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چند گوشے بھی مسکرا رہے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ خصوصی نمبر اپنے موضوع، مواد، تاریخ ومطالعہ اور زبان وبیان کے اعتبار سے اہم کوشش ہے۔ بارگاہ الہی میں دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ کے طفیل اس نمبر کو مقبولیت عطا فرمائے، آمین۔

اسی موقع پر ہم تبریکات پیش کرتے ہیں ان تمام طلبہ کی جنابوں میں جنھوں نے ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء میں پہلا سالنامہ "باغ فردوس مبارک پور کا "مجددین اسلام نمبر" کی ترتیب واشاعت کا شرف حاصل کیا۔ ۴۳۲؍ صفحات میں ۵۵ مجددین اسلام کا ذکر خیر کیا۔ بفضلہ تعالی یہ نمبر بڑی تیزی سے ختم ہو گیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن پاکستان سے بھی شائع ہو گیا اور تیسرا ایڈیشن امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف سے شائع ہو گیا۔ خاص بات یہ ہے کہ ہمیں خود چند شخصیات کے بارے میں پہلے معلوم نہیں تھا کہ یہ اپنے عہد زریں میں مجدد تھے۔ اللہ تعالی ان تمام مجددین پر رحمت وغفران کی بارش فرمائے۔

"تنظیم پیغام اسلام" کی یہ انتہائی اہم پیش کش تھی، عام طور پر مضامین وسیع معلومات کے خزانے اور دقیق مطالعات کا حاصل تھے، مضامین کے لب ولہجے میں ادب کی چاشنی اور بیان کی وسعت اور گہرائی تھی۔

اللہ تعالی ان تمام طلبہ کو بے پناہ جزائیں، علم وعمل کی دولتوں اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ گزشتہ سال کی طرح پیش نظر نمبر کو بھی عوام وخواص میں قبول عام عطا فرمائے آمین، بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

از: مبارک حسین مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۲۷؍ جمادی الاولی، ۱۴۳۸ھ

۲۵؍ فروری، ۲۰۱۷ء

ابتدائیہ

اداریہ

حرف آغاز

ایڈیٹر کے قلم سے

محمد ابوہریرہ رضوی، رام گڑھ (جھارکھنڈ) جماعت: سابعہ، 9889283697

سال گزشتہ ہم طلبۂ اشرفیہ نے تنظیم پیغام اسلام کے زیر اہتمام ''سالنامہ باغ فردوس مبارک پور'' کے نام سے ایک مجلے کا آغاز کیا، اور ۴۳۲ر صفحات پر مشتمل ''مجد دین اسلام نمبر'' کے عنوان سے اس کا خصوصی شمارہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس میدان میں ہمارا یہ پہلا تجربہ تھا جو نہایت کامیاب رہا۔ امید سے کہیں زیادہ اس کی پذیرائی ہوئی۔ یہ اسی پذیرائی کا نتیجہ تھا کہ ایک سال پورا ہونے سے پہلے پہلے اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، دوسرا ایڈیشن مولانا رضاء الحسن قادری کے توسط سے ''والضحیٰ پبلیکیشنز لاہور'' (پاکستان) سے چھپ کر اہل علم کی نگاہوں کا سرمہ بنا اور تیسرا ایڈیشن عرس رضوی کے موقع پر امام احمد رضا اکیڈمی (بریلی شریف) کی جانب سے ''تذکرۂ مجد دین اسلام'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔

علمائے کرام، مشائخ عظام اور دانشوران اہل سنت کو جب یہ کتاب پیش کی گئی تو انھوں نے بے حد پسند کیا اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا بلکہ بعض حضرات نے تو شکریے کے تحریری تمغے بھی عنایت فرمائے ــــــ اللہ تعالیٰ ان اصاغر نواز بزرگوں کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

سالنامہ باغ فردوس جاری کرنے کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ کے اندر تحریری ذوق وشوق پیدا ہو، لہٰذا اس کو برقرار رکھنے کے لیے نئے اسلامی تعلیمی سال کی آمد کے بعد دوسرے مجلے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ''تنظیم پیغام اسلام'' کے ارباب حل وعقد کے ما بین موضوع کے انتخاب کے سلسلے میں بات چلی تو محب محترم محمد فیضان سرور اورنگ آبادی (متعلم درجۂ فضیلت) نے کہا کہ ''مجد دین اسلام'' کے بعد اب ''مجتہدین اسلام'' پر کام ہونا چاہیے۔ ہم وزن نام سن کر اچھا لگا۔ مگر کام کی تفصیل کا اندازہ نہ تھا ۔ خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی المجمع الاسلامی مبارک پور اور سراج الفقہا حضرت محمد مفتی نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے مل کر اپنا ارادہ ظاہر کیا تو ان بزرگوں نے بھی اس موضوع کو پسند فرمایا، حسن انتخاب کی داد دی اور بہت سے مفید مشوروں سے نوازا۔

حضرت مولانا محمد صدر الوریٰ مصباحی، استاذ حدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے رابطہ کیا تو انھوں نے اس موضوع کی تفصیلات، اس کے دائرۂ کار اور نشیب و فراز سے آگاہ فرمایا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد نفیس احمد مصباحی استاذ شعبۂ عربی

ادب، حضرت مفتی ناظم علی مصباحی، استاذ شعبۂ فقہ و افتا، حضرت مولانا ساجد علی مصباحی، استاذ فقہ وحدیث، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اور حضرت مولانا اظہار النبی حسینی مصباحی شعبۂ تربیت تدریس جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے بھی ملنا ہوا۔ اللہ تعالی علم وفضل کے ان میناروں کو سلامت رکھے۔

ان تمام حضرات کی گفتگو سن کر موضوع کی وسعتوں کا اندازہ ہوا اور پتہ چلا کہ ''مجتہدین اسلام'' ایک تحقیق اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ ایک ہی جلد میں تمام مجتہدین اسلام کا ذکر جمیل کر دینا، فہرست سازی کے زمرے میں تو آسکتا ہے مگر اسے تحقیقی کام کا نام نہیں دیا جاسکتا؛ اس لیے کافی غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ اگرچہ کئی سال لگ جائیں مگر تحقیقی نوعیت کا کام ہو، چناں چہ اب ''مجتہدین اسلام'' کئی جلدوں میں منقسم ہو گیا اور محب گرامی محمد فیضان سرور اورنگ آبادی نے اس کا خاکہ کچھ یوں مرتب کیا:

(۱) مجتہدین اسلام ——— جلد اول [صحابۂ مجتہدین واہل فتوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم]
(۲) مجتہدین اسلام ——— جلد دوم [تابعی مجتہدین واہل فتوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم]
(۳) مجتہدین اسلام ——— جلد سوم [حنفی مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کی فقہی خدمات]
(۴) مجتہدین اسلام ——— جلد چہارم [مالکی مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کی فقہی خدمات]
(۵) مجتہدین اسلام ——— جلد پنجم [شافعی مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کی فقہی خدمات]
(۶) مجتہدین اسلام ——— جلد ششم [حنبلی مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کی فقہی خدمات]
(۷) مجتہدین اسلام — جلد ہفتم [(ضمیمہ) اجتہاد وتقلید پر اعتراضات کا علمی محاسبہ]

مجتہدین اسلام کے مذکورہ خاکے پر عمل کرتے ہوئے ہم اس کی پہلی جلد [صحابۂ مجتہدین واہل فتوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم] پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ توفیق خداوندی شامل حال رہی تو ہم بقیہ پر بھی عمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ اللھم رب اشرح لی صدری، و یسر لی امری۔

زیر نظر کتاب کی فہرست کے سلسلے میں ہم یہاں اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مجتہدین صحابہ کے بارے میں اجمالی طور پر ہمیں امام ابن ہمام کی کتاب فتح القدیر میں یہ عبارت ملی: لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم أكثر من عشرين. (فتح القدیر، کتاب الطلاق، ج:۳، ص:۴۵۳، پوربندر گجرات)

صحابۂ کرام میں مجتہدین فقہا کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں پہنچتی۔

اس اجمالی بیان کی تفصیل ہمیں حضرت سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی کے توسیعی خطاب سے ملی جس کو انھوں نے ۲۰۱۲ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ (نیو دہلی) میں پیش کیا تھا۔ انھوں نے اپنی تحقیق کی روشنی میں ۲۰/ مجتہدین صحابہ کے نام پیش کیے ہیں اور اسی کے مطابق مجتہدین صحابہ کی فہرست مرتب کی گئی ہے —— رہی بات مفتیان صحابہ کی تو یہ فہرست ہم نے ''الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية'' سے لی ہے۔ جس کے مصنف: محی الدین ابو محمد عبد القادر بن محمد ابو الوفاء قرشی

حنفی متوفیٰ ۵۷۷ رہیں۔ تفصیل کے لیے اسی شمارے میں شامل تفصیلی مقدمہ بنام: عہد نبوی میں صحابہ کرام کی فقہی واجتہادی تربیت—کیوں اور کیسے؟ (از: محمد فیضان سرور اورنگ آبادی) کا مطالعہ فرمائیں۔

یہ لکھتے ہوئے ہمیں بے پناہ مسرت وشادمانی ہو رہی ہے کہ چند ماہ قبل جو خصوصی شمارہ نکالنے کا پروگرام بنا تھا۔ اب وہ پریس کے حوالے ہونے جا رہا ہے۔ ارادہ تو یہ تھا کہ عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ منعقدہ: یکم جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ مطابق ۱؍ مارچ ۲۰۱۷ء کے پر بہار موقع پر اس کا اجرا عمل میں آجائے، مگر نامساعد حالات کے سبب ایسا نہ ہو سکا۔

اس کی ترتیب وتدوین میں جہاں ہمارے اساتذۂ کرام نے قدم قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور ہمارے حوصلوں کو جلا بخشا ہے، وہیں مضمون نگار طلبہ نے بھی کافی جد وجہد سے کام لے کر اصل ماخذ تک پہنچ کر تحقیقی انداز میں مقالہ لکھنے کی کوشش فر مائی ہے۔ اب یہ طلبہ اپنی محنت وکاوش میں کس حد تک کامیاب ہیں فیصلہ اہل علم وفن کے حوالے ہے۔ اگر ہماری ان تحریروں میں کوئی خوبی نظر آتی ہے تو یہ سب فیضان ہے حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا اور اساتذۂ کرام کے اخلاص اور عمل پیہم کا۔ اور اگر کوئی خامی نظر آئے تو یہ ہماری کوتاہیوں کا حصہ ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور اس کے اساتذہ اس سے بری ہیں؛ لہٰذا ہو سکے تو دیے گیے نمبرات کے ذریعے براہ راست مضمون نگار سے رابطہ کر لیں۔

اس سالنامے کی کامیابی کا سہرا ہمارے مشفق اساتذہ کے سر جاتا ہے، جن کی شفقتوں اور عنایتوں کے سائے میں ہمارا تعلیمی سفر کامیابیوں سے ہم کنار ہو رہا ہے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، اور سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلھما کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا، جن کی سرپرستی میں ہم نے اس مجلے کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی کے احسانات بھی کچھ کم نہیں ہیں، جو اپنی سخت علالت کے دنوں میں بھی فون سے رابطہ کر کے ہمیں اس کام پر اکساتے رہے، اور مسلسل آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کرتے رہے۔

شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی دام ظلہ العالی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی کرم نوازیوں کو کیسے بھلا دیا جائے، جو ناموافق حالات میں بھی اشرفیہ کا بار گراں اپنے دوش پر رکھ کر ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں، اور ہمیں اپنی صعوبتوں کا احساس بھی نہیں ہونے دیتے۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ایسے موقع سے فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور کا تذکرہ نہ کریں، جو اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر ہماری رہنمائی فرماتے رہے اور ایک گراں قدر تاثر بھی تحریر فرما دیا۔

ملک کے دیگر جلیل القدر علما ومشائخ اور دانشوران مثلاً: حضرت سبحان رضا خاں سبحانی میاں، بریلی شریف، حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی، حضرت مفتی عبد الحلیم رضوی ناگپوری سرپرست تحریک دعوت اسلامی ہند، حضرت مولانا شاکر علی نوری امیر سنی دعوت اسلامی ممبئی، عالی جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری اور دیگر حضرات کا بھی ہم تہ دل سے شکر گزار ہیں، جنھوں نے اپنے مصروف ترین وقت سے کچھ وقت نکال کر اپنے قلبی تاثرات تحریری صورت میں عنایت

فرماکر ہمارے مجلے کو سند اعتبار بخشی ہے۔

اس موقع سے ہم جملہ مضمون نگاران کے بھی ہم شکر گزار ہیں جن کی تحقیقی اور قلمی صلاحتوں سے ہمیں استفادے کا موقع ملا ہے۔ یہاں پر محمد ظفر الدین صدیقی کو ہم کیسے بھول جائیں جوایک منتظم کی حیثیت سے مصروف کار رہے۔ اپنے دست وبازو محمد اسلم آزاد مصباحی گڈاوی اور محمد فیضان سرور مصباحی اورنگ آبادی کو کیسے فراموش کردیا جائے، جنھوں نے اس مجلے کو علمی وتحقیقی رخ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ امسال عرس عزیزی کے موقع سے یہ دونوں حضرات دستار فضیلت سے نوازے گئے ہیں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اول الذکر درجۂ فضیلت کے ۲۰۱/ فارغین میں اول نمبر پر ہیں اور مؤخر الذکر نے بھی امتیازی پوزیشن سے دستار فضیلت حاصل کی ہے۔ طلبۂ اشرفیہ کے درمیان دونوں حضرات قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ امید رکھتے ہیں کے فراغت کے بعد بھی یہ دونوں اپنی علم دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی سابقہ روش کو باقی رکھیں گے اور ہمارے اس علمی وتحقیقی مشن کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔(ان شاءاللہ)

محمد یونس رضوی، محمد شاہد رضا، محمد معین الدین مصباحی، عبد الوہاب قادری مصباحی، سید اویس کمال فردوسی مصباحی، شاداب عالم برکاتی مصباحی، شہباز احمد رضوی مصباحی، داؤد علی مصباحی، شاکر غزالی مصباحی، قاری ریاض الدین، محمد رضا نوری، سلمان رضا غوثی، فیضان رضا، صدام حسین، محمد عارف، شہنواز حسین، طیب رضا، محمد شاداب، محمد دلدار، غلام غوث مصباحی کے تذکرے کو چھوڑ کر ہم احسان فراموشی کے مرتکب ہونا نہیں چاہتے۔ اللہ تعالی انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اخیر میں ایک بار پھر اپنے تمام محسنین کا شکریہ ادا کر کے اپنے قلم کو بند کر رہے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ آئندہ سال پھر ''مجتہدین اسلام ــ جلد ثانی'' کی صورت میں آپ سے ہماری ملاقات ہوگی۔(ان شاءاللہ) مجتہدین اسلام زندہ باد! اشرفیہ پایندہ باد!

محمد ابوہریرہ رضوی

درجۂ سابعہ (فضیلت سال اول)، جامعہ اشرفیہ مبارکپور

اعظم گڑھ (یوپی)

۶/ جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ

مطابق ۶/ مارچ ۲۰۱۷ء

مقدمہ

کیوں اور کیسے

محمد فیضان سرور اورنگ آبادی، جماعت: فضیلت Mob. 9956740487

فقہ کی لغوی تحقیق

لغوی اعتبار سے فقہ کے تین معانی بتائے گئے ہیں:۔

(۱)**فقہ بمعنی علم:** محمد بن علی بن محمد علاء الدین حصکفی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۰۸۸ھ رقم طراز ہیں:

الفقه لغة: العلم بالشيئ، ثمّ خص بعلم الشريعة، وفَقِه بالكسر فقها: عَلِم، وفقُه بالضم فقاهة: صار فقيها (الدر المختار، ص:۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول: ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

فقہ کا لغوی معنی ہے کسی بھی شی کا جاننا، بعد میں علم شرعی کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ فَقِہَ بالکسر عَلِمَ کے معنی میں آتا ہے۔ اور بالضم ہو تو معنی ہوگا: فقیہ ہونا۔

(۲)**فقہ بمعنی فہم:** محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفیٰ ۷۱۱ھ لکھتے ہیں: الفقه في الاصل الفهم، يقال: أوتِيَ فلان فقهاً في الدين أي فهماً فيه. (لسان العرب، مادہ: ف ق ہ، دار صادر، بیروت، لبنان، طبع اول)

فقہ لغت میں فہم کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: فلاں کو دین کا فقہ عطا کیا گیا یعنی فہم دین۔

ابوالحسن علی بن محمد آمدی متوفی ۶۳۱ھ علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب میں فقہ کو عربی کے لفظ "فہم" کا مرادف قرار دیتے ہوئے ان حضرات کے موقف کو حق وصواب سے بعید بتایا ہے جنھوں نے فقہ کا ترجمہ "جاننا" یعنی علم سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وقيل: العلم، والأشبه أن الفهم. مغائر للعلم؛ إذ الفهم: عبارة عن جودة الذهن من جهة تهيئه لاقتناص كل ما يرد عليه من المطالب. (الاحکام فی اصول الاحکام، ج:۱، ص:۱۹-۲۰، دار الصمیعی ریاض، طبع اول: ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

یعنی بعض حضرات نے فقہ کا ترجمہ "علم" سے کیا ہے، لیکن اقرب الی الصواب اور صحیح ترجمہ فہم ہے، جو علم سے الگ ایک چیز ہے؛ کیوں کہ فہم در اصل ذہن کی اس پختگی اور خوبی کو کہتے ہیں جو انسان کے تمام ترپیش آمدہ مطالب و معانی تک پہنچ جانے اور ان پر قابو پا جانے پر آمادہ کرے۔

(۳)**فقہ بمعنی فہم و علم:** بعض علمائے لغت نے فقہ کا ترجمہ فہم و علم دونوں سے کیا ہے۔ چناں چہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

الفقه بالکسر: العلم بالشیء والفهم له. (بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، ج:۴، ص:۲۱۰، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، قاہرہ، سن اشاعت:۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)

جائزہ: پہلے اور تیسرے نظریے کے لحاظ سے فقہ و علم کے درمیان ترادف کی نسبت ہوگی۔ جب کہ دوسرے نظریے کے اعتبار سے فقہ و علم میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔ چناں چہ ہر فقیہ عالم ہوگا مگر ہر عالم فقیہ نہیں۔

فقہ کا ترجمہ علم سے کیا جانا درست ہے یا نہیں۔ اس کے لیے عربوں کے عرف و عادات کا لحاظ کرنا ہوگا۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل عرب فقہ کا استعمال فہم و علم دونوں معنی میں کرتے ہیں۔

ابو منصور محمد بن احمد ازہری متوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں: قال لی رجل من کلاب، وهو یصف لی شیئاً، فلما فرغ من کلامه، قال: أفقهت؟ یرید: أفهمت؟ (لسان العرب مادہ، ف ق ہ، بتفصیل سابق)

یعنی قبیلۂ بنو کلاب کا ایک فرد میری تعریف و توصیف کر رہا تھا۔ جب اپنے کلام سے فارغ ہوا تو بولا: أفقهت؟ یعنی سمجھ گئے؟

معلوم ہوا کہ اہل عرب فقہ کی تعریف جس طرح فہم سے کرتے ہیں، یوں ہی علم کے ذریعہ بھی کرتے ہیں؛ لہٰذا لغوی توضیح کے وقت فقہ کی تعبیر علم سے کر دی جائے تو اس پر اعتراض نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں خطیب بغدادی نے بڑی دل لگتی بات کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یقال للعلم: فقه؛ لأنه عن الفهم یکون، وللعالم فقیه؛ لأنه إنما یعلم بفهمه علی مذهب العرب فی تسمیة الشیء بما کان له سبباً۔ (الفقیہ والمتفقہ، ج:۱، ص:۱۸۹، دار ابن جوزی، سعودی عرب)

عربوں کے یہاں علم کو فقہ کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم فہم سے آتا ہے۔ اور عالم کو فقیہ کہتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ فہم کے ذریعے انسان عالم بنتا ہے۔ گویا کہ یہ عربوں کی عادت کے مطابق شئی کو اس کے سبب کا نام دے دیا گیا۔

خطیب بغدادی کی مذکورہ تقریر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقہ کا استعمال علم کے معنی میں مجاز ہے اور فہم کے معنی میں حقیقت ہے اور عربوں کے یہاں دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ اگر یہی امر واقعی ہے تو پھر تینوں ذکر کردہ نظریے میں کوئی اختلاف نہیں رہ جاتا ہے۔ کیوں کہ جنھوں نے فقہ کی لغوی تعریف فقط علم سے کی ہے انھوں نے تسمیۃ الشیء باسم السبب کی راہ لی ہے جنھوں نے فہم و علم دونوں سے کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ فقہ کا اطلاق عربوں کے یہاں ان دونوں پر ہوتا ہے لہذا کوئی تعارض واقع نہ رہا شاید اسی توسع کا نتیجہ ہے کہ علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں: فقِه بالکسر فقها علم (الدر المختار، ج:۱، ص:۱۱، بتفصیل سابق)

وہیں علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں: فقه بکسر القاف اذا فهم. (منحۃ الخالق علی البحر الرائق، ج:۱، ص:۳، دار الکتاب الاسلامی)

لیکن اگر لغوی بحث سے ہٹ کر اصول فقہ کے اعتبار سے بحث کی جائے تو پھر فقہ کا حقیقی معنی فہم ہی کرنا ہوگا ورنہ اصولیین کے بہت سے قواعد اس سے متاثر ہو جائیں گے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ علمائے اصول فقہ اس بات پر مصر نظر آتے ہیں کہ فقہ کا

ترجمہ علم سے نہ کیا جائے۔ چناں چہ اگر اصولین لغوی حیثیت سے بحث بھی کرتے ہیں تو عموماً مجازی معنی کو سرے سے نظر انداز کر کے حقیقی معنی بتاتے ہیں تاکہ ان کے دوسرے اصولی نظریات کی افہام وتفہیم میں آسانی ہو۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں: و یقال: فَقِهَ بکسر القاف إذا فَهِمَ، و بفتحه إذا سبق غیره إلی الفهم، و بضمه إذا صار الفقه سجیة له. (منحۃ الخالق علی البحر الرائق، ج:۱، ص:۳۰، بتفصیل سابق)

فَقِہ بکسر القاف اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بات سمجھ لے اور فَقَہ بفتح القاف اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی شخص بات سمجھنے میں کسی پر سبقت کر جائے۔ اور فَقُہ بضم القاف اس وقت استعمال کرتے ہیں جب فقہ اس کی طبیعت بن جائے۔

پھر اصولیین کا فقہ کی تعبیر ''فہم'' ہی سے کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ فقہ کا تعلق سے نہیں بلکہ معانی سے ہے۔ چناں چہ کہا جاتا ہے فقهت الکلام یعنی میں گفتگو سمجھ گیا، مگر فقهت الرجل نہیں کہتے بلکہ اس کے لیے عرفت الرجل کا استعمال کرتے ہیں۔ (اصول الفقہ لابی النور زهیر ۱/۶ بحوالہ تاریخ الفقہ الاسلامی، از: ڈاکٹر عمر سلیمان اشقر، ص:۱۰، دارالنفائس، اردن، طبع ثالث: ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء)

فہم سے مراد فہم جلی یا فہم خفی: اصولین کے نزدیک اتنا تو طے ہے کہ ''فقہ'' کی توضیح ''فہم'' یا اس سے ملتے جلتے لفظ سے کی جائے گی، مگر ''فہم واضح'' کو فقہ کا نام دیں گے۔ یا۔ ''فہم خفی'' کو اس سلسلے میں علامہ ابواسحاق مروزی نے تفصیل کر دی ہے، ان کا نظریہ ہے:

الفقه فهم الامور الخفیة دون الواضحة الجلیة۔ (ایضاً)

یعنی فقہ مخفی امور کو سمجھنے کا نام ہے، نہ کہ واضح اور روشن امور کے فہم کا ـــــ اس نقطۂ نظر پر ڈاکٹر عمر سلیمان اشقر نے یوں اعتراض کیا ہے:

و یرد علیه أن أئمة اللغة نقل عن العرب أن الفقه مطلق الفهم فهو یتناول فهم الامور الواضحة و الخفیة. (تاریخ الفقہ الاسلامی، دکتور عمر سلیمان اشقر، مکتبۃ الفلاح کویت، طبع ثالث: ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء)

یہ نقطۂ نظر اس طرح اعتراض کی زد میں آجاتا ہے کہ اس سلسلے میں ائمۂ لغت نے عربوں سے یہی نقل کیا ہے کہ فقہ، مطلق فہم کا نام ہے؛ لہٰذا یہ امور واضح اور امور خفی دونوں کے فہم کو شامل ہوگا۔

یہ اعتراض ''أنا فی واد و أنت فی واد'' کا مصداق معلوم ہوتا ہے ـــــ اصولی اور لغوی نقطۂ نظر کا فرق ملحوظ رکھا جائے تو اس طرح کے اعتراض سے بچا جا سکتا ہے۔ چناں چہ مسئلہ دائرہ میں اعتراض لغوی حیثیت سے کیا گیا ہے اور امام مروزی اصولی طور پر گفتگو فرما رہے ہیں۔ اعتراض اور ما بہ الاعتراض میں عدم موافقت بتلا رہی ہے کہ یہ اعتراض کا محل ہی نہ تھا۔

امام مروزی در اصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ فقہ کی اصطلاح میں فقہ در حقیقت دقیق خفی تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے نہ یہ کہ واضح اور روشن عبارتوں کو سمجھ لینے کا۔ ورنہ اہل ظاہر اور اہل رائے کے درمیان فرق ہی نہ رہ جائے گا۔ امام مروزی کے اس نظریے کے اثبات میں متعدّد شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں۔ علامہ رشید رضا مصری متوفی: ۱۳۵۴ھ نے بھی اپنی تفسیر میں

اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ذکر هذه المادة فی عشرین موضعا من القرآن ،تسعة عشر منها تدل علی أن المراد به نوع خاص من دقة الفهم و التعمق فی العلم الذی یترتب علیه الانتفاع به.(تفسیر المنار، ج:۹، ص:۳۵۲، الهیئة المصریة العامة للکتاب، سن طبع ۱۹۹۰ء)

یعنی قرآن پاک میں یہ مادہ بیس جگہ استعمال ہوا ہے، جس میں سے انیس جگہ اس کا مدلول ایک مخصوص قسم اور اعلی گہرائی ہے، جس پر فائدہ مرتب ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ لغات عربی میں فقہ فہم وعلم دونوں معنی میں مستعمل ہے۔ پہلا معنی فقہی طور پر اور دوسرا معنی مجازی طور پر۔ علم الفقہ میں معنئ حقیقی کا اعتبار ہوتا ہے اور اسی معنی میں ساری گفتگو ہوتی ہے ——— دوسری بات یہ ہے کہ عند الفقہا فہم سے مراد خاص فہم ہے جو دقت نظر اور علمی گہرائی کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ اور جن کی طرف امام مروزی نے اشارہ کیا ہے۔ اب آنے والے سطور میں فقہ کی اصطلاح میں تعریف پر روشنی ڈالنے کی کوشش ہوگی، مگر اس سے پہلے یہ اصول جاننا فائدے سے خالی نہیں کہ اصطلاحی تعریف میں لغوی معنی پر مزید اضافے کیے جاتے ہیں، سرے سے لغوی معنیٰ کو نظر انداز نہیں کیا جاتا کہ اس معنی کی حیثیت ایک روح ہوتی ہے اور اصطلاحی تعریف ایک ڈھانچے کی حیثیت رکھتا ہے۔

لہٰذا کوئی بھی اصطلاح معنئ لغوی سے خالی ہو کر نہیں پائی جاسکتی۔ اس اصول کی روشنی میں اب فقہ کی اصطلاحی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

فقہ اصطلاحی کی تحقیق

فقہ کی اصطلاحی تعریف میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کا مفہوم کچھ اور تھا اور آمد اسلام کے بعد اس کا مفہوم کچھ اور بنا اور دور متاخرین میں اس کی تعریف کچھ اور ہی ہوگئی۔ ہم فقہی تعریف کے ان تینوں مراحل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دور جاہلیت کی اصطلاح: لغوی بحث میں اس کے بارے میں وضاحت گزر چکی کہ وہ فقہ کا استعمال علم وفہم دونوں میں کیا کرتے تھے۔ چناں چہ اس دور میں جو علم حاصل کرتا اسے عرب "فقیہ" کہہ کر پکارتے تھے، کسی خاص فن میں علمی رسوخ دیکھتے تو اسے اس فن کا فقیہ کہتے تھے اور جو شخص مختلف فنون کا ماہر ہوتا اسے "فقیه العرب" اور "عالم العرب" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

صدر اسلام کی اصطلاح: مگر اسلام کی آمد نے جہاں بہت چیزوں کو متاثر کیا وہیں فقہ کی تعریف پر بھی خاصا اثر ڈالا۔ چناں چہ اب علوم کی تمام اقسام پر علم دین کی سیادت، فضیلت اور شرف کے پیش نظر فقط "علم دین" پر اس کا اطلاق ہونے لگا اور قرآن و سنت میں بصیرت رکھنے والے حضرات کو فقیہ کہا جانے لگا۔ اور یہ استعمال اس قدر عام ہوا کہ دیگر اصطلاحات ہچکولے کھانے لگیں، حتیٰ کہ فقہ ایک مستقل موضوع کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اس دور میں "فقہ" دین کے تمام تر

موضوعات مثلاً علم العقیدہ، علم الاخلاق والتصوف کو شامل تھا گویا فقہ ایمانی، فقہ روحانی اور فقہ عملی کا مجموعہ ”فقہ اسلامی“ تھا۔
صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود متوفیٰ ۷۴۷ھ رقم طراز ہیں:

اسم الفقه فی العصر الأول کان مطلقاً علی علم الآخرة، و معرفة دقائق النفوس، و الاطلاع علی الآخرة و حقارة الدنیا، ولست أقول: إن الفقه لم یکن متنا و لا أو لا الفتاویٰ و الأحکام الظاهرة.
(التوضیح علی التنقیح بحوالہ تاریخ الفقہ الاسلامی لاشقر، ص:۱۱)

یعنی دور اول میں فقہ کا اطلاق علم آخرت، روحانی دقائق کی معرفت اور علم آخرت و حقارت دنیا سے آگاہی پر ہوتا تھا۔
میں یہ نہیں کہتا کہ فقہ صدر اول میں فتاویٰ اور احکام ظاہری کو شامل نہ تھا۔
امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی: ۵۰۵ھ کے یہاں اسی سے ملتی جلتی عبارت نظر آئی:

اسم الفقه فی العصر الأول کان مطلقاً علی علم طر یق الآخرة، و معرفة دقائق آفات النفوس، و مفسدات الاعمال، و قوت الإحاطة بحقارة الدنیا، و شدت التطلع إلی نعیم الآخرة، و استیلاء الخوف علی القلب، و یدلك علیه قوله عزو جل: لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبہ۔ آیت:۱۲۲)(احیاء علوم الدین، ج:۱، ص:۳۲، دار المعرفۃ، بیروت)

یعنی دور اول میں راہ آخرت کو جاننے، نفس کی آفتوں اور اعمال کو فاسد کرنے والی عادتوں کے دقائق سے باخبر ہونے، حقارت دنیا سے آگہاہی کی قوت پانے، آخرت کی چین و سکون سے بھرپور مطلع ہونے اور دل پر خوف کا غلبہ ہو جانے پر فقہ کا اطلاق ہوا کرتا تھا۔ فرمان الٰہی عزوجل ”تاکہ دین میں ”تفقہ“ حاصل کریں، اور جب اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ کر آئیں تو انھیں ڈرائیں تاکہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں۔“ سے اسی فلسفے کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔
علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفیٰ ۱۳۰۶ھ لکھتے ہیں:

المراد بالفقهاء العالمون باحکام الله تعالیٰ اعتقاداً و عملاً؛لأن تسمیة علم الفروع فقها تسمیة حادثة. (رد المحتار علی الدر المختار، ج:۱، ص:۱۳۸، دار عالم الکتب۔ ریاض، سن اشاعت:۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳)

یعنی فقہا سے مراد وہ حضرات ہیں جو اعتقادی و عملی احکام سے آشنا ہوں کہ احکام فرعیہ کے علم کو فقہ کہنا بعد کی پیداوار ہے۔
امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی تعریف اس دور کی عکاسی کرتی ہے۔ آپ فقہ کی تعریف میں فرماتے ہیں: معرفة النفس ما لها و ما علیها. (التوضیح فی حل غوامض التنقیح، ص:۲۰، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، طبع اول:۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء)
صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود علیہ الرحمۃ اس کی توضیح میں مختصر مگر نہایت جامع بحث کی ہے۔ حاصل بحث ہم نذر قارئین کر رہے ہیں:

☆ ما لها و ما علیها سے مراد ما لها نفعه و ما علیها ضرره جیسے: قرآن کریم میں ہے: لها ما کسبت و ما علیها ما اکتسبت۔ اس وقت حسب ذیل تین معانی برآمد ہوں گے:

(۱)نفع سے مراد ”ثواب“ اور ضرر سے مراد ”عقاب“ ہو۔

(۱)نفع سے مراد ”عدم عقاب اور ضرر سے مراد ”عقاب“ ہو۔

(۳)نفع سے مراد ”ثواب“ اور ضرر سے مراد ”عدم ثواب“ ہو۔

☆”مالها و ما عليها“ سے مراد ” مايجوز لها و ما يجب عليها“ ہو۔

☆”مالها و ما عليها“ سے مراد ”مايجوز لها و ما يحرم عليها“ ہو۔

ان میں سے کسی بھی معنی کو اختیار کریں بہر صورت ”مالها و ما عليها “اعتقادیات ،وجدانیات اور عملیات سب کو شامل ہوگا۔اور اسی شمولیت کو بتانے کے لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ تعریف کی ہے۔

صدر الشریعہ لکھتے ہیں: وأبو حنيفة رحمه الله انما لم يزد؛لأنه أراد الشمول أى:أطلق الفقه على العلم بمالها و ما عليها سواء كان من الإعتقادات،أو الوجدانيات، أو العمليات. و من ثم سمى الكلام فقها أكبر. (التوضیح فی حل غوامض التنقیح، ص:۳۳، بتفصیل سابق)

متاخرین کی اصطلاح: مرور زمانہ کی تبدیلی کا اثر فقہ پر بھی پڑا،اور اب یہ انہی معنوں میں باقی نہ رہا جو صدر اول میں تھا بلکہ اب اس کا دائرہ سمٹ چکا تھا، صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

بعد الصدر الأول اختص علم الفقه استنباط الأحكام العملية من الأدلة التفصيلية .(ایضًا)

یعنی صدر اول کے بعد عقیدہ وروحانی علوم وفنون پر مشتمل احکام مستقل فن کا حصہ بن گئے،اور فقہ احکام عملیہ میں خاص ہو کر رہ گیا۔

اسی وجہ سے علامہ ابن نجیم مصری متوفی:۹۷۰ھ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی تعریف پر تفصیلی بحث کے بعد اسے متاخرین کی اصطلاح پر منطبق کرنے کے غرض سے ”عملاً“ کی قید بڑھانے کا مشورہ دیتے ہیں، ملاحظہ ہو:

”امام اعظم نے فقہ کی تعریف کی ہے: معرفة النفس مالها و ما عليها سے ،لیکن یہ تعریف اعتقادات جیسے: وجوب ایمان، اور وجدانیات یعنی اخلاق باطنہ اور ملکات نفسانیہ، اور عملیات جیسے نماز، روزہ اور خرید وفروخت وغیرہ کو شامل ہے۔پس جن چیزوں کا آدمی کے لیے از قبیل اعتقادیات جاننا ضروری ہے، ان کا نام علم کلام ہے — اور جن چیزوں کا از قبیل وجدانیات آدمی کے لیے جاننا ضروری ہے وہ علم اخلاق و علم تصوف سے موسوم ہے جیسے: زہد، صبر، رضا، نماز میں حضور قلب وغیرہ — اور جن چیزوں کا از قبیل اعمال جاننا ضروری ہے ان کا اصطلاحی نام علم فقہ ہے۔اگر فقہ سے آپ کی مراد اصطلاحی علم فقہ ہے تو ”مالها و ما عليها“ پر ”عملاً“ کی قید کا اضافہ کر دیں، اور اگر ایسا علم مراد لینا چاہتے ہیں جو تینوں اقسام کو شامل ہو تو پھر مذکورہ قید کے اضافے کی ضرورت نہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے عملاً کی قید کا اضافہ اس لیے نہیں فرمایا کہ انھوں نے اس کی شمولیت کا ارادہ فرمایا ہے، یعنی انھوں نے مطلق علم مراد لیا ہے، خواہ اعتقادات ہوں یا وجدانیات یا عملیات؟ یہی وجہ ہے کہ آپ نے علم کلام کا نام ”فقہ اکبر“ رکھا ہے۔“

(بحر الرائق، ج:۱، ص:۶، دار الکتاب الاسلامی)

احمد بن مصطفی طاش کبری زادہ نے متاخرین کی تعریف اس طرح کی ہے "هو علم باحث عن الأحكام الشرعية الفرعية العملية من حيث استنباطها من الأدلة التفصيلية" (مفتاح السعادہ و مصباح السیادۃ فی موضوعات العلوم، ج:۲، ص:۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۰۵ھ)

یعنی علم فقہ وہ علم ہے جو احکام شرعیہ فرعیہ سے اس حیثیت سے بحث کرے کہ اس کا استنباط تفصیلی دلائل سے کیا گیا ہو۔ اس تعریف کے لحاظ سے صرف مجتہد پر فقہ کا اطلاق ہو سکے گا اور حافظ للفروع کو حقیقی اعتبار سے فقیہ کہنا صحیح نہ ہوگا البتہ مجازاً ان کو بھی فقیہ کہہ سکیں گے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ فقہ کی تعریف کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الفقه فقد تصرفوا فيه بالتخصيص لا بالنقل والتحويل، إذا خصصوه بمعرفة الفروع الغريبة في الفتاوى، والوقوف على دقائق عللها، واستكثار الكلام فيها، وحفظ المقالات المتعلقة بها، فمن كان أشد تعمقاً فيها وأكثر اشتغالاً بها هو الأفقه. (احیاء العلوم۔ ج:۱، ص:۳۲، دار المعرفت، بیروت)

تعریف فقہ میں علمائے اسلام نے تخصیص پیدا کر کے تصرف کیا ہے، نہ کہ نقل و تحویل کے ذریعے، چناں چہ فقہ کو فتاوی کے نادر فروعی مسائل ان کی دقیق علتوں سے واقفیت ان میں کثرت کلام اور ان سے متعلق اقوال کو حفظ کر لینے کے ساتھ خاص کر لیا ہے لہذا جو شخص ان میں گہرائی اور عبور رکھتا ہے اور ان میں کثرت سے مشغول رہتا ہے وہ افقہ ہے۔

اس تعریف کے لحاظ سے حافظ للفروع پر بھی حقیقی معنوں میں فقیہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے: هو التصديق بالاحكام الشرعية القطعية (تحریر ابن ہمام)

اس تعریف پر علامہ ابن نجیم مصری نے "التصدیق" کے اضافے کی وجہ سے مسرت کا اظہار فرمایا ہے:

والاولیٰ مافی "التحرير" من ذكر "التصديق" الشامل للعلم والظن بدل العلم۔ (بحر الرائق، ج:۱، ص:۴۰، دار الکتاب الاسلامی)

امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے یہ تغیر اس لیے کیا ہے کہ فقہ کو جن لوگوں نے پورے طور پر ظنی کہا ہے ان پر رد ہو جائے کہ ماخذ کے اعتبار سے فقہ قطعی الثبوت ہے۔

اجتہاد اور قیاس کی حجیت

اجتہاد وقیاس کی شرعی حیثیت عہد رسالت ہی سے تسلیم شدہ ہے اور یہ فقہ کے ان چار دلائل و اصول میں سے ایک ہے۔ جو فقہ کی بنیاد و اساس ہیں۔ اور جن پر فقہی احکام و مسائل کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ شریعت کے وہ چاروں دلائل علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس مجتہد ہیں۔

اجتہاد از روئے لغت "جہد" بمعنی طاقت و مشقت سے ماخوذ ہے بعض حضرات نے اس کا مفہوم مشقت و محنت کرنے میں انتہا کو پہنچ جانا بھی بتایا ہے۔

جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفیٰ ۷۱۱ھ لکھتے ہیں :الجَهد و الجُهد :الطاقة ،تقول :إجهد جهدك، وقيل الجَهد: المشقة، والجُهد:الطاقة...جَهد يَجهدجهداً ،واجتهد:كلاهما جَدّ۔ والاجتهاد و التجاهد:بذل الوسع المجهود ،و فی حديث معاذ "اجتهد برائی"الإجتهاد بذل الوسع فی طلب الأمر و هو افتعال من الجهد الطاقة .(لسان العرب، ۳/ ۱۳۳، ۱۳۵، بتفصیل سابق)

"جَهد اور جُهد" سے مراد طاقت ہے ۔اہل عرب کہتے ہیں :"إجهد جهدك " یعنی اپنی طاقت صرف کردیں۔ ایک قول یہ ہے کہ "جَهد " سے مراد مشقت ہے اور "جُهد" سے مراد "طاقت" ہے ۔اور "جَهَدَ" باب فتح سے اور "اجتهد" باب افتعال سے دونوں کا معنی ہے کوشش کرنا "اجتهاد و تجاهد " سے مراد پوری طاقت و قوت خرچ کرنا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں جو "اجتهد برائی " ہے اس کا مطلب ہے: کسی مسئلہ کو معلوم کرنے کے لیے اپنی طاقت جھونک دوں گا۔ اجتہاد "جهد" بمعنی طاقت سے باب افتعال سے آتا ہے۔

اجتہاد کا شرعی و اصطلاحی معنی یہ ہے کہ فقیہ و مجتہد دلائل شرعیہ کی روشنی میں کسی نئی صورت حال کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی علمی صلاحیتوں کو اس طرح استعمال کر ڈالے کہ مزید کوشش کی کوئی حد باقی نہ رہ جائے۔

قاضی محب اللہ بہاری متوفیٰ ۱۱۱۹ھ لکھتے ہیں:الإجتهادبذل الطاقةمن الفقيه فی تحصيل حكم شرعی ظنی۔(مسلم الثبوت و فواتح الرحموت، ج:۲،ص: ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

کسی ظنی حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی طاقت خرچ کر دینا اجتہاد کہلاتا ہے۔

قیاس: امام حسام الدین محمد اخسیکثی متوفیٰ ۶۴۴ھ رقم طراز ہیں:

قیاس کا لغوی معنی ہے تقدیر یعنی اندازہ کرنا، ناپنا۔ اہل عرب کہتے ہیں " قس النعل بالنعل " یعنی ایک کو دوسرے پر اندازہ کرلو، اور اِس نعل کو اُس نعل جیسا بنالو۔

قیاس شرعی: اصطلاح شرع میں اصل سے فرع کا حکم اخذ کرنے کو قیاس کا نام دیتے ہیں؛ کیوں کہ یہاں حکم و علت میں فرع کو حکم کی نظیر بنا دیا جاتا ہے۔(الحسامی، ص:۱۰۱، باب القیاس، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، سن طبع، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء)

اجتہاد و قیاس کی حجیت: یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن کریم، یا سنت ثابتہ کوئی قطعی اور دوٹوک فیصلہ صادر فرمادے، تو پھر کسی کے لیے اجتہاد و قیاس کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اجتہاد کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں قرآن و سنت میں صریح و منطوق اور واضح و قطعی حکم نہ ملے اور اجماع امت بھی نہ ہو۔ ایسی صورت میں اجتہاد و قیاس کا حجت شرعیہ ہونا صحابۂ کرام و تابعین اور ہر زمانے کے علمائے امت کے نزدیک مسلم ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اجتہاد و قیاس کسی حکم مستقل کے اثبات و قیاس کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ دراصل قرآن و سنت میں جو احکام عام عقلوں کے لحاظ سے غیر ظاہر ہیں، متعلقہ پیش آمدہ مسئلے میں انھیں کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ بلفظ دیگر یہ مُظہر حکم ہے نہ مُثبتِ حکم اسی لیے تو عامۂ اصولین نے فرمایا ہے: و القياس حجة من حجج الشرع، يجب

العمل به عندانعدام مافوقه من الدليل فى الحادثة،وهذامذهب جميع الصحابة والتابعين وعلماء الكرام في كل عصر، خلافاًلبعض أهل الهواء كالشيعة والخوارج. (فصول الحواشی،ص:۳۱۷،باب القیاس)

احادیث وآثار میں تو حجت وقیاس پر ایسے واضح اور کثیر دلائل موجود ہیں کہ انکار کی کوئی سبیل ہی باقی نہیں رہتی۔

فقہ واجتہاد کا قرآنی فلسفہ

اسلام ایک مکمل نظام حیات بن کر عالم وجود میں نمودار ہوا، جس کی کاملیت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے ماننے والے خواہ وہ کسی بھی علاقے یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، بہر حال اسلام کے فرامین واحکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں اور دیگر مختلف ادیان و مذاہب کے غیر فطری اصول اور دنیاوی رنگینیوں و دل فریبیوں سے کسی بھی حال میں متاثر ہو کر قلادۂ اسلام سے گلو خلاصی کی کوشش نہ کریں ــــــ اسی میں ان کی نجات ہے۔

☆ چناں چہ قرآن پاک میں بڑی شد و مد کے ساتھ متعدّد الفاظ میں اپنے اصول وقوانین پر چلنے اور اسی کے مطابق اپنے معاملات تصفیہ کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ:۴۸)

ترجمہ: اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اتاری ہے۔ جو اپنے پہلے کی آسمانی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر محافظ ہے، تو آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے ذریعہ فیصلہ فرمائیں، اور جو حق آپ کے پاس آرہا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی میں نہ لگ جائیں۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ (المائدہ:۴۹)

اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور آپ ان سے ہوشیار رہیں کہ کہیں اس کے کچھ حصے سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اتارا ہے آپ کو برگشتہ نہ کردیں۔

☆ دوسری جانب حکم عدولی اور قوانین الٰہی کی پیروی سے سرمو انحراف پر دھمکیاں دی جارہی تھیں اور سزائیں سنا کر چونکایا جارہا تھا۔ اور بظاہر خطاب کا رخ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کردیا گیا تھا کہ امتی اس معاملے کی سنگینی کو محسوس کرسکیں۔

وَ لَىٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ (البقرہ:۱۲۰)

ترجمہ: (بفرض محال) اگر آپ نے علم کے آجانے کے بعد بھی ان خواہشوں کی پیروی کی تو پھر آپ کے لیے اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

وَ لَىٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ (البقرہ:۱۴۵)

ترجمہ: (بالفرض) اگر آپ نے ان کی خواہشوں کی پیروی کرلی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو یقیناً آپ اس وقت ستم گروں میں سے ہوں گے۔

☆دوسری طرف بڑے واضح انداز میں اس امر کی تصریح کر دی گئی کہ انسان کی ہدایت کے لیے اس کے خالق نے جو نسخہ عطا فرمایا ہے وہ ایک ہی ہے اور اس کا نام ہے ''دین اسلام''۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔

پھر اس سے انحراف کا ذہن رکھنے والوں کو علی الاعلان بتا دیا جائے گا:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:۸۵)

ترجمہ: جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کرے تو اسے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا۔

☆اور صاف لفظوں میں مسلمانوں سے سے بھی کہہ دیا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ (البقرہ:۲۰۸)

اے ایمان والوں! اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

☆خود پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نادانوں سے دور رہنے اور اپنی شریعت پر چلنے کی تلقین کرتے ہوئے اس کے لِم و اِن سے آگاہ کر دیا چناں چہ قرآن فرماتا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآىِٕرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (الجاثیہ:۱۸۔۲۰)

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو دین کے معاملے میں شریعت (عمدہ راستہ) پر گامزن کر دیا، پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور جہلا کی کی خواہشوں کے پیچھے نہ پڑیں، یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ بلا شبہ ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا دوست ہے۔ یہ باتیں سارے لوگوں کے لیے بصیرت افروز ہیں اور ایمان و یقین والوں کے لیے باعث ہدایت ورحمت۔

☆نزول قرآن کے زمانے میں جو طبقہ اسلام وکفر کے درمیان ایک تیسری راہ اختیار کرنے کا خواہاں تھا، اور پورے طور پر اسلام میں داخل ہونے کے لیے تیار نہ تھا، اس بدبختی اور اسلام سے دوری کو قرآن پاک نے کس قدر دو ٹوک انداز میں بیان کر دیا ملاحظہ ہو:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾

(النساء:۱۵۰۔۱۵۱)

ترجمہ: بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور رسول کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کے خواہاں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض قرآن پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے، اور اس طرح کفر و اسلام کے درمیان ایک راستہ بنانا چاہتے ہیں یہی لوگ واقعی کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

☆جس قرآن کا مسلمانوں سے شدید مطالبہ تھا وہ بہر صورت اسلام کے بنائے ہوئے لائحۂ عمل کے مطابق عمل کریں اور اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جائیں اور اس سے حکم عدولی کے صورت میں وعید شدید سنا سنا کر اس سے بچنے کی تلقین کر رہا تھا تو بھلا اسلام سے ہٹ کر کسی فیصلے کی بات کو کب گوارا کر سکتا تھا؟ چناں چہ ایسے موقع پر اس کا تیور مزید سخت ہوتا نظر آیا:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝

ترجمہ: تو کیا وہ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والی قوم کے نزدیک اللہ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے۔

یہاں "حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ" سے نظام حیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو غیر شرعی اور غیر اسلامی ہو، جہاں قانون سازی کا کامل اختیار انسانی اغراض اور خواہش نفسانی کے حوالے ہو، جہاں اقتدار و حکومت کے مسند پر وحی الٰہی کے بجائے انسان کا ناقص اور ناتمام علم قابض ہو، گویا کہ اللہ تعالیٰ اب ایسے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ جب تم آسمانی کتابوں کی اطاعت کو گراں سمجھ رہے ہو جن میں ہدایت ہی ہدایت ہے اور نور ہی نور ہے، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم جہالت کے اس ظالمانہ نظام کو اپنانا چاہتے ہو، جس میں امیر و غریب، کمزور اور طاقت ور، حاکم اور محکوم کے درمیان بھید بھاؤ سے کام لیا جاتا ہے۔ ہر ایک کے لیے الگ الگ قوانین بنے ہوئے ہیں۔ جہاں سفاکانہ نظام اور خواہشات نفسانی کا راج ہے۔

☆کبھی "حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ" یعنی غیر شرعی نظام کی تعبیر "الطاغوت" کے ذریعے کر کے اسے شیطانی مشیت سے جوڑا جا رہا تھا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۝ (النساء:٦٠)

ترجمہ: کیا آپ نے انھیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ان پر ایمان لے آئے ہیں جو آپ پر اترا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے اپنے مقدمات "طاغوت" (شیطان) کے پاس لے جائیں، حالاں کہ انھیں "طاغوت" کے انکار کا حکم ملا۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں بہت دور تک بہکا دے۔

☆بلا شبہ قرآن مقدس حکمت و دانائی کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ دنیا کی تمام تفصیلات اپنے دامن ایجاز و اختصار میں سمیٹے ہوئے ہے اور خالق و مخلوق کے سارے عارفانہ مسائل اور عاشقانہ جلووں کو محیط ہے۔ مگر ہر شخص اس سے بہ آسانی استفادہ کرے یہ ایک مشکل امر ہے۔

اور ایسا ہو بھی کیوں نا! کہ اگر چہ سمندر میں ہیرے موتی کی بہتات ہوتی ہے مگر ہر شخص کو اس میں کود پڑنے کی اجازت

نہیں دی جاتی، بلکہ اس کے لیے ماہر غواص کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ورنہ فقط یہ جان کر کوئی خبط الحواس سمندر میں چھلانگ لگانا چاہتا ہے مجھے موتیوں کی حاجت ہے اور سطح سمندر ان سے بھری پڑی ہے۔ تو دنیا والے سب سے پہلے اسے یہی مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے فکر ونظر کا علاج کرا لے ورنہ غرقابی کے علاوہ کچھ نہ ہاتھ آئے گا۔

پس جس طرح سمندر سے موتی نکالنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، بلکہ حاجت مند شخص کو جوہری کی دکان سے رابطہ کرنا ہوگا، یوں ہی شریعت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اس منصب کے لوگوں سے رابطہ کرنا ہوگا جنھیں اللہ تعالیٰ نے منصب اخذ و استنباط پر فائز فرمایا ورنہ ایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

چناں چہ یہاں زمانۂ نزول آیات میں ایک طرف جہاں ”ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر“ فرما کر قرآن سے اپنا تعلق پیدا کرنے کی ترغیب دی جا رہی تھی وہیں دوسری جانب ”یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً“ کے ذریعے اس میں مضمر معانی کی نازکی سے چوکنا بھی کیا جا رہا تھا۔

دوسری طرف کلام خداوندی پر زور انداز میں شریعت مطہرہ پر عمل کی دعوت دے رہا تھا اور اس سلسلے میں ذرا بھی کوتاہی قابل قبول نہ تھی، بلکہ جنہوں نے اس بات کو سوچنے کی کوشش بھی کی تو انھیں فوری طور پر دردناک انجام سے متنبہ کر دیا اور بروقت جو دفعات ان پر نافذ ہو سکتے تھے نافذ کر کے دوسروں کے لیے سامان عبرت بنا دیا۔

قبل اس کے کہ مشکوٰۃ نبوت کے فیض یافتگان اس طرح کی کشمکش اور خلجان سے دوچار ہوتے قرآن کریم نے ان کی توجہ ایک عظیم نکتے کی طرف دلاتے ہوئے فرمایا:

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبہ۔آیت:۱۲۲)

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب مومن نکل کھڑے ہوں، تو ایسا کیوں نہیں ہو کہ ہر قبیلے سے چند آدمی نکلیں تا کہ دین میں ”تفقہ“ حاصل کریں، اور جب اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ کر آئیں تو انھیں ڈرائیں تا کہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں۔

یعنی زندگی کے وہ تمام شعبے جنھیں شریعت نے اپنے دائرہ میں لے رکھا ہے اس کو سمجھنا بوجھنا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا تو بہر حال ضروری ہے، مگر ایسا نہ ہو کہ معاشرے کے سارے افراد فہم شرع کے لیے نکل پڑیں اور اجتماعی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے ـــــ بلکہ افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل طریقہ اپنایا جائے۔ اور وہ اس طور پر کہ کچھ لوگ اس کام کے لیے خود کو وقف کر دیں اور شریعت آشنا حضرات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے دین کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقفیت حاصل کریں۔ جب فیض صحبت سے ان کے دلوں میں نور بصیرت پیدا ہو جائے تو پھر اپنے وطن آکر اسلام کی نشر و اشاعت میں لگ جائیں اور مسلم معاشرے کو اعتقادی و اخلاقی اور عملی بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھیں۔

☆ یہ ایک تجرباتی چیز ہے کہ کسی فن کی تحصیل کے لیے جب کئی لوگ نکلتے ہیں تو ان میں سب کے سب ماہر فن نہیں بن

جاتے، بلکہ حالات و مواقع اور طبائع ور جحانات کی عدم موافقت آڑ آتی ہے۔ اور اس طرح بعض تو اس فن کو سیکھتے سیکھتے ہی جواب دیدیتے ہیں، جب کہ دوسرے بعض سرسری طور پر اس فن کے قواعد وضوابط اور اس کے متفرعات پڑھ کر کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ بعض فن کے تمام ظاہری پہلوؤں کا احاطہ تو کرلیتے ہیں مگر اس کی باریکیوں تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ البتہ بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ فن کے تمام جزئیات وکلیات کے ساتھ ساتھ اس کی دقیق علتوں اور نکتہ آفرینیوں پر مطلع ہوجاتے ہیں اور فن کے واضعین کی منشا تک پہنچ کر اس فن کو مزید بام عروج تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دینی علوم کی تحصیل میں نکلنے والوں کی حالت اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ دراصل تحصیل علم کے اس آخری درجے تک پہنچ کر شریعت کے منشا کو پالینے اور ان کی روشنی میں دوسرے نوپید اور گنجلک مسائل کا شرعی حل ڈھونڈ نکالنے والے حضرات ہی کے لیے ''لِّیَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ'' کا جملہ وارد ہے۔ جنھیں ہم شریعت کی اصطلاح میں ''مجتہدین'' اور ''فقہا'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

حاوی قدسی کے حوالے سے علامہ ابن نجیم مصری نے فقہ وفقیہ کے اسی فلسفے کو یوں سمجھانے کی کوشش کی ہے:

إعلم أن معنى الفقه فى اللغة الوقوف والإطلاع، وفى الشريعة: الوقوف الخاص: وهو الوقوف علىٰ معانى النصوص، وإشارتها، ودلالاتها، ومضمراتها، ومقتضياتها. والفقيه اسم للواقف عليها. ويسمى حافظ مسائل الفقه الثابتة بها فقيها مجازاً لحفظ ما ثبت بالفقه. (البحرالرائق، ج:۱، ص:۷)

جاننا چاہیے کہ لغت میں ''فقہ'' کے معنیٰ مطلع ہونا ہے اور شریعت میں کسی خاص چیز پر مطلع ہونے کے ہیں، اور وہ نصوص کے اشارات، دلائل، مضمرات اور اس کے قضا اور اس کے اقتضاءات پر مطلع ہونا ہے۔ اور فقیہ اس شخص کا نام ہے جو ان چیزوں پر واقف رہتا ہے۔ اور ان سے ثابت شدہ فقہ کے مسائل کو یاد رکھنے والے کو مجازاً ''فقیہ'' کہہ دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ ''ماثبت بالفقہ'' کا حافظ ہے۔

چناں چہ اسی ضرورت نے اسلام میں فقہ کے فریضے کا اضافہ کیا، اور پھر اسی فریضے نے اس علم کو پیدا کیا جس کا نام ہی بعد میں ''علم الفقہ'' پڑ گیا۔

☆قرآن ہی کا حکم تھا کہ ایک گروہ اس کام کے لیے مسلمانوں میں قائم کیا جائے اور اسی طبقہ کے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا گیا کہ مسلمانوں کا علم اور ان کا عمل کس حد تک اسلامی دستور پر منطبق ہے، اس کی نگرانی کرے اور آئے دن نئے حوادث وواقعات کے سلسلے میں جو ضرورتیں پیش آرہی ہوں وحی نبوت کی معلومات کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو ان ضرورتوں کے متعلق حکم کیا کریں ''تفقہ فی الدین'' کی گذشتہ بالا قرآنی آیت کے سوا دوسری جگہ قرآن ہی میں آیا ہے: وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (آل عمران:۱۰۴)

تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو ''خیر'' کی طرف بلائے اور اچھی باتوں کا حکم دے اور بری عادتوں سے روکے۔

بہر حال ایک طرف اسلام نے ''تفقہ فی الدین'' کے لیے محققین کے ایک خاص طبقہ کو قائم کر دیا اور دوسری طرف

جہل دور کرنے کی فطری ضرورت کی تکمیل کے لیے قرآن پاک میں مسلمانوں کو یہ سبق دیا:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانبیاء:۷)

ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہو۔

وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ (لقمان:۱۵)

اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

قرآن پاک نے مطلقاً فقہا و مجتہدین کی پیروی اور اتباع کی طرف اشارہ کرکے یہ ذہن دیا کہ اگر کوئی شخص ایک ہی مجتہد کی پیروی میں لگا رہا اور اسی کے بتائے ہوئے طریقوں پر شرعی مسائل حل کیے تو یہ بھی در حقیقت قرآن ہی پر عمل ہوگا۔ اسی عمل کو آج کی اصطلاح میں ''تقلید شخصی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہی آیتیں دراصل اجتہاد و قیاس کی اساس ہیں۔

چناں چہ قرآن پاک کی ان فطری تعلیمات کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سرپرستی میں مسلمانوں کے طبقۂ اولیٰ یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اندر ''اہل علم و فتویٰ'' کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا، جو اپنی فقہی و علمی حیثیت و خدمت کے لحاظ سے عام صحابہ سے بالکل ممتاز تھا اور یہیں سے باضابطہ ''تدوین فقہ'' کا آغاز بھی ہوا۔

جس طرح قرآن کے بعد سنت کی ضرورت ہے یوں ہی کتاب و سنت کے بعد مسائل غیر منصوصہ کی دریافت فقہ و اجتہاد کی ضرورت ہے بلکہ مسائل غیر منصوصہ ہی کی بات کیا بعض موقع سے مسائل منصوصہ میں بھی فقہ و اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ چناں چہ بیناتی مسائل میں تطبیق کی راہ دریافت کرنا اور احکام کو نکھار کر قابل عمل بنا دینا یہ سب فقہ و اجتہاد کے دائرے میں آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فقہ سے عاری قوم اگر اپنے پاس نصوص و بیناتی مسائل کے انبار بھی رکھ لے پھر بھی اپنے لیے ضابطۂ حیات نہیں بنا سکتی کہ ؏

قدرِ زر زرگر بداند یا بداند جوہری

یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے '' فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ '' فرما کر انسان کی فطرت کے تقاضے کو پورا کرنے کی طرف اشارہ کر دیا کہ تم میں فقہا کا ایک گروہ ہونا چاہیے جن سے وہ لوگ جو اس مرتبہ کے نہ ہوں استفادہ کریں۔

اور ان سے امور سلطنت کے بارے میں خود واضح انداز میں بیان کر دیا کہ امن و خوف کی حالت میں کوئی بات تمھیں پہنچے تو ان لوگوں تک پہنچا دو جو اہل اجتہاد و استنباط ہوں، بات سے بات نکال سکیں اور اس خبر کی گہرائی میں پہنچ کر کوئی قابل عمل فیصلہ دے سکیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء، ۸۳)

امام فخر الدین رازی متوفی:۶۰۶ھ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

فثبت أن الإستنباط حجة ،والقياس إما استنباط،أو داخل فيه، فوجب أن يكون حجة إ ذا ثبت هٰذا فنقول :الأية دالة على أمور :**أحدها** أن فى احكام الحوادث مالا يعرف بالنص بل بالاستنباط. **وثانيها**:أن الاستنباط حجة .**وثالثها** :أن العامى يجب عليه تقليد العلماء فى احكام الحوادث . **و رابعها**: أن النبى ﷺ كان مكلف باستنباط الأحكام؛ لأنه تعالى أمر بالرد إلى الرسول و إلى أولى الأمر (تفسیر کبیر ج:۱۰،ص:۱۵۴،دار احیاء التراث العربی،بیروت،طبع ثانی:۱۴۲۰ھ)

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ استنباط حجت شرعی ہے۔قیاس یا تو استنباط ہی کا نام ہے یا یہ اس میں داخل ہے۔ لہٰذا لازم ہوا کہ یہ ہو، پس جب حجت ہونا ثابت ہو گیا تو اب ہمارا کہنا ہے کہ یہ آیت چند امور پر دلالت کر رہی ہے۔

(۱) بعض ایسے واقعات ہیں جن کا حکم بذریعہ نص نہیں بلکہ بذریعۂ استنباط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) استنباط حجت ہے۔

(۳) نوپید مسائل میں عام شخص پر واجب ہے کہ علما کی تقلید کریں۔

(۴) نبی پاک ﷺ استنباطِ احکام شرعی کے مکلف تھے؛ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے مشکل ترین معاملے کو رسول گرامی وقار ﷺ اور صاحبان امر کے حوالے کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اولوا الامر سے مراد فقہا و مجتہدین: فقہا و مجتہدین کا اسلام میں کیا مقام ہے اور ان کے اقوال واستنباط اس قدر لائق احترام ہیں اس کا انداز حسب ذیل آیت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ و رسول کی بات ماننے کے ساتھ ساتھ "اولوا الامر" کی اطاعت بھی لازم قرار دی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (النساء:۵۹) ـــــــ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کا کہنا مانو، اور ان میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اتباع کرو۔

آیت کریمہ میں "اولوا الامر" سے کون لوگ مراد ہیں اس سلسلے میں بہتر ہو گا کہ اس مسئلے کو قرآن سے حل کیا جائے:

وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء،۸۳)

یعنی اہل ایمان اگر اپنے معاملے کو رسول اور اپنے "اولوا الامر" کے سپرد کر دیں، تو جو لوگ ان میں اہل استنباط ہیں وہ بات کو سمجھ لیتے۔

دیکھیں! اس آیت کریمہ میں "اولوا الامر" کی تفسیر اہل استنباط سے کی گئی ہے، جنھیں ہم مجتہدین سے موسوم کرتے ہیں۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی:۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

و وجه تخصيص المجتهدين أنه جاء فى الأية الثانيه: وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء،۸۳) ففسر اولو الامر باهل الاستنباط وهم المجتهدون.

(مفاتیح الغیب، ج:۱۰، ص:۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول:۱۴۲۱ھ مفہوما وملخصًا)

"اولو الامر" کی تخصیص مجتہدین سے کرنے کی وجہ دوسری آیت ہے: "ولو ردوہ...الآیۃ" میں "اولو الامر" کی تفسیر "اہل استنباط" سے کی گئی ہے اور وہ مجتہدین ہی ہوسکتے ہیں۔

مشہور محدث وفقیہ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرایا کے امیروں کے ساتھ اولو الامر کا مصداق مجتہدین وفقہا کو بھی بتایا ہے:

أنهم أمراء السرايا و يجوز أن يكونوا جميعاً مرادين بالآية؛لأن الاسم يتناولهم جميعاً؛لأن الأمراء يلون امر تدبير الجيوش والسراياو قتال العدو،والعلماء يلون حفظ الشريعة ومايجوز مما لا يجوز. (احکام القرآن، ج:۳، ص:۱۷۷، سورہ:نساء، داراحیاء التراث العربی، بیروت، سن طبع ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ "اولو الامر" سے مراد لشکروں کے اُمرا ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں امرا اور فقرا دونوں مراد ہوں کیوں کہ "اولو الامر" کا اسم ان سب کو شامل ہے، بایں طور کے امرا ہی لشکروں کی تدبیر اور دشمنوں سے جنگ کرنے کے والی ہوتے ہیں اور علما وفقہا حفظ شریعت اور "یجوز و لا یجوز" (مسائل فقہ) کے والی ہوتے ہیں۔

فقہ سے دوری پر قرآن کی مذمت

قرآن کریم کا یہ فیصلہ بارہا گزر چکا ہے کہ اس امت میں "تفقہ فی الدین" کی اشد ضرورت ہے۔ اور چاہیے کہ ایک جماعت فقہ میں لگی رہے اور دوسرے حضرات ان سے اخذ احکام کریں اس لحاظ سے دیکھیں تو فقہ کتاب وسنت کا غیر نہیں، بلکہ انھیں کی گہرائی میں لپٹے ہوئے مضامین کا نمایاں ہوکر سامنے آجانا ہے؛ لہذا "فقہ" الٰہی ہدایت اور نبوی شریعت کی ایک استخراجی صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث نے جگہ جگہ فقہ کی اہمیت وضرورت کا احساس دلایا ہے اس سے دوری کی شدید لفظوں میں مذمت کی ہے۔

(۱) ایک جگہ قرآن مجید نے حدیث فہمی میں "فقہ" کا احساس دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ (النساء:۷۸)

یعنی آپ فرمادیں کہ اچھے برے سارے فیصلے سب اللہ کی جانب سے ہیں توان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ انھیں بات سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔

" لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا " پر غور سے نظر ڈالیں کہ "حدیث" (بات) کے سمجھنے میں فقہ (سمجھنے کا سلیقہ) نہ پائے جانے پر کس قدر تعجب کا اظہار کیا جارہا ہے۔

(۲) قرآن کریم نے متعدّد مقامات پر کافروں کے بارے میں بتایا کہ وہ "فقہ" سے عاری ہیں اور ان کے بعض وجوہات

کی طرف اشارہ بھی کیا ہے:

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (الحشر: ۱۳)

یعنی ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمھارا ڈر ہے اور یہ اس لیے ہے کہ وہ فقہ سے محروم ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (الاعراف: ۱۷۹)

اور بے شک ہم نے بہت سے جن وانس کو پیدا کیا ہے کہ ان کے دل تو ہیں مگر ان میں فقہ نہیں۔

فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (المنافقون: ۳) ——— تو ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے سو فقہ سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

قرآن کا کہنا ہے کہ فقہ و دانش کے معاملے میں منافقین کا حال کافروں سے کچھ الگ نہیں ہے۔

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (المنافقین: ۷) ——— اور لیکن منافقین اپنے پاس فقہ کی دولت نہیں رکھتے۔

لو کانوا يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبہ: ۸۷) ——— کاش ان کے پاس فقہ ہوتا۔

پیش کی گئی آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ شرعی قوانین پر عمل کرنا از حد ضروری ہے اور اس کی مناسب صورت یہی ہے کہ کچھ حضرات ''تفقہ فی الدین'' میں لگ جائیں، معانی کے سمندر میں غرق ہو کر احکام کی موتیاں نکالیں اور دوسرے جو حضرات اس مقام و مرتبے کے نہیں ان کی پیروی و تقلید کریں۔ یہ بھی معلوم ہوا جو قومیں ''فقہ'' سے تہی دامن رہیں انھیں اسلام سے بھی محروم رہنا پڑا خواہ وہ کافرین کی جماعت ہو، یا منافقین کی، اس حقیقت کو قرآن پاک نے متعدّد مقامات پر علی الاعلان بیان فرمایا ہے۔

اب آج جو حضرات ''علم فقہ'' کے انکار میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں، وہ اپنی روش پر نظر ثانی کر لیں کہ وہ کس راستے کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ [وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝]

عہد رسالت میں فقہ و اجتہاد کی ضرورت کیوں

عہد رسالت نزول وحی کا دور تھا اور صحابۂ کرام تمام تر احکام و مسائل کو کتاب اللہ اور احادیث کی تصریحات سے جان لیتے تھے۔ لہٰذا صحابۂ کرام کو ان کے ہوتے ہوئے قیاس و اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ مگر اس کے باوجود قرآن کریم صحابۂ کرام کو اجتہاد و قیاس پر ابھار رہا تھا اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے فیض یافتگان کو شدت کے ساتھ اس کی تعلیم و تلقین کیے جا رہے تھے۔ ایسا کیوں؟ میرے خیال میں اس کے حسب ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

(۱) دنیا کے بہت سے ایسے مذاہب دیکھنے کو ملیں گے جہاں قوانین و ضوابط تو موجود تھے مگر ان کے سمجھنے والے اور ان میں فکر و تدبر سے کام لینے والوں کا نام و نشان نہ تھا، نتیجتاً ان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہ گیا۔ اور آج ان کے نام لیوا بھی باقی نہ رہے۔ بلکہ بعض ایسے مذاہب آج بھی پائے جاتے ہیں کہ جن کے اصول و ضوابط ان کی مذہبی کتابوں ہی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور انھیں کوئی سمجھنے والا نہیں۔ ایسے مذاہب کے علما کے پاس نہ تو ان کے قوانین کا پاس و لحاظ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی

فکر، بس بندۂ مجبور مراسم کی طرح کسی طرح کام چلا رہے ہیں۔

اسلام ایک آفاقی و دائمی مذہب تھا جس کی وسعت و ہمہ گیریت کا فطری تقاضا تھا کہ اسلام کے کچھ افراد اس شان کے پیدا ہوں کہ اسلام کے آفاقی مسائل کی تہ تک پہنچ کر شریعت کے صحیح منشا کو جان سکیں جہاں تک ایک عام آدمی کے فہم کی رسائی نہیں ہو پاتی، اور پھر درست انداز میں شرعی افہام وتفہیم کا سلسلہ قیامت تک قائم رہے۔

(۲) دوسری بات یہ تھی کہ شریعت کی تعبیر جن الفاظ میں کی گئی ظاہر ہے کہ وہ محدود ہیں اور قیام قیامت تک دنیا کے مسلمانوں میں جو حوادث و واقعات ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں پیش آتے رہیں گے بہر حال وہ لا محدود ہیں، کہ یہاں "کل یوم ھو فی شان" کی جلوہ گری ہے پس یہ ایک ناممکن چیز تھی کہ شریعت اپنے محدود الفاظ میں ان غیر محدود حوادث و جزئیات کا صریح طور پر احاطہ کر لیتی۔

پھر تجربہ بتاتا ہے کہ کسی قانون کی تعبیر میں لفظی فیاضیوں سے چاہے جتنا بھی زیادہ کام لیا جائے سارے جزئیات و حوادث کے ہر پہلو کا احاطہ ناممکن ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی صریح ضرورت تھی کہ کچھ ایسے صاحبان فہم و دانش کا ایک طبقہ پیدا کر دیا جائے جو دین کے نصوص، صریح تعبیروں اور شارع کے منشا کو سامنے رکھ کر ان حوادث و واقعات کے متعلق جدید احکام پیدا کرتے رہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ آج جب بھی کوئی مسئلہ رونما ہوتا ہے اور اس کے جائز و ناجائز کے تعلق سے لوگ کش مکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وحی الٰہی کے ذریعہ معاملے کا تصفیہ ہو جاتا ہے، یا خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہ نفس نفیس تشریف فرما ہونا بمنزلہ نص کے ہے کہ تمام احکام شرع کا حل آپ سے مل جاتا ہے، مگر کل جب یہ دونوں چیزیں مسلمانوں میں نہ ہوں تو پھر امت کے لیے حل المشکلات بن کر کون نمودار ہوگا۔ ضرورت اس امر کی داعی تھی کہ اپنے بعد والوں کے لیے ایک ایسی جماعت بنائی جائے جو دین کو تر و تازہ رکھے اور دنیا ان کے در سے شرعی حل پاتی رہے۔

(۴) چوتھی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ لہذا مناسب یہی تھا بہترین زمانے کے بہترین عقل والوں میں سے جو اعلیٰ درجے کے فہم و فراست کے مالک ہیں، ان کی ایک جماعت بنائی جائے جو الٰہی ہدایت اور نبوی شریعت میں غور و خوض کر کے فقہ و اجتہاد کی بنا ڈال دیں تاکہ بعد میں آنے والی قوم اسے تحفۂ خیر القرون سمجھ کر گلے لگائے اور انھیں کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے فقہ کو مزید ارتقائی منزلوں سے ہمکنار کر سکے۔ چناں چہ تاریخ پڑھنے والوں پر یہ مخفی نہیں کہ صحابۂ کرام کے بعد یہ فقہ و اجتہاد کا سرمایہ جب ان کے شاگردوں اور تابعین اور تبع تابعین حضرات کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس منصب کو باقاعدہ طریقے پر نبھانے کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں مستقبل میں پیدا ہونے والے امکانی مسائل اور ان کے جزئیات کا اس قدر کثیر سرمایہ مدون کر کے بعد والوں کے لیے رکھ دیا کہ مزید اجتہاد مطلق کی حاجت ہی نہ رہ گئی۔

اب آنے والے سطور میں آپ دیکھیں گے کہ فقہ کے سلسلے میں قرآنی تاکید کے ساتھ ساتھ نبوی تعلیم وتلقین کا سلسلہ کس قدر منظم انداز میں جاری تھا۔

فقہ واجتہاد کی فضیلت پر مشتمل احادیث نبویہ

نبی پاک ﷺ اپنے شبانہ روز مساعی کا مطالعہ کرنے والوں کو تاکیدی طور پر ہدایت کر دی تھی کہ جس کے پاس میری کوئی حدیث ہو، وہ اسے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے تاکہ اس کی اشاعت عام سے عام تر ہو سکے۔ ممکن ہے جس دوسرے کے پاس یہ حدیث پہنچی ہو وہ پہلے سے زیادہ منشأ نبوی کے فہم کا سلیقہ رکھتا ہو۔

(۱) بلغو عنی و لو آیة. (صحیح البخاری، ص:۱۷۰، کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، دار ابن کثیر، بیروت)

(۲) نضر الله امرا سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه غیره فرب حامل فقه الی من هو أفقه منه ،و رب حامل فقه غیر فقیه. (ترمذی، ج:۲، ۹۰ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

اللہ تعالی اس شخص کو سبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد رکھا، یہاں تک کہ دوسروں تک پہنچا دیا کہ بسا اوقات فقیہ اپنے سے فقیہ تر اصحاب تک روایت پہنچا دیتے ہیں۔ اور بہت سے حاملین فقہ (راویان حدیث) خود غیر فقیہ ہوتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں سید المرسلین ﷺ نے حامل فقہ کو تین درجوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

(۱) رب حامل فقه غیر فقیه. اس سے معلوم ہوا کہ جو حدیث وفقہ کا حافظ ہو کوئی ضروری نہیں کہ فقیہ بھی ہو۔

(۲-۳) و رب حامل فقه الی من هو أفقه منه. اس عبارت میں در اصل فقہا کے دو طبقوں کا ذکر ہے ایک تو وہ جو ”فقیہ“ ہے اور دوسرا وہ ”افقہ“ جس تک حدیث نبوی پہنچ رہی ہے۔

اس حدیث میں معلم کائنات ﷺ نے صاف صاف بتا دیا کہ شریعت کی نشر واشاعت میں حصہ لینے والے سب کے سب فقیہ نہیں ہوتے۔

اہل روایت تو سبھی ہو سکتے ہیں مگر فقیہ وافقہ وہی خوش قسمت ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی خیر مزید کا ارادہ فرمائے: من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین ـــــ اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ (ترمذی ج،۲، ص:۸۹، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء)

اس سلسلے میں محمد بن علی بن محمد علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

الفقه هو ثمرة الحدیث، ولیس ثواب الفقیه أقل من ثواب المحدث... کل انسان غیر الانبیاء لا یعلم ما اراد الله تعالی له و به، لأن ارادته تعالی غیب، الا الفقهاء فإنهم علموا إرادته تعالی بهم بحدیث الصادق المصدوق: من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین ۔(الدر المختار، ص:۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول:۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

فقہ حدیث کا ثمرہ ہے۔ فقیہ کا ثواب محدث کے ثواب سے کم نہیں ہے۔ انبیا کے علاوہ تمام انسان اس بات سے بے خبر ہیں کہ اللہ تعالی نے اس کے لیے اور اس کے ساتھ کس بات کا ارادہ کیا ہے۔ کیوں کہ ارادۂ الٰہی غیب ہے، سوائے فقہا کے، کہ انھیں صادق

ومصدوق ﷺ کے ارشاد گرامی ’’ من یر د اللہ به خیر ا یفقه فی الدین ‘‘کے ذریعے پتہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے ساتھ کس چیز کا ارادہ کیا ہے۔

فقہ اور فقہا و مجتہدین اسلام کی تعریف و فضائل پر مشتمل بہت سی احادیث کریمہ کے ذریعے اللہ کے حبیب ﷺ نے صحابۂ کرام کو فقہ پر بر شوق دلایا ہے۔اور جو اس لائق ہیں انھیں اس میدان میں آنے کی نہ صرف دعوت دی بلکہ مختلف مواقع پر باضابطہ ان کی فقہی و اجتہادی تربیت بھی فرمائی ہے،آنے والی سطور میں چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

(۴) الناس معادن ، فخیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذا فقھو ا.

لوگ کانیں ہیں،جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے اسلام میں بھی اچھے ہوں گے جب کہ وہ فقہ کو جاننے لگیں۔

(۵) حضرت ابو سعد خدری سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہ کو نصیحت فرمائی:

إن رجالا یاتونکم من أقطار الأرض یتفقھون فی الدین و إذاأتوکم فاستو صوا بھم خیرا.

بے شک اکناف عالم سے تمھارے پاس چند ’’تفقہ فی الدین‘‘ کے لیے آئیں گے جب وہ تمھارے پاس آئیں تو تم انھیں خیر کی نصیحت کرنا۔(جامع ترمذی ج،۲۔ص:۸۹،مجلس برکات،جامعہ اشرفیہ،مبارکپور ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء)

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد.(ترمذی، ج:۲،ص:۹۳ بتفصیل سابق)——— ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بہتر ہے۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما عبد اللہ عزوجل بشیٔ أفضل من فقه فی الدین ،و قال أبو ھر یرة:لأن الفقه ساعة أحب اليّ من أن احيي لیلة أصلیھا حتی أصبح . و الفقیه أشد علی الشیطان من ألف عابد، و لکل شيءدعامة و دعامة ھٰذا الدین الفقه۔(الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، خطیب بغدادی ج:۴،ص ۴۴،حدیث نمبر:۱۳۴۰)

اللہ تعالی کی کوئی عبادت تفقہ فی الدین سے بڑھ کر نہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: بالضرور ایک ساعت دین کی سمجھ میں لگا دینا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ رات بھر نفل میں گزار دوں۔اور فقیہ شیطان پر ایک ہزار عبادت گزاروں سے بھی زیادہ گراں ہے،ہر چیز کا ایک ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی مسجد میں دو حلقے دیکھے ایک حلقے میں کچھ لوگ متوجہ الی اللہ تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے اور دوسرے حلقے کے لوگوں کے بارے میں ہے:’’یتعلمو ن الفقه‘‘یعنی فقہ میں مشغول تھے۔آپ نے اس دوسرے حلقے کے لوگوں کے بارے میں فرمایا: یہ مجلس اس مجلس سے افضل ہے۔

أما ھؤ لاء’’فیتعلمو ن الفقه و یتعلمو ن الجاھل، فھؤ لاء أفضل ‘‘(سنن دارمی ،ص:۱۱۱، باب فی فضل العلم والعالم، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع اولی ۱۴۰۷ھ)

یہ لوگ فقہ کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر جاہلوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں؛ لہذا یہ ان سے افضل ہوئے۔

(۹) ملکۂ فقہ و اجتہاد ایک خدائی نعمت ہے جس سے کافر و منافق محروم رکھے جاتے ہیں۔ یہ ایک نور ہے جو ان کے دلوں میں نہیں اترتا، یہی وجہ ہے کہ جن افعال کا تعلق ظاہر سے ہے ان کے ساتھ ایک منافق مکر سے کام لے سکتا ہے۔ چناں چہ منافقت کے ساتھ کلمہ بھی پڑھ سکتا ہے، ''نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' جیسا تاکیدی کلمہ بھی اپنی زبان سے ادا کر سکتا ہے۔ قرآن کی آیات بھی تلاوت کر سکتا ہے، روایت حدیث کو بھی مشغلہ بنا سکتا ہے۔ مگر فقہی خدمات انجام نہیں دے سکتا کیوں کہ وہ فقہ سے کلیۃً عاری ہوتا ہے ـــــ اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

خصلتان لا يجتمعان فی منافق : حسن سمت . و الفقه فی الدين . (ترمذی، ج:۲، ص:۳، مجلس برکات)

دو خصلتیں کسی منافق میں جمع نہیں ہوتیں (۱) حسن سیرت (۲) دین میں فقہ۔

(۱۰) مجلس فقه خير من عبادة ستين سنة . لا خير فی قراءة إلا بتدبرٍ ، و لا عبادة إلا بفقه . (جمع الجوامع، باب حرف اللام، امام جلال الدین سیوطی، ج:۱، حدیث:۱۱۳۹)

فقہ کی ایک مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، بغیر فکر و تدبر کے پڑھنے میں کوئی بھلائی نہیں، اور فقہ سے ہٹ کر کوئی عبادت نہیں۔

(۱۱) بخاری شریف میں جریج راہب کا قصہ مذکور ہے کہ اس کی ماں نے اسے تین دفعہ آواز دی مگر ''لبیک'' کہنے کے بجائے اپنے صومعہ میں مصروف عبادت رہا، انجام کار اس کی والدہ نے بد دعا دے دی، اور جریج عبادت ہی کو سب کچھ سمجھتا رہ گیا، اس پر آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لو كان جر يج الر اهب فقيها عالما يعلم ان اجابة امه خير من عبادة ر به . (عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۲۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اگر جریج عالم کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی ہوتا تو ضرور اسے پتہ چل جاتا کہ ماں کی آواز پر ''ہاں'' کہنا خدا کی عبادت سے بہتر ہے۔

(۱۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر شرعی سوجھ بوجھ دیکھ کر آپ نے ان کے حق میں فقہ و تاویل کی دعا فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے کہ: اللهم فقهه فی الدين و علمه التاو يل . (مسند احمد بن حنبل، ج:۸: ص:۶۹)

اے اللہ! ابن عباس کو دین کی فقہ عطا فرما اور علم تاویل سے سرفراز کر دے۔

(۱۳) معلم کائنات ﷺ نے عامی شخص، محدث اور فقیہ ان تینوں کی ایک مثال دے کر کس قدر خوب صورت انداز میں ان کے مقام کو سمجھایا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

مثل ما بعثنی الله به من الهدی و العلم كمثل الغيث الكثير أصاب أرضاً، فكان منها نقية قبلت الماء فانبتت الكلاء العشب الكثير، و كانت منها أجادب أمسكت الماء، فنفع الله بها الناس، فشربوا ، و سقوا و زرعوا. و أصاب منها طائفة أخرى ، إنما هی قيعان لا تمسك ماء و لا تنبت كلاء ــــ فذلك مثل من فقه فی دين الله و نفعه بما بعثنی الله به فعلم و علم . و مثل من لم يرفع بذلك راسا ، و لم

يقبل هدى الله الذى ارسلت به. (صحیح البخاری، ج:۱، ص:۱۸، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور، سن طبع: ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۸ء)

جس علم وہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی سی ہے جو ایسی زمین پر برسی جو بڑی عمدہ صاف و شفاف تھی، تو اس نے اپنے اندر پانی جذب کر لیا پھر خوب گھاس و سبزیاں اگائیں۔ اور پانی کی کچھ برسات ایسی زمین پر ہوئی جو سخت تھی اس نے پانی کو روک لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچایا کہ لوگ اسے پیتے رہے، پلاتے رہے اور اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے رہیں۔ کچھ چٹیل زمین پر بھی برسی مگر وہ نہ تو پانی کو روک سکی نہ کچھ اگا سکی۔

تو یہ مثال ان کی ہے جو اللہ کے دین میں فقہ حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو دین مجھے دے کر بھیجا ہے اس سے نفع حاصل کریں، علم سیکھیں اور سکھائیں۔ اور ان کی بھی جس نے اس بارش علم وہدایت کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔

صحابۂ کرم کی اجتہادی تربیت کے اقسام

صحابۂ کرام کی اجتہادی تربیت کو حسب ذیل پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) بذریعۂ اجتہاد: اصح قول کے مطابق نبی پاک ﷺ بھی اجتہاد فرماتے تھے، جس کا ایک مقصد امتِ مسلمہ کو اجتہاد کی ترغیب و تشویق دلانا تھا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے پیش آمدہ امور میں اجتہاد سے کام لیا اور فیصلے فرمائے، اسی طرح فقہاء امت بھی پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم شرعی معلوم کرنے کی جدوجہد کریں۔ اگرچہ یہ مقصد قولی احادیث سے بھی پورا ہو سکتا تھا لیکن فعل سے مزید طمانینت حاصل ہوتی ہے، طرز استدلال اور نوعیتِ قیاس نکھر کر سامنے آتا ہے، اس سے بعد کے مجتہدین کو بڑی رہنمائی ملتی ہے۔

(ب) بذریعۂ مشاورت: اللہ تعالیٰ کا حکم تھا: ”وشاورهم فى الامر“ یعنی اہم معاملات میں ان سے مشورہ لے لیا کرو ـــــ گو کہ اس وقت وحی کی آمد کا سلسلہ جاری تھا اور اس کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی فطرت کا تقاضا تھا کہ معلم کائنات ﷺ کی زیر تربیت امور جہاں بانی سنبھالنے کا سلیقہ سکھا دیا جائے اور انھیں قیاس واجتہاد کے ذریعے اس طرح کے نو پید مسائل کے حل کے لیے انھیں تیار کر دیا جائے اس پر چند امثال وشواہد ہدیہ ناظرین ہیں:

☆ بدر کے موقع پر قیدیوں کے بارے میں آپ ﷺ نے اصحاب بصیرت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی اور اس کی علت یہ بیان کی کہ اس سے مسلمانوں کو قوت پہنچے گی۔ پھر یہ کہ یہ سب ہمارے ہی قبیلہ وقوم کے لوگ ہیں شاید بعد میں ایمان لے آئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ سب کفر کے سردار اور سرپرست ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے تاکہ بقیہ کفار پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو جائے۔ اور میری رائے تو یہ ہے کہ ہر قیدی کو اس کا قریبی رشتہ دار قتل کرے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی رائے تسلیم فرمائی تب قرآن پاک کی وہ آیت نازل ہوئی جس سے حضرت عمر کے اجتہاد کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ (الانفال:۶۷)

کسی نبی کے لیے روانہیں کے وہ کافروں کو زندہ قید کرے، جب تک کہ زمین میں خوب خوب خون نہ بہالے۔

☆ اسی طرح نماز کے اوقات سے باخبر کرنے کے لیے جب مشورہ کی مجلس بلائی گئی تو بعض نے عیسائیوں کے ناقوس کی طرح ناقوس بجانے کا مشورہ دیا، بعض نے یہودیوں کی طرح بگل بجانے کی رائے دی، حضرت عمر نے عرض کیا کہ کیوں نہ نماز کی منادی کرنے کے لیے کسی کو مقرر کر دیا جائے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا:

یا بلال قم فناد بالصلوۃ (صحیح بخاری، ج:۱،ص:۸۵ ،مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۸ء)

اس مشاورت میں حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے یہود و نصاریٰ کا طریقۂ اعلان اختیار کرنا ناپسند فرمایا اور اپنے اجتہاد سے اعلان نماز کا مشورہ دیا جسے اسلام میں پسند کیا گیا اور اسی کے مطابق آج پوری امت کا عمل جاری وساری ہے۔

(ج) بوقت عدم حضوری: بعض صحابۂ کرام جو بارگاہ رسالت سے اتنی دوری پر ہوتے کی قیاس و اجتہاد کے بغیر معرفت احکام کا کوئی دوسرا راستہ نہیں بچتا، تو ایسے حضرات کے لیے صریحی طور پر قیاس واجتہاد کی اجازت تھی۔

(ا) چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی مقرر کرتے وقت فرمایا تھا:

كيف تقضى،قال:أقضى بما في كتاب الله ، قال: فان لم يكن فى كتاب الله قال:فبسنة رسول الله ﷺ قال: و إن لم يكن فى سنة رسول الله ﷺ قال:أجتهد برائي. قال:الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله ﷺ. (جامع الترمذی، ج:۱،ص:۱۵۹، ابواب الاحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی، مجلس برکات مبارک پور)

جب تمھارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: کتاب اللہ سے، فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت سے، فرمایا: اگر سنت میں بھی نہ پاؤ؟ عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے جس نے اپنے رسول ﷺ کے قاصد کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی۔

بعض روایت میں ہے کہ اس کے بعد بطور تحسین آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کا سینہ تھپتھپایا اور فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اس کا رسول راضی ہے۔

(دیکھیں: سنن ابی داؤد کتاب الاقضیۃ، باب اجتہاد الرای والقضاء، ص:۶۰۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام جصاص رازی اس حدیث کی استنادی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

فأجاز الإجتهاد فيما لا نص فيه ،و من جهة أخرى أن هذا الخبر قد تلقاه الناس بالقبول و استفاض، و اشتهر عندهم من غير نكير من احد منهم على رواته ، ولاردّله .وأيضا فإن أكثر أحواله أن يصير مرسلا ، والمرسل عندنا مقبول. (اصول الجصاص، ج:۲،ص:۲۲۲)

اس سے ثابت ہوا کہ رسالت مآب ﷺ نے ان کو غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اس حدیث کو عوام وخواص میں قبول عام حاصل ہے اور اہل علم کے یہاں اس حدیث کو بغیر کسی انکار ورد کے شہرت حاصل ہے۔ یہ

بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بیش تر راویوں نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور مرسل ہم حنفیوں کے یہاں مقبول اور قابل حجت ہے۔

حدیث معاذ کے ماخذ وسند کے بارے میں حافظ ابن کثیر مکی متوفی:۷۷۴ھ فرماتے ہیں:

هذا الحديث فی المسند و السنن باسناد جيد. یعنی یہ حدیث مسند احمد اور سنن کی کتابوں میں عمدہ سند کے ساتھ آئی ہے۔

صحیح بخاری وسنن ابی داؤد کے اولین شراح میں سے ایک امام ابوسلیمان الخطابی متوفی:۳۸۸ھ فرماتے ہیں:

و فی هذا إثبات القيا س و إيجاب الحكم به. (معالم السنن، ج:۴، ص:۱۵۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، سن طبع:۱۴۱۶ھ)

اس حدیث میں قیاس کی حجیت اور اس کے ذریعے حکم شرعی واجب کرنے کا ثبوت ہے۔

اسی طرح جب صحابہ کسی سفر میں ہوتے اور بعد مسافت یا حکم کی عجلت کی وجہ سے انھیں فوراً دربار رسالت سے مراجعت کا موقع نہیں مل پاتا تو ایسے موقع پر صحابہ کرام اجتہاد وقیاس سے کام لے کر اس پر عمل کیا کرتے تھے۔ امام بخاری بیان کرتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم يوم الا حزاب لايصلين أحدالعصر إلافي بني قر يظة، فأدرك بعضهم العصر فی الطر يق، فقال بعضهم: لا نصلی حتی ناتيها، و قال بعضهم: بل نصلی، لم ير د منا ذلك. فذكر ذلك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم يعنف و احدا منهم.

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، ج:۲، ص:۵۹۱، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، طبع اول:۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا: لايصلين أحدالعصر إلافي بني قر يظة یعنی کوئی بھی نماز عصر نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں، ابھی راستے میں ہی تھے کہ وقت عصر ہو گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم بنو قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھیں گے، بعض کا کہنا تھا ہم یہیں پڑھ لیتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد یہ نہ تھی کہ بنو قریظہ سے پہلے اگر وقت آجاے تو نماز نہ پڑھیں۔ بعد میں جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گئی تو آپ نے ان میں سے کسی کی بھی ملامت نہ کی۔

دیکھیں یہاں دونوں کا انداز فکر جداگانہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا نماز کا وقت جب راستے میں آگیا ہے تو یہیں ادا کرنا ہے۔ دوسری جماعت نے بنو قریظہ میں جاکر نماز پڑھی، کیوں کہ ظاہر نص سے اسی کا حکم ملتا تھا۔ چوں کہ دونوں کی نیت میں خیر تھی اسی لیے کسی پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

اس انداز تربیت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مجتہد اس مسئلے میں جس میں نص موجود نہ ہو، اپنی فقہی بصیرت پر عمل کر سکتا ہے، اگر اس کی رائے درست نہ ہو تو بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا، بلکہ حق کی جستجو میں جو کوشش اور محنت صرف کی اس کا ایک اجر ملے گا جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے۔

قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذاحكم الحاكم فا جتهد و أصاب، فله أجر ان. و إذاحكم فاجتهد و أخطأ

فلہ أجر واحد. (صحیح البخاری، ج:۲،ص:۱۰۹۲، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، طبع اول:۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

جب حاکمِ مجتہد حکم صادر کرنے کا ارادہ کرلے، پھر اجتہاد کرے، اور صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں: اور جب حکم میں اجتہاد سے کام لے اور خطا کر جائے، تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

قاضی عیاض مالکی متوفیٰ:۵۴۴ حدیث مذکور کی شرح میں رقم طراز ہیں:

اس حدیث پاک میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ فروعی مسائل میں مجتہد سے بھول چوک معاف ہے اور ان فروعی مسائل میں سے جس مسئلے کے نتیجے تک مجتہد کا اجتہاد اسے لے جائے اس میں مجتہد کی ملامت وگرفت نہیں کی جائے گی۔ اس کے برعکس اصول مسائل یعنی عقائد میں معاف نہیں۔ اور یہ مذکورہ بالا صورت میں صحابۂ کرام کے دلائل متعارض ہو گئے تھے۔ چناں چہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم اس بات کا تقاضا کر رہا تھا کہ نماز بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا کرلی جائے اور "لا یصلین أحد العصر إلا فی بنی قریظة "کا حکم اس امر کو چاہتا تھا کہ نماز وقت نکل جانے کے بعد بھی بنی قریظہ میں ہی پڑھی جائے، تو کون سے ظاہر کو مقدم کیا جائے اور کون سے عام پر عمل کیا جائے۔

آگے لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی مراد بنی قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کرنا تھا، نفس نماز کو موٴخر کرنا، اس میں سستی اور کوتاہی کرنا مراد نہ تھا۔ جس نے اس مفہوم کو لیا، اس نے نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے نماز وقت میں ادا کی۔ اور جس نے ظاہر لفظ کو لیا، مقصود کو نہ پہنچا اس نے اس پر عمل کیا اور نماز موٴخر کردی ــــــ تو اس حدیث میں دونوں مکتب فکر کی دلیل موجود ہے۔ جو مکتب فکر ظاہری الفاظ پر عمل کا قائل ہے اس کی بھی دلیل ہے اور جو مکتب فکر منشا و مقصد اور بات کی تہ تک پہنچنے کا خوگر ہے اس کی بھی دلیل موجود ہے۔ (اکمال المعلم شرح صحیح مسلم، ج:۶، ص:۱۱۰، طبع: دار الوفاء)

اب یہ مسئلہ فقہا کے درمیان موضوع بحث بن گیا کہ ان دونوں میں سے کون سا فریق حق سے زیادہ قریب رہا ہے۔ تو فقہا کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جن صحابہ نے نماز کو موٴخر کر کے بنو قریظہ میں پڑھی وہ اپنے اجتہاد میں حق سے قریب رہے، اگر ہم ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی ویسا ہی کرتے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم "لا یصلین احد الا فی بنی قریظہ " پر عمل پیرا رہتے۔

جب کہ فقہا کی دوسری جماعت کا یہ کہنا ہے کہ جنھوں نے راستے میں نماز پڑھ لی وہ فقہ و اجتہاد سے زیادہ قریب رہے۔ اور دوسرے گروہ کے بنسبت یہ جماعت زیادہ فقیہ نکلی کیوں کہ اس نے بہ یک وقت کئی فضیلتوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی تھی۔

(۱) نماز عصر کی پابندی کرنے کی سخت تاکید آئی ہے، قرآن پاک میں ہے: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ (البقرہ:۲۲۸) اس کے علاوہ اس سلسلے میں حضور ﷺ کے کئی ارشادات کہ نماز عصر کی پابندی کی جائے اس کو جلدی ادا کی جائے، تاخیر نہ کی جائے، ایک موقع پر تو آقا ﷺ نے تاکیدی طور پر یہاں تک فرمایا: جس سے یہ نماز فوت ہوگئی، گویا اس کے اہل و عیال اور مال سب برباد ہو گئے اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ لہٰذا ان حضرات نے ان تاکیدی ارشادات کو سامنے رکھ کر نماز پڑھ لیا تو ان صریح نصوص قرآن و سنت پر عمل ہو گیا۔

(۲) دوسری طرف حضور ﷺ کے منشا تک پہنچنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں اجتہاد سے کام لیا کہ آپ کا مقصود نماز قضا کروانا نہیں بلکہ جلد پہنچانا ہے۔ تو اس پر مزید اجر عظیم کے مستحق ہوئے۔

(۳) بنی قریظہ پہنچ کر منشاے سرکار دوعالم ﷺ کو پالیا۔

(۴) سرور کونین ﷺ کی رضاجوئی کی خاطر اپنے وقت پر نماز ادا کرنے میں جلدی کی۔

(۵) پھر قوم کے ساتھ جا ملنے میں بھی جلدی کی تو اس طرح جہاد کی فضیلت بھی حاصل ہو گئی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ راستے میں نماز پڑھنے والا گروہ جس نے دونوں دلائل میں موافقت و تطبیق کی صورت پیدا کی دوہرے اجر کا مستحق ہوا۔ انہوں نے اپنی فقہی بصیرت کے ذریعے کس قدر گوناگوں اجر و خوبیاں سمیٹ لیں۔ یہی وہ راز ہے کہ جس کی بنا پر فقیہ و مجتہد اللہ تعالیٰ کے یہاں خیر مزید کا حقدار ہوتا ہے:

من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین۔ (ترمذی ج۲،ص:۸۹ بتفصیل سابق)

☆ اسی طرح سنن نسائی میں حضرت طارق سے مروی ہے:

انّ رجلاً أجنب فلم یصل ،فاتی النبی ﷺ ، فذکر ذالك ،فقال :أصبت ، فأجنب اٰخر ،فتیمم و صلی ، فأتاه فقال :نحو ما قال للاٰخر یعنی أصبت .(سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، ص:۳۶، ج:۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہوئی، اس نے نماز نہ پڑھی، پھر اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا سارا واقعہ ذکر کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے ٹھیک کیا، پھر اسی طرح ایک دوسرے شخص کو نہانے کی حاجت ہو گئی، انھوں نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی، پھر وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے بھی اسی طرح فرمایا جس طرح پہلے والے شخص سے فرمایا تھا، یعنی تم نے ٹھیک کیا۔

اس حدیث پاک کی تشریح میں استاذ گرامی حضرت مفتی ناظم علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور رقم طراز ہیں:

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ان حضرات نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا؛ کیوں کہ اگر انھیں اس سلسلے میں نص کی اطلاع ہوتی تو پھر عمل کے بعد سوال کی ضرورت نہ تھی، حضور ﷺ کا ان دونوں حضرات کے اجتہاد اور اس پر عمل سے انکار کے بجائے ان کی تحسین و تصویب فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ جس نوپید مسئلہ میں کوئی حکم شرعی نص سے معلوم نہ ہو، اس کے حکم کے استخراج کے لیے اصحاب نظر کا اپنی طاقت و قوت صرف کرنا اور اجتہاد کے ذریعے حکم شرعی کا استنباط کرنا اور اس مستخرج و مستنبط حکم پر عمل کرنا جائز و درست ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی نوپید مسئلہ میں اصحاب نظر مجتہدین کی نظریں مختلف ہوں تو اس اختلاف نظر و فکر کے بعد ہر ایک اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اگرچہ نفس الامر میں حق کوئی ایک ہی ہو؛ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا دونوں حضرات سے یہ فرمانا کہ "تم نے ٹھیک کیا، جب کہ نفس الامر میں ٹھیک ایک ہی ہے۔" کا معنیٰ یہ ہے کہ تم دونوں نے حکم شرعی کے استنباط و استخراج کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کی؛ اس لیے اجر و ثواب اور صلہ و انعام کے مستحق ہو، اس کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ

حکم واضح ہوجانے کے بعد بھی ہر ایک کو اختیار ہے چاہے تیمم کرے اور چاہے نہ کرے اور چاہے نماز پڑھے، یا نہ پڑھے۔

(اجتہاد اور تقلید، ص:۱۱۱، سنی پبلیکیشنز، دہلی، طبع اول، ۲۰۰۵ء)

☆حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

خرج رجلان من سفر فحضرت الصلوٰۃ و لیس معھما ماء فتیمم صعیداً طیباً فصلیا، ثم وجد الماء فی الوقت فعاد أحدھما الصلوٰۃ بوضوء، ولم یعد الاٰخر، ثم أتیا رسول اللہ ﷺ فذکرا ذلک، فقال للذی لم یعد: أصبت السنۃ و اجزأتک صلوٰتک و قال للذی توضا وأعاد: لک الأجر مرتین.

(سنن ابی داؤد، ج:۱، ص:۴۹ کتاب الطہارۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دو آدمی سفر پر گئے تو نماز کا وقت آگیا، اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا، دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر نماز کے وقت میں انھیں پانی مل گیا، تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز لوٹالی اور دوسرے نے نماز نہ دہرائی۔ پھر یہ دونوں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو جس شخص نے نماز نہ لوٹائی، اس سے فرمایا کہ تو نے سنت کے مطابق کیا اور تمھاری ادا کردہ نماز تمھیں کافی ہوگئی، اور جس نے وضو کر کے نماز لوٹائی اس سے فرمایا کہ تمھیں دونا اجر و ثواب ملا۔

☆حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: میں حالت جنابت میں پانی نہ پاؤں تو کیا کروں؟ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ سفر میں تھے اور دونوں کو جنابت لاحق ہوگئی، تو آپ نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں خوب لوٹ پوٹ لگائی، پھر نماز ادا کرلی، جب میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

إنما کان یکفیک ھکذا: فضرب النبی ﷺ بکفیہ الأرض، ونفخ فیھما، ثم مسح بھما وجھہ و کفیہ. تم کو اس طرح کافی تھا، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک زمین پر مارے، پھونک لگائی، پھر ان سے منہ اور ہاتھ کا مسح کیا۔ (صحیح بخاری، ج:۱، ص:۴۸، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور، سن اشاعت: ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بوقت ضرورت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد و قیاس سے کام لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گمان پر توقف کیا کہ تیمم صرف وضو کا نائب ہے، جنابت کے لیے کافی نہ ہوگا۔ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیاس کیا کہ وضو کے بدلے میں وضو کی ہی ہیئت پر تیمم کا حکم ہے تو غسل کے بدلے میں غسل ہی کی ہیئت پر تیمم کا بھی حکم ہوگا۔ لہٰذا اس بنیاد پر پورے جسم پر خاک مل لی لیکن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر سرزنش نہ فرمائی، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مجتہد کا اجتہاد و قیاس اگر صواب و درست نہ ہو تو اس پر ملامت نہ کی جائے گی۔ اور اجتہاد پر عمل کرنے سے اعادہ بھی لازم نہ ہوگا —— حدیث مذکور کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

و یستفاد من ھذا الحدیث وقوع اجتہاد الصحابۃ فی زمن النبی ﷺ۔ (فتح الباری، ج:۱، ص:۴۴۴، دار

المعرفۃ، بیروت، سن طبع:۱۳۷۹ھ)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے اجتہاد کا وقوع ہوتا تھا۔

(د) بذریعہ تاویل: عہد نبوی میں اجتہاد صحابہ کی چوتھی صورت تھی: نصوص احکام میں تاویل وتخصیص۔ چناں چہ اجتہاد کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے:

الاجتهاد: بذل الطاقة من الفقيه فى تحصيل حكم شرعى ظنى. (مسلم الثبوت، مع فواتح الرحموت، ص:۴۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ طبع اول: ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

یعنی حکم شرعی ظنی کی تحصیل میں فقیہ کا انتہائی کوشش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ احکام شرعیہ کے تعلق سے بعض نصوص قرآنیہ کی تاویل وتخصیص بھی اجتہاد ہی میں داخل ہے۔

عہد رسالت میں صحابۂ کرام کی جانب سے اس طرح کے اجتہادات کی بھی بڑی مثالیں ملتی ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی فقہی تربیت کی غرض سے اہل بصیرت صحابہ کو سفر وحضر سب میں اس طرح کے اجتہاد کا اذن حاصل تھا۔ چناں چہ یہ حضرات جب اپنے اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کسی مسئلے کا استنباط فرماتے یا بوقت ضرورت تاویل وتخصیص کی صورت میں اجتہاد فرماتے۔ بعدہ بارگاہ رسالت میں اصلاح کے لیے معاملہ پہنچتا تو بعض مسائل کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصویب فرمادیتے اور بعض کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے جو کہ تصویب ہی کی ایک صورت بنتی ہے۔ اور بعض مسائل میں ہونے والی چوک کو ظاہر فرماکر صحیح صورت حال سے آگاہ فرمادیتے تھے، آنے والے سطور میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

☆ امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عمرو بن عاص کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

احتلمت فى ليلة باردة فى غزوة ذات السلاسل فأشفقت أن اغتسلت أن اهلك، فتيممت، ثم صليت بأصحاب الصبح، فذكروا ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم، فقال: يا عمرو، صليت بأصحابك وأنت جنب فأخبرته بالذى منعنى من الاغتسال، وقلت: إنى سمعت أن الله عزوجل، يقول: "ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما" فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يقل شيئا.

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الطہارۃ، باب عدم الغسل للجنابۃ فی شدۃ البرد، ج:۱، ص:۴۱۱، دار المعرفہ بیروت)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے غزوۂ ذات السلاسل کے سفر میں ایک سرد رات میں احتلام ہوگیا اور مجھے اندیشہ تھا کہ اگر غسل کروں گا تو شاید ہلاک ہوجاؤں گا میں نے تیمم کرکے اپنے ہمراہیوں کو صبح کی نماز پڑھادی، ان لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو ذکر کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ میں نے آپ کو غسل سے مانع امر کی اطلاع دی، اور عرض کیا کہ میں نے اللہ عزوجل کو یہ فرماتے سنا: "اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے" تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیر لب تبسم فرمایا اور کچھ نہ کہا:

یہی حدیث بخاری شریف میں یوں مذکور ہے:

إن عمرو بن العاص أجنب فی لیلۃ باردۃ فتیمم و تلا:"ولا تقتلوا أنفسکم إن الله کان بکم رحیماً" فذکر ذلك للنبي ﷺ فلم یعنف. (صحیح بخاری، ج:۱، ص:۴۹، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور، سن اشاعت:۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

ایک سرد رات میں حضرت عمرو بن عاص کو احتلام ہو گیا تو انھوں نے تیمم کیا اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی: اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ تو نبی پاک ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ملامت نہیں کی۔

اس حدیث پاک سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ نبی پاک ﷺ کے مبارک عہد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص نے اس پیش آمدہ مسئلہ میں اجتہاد فرمایا۔ اور اپنی ممکن طاقت و قوت سے حکم شرعی کا استنباط فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ اور نبی پاک ﷺ سے اپنے اجتہاد اور عمل کا بھی ذکر کیا، سرکار ﷺ نے اس پر ملامت نہ فرمائی، بلکہ زیر لب تبسم فرمایا۔

شارع امت ﷺ کا اس اجتہاد اور عمل بالاجتہاد پر ملامت نہ فرمانا بلکہ اسے ثابت و مقرر رکھنا اجتہاد اور عمل بالاجتہاد کے جواز و عدم امتناع کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اگر اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے صاحبان نظر کا اجتہاد کرنا ناجائز و حرام ہوتا تو حضور اقدس ﷺ ضرور اس پر ملامت و انکار فرماتے اور راہ حق و صواب کی ہدایت فرماتے، اور اس وجہ استدلال کی تردید فرمادیتے۔

دیکھیں! یہاں حضرت عمرو بن عاص نے جان کی ہلاکت کی صورت کو تیمم کے جواز کی صورت پر قیاس کیا کیوں کہ دونوں میں علت مشترکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا موجود تھی ــــــ اس حدیث پاک میں صاف لفظوں میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص سے فرمایا کہ کیا تم نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھادی، تو حضرت عمرو بن عاص نے وجہ استدلال اور اخذ و استنباط پیش فرمایا اور یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوں کو ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔ اور مجھے جان کی ہلاکت کا قوی اندیشہ تھا۔ یہ اخذ و استنباط اور استخراج و اجتہاد نہیں تو پھر کیا ہے؟

علامہ عینی نے اس حدیث کے تحت ارشاد فرمایا کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ نبی پاک ﷺ کے عہد میں بھی اجتہاد ہوتا تھا۔ (عمدۃ القاری، ج:۶، ص:۱۰۱، ملتقی اہل الحدیث، تحقیق: اسامہ بن زہراء، ۱۴۲۷ھ)

☆ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، تو ایک صحابی کو پتھر لگنے کی وجہ سے سر میں زخم آگیا۔ پھر انھیں احتلام بھی ہو گیا اس نے ساتھیوں سے دریافت کی کہ کیا تم میرے حق میں تیمم کی اجازت پاتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم تمھارے لیے تیمم کی اجازت نہیں پاتے، تم پاکی پر قادر ہو، لہذا انھوں نے غسل کر لیا اور اس کی وجہ سے ان کی وفات ہو گئی۔ جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی، اس پر آپ نے فرمایا:

قتلهم الله ألّا سألوا إذلم یعلموا، فانما شفاء العيّ السوال، إنما کان یکفیه أن یتمم و یعصّر أو یعصّب علی جرحه خرقة، ثم یمسح علیها، و یغسل سائر جده۔ (ابوداؤد، ج:۱، ص:۴۹، مطبع اصح المطابع، ہند)

اف! اللہ انھیں غارت کرے، جب جانتے نہ تھے تو پوچھ کیوں نہ لیا، کیوں کہ لاعلمی کا علاج پوچھ لینا ہی ہے۔ اسے تیمم کافی تھا، پھر اپنے زخم پر کپڑا لپیٹ کر ہاتھ پھیر لیتا اور باقی جسم دھوڈالتا۔ (ابوداؤد، ج: ۱، ص: ۴۹، مطبع اصح المطابع، ہند)

دیکھیے! جن لوگوں نے زخمی صحابی کو غسل کا حکم دیا تھا، انھوں نے آیت کریمہ " فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا " (پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو) کا مطلب اپنے اجتہاد سے اخذ کیا کہ آیت کے ظاہر الفاظ کا معنی یہ ہے کہ جواز تیمم کے لیے پانی کا نہ ملنا شرط ہے۔ اور جب تک پانی موجود ہے انھیں تیمم کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اس اجتہاد کا حاصل یہ تھا کہ " فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً" کے پیش نظر زخمی صحابی کو غسل کا حکم دے دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تاویل کو رد فرما دیا کہ پانی نہ ہونے ہی کے ساتھ تیمم کا جواز خاص نہیں، بلکہ اگر پانی موجود ہو پھر بھی استعمال میں ہلاکت یا مرض کا پورا خطرہ ہے تب بھی تیمم جائز ہے۔

یعنی " فَلَمْ تَجِدُوْا " سے لغوی معنی مراد نہیں ہے، پانی پر قدرت کا نہ ہونا مراد ہے، خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ پانی مفقود ہے، یا یہ کہ پانی کے استعمال سے شدت مرض یا ہلاکت کا خطرہ ہو، چناں چہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سمجھا تھا اور حضور ﷺ نے اپنے تیمم سے اس کی تائید بھی فرما دی تھی۔

(ہ) بصورت نظائر و علل: نبی پاک ﷺ کی اجتہادی تربیت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ سائل کے سوال کے جواب میں اس کی کوئی نظیر پیش کر دیتے تھے تاکہ باصلاحیت صحابہ کو نظائر و علل کے ذریعہ اجتہاد کا طریقہ ہاتھ آجائے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں بطور ثبوت پیش کی جاتی ہیں:

☆ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، مگر وہ حج نہ کر سکی اور اس کا انتقال ہو گیا۔ تو کیا میں اس کی جانب سے حج کر سکتی ہوں؟

اس پر سرکار دوعالم ﷺ نے حج کا حکم دیتے ہوئے قیاس کا ایک طریقہ ارشاد فرمایا:

أرأيتِ لو كان على أمك دين، أكنتِ قاضية؟ أقضو الله فالله أحق بالوفاء.

(صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۲۵۰، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ۲۰۰۸)

بتاؤ! اگر تمھاری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا نہ کر دیتی؟ اللہ کا فریضہ ادا کر دو یہ تو بدرجۂ اولیٰ پورا کیے جانے کے لائق ہے۔

دیکھیں! حج بدل کی ادائیگی واجب ہونے پر رسول کریم ﷺ نے دین کو بطور نظیر ذکر فرمایا اور اشارہ دیا کہ دنیا کی حج بدل کی ادائیگی کو دَین کی ادائیگی پر قیاس کر لو کہ جو کام اپنے ذمے آئے مثلاً لوگوں کا قرض ہو تو اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا جو قرض بندوں پر ہے اس کی ادائیگی بدرجۂ اولیٰ لازم ہوگی۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نے روزہ کی حالت میں نشاط کے ساتھ اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا، پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج مجھ سے ایک بہت بڑی بات صادر ہو گئی کہ روزے کی حالت میں، میں نے

بوسہ لے لیا۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أرأيت لو مضمضت من الماء و أنت صائم ؟فقلت : لا بأس بذلك ، فقال: رسول الله ﷺ: ففيم ؟ (سنن ابوداؤد۔کتاب الصیام،ص:۳۲۴،مطبع اصح المطابع،ہند)

تم ہی بتاؤ!اگر روزے کی حالت میں کلی کرتے تو کیا حکم بنتا؟تو میں نے عرض کیا یہ کوئی حرج کی بات نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس میں حرج کیوں؟

دیکھیں!بوسہ کے مفسد صوم نہ ہونے پر پانی سے کلی کرنے کو بطور نظیر پیش فرمایا کہ جس طرح پانی سے کلی کرنا روزے کے فساد کا سبب نہیں اسی طرح منہ سے بوسہ لینا مفسد صوم نہیں علت مشترکہ یہ ہے کہ دونوں میں منافی صوم کوئی کام موجود نہیں ہے۔

درج بالا دونوں حدیثوں میں علت جامعہ کی بنیاد پر اجتہاد کرنے کا واضح اشارہ موجود ہے:فاعتبروا یا اولی الأبصار۔

☆کبھی خود کوئی حکم بیان فرمانے کے بعد اس کی علت بیان فرمادیتے تھے،تاکہ اہل فہم و بصیرت صحابہ اس کو اختیار کرکے بوقت ضرورت دوسری مناسب جگہ اس کو منطبق کرسکیں،چناں چہ:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بلی کے جھوٹے کے بارے میں فرمایا:انها ليست بنجس، إنها من الطوافين عليكم أو الطوافات. (شرح معانی الاثار کشف الاستار،ج:۱،ص:۳۲،دائرۃ المعارف الامجدیہ،مئو یوپی)

یعنی اس کا جھوٹا نجس نہیں اس لیے کہ یہ تم پر بار بار آنے جانے والوں میں سے ہے ــــــ در اصل قرآن پاک کی پیش کردہ اصول کے مطابق گھر میں آنے والے کو اجازت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن اگر اپنے بچوں کو اور گھر کے خدام کو جن کا گھر میں آنا جانا ہوتا ہے۔ان پر بھی یہ لازم کردیا جاتا کہ وہ اذن کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے تو بڑے تکلف اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا اس لیے ان کے متعلق رخصت آئی کہ تین اوقات کے سوا جن میں اذن کے بغیر چارۂ کار نہیں،انھیں اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ (النور:۵۸)

یعنی قبل نماز فجر،بعد نماز عشا اور دوپہر کے علاوہ نہ تو تمھارے لیے،اور نہ ان کے لیے کوئی حرج ہے؛کیوں کہ کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمھارا ایک دوسرے کے پاس۔

دیکھیں!معلم کائنات ﷺ نے حرج سے بچنے کے لیے بلی کے معاملے میں وہی حکم صادر کیا جو قرآن میں بچوں اور خادموں کے حق میں حرج دور کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔دونوں میں علت مشترکہ ”کثرت طواف“تھی،جسے آپ نے ”إنها من الطوافين عليكم أو الطوافات“کہہ کر بیان فرمادیا۔

☆رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی نے کالے بچے کو جنم دیا ہے،لہٰذا مجھے اس کے اپنا لڑکا ہونے پر انکار ہے،رسالت مآب ﷺ نے پوچھا تمھارے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا:جی ہاں!اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:ان کے رنگ کیسے ہیں؟بتایا:سرخ،آپ ﷺ نے فرمایا:ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی

ہے ؟۔اس نے کہا ہاں !آپ ﷺ نے پوچھا سرخ میں خاکی کہاں سے آگیا؟ اس نے عرض کیا ممکن ہے کہ کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو۔اس پر آقا ﷺ نے فرمایا: تو تیرے بیٹے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو گا۔(صحیح بخاری، ج:۲،ص:۱۰۸۸، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور،۲۰۰۸ء)

دیکھیں !اس واقعہ میں معلم کائنات ﷺ نے باپ بیٹے کے رنگ وروپ کے اختلاف کو اونٹ کے رنگ وروپ کے اختلاف پر قیاس کیا اور سائل کو فقہی بصیرت کا ڈھنگ بھی بتادیا۔

☆حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: تمھاری بیوی سے ہم بستری کرنا بھی صدقہ وخیرات کا حکم رکھتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: کیا ہمیں شہوت کی تسکین کرنے میں بھی اجر دیا جاتا ہے ؟اس پر آقا ﷺ نے فرمایا: بھلا بتاؤ تو، اگر حرام طریقے سے وہ اپنی شہوت پوری کرتا تو کیا اسے گناہ نہیں ملتا؟اسی طرح جب وہ حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اجر پائے گا۔(صحیح مسلم، ج:۱،ص:۳۲۴، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، طبع اول:۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

دیکھیں !اس مسئلے میں قیاسی طور پر محظور کا مقابلہ مباح سے کرکے فرمایا کہ جس طرح محظور کے ارتکاب پر گناہ اور محاسبہ ہوتا ہے اس کے مقابل مباح کے ارتکاب پر اجر ملتا ہے۔

حضور ﷺ نے جنس کو جنس کے بدلے برابر برابر بیچنا تو جائز قرار دیا ہے مگر ان میں تفاضل اور کمی بیشی کو سود ٹھہرایا ہے۔

☆حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ سے پوچھا گیا کہ خشک کھجور کے بدلے تر کھجور کو خریدنا درست ہے ؟—— اس کا جواب محض "نہیں" کے ذریعے ہوسکتا تھا۔مگر چوں کہ صحابۂ کرام کی فقہی واجتہادی تربیت مقصود تھی، اور یہ بتانا تھا کہ شریعت کے بعض احکام معلل بعلت ہوتے ہیں اس لئے آپ نے اس حکم کی "فقہ" سمجھاتے ہوئے دریافت فرمایا:

أینقص الرطب إذا یبس ؟ قالوا ،نعم فنهیٰ عن ذلك.

(جامع ترمذی، باب: النهی عن المحاقلة والمزابنة، ص:۱۴۷، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

کیا تر کھجور خشک ہوکر کم نہیں ہوجاتی؟ صحابہ نے عرض کیا: ہاں، تو اس سے منع کردیا۔

دیکھیں! اس مختصر سی وضاحت میں کیسی فقہی بصیرت پیدا کرنے کی کوشش فرمائی، اور کم لفظوں میں اس کے عدم جواز کی علت بتلادی کہ رطب سوکھ کر جب تمر سے وزن میں کم ہوجائے تو یہ بیع برابر نہ رہی، اور سود متحقق ہوگیا، جو کہ حرام ہے۔

☆ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ دو آدمی جھگڑتے ہوئے رسول ﷺ کے پاس پہنچے، آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کرو: اے عمرو ان کے درمیان فیصلہ کرو، انھوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھ سے زیادہ اس کے حق دار ہیں، فرمایا: ٹھیک ہے، اس کے باوجود تم ہی فیصلہ کرو، میں نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے اس فیصلہ پر کیا ملے گا؟ رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ٹھیک فیصلہ کیا تو تمھارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں بھول چوک ہوئی تو تمھیں ایک نیکی ملے گی۔

(مسند احمد، ج:۴، ص:۲۰۵، بقیة حدیث عمرو بن عاص عن النبی ﷺ، حدیث:۱۷۸۵۸، موسسۃ قرطبہ قاہرہ)

اس سے ملتی جلتی روایت حضرت عقبہ بن عامر جہنی کے تعلق سے بھی منقول ہے۔(دیکھیں شریعۃ اللہ الخالدۃ ص:۹۷، بتفصیل سابق) یہ حدیث بھی اجتہاد و قیاس سے کام لینے اور اس کے قابل حجت ہونے پر واضح دلیل ہے۔

عہد صحابہ میں فقہ واجتہاد اور طریقۂ کار

سید المجتہدین ﷺ کی فقہی واجتہادی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ اہل بصیرت صحابۂ کرام میں اس تعلق سے عجیب قسم کی فقہی لہر دوڑ گئی اور پیش قدمیاں ہونے لگیں، فقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے احکام سے متعلق آپس میں بحث و مباحثہ کرتے تھے، فقہ ان کی طبیعت میں یوں رچ بس گئی تھی کہ اس فن سے تعلق رکھنے والے صحابۂ کرام کی محفلوں کا موضوع بھی عموماً فقہی مسائل ہی ہوا کرتے تھے۔

امام حاکم نیشا پوری متوفیٰ ۴۰۵ھ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے: أصحاب النبی ﷺ إذا جلسوا کان حدیثهم یعنی الفقه، إلا أن یقرا رجل سورة أو رجلا اأن یامر یقرا سور (المستدرک، ج:۱، ص:۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب بیٹھتے تو ان کا موضوع سخن فقہی مسائل ہوتے مگر یہ کہ کوئی صحابی سورت پڑھ رہے ہوتے یا کسی شخص سے تلاوت کی فرمائش ہوتی تھی۔

امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی متوفی ۳۰۷ھ رقم طراز ہیں: کان أصحاب رسول الله ﷺ یجتمعون فی المسجد یتذاکرون حوادث المسائل. (احکام القرآن لجصاص، ج:۴، ص:۱۵۲، تحقیق محمد صادق قمحاوی، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صحابۂ رسول ﷺ مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسائل کے احکام سے متعلق آپس میں بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔

☆ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہا و مجتہدین پر مشتمل ایک فقہی مجلس تشکیل دی تھی اور غیر منصوص اور نو پید مسائل میں ان کی طرف رجوع کرکے ان کی فقہی رائے لیتے تھے ان سات حضرات کے اسما حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵) حضرت معاویہ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب بھی کوئی مقدمہ پہنچتا تو کتاب اللہ پر نظر فرماتے، مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیتے، ورنہ سنت رسول میں نظر فرماتے، یہاں مل جاتا تو ٹھیک، ورنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھتے کہ کیا تمھیں اس کے تعلق سے حضور ﷺ کا کوئی فیصلہ یا کوئی حکم یاد ہے۔ اگر اس طرح بھی نہیں ملتا تو فقہی مجلس کے ارکان کو طلب فرماتے، جس بات پر ان کا اتفاق ہوتا اس کے موافق فیصلہ فرماتے۔

☆ یہی حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی تھا مگر یہ کہ آپ کتاب و سنت میں مطلوب نہ پاتے تو اس تعلق سے حضرت صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ کا کوئی فتویٰ تلاش کرتے اگر مل جاتا تو اس پر فتویٰ جاری فرمادیتے۔ اور اگر اس میں نہ ملتا تو پھر قیاس کیا کرتے تھے۔

(تاریخ التشریع الاسلامی، مترجم، ص:۱۶۹، علامہ محمد خضری بک مصری)

حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب کسی حکم سے متعلق ایک جماعت سے مشورہ لیتے اور وہ اس کے متعلق اپنی خداداد اجتہاد و قوت کے ذریعے کوئی فیصلہ فرمادیتے، تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بلا چوں وچرا اسے تسلیم کرلیتے، اظہار کے اسی طریقے کا نام اجماع تھا اور چوں کہ اس زمانے میں مجتہدین صحابہ کی تعداد محدود تھی، اس لیے ان سے مشورہ لینا اور ان کے رائے کے نتیجے سے واقف ہوجانا ممکن تھا، اس لیے اجماع ایک آسان چیز تھی۔ (مصدر، سابق، ص:۱۷۱)

☆ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہوتا تھا، آپ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کا انتقال ہوگیا، جب کہ اس عورت کا نہ مہر مقرر تھا اور نہ زن وشو میں قربت ہوئی تھی تو ایسی عورت کو کتنا مہر ملے گا؟ اس تعلق سے آپ بلکہ دوسرے صحابہ بھی ایک مہینہ تک غور وفکر کرتے رہے۔ پھر فرمایا:

فإني أقول فيها: إن لها صداقا كصداق نساءها، لا وكس ولا شطط، وإن لها الميراث، وعليها العدة، فإن يك صوابا فمن الله، وان يك خطأ فمني و من الشيطان، والله ورسوله بر يان. (سنن ابو داؤد، ج:۱، ص:۲۸۸، مطبع اصح المطابع، ہند)

اس مضمون کی روایت سنن نسائی اور جامع ترمذی میں بھی ہے۔ سب کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ارشاد فرمایا:

اس عورت کے لیے مہر مثل (اس جیسی عورتوں کا مہر) کا حکم کرتا ہوں جس میں کمی ہو نہ زیادتی اور اس پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے میراث بھی۔ اگر یہ میری رائے درست ہو تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اور اگر کوئی خطا ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی طرف سے۔ اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ قبیلۂ اشجع کے کچھ لوگ وہاں موجود تھے انھوں نے کھڑے ہوکر یہ گواہی دی کہ اے عبد اللہ بن مسعود! آپ نے جیسا فیصلہ کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ہمارے قبیلے کی عورت بروع بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بہت خوش تھے اس خوشی کی وجہ یہ تھی کہ ان کا فیصلہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق ہوا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حکم اجل صحابۂ کرام کی موجودگی میں دیا اور اپنے قیاس واجتہاد سے دیا، اور کسی نے انکار بھی نہیں فرمایا، بلکہ اس فیصلے کی تائید بھی اسی مجلس سے ہوگئی، کیا منکرین قیاس واجتہاد کے لیے اب بھی انکار کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے بکثرت سوال کرنا شروع کردیا تو آپ نے اہل فقہ وافتا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ نہ ہم یہاں ہوں گے اور نہ میرا فیصلہ ہوگا۔ آج کے بعد کسی کے سامنے قضا کا معاملہ آجائے تو

وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کرے، اور اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جو کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرے۔ اور اگر ایسا مسئلہ ہو جو نہ کتاب اللہ میں ملے اور نہ ہی اس کے متعلق رسول ﷺ کا فیصلہ ملے تو نیکوکار اہل علم نے جو فیصلے کیے ہیں اس کے مطابق فیصلے کرے اور اگر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور اقوال صلحا میں بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں خوف کھاتا ہوں، میں ڈرتا ہوں کیوں کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور حلال وحرام کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ تو جس میں شک ہو اسے چھوڑ کر غیر مشکوک کو اپناؤ۔

(نسائی، ج:۲، ص:۲۶۰، کتاب آداب القضا، مطبع اصح المطابع، ہند)

دیکھیں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ سارے طریقے بیان کر دیے ہیں ایک مجتہد کو بوقت اجتہاد جن جن راستوں سے گذرنا ایک لابدی امر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک قابل غور بات یہ ہے کہ کتاب وسنت کے بعد اقوال سلف وصالحین کے فیصلے کی طرف رجوع کرنے کو کہا ہے جس سے شاید اجماع صحابہ مراد ہے۔ یہ اجتہاد کا تیسرا درجہ ہے اور چوتھے درجے میں قیاس و رائے کو رکھا ہے ـــــ غور سے دیکھیں تو آج امت کا عمل اسی پر جاری وساری ہے۔

مجتہدین صحابہ واہل فتویٰ کی تعداد

گزشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے صراحتًا واشارتًا مختلف طریقوں سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فقہی واجتہادی تربیت فرمائی ہے۔ اب ان میں سے کتنے حضرات مرتبۂ اجتہاد پر ہیں۔ اور حقیقی معنوں میں فقیہ ومجتہد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ فہم دین کا ملکہ اور اخذ واستنباط کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، یہ بحث تفصیل کی متقاضی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم عہد نبوی اور بعد عہد نبوی میں فتوی دینے والے حضرات کی تعیین کرنے والی روایتوں کو ذکر کر رہے ہیں، تاکہ کسی نتیجے تک پہنچنے میں آسانی پیدا ہو سکے۔ پھر اس پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالنے کی سعی ہوگی۔

عہد نبوی کے مفتیان صحابہ: ☆حضرت سہل بن ابی خیثمہ ساعدی اپنے والد حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: كان الذين يفتون على عهد رسول الله ﷺ ثلاثة من المهاجرين وثلاثة من الأنصار: عمر، وعثمان، وعلي، وأبي بن كعب، ومعاذ بن جبل، وزيد بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم (الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۳۵۱، دار صادر، بیروت)

یعنی عہد رسالت ﷺ میں جو صحابہ فتویٰ دیتے تھے ان میں تین حضرات: حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی مہاجر تھے اور تین حضرات: حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم انصاری تھے۔

☆ امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی متوفیٰ ۹۱۱ھ فرماتے ہیں کہ مجھے احادیث وآثار کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ زمانۂ رسالت ﷺ میں افتا کی خدمت انجام دینے والے صحابۂ کرام آٹھ ہیں میں نے انھیں حسب ذیل دو شعروں میں جمع کر دیا ہے۔

و قد كان في عصر النبي ثمانية ۔۔۔ يقومون بالافتاء قومة قانت

فأربعة أهل الخلافة معهم ۔۔۔ معاذ، أبي، وابن عوف، ابن ثابت

(الحاوی للفتاویٰ، ج:۱، ص:۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، اشاعت: ۱۴۰۲ھ ـــ ۱۹۸۲ء)

یعنی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں آٹھ صحابہ فتاویٰ دینے کا ایسا اہتمام فرماتے تھے جیسے کوئی فرمانبردار اطاعت الٰہی کرتا ہے، ان میں سے چار تو خلفائے راشدین ہیں، اور ان کے ساتھ حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

☆ مشہور مؤرخ علامہ عبد الرحمٰن ابن جوزی متوفیٰ ۵۹۷ھ نے عہد رسالت ﷺ کے مفتیان صحابہ کی تعداد چودہ بتائی ہے:

تسمية من كان يفتي على عهد رسول الله ﷺ: أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، و عبد الرحمٰن بن عوف، و ابن مسعود، وأبي، و معاذ، و عمار، وحذيفة، و زيد بن ثابت، و أبو الدرداء، و أبو موسىٰ، و سلمان۔ (المدھش، لابن جوزی، ص:۲۹، مکتبہ مشکوۃ الاسلامیہ برقی ایڈیشن)

☆ حضرت شمس الدین ابن شلبی نے بھی ایک نظم میں چودہ کی تعداد شمار کرائی ہے مگر وہ حضرت سلمان فارسی کے بجائے حضرت عبادہ بن صامت کا تذکرہ کرتے ہیں:

وفی زمن المختار أفتی بعصره ۔۔۔ أبو بكر، الفاروق، عثمان، حيدر
حذيفة، عمار، و زيد بن ثابت ۔۔۔ معاذ، أبو درداء، وهو عويمر
أبي، أبو موسىٰ الی أشعر انتهیٰ ۔۔۔ و ختم نظامی بابن عوف معطر
و من جملة المفتين أيضا عباده ۔۔۔ كذالك ابن مسعود إمام منور

(شریعۃ اللہ الخالدہ، از: سید محمد بن علوی مالکی، ص:۹۹، مکتبہ الملک فہد الوطنیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۲ھ)

اس نظم کے بعد کچھ آگے جاکر حضرت ابن عبد البر کی ''الاستیعاب'' کے حوالے سے حضرت سید علوی مالکی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: ''ان تمام حضرات نے احکام کا ان کے اصول سے استنباط کیا ہے، اور عہد نبوی میں کار افتا سنبھالا ہے۔ ان کے فتاوے محفوظ ہیں اور وہ حدیث و سیر کی کتابوں میں درج ہیں''۔ (ایضا، ص:۱۰۰)

پھر ''قلت'' کہ کر اپنا عندیہ یہ بیان کرتے ہیں:

میں کہتا ہوں: بلکہ ہر وہ شخص جسے رسول اللہ ﷺ اپنے سے دور میں کسی معاملے کا والی بنایا ہے وہ مفتی ہی تھا جیسے: والیٔ یمن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جیسے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سریۂ خبط کے امیر تھے، اور انہیں مچھلی (حوت) کھانے کا فتویٰ دیا۔ اور جیسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے خود کو اور اپنے ساتھیوں کو جھاڑ پھونک پر اجرت لینے کا فتویٰ دیا۔ اور جیسے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے ایک حلال جانور کا شکار کیا اور جو حالت احرام میں تھے انہیں بھی اپنے شکار سے کھا لینے کا فتویٰ دیا۔

مفتیان صحابہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی شمار ہونا چاہیے۔ جنھیں بنو قریظہ کے معاملے میں نبی کرم ﷺ نے ''حکم''، مقرر فرمایا تھا۔ انھیں کی طرح وہ حضرات بھی ہو سکتے جو آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں انتقال کر گئے دراں حالیکہ ان

سے بعض ایسے فتاوے منقول ہیں جو عہد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صادر ہوئے تھے۔ جیسے: حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ ۔اس لحاظ سے مفتیان صحابہ کی تعداد چودہ سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے۔

البتہ! جو چودہ صحابۂ کرام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ہمارے حساب سے ان صحابہ کے فتوی دینے کا مقصود اصلی اجتہاد کی تمرین اور مشق تھی۔(مصدر سابق،ص:۱۰۰،۱۰۱)

اگر حضرت سید علوی علیہ الرحمۃ کی بات تسلیم کر لی جائے تو عہد نبوی میں مفتیان صحابہ کی کل تعداد ۲۱/ تک پہنچتی ہے۔ان میں چودہ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی فتوے دیا کرتے تھے جس کا اصل مقصد اجتہادی وفقہی تربیت اصل کرنا تھا اور بقیہ نے بارگاہ رسالت سے دوری کی وجہ سے اپنے بعض معاملوں میں اجتہاد سے کام لیا اور پھر بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استصواب رائے کی۔

صحابۂ کرام کی تعداد: امام ابن صلاح شہرزوری کی تحقیق کے مطابق ان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کل تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی جن سے روایت اور سماعت حدیث منقول ہے۔

(مقدمہ ابن صلاح، ص:۴۹۴، دار المعرفہ، بیروت، سن طباعت: ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء)

ابو اسحق شیرازی کی تحقیق: شیخ الاسلام ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۸۷ھ رقم طراز ہیں:

إعلم أن أكثر أصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذين صحبوه و لازموه كانو فقهاء. (طبقات فقہا:ص:۳)

یعنی اس حقیقت سے روشناس ہوں جائیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکثر وبیشتر صحابہ جنھوں نے آپ کی صحبت پائی اور ان سے وابستہ رہے فقہاء ہیں——— اس کے بعد دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”بلا شبہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں فقہ کا راستہ خطاب اللہ، خطاب نبوی اور اور وہ ہے جو کچھ ان دونوں سے سمجھا ہے۔ نیز افعال رسول اور جو کچھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال سے مفہوم ہوا ہے۔

خطاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے جو کہ انھیں زبان میں نازل ہوا ہے، جن کے اسباب نزول کو وہ جانتے ہیں، اور جن میں پیش آمدہ قصے سے وہ آشنا ہیں؛ اسی لیے انھوں نے نوشتۂ وحی، اس کے مفہوم ومنشا، اس کی صراحت اور اس کی معقولی باتوں کو پہچان لیا۔ اسی بنیاد پر حضرت ابو عبید متوفی ۲۲۴ھ ”کتاب المجاز“ میں فرماتے ہیں:

لم ينقل أن احدا من الصحابة رجع في معرفة شيء في القرآن الكريم الى رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یہ منقول نہیں کہ کسی صحابی نے قرآن کریم میں کسی چیز کی معرفت کے لیے رسول ریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب رجوع کیا ہو۔

اور خطاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی انہی کی زبان میں ہوتا تھا، جس کے معنٰی سے وہ آشنا تھے اور جس کے مبہم اور مطلب کو وہ سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ افعال جن کا تعلق عبادات، معاملات، عادات واطوار اور سیاسیات سے ہے، ان سب کا انہوں نے مشاہدہ کیا، دیکھا اور سمجھا۔ اور جو باتیں ان کے سامنے بار بار آتی تھیں ان کی گہرائی تک پہنچتے تھے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: ”أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم “ اس لیے جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے ان اقوال میں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہیں۔ غور و فکر کرے گا اور ان اعمال میں جن کا تعلق عبادات وغیرہ سے ہے، نقل کرے گا وہ ان کے علم و دانش فہم و فراست اور فضل و کمال کی طرف اپنے آپ کو مجبور و محتاج پائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ان اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں وہ صحابہ جنہیں فتویٰ دینے، حلال و حرام سے بحث کرنے میں شہرت حاصل تھی وہ ایک مخصوص جماعت تھی۔ (ایضًا)

ابن حزم کی تحقیق: شیخ الاسلام ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۷۶ھ کے ایک معاصر ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم داؤد ظاہری متوفیٰ ۴۵۶ھ نے مجتہدین صحابہ کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر بتائی ہے اور انھیں تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

لم تروا لفتیا فی العبادات والأحکام إلا عن مأئة و نیف و ثلاثین منهم فقط من رجل و امرأة بعد التقصی الشدید (الاحکام فی اصول الاحکام، ج:۴:۔۵۔۸، ص:۹۲، دارآفاق الجدیدہ، بیروت)

کافی چھان بین کے عبادات اور احکام کے سلسلے میں فتوی دینے والے ایک سو تیس سے کچھ اوپر صحابہ و صحابیات کا پتہ لگ سکا ہے ـــــ اس کے بعد ان مجتہدین صحابہ کے فتاوی کی کثرت کے لحاظ سے انھیں حسب ذیل طبقوں میں بانٹا ہے:

(۱) مکثرین: ایسے سات مفتیان صحابہ ہیں، جن کے سنن و آثار اور حدیث کی کتابوں میں بکھرے ہوئے فتاوے جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاوی کی ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے ـــــ ان حضرات کے اسما یہ ہیں:

(۱) ام المؤمنین حضرت عائشہ (۲) حضرت عمر بن خطاب (۳) عبد اللہ بن عمر (۴) حضرت علی بن ابی طالب (۵) حضرت عبداللہ بن عباس (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود (۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۲) متوسطین: ایسے تیرہ مفتیان صحابہ ہیں جن کے فتووں کی کتب حدیث میں اتنی کثرت نہیں ملتی کہ موٹی سی ایک کتاب تیار ہو سکے۔ ہاں اتنی تعداد ضرور منقول ہے کہ ان سے ایک رسالہ ترتیب پا جائے۔ مکثرین کی بنسبت کم اور مقلین کی نسبت زیادہ فتویٰ دینے والے ان صحابہ کی فہرست یہ ہے:

(۱) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ (۲) حضرت انس بن مالک (۳) حضرت ابو سعید خدری (۴) حضرت ابو ہریرہ (۵) حضرت عثمان بن عفان (۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص (۷) حضرت عبد اللہ بن زبیر (۸) حضرت ابو موسیٰ اشعری (۹) حضرت سعد بن ابی وقاص (۱۰) حضرت سلمان فارسی (۱۱) حضرت جابر بن عبد اللہ (۱۲) حضرت معاذ بن جبل (۱۳) حضرت ابو بکر صدیق۔

اس کے بعد "و یضاف الیهم" کہہ کر حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوبکر، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا نام بھی متوسطین رکھے جانے کی تجویز پیش کی ہے۔

(۳) مقلین: ان کے علاوہ بقیہ ۱۲۶ / ایسے ارباب فتاوی کو شمار کیا ہے جن سے ایک دو فتوے ہی منقول ہیں۔ اور وہ بہت ہی مختصر ہیں ممکن ہے کہ کافی تحقیق و تفتیش کے بعد اگر ان تمام مفتیان صحابہ کی فتاوے جمع کیے جائیں تو صرف ایک چھوٹا

رسالہ بن پائے۔

مقلین مفتیان صحابہ کی فہرست طویل ہونے کے پیش نظر ہم یہاں ذکر کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔مگر شائقین حضرات زیر نظر کتاب (مجتہدین اسلام۔ جلد، اول) کی فہرست میں جاکر آخر کے سارے مقلین صحابۂ کرام کے اسما پر نظر ڈال کر اپنے شوق کی تکمیل کر سکتے ہیں۔

ابن حزم ظاہری متوفیٰ ۴۵۶ھ کی تحقیق کے مطابق مکثرین (۷) متوسطین (۲۰) مقلین ۱۲۶) سب ملاکر مجتہدین صحابہ کی تعداد ۱۵۳ تک پہنچتی ہے۔(دیکھیں! الاحکام، ج:۲:۔۵۔۸، ص:۹۲/۱۹۲ بہ تفصیل سابق)

ابن حزم ظاہری نے اپنے ایک چھوٹے سے رسالے بنام "أصحاب الفتيا من الصحابة و من بعد هم على مرا تبهم فى كثرة الفتيا" میں بھی مفتیان صحابہ کی اسی فہرست کو بغیر کی تفصیل کے شمار کرایا ہے۔(دیکھیں!۔اصحاب الفتیا من الصحابہ ملحق بہ "جوامع السیرۃ لابن حزم، ص:۳۱۹۔ تا ۳۲۳، دار لمعارف، مصر)

ابن حزم ظاہری کی پیروی کرتے ہوئے ابن قیم جوزی یہ متوفی:۷۵۱ھ اور ابو محمد عبد القادر بن محمد ابو الوفا حنفی متوفی ۷۷۵ھ نے بھی مفتیان صحابہ کی مذکورہ فہرست ذکر کی ہے۔دیکھیں!

إعلام المو قعين عن رب العالمين لإبن قيم جو ز يه، ج:۲، ص:۱۷۔ تا۔۲۲۔ناشر: دار ابن جوزیہ، دمام، سن طبع:۱۴۲۳ھ اور الجواهر المضيئة فى طبقات الحنفيه ،لابى محمد عبد القادر بن محمد الحنفى ،ج:۴، ص:۵۳۳۔ تا ۔۵۳۶۔نا شر: ہجر للطباعۃ والنشر والتوریع والاعلان۔ سن طبع:۱۴۱۳ھ)

فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر متوفی:۱۰۶ھ کا بیان ہے:

إن أبا بكر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان إذا نزل به أمر ير يد فيه مشاورة أهل الراى وأهل الفقه ،ودعا رجالا من المهاجر ين والأنصار :عمر.و عثمان ،وعلى،وعبدالرحمٰن بن عوف، ومعاذ بن جبل ، وأبى بن كعب ،وز يد بن ثابت.ــــــوكل هؤلاء يفتى فى خلافة أبي بكر وإنما تصير فتوى الناس إلى هؤلاء.فمضى أبو بكر على ذلك ،ثم ولي عمر فكان يدعو هؤلاء النفر،وكانت الفتوى تصيروهو خليفة إلي عثمان ،وأبي،وز يد.

امر واقعی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوئی نیا مسئلہ در پیش ہوتا تو وہ اہل رائے (بصیرت) واہل فقہ سے مشورہ لیتے، اور مہاجرین میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔اور انصار میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرماتے تھے۔یہ سارے حضرات خلافت صدیقی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔اور لوگوں کے سوالات انھیں کے حوالے کیے جاتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسی پر عمل درآمد رہا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین بنے تو وہ بھی یہ حضرات کو (اہم معاملات میں) مدعو کرتے رہے اور لوگوں کو فتویٰ دینے کا کام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد ہوا۔ (دیکھیں: الطبقات الکبریٰ، ج: ۲، ص: ۳۵۲، بتفصیل سابق)

گزشتہ تفصیلات کا جائزہ: ماقبل کی تفصیلات کا ماحصل یہ نکلا کہ ۶۔ یا۔ ۸۔ یا۔ ۱۴۔ یا۔ ۲۱ حضرات سے عہد نبوی میں فتویٰ دینا منقول ہے۔ جن میں ۶۔ یا۔ ۱۴ حضرات تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے اور بقیہ حضرات نے کبھی کبھی بوقت ضرورت اپنی افتائی صلاحیتوں کا مظاہرہ فرمایا ہے۔

امام ابو اسحاق کی تحقیق کے مطابق اکثر صحابہ فقیہ تھے مگر ان میں سے بہت تھوڑی تعداد ہی نے میدان فقہ وافتا میں شہرت پائی ہے۔ جب کہ ابن حزم داؤد ظاہری کی تحقیق کے مطابق ۱۶۲ صحابہ کرام، صاحب فتویٰ واجتہاد تھے ——— مؤخر الذکر دونوں موقف کو پورے طور پر تسلیم کرنے میں مجھے ذرا تامل ہے۔ کیوں کہ:

عہد صحابہ میں فتویٰ دینے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی نئے مسئلہ میں ایک صحابی دوسرے صحابی سے حکم شرعی دریافت فرماتے تو جواب میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب زندگی کا کوئی ورق پیش کردیتے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی عمل بتاکر خاموش ہوجاتے تھے۔ اگر سائل کوئی اعتراض کربیٹھتا تو بڑے صاف انداز میں کہہ دیتے کہ جو حدیث میرے پیش نظر تھی ہم نے بتادیا آگے تم جانو۔ اس طرز سوال وجواب کو بھی فتوے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جواب دینے والے کو مؤرخین نے صاحبان افتا میں شمار کیا ہے۔

کتب حدیث میں ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ جب جواباً کوئی حدیث پیش کی گئی تو سائل نے اس کے معارض کوئی عقلی دلیل پیش کردی۔ اس پر جواب دینے والے صحابی ناراض ہوکر فرماتے کہ میں تمھیں حدیث رسول سنا رہا ہوں اور تم اپنی بات پیش کررہے ہو!!!

دراصل صحابۂ کرام کسی بھی شرعی مسئلے میں ذاتی رجحان اور نظریہ بیان کرنے کو رائے زنی سمجھتے تھے اور اس سے حد درجہ گریز کرتے تھے؛ کیوں کہ ان کے پیش نظر یہ فرمان نبوی تھا: "أجر أكم على الفتيا أجر أكم على النار "کہ تم میں سے جو شخص فتویٰ دینے پر جری ہے وہ نار جہنم پر جرأت کررہا ہے۔ یہ فرمان بھی ان کے کانوں میں گونج رہا ہوتا تھا: "من أفتى بفتيا من غير علم فإنما إثمه على من أفتاه "یعنی جو شخص بلاعلم فتویٰ دے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

دوسری طرف "فليبلغ الشاهد منكم الغائب" اور بلغوا عنی ولو آیة پر بھی عمل کرنا تھا۔ چناں چہ جہاں جس حکم شرعی سے متعلق کوئی صریح حدیث ان کے حافظہ میں ہوتی بیان کردیتے، مگر مزید اس میں اپنی رائے پیش کرنے سے حتی الامکان بچتے تھے۔

مؤرخین نے ایسے حضرات کا شمار بھی صاحبان فقہ وافتا میں کیا ہے اور انھیں مجتہد بتایا ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شبانہ روز مساعی کا مطالعہ کرکے بوقت ضرورت نقل کردینا اجتہاد کے کسی بھی زمرے میں نہیں آسکتا، ہاں زیادہ سے زیادہ فتوے کے باب میں جگہ دی جاسکتی ہے۔

مجتہدین صحابہ: ایسے صحابۂ کرام کی تعداد نہایت قلیل تھی جو قرآن وسنت کے علل وقیاس پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اور بوقت ضرورت اپنی خداداد اجتہادی واستنباطی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر نوپید مسائل کا شرعی حل پیش فرماتے تھے۔ ان کی تعداد

کے سلسلے میں علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم أكثر من عشرين ، كالخلفاء،والعبادلة،وز يد بن ثابت، ومعاذ بن جبل،وأنس،وأبي هر يرة.وقليل ۔(فتح القدیر، ج:۳کتاب الطلاق، ج:ص:۴۵۳، پور بندر گجرات)

صحابۂ کرام میں مجتہدین فقہا کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں پہنچتی، مثلاً: حضرات خلفاے اربعہ، حضرات عبادلہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور کچھ صحابہ۔

حضرت صدر الشریعہ مسعود بن تاج الشریعہ متوفی:۷۴۷ھ فرماتے ہیں:

والمعروف إما يكون معروف بالفقه والاجتهاد، كالخلفاء الراشدين،والعبادله،أى عبدالله بن مسعود،و عبدالله بن عباس،وعبد الله بن عمر)وز يد ،ومعاذ،و أبي موسى الأشعرى،وعائشة ونحوهم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔(التوضیح فی حل غوامض التنقیح، ص:۲۳۰، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، طبع اول:۱۴۳۰ھ ۲۰۰۹ء)

یعنی راویوں کی ایک تعداد ایسی ہے جو فقہ و اجتہاد میں معروف و مشہور ہیں۔ جیسے خلفاے راشدین، عبادلہ، (یعنی عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر) زید، معاذ، ابوموسی اشعری، اور عائشہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مذکورہ عبارات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت علامہ ابن ہمام نے بیس سے زیادہ مجتہدین کی نفی فرماکر بطور مثال گیارہ مجتہدین کے اسماذکر فرمائے ہیں، اور حضرت صدر الشریعہ نے کمی بیشی کے ساتھ گیارہ کے نام گنائے ہیں۔ اس طرح کل ملاکر مجتہدین کی تعداد تیرہ تک پہنچتی ہے۔

حضرت ملا احمد جیون نے بھی تیرہ اسماے مجتہدین ذکر فرمائے ہیں مگر اس میں حضرت ابی بن کعب کا نام بھی ذکر فرمایا ہے (دیکھیں: نور الانوار، ص:۸۲۱، رضا اکیڈمی، اشاعت:۱۴۲۶ھ)

حضرت علامہ عبدالحق بن محمد امیر حنفی دہلوی متوفیٰ ۱۳۳۵ھ نے النامی شرح حسامی میں حضرت ابی بن کعب کے ساتھ حضرت ابو درداکو بھی شمار کرایا ہے۔ اس حساب سے ۱۵؍ مجتہدین صحابہ ہوئے (دیکھیں النامی شرح الحسامی، مبحث احوال الراوی، ص:۷۳، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اشاعت:۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵)

استاذ گرامی محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے اپنے توسیعی خطاب بنام ”اجتہاد کیا ہے اور کون ؟“ منعقدہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نیو دہلی، بتاریخ:۹؍اپریل ۲۰۱۲ء میں علامہ ابن ہمام کی تحریر کے پیش نظر ۲۰؍ مجتہدین صحابہ کے اسما پیش کرنے کی کوشش فرمائی ہے:

”ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چودہ ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں جن سے احادیث نبوی مروی ہیں اور صحابۂ کرام کی تعداد کتنی ہے اس کا حصر نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابن الہمام کمال الدین حنفی صاحب فتح القدیر علیہ الرحمہ والرضوان فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابۂ کرام میں فقہاے مجتہدین کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ صحابۂ کرام کی جماعت میں منتخب، پاکیزہ او مقدس جماعت میں فقہاے مجتہدین کی تعداد بیس سے زائد نہیں۔ میں نے جب سے ان کی یہ

عبارت پڑھی جہاں انھوں نے چند نام مجتہد صحابہ کے شمار فرمائے ہیں تو میں نے ایسے مجتہد صحابۂ کرام کے نام تلاش کرنے کی کوشش کی، مختلف کتابوں میں الگ الگ ناموں کی تصریحات ملیں، کہیں ملا کہ یہ مجتہد ہیں، کہیں ملا کہ وہ مجتہد ہیں، سب کو میں نے جمع کرنے کوشش کی تو اب تک مجھے صرف ۱۹؍ صحابۂ کرام کے نام ملے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو جلد ہی ان ایک صحابیِ رسول کا نام بھی مل جائے گا، ہم آپ کو یہاں اس برگزیدہ مقدس جماعت کے نام سنا ہی دیں جو ہم نے جمع کیے ہیں:

چاروں خلفاے راشدین (۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت عثمان غنی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم (۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۸) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا واقعہ ابھی میں نے آپ کو سنایا (۹) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۰) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۱۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۱۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۴) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۱۵) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۹) حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر یہ حضرات براہ راست سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض یافتہ ہیں، تربیت یافتہ ہیں، اس کے باوجود ان میں مجتہد فقہائے اسلام کی تعداد اگر صرف ۲۰ ہے تو آپ بتائیں اور غور فرمائیں کہ آج کے زمانے میں جب کہ وہ اوصاف ہمارے اندر نہیں پائے جا رہے ہیں جنہیں ہم نے بیان کیا۔ کیا آج مجتہدین کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے؟ اس مسئلے پر ہم سب کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ (ماہنامہ کنز الایمان، جولائی، ۲۰۱۲ء ص: ۲۰-۲۱، ناقل و مرتب: محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی)

گویا حضرت سراج الفقہا مد ظلہ العالی نے اپنی تحقیق کی روشنی میں ذکر کردہ پندرہ مجتہدین صحابہ میں حسب ذیل ۵؍ مجتہدین صحابہ کا اور اضافہ فرما کر ۲۰؍ کی تعداد پوری کر دی ہے۔ جس کو علامہ ابن ہمام کی مجمل تحریر کی تفصیل کا نام دیا جا سکتا ہے:

(۱۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (۱۷) حضرت عبداللہ بن زبیر (۱۸) حضرت خالد بن ولید (۱۹) حضرت امیر معاویہ (۲۰) حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

رہے ان بیس حضرات کے علاوہ وہ صحابہ جو عہد نبوی ہی سے فتویٰ دیتے رہے۔ جیسے:

(۱) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کہ یہ عہد نبوی اور عہد صدیقی و فاروقی تینوں ادوار میں فتویٰ دیتے تھے۔ (۲) اور حضرت سلمان فارسی جن کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری سے ارشاد فرمایا ہے: سلیمان أفقه منك. (۳) اس ارشاد نبوی کے مطابق حضرت ابوذر غفاری بھی فقیہ ہوئے کہ اسم تفضیل کے ذریعہ افضلیت کی نفی ہوتی ہے نفس شی نفی نہیں ہوتی۔ (۴) حضرت ابو بکرہ نفیع بن مسروح، جن کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں انھیں مجتہد مانتا ہوں۔ (سیر أعلام النبلا، ص: ۲۰۹، ج: ۴۔ دار الفکر بیروت) وغیرہ۔

مجتہدین میں ان حضرات کا نام نہ آنے کی وجہ مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے مجتہدین کی تعداد جو بیس

بتائی ہے، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ''مجتہدین مطلق'' کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کے علاوہ مزید وہ صحابہ جو عہد صحابہ میں فقہ وفتاوی میں معروف ومشہور تھے وہ دوسرے طبقے میں ہوں تو ہوں، مگر اس میں نہیں۔

دوسری توضیح مجھے یہ نظر آتی ہے کہ جن حضرات صحابہ نے کثرت سے اجتہادات فرمائے ہیں ان کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں۔ رہے وہ حضرات صحابہ جنہوں نے بعض مسائل میں کبھی اجتہاد سے کام لیا ہے، ہمیں ان سے بحث نہیں۔

اعتراض: یہاں بطور اعتراض یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں توجیہات ''توجیه القول بما لا یرضی به القائل'' کی مصداق ہیں۔ کیوں کہ جب علامہ ابن ہمام صاف صاف فرمارہے ہیں: لا تبلغ عدة المجتهدین الفقهاء منهم أكثر من عشرین... والباقون یرجعون إلیهم وستفتون منهم. (فتح القدیر، ج:۳ کتاب الطلاق، ۴۵۳ پوربندر گجرات)

یعنی صحابۂ کرام میں مجتہدین فقہا کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں ہے۔ باقی حضرات انہیں کی طرف رجوع فرماتے تھے اور انہیں سے فتوی پوچھتے تھے ـــــ اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ مجتہدین صحابہ کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں ہے۔ بقیہ حضرات کو مفتی کہا جاسکتا ہے مگر فقیہ ومجتہد نہیں۔ اور مفتی کہنا بھی بطور مجاز ہوگا اور مطلب یہ نکلے گا کہ قرآن وسنت کے صریح مسائل کی روشنی میں وہ صحابۂ کرام ایک دوسرے کی رہنمائی فرماکر ''الدین النصیحة. بلغو عنی ولو آیة اور فلیبلغ الشاهد منكم الغائب'' کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کو اجتہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

جواب: والباقون یرجعون الیهم وستفتون منهم. سے یہ نتیجہ نکالنا کے جب بقیہ حضرات انھیں بیس مجتہدین صحابہ سے مسائل دریافت فرماتے تھے تو گویا یہ بقیہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز نہ تھے، صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ''عالم'' کا ''اعلم'' سے فتوی پوچھنا اور بوقت ضرورت شرعی رہنمائی حاصل کرنا، ''عالم'' سے ''علم'' کی نفی نہیں کرتا، اسی طرح ایک مجتہد کا اپنے سے زیادہ رتبے کے حامل دوسرے مجتہد شخص سے استفادہ واستصواب رائے کرنا اس کے اجتہاد کے منافی نہ ہوگا۔

ورنہ اگر معترض کی بات مان لیں تو پھر مجتہدین صحابہ میں سے ان بعض مجتہدین کا انکار کرنا بھی لازم آئے گا، جنہیں خود حضرت امام ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے مجتہد قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ بعض مجتہدین صحابہ نے دوسرے مجتہدین کی رائے پر اپنے رائے ترجیح دی ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہوئے ہیں۔ چناں چہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۲۴۱ھ نے ''کتاب العلل'' میں بلند پایہ محقق وفقیہ امام مسروق کا قول نقل کیا ہے:

''عہد صحابہ میں چھ حضرات: (۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوی دیتے تو ان میں سے تین کے قول پر بات ٹھہرتی تھی، اور بقیہ صحابہ اپنے قول وفتوے کو دسرے تین کے مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے ـــــ چناں چہ (۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں (۲) حضرت ابو موسی اشعری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں (۳) اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں اپنے رائے اور فتوں سے دست بردار ہوجاتے تھے۔ (ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلا، ض:۲، ص:۳۸۸)

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجتہاد

ایک مطالعہ

محمد اسلم آزاد، گڈا، جماعت: فضیلت 8604951607

لوگوں کو جس قسم کے حالات پیش آسکتے ہیں، ان کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ مسائل جن میں حالات وزمانے کے اختلاف سے کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔ایسے مسائل کے لیے شروع ہی سے شریعت میں تفصیلی احکام موجود ہیں۔ جیسے: نکاح، طلاق، محرمات اور میراث وغیرہ کے احکام۔

(۲) وہ مسائل جو حالات اور زمانے کے بدلنے سے متغیّر ہوسکتے ہیں۔ایسے مسائل کے بارے میں شریعت نے کوئی تفصیلی احکام نہیں چھوڑے ہیں، بلکہ اس سلسلے میں عام قواعد اور بنیادی اصول ومبادی وضع کیے ہیں اور امت کے بالغ نظر وبلند پایا فقہا کے لیے یہ گنجائش چھوڑی ہے کہ شریعت کے مقاصد، احکام شرع کے مدارج اور دین کے بنیادی اصول وقواعد کو سامنے رکھ کر ان مسائل کا حل تلاش کریں۔ لیکن اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ سیرت نبوی کا اجتہادی پہلو علما کے سامنے ہو جس کی رہنمائی میں وہ غیر منصوص اور نئے پیش آمدہ مسائل میں غور وفکر کے ذریعہ کوئی شرعی حل دریافت کر سکیں۔ سیرت نبوی میں ایک دو نہیں متعدّد نمونے موجود ہیں جن سے اس نتیجے تک بآسانی رسائی حاصل کی جا سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنے قول وسیرت سے یہ راہ کھلی رکھی ہے تاکہ اس کی روشنی میں قیامت تک نئے مسائل کا حل دریافت ہوتا رہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرفات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تصرفات شرعیہ: یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول وفعل جن کا اتباع لازم ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں:

تصرفات شرعیہ عامہ: یہ تاقیامت تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ مثلاً: تصرفات تبلیغ یا تصرفات فتویٰ وغیرہ۔

تصرفات شرعیہ خاصہ: یہ مخصوص زمانے اور حالات یا مخصوص افراد کے لیے ہے۔اس میں قضا وامامت وغیرہ کے تصرفات شامل ہیں۔

(۲) تصرفات غیر شرعیہ: یعنی وہ تصرفات جن کا اتباع مقصود نہیں ہے، نہ عوام کے لیے اور نہ خواص کے لیے۔ یہ وہی تصرفات ہیں جن کی تعبیر عام طور پر ہر خصوصیات سے کی جاتی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے اس حقیقت تک بآسانی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ تصرفات ایسے بھی ہیں جن کا تعلق احکام شریعت سے نہیں ہے۔ جہاں تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجتہاد کی بات ہے تو اس کا تعلق قسم اول یعنی تصرفات شرعیہ سے ہے۔

اجتہاد نبوی کا مطلب: علامہ عبد العلی فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی:١٢٢٥ھ) نے اجتہاد نبوی کا مطلب ان الفاظ میں بیان کیان کیا ہے:

وهو فی حقه القیاس فقط، لا معرفة المنصوصات؛ لأنّ المرادات من النصوص واضحة عنده علیه السلام فلیس اجتهاده فی معرفة المراد من المشترك و نحوه. و لا تعارض عنده فلیس الاجتهاد لدفعه و إنّما الاجتهاد بإلحاق مسکوت بمنطوق و هو القیاس. (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:٢، ص:٤٠٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں اجتہاد کا مطلب صرف قیاس ہے، منصوصات کی معرفت مراد نہیں ہے؛ اس لیے کہ نصوص کی معرفت آپ کے نزدیک واضح ہے چناں چہ آپ کا اجتہاد مشترک وغیرہ کی مراد کی معرفت کے لیے نہیں ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک نصوص میں کوئی تعارض نہیں ہے، لہٰذا آپ کا اجتہاد دفع تعارض کے لیے نہیں ہوگا بلکہ مسکوت کو منطوق سے لاحق کرنے لیے ہوگا اور یہی قیاس ہے۔

اجتہاد نبوی میں علما کا اختلاف:

بنیادی طور پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی بنیاد وحی پر ہوا کرتی تھی۔ لیکن کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد بھی جائز تھا اور آپ اپنے اجتہاد سے بھی حکم صادر فرمایا کرتے تھے، اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(١) اس سلسلے میں کچھ لوگوں کا موقف یہ ہے کہ اجتہاد نبوی مطلقاً ممنوع ہے۔ یہ ابن حزم ظاہری اور جمہور معتزلہ کا مذہب ہے۔ ابن حزم (متوفی:٤٥٦) نے اپنی کتاب "الإحکام فی اصل الأحکام" میں لکھا ہے:

"جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ جس معاملے میں انبیا کی طرف کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو اس میں انبیا کے لیے اجتہاد جائز ہے تو یہ کفر عظیم ہے۔ اس کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن میں یہ کہنے کا حکم دیا: إن أتبع إلّا ما یوحیٰ إلیّ. یعنی میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جس کی طرف میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

(الإحکام لابن حزم۔ ج:٥، ص:١٢٣۔ مکتبہ شاملہ)

(٢) دوسرا موقف یہ ہے کہ اجتہاد نبوی عقلاً جائز ہے۔ جمہور اہل اصول، تمام احناف وحنابلہ اور بعض شوافع اسی کے قائل ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الإحکام للآمدی، ج:٤، مسلم الثبوت، ج:٢۔ کشف الأسرار شرح اصول بزدوی، ج:٣۔ اور شرح الأسنوی، ج:٣)

پھر اجتہاد نبوی کے جواز کے قائلین کے مابین دو باتوں میں اختلاف ہے: ایک محل اجتہاد اور دوسرا وقوع اجتہاد۔

(١) محل اجتہاد نبوی یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دینی معاملات میں اجتہاد جائز ہے یا دنیوی معاملات میں؟

تو جنگی امور اور دنیوی معاملات میں اجتہاد نبوی کے جواز پر علمائے اصول کا اتفاق ہے۔ چناں چہ کشف الاسرار کے

مصنف عبد العزیز بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی:۷۳۰ھ) لکھتے ہیں: کلهم قد اتفقو على أنّ العمل يجوز له بالرأى فى الحروب و أمور الدنيا. (کشف الاسرار، ج:۳، ص:۳۰۶، طبع اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی تمام اہل اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دنیاوی امور اور جنگ میں اپنی رائے پر عمل جائز ہے۔

شرح الاسنوی میں ہے: و محل الخلاف فى الفتاوىٰ، أما الأقضية فيجوز الاجتهاد فيها بالإجماع.

محل اختلاف فتاویٰ ہے جہاں تک معاملات کی بات ہے تو اس میں اجتہاد نبوی بالاجماع جائز ہے۔

(شرح الاسنوی مع شرح البدخشی علی المنہاج، ج:۳، ص:۱۹۴)

اسنوی نے اس کی موافقت ان الفاظ میں کی ہے: و اتفقوا على وقوع الاجتهاد منه فى الأقضية و فصل الخصومات.

یعنی معاملات اور فیصلۂ مقدمات میں اجتہاد نبوی کے وقوع پر اہل اصول کا اتفاق ہے۔

(۲) اب رہ گئی بات اجتہاد نبوی کے وقوع یا لاوقوع کی تو اس سلسلے میں قائلین جواز کے تین اقوال ملتے ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ اجتہاد نبوی مطلقًا واقع ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتظار وحی کے بغیر سائل کو جواب عنایت کر دیا کرتے تھے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔

(۲) دوسرا موقف یہ ہے کہ انتظار وحی کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔ احناف کا مذہب مختار بھی یہی ہے۔ تیسیر التحریر میں ہے: المختار عند الحنفية أنّه صلى الله عليه وسلم مأمور بانتظار الوحي أوّلا ماكان راجيه إلى خوف فوت الحادثة ثم بالاجتهاد. (تیسیر التحریر، ج: ٤. المقالة الثالثة فى الاجتهاد، ص: ۱۸۳ دار الفکر، بیروت)

ملا محب اللہ بہاری علیہ الرحمۃ (متوفی:۱۱۱۹ھ) لکھتے ہیں: وعند الحنفية أنّ النبى كان متعبدًا بالاجتهاد بعد انتظار الوحى إلى خوف فوت الحادثة؛ لأنّ اليقين لا يترك عند إمكانه.

(مسلم الثبوت۔ ج:۲، ص:۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمۃ (متوفی:۱۲۲۵ھ) مذکور اس نظریے کی تائید ان الفاظ میں کی ہے: وهٰذا أمر معقول ضرورى، وانكاره مكابرة، فلا يترك اليقين ويذهب إلى الظنّ إلّا بعد الانتظار الوحى.

(فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت)

(۳) تیسرا موقف توقف کا ہے۔ یہی امام غزالی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ چناں چہ المستصفیٰ میں لکھتے ہیں: أما الوقوع فقد قال به قوم وانكره آخرون، وتوقف فيه فريق ثالث. وهو الأصح فإنّه لم يثبت به قاطع. (المستصفیٰ للغزالی، ج:۴، ص:۲۴)

مانعین کے دلائل:

ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذریعہ وحی احکام کی معرفت پر قادر ہیں اور وحی الٰہی علم قطعی کا افادہ کرتی ہے، جب کہ اجتہاد مفید ظن ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جسے یقین پر قدرت ہو اس کے لیے ظن پر عمل کرنا جائز نہیں ہے لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد

کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) اگر آپ ﷺ کو اجتہاد کا حکم ہوتا تو آپ فوراً ہر مسئلہ کا جواب عنایت فرماتے، نزول وحی کے منتظر نہ رہتے؛ کیوں کہ جہاں کوئی نص موجود نہ ہو تو اس صورت میں اجتہاد ہی معرفت حکم کا ذریعہ ہے۔ جب کہ آپ ﷺ نے مسئلہ ظہار وغیرہ میں توقف فرمایا اور نزول وحی کا انتظار کیا۔

(۳) اجتہاد ظنی ہوتا ہے اور ظن میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ لہذا دامن نبوت کو خطا سے محفوظ رکھنے کے لیے اجتہاد کے عدم جواز کا قول کرنا ضروری ہے تا کہ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا معاملہ کہیں مشکوک نہ ہو جائے۔

(۴) اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کی مخالفت کفر ہے اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی مخالفت جائز ہے۔ اب اگر آپ ﷺ کے لیے اجتہاد جائز قرار دے دیا جائے تو کسی دوسرے مجتہد کے لیے ان کی مخالفت کرنا جائز ہوگا، حالاں کہ باالاجماع آپ ﷺ کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

مندرجہ ذیل دونوں آیتیں بھی ان حضرات کی مستدل ہیں:

(۱) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(۲) مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وحی کے علاوہ کوئی کلام صادر ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ اس طرح اجتہاد کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

مانعین کے دلائل کا جواب:

مانعین اجتہاد نبوی کے جو دلائل اوپر مذکور ہوئے ان کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ رسول اللہ ﷺ بذریعہ وحی معرفت احکام پر قادر ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ نزول وحی آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے کہ جب آپ چاہیں اسی وقت وحی نازل ہو جائے، بلکہ اس کا نزول مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کے لیے اجتہاد ایک ناگزیر امر ہے۔

(۲) دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ آپ ﷺ اجتہاد پر عامل تھے۔ جیسا کہ ماسبق میں مذکور دلائل سے پتہ چلتا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ آپ ﷺ کچھ مسئلوں کے جواب میں تاخیر فرماتے تھے تو اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اس نص کا انتظار جس کی امید ہونے تک اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ یا یہ کہ آپ اس مسئلے میں اجتہاد کے انتظار میں ہوں۔ اس لیے کہ احکام شرعیہ میں اجتہاد کا زمانہ متعیّن نہیں ہے۔ یا یہ کہ وہ مسئلہ اجتہادی مسائل میں سے نہ ہو۔

(۳) تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اجتہاد دوسرے لوگوں کے اجتہاد کی طرح نہیں ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ خطا پر برقرار نہیں رکھے جاتے، بلکہ فی الفور تصویب کر دی جاتی ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کے اجتہاد کا مرجع وحی الٰہی ہوا کرتا ہے۔ لہذا آپ کے اجتہاد کو دوسروں کے اجتہاد پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(۴) چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجتہاد اور دوسروں کے اجتہاد میں بڑا فرق ہے۔ دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے ؛کیوں کہ جمہور علما و محدثین کے مطابق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطا پر برقرار نہیں رکھے جاتے۔ جب کہ اوروں کا اجتہاد کبھی تو درست ہوتا ہے اور کبھی خطا۔ پھر دلائل شرع کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے۔ لہذا کسی بھی حکم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت مطلقاً جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ حکم نص سے ثابت ہو یا اجتہاد رسول سے۔

مانعین نے جن دو آیتوں سے استدلال کیا ہے اس کا جواب بھی سنتے چلیں:

پہلی آیت کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول" اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ "میں ھو کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے، لہذا یہاں قول کو معنی عموم پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے ؛کیوں کہ اتنا تو یقینی ہے کہ بعض منطوقات رسول وحی الٰہی نہیں ہوا کرتے ہیں۔

"اجتہاد الرسول" کے مصنف شیخ عبد الجلیل عیسی نے اس کا بڑا عمدہ جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وإذا قطعنا النظر عن أن سياق الآيات يدل كما فهم كبار المحققين على أن الكلام في القرآن وأن المراد أن هذا القرآن الذي يتلوه عليكم محمد ليس من عنده، بل هو وحي يوحى إليه من الله، نقول :إذا قطعنا النظر عن كل ذلك فإنا نقول :ماذا تريدون بهذه الآية؟ أتريدون أنه صلى الله عليه وسلم لا يلفظ بقول مطلقاً في جزئية ما إلا بوحي، حتى قوله صلى الله عليه وسلم :كيف أنت يا فلان، أو الى أين أنت ذاهب، أو مزاحه مع زوجته، أو خادمه، أو قوله :أنا عطشان أو جوعان، أو اسقني مثلاً .إن قلتم :إن كل هذا بوحي خاص، قلنا لكم :قد سقط الخطاب معكم .وإن أردتم أنه لا ينطق عن الهوى بمعنى أنه لا يقول عن شهوة، وغرض بل ما يقوله لمصلحة، قلنا :نحن معكم في هذا، ولكن لا يفيدكم في منع الاجتهاد؛ لأن الاجتهاد لا يصدر منه إلا تحت اعتقاد أنه مصلحة، وإن ظهر خلاف ذلك فهو معذور .

وإن أردتم أنه لا ينطق عن الهوى بمعنى أنه أوحي إليه بأن له أن يجتهد، فاجتهاد بإذن، قلنا لكم :ونحن نقول بذلك، ولا مانع حينئذ من أن يتهد ولا يصيب في جزئية؛ لأنه لا تلازم بين الإذن في الاجتهاد وبين الإصابة في كل جزئية .وإن قلتم :إن المراد بقوله تعالى :﴿وما ينطق عن الهوى﴾ في الأمور الشرعية فقط، أي ما يكون فعله لها يعتبر تشريعاً مرغوباً فيه، قلنا لكم :وهل أخرجتم من أعماله الشرعية سوى خصوصياته كنكاح ما فوق الأربع، وسوى جبلياته كالجوع والعطش والصحة والمرض.

ترجمہ:

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی طرف سے قرآن میں تبدیلی نہیں کرتے ؛بلکہ یہ تو وحی الٰہی سے ہوا کرتا ہے۔ یہاں اختلاف تو اجتہاد میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اجتہاد اگرچہ قرآن کی دلالت میں واقع ہوتا ہے لیکن وہ تاویل ہے تبدیلی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن میں تبدیلی کا حکم نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اجتہاد کا حق نہیں ہے۔

قائلین جواز کے دلائل:

قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انبیا علیہم السلام سے کچھ ایسے افعال سرزد ہوئے جن میں بعض کو معصیت اور بعض کو ذنب کہا گیا۔ جب کہ کچھ کو خطیۂ سے تعبیر کیا گیا۔ انبیا علیہم السلام کے افعال کو معصیت، خطیۂ اور ذنب سے متّصف کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ سب مجتہد تھے اور اجتہاد کی بنیاد پر ان سے کچھ افعال کا صدور ہوتا تھا۔ ورنہ اگر نزول وحی کے بعد ان سے وہ افعال سرزد ہوتے تو انھیں مستحق ملامت قرار دینا درست نہ ہوتا اور نہ انھیں توبہ و استغفار کی ضرورت پڑتی۔ انبیاے سابقین علیہم السلام کے اجتہاد کے چند نمونے درج ذیل کے سطور میں ملاحظہ کریں:

(ا) ”وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ (۷۸) فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَۚ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا“. (پ:۱۷. الانبیاء، آیت:۷۸،۷۹)

ترجمہ: اور داؤد سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک جھگڑا چکاتے تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا۔ (کنزالایمان)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریوں نے گھس کر کھیت کا نقصان کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے یہ تجویز کی کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ فریقین کے لیے اس سے زیادہ آسانی کی بھی صورت ہو سکتی ہے۔ اس وقت حضرت سلیمان کی عمر مبارک صرف گیارہ سال تھی حضرت داؤد علیہ السلام نے آپ پر لازم فرمایا کہ وہ صورت بیان کریں حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تجویز پیش کی کہ بکری والا کاشت کرے اور جب تک کھیتی اس حالت کو نہیں پہنچے جس حالت میں بکریوں نے کھائی ہے، اس وقت تک کھیتی والا بکریوں کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھائے اور کھیتی اس حالت میں پہنچنے کے بعد کھیتی والے کو دے دی جائے اور بکری والے کو اس کی بکریاں واپس کر دی جائیں۔ یہ تجویز حضرت داؤد علیہ السلام نے پسند فرمائی اس معاملے میں یہ دونوں حکم اجتہادی تھے اور اس شریعت کے مطابق تھے ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ اگر چرانے والا ساتھ نہ ہو تو جانور جو نقصان کرے گا اس کا ضمان لازم نہیں۔

(مدارک التنزیل، ص:۱۲۰، سورت الانبیاء، ناشر مجلس برکات)

اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ قضیہ کا حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو اجتہاد کی صلاحیت و اہلیت رکھنے والے علما کو اس میں اجتہاد کا حق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قضیہ کے حل کی دو صورتیں ہوں ایک کی بنیاد قیاس کے ظاہر پر ہو اور دوسرے کی قیاس خفی پر، تو قیاس ظاہر کے مقابلہ میں استحسان کو ترجیح دینا چاہیے جیسا کہ داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔

”تفسیر جلالین“ میں ہے: ”وحکمھا باجتھاد ورجع داود الی سلیمان وقیل بوحی والثانی ناسخ الأول“.

ان دونوں حضرات کا حکم اجتہادی تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد کی طرف رجوع فرمایا اور

ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں کا حکم وحی الہی کے بنا پر تھا اور وحی ثانی پہلی وحی سے ثابت شدہ حکم کی ناسخ ہے۔

(۲) شجرہ ممنوعہ سے تناول کر لینے کے سبب حضرت آدم علیہ السلام و حوا کے جنت سے نکالے جانے کا مشہور قصہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس بارے میں فرماتا ہے: وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾. (پ:۱٦. طه، آیت: ۱۲۱)

ترجمہ: اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا تو اس کی راہ نہ پائی۔ (کنزالایمان)

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا: اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱪ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ (پ:۱۲، هود. آیت: ٤٦)

ترجمہ: وہ تیرے گھر والوں میں نہیں، بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ (کنزالایمان)

حضرت نوح علیہ السلام کا گمان یہ تھا کہ ان کا فرزند ان کے اہل میں سے ہے۔ جب کہ اہل سے مراد اہل قرابت ہے۔ چناں چہ جب اس کا علم ہوا تو انھیں ندامت ہوئی۔

اس قسم کی مثالیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ انبیا علیہم السلام بھی اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔

قرآنی شواہد:

(۱) وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ (پ:٤. آل عمران: آیت: ۱۵۹)

آیت بالا میں آپ کو مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے مشورہ انہیں امور میں ہوتا ہے جن میں بطریق اجتہاد فیصلہ کیا جائے، ان امور میں مشورہ نہیں ہوتا جن میں بذریعہ وحی فیصلہ ہو؛ کیوں کہ جہاں نص موجود ہو وہاں رائے اور قیاس سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ نص پر عمل واجب ہوتا ہے۔

(۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ (پ:۵، النسا: آیت:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجوع کرو اگر اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔ (کنزالایمان)

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اطاعت خداوندی تو ان امور سے ہوگی جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بطور وحی نازل کی گئی۔ لیکن اطاعت رسول کا حق اس وقت ادا ہو گا جب کہ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر حکم کی اتباع کریں، خواہ وہ حکم بذریعہ وحی دیں یا بذریعہ اجتہاد۔ لیکن اگر اللہ اور رسول کی اطاعت سے صرف وحی کی اطاعت مراد لی جائے تو یہ محض تکرار ہوگا۔ مستقل طور پر جو اطاعت کا حکم دیا گیا ہے بظاہر اس کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔

نیز باہمی اختلاف کی صورت میں فریقین کو یہ حکم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کی گئی وحی کی طرف رجوع کریں اور اس سے جو رہنمائی ملے اس پر کار بند ہوں۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو حکم دیں یا فیصلہ کریں ان پر عمل پیرا ہوں۔ اس میں اپنے نفس کو دخل نہ دیں، اگر دونوں جگہ وحی ہی مراد لی جائے تو یہ تکرار محض ہوگا۔

(۳) فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْــٴًـا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (پ:٦، المائدہ: آیت:۴۲)

ترجمہ: تو اگر تمھارے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو، اگر تم ان سے منہ پھیر لوگے تو وہ تمھارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں۔ (کنزالایمان)

آیت بالا میں فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے کہ اگر آپ اپنے اجتہاد سے یہ محسوس کریں کہ ہمارے فیصلہ کرنے میں مصلحت ہے اور فریقین فیصلہ کے قبول کرنے پر آمادہ ہیں تو آپ فیصلہ کردیں، ورنہ ٹال دیں۔ ظاہر ہے کہ فیصلہ میں مصلحت وغیرہ پر نظر رکھنا تو اجتہاد ہی کے ذریعے ہوا کرتا ہے۔ پھر فیصلہ کرتے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انصاف کا دامن تھامے رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور حتی الوسع حق تک پہنچنے کا مکلف بنایا گیا ہے جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ ورنہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کے ذریعہ ہی فیصلہ کرنے کے پابند ہوتے تو وحی کے سارے احکام تو حق وانصاف پر مبنی ہوا کرتے ہیں، پھر " بالقسط "کی قید کا کیا فائدہ رہ جائے گا؟

(۴) اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ (پ:۴، النساء: آیت:۱۰۵)

ترجمہ: اے محبوب! بیشک ہم نے تمھاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح اللہ تمہیں دکھائے۔ (کنزالایمان)

یہاں اراءت عام ہے جو نص اور استنباط دونوں کو شامل ہے۔

(۵) وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ (پ:۴۔ النساء: آیت:۸۳)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے تو اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

آیت بالا میں استنباط وتحقیق کے اندر اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اولی الامر اور حاکموں کو یکساں قرار دیا ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخذ و استنباط کے مکلف تھے۔ مذکورہ آیت پاک میں "أمر من الأمن أو الخوف" سے اس نظریہ کو بھی تقویت ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شرعی مسائل میں بھی اجتہاد کرتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ "أمر" مطلق آیا ہے۔ جس

طرح جنگ وجدال میں امن وخوف کی حالت ہوتی ہے اسی طرح امور دینیہ میں بھی امن وخوف کی حالت کا تحقق ممکن ہے۔
(اجتہاد الرسول۔۵۳)

(۶) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ (پ:۸، الانفال آیت:۶۷)

ترجمہ: کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ (کنزالایمان)

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا، دو طرح کی رائیں سامنے میں آئیں۔ ایک رائے یہ آئی کہ سارے قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ دوسری رائے یہ آئی کہ ان سب سے فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کا مالی تعاون بھی ہو اور جو حضرات قید ہو کر یہاں آئے ہیں ان کو اپنے بارے میں نظر ثانی کا موقعہ بھی مل جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے اس آخری رائے کو ترجیح دی اور فدیہ کا فیصلہ فرمایا۔

فواتح الرحموت میں ہے: فقد بان لك أن هذا الحكم كان عن رأى وإلالما وقع العتاب۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، جزثانی، ص:۴۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، الطبعہ اول ۲۰۰۲ء)

ترجمہ: یعنی یہ واضح ہو گیا کہ یہ حکم سرکار نے اپنے رائے سے دیا تھا، ورنہ اس پر عتاب نازل نہ ہوتا۔

مذکورہ آیت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلے میں کتاب وسنت میں کوئی حکم نہیں ملتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کرنا جائز تھا، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی امور میں بھی آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا؛ کیوں کہ جنگ بدر کا معاملہ صرف ایک جنگی حد تک محدود نہ تھا بلکہ یہ جنگ ایمان وکفر اور حق وباطل کی فیصلہ کن لڑائی ہونے کی وجہ سے مذہبی وشرعی معاملہ کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: فالآية صريحة فى بيان أن رسول عليه الصلوٰة والسلام كان يحكم بمقتضىٰ الاجتهاد فى الوقائع التى لم ينزل بها نص أو حى .

(۷) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (پ:۱۰، التوبہ آیت:۴۳)

غزوۂ تبوک میں بعض منافقوں کے اعذار کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں جنگ میں حاضر نہ ہونے کی اجازت ورخصت دے دی تھی، یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجتہاد تھا، ورنہ اگر یہ عمل بذریعہ وحی ہوتا تو عتاب کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا ہے۔

(۸) بنو نضیر جب مدینہ طیبہ سے شام جلا وطن کر دیے گئے تو اللہ تعالی نے اہل بصیرت کو ان کی بدعہدی اور شرارت پر عبرت دلاتے ہوئے فرمایا: فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ ۞

مذکورہ آیت میں ارباب بصیرت اور صاحب فکر و نظر لوگوں کو ''اعتبار'' کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی چیز کی حقیقت و دلیل میں غور و فکر کر کے اسی جنس کی دوسری چیز معلوم کرنے کو اعتبار کہتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون بالغ نظر ہو سکتا ہے؟

لہٰذا آیت پاک میں جس غور و فکر کا حکم دیا جا رہا ہے اس کے عموم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی داخل ہیں اور اجتہاد و قیاس کے مکلف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہوئے۔

حدیثی دلائل: (۱) الاحکام فی اصول الاحکام میں ہے: رویٰ الشعبی انه کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقضی القضیة، و ینزل القرآن بعد ذلك بغیر ما کان قضی به، فیترك ما قضی به علی حاله فیستقبل ما نزل به القرآن. (الاحکام للآمدی، ج:۴، ص:۲۰۲ دار الصمیعی۔ سعودی عرب الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۳ھ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسائل کا تصفیہ فرماتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے کے خلاف قرآن کا نزول ہوتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا فیصلہ اسی حال پر چھوڑ دیتے اور قرآن میں جو حکم نازل ہوتا اس کی طرف توجہ فرماتے۔

ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو فیصلہ فرماتے تھے وہ اجتہادی ہوتا تھا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں آنے کے بعد مسلمان نماز کے وقت جمع ہو کر نماز پڑھ لیتے تھے اور اس وقت کوئی شخص آذان نہیں دیتا تھا، ایک دن صحابہ نے اس مسئلے میں گفتگو کی۔ بعض نے کہا کہ عیسائیوں کی طرح ناقوس بنالو، بعض نے کہا کہ یہودیوں کی طرح سینگھ بنالو۔ حضرت عمر نے کہا: ایک آدمی کو کیوں نہیں مقرر کر لیتے جو نماز کے وقت لوگوں کو آواز دے کر بلائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال اٹھو اور لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔

(مسلم شریف، ص:۱۶۴، کتاب الصلوٰۃ، باب بدء الآذان۔ ناشر: مجلس برکات)

(۳) عن رافع بن خدیج قال: قدم نبی الله صلی اللہ علیہ وسلم المدینة وهم یأبرون النخل، یقول: یلقحون النخل. فقال: ما تصنعون؟ قالوا کنانصنعه، قال: لو لم تفعلوا کان خیراً، فترکوه فنقضت. أو نقصت. قال: فذکروا ذالك لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انما انا بشر، اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به، و اذا امرتکم بشیئ من رأی فانما انا بشر.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، اس وقت اہل مدینہ کھجور کی شجر کاری کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: ہم اسے کیا کرتے ہیں (تاکہ پھل اچھا آئے) سرکار نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا، تو اس سال پھل کم آیا، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: میں تو ایک انسان ہوں، جب میں تمھیں کسی دینی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔ (اس لیے تمھاری اطاعت ضروری نہیں)

(مسلم شریف، ج:۲، کتاب الفضائل، باب: وجوب امتثال ما قاله شرعًا، ص:۲۶۴، مجلس برکات)

(۴) فتح مکہ کے دن مکہ المکرمہ کی حرمت و عظمت کو بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فهو حرام

بحرمة الله تعالیٰ الی یوم القیامة، لا یُعضد شوکة ولا ینفر صیده ولا تلتقط لقطة الاّ من عرّفها ولا یختل خلاها .

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ !آپ تمام گھاسوں کو ممنوع فرمارہے ہیں، حالاں کہ "اذخر" کی ضرورت ہم لوگوں کو گھر کی چھتوں میں پڑتی رہتی ہے ؟نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذخر کا استثنا کرتے ہوئے فرمایا:"إلا الاذخر"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا "اذخر" کا استثناء کردینا اس بات کی دلیل ہے کہ گھاس وغیرہ کی حرمت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کیا تھا۔ وهذا مبنی علی أنّ الرسول كان له أن يجتهد في الاحكام (بخاری۔کتاب جزاء الصید، باب لایحل القتال بمکۃ۔فتح الباری، ج:۴،ص:۔۴۹۔ناشر:دارالمعرفۃ،بیروت)

(۵) قریش نے اپنے دور میں خانہ کعبہ کی جو تعمیر کی تھی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے خلاف تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا: ألا تردها علی قواعدإبراهيم؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لولا حدثان قومك بالكفر لفعلت.

یعنی اگر تمھاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں ضرور ایسا کرتا۔

(صحیح مسلم۔باب:نقض الکعبہ و بناءھا،ص:۴۲۹۔ج:۱،ناشر:مجلس برکات،جامعہ اشرفیہ،مبارک پور)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کی تعمیر کردہ بنیاد کو جو باقی رکھا وہ آپ کا اجتہاد تھا۔اس لئے کہ اگر آپ کو عمارت منہدم کرنے کا حکم ہوتا تو خوف فتنہ اس سے قطعا مانع نہیں ہوتا۔

(۶) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میراث کے ایک معاملے میں دو حضرات کا اختلاف ہوا، دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں کے دعوے سننے کے بعد فرمایا کہ میں بھی انسان ہوں اور تم لوگ میرے پاس مقدمہ لے کر آئے ہو، ممکن ہے کہ ایک فریق اپنی چرب زبانی سے دوسرے فریق پر غالب آجائے اور اس کے بیان پر میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں۔اگر واقع میں حق اس کو ملنا نہیں تھا بلکہ اس کے مدمقابل کا حق تھا تو میرے فیصلہ کے باوجود اس کو لینا درست نہیں ہے، اور اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ میں اسے جہنم کی آگ دے رہا ہوں۔یہ سن کر دونوں حضرات رونے لگے اور ہر ایک نے دوسرے کے حق میں دست برداری اختیار کرلی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں سے کہا کہ جب ہر ایک نے دست برداری اختیار کرلی تو اسے آپس میں تقسیم کرلو، پھر آپ نے فرمایا:

"إنما أقضِی بَيْنَكُمْ بِرَأْيِي فِيْمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيّ فِيهِ".

جس امر کے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوتی ہے تو میں اپنی رائے سے تمھارے درمیان فیصلہ کیا کرتا ہوں۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:"يَاأَيُّهَاالنَّاسُ اِنّ الرّأیَ إنّمَا كَانَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُصِيْبًالِأنّ اللهَ كَانَ يُرِ يْهِ وَإنّمَاهُوَمِنّاالظّنّ وَالتّكَلّفُ".

(ابوداؤد،کتاب القضاء،باب فی قضاء القاضی اذااخطأ،ص:۵۰۵ہندوستانی نسخہ)

اے لوگو! صحیح رائے تو در حقیقت حضور اکرم ﷺ کی ہوتی تھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو رہنمائی ملتی تھی اور ہم لوگوں کی رائے تو ظن وتخمین اور تکلف پر مبنی ہوا کرتی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بعض معاملات میں اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض ہو گیا، تو حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے تین بار یہی عرض کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دوں تو حج ہر سال فرض ہو جائے گا اور تم اس کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھو گے۔ پھر فرمایا: جن چیزوں کا بیان میں چھوڑ دیا کروں تم ان کا سوال مت کیا کرو، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ وہ انبیا علیہم السلام سے بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور ان سے اختلاف کرتے تھے۔ لہٰذا جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر بقدر استطاعت عمل کیا کرو اور جب میں کسی چیز سے روک دوں تو اس کو چھوڑ دیا کرو۔ (مسلم شریف۔ ص:۴۳۲، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمرۃ۔ مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: فیه دلیل للمذهب الصحیح أنه ﷺ كان له أن یجتهد فی الإحکام. (المنہاج فی شرح المسلم، ص:۴۳۲، مجلس برکات)

(۸) حضرت جدامہ بنت وہب اسدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے چاہا کہ دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع سے منع کروں، پھر مجھے خیال آیا کہ روم اور فارس دودھ پلانے والی عورتوں کے ساتھ جماع کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو ضرر نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز الغیلۃ۔ ص:۴۶۶، مجلس برکات)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: فیه جواز الاجتهاد لرسول الله ﷺ و به قال جمهور أهل الأصول.

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میری امت مشقت میں نہ پڑتی تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (متفق علیہ۔ بخاری، کتاب الجمعہ، باب السواک یوم الجمعہ و مسلم، کتاب الطہارۃ، باب السواک۔ ج:۱، ص:۱۲۸۔ مجلس برکات)

مذکورہ حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: فیه دلیل علیٰ جواز الاجتهاد للنبی ﷺ فیما لم یرد فیه نص من الله تعالیٰ و هذا مذهب اکثر الفقهاء واصحاب الأصول وهو الصحیح المختار.

یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جن امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو ان میں نبی کریم ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ یہی اکثر فقہا اور اہل اصول کا مذہب ہے۔ (المنہاج شرح مسلم للنووی، ص:۱۲۸۔ مجلس برکات)

صحابہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

من المجتہدین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۱۳ھ

محمد ظفرالدین صدیقی، دیوریا، جماعت: سابعہ 7068434295

اسم گرامی : عبد اللہ تھا آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ **کنیت :** ابوبکر۔

لقب : آپ کا لقب صدیق ہے کیوں کہ آپ نے بے خوف اور نڈر ہوکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور کسی قسم کی ترش روئی یا جھجک اس تصدیق میں سرزد نہیں ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عتیق بھی آپ کا لقب ہے

سلسلۂ نسب والد : عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی

والدہ : سلمہ بنت صخر بن عامر بن کعب تھا اور ان کی کنیت ام الخیر تھی۔

(تاریخ الخلفا، ص: ۲۲،۲۱، مصنف: امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، عربی اڈیشن، مطبع ۱۹۹۶ء الہند)

خاندانی پس منظر : آپ کا خانوادہ مکہ کے ممتاز خانوادوں میں تھا۔ قصاص و دیت کے فیصلے اور تاوان کی رقم کا جمع کرنا عہد جاہلیت میں آپ کے خاندان سے متعلق تھا۔ فراست و دانائی اور امانت و دیانت کی وجہ سے یہ منصب آپ کو دیا گیا۔ آپ پر لوگوں کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کے ذمے تاوان کا فیصلہ کرتے تو قریش آپ کا ساتھ دیتے اور اس فیصلے کے نفاذ میں کوشش کرتے۔ اگر کوئی اور شخص تاوان کا فیصلہ سناتا تو قریش اس کو تسلیم نہ کرتے اور اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتے۔ عام طور پر اہل مکہ کا پیشہ تجارت تھا۔ چناں چہ آپ نے بھی یہی آزاد اور شریف پیشہ کسب معاش کے لیے اختیار کیا۔

ولادت : ۶۳ر سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا ہے اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۲ر سال ۲ر ماہ بعد مکہ میں پیدائش ہوئی ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص: ۲۴، بتفصیل سابق)

قبول اسلام : آغاز وحی کے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلے میں یمن گئے ہوئے تھے۔ آپ مکہ واپس آئے تو عقبہ بن ابی معیت، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل، ابوالبختری اور دیگر سرداران قریش آپ سے ملنے آئے۔ تو آپ نے ان سے مکہ کے حالات دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ اے ابوبکر! بڑا غضب ہوگیا، ابوطالب کا یتیم بچہ مدعی نبوت ہے۔ اس کے انسداد کے لیے ہم تمھاری آمد کے منتظر تھے۔ یہ سن کر ابوبکر صدیق کے دل میں شوق پیدا ہوا اور انھیں خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کیا اور خود خدمت رسول میں حاضر ہوگئے۔ بعثت کے متعلق کچھ سوالات کیے اور اسی مجلس میں داخل اسلام ہوگئے۔

سب سے پہلے ایمان کی دولت سے کون سرفراز ہوا؟ اس سلسلے میں بہت سی روایتیں ہیں۔ ان میں علما نے یوں مطابقت

پیش کی ہے۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ترمذی و ابن حبان، ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم میں سب سے زیادہ مستحق خلافت میں نہیں ہوں؟ کیا اسلام لانے میں مجھے اولیت حاصل نہیں؟ کیا مجھ میں یہ اوصاف نہیں ہیں؟ (پھر آپ نے وہ تمام اوصاف بیان فرمائے)

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا کہ آپ نے فرمایا کہ مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

ابن ابی حیثمہ نے زید ابن ارقم سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔

ابن سعد نے ابی اوردی ادوسی اصحابی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تم نے حضرت حسان بن ثابت کے اشعار سنے ہی ہوں گے۔

اذ تذکرت شجوا من اخی ثقة — فاذکر اخاك ابا بکر بما فعلاً
خیر البریة اتقاها و اعدلها — الا النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اوفاها بما سملاً
و الثانی الثانی المحمور مشهده — و اولی الناس منهم صدق الرسلا

(تاریخ الخلفاء، ص: ۲۵، بتفصیل سابق)

ذات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبول اسلام کے بعد سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف تک ہمیشہ سفر و حضر میں آپ کے رفیق رہے، بجز اس کے کہ آپ کے حکم اور اجازت سے حج کے لیے یا کسی جہاد میں آپ کی صحبت میں نہ رہ سکے، ورنہ ہر حال میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضا کے لیے اہل و عیال کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت فرمائی، غار ثور میں آپ کے ساتھ رہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ”ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا“ (سورہ توبہ، آیت: ۴۰)

اس کے علاوہ اکثر غزوات میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت کی آپ کی سیرت پر ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں۔

(تاریخ الخلفاء، ص: ۲۷، بتفصیل سابق)

غزوات میں شرکت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ

بدر، غزوۂ احد، غزوۂ بنی مصطلق، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، غزوۂ حنین، فتح مکہ، غزوۂ تبوک خصوصاً جنگ حنین میں جب کہ لوگ آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے، آپ رسالت مآب ﷺ کی خدمت موجود رہے۔

ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ یوم بدر میں فرشتوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھو! صدیق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سائبان کے نیچے موجود ہیں۔

ابو یعلی حاکم اور احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اور صدیق اکبر سے فرمایا کہ تم میں سے ایک کی مدد جبرئیل کر رہے ہیں اور دوسرے کی میکائیل علیہما السلام۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں عبد الرحمن بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جنگ بدر میں کئی بار میری تلوار کے زد میں آئے لیکن میں نے آپ سے قطع نظر کیا اور آپ کو قتل نہیں کیا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو میں تم سے صرف نظر نہ کرتا اور تمھیں قتل کر دیتا۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۲۸، بتفصیل سابق)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اجتہاد: عہد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں مجتہدین صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت تھی، جنھوں نے انقطاع وحی کے بعد جدید مسائل میں ملت اسلامیہ کی اجتہاد ہی سے رہنمائی کی۔ انھیں میں ایک استعداد اس وقت اچھی طرح آشکار ہوئی جب آپ نے مانعین زکات سے قتال کا حکم صادر فرمایا، جب کہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا موقف اس کے بر خلاف تھا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کلمہ گو سے کیسے مقاتلہ کیا جائے گا؟ جب کہ آپ ﷺ نے ان کے خون کو معصوم اور ان کے اموال کو محفوظ شمار کیا ہے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کلمہ کے حقوق میں سے ایک حق جس طرح نماز ہے اسی طرح زکات بھی ہے۔ جس نے نماز اور زکات میں فرق کیا یقیناً میں اس سے مقاتلہ کروں گا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے استدلال پر دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی شرح صدر ہوا اور راجح قرار دیتے ہوئے اسی پر عمل کیا۔

ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ مانعین زکات کے تئیں آپ رضی اللہ عنہ کا موقف اور صحابۂ کرام کا اس رائے کی جانب رجوع کر لینا صحت استدلال اور اصابت رائے کی دلیل ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۳۱، بتفصیل سابق)

آپ کے صحت استدلال اور اصابت رائے کی تصدیق رسول کریم ﷺ نے بھی فرمائی ہے۔ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا جا رہا تھا تو کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آپ ﷺ نے مشورہ کیا کہ کن کو یمن روانہ کیا جائے؟ ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے زیادہ پسند ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ ابو بکر صدیق غلطی کر جائیں۔

(تاریخ الخلفاء، ص:۳۳، بتفصیل سابق)

آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے: "من کان یفتی الناس فی زمان رسول اللہ ﷺ؟ فقال ابو بکر و عمر ما اعلم غیر ھما"

آپ ﷺ کے زمانے میں کون فتویٰ دیا کرتے تھے؟ تو عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں کے علاوہ میں نہیں جانتا۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۱۳۱، بتفصیل سابق)

نیز ابن قیم جوزی متوفی ۱۵۷ھ نے آپ کے فتاویٰ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ متوسطین صحابۂ کرام و صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی فتاویٰ کی ایک معتد بہ مقدار مروی ہے۔ اگر ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ جمع کے جائیں تو فتاویٰ کا ایک اچھا خاصا مجموعہ ہو جائے گا۔

آپ بعض احکام اپنے اجتہاد کی روشنی میں بھی صادر فرماتے تھے۔ چناں چہ ایک دفعہ آپ نے کلالہ کے سلسلے میں اجتہاد کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا: "فان یکو صوا باً فمن اللہ و رسو لہ و ان یکو خطأ فمنی و من الشیطٰن" اگر اس اجتہاد سے میں درست بات کہوں تو یہ درستگی اللہ اس کے رسول کی جانب سے ہوگی اور اگر غلطی ہو جائے تو یہ غلطی کی نسبت میری اور شیطان کی جانب رہے گی۔

آپ کے قیاسی مسائل میں سے ایک مشہور مسئلہ دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے، جس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت ورثہ میں صرف دادا اور بہن، بھائی چھوڑے یعنی اصول میں باپ اور فروع میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو وراثت کا مستحق کون ہوگا؟ دادا یا بھائی، بہن؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن میں عبد اللہ ابن عباس اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ شامل ہیں۔ دادا کو باپ کے مرتبے میں قرار دے کر بھائی، بہن کو وراثت کا غیر مستحق قرار دیتے ہیں۔ "باب میراث الجد مع الأب و الاخوۃ و قال أبو بکر و ابن زبیر الجد اب" (بخاری شریف، ج:۲، ص:۹۹۷۔۹۹۸، مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ)

لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت اس موقف سے اختلاف رکھتی ہے، اور بھائی، بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف در حقیقت لفظ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے، کیوں کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ " یَسْتَفْتُوْنَكَؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَۚ" (سورۃ النساء، آیت:۱۷۶)

اس آیت کریمہ میں گویا باپ کی کوئی تصریح نہ ہونے میں اس حد تک سب کا اتفاق ہے کہ کلالہ کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں: "وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ" (سورۃ النساء، آیت:۱۲)

اس آیت کریمہ میں علاتی بھائی، بہنوں کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہاں بالاتفاق "کلالہ" کے یہ معنیٰ ہیں کہ میت کے (باپ، دادا) اور فروع (اولاد، اولاد کے اولاد) میں کوئی نہ ہو، یعنی اگر میت کا دادا موجود ہوگا تو کلالہ نہ ہوگا اور علاتی بھائی محروم ہوں گے۔

آپ کا مسائل میں فیصلہ کا انداز یہ تھا کہ آپ پہلے کتاب اللہ میں غور و فکر کرتے۔ کوئی حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ

کرتے ۔ ورنہ سنت رسول میں غوطہ زنی کرتے ۔ اس میں حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے ، ورنہ لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح کسی معاملے میں فیصلہ کیا ہے ؟ کوئی گواہی دیتا تو اسی طرح فیصلہ کر دیتے ، اگر سنت میں بھی حکم نہ ملے تو ایسی صورت میں اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ کرتے ۔ اگر کسی پر رائے قائم ہو جاتی تو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ، ج:۸، ص:۲۶۸، تاریخ الخلفاء ، ص: ۳۲، بتفصیل سابق)

آپ کا یہ اختیار کردہ طریقہ کار بعینہ وہی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر اختیار کیا تھا اس لیے علما نے لکھا ہے کہ مشاورت بھی ایک قسم کا اجتہاد ہی ہے ، کیوں کہ اگر کوئی بات منصوص ہوتی تو یہ جمع ہونا بے کار ہوتا ۔

عہد صحابہ کے اجتہادی مسائل میں آپ کا موقف : حضرت ابو بکر صدیق اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین اختلافی مسائل کی ایک معتد بہ مقدار ہے ۔ ایسے اختلافی مسائل حضرات شیخین کے درمیان بھی ہے ، نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اجتہادی مسائل ، اور ان کی فقہی اقوال کو ڈاکٹر رواس قلعہ جی نے فقہ ابی بکر رضی اللہ عنہ کے نام سے مرتب کیا ہے ۔ ذیل میں آپ کے کچھ اقوال فقہیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس سے ان کے فقہی مقام اور اجتہادی بصیرت تک رسائی میں سہولت ہوتی ہے ۔

ناقص زائدہ بچوں پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں ؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی ، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے ”اسقط یصلی علیہ“ (مصنف ابن ابی شیبہ ، ج:۳، ص:۳۱۷)

اس لیے کہ یہ بھی ایک جان ہے ، اس میں روح پھونکی گئی ہے اور چار ماہ میں روح پھونک دی جاتی ہے اس لیے اس پر نماز پڑھنا چاہیے اور یہی بات سعید ابن مسیب ، ابن سیرین اور اسحٰق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اختیار کیا ، نیز عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی قول اختیار کرتے ہوئے اپنے مردہ بیٹے کی نماز جنازہ پڑھی تھی ۔ (المغنی لابن القدامہ ، ج:۴، ص:۴۹۷)

حالاں کہ حضرت علی سے اس کے خلاف روایت منقول ہے ۔ (الجامع مذاہب الفقہا ، ج:۲، ص:۳۲)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تکبیرات انتقالیہ کو سنت قرار دیتے ہیں ۔ اس کو فقہاے کرام نے لیا ہے ، لیکن دیگر صحابۂ کرام کے اقوال کے پیش نظر دیگر ائمۂ کرام نے تکبیرات انتقالیہ کو واجب تک قرار دیا ہے ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی کو نماز سکھائی ، اس کو فرائض وواجبات نماز کی تعلیم دی ۔ اس میں تکبیر تحریمہ کا تو ذکر ہے ، لیکن تکبیرات انتقالیہ کا ذکر نہیں ، حالاں کہ یہ موقع بیان کرنے کا ہے ، یہاں پر خاموشی عدم وجوب پر دلالت کر رہی ہے ، لہٰذا وہ احادیث جن میں ہر اٹھنے اور جھکنے کے وقت تکبیر کی بات آئی ہے وہ استحباب پر محمول ہے ۔ (موسوعہ فقہی قوتیہ ، امام ابن شرف نووی ، ج:۱۳، ص:۲۰۷ الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء ، دار الفکر ، بیروت لبنان)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عمامہ پر مسح درست سمجھتے ہیں ۔ ایک تو ان کے سامنے وہ حدیث تھی جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشانی کے بقدر مسح کیا اور عمامہ پر مسح کیا اور خفین پر مسح کیا اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ سر اور پیر دونوں ایسے اعضا ہیں جو تیمم میں ساقط ہوتے ہیں ۔ جب دونوں کا تیمم میں ایک حکم ہے تو ایسے ہی مسح کے سلسلے میں بھی ایک ہی حکم ہوگا ۔ جس طرح خف پہنے ہوئے ہونے کی صورت میں مسح درست ہے اسی طرح عمامہ باندھے ہوئے ہونے کی صورت میں اس پر مسح درست

ہو گا۔ (موسوعہ فقہی قوتیہ، ج:۴۳، ص:۳۶۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام ولد کی بیع جائز قرار دی ہے۔ اس کی ایک دلیل تو یہ تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ام ولد کو بیچا جاتا تھا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ ام ولد بچہ پیدا ہونے سے قبل بہرحال باندی ہے۔ لہذا اس کو بیچنا درست ہے تو بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی اس کی بیع درست ہونی چاہیے۔ مگر یہ کہ کوئی دلیل اس کی بیع کے ناجائز ہونے پر وارد ہو، لہذا استصحاب حال سے اس کی بیع درست ہی ہونی چاہیے۔ (ہدایۃ المجتہد، ج:۲، ص:۶۴۷ طبع ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۲ء ناشر دار الکتب علمیہ بیروت لبنان)

مالدار پر قربانی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنت قرار دیا ہے۔ دلیل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب ذی الحجہ کے دس ایام آجائیں تو تم میں کا کوئی شخص قربانی کرنا چاہے تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

دیکھیں حدیث میں قربانی کو ارادہ پر موقوف رکھا گیا ہے، لہذا یہ وجوب کی دلیل نہیں بن سکتی۔

(المجموع شرح المذہب للنووی، ج:۸، ص:۲۷۷، طبع: ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۰ء ناشر دار الفکر، بیروت، لبنان)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم قرآن جمع کریں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو ہم بھلا کیوں کر سکتے ہیں؟ پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں مصلحت دیکھ کر اس کی طرف رجوع فرما لیا اور یہ وجہ تھی کہ جو کچھ نزول ہوتا سرکار علیہ السلام اسے اپنے مصحف میں لکھوا لیا کرتے تھے۔ اس کے جمع کرنے کا مقصد حفاظت قرآن ہی تھی۔ اس سے انھیں یقین ہو گیا اور اختلاف رفع ہو گیا۔

(شریعۃ اللہ الخالدہ، ص:۱۰۵، السید محمد بن علوی بن عباس المالکی المکی الحسنی، مطبع: ۱۴۲۳ھ، مکتبۃ الملک فہد الوطنیہ اثناعشر)

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصال ظاہری کے بعد عرب کے عرف وعادت کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد کی میراث طلب کرنے اور خیبر کے موقع سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت میں آنے والا زرخیز باغ "فدک" سے اپنا حصہ مانگنے کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور تشریف لائیں۔ دوسری طرف حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مابقیہ میراث کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مگر حضرت صدیق اکبر کے پیش نظر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک تھی جس کی بنا پر آپ نے انھیں بطور میراث دینے سے منع کر دیا اور فتویٰ دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا نورث ما ترکنا صدقۃ" یعنی ہم گروہ انبیا بعد والوں کو وارث نہیں بناتے اور جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، بطور میراث اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آیت میراث کے احکام سے مستثنیٰ ہیں، لہذا آیت میراث کا سہارا لے کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مال کی تقسیم شرعاً جائز نہیں۔ آپ کے اس فتوے سے لوگوں کا خلجان دور ہوا اور اختلاف رفع ہو گیا۔ (شریعۃ اللہ الخالدہ، ص:۱۰۶، بتفصیل سابق)

وصال: ۷؍جمادی الآخرہ ۱۳ھ کو موسم کافی سرد تھا۔ صدیق اکبر نے غسل کیا، ٹھنڈک اثر کر گئی اور آپ شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ علاج کے باوجود سدھار نہ ہوا، بستر علالت پر پڑنے کے بعد ہی یقین ہو چکا تھا کہ آپ جاں بر نہ ہو سکیں گے۔ مرض جوں جوں شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، امت کے مسائل آپ کو پریشان کر رہے تھے۔ چناں چہ شدت مرض کے باوجود ملت

کے آنے والے مسائل پر وہ بڑی گہری غور وفکر میں مبتلا ہو گئے۔ ماضی کے سارے حالات و واقعات ایک ایک کر کے ان کی نگاہوں کے سامنے گردش کر رہے تھے مستقبل کے اندیشے ذہن میں ابھر رہے تھے۔ ان مسائل میں سب سے اہم مسئلہ خلافت کا تھا۔ وہ امت کو آئندہ اختلاف سے بچانے کے لیے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کر دینا چاہتے تھے لیکن اس امر میں وہ اہل الرائے صحابہ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی قابلیت و اہلیت رکھتے ہیں۔ مگر انھیں خطرہ تھا کہ مشورہ لیے بغیر عمر کی نام زدگی لوگوں پر گراں گزرے گی اور مسلمان اس انتخاب کو اچھی نظروں سے نہ دیکھیں گے۔ چناں چہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور دریافت کیا کہ عمر کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ جواب دیا: هو و الله افضل من ذٰلك فيه من رجل و لٰكن فيه غلظة .
اوروں کی بنسبت آپ کی رائے سے بھی زیادہ افضل ہے مگر ان کے مزاج میں ذرا شدت ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ شدت اس وجہ سے تھی کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے تھے۔ جب وہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں گے تو اس قسم کی باتیں چھوڑ دیں گے۔ اے ابو محمد! میں نے ان کو بغور دیکھا ہے جس وقت میں کسی شخص پر کسی معاملے میں غضبناک ہوتا تھا تو عمر مجھ کو اس پر راضی ہونے کا مشورہ دیتے تھے اور جب کبھی نرم ہوتا تو وہ مجھ کو اس پر سختی کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ (طبری، ج:۲، ص:۶۱۸)

پھر حضرت عثمان کو بلایا اور کہا کہ اے ابو عبداللہ! مجھے بتاؤ عمر کیسے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ ان کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ! اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ پھر فرمایا: الٰہی! میں عمر کے باطن کو ان کے ظاہر سے بہتر سمجھتا ہوں، ہم میں ان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ (مرجع سابق)

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے بارے میں مطمئن ہو گئے تو آپ نے اپنے کاتب حضرت عثمان بن عفان سے عہد نامۂ خلافت تحریر کرایا۔

بذریعۂ اجتہاد عمر کی جانشینی: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درست اجتہاد کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی وصیت فرمائی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حل و عقد کے مالک ہیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حق تھا کہ آپ اس شخص کو ولایت عطا فرمائیں جس کے اندر ولایت کی صلاحیت ہو، تو آپ نے اس کو ارباب حل و عقد کے تولیت پر قیاس کیا یا اسے مخلوق کی رعایت اور حفظ امانت پر قیاس کیا۔

چناں چہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد بزرگ وار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جس وقت ان کی وفات قریب ہو چکی تھی۔ چناں چہ انھوں نے کہا کہ لوگوں کا گمان ہے کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے اور بات یہ ہے کہ اگر آپ کے اونٹوں یا بکریوں کا کوئی چرواہا ہو اور وہ ان اونٹوں یا بکریوں کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آئے تو آپ یہی کہیں گے کہ اس نے ان اونٹوں یا بکریوں کو ضائع کر دیا ہے۔ سو لوگوں کی نگہبانی زیادہ اہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری اس رائے کی موافقت کی، کچھ دیر تک سر جھکائے (سوچتے رہے) پھر میری طرف سر اٹھا کر فرمایا: بلا شبہہ اللہ عزوجل اپنے دین کی

حفاظت فرمائے گا اور اگر میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور اگر میں نے کسی کو خلیفہ بنا دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنا چکے ہیں۔ حضرت ابن عمر نے کہا: بخدا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا تو میں نے جان لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور وہ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

مذکورہ گفتگو پر نظر ڈالیں تو عیاں ہو گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اجتہادی قوت کا استعمال کرتے ہوئے لوگوں کی حالت کو مویشیوں کی حالت پر قیاس کیا تھا اور ان کے راعی اور چرواہوں کی حالت پر امرا اور خلیفہ کی حالت کو۔ چناں چہ جس طرح بغیر چرواہے کے مویشیوں کے ضائع ہو جانے اور بھیڑ کے لقمہ بن جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں اندیشہ تھا کہ کہیں بھیڑیے صفت لوگ مسند اقتدار پر قابض نہ ہو جائیں اور خلافت نااہلوں کے پاس نہ چلی جائے اور اس وجہ سے ان کی ماتحتی میں رہنے والے لوگوں کو سخت مشکلات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پھر حضور ﷺ نے اپنا جانشین کیوں مقرر نہیں کر دیا۔ اس لیے کہ حالات و قرائن واضح طور پر دلالت کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی جانشیں بنائے جائیں گے۔ بلکہ بعض مواقع پر خود حضور ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔

اس کے بر خلاف دور صدیقی میں وہ بات نہ تھی۔ لہٰذا اسے معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ آپ نے حسن انتخاب اور اپنی اجتہادی قوت سے خلافت جیسے اہم مسئلے کو درست طریقے پر حل فرمایا اور امت مسلمہ کو ایک بہت ہی قابل نزع مسئلے سے نجات کی راہ ہموار فرما دی۔ (شریعۃ اللہ الخالدہ، ص:۱۰۶/۱۰۷، السید محمد بن علوی بن عباس المالکی المکی الحسنی، ۱۴۲۳ھ، ناشر: مکتبۃ الملک فہد الوطنیہ اثنا عشر)

من المجتہدین

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت ۱۳ر بعد فیل.... وفات: ۲۳ھ

محمد انور رضا، ممبئی، جماعت: فضیلت 8417099952

نام: عمر، **کنیت:** ابوحفص، **لقب:** فاروق، امیر المومنین۔ **سلسلہ نسب:** عمر بن الخطاب بن نفیل قرشی عدوی بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قُرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ابن حجر عسقلانی ج: ۴، ص: ۴۸۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع ثانی: ۲۰۰۲ء، وطبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۲۰۱)

عدی کے دوسرے بھائی مرۃ تھے جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمر کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسبی سلسلۃ الذہب سے مل جاتا ہے۔

ولادت باسعادت: اکثر مصنفین نے آپ کی تاریخ ولادت عام الفیل کے تیرہ سال بعد بتائی ہے مگر درایۃً یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ نبوت کے چھٹے سال آپ نے اسلام قبول کیا اور اس وقت آپ کی عمر ۲۷ر سال تھی، عام الفیل سرکار کا سال ولادت ہے اور ۴۰ر سال کی عمر میں آپ نے اعلان نبوت فرمایا، اس طرح ۶ر نبوت کو آپ کی عمر ۴۶ر سال ہوئی، اب اگر اسی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کا سال مان لیا جائے تو اس وقت ۲۷ر سال کا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے بلکہ ۳۳ر سال عمر ہوئی، اس لیے ماننا پڑے گا کہ آپ کی ولادت ۱۹ر عام الفیل کو ہوئی، بعثت نبوی کے وقت آپ کی عمر ۲۱ر سال تھی اور ۶ر نبوی یعنی قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر ۲۷ سال تھی۔

یہ قیاس محض نہیں ہے بلکہ نقلی دلیل سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔(۱) علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت فجار اعظم کے چار سال بعد ہوئی۔ (الاصابۃ، ج: ۴، ص: ۴۸۴)

اور فجار اعظم ۱۵ر عام الفیل کو ہوئی، اس لحاظ سے بھی آپ کا سن ولادت ۱۹ عام الفیل ہے۔(۲) ۲۳ر میں آپ کا وصال ہوا، امام زہری نے کہا: اس وقت آپ کی ۵۴ر سال تھی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج: ۳، ص: ۲۴۲۔ طبع ثانی: ۲۰۰۲ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

یہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب سال ولادت ۱۹ر عام الفیل مانا جائے تو ثابت ہوا کہ سال ولادت ۱۹ر عام الفیل ہے لیکن جمہور اصحاب سیر کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ آپ کی ولادت ۱۳ر عام الفیل کو ہوئی، نیز عمر مبارک کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک کے برابر یعنی ۶۳ سال تھی۔ (تہذیب الاسماء واللغات، امام

نووی، ج:۱، ص:۳۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بتروت، لبنان، طبع اول ۲۰۰۷ء امام نووی نے کہا ہے یہی صحیح ہے۔)

یہ اس پر دال ہے کہ آپ کی ولادت ۱۳/ عام الفیل کو ہوئی، چونکہ شہرت بھی مفید یقین ہے اس لیے ہم اپنے قیاس کے مقابلے میں جمہور کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

خاندانی پس منظر: عہد جاہلیت میں اہل مکہ کے مذہبی، سیاسی، سماجی اور ملکی امور و مسائل قریش کے نامور خانوادوں میں بٹے ہوئے تھے، حضرت عمر کے جد اعلیٰ عدی بن کعب عربوں کے باہمی و بیرونی مناقشات میں ثالث و فیصل مقرر کیے جاتے تھے، صیغہ سفارت کی سربراہی بھی انھیں کے ذمہ تھی جسے وہ اپنی غیر معمولی استعداد و صلاحیت سے انجام دیتے تھے، عدی کے بعد بھی یہ دونوں منصب آپ کے خاندان میں باقی رہے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر، ج:۴، ص:۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت طبع ثانی ۲۰۰۳ء، و تہذیب، ج:۷، ص:۴۷۰)

آپ کا گھرانہ اشراف قریش میں سے تھا، آپ کے والد خطاب اپنی قوم میں معزز انسان تھے جو تند خوئی اور سخت مزاجی میں مشہور تھے، بعد خلافت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر ایک بار وادی ضجنان سے ہوا تو فرمایا: ایک زمانہ تھا جب میں نمدے کا کرتا پہن کر یہاں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا، جب تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا، خدا کی قسم! میں نے ان سے زیادہ سخت دل اور بے رحم کسی کو نہیں پایا، آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا مجھ پر کوئی حاکم نہیں ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع ثانی ۱۹۹۷ء)

والدہ کا نام: حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ہے، ایک قول ہے کہ حنتمہ بنت ھشام ہے، اس لحاظ سے ابو جہل آپ کا ماموں ہے، یہی مشہور ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اصحاب سیر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، امام مزی، ج:۷، ص:۴۶۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۲۰۰۴ء)

تعلیم و تربیت: صغر سنی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمران شریفانہ امور میں مشغول ہوئے جو اس وقت اہل عرب میں رائج تھے، لکھنا پڑھنا سیکھ کر اپنی ایک امتیازی شان پیدا کی، سرکار کی بعثت کے وقت قریش میں صرف ۱۷/ لوگ لکھنا جانتے تھے، ان میں ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(فتوح البلدان، امام ابو الحسن بلاذری، ص:۴۵۳، مطبوعہ مکتبۃ الہلال، بیروت، ۱۹۸۸ء)

نسب دانی میں ماہر تھے، یہ آپ کا خاندانی علم تھا، آپ کے والد خود مشہور انساب داں تھے، تقریر و خطابت اور فصاحت و بلاغت میں آپ کو ملکہ حاصل تھا، قبول اسلام کے بعد اور منصب خلافت سنبھالنے کے بعد آپ نے مختلف خطبے دیئے جن سے زور تقریر اور برجستگی کا اندازہ ہوتا ہے، سیرت کی مختلف کتابوں میں آپ کے خطبے مذکور ہیں، پہلوانی اور کشتی میں بھی کمال حاصل تھا، عکاظ کے دنگل میں معرکۃ الآرا کشتیاں لڑیں، شہسواری میں آپ کا کمال مسلم ہے، شعر و شاعری کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔

قبول اسلام: جب سرکار نے نبوت کا اعلان فرمایا اور صدیوں پرانے مشرکانہ نظام کے بالمقابل صدائے توحید بلند کی،

اور کچھ لوگون نے اسے قبول کرلیا تو مکہ کے غالی بت پرست طیش میں آ گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام صف اول کے مخالفین میں تھا، حضرت عمر اور ان کے ساتھیوں کا ظلم بڑھتا رہا، پھر بھی اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا رہا، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغ رسالت ہی کو گل کرنے کا ارادہ بنالیا کہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری اور برہنہ تلوار لے کر فرود گاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت نعیم بن عبد اللہ سے ملاقات ہوگئی، تیور دیکھ کر پوچھا: خیر ہے؟ بولے: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا کام تمام کرنے جارہا ہوں۔ نعیم نے کہا: پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمھاری بہن و بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ فوراً پلٹے، بہن کے گھر پہنچے، اس وقت وہ قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں، حضرت عمر کی آہٹ پاکر قرآن کے اجزا چھپادیئے۔ حضرت عمر نے پوچھا: یہ کیسی آواز تھی؟ بہن نے کہا: کچھ نہیں۔ بولے: میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہوگئے ہو۔ پھر بہنوئی کو مارنے لگے، بہن بچانے آئی تو اسے بھی لہولہان کر دیا،، بہن نے کہا: ”عمر! جو بن آئے کرلو، اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔“ یہ جملہ سن کر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ روک لیا اور کہا: جو تم پڑھ رہے تھے، مجھے بھی دکھاؤ۔ بہن نے وہ اجزا پیش کر دیئے اس میں سورہ حدید تھی: سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ،

اُدھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات میں ہی یہ دعا کر چکے تھے: اللهم أعز الإسلام بأبي جهل بن هشام أو بعمر بن الخطاب. (ترمذی، ج:۲، ص:۲۰۹، باب مناقب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

دعاے نبوی باب اجابت سے ٹکرائی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدر جاگ اُٹھا، جیسے جیسے قرآن پڑھتے جاتے تھے، آنکھوں سے ٹکرائی اور حضرت عمر کا مقدر جگمگا اٹھا، جیسے جیسے قرآن پڑھتے جاتے تھے، آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے تھے جب ”اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ“ پر پہنچے تو بے ساختہ پکار اٹھے أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدًا رسول الله، پھر سرکار کی بارگاہ میں پہنچے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۴۰، ایک روایت میں سورہ طٰہٰ کا ذکر ہے)

آپ کے اسلام سے مسلمانون میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، آپ کے اسلام لانے سے پہلے تقریبًا ۴۰ یا ۵۰؍ آدمی مسلمان ہو چکے تھے مگر اب بھی مسلمان چھپ چھپ کر مذہبی امور انجام دیتے تھے، آپ اعلانیہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی، آپ کی بیعت سے سارے کفار عرب ساکت ہوگئے کسی میں دم مارنے کی مجال نہ تھی، اسی دن سرکار نے آپ کا نام فاروق رکھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام گویا اسلام کی فتح تھی، آپ کی ہجرت، نصرت اور آپ کی امامت، رحمت تھی، ہم میں یہ طاقت نہ تھی کہ بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ سکیں لیکن جب عمر نے اسلام قبول کیا تو مشرکین سے اس قدر جدال وقتال کیا کہ عاجز آکر انھوں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا اور ہم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے لگے۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۴۴)

اور فرمایا: ما زلنا أعزة منذ أسلم عمر. یعنی جب سے عمر نے اسلام قبول کیا ہم طاقتور ہوگئے۔

(بخاری، ج:۱، ص:۵۲۰، مجلس برکات، ۲۰۰۷ء)

ہجرت: جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر مکہ کی زمین تنگ کردی تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ کی طرف ہجرت کی

اجازت دے دی، چناں چہ مسلمان مدینہ کی طرف چھپ چھپ کر ہجرت کرنے لگے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلانیہ ہجرت کی، سب سے پہلے مدینے کی طرف ہجرت حضرت مصعب بن عمیر نے کی، پھر ابن ام مکتوم پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔ (تہذیب اسماء واللغات، ج:۱، ص:۳۸۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عمر کے علاوہ کسی نے اعلانیہ ہجرت نہیں کی؛ آپ تلوار اور تیر و کمان لے کر کعبہ شریف میں داخل ہوئے، سات مرتبہ طواف کیا، مقام ابراہیم پر نماز ادا کی پھر اشراف قریش کے حلقہ کے پاس آئے اور فرداً فرداً ہر ایک سے فرمایا: تمھاری صورتیں بگڑیں! تمھارا ناس ہو! جو اپنی ماں کو بے اولاد، بیٹے کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا چاہے وہ آکر مقابلہ کرے! مگر وہاں کسی میں تاب نہ تھی کہ وہ پیچھا کرتا۔

(تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، ج:۵، ص:۱۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع ثانی ۲۰۰۷ء)

آپ ۲۰؍ سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے نکلے، قبا میں پہنچ کر ٹھہرے رہے حتیٰ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبا پہنچے، پھر آپ کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ سرکار نے مدینہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات قائم فرمائی چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس کا بھائی قرار دیا، ان کا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے۔

(اصابہ، ج:۴، ص:۳۵۹)

غزوات و سرایا میں شرکت: حضرت عمر ایک صاحب نظم اور صاحب رائے انسان تھے، قوت و شجاعت میں امتیازی شان رکھتے تھے، قرآن و سنت کے نور نے ان کی فہم و بصیرت کو جلا بخشی، سرکار کی صحبت و نصیحت نے شعور و دانائی کا پیکر بنایا اور تدبر و سیاست، ذہانت و فراست، حق گوئی و بے باکی، بالغ نظری و اصابت رائے سب میں نمایاں ہو گئے، مدینہ آکر دین کی تبلیغ و اشاعت، سلطنت اسلامی کی تاسیس، حربی و عسکری تنظیم کے مسائل و معاملات درپیش تھے، ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلاحیتوں کا پورا پورا استعمال ہوا اور تمام معاملات میں آپ پیش پیش رہے، کفار قریش سے معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر معرکہ میں جان جی لگا کر داد شجاعت دی۔ (خلفاے راشدین، ڈاکٹر عاصم اعظمی، ص:۱۷۵، مطبوعہ فاروقیہ ملخصًا)

قبول اسلام سے پہلے جو سختی مسلمانوں پر کرتے تھے، بعد اسلام وہی رویہ کافروں کے ساتھ اپنایا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام معرکوں میں شرکت کی، بدر و احد، خندق و حنین، بیعت رضوان، خیبر و فتح مکہ وغیرہ تمام جنگوں میں آپ نے شجاعت و بہادری دکھائی اور اسلام دشمن طاقتوں کو انجام تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۴۵)

مختلف سرایا میں بھی آپ نے شرکت کی، بعض میں امیر بھی بنائے گئے، جنگ خیبر میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۰۷)

ذات رسول سے وابستگی: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی سیرت نبوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، وضع قطع ہر معاملے میں اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے تھے، خلافت ملنے کے بعد مدینہ میں ہر طرف زر و جواہر کی بارش ہو رہی تھی مگر اس میں بھی آپ سرکار کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہے۔ آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ

تھا، سرکار کی شان اقدس میں ذراسی گستاخی برداشت نہیں کرتے، کئی ایسے واقعات ہیں جن میں ذراسی بے ادبی یا حکم رسول سے سرمو انحراف پر آپ نے تلوار میان سے نکال لی، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے وقت تلوار لے کر گھوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''اگر کسی نے کہا کہ رسول اللہ وفات پاگئے تو میں اس کا سر قلم کردوں گا۔''

(سیرت ابن ہشام، ج:۳۔۴، ص:۶۵۵، مکتبۃ الریاض الحدیثیہ، ریاض)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آپ کو محبوب رکھتے تھے اور معاملات میں آپ کی رائے کی قدر کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت مانگی تو سرکار نے فرمایا: یا أخي اشرکنا في صالح دعائك و لا تنسنا.

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۰۶)

یعنی اے برادر! مجھے اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھنا، بھول مت جانا، اس سے دونوں حضرات کی آپسی محبت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ رسول کی محبت دنیا و مافیہا پر غالب تھی، چناں چہ غزوہ بدر میں اپنے ماموں کو جو کفار قریش کی طرف سے لڑنے آئے تھے، اپنی تلوار سے مار ڈالا۔ (خلفاے راشدین، ص:۳۲۸)

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خسر ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

خلافت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مرض وفات میں ہی حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کردیا تھا اور ایک کاغذ پر لکھ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ میں اپنے بعد عمر کو خلیفہ بناتا ہوں، تم لوگ ان کی پیروی کرنا۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۵۸)

بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ نے ہم پر اتنے سخت دل اور سخت مزاج کو خلیفہ بنادیا ہے، اگر اللہ نے پوچھا تو کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں عرض کروں گا اے اللہ! تیرے بندوں میں جو سب سے بہتر تھا اس کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا ہوں۔

(کتاب الخراج، امام ابویوسف، ص:۴۵، مطبوعہ دار الاعتصام، و طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۰۷)

۲۲، جمادی الآخر ۱۳ھ بروز منگل حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا اور اسی دن آپ خلیفہ منتخب ہوئے (تاریخ الخلفا، علامہ جلال الدین سیوطی، مترجم، شمس بریلوی، ص:۲۰۸، مطبوعہ اسلامک پبلشر دہلی ۱۹۷۶ء)

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد جو خطبہ دیا تھا اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں: اللهم إني غليظ فليني، اللهم إني ضعيف فَقوني، ألا! و إن العرب جمل أنف و قد أعطيت خطامه ألا! وإني حامله على المحجة۔ اے اللہ! میں سخت ہوں، مجھے نرم کردے، میں کمزور ہوں، قوی کردے (پھر قوم سے مخاطب ہو کر کہا) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، میں انھیں راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۰۸، و تاریخ طبری، ج:۵، ص:۵۸، ملخصًا)

فتوحات: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اسلام کی نشر و اشاعت میں اساس کی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر فتوحات، اسلام کی ترقی اور غیر قوموں پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ آپ کی خلافت میں وقوع پذیر ہوئے، بعد کے ادوار میں اس

کی نظیر نہیں ملتی ہے، آپ ایک تجربہ کار سیاست داں تھے، صاحب نظر حکمراں تھے، جن کی عقل و حکمت نے ان کے لیے مختلف النسل، مختلف اللسان اور مختلف المذاہب قوموں پر حکومت کرنا آسان بنا دیا تھا، ایک عام اندازے کے مطابق آپ کے زمانۂ خلافت میں ایک ہزار چھتیس شہر اپنے ماتحت اور ملحقہ دیہات کے ساتھ فتح ہوئے، چار ہزار مسجدیں بنائی گئیں، چار ہزار گرجے توڑے گئے، مختلف جامع مسجد کی محرابوں کے پہلو میں نو سو منبر بنائے گئے۔

(ازالۃ الخفا، ج:۳، ص:۲۳۳، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

اس میں شام، عراق، جزیرہ، خوزستان، خراسان، آذربائجان، فارس، کرمان، آرمینیہ وغیرہ شامل ہیں، یہ تمام فتوحات دس برس کی قلیل مدت میں ہوئیں، جس کا خاص سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست و قیادت ہے، آپ نے اس کے لیے ایسے ایسے انتظام کیے تھے کہ عقل انسانی حیران ہے کہ اس دور میں یہ سب کیسے ممکن ہو سکا!

وصال پر ملال: بالآخر اسلام کا یہ درِ نایاب عمر کی ۶۳/ بہاریں گذار کر اللہ کو پیارا ہو گیا، ہوا یہ کہ مدینہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا فیروز نامی ایک مجوسی یا نصرانی غلام تھا، اس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی، ایک دن اس نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ میرا آقا مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے، پوچھا کتنی؟ کہا: روزانہ دو درہم۔ آپ نے پوچھا کیا کام کرتا ہے؟ بولا: نقاشی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: پھر تو یہ کوئی بھاری رقم نہیں ہے۔ اس پر وہ سخت ناراض ہوا اور آپ کو قتل کرنے کی ٹھان لی، دوسرے دن فیروز خنجر لے کر نماز میں مسجد کے ایک گوشے میں چھپ گیا جیسے ہی آپ نے نماز شروع کی اس نے پے در پے چھ وار کیے، اس نے بارہ افراد کو اور زخمی کیا پھر آخر میں خودکشی کر لی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۲۴۰، سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۵۹)

۲۶/ ذی الحجہ بروز چہار شنبہ کو آپ زخمی ہوئے، تین دن کے بعد انتقال فرمایا، یکم محرم ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء بروز یک شنبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو غسل دیا، پانچ کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا۔ (معرفۃ الصحابہ، ابو نعیم اصبہانی، ج:۱، ص:۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع ثانی ۲۰۰۲ء)

صہیب بن سنان نے نماز جنازہ پڑھائی، عبد اللہ ابن عمر، عثمان بن عفان، عبد الرحمن بن عوف، سعید بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۶۶) اور اس طرح آفتاب عالم، دنیا کی نگاہوں سے ہمیشہ روپوش ہو گیا۔

فقہ و اجتہاد: اجتہاد و استنباط کے باب میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ثانی نہ تھا اور نہ ہی آپ کے بعد آپ جیسا سلیم الفکر، صائب الرائے کوئی مجتہد پیدا ہوا، آپ اس امت کے سب سے بڑے فقیہ اور مجتہد اعظم تھے۔ بلکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا علم احکام میں وسیع النظر ہونا ضبط تحریر و احاطۂ تقریر سے باہر ہے، علی الاطلاق امت کے سب سے بڑے فقیہ وہی ہیں، ان کے فقہ کی نسبت تمام فقہائے صحابہ کے فقہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے آپ کے مصحف کو دیگر اصحاب کے مصحف سے ہے کہ جو کچھ آپ کے مصحف میں ہے وہ قرات متواترہ ہے اور جو اس کے مخالف ہے وہ قرأت شاذہ ہے، ان کے فقہ کی نسبت تمام مجتہدین اہل سنت کے فقہ کے ساتھ ایسی ہے جیسی متن کو نسبت ہوتی ہے شرح کے ساتھ۔

(ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء، ج:۳، ص:۲۹۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی، مترجم: مولانا اشتیاق احمد)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ واجتہاد کے بارے میں شاہ صاحب کی یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت بات ہے، قرآن و حدیث، اقوال سلف آپ کی وسعت نظر واصابت راے پر شاہد ہیں۔

قرآن سے ثبوت: آپ کے مفکر اعظم ومجتہد اکبر ہونے پر شہادت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں آپ کی راے کے موافق نازل ہوئیں، حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تو لوگ کچھ اور کہتے اور ابن عمر کچھ اور، تو قرآن انھیں کے موافق نازل ہوتا۔

(ترمذی، ج۲: ص۲۰۹، محمد بن عیسی ترمذی، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۲۰۰۲ء)

قرآن کریم کی وہ آیات جو آپ کی راے کے موافق نازل ہوئیں، ان کی تعداد بقول علامہ ابن حجر عسقلانی پندرہ ہے اور امام ابن حجر ہیتمی کے مطابق سترہ ہے جب کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان کی تعداد بیس تک پہنچائی ہے۔

(مقالات سعیدی، ص:۲۰۰، غلام رسول سعیدی، مطبوعہ ادبی دنیا دہلی ۲۰۰۶ء)

جن میں سے چند یہ ہیں: اسیران بدر، پردہ ازواج مطہرات، مقام ابراہیم، تحریم شراب، رمضان کی شب میں مجامعت، واقعہ افک، تخلیق انسانی، منافق کی نماز جنازہ، استیذان وغیرہ۔

حدیث سے ثبوت: حدیث رسول سے بھی آپ کا مجتہد اعظم ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ مسائل فقہیہ میں تو سرکار نے اشارۃً فرمایا کہ ان سے اخذ کریں۔

(۱) ترمذی، ابن ماجہ ومستدرک علی الصحیحین میں ہے: آپ نے فرمایا: میرے بعد ان دونوں کی اقتدا کرو یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ (ترمذی، ج:۲، ص:۲۰۷، مجلس برکات۔ ابن ماجہ، ج:۱، ص:۱۰، ہندوستانی نسخہ)

(۲) سرکار نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان اور قلب پر جاری کر دیا ہے۔ (ترمذی، ج:۲، ص:۲۰۹، ابن ماجہ، ج:۱، ص:۱۱)

(۳) اور فرمایا: تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان میں محدث ہوا کرتے تھے (جن کے قلوب پر من جانب اللہ القا ہوا کرتا تھا) حالانکہ وہ نبی نہیں ہوتے تھے، میری امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہیں۔

(بخاری، ج:۱، ص:۵۲۱، مسلم، ج:۲، ص:۲۷۶، ترمذی، ج:۲، ص:۲۱۰)

اقوال سلف سے ثبوت: صحابہ کرام، تابعین عظام بھی آپ کو سب سے بڑا فقیہ ومجتہد سمجھتے تھے اور برملا اس کا اظہار بھی کرتے تھے:

(۱) عبد اللہ بن مسعود نے کہا: إن عمر كان أعلمنا بكتاب الله و أفقهنا في دين الله. عمر ہم میں کتاب اللہ کے سب سے بڑے عالم اور دین کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (اعلام النبلا، ج:۱۔۲، ص:۵۲۰)

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ماكنا نبعد أن السكينة ينطق على لسان عمر. ہم یہ بعید نہیں سمجھتے تھے کہ سکینہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر بولے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۳۸۷)

مذکورہ دلائل سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جس کی رائے قرآن کے موافق ہو، جس کے علم و دین اور استقامت علی الحق کی گواہی حدیث رسول دے رہی ہو، اس سے بڑھ کر فقیہ و مجتہد کون ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ آپ مجتہد مستقل ہیں اور دیگر ائمہ آپ کے سامنے مجتہد منتسب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ کا مجتہد مطلق ہونا محض دعوی نہیں ہے بلکہ زمینی حقائق کے مطابق اور خارج میں واقع ہے، فقہ کی نشر و اشاعت کے جتنے بھی طریقے ہو سکتے تھے، آپ نے ہر ایک کو اختیار کیا اور فقہ اسلامی کو پورے عالم اسلام میں پھیلا دیا، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

اجتہاد و افتا: دس سالہ خلافت میں آپ قائد اعظم اور فقیہ اعظم کی حیثیت سے معروف رہے، آپ کی رائے سند سمجھی جاتی تھی، آپ کا اجتہاد تسلیم کیا جاتا تھا، آپ ایک انصاف پسند قاضی تھے جو مقدمات فیصلہ کرتے اور کمزوروں کا حق دلاتے تھے، آپ کے اجتہادی مسائل کئی تعداد ہزار تک پہنچتی ہیں شاہ ولی اللہ نے فقہ فاروقی پر مشتمل ایک مستقل رسالہ ازالۃ الخفا میں شامل کر دیا ہے جو فقہ کے اہم مسائل پر مبنی ہے۔

مطلقہ عورت کا عدت میں نکاح کرنا: حضرت عمر کے زمانے میں ایک مطلقہ عورت نے اپنی عدت کے زمانے میں نکاح کر لیا (حالاں کہ قرآن میں اکی اس کی ممانعت ہے) اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شوہر کو چند کوڑے مارے اور دونوں میں علیحدگی کرادی اور فرمایا: جو عورت اپنی عدت میں نکاح کرلے تو دوسرے شوہر نے اگر اس کے ساتھ قربت نہیں کی ہے تو دونوں میں علیحدگی کرادی جائے گی۔ عورت پہلے شوہر کے طلاق کی بقیہ عدت گزارے گی پھر دوسرا شوہر اس سے منگنی کر سکے گا، لیکن اگر اس سے قربت کر لی ہے تو دونوں میں علیحدگی کرائی جائے پھر وہ پہلے شوہر کی بقیہ عدت گزارے گی پھر دوسرے شوہر کی عدت گزارے گی، اس کے بعد وہ اس سے کبھی بھی نکاح نہیں کر سکتا۔

(موطا امام مالک، ص:۳۰۳، باب جامع ما لا یجوز من النکاح، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ، بیروت ۲۰۰۲ء)

شوہر ثانی جب زوجہ معتدہ سے وطی کرلے تو وہ اس پر دائمی طور پر حرام ہوگی یا نہیں، قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زجر و تادیب کے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے یہ فتوی دیا تھا جب کہ حضرت علی نے اصول عاملہ کی رعایت کرتے ہوئے کہا کہ شوہر ثانی عدت کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

زوجہ مفقود الخبر کی عدت: شوہر اگر غائب ہو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے تو عورت کتنے دن اس کا انتظار کرے؟ اس تعلق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوی دیا کہ وہ چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ، دس دن عدت گزار کر دوسری شادی کرلے۔ (مؤطا امام مالک، ص:۳۲۳، باب عدۃ التی تفقد زوجھا)

امام مالک کا یہی مذہب ہے اور اس زمانے میں احناف کے نزدیک بھی اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔

دوران عدت، انقطاع حیض کا حکم: مطلقہ عورت کو دوران عدت ایک یا دو حیض کے بعد حیض آنا بند ہو گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ ایک مشترک مسئلہ ہے جس میں حائضہ اور آئسہ دونوں جمع ہو گئیں ہیں، اس کا حکم قرآن میں نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوی دیا کہ وہ نو مہینے انتظار کرے، اگر اس دوران حمل ظاہر ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے بعد تین مہینے وہ عدت

گزارے پھر دوسری شادی کر سکتی ہے۔(موطاامام مالک،ص:۳۲۷،باب جامع عدۃ الطلاق)

متوفی عنہا زوجہا کا گھر سے نکلنا: اگر شوہر انتقال کر جائے تو بیوی کو چار ماہ دس دن تک گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن وہ فریضۂ اسلام کے لیے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں ؟اس تعلق سے حضرت عمر کا عمل یہ تھا کہ وہ عورت کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے اور اگر ایسی عورتیں حج کے لیے جاتیں تو مقام بیدا سے آپ انھیں واپس کر دیتے اور حج کرنے سے منع فرمادیتے۔(موطاامام مالک،ص:۳۳۲،باب مقام المتوفی عنہا زوجھا فی بیتھا حتی تحل)

مسائل فقہیہ میں اجماع: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جو فتاوی اور فقہی احکام صادر فرماتے، ان کی حیثیت شاہی دستور العمل کی ہوتی تھی؛اس لیے آپ کوشش کرتے کہ وہ مسائل مجمع علیہ اور متفق علیہ ہوں، اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہوتا تو جب تک کسی ایک موقف پر اکثر صحابہ کا اتفاق نہ ہوجاتا وہ فتوی صادر نہ فرماتے، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر کی مجلس میں قراء(علما) کی ایک جماعت ہوتی تھی جن سے آپ مشورہ لیتے تھے خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے۔

مجمع علیہ مسائل کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، چند ملاحظہ ہوں:

تراویح کی نماز بیس رکعت ہے: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز تراویح کی کتنی رکعت پڑھیں اس میں علماء کا اختلاف ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نماز کے واجب ہوجانے کے اندیشے سے دو تین شب کے علاوہ صحابہ کے سامنے آپ نے یہ نماز ادا نہیں فرمائی، چناں چہ صحابۂ کرام اپنے طور پر تنہا تنہا پڑھ لیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک جماعت بنادی،ان پر حضرت ابی بن کعب کو امام مقرر کیا اور تراویح کی بیس رکعت مقررہ فرمادی، جو آج تک متواتراً چلا آرہا ہے۔(موطا امام مالک،ص:۷۰،باب ما جاء فی قیام رمضان)

شراب نوشی کی حد: شراب نوشی کی سزا حضرت عمر کے دور خلافت تک متعیّن نہیں ہوئی تھی، حضرت عمر نے اس سلسلہ میں اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:آدمی شراب پی کر مست ہوجاتا ہے تو لغو وہذیان گوئی شروع کر دیتا ہے اور اس میں لوگوں پر بہتان تراشی بھی کر گزرتا ہے؛اس لیے جو سزا تہمت زنی (قذف) کی ہے یعنی ۸۰/کوڑے، وہی شراب نوشی پر بھی دی جانی چاہیے، چناں چہ اس پر فیصلہ ہوا اور آج تک برقرار ہے۔

(بخاری،ج:۲،ص:۱۰۰۱۔مسلم شریف،ج:۲،ص:۲۷،موطاامام محمد،ص: ۳۱۴،مجلس برکات۔ مؤطاامام مالک،ص:۷۰)

کیا مباشرت میں محض ایلاج بغیر اخراج منی غسل واجب ہے؟: اس مسئلہ میں حضرت عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف ہوگیا، حضرت زید عدم وجوب کے قائل تھے جب کہ عمر وجوب کے۔ اس مسئلہ کو آپ نے انصار مہاجرین کی مجلس میں پیش کر کے تنقیح طلب کی، پورے مجمع میں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قائل تھے کہ محض ادخال سے غسل واجب ہوجائے گا خروج ہو یا نہ ہو، باقی تمام حضرات حضرت زید بن ثابت کی رائے کے موافق تھے، یہ دیکھ کر امیر المومنین نے کہا:آپ حضرات "بدری" ہیں، آج اگر آپ ہی لوگ اس طرح اختلاف کریں گے تو بعد میں آنے والوں کے درمیان اور بھی اختلاف پیدا ہوگا۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اس مسئلے میں امہات المومنین سب سے زیادہ ہماری رہبری فرماسکتی ہیں۔ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا، پھر حضرت عائشہ سے پوچھا تو انھوں نے کہا: إذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل. آخر میں اسی پر اجماع ہوگیا اور یہی فیصلہ صادر فرمایا۔ (فقہ عمر، ص: ۴۸، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مطبوعہ علم و عرفان پبلیشرز لاہور، مترجم: ابویحیٰ نوشیروی)

تکبیرات جنازہ: عہد رسالت میں جنازے پر کہیں چار، کہیں پانچ کہیں چھ تکبیرات پڑھتے، اور یہ اختلاف عہد عمر تک باقی رہا آخر حضرت عمر نے فرمایا: آپ لوگ اصحاب رسول ہیں، اگر آپ ہی مختلف ہوں گے تو بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے بہتر ہے اس کی تعداد کا تصفیہ کر لیجیے؛ تاکہ بعد میں نزاع نہ ہو۔ مشورہ ہوا کہ سرکار کا آخری عمل قابل تقلید قرار پائے تو سرکار کا آخری عمل چار تکبیرات تھیں۔ آخر میں سبھی صحابہ اس پر متفق ہوگئے۔ (فقہ عمر، ص: ۱۲۸)

استنباط احکام کے اصول: ائمہ اربعہ کی فقہ میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کے پاس روایتیں مختلف طرح کی پہنچیں، دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ انھوں نے استنباط احکام کے اصول مقرر تو کیے مگر صراحتاً ان سے منقول نہیں ہیں، البتہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رسالہ میں اپنے چند قواعد بیان کیے ہیں، بقیہ کسی سے صراحتہً منقول نہیں ہے، انھون نے مسائل کا جس طرح سے استنباط کیا یا اس کے متعلق جو تقریر کی بعد کے ائمہ نے اسی بنیاد پر اصول مقرر کیے، مثلاً قرآن میں کفارۂ قتل کے سلسلے میں ہے فتحریر رقبة مومنة اور کفارہ یمین کے تعلق سے صرف فتحریر رقبة ہے، ایک امام نے کہا: دونوں کفارے ہیں لہٰذا ایک کو دوسرے پر محمول کردیں گے اور دونوں صورتوں میں مومن غلام آزاد کرنا ضروری ہوگا، جب کہ دوسرے امام نے کہا: دونوں مسئلے الگ الگ ہیں اس لیے حکم بھی الگ ہی ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے المطلق یجری علی إطلاقه کما أن المقید علی تقییده. اس طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں جن میں اصول و قواعد کی وجہ سے ائمہ مختلف ہوگئے۔

یہی حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی ہوا کہ آپ نے اصول تو مقرر کیے مگر صراحتہً وہ منقول نہیں ہیں، البتہ آپ کے فتاوی، استنباط احکام کی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

قطع ید کا حکم کب ہے؟: عبداللہ بن عمرو بن حضرمی اپنے غلام کے ساتھ حضرت فاروق اعظم کی بارگاہ میں آئے اور عرض گزار ہوئے: اس نے میری بیوی کا آئنہ چرالیا ہے جس کی قیمت ۶۰/ درہم تھی، آپ اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تمھارا غلام ے، تمھاری ہی چیز چرائی ہے، اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

(مؤطا امام مالک، ص: ۴۶۹، باب ما لا قطع فیه)

اس سے یہ قاعدہ نکلا کہ سرقہ کے لیے ضروری ہے کہ سارق کو مال مسروق میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔

اصل اشیا میں اباحت ہے: ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے، حضرت عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے، انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے پانی پینے تو نہیں آتے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو روک دیا کہ "مت

بتانا"۔(موطاامام محمد،ص:۲۶،باب الوضوء مما یشرب منه السباع و تلغ فیه، مطبوعہ مجلس برکات ۲۰۰۶ء)

اس سے دو قاعدے مستنبط ہوئے (۱) اصل اشیامیں اباحت ہے (۲) ظاہر حال اگر صحیح ہے تو ہم تفحص وجستجو پر مکلف نہیں ہیں۔

ظن غالب مفید یقین ہے: ایک دفعہ رمضان میں بدلی کے سبب سورج کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ کھول دیا، تھوڑی دیر میں آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے تو آپ نے فرمایا: الخطب یسیر و قد اجتهدنا. گھبرانے کی بات نہیں ہے ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔(موطاامام مالک،ص:۱۸۰،باب ما جاء فی قضاء رمضان و الکفارات۔(مؤطاامام محمد،ص:۱۸۸،باب الرجل یفطر قبل المساء و یظن أنه قد أمسیٰ)

اس طرح کے اور بہت سے فتاویٰ ہیں جن سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط ہوتے ہیں۔

علم اسرار دین: مذہبی احکام میں جو حکمت ومصلحت پائی جاتی ہے اصطلاح میں اسے اسرار دین کہا جاتا ہے، یہ ایک دقیق فن ہے جس تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی؛ اس لیے ابتدا ہی سے اس میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ مذہبی احکام میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے جب کہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس کے تمام احکام اصول عقل پر مبنی ہیں۔ یہی خیال حق ہے اور امام غزالی، علامہ خطابی، امام عزالدین ابن عبد السلام اور شاہ ولی اللہ وغیرہ نے لطیف لطیف نکتوں اور بلند ترین تحقیقات سے اس کو ظاہر بھی کیا ہے۔

البتہ علما نے یہ تصریح کردی ہے کہ مصلحت معلوم ہونے تک مذہبی احکام پر عمل موقوف نہیں کیا جائے گا، شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں:

"علم حدیث نے یہ لازم کر دیا ہے کہ جب کوئی حکم صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو اس کی تعمیل مصلحت معلوم ہونے تک موقوف نہ کرے، کیونکہ اکثر عقلیں مصلحتوں کو خود سے معلوم نہیں کو سکتی ہیں، نیز ہم کو اپنی عقل سے زیادہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتماد ہے۔ اسی لیے ان لوگوں پر اس علم کو ظاہر نہیں کیا گیا جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

(حجۃ اللہ البالغۃ، مترجم: عبد الحق حقانی، ص:۲۰، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قائل تھے کہ مذہبی احکام، اصول عقل کے موافق ہیں، آپ ہی نے اس علم کی بنیاد ڈالی اور ایک فن کی حیثیت سے اسے متعارف کرایا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"حضرت عمر، حضرت علی، عبد اللہ بن عباس، اور حضرت عائشہ وغیرہ جیسے فقہا وصحابہ نے اس میں گفتگو کی ہے اور اس کے وجوہ کو روشن بیانی سے ظاہر کیا ہے۔(حجۃ اللہ البالغۃ، ص:۲۲)

مذکوہ سبھی بزرگوں نے اگرچہ اس فن کو ترقی دی ہے مگر اولیت کا منصب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہے۔

اپنے اجتہاد پر قرآن و حدیث کو ترجیح دینا: فقہ کا فن اگرچہ تمام تر آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے اور فقہ کے تمام سلسلوں کا مرجع آپ ہی ہیں۔ اور اجتہاد مطلق کے درجے پر فائز ہیں پھر بھی قرآن و حدیث کو دین کی بنیاد اور مسائل شرعیہ کا مصدر اساسی تسلیم کرتے تھے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجنونہ زانیہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، حضرت علی نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں (۱) سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے (۲) بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے (۳) مجنون جب تک صحیح نہ ہو جائے۔

(الاستیعاب، ج:۳، ص:۲۰۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۲۰۰۲ء)

یہ حدیث سن کر آپ نے عورت کو چھوڑ دیا، حد جاری نہ کی اور فرمایا: لو لا علي لهك عمر. اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ دیا کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کی دیت ان کی منفعت اور حسن و خوبی کے مطابق دلوائی جائے۔ مثلاً چھنگلی نفع و خوبصورتی میں بقیہ چاروں سے کم اور سبابہ سب سے فائق ہے، اس لیے چھنگلی کی دیت سب سے کم اور سبابہ کی سب سے زیادہ ہوگی۔

یہ آپ کا ابتدائی فتویٰ تھا مگر جب یہ حدیث ملی "أن رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: في كل أصبع ما هنالك عشر من الإبل" یعنی پانچوں انگلیوں میں سے ہر ایک کی دیت، دس اونٹ ہیں۔ تو امیر المومنین نے اس روایت کو خبر واحد ہونے کے باوجود قبول فرمایا اور اپنے قیاس سے رجوع فرما لیا۔ (فقہ عمر، ص:۲۷)

کار خلافت اور اجتہادی امور میں یہی آپ کا طریقہ کار تھا کہ خطا پر کوئی مطلع کرتا تو اس پر برہم ہونے کے بجائے خندہ پیشانی قبول کر لیتے۔ آپ نے خود فرمایا: میرے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کر دے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۲۲)

مسائل فقہیہ کی اشاعت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اجتہاد و استنباط احکام پر بس نہیں کیا بلکہ چہار جانب اس کی اشاعت کے لیے تمام ممکنہ وسائل اختیار کیے۔ صحابہ میں چھ آدمی قضا پر فائز تھے؛ حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ لیکن جتنی شہرت واشاعت حضرت عمر کے علم وفقہ کو ملی، کسی کے حصے میں نہ آئی، اس کی وجہ نشر واشاعت کے تعلق سے آپ کے انتظامات تھے جیسا کہ آگے واضح ہو گا۔

جمع قرآن: مذہب اسلام کی اساس و بنیاد قرآن کریم ہے، مذہبی احکام کا یہی مصدر اصلی ہے۔ عہد رسالت میں اس کی تدوین نہیں ہوئی تھی، مختلف چیزوں پر لکھا ہوا تھا یا صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا، عہد ابو بکر میں جب مسیلمہ کذاب سے جنگ ہوئی تو سیکڑوں کی تعداد میں صحابہ شہید ہو گئے جن میں خاصی مقدار حفاظ قرآن کی تھی۔ جنگ کے بعد حضرت عمر حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور کہا: اگر اسی طرح صحابہ شہید ہوتے رہے تو قرآن جاتا رہے گا؛ اس لیے اس کی جمع و تدوین کی فکر ابھی سے کرنی چاہیے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جو کام سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں!

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار اس کی ضرورت و مصلحت بیان کرتے رہے حتی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راضی ہو گئے اور یہ کام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا گیا۔

اس طرح آپ نے اسلام کی اصل اور روح کی حفاظت کا بندوبست کرایا جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

دار الافتا و القضا کا قیام: بوقت ضرورت احکام و مسائل کے کا جواب دینے کے لیے آپ نے مستقل شعبۂ افتا قائم فرمایا، آپ کے دور میں ہر شخص کو فتوی دینے کی اجازت نہ تھی، افتا اور قانون اسلام کی تشریح کے لیے چند اشخاص کو نامزد کر دیا تھا جن میں حضرت علی، حضرت عثمان، معاذ بن جبل، عبد الرحمن بن عوف، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوہریرہ اور ابودرداء علیہم الرحمۃ والرضوان تھے۔ (خلفاے راشدین، ص:۳۰۸)

تعلیم فقہ کا انتظام: قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم کا آپ نے خاص اہتمام کیا تھا صحابہ میں جو لوگ اس میں درک رکھتے تھے انھیں حدود سلطنت میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا، حضرت عبادہ بن صامت کو حمص، ابوالدرداء کو دمشق اور حضرت معاذ بن جبل کو فلسطین پر تعلیم فقہ کے لیے مامور کیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۴۲۹)

عبد اللہ بن مغفل منجملہ ان دس بزرگوں میں سے ہیں جنھیں آپ نے بصرہ میں تعلیم فقہ کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۹۵، ابن اثیر جزری)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ بھیجا۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۵)

ان حضرات نے ممالک محروسہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیے بڑے بڑے حلقے قائم کیے، جہاں شائقین علم جمع ہو کر حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ سائلین سوال کرتے، شیوخ ان کا جواب دیتے، تلامذہ ان سے احادیث اور احکام قلمبند کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان محدثین وفقہا کی بیش بہا تنخواہیں بھی مقرر کی۔

صرف بھیجنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اعلان کراتے تھے کہ میں عاملوں کو تمھارے پاس مارنے یا مال چھیننے کے لیے نہیں بھیجتا، بلکہ تمھیں دینی تعلیم اور سنت نبوی سکھانے کے لیے بھیجتا ہوں۔ اگر وہ اس کے خلاف کریں تو مجھے اطلاع دو۔ (کتاب الخراج، امام ابویوسف، ص:۵۰، مطبوعہ دار الاعتصام)

خدمت حدیث: آپ عظیم محدث تھے۔ بقول امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ سے ۵۳۹/ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۲۶/ متفق علیہ ہیں، ۳۴/ میں امام بخاری منفرد ہیں اور ۲۱/ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۳۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، ۲۰۰۷ء)

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے عظیم محدثین صحابہ آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

من المجتہدین

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۶/سال بعد فیل-وفات:۳۵ھ

محمد یونس رضوی، کولکاتا، جماعت: رابعہ Mob. 7278694574

اسم گرامی: عثمان

کنیت: عہد جاہلیت میں آپ کی کنیت ابو عمر تھی، عہد اسلام میں جب حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے آپ کے یہاں عبداللہ پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہوگئی۔

(تاریخ الخلفا، مصنف: علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ / مترجم: حضرت شمس بریلوی، ص:۲۳۳، ناشر: اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت:۱۴۲۴ھ)

القاب: ذوالنورین، جامع القرآن اور غنی ہے۔

والد کا نام: آپ کے والد ماجد کا نام عفان ہے۔

والد کے طرف سے سلسلۂ نسب: عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب قرشی اموی۔ (ایضا، ص:۲۳۱)

والدہ کا نام: آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اروی ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب: اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

(الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد بن ہاشمی بصری، ج:۳، ص:۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت-لبنان، سن طباعت:۱۴۲۸ھ-۱۹۹۷ء)

ولادت: آپ کی ولادت واقعۂ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ۴۷/سال قبل قریش کے ایک ممتاز گھرانے میں ہوئی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۱۵۵، ابو عمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن طباعت:۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

ابتدائی تعلیم: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکپن ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرلی تھی اور لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ آپ نے جب اس دور کے تمام مروجہ علوم پر دسترس حاصل کرلی تو اہل قریش میں آپ کو نمایاں عزت ملنے لگی، کیوں کہ اس دور میں قریش میں صرف چند افراد ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے خاندانی پیشے تجارت سے وابستہ ہوگئے اور اپنا مال تجارت لے کر دوسرے ممالک کا سفر کرنے لگے۔ آپ نے اپنی دیانت و صداقت کی بنیاد پر اپنے

کاروبار میں بے پناہ اضافہ کر لیا اور قریش کے امیر ترین لوگوں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ آپ ابتدا ہی سے شریف النفس اور نیک طینت تھے اور زمانۂ جاہلیت کے تمام برائیوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔

(مقالات سعیدی، ص:۱۹۳، مولانا غلام رسول سعیدی، مکتبہ رضویہ، سن طباعت:۲۰۰۶ء)

قبول اسلام: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم دوست تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول اسلام کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوت دی، حضرت عثمان غنی دعوت اسلام سے بے حد متاثر ہوئے اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے، ابھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا ہی رہے تھے کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور فرمایا: ”عثمان! خدا کی جنت قبول کرو۔ میں تمھاری اور تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں“ اس پر اثر خطاب کے جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۴، ص:۳۷۷، امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ، سن طباعت:۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء)

نکاح: دولت ایمان سے مالامال ہونے کے بعد آپ کی عمدہ خصلت اور بہترین عادت کی بنا پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو دامادی کا شرف بخشا، چناں چہ اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے عقد نکاح میں دیا، جو پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ کی زوجیت میں تھیں، جسے ابولہب نے اپنی فتنہ انگیزی اور شرپسندی کے سبب طلاق دلوایا تھا۔ ان کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کا نکاح فرمایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صاحبزادی سے نکاح کا شرف صرف آپ کو حاصل ہوا، اسی وجہ سے آپ کو ”ذوالنورین“ کہا جاتا ہے۔

(تاریخ الخلفا، مصنف :علامہ جلالد الدین سیوطی علیہ الرحمہ /مترجم: حضرت شمس بریلوی، ص:۲۳۱، ناشر: اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت:۱۴۲۴ھ)

حبشہ کی ہجرت: مکہ میں اسلام کے روز بروز ترقی سے مشرکین مکہ کے غیظ وغضب میں اور اضافہ ہو رہا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی وجاہت وعزت کے باوجود عام لوگوں کی طرح جفاکاروں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے، اعزہ واقارب نے دشمنی اور روگردانی شروع کردی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفاکاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی۔ بالآخر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق وصداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلاوطن ہوا۔ یہ قافلہ ۱۱ر مرد اور ۴ر عورتوں پر مشتمل تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ملک میں چند سال رہے، اس کے بعد جب بعض صحابہ قریش کے قبول اسلام کی غلط خبر سن کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے، اس بنا پر بعض صحابہ پھر حبشہ کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس نہیں گئے۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۴۰، محمد بن سعد ہاشمی بصری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔لبنان، سن طباعت:۱۴۲۸ھ۔۱۹۹۷ء)

مدینہ کی ہجرت: بیعت عقبہ کے نتیجہ میں مدینہ منورہ کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اپنے تمام مکی اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا حکم دے دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان ہوئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں رشتۂ مواخات قائم کردیا۔

اس مواخات سے دونوں خاندان میں کافی الفت ومحبت پیدا ہوگئی تھی، جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام عمر سوگوار رہے اور ان کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۵۷۹، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، سن طباعت:۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

غزوۂ بدر اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت: کفرو اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں رمضان ۲/ھ میں واقع ہوئی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک نہ ہوسکے۔ آپ کی اہلیہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نور نظر حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہوگئی تھیں، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو تیمار داری کے لیے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم کو شرکت کا اجر اور مال غنیمت سے حصہ دونوں ملے گا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ مرض در حقیقت پیام موت تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری جاں فشانی کے ساتھ تیمارداری میں لگے رہے، لیکن قضائے الٰہی کو کون ٹال سکتا، مرض روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہ چند روز کے بعد وفات پاگئیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت عثمان غنی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس ملکۂ جنت کی تجہیز وتکفین میں مشغول تھے کہ نعرۂ تکبیر کی صدا آئی۔ دیکھا تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار فتح بدر کا مژدہ لے کر آرہے ہیں۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۴۱، محمد بن سعد ہاشمی بصری، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔لبنان، سن طباعت:۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء)

غزوات میں شمولیت: حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے خلاف ہونے والے غزوات وسرایا میں سے تقریباً اکثر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ شامل ہوتے رہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ جہاد کیا اور جس موقع پر لشکر اسلام کے لیے مالی ضرورت پڑی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مال سے اس ضرورت کو پورا کیا۔ ان غزوات میں غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ بنی المصطلق اور غزوۂ ذات الرقاع وغیرہ شامل ہیں۔

(مدارج النبوت حصہ دوم، ص:۵۷۷، مصنف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ / مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی، ادبی دنیا مٹیا محل دہلی، سن طباعت:۱۹۹۷ء)

خلافت: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد خلافت کے لیے مندرجہ ذیل چھ حضرات کا نام لیا، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور فرمایا کہ میں اپنے بعد تم چھ کے علاوہ کسی کو اس امر کے لائق نہیں پاتا اور جب تک تم میں استقامت ہے لوگوں کا امر بھی استقامت پر رہے گا۔ نیز فرمایا کہ میرے وصال کے بعد ان

سب کو ایک کمرے میں بند کر دینا جہاں یہ خود میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ (تاریخ الخلفا، مصنف: علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ / مترجم: حضرت شمس بریلوی، ص: ۲۳۸، ناشر: اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت: ۱۴۲۴ھ) چناں چہ جب یہ سب ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کام کو تین شخصوں کے حوالے کر دینا چاہیے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رائے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کر دی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ میں خود کو اس امر سے دست بردار کرتا ہوں۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں ایک طرف لے گئے اور کہا کہ اگر آپ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو کیا آپ انصاف سے کام لیں گے اور اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو ان کی اطاعت کریں گے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھاما اور ان کو ایک طرف لے گئے اور کہا کہ اگر آپ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو کیا انصاف سے کام لیں گے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو ان کی اطاعت کریں گے؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پر بیعت کر لی جس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پر بیعت کی اور آپ خلیفہ منتخب ہوئے، آپ محرم الحرام ۲۴ھ میں مسند خلافت پر بیٹھے اور بارہ سال تک مسند خلافت پر جلوہ نمار ہے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: ۳، ص: ۵۸۴، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان، سن طباعت: ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

فقہی واجتہادی بصیرت کے چند نمونے: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند پایہ محقق اور عظیم مجتہد تھے، علوم شرعیہ میں کافی گہرائی اور گیرائی حاصل تھی، بالخصوص علم فرائض میں کافی درک حاصل تھا، آپ عہد شیخین میں مجلس شوریٰ وافتا کے اہم رکن تھے، دیگر مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح آپ کے فتاویٰ تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہیں۔

آپ کے اجتہاد کی چند مثالیں یہاں ذکر کیے جا رہے ہیں:

(۱) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ گئے اور اپنی چادر ایک شخص کے گردن پر رکھ دی۔ اتفاق سے اس پر ایک کبوتر آکر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کبوتر کو اس خیال سے ہٹا دیا کہ وہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کر دے، کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا، وہاں اس کو ایک سانپ نے کاٹ لیا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے کفارہ کا فتویٰ دیا، کیوں کہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام میں پہنچانے کے باعث بنے تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج: ۳، ص: ۴۹، ابو عمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان، سن طباعت: ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

(۲) بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا جس میں حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ تھے۔ اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی در حقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے۔ یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے چوں کہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحیثیت ولی قصاص کے

بجائے دیت لینا قبول کیا اور وہ رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دے کر بیت المال میں داخل کردی۔(کتاب الخراج، ص:۹۲)

(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض اجتہاد سے بعض معاملات میں سہولت پیدا کردی، مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی۔(ایضاً، ص:۹۳)

(۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مطلقہ عورت کو اگر اس کا خاوند دوران عدت مرجائے اس خاوند کا وارث قرار دیتے تھے کہ ابھی وہ عورت دوسرے خاوند کے پاس جانے کی اہل نہیں ہوسکی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے وارث نہ سمجھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱۰، ص:۱۵۳)

(۵) ان کے بعض اجتہادی مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہ کو اختلاف بھی تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چوں کہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کبھی بھی رجوع نہیں کیا۔ مثلاً آپ لوگوں کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ نیت کرنے سے اس بنا پر روکتے تھے کہ اس کے جواز کی علت اب باقی نہیں رہی، یعنی کفار کا خوف، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حج کے موقع پر امامت کی نیت کرلے تو اس کو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنی چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ منیٰ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حالت احرام میں ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس کی ممانعت سنی تھی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔(بخاری شریف، ج:۱، ص:۱۳۷) غرض اسی طرح بعض اور مسائل میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف تھا۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا۔

(۶) جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے لیکن میں عملاً امیر المومنین کی مخالفت نہیں کروں گا۔ چناں چہ خود بھی دو کے بجائے پوری چار رکعتیں پڑھیں۔

(۷) اسی طرح جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ ہر شخص کو اختیار ہے جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے، میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔

(۸) آپ علم فرائض وحساب میں کافی ماہر تھے، جماعت صحابہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس فن میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ آپ ہی دونوں حضرات کرتے تھے اور اس سے متعلق تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے، بعض صحابہ کو یہاں تک خوف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے علم فرائض ہی جاتا رہے گا۔ (کنزالعمال، ج:۶، ص:۲۷، علامہ علاء الدین المتقی الھندی، بیت الافکار الدولیۃ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دریائے فقہ واجتہاد کے یہ چند قطرے ہیں جو اوپر بطور نمونہ پیش کیے گئے، ان کو دیکھنے والا آسانی سے یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے اصول وجزئیات اور دقائق ونکات کی روشنی میں پیش آنے

والے نئے مسائل کا حل تلاش کرنا شریعت میں دخل اندازی والا جرم نہیں جیسا کہ فقہ کی حقیقت سے ناواقف لوگ خیال کررہے ہیں بلکہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے اور جدید مسائل کے حل کا واحد راستہ ہے۔

جمع قرآن: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد آتے آتے اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا، مختلف زبانوں اور لہجوں کے حامل افراد اور قبیلے داخل اسلام ہو چکے تھے، ان لہجوں اور زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے قرآن کریم کی تلاوت میں بہت ساری غلطیاں واقع ہو چکی تھیں۔ ایسے حالات میں اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن کریم کے سلسلے میں امت میں اختلاف واقع نہ ہو جائے۔

چناں چہ اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ قرآن کریم کو جمع وتدوین کے عمل سے گزار کر ایک مصحف میں لکھ کر امت اسلامیہ کو اسی مصحف پر جمع کر دیا جائے، تاکہ امت میں قرآن کریم کے سلسلے میں کسی قسم کا اختلاف وانتشار واقع نہ ہو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر اہل رائے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے صلاح ومشورے کے بعد اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا کر امت مسلمہ کو ایک بڑے خطرے سے بچالیا۔

(مناہل العرفان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۲۰۳ تا ۲۴۲ ملخصًا، محمد عبد العظیم زرقانی، دار الحدیث قاہرہ، سن طباعت:۲۰۱۰ء)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے لیے جان ومال نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کوئی ضرورت مند آپ کے دروازہ سے کبھی مایوس ہو کر نہیں گیا، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرنا آپ کا معمول تھا۔

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، مسجد نبوی میں تمام نمازی سما نہیں سکتے تھے۔ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کون ہے جو فلاں خاندان کی زمین کا ٹکڑا خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی''۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ قطعۂ زمین خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۱۵۷، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان، سن طباعت:۱۴۲۲ھ -۲۰۰۲ء)

جس وقت تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کا سامان جمع کر رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی گود میں ڈال دیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اشرفیوں کو اپنی گود میں الٹتے پلٹتے رہے اور فرماتے تھے: ''ماضر عثمان ماعمل بعد الیوم مرتین'' یعنی عثمان کو اب کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، آج کے بعد جو چاہیں کریں، دو مرتبہ آپ نے یہ جملہ فرمایا۔

(ترمذی شریف، باب مناقب عثمان، رقم الحدیث:۳۷۰۱، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

غزوۂ تبوک کے سلسلے میں ایک اور روایت حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اکٹھا کیا اور جہاد کی اہمیت وفضیلت پر روشنی ڈالی، تاکہ لوگ اپنا مال اس کے لیے دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً کھڑے ہوئے اور ساز وسامان کے ایک سو اونٹ پیش کرنے کا اعلان فرمایا۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا

خطبہ جاری رکھا، یہ پھر دوبارہ کھڑے ہوئے اور دوسواونٹ دینے کا اعلان فرمایا، حضور ﷺ لوگوں کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی مزید ترغیب فرماتے رہے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ تین سواونٹ مع سازوسامان میں پیش کروں گا۔اس مرتبہ حضور ﷺ منبر سے اترے اور فرمایا:"ماعلیٰ عثمان ماعمل بعد ھذہ" یعنی عثمان کے اس عمل کے بعد انہیں آخرت میں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جو نجات اخروی کے لیے درکار ہو۔

(ترمذی شریف، باب مناقب عثمان، رقم الحدیث:۳۷۰۲، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور- والاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۴۷۴، ابوعمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت-لبنان، سن طباعت:۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

تاجدار مدینہ ﷺ سے یہ الفت ومحبت جام شہادت نوش کرتے وقت تک قائم رہی، چناں چہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیرالمومنین سے مدینہ چھوڑ کر شام چلنے کو کہا، تو فرمایا"میں نہ مدینۃ النبی ﷺ کو چھوڑوں گا اور نہ ہی روضۂ اقدس کے قرب سے محرومی مجھے گوارا ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے"۔

(شان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ص:۱۰۷، سید محمود احمد رضوی، مکتبہ جام نور، مٹیا محل، دہلی)

شہادت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے۔ آپ نے متعدّد مرتبہ ان کو فتنوں سے مطلع کیا تھا اور صبر واستقامت کی تاکید فرمائی تھی۔ (ترمذی شریف:باب مناقب عثمان، ج:۲، ص:۲۳۳، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے۔ جس دن شہادت ہونے والی تھی، آپ روزہ سے تھے، جمعہ کا دن تھا، خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمان جلدی کرو ہم تمھارے افطار کے منتظر ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد بن ہاشمی بصری، ج:۳، ص:۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت-لبنان، سن طباعت: ۱۴۲۸ھ ــــ ۱۹۹۷ء) بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے، باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے، پھر پاجامہ پہنا بیس غلام آزاد کیے اور تلاوت قرآن میں مصروف ہو گئے۔

بلوائیوں نے آپ کو شہید کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور دروازہ کی طرف بڑھے جہاں حسن وحسین، ابن زبیر، محمد بن طلحہ، مروان بن سعید العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزاحم ہوئے اور بلوائیوں کو پیچھے ہٹا دیا (تاریخ مدینہ دمشق، ص:۴۱۷، علامہ ابن عساکر، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع) حامیان عثمان کا یہ رنگ دیکھ کر محاصرین نے عمرو بن حزم کے مکان کی جانب سے سیڑھی لگائی اور پیچھے سے گھر میں داخل ہو گئے، انہوں نے دیکھا کہ امیرالمومنین تلاوت قرآن میں مصروف ہیں، ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کیا، آپ نے صاف انکار کر دیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر آپ کی ریش مبارک پکڑ کر گستاخی کرنے لگے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:"بھتیجے! اگر آج تمھارے باپ زندہ ہوتے تو وہ اس فعل کو ناپسند کرتے۔" یہ سن کر محمد بن ابی بکر پیچھے ہٹ گئے۔

(تاریخ الخلفاء، مصنف: علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ/مترجم: حضرت شمس بریلوی، ص:۲۴۵، ناشر: اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت:۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی نے حملہ کیا، غافقی نے لوہے کی ایک سلاخ آپ کے سر پر ماری سر سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا اور قرآن مقدس کے اوراق خون آلود ہوگئے، پھر سودان نے تلوار سے حملہ کیا، حضرت نائلہ بنت فراضہ بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو تلوار کی زد سے ان کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ کر الگ ہوگئیں۔(تاریخ مدینہ دمشق، ص:۴۰۷، علامہ ابن عساکر، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع) اسی ظالم کے حملوں نے حضرت ذوالنورین کی شمع حیات بجھادی۔ شہادت کے وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت کریمہ تھی۔" فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ؕ".(سورہ:آل عمران، رکوع:۱۶، آیت:۱۳۷)

ترجمہ:اے محبوب! عن قریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی سنتا جانتا ہے۔(کنزالایمان)

(معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۸۵، ابونعیم اصبہانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ـــــ لبنان، طبع اول:۱۴۲۲ھ ـــــ ۲۰۰۲ء)

اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند غلام آئے ایک نے سودان کو تہ تیغ کردیا، قتیرہ نے بڑھ کر غلام کی گردن اڑادی، لیکن ایک دوسرے غلام نے قتیرہ کا کام تمام کردیا، اسی اثنا میں بلوائیوں کا ہجوم اندر داخل ہوا اور ایک سنگ دل عمرو بن حمق نے سینہ پر چڑھ کر نیزوں کے پیہم نووار کیے۔ ایک شخص نے سر مبارک قلم کرنے کا ارادہ کیا تو نائلہ اور ام بنین چلا کر لاش پر گر پڑیں، ابن عُدیس نے کہا: جانے دو سر نہ کاٹو اس کے سر سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا اثاثہ لوٹ لیا، عورتوں کے زیورات چھین لیے، حضرت نائلہ کی چادر چھین لی، پھر یہ سرکش بیت المال کی طرف بڑھے اور اسے بھی لوٹ لیا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۳۸۲، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۔ لبنان، سن طباعت:۱۴۲۴ھ ـ ۲۰۰۳ء)

۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰/ مئی ۶۵۶ء بروز جمعہ بعد نماز عصر ظلم وشقاوت کی شدید آندھی نے خلیفۂ ثالث کا چراغ زندگی بجھادیا۔ کابل سے مراکش تک شرق وغرب میں پھیلی ہوئی اس وقت کی سب سے بڑی سلطنت کا فرماں روا حلم وبردباری کا پیکر جمیل، شرم وحیا کا بے مثال نمونہ اور جود وسخا کا روشن مینار پورے عالم اسلام کو سوگوار چھوڑ کر اس دار فانی سے رخصت ہوگیا، اسی تاریخ سے امت مسلمہ تفریق وانتشار کا شکار ہوگئی۔ اتحاد شیرازہ ہمیشہ کے لیے بکھر گیا، مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں ہی کے سر قلم کرنے لگیں اور صبح قیامت تک کے لیے فتنہ وفساد کا دروازہ کھل گیا۔

(الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد بن ہاشمی بصری، ج:۳، ص:۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ـــ لبنان، سن طباعت:۱۴۱۸ھ ـــ ۱۹۹۷ء)

بلوائیوں کے پر تشدد محاصرہ کی وجہ سے اہل مدینہ پہلے ہی خانہ نشیں ہوگئے تھے، امیر المومنین کی شہادت نے پورے مدینہ پر ہولناک سناٹا طاری کردیا تھا، بلوائی بے باکی سے پھرتے رہے، دو دن تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی، سنیچر کا دن گزار کر شب میں چند جاں بازوں نے تجہیز وتکفین کی ہمت کی اور خون آلود پیرہن میں ڈوبا ہوا جنازہ اٹھایا گیا، آپ کی نماز جنازہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۱، ص:۸۷، ابونعیم اصبہانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ـــــ لبنان، طبع اول:۱۴۲۲ھ ـــــ ۲۰۰۲ء)

شہادت کے وقت آپ کی عمر: شہادت کے وقت آپ کی عمر کیا تھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر بیاسی سال تھی، بعض اکاسی سال بتاتے ہیں، بعض چوراسی اور بعض چھیاسی سال کہتے ہیں۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس وقت آپ کی عمر اسی سال تھی، اسی طرح بعض نواسی سال اور بعض نوے سال کہتے ہیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۱۶۲، ابو عمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت — لبنان، سن طباعت: ۱۴۲۲ھ — ۲۰۰۲ء/ تاریخ الخلفا، مصنف: علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ/ مترجم: حضرت شمس بریلوی، ص:۲۴۸، ناشر: اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت: ۱۴۲۴ھ)

اولیات حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے لوگوں کے لیے جاگیریں مقرر فرمائیں، جانوروں کے چرنے کے لیے چراگاہیں مقرر کیں، آپ نے حکم دیا کہ تکبیر کے وقت آواز نیچی رکھی جائے، اذان کی طرح بلند آواز نہ کی جائے، مسجدوں کو ایک خاص قسم کی خوشبو سے مہکایا، جمعہ کے دن خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا، سب سے پہلے آپ ہی نے مؤذن کی تنخواہ مقرر فرمائی، آپ ہی نے لوگوں کو خود سے زکاۃ نکالنے کا حکم دیا، آپ واحد شخص ہیں جن کی زوجیت میں ایک پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں، آپ اپنی والدہ کی حیات میں خلیفہ منتخب ہوئے، آپ ہی نے مسجد میں مقصورہ بنوایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا واقعہ نہ دہرایا جا سکے، آپ ہی نے سب سے پہلے پولیس اور اس کے عہدے دار مقرر فرمائے، آپ ہی نے سب سے پہلے مع اہل و عیال کے راہ خدا میں ہجرت فرمائی، آپ ہی نے سب سے پہلے تمام مسلمانوں کو ایک ہی قراءت قرآن پر جمع فرمایا، آپ ہی کے دور میں مال کی اتنی کثرت ہوئی کہ لوگ معاش سے بے فکر ہوکر کبوتر اڑانے اور غلیل چلانے میں مصروف ہوگئے تو آپ نے ایک شخص کو ایسی خرافات کے ازالہ پر متعین فرمایا۔

(تاریخ الخلفا، مصنف: علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ / مترجم: حضرت شمس بریلوی، ص:۲۵۱، ناشر: اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت: ۱۴۲۴ھ)

من المجتہدین

ولادت: ۱۰/ ق ب۔ وفات: ۴۰ھ

محمد داؤد علی، گیاوی، جماعت: فضیلت Mob. 9005841425

نام: علی، **کنیت:** ابوالحسن، ابوتراب، **القاب:** حیدر، مرتضی، اسد اللہ۔

والد کا نام ابوطالب عبد مناف بن عبد المطلب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔

آپ نجیب الطرفین ہاشمی تھے، آپ کا سلسلۂ نسب والد اور والدہ دونوں کی جانب سے ہاشم تک پہنچتا ہے۔

شجرۂ نسب پدری: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ (تاریخ الخلفا، جلال الدین سیوطی، ص: ۱۳۲، ناشر: تجار الکتب، ممبئی)

شجرۂ نسب مادری: فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱: ص ۱۴: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دوسرا ایڈیشن: ۱۹۹۷ء)

خاندانی پس منظر: حضرت علی کا نسبی رشتہ عرب کے معزز قبیلہ قریش کی شاخ بنوہاشم سے تھا۔ تمام اہل عرب قریش کی عالی ہمتی کے قائل تھے۔ ان کی زبان اور لہجہ دوسروں کے لیے معیار تھا۔ شجاعت، سخاوت اور مہمان نوازی میں ممتاز تھے۔ قبیلۂ قریش دس خانوادوں پر مشتمل تھا، یہ آپس میں ایک دوسرے کے حلیف تھے، مہذب اور متمدن تھے، یہ قبیلہ سیاسی اعتبار سے بھی قوی اور مضبوط تھا۔ مکہ کی امارت اور کعبہ شریف کی تولیت اسی کے ذمہ تھی۔

اس قبیلہ کے ایک لائق فرزند ہاشم بڑی خوش اسلوبی سے حُجاج کی ضیافت کرتے، ان کے لیے پانی کا معقول بندوبست کرتے اور کعبہ شریف کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ ان خدمات کی وجہ سے ہاشم کو پورے قبائل عرب میں ہر دل عزیزی اور شہرت حاصل ہوگئی۔

ہاشم کی شرافت، سخاوت، اولوالعزمی، فرض شناسی، بلند ہمتی، حسن اخلاق، اعتدال پسندی، دیانت اور راست بازی ان کی اولاد میں بھی آئی جس کی وجہ سے اس قبیلہ کو صرف قریش ہی نہیں بلکہ سارے قبائل عرب پر فوقیت حاصل گئی۔ ہاشم کے بعد ان کے فرزند عبد المطلب کے ہاتھ میں کعبہ شریف کی تولیت اور مکہ کی حکومت آئی تو انھوں نے بھی اپنے مفوضہ مناصب کو بڑی دل چسپی سے انجام دیا۔ چاہ زم زم کی بازیافت ان کا اہم کارنامہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابوطالب قریش کے ممتاز سرداروں میں سے تھے، اہم مسائل میں لوگ مشورہ لینے آپ کے

پاس آتے، تنازعات میں آپ کو فیصل اور حکم بناتے۔ سارا مکہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ عبد المطلب نے انتقال سے پہلے ابوطالب کو وصیت کی تھی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کا خیال رکھیں چناں چہ ابوطالب نے حضور ﷺ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور پوری توجہ کے ساتھ آپ کی پرورش کی، وہ آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اعلان نبوت کے بعد جب سارا مکہ رسول خدا ﷺ کا دشمن ہو گیا تھا اس وقت بھی ابوطالب ان دشمنوں کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے اور جب تک باحیات رہے حضور ﷺ کے حامی و مددگار اور غم گسار بن کر رہے۔ اعلان نبوت کے دسویں سال آپ کی وفات ہوئی۔ (خلفاے راشدین، ص۴۲۵: تا۴۲۸ ملخصاً، محمد عاصم اعظمی، فاروقیہ بکڈپو دہلی)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ ایک نیک خاتون تھیں۔ وہ بھی رسول خدا ﷺ کی تربیت میں بڑی دل چسپی لیتی تھیں اور حضور کو اپنی اولاد پر ترجیح دیتی تھیں۔ وہ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضور نے اپنا پیراہن مبارک کفن کے لیے انھیں عطا فرمایا اور ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

(کنزالعمال، ج:۲، ص:۱۴۱۹، حدیث:۳۷۶۰۶، علاء الدین علی متقی ہندی، مطبوعہ: بیت الافکار الدولیہ)

ولادت: اس سلسلے میں کوئی محکم روایت نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کب ہوئی، البتہ اکثر سیرت نگاروں کے نزدیک جیسا کہ ''اصابہ'' میں ہے کہ آپ کی پیدائش صحیح قول کے مطابق اعلان نبوت سے دس سال پہلے ہوئی۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ابن حجر عسقلانی، ج:۳، ص:۴۶۴، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، اشاعت دوم: ۲۰۰۲ء)

تربیت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابتدائی پرورش آپ کے والدین کے زیر سایہ ہوئی لیکن بعد میں مستقل طور پر حضور اکرم ﷺ کی کفالت میں آ گئے اس کا واقعہ یہ ہے:

قحط سالی کی وجہ سے قریش بہت پریشاں حال ہوئے۔ ابوطالب بھی انھیں میں سے تھے۔ یہ کثیر العیالی کے سبب سخت معاشی پریشانیوں سے دوچار ہوئے، عمر بھی کافی ہو چکی تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ ہم دونوں کو مل کر ابوطالب کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیے اور انھیں معاشی مشکلات سے باہر نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے؛ چناں چہ آپ دونوں نے اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے یہ تدبیر اپنائی کہ حضرت عباس نے جعفر بن ابی طالب کو اور رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ حضرت علی نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو آغوش نبوت میں پایا۔

(السیرۃ النبویۃ المعروف سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۲۴۶، ملخصاً، ناشر: مکتبہ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

قبول اسلام: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں اصحاب سیر اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا۔ البتہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی اس میں مختلف اقوال ہیں:

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسلام قبول فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر نو برس سے کم یا گیارہ برس تھی۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳، ص:۱۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۷ء)

اصابہ میں ہے: مشرف بہ اسلام ہونے کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ پندرہ سال تھی۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۴، ص:۴۶۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہاں پر آپ کے قبول اسلام کا واقعہ ذکر کرنا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا؛ لہٰذا ملاحظہ فرمائیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلان نبوت کے ابتدائی دنوں میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبادت میں مصروف دیکھا تو حضرت علی نے حیرت سے دریافت کیا کہ آپ دونوں یہ کیا کر رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے اور اس کے لیے انبیا کو مبعوث کیا ہے؛ لہٰذا میں تمھیں خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور لات وعزیٰ کو ٹھکرانے کی تاکید کرتا ہوں۔ حضرت علی نے کہا کہ اس سے پہلے میں نے ایسی کوئی بات نہیں سنی، میں اس کا تذکرہ والد گرامی سے کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمھیں کچھ تامّل ہے تو اپنے طور پر غور وفکر کرلو، کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ رسول اکرم ﷺ کی پاکیزہ تربیت نے فطرت کو سنوار دیا تھا، ایک رات توقف کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

(اسد الغابہ، ج:۴، ص:۸۸، ابن اثیر جزری، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی:۲۰۰۳ء)

اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اصنام پرستی اور جاہلی رسوم سے کبھی داغدار نہ ہوا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۵)

ہجرت: اہل باطل ہمیشہ نور اسلام کو بجھانے کی کوشش کرتے رہے، جب کسی طرح کامیابی نہ ملی تو جان رسالت ہی کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اور مکہ کے منتخب شمشیر زن نوجوانوں کی ایک جماعت نے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرلیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ یہ خبر دی کہ آج کی رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں؛ چناں چہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم میرے بستر پر یہ حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو، ہرگز کفار تمھیں ضرر نہ پہنچائیں گے، قریش کی امانتیں واپس کر کے مدینہ چلے آنا۔

صبح ہوئی تو کفار نے دیکھا کہ بستر رسول پر حضرت علی آرام فرمارہے ہیں، انھوں نے آپ سے تعرض نہ کیا۔ آپ امانتیں واپس کر کے مدینہ ہجرت کر گئے۔

جب آپ کے مدینہ پہنچنے کی خبر نبی اکرم ﷺ کو ہوئی تو حضور نے آپ کو بلایا، جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو شفقت سے رسول خدا ﷺ نے معانقہ فرمایا، حضرت علی کے قدم میں آبلے پڑ گئے تھے اور وہ پھوٹ کر بہ رہے تھے حضور نے اس پر لعاب دہن لگادیا اور دعاے صحت فرمائی تو وہ آبلے ٹھیک ہوگئے۔

(اسد الغابہ، ابن اثیر جزری، ج:۴، ص ۹۲، ۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت:۲۰۰۳ء)

ذات رسول سے وابستگی: حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش نبی اکرم ﷺ کی آغوش رحمت میں ہوئی تھی؛ اس لیے بچپن ہی سے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی محبت اور وابستگی تھی۔ یہ قربت و محبت مرورِ ایام کے ساتھ گہری سے گہری ہوتی گئی اور بارگاہ رسالت سے اس الفت کا انعام بھی پاتے رہے؛ چناں چہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ

تشریف لائے تو مہاجرین وانصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا یعنی ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتۂ مواخات خود اپنے درمیان فرمایا۔

(طبقات کبریٰ، ابن سعد، ج:۳، ص:۱۶، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، دوسرا ایڈیشن: ۱۹۹۷ء)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، ہجرت کے بعد رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو رشتۂ مصاہرت سے بھی سرفراز فرمایا اور اپنی چہیتی شہزادی خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا اور اس مقدس جوڑے پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

(کنز العمال، علاء الدین ہندی، ج:۲، ص:۱۴۲۶، ملتقطاً مطبع: بیت الافکار الدولیہ)

آپ نے ہر وقت آفتاب رسالت نبی دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر اپنی جاں نثاری اور اطاعت شعاری کا مظاہرہ فرمایا؛ چناں چہ جب آیت کریم "و اَنذِر عَشیرَتَك الأقرَبین" (سورہ: شعراء، آیت: ۲۱۴) نازل ہوئی تو حضور نے بنی عبد المطلب کو دعوت طعام دی، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سب کو مخاطب کر کے فرمایا: میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی سب سے بہتر چیز (اسلام) لے کر آیا ہوں، اللہ نے مجھے اس کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔ تم میں سے کون ہمارا تعاون کرے گا؟ حضرت علی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ حالاں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کم عمر اور نحیف و ناتواں تھے۔

(مصدر سابق، ج:۲، ص:۱۳۴۲، ملخصًا، حدیث ۳۶۴۱۹:)

غزوۂ احد کے دوسرے مرحلے میں جب کفار نے شدید حملہ کیا اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی شہادت کی افواہ اڑادی گئی تو بہت سے مسلمان یہ سوچ کر واپس ہو گئے کہ جب سرکار ہی نہ رہے تو اب ہم کس کے لیے لڑیں؟ لیکن حضرت علی اس موقع پر بھی میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور یہ تاریخ ساز جملہ کہ "جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نہ رہے تو ہمارے لیے بھی شہید ہو جانا ہی بہتر ہے۔" کہہ کر کفار پر ٹوٹ پڑے کہ اچانک حضور پر نظر پڑی تو آپ کے دل بے چین کو تسلی ملی۔

(اسد الغابہ، ابن اثیر جزری، ج:۴، ص:۹۴، ملخصًا، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی: ۲۰۰۳ء)

مذکورہ واقعات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات رسول سے وابستگی اور آپ سے گہری الفت و محبت کی واضح دلیل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی روایتیں ہیں جو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی غیر معمولی وابستگی پر دلالت کرتی ہیں۔

غزوات میں شرکت: آپ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بدر، احد، خندق، بیعت رضوان، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور ان کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی، مگر غزوۂ تبوک میں حاضر نہ ہو سکے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو اہل مدینہ کی نگرانی کے لیے مدینہ پر اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔

(تہذیب الاسماء ج:۱، ص:۳۷۶، امام نووی، طبع اول: ۲۰۰۷ء، دار الکتب العلمیہ بیروت)

آپ نہایت جری، بیباک، شجاع، بہادر اور فن حرب و ضرب میں ماہر تھے۔ بڑے بڑے بہادر آپ کے ہاتھوں مارے گئے۔ آپ کی شجاعت کا مشہور واقعہ غزوۂ خیبر میں پیش آیا۔ آپ نے قلعہ خیبر کے بہادر مُرَحَّب کو موت کے گھاٹ اتارا اور قلعہ

کے دروازے کا پھاٹک اکھاڑ لیا اور بطور سپر ہاتھ میں لے کر دن بھر دشمنوں سے مقابلہ کیا، جنگ ختم ہونے کے بعد آپ نے اسے پھینک دیا۔ اتنا بھاری تھا کہ اسی افراد اسے ایک طرف سے دوسری طرف پلٹ نہ سکے۔

(تاریخ الخلفا للسیوطی، ص:۱۳۲، ناشر تجار الکتب ممبئی)

خلافت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دوسرے دن ۱۹/ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرپر آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت طلحہ، زبیر، سعد بن وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، محمد بن مسلمہ، سہل بن حنیف، ابوایوب انصاری، اسامہ بن زید اور تمام اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے آپ سے بیعت خلافت لے لی۔

آپ کے دور خلافت میں دو بڑے معرکے واقعہ جمل ۳۶ھ واقعہ صفین ۳۷ھ پیش آئے۔ واقعۂ نہروان بھی آپ ہی کے عہد میں پیش آیا۔ ہوا یوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف آپ ہی کے ہمراہیوں میں سے ایک بڑی تعداد نے خروج کیا اور وہ سب مقام حرورا میں جمع ہونے لگے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہ کو افہام وتفہیم کے لیے بھیجا، کافی بحث و مباحثہ کے بعد ایک بڑی جماعت نے رجوع کر لیا لیکن ایک جماعت اپنی رائے پر قائم رہی اور یہ لوگ نہروان چلے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہروان پہنچے اور پورے لشکرِ خوارج کا صفایا کر دیا اور ان کے سرغنہ ذوالثدیہ بھی مارا گیا۔ یہ واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔

(طبقات کبری، ابن سعد، ج:۳، ص ۲۲، ۲۳، ملخصًا، دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی: ۱۹۹۷ء)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاسی تدبر اور دانائی میں یکتائے روزگار تھے، اصول حکمرانی سے واقف تھے، آپ اپنی خلافت کو دین و تقویٰ اور اخلاص کی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے تھے، آپ نے اپنی خلافت صدیق وفاروق کی طرح قرآن وسنت کے اصولوں پر قائم کیا۔ آپ نے بہت سی اصلاحات نافذ کیں، خارجیوں کی سرکوبی آپ کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔

فضل وکمال: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل وکمال کے بارے میں بہت سی روایات مذکور ہیں۔ چند ملاحظہ ہوں:

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا مولیٰ میں ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی، ج:۲، ص۵۶۵:، ناشر: مجلس برکات مبارکپور)

ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضی سے ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تو میرا جانشین بنے جس طرح حضرت ہارون حضرت موسی کے جانشیں تھے۔ (بخاری شریف، ج ا:، ص۵۲۶:، ناشر: مجلس برکات مبارکپور)

غزوۂ خیبر کے موقع پر ارشاد فرمایا: کل میں اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہے، اللہ عزوجل اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ (مصدر سابق، ص:۵۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں چار ایسی خصلتیں ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی

جاتیں۔ آپ مسلمانوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، آپ وہ مجاہد ہیں کہ پرچم رسول ہر جنگ میں آپ کے ساتھ رہا اور آپ نے اس دن (اُحد میں) صبر واستقامت کا ثبوت دیا جس دن دوسرے فرار ہو گئے نیز آپ کو رسول کریم ﷺ کو غسل دینے اور قبر شریف میں اتارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

(استیعاب، ج:۳، ص:۱۹۷، ابن عبد البر، طبع ثانی:۲۰۰۲ء، دار الکتب العلمیہ بیروت)

علوم ومعارف میں آپ اپنی مثال آپ تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو بے پناہ علم سے نوازا تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ، تو جو بھی علم کا طلبگار ہے وہ اس کے دروازے سے ہو کر آئے۔ (ایضاً ص:۲۰۵)

تفسیر اور علوم قرآن: علوم ومعارف کا اصل سرچشمہ قرآن ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس چشمہ سے پوری طرح فیضیاب تھے، آپ سے آیات کی تفسیریں کثرت کے ساتھ منقول ہیں۔ آپ قرآن پاک کی ہر آیت کے معانی ومطالب اور اس کے شان نزول سے واقف تھے، چناں چہ آپ نے فرمایا: والله ما نزلت أية إلّا و قد علمتُ فيما نزلت و أين نزلت و علیٰ من نزلت و اِن ربّی و هب لی قلباً عقو لاً و لسانا ناطقاً. (سیر اعلام النبلا، ج:۲، ص:۶۲۷، شمس الدین ذہبی، طبع اوّل:۱۹۹۶ء، دار الفکر بیروت)

بخدا میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ یہ کہاں، کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی، میرے رب نے مجھے عقل مند دل اور زبان فصیح سے سرفراز فرمایا ہے۔

علم حدیث: مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بچپن سے لے کر نبی اکرم ﷺ کی وفات تک حضور کی خدمت ورفاقت میں زندگی بسر کی؛ اس لیے آپ کو ارشادات رسالت سننے اور احکام دینیہ سیکھنے کا زیادہ موقع ملا، تمام خلفا میں حدیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ میسر آیا؛ اسی لیے خلفائے سابقین کے مقابلے میں آپ کی روایتوں کی تعداد زیادہ ہے، لیکن احادیث کی روایت میں بہت زیادہ محتاط تھے؛ اس لیے کثیر الروایہ صحابہ کے مقابلے میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔ چناں چہ آپ سے ۵۸۶/ حدیثیں مروی ہیں۔ (تاریخ الخلفا للسیوطی، ص:۱۳۳، ناشر: تجار الکتب ممبئی)

فقہ و اجتہاد: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فقہ واجتہاد میں مکمل دسترس حاصل تھی، قرآن وتفسیر حدیث وسنت پر گہری نگاہ ہونے کے ساتھ ہی، ذہانت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، اصول وکلیات اور فروع وجزئیات میں آپ کو کامل دست گاہ حاصل تھی۔ اکابر صحابہ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرت فاروق اعظم اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقہ واجتہاد کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے لیکن کبھی کبھی ان حضرات کو بھی آپ سے استفادہ کی ضرورت پیش آتی جیسا کہ مندرجہ ذیل دونوں روایتوں سے پتہ چلتا ہے۔

سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے: اَعُوذُ بالله من مُعضِلَةٍ ليس لها أبو حسن.

(سیر اعلام النبلا، شمس الدین ذہبی، ج:۲، ص:۶۲۸، دار الفکر بیروت، طبع:۱۹۹۶ء)

میں اس مشکل مسئلے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جس کی گتھی سلجھانے میں ابوالحسن علی مرتضیٰ نہ ہوں۔

شریح بن ہانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خفین پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ علی سے پوچھ لو؛ کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے، چناں چہ انھوں نے حضرت علی سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مسافر تین دن تین رات اور مقیم ایک دن ایک رات مسح کرے گا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۲، ص:۳۴۳، ناشر: موسسۃ الرسالہ بیروت، طبع اوّل:۱۹۹۵ء)

فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "اِنّ اَقضیٰ اَھلِ المدینة علی بن أبی طالب."

(استیعاب، ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، ج:۳، ص:۲۰۷، طبع ثانی:۲۰۰۳ء، دار الکتب العلمیہ بیروت)

علی بن ابی طالب اہل مدینہ میں سب سے بڑے قاضی تھے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں: "لیس أحد منهم أقوی قولاً فی الفرائض من علي." (ایضًا)

فرائض میں علی سے زیادہ قوی کوئی نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود آپ کو "أقضاهم علي" کی سند عطا فرمائی تھی۔

(ابن ماجہ، ص:۳۳، حدیث ۱۵۴، ناشر: بیت الافکار الدولیۃ)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو فقہ و اجتہاد اور قضا میں اتنا بڑا مقام ملنے کا سبب کیا ہے؟ اسے خود حضرت مولائے کائنات ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں: "بعثنی رسول الله صلی الله علیه و سلم إلی الیمن و أنا حدیث السن لیس لي علم بالقضاء فضرب صدری و قال: "اذهب فإن الله سیهدی قلبك و یثبت لسانك." قال: فما شککت فی قضاءٍ بین اثنین.

(سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۶۲۷، دار الفکر بیروت، اشاعت:۱۹۹۶ء)

ابھی میں نوعمر ہی تھا اور مجھے قضا کا کچھ علم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا۔ آپ نے میرے سینے پر دست مبارک رکھا اور فرمایا: جاؤ! بیشک اللہ تیرے دل کو ہدایت دے گا اور تیری زبان کو استقلال عطا فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے اس کے بعد دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی تردد نہ ہوا۔

استیعاب کے یہ الفاظ ہیں: اللّٰھم اهد قلبه و سدّد لسانه. اے اللہ علی کے دل کو ہدایت دے اور اس کی زبان کو درستی عطا فرما۔ (استیعاب، ج:۳، ص:۲۰۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقیہ کی ذمہ داریوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ألا أنبئکم بالفقیه حق الفقیه من لم یقنط الناس من رحمة الله و لم یرخص لهم في معاصي الله و لم یومنهم مکر الله.

(تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین ذہبی، ج:۱، ص:۱۵، طبع اوّل، دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت اول:۱۹۹۸ء)

کیا میں تمھیں ایسے عمدہ فقیہ کی خبر نہ دوں جو فقہ کی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے والا ہے، پھر آپ نے فرمایا جو اللہ

کی رحمت سے لوگوں کو محروم نہ کرے، انھیں معاصی میں رخصت نہ دے اور اللہ کے مواخذہ سے انھیں بے پرواہ نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احکام شریعت کے استنباط و استخراج میں احادیث رسول کے مقابلہ میں قیاس اور رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، فرماتے ہیں: ”لو كان الدين بالرای لكان باطِن القدمين أحق بالمسح من ظاهرهما و قد مسح النبي صلى الله عليه و سلم علىٰ أظهر خُفيه.“ (سنن ابی داؤد، ج:۱، ص:۲۲، ناشر مجلس برکات مبارکپور)

اگر دین و شریعت کا انحصار محض رائے پر ہوتا تو پاؤں کی پشت بہ نسبت پاؤں کے تلوے مسح کے زیادہ مستحق ہوتے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں کی پشت پر مسح فرمایا۔

فقہی و اجتہادی نمونے: حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے فقہی و اجتہادی کارنامے بہت ہیں، آپ سے کثیر فتاوی و قضایا صادر ہوئے، یہی وجہ ہے کہ صاحب اعلام الموقعین نے کثیر الفتاوی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آپ کا شمار کیا اور کہا کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاوی اس قدر ہیں کہ ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔

(اعلام الموقعین، ابن قیم جوزیہ، ج:۲، ص:۱۸، طبع اوّل، دار ابن جوزی)

آئیے اب ہم آپ کے فقہی و اجتہادی کارناموں کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ کریں:

(۱) مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے یے ایک کنواں کھودا تھا، شیر اس میں گر گیا چند لوگ ایک دوسرے کو ہنسی مذاق میں ڈھکیل رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کا پاؤں پھسلا اور کنوئیں میں گرنے لگا، اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑ لی، وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے آدمی کی کمر تھام لی، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا، غرض چاروں اس کنویں میں گر گئے اور شیر نے چاروں کو ہلاک کر دیا، مقتولین کے ورثہ آپس میں آمادۂ جنگ ہوئے۔ حضرت علی نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ ہنگامہ اور فساد بہتر نہیں، میں تمھارا فیصلہ کرتا ہوں اگر میرا فیصلہ پسند نہ آئے تو بارگاہ رسالت میں اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو، لوگوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔

آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا تھا ان کی قوم و قبیلے سے ان مقتولین کی دیت کی رقم اس طرح وصول کی جائے: ایک پوری، ایک ایک تہائی، ایک ایک چوتھائی اور ایک آدھی۔ پھر پہلے مقتول کے ورثہ کو ایک چوتھائی دیت، دوسرے کو ثلث، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پوری دیت دلائی۔

لیکن لوگ اس فیصلے سے راضی نہ ہوئے اور (حجۃ الوداع کے موقع پر) جب آپ مقام ابراہیم کے پاس تشریف فرما تھے تو انھوں نے آپ کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا لیکن اسی وقت ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت علی ہمارا فیصلہ کر چکے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس فیصلے کو برقرار رکھا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج:۱، ص:۷۷، ناشر: دار الفکر)

ذرا غور کریں کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنھوں نے آبادی کے قریب شیر پھنسانے کے لیے کنواں کھودا تھا؛ اس لیے کوئی متعین قاتل نہ ہونے کی وجہ سے کنواں کھودنے والوں اور ان کی قوم کو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دیا۔ پہلا شخص اگرچہ اتفاقاً گرا لیکن دوسرے کے ڈھکیلنے کا اس میں خاصا دخل تھا؛ اس لیے وہ دیت کا کم سے کم مستحق ہوا یعنی ایک چوتھائی کا؛ کیوں کہ اس

شخص کے گرنے میں اتفاق کا عنصر زیادہ اور قصد کا کم دخل تھا۔ پہلے نے دوسرے کو قصداً کھینچا مگر انتہائی بدحواسی کے عالم میں، اس کے اپنے فعل کے انجام کے بارے میں سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا؛ اس لیے پہلے کے مقابلے میں اس میں اتفاق کا کم اور قصد کا کچھ زیادہ دخل تھا؛ اس لیے وہ تہائی کا مستحق قرار پایا۔ تیسرے مقتول کو گذشتہ نتائج دیکھ کر سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا اس لیے اس میں اتفاق کے مقابلے میں قصد کا عنصر زیادہ تھا؛ اس لیے اس کو نصف کا مستحق قرار دیا، تیسرے نے چوتھے کو کھینچا حالاں کہ وہ سب سے دور تھا اور پہلے کے نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ بھی لیا تھا؛ اس لیے وہ پورے قصد و ارادہ سے گرایا گیا نیز اس نے دوسرے کو گرانے کا جرم بھی نہیں کیا؛ اس لیے وہ پوری دیت کا مستحق ٹھہرا۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم)

یہ واقعہ یمن میں پیش آیا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عہد رسالت ہی سے فتوی دیتے تھے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجنونہ زانیہ پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجنون پر حد جاری نہیں کی جا سکتی اور استدلال میں یہ حدیث پاک پیش فرمائی: ''رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یستیقظ و عن الطفل حتی یحتلم و عن المجنون حتی یبرأ أو یعقل.''

(مسند احمد، ج:۱، ص:۱۴۰، ناشر: دار الفکر، استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی:۲۰۰۲ء)

تین لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے، بچہ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے یہاں تک کہ وہ ٹھیک اور عقل مند ہو جائے۔

یہ سن کر حضرت فاروق اعظم اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ایک ایسی عورت کا معاملہ پیش ہوا جس نے صرف چھ ماہ کے حمل کے بعد بچہ جنا تھا، تو حضرت فاروق اعظم نے اسے رجم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''وحملُہٗ وفِصٰلُہٗ ثَلٰثُون شھراً.'' (احقاف آیت:۱۵)

آپ نے اس آیت کریمہ سے اس طور پر استدلال کیا کہ اس میں حمل و رضاعت دونوں کی مدت کا بیان ہے اور یہ اسی وقت درست ہوگا جب کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہو؛ کیوں کہ ''و الوالدات یُرضعن اولادھن حولین کاملین'' (البقرۃ، آیت ۲۳۳): ''مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال دودھ پلائیں''۔ میں رضاعت کی مدت دو سال بتائی گئی ہے۔ دو سال کے چوبیس مہینے اور حمل کے چھ ماہ کل تیس ماہ ہو گئے؛ لہذا جب حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے تو اگر کوئی شادی شدہ عورت چھ مہینے پر بچہ جنے تو اس پر ہرگز زنا کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی؛ لہذا اسے رجم بھی نہیں کیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا تو اس خاتون کو چھوڑ دیا اور اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

(مصنف عبد الرزاق، ج:۷، ص:۳۵۰، حدیث:۱۳۴۴۴، مطبوعہ: المجلس العلمی، اشاعت اول:۱۹۷۲ء)

اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا: ''لو لا علي لهلك عمر.''

(استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، ج:۳، ص:۳۰۶)

(۴) اگر کنویں میں چوہا گر جائے اور مر کر پھٹ جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سات ڈول پانی نکالا جائے گا، اگر پھولا پھٹا نہ ہو تو ایک دو ڈول اور اگر سڑ گیا ہو تو اس قدر پانی نکالا جائے گا جس سے بدبو دور ہو جائے۔ (کنز العمال، ج۱:، ص ۹۸۴: حدیث:۲۷۵۰۰ ، ناشر بیت الافکار الدولیۃ)

ممکن ہے کہ آپ کے پیش نظر یہ حدیث ہو۔ ''اِنّ الماء لا ینجسه شیٔ إلّا ما غلب علی ریحه و طعمه و لو نه'' (ابن ماجہ، باب الحیاض، ص:۶۸ ، حدیث:۵۲۱ ، ناشر: بیت الافکار الدولیۃ)

بیشک کوئی چیز پانی کو ناپاک نہیں کر سکتی مگر یہ کہ اس کے رنگ، مزہ یا بو پر کوئی چیز غالب آجائے۔

(۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک امامت کے لیے یہ ضروری تھا کہ امام کی حالت مقتدی کی حالت سے کم تر نہ ہو؛ اس لیے آپ نے تیمم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والے کی نماز کو جائز قرار نہیں دیا۔ چناں چہ فرمایا: ''لا یؤمُّ المتیمم المتطھر ین .'' تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت نہ کرے۔ (کنز العمال، ج:۱ ، ص:۸۳۸ ، حدیث:۲۲۹۱۴)

اس میں آپ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا: ''اِنّما جُعل الإمام لیوتم به''

امام تو اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہذا اس سے اختلاف نہ کرو۔

اور ''الامام ضامن'' سے استدلال کیا۔ (ترمذی شریف، ج:۱ ، ص:۲۹، ۴۷، ناشر: مجلس برکات مبارکپور)

(۷) بلی کے جھوٹے پانی کو پینے اور اس سے وضو کرنے میں آپ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے؛ چناں چہ کنز العمال میں ہے کہ آپ سے بلی کے جھوٹے کے بارے یں پوچھا گیا تو فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(کنز العمال، ج:۱، ص:۹۸۴، حدیث:۲۷۵۲۷)

اس مسئلے میں آپ کی نظر اس حدیث پر تھی۔ ''انھا لیست بنجس إنما ھی من الطوّافین او الطوّافات. بلی ناپاک نہیں ہے وہ تو گھروں میں بار بار آنے جانے والوں میں سے ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب: الوضو بسور الھرۃ، ص:۵۴، بیت الافکار الدولیۃ)

(۷) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خمر پینے والے آدمی کے بارے میں صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خمر پینے والے کو اسی کوڑے لگائے جائیں پھر اس کی وجہ خود بیان فرمائی کہ جب خمر پیے گا تو نشہ آئے گا اور جب نشہ آئے گا تو الٹی سیدھی بکے گا اور جب یہ حالت ہوگی تو کسی پر تہمت لگا دے گا۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خمر پینے والے کو اسی کوڑے لگواتے تھے۔

(موطا امام مالک، باب فی حد الخمر، ج:۲، ص:۸۴۲، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، اشاعت:۱۹۸۵ء)

کیوں کہ جب کسی پر تہمت لگائے گا تو اس پر حد قذف جاری ہوگی اور حد قذف اسی کوڑے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: '' والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعه شهداء فاجلدوهم ثمنین جلدة. '' (النور، آیت:۴) اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انھیں اسی کوڑے لگاؤ۔ (کنز الایمان)

(۸) حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کا موقف یہ تھا کہ اگر کوئی شخص قتل کر دیا جائے اور اس کا قاتل کوئی شخص معین نہ ہو یا قاتل کا پتہ نہ چلے تو اس کی دیت بیت المال سے دی جائے گی۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن مسجد کے اندر بھیڑ میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تو حضرت علی نے اس کی دیت بیت المال سے دلائی۔

(مصنف عبدالرزاق، ج:۸ ،ص:۱۸۲، حدیث:۱۹۴۱۳، ناشر: دار التاصیل، طبع اول:۲۰۱۵ء)

اسی طرح کعبہ شریف میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا لیکن قاتل کا پتہ نہ چلا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے فرمایا کہ بیت المال سے اس کی دیت دی جائے۔ (ایضا، حدیث:۱۹۴۱۴)

(۹) آپ رمضان میں بیس رکعت تراویح کے قائل تھے: ترمذی شریف میں ہے:"و اکثر اهل العلم علےٰ ما روی عن علی و عمر و غیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم عشرین رکعة"

(جامع ترمذی، ج:۱، ص:۹۹، ناشر: مجلس برکات مبارک پور)

اکثر اہل علم اس پر ہیں جو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے یعنی تراویح بیس رکعت ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں دیکھا کہ لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ (مصدر سابق)

یعنی صرف اہل کوفہ کا یہ مذہب نہیں کہ تراویح بیس رکعت ہے بلکہ اہل مکہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(۱۰) یمن کے لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے پرانی باتیں ابھی تازہ تھیں۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کے ساتھ تین مرد خلوت کر چکے تھے نو مہینے کے بعد اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، ہر ایک نے دعوی کیا کہ وہ لڑکا اس کا ہے، حضرت علی مرتضی نے ان تینوں کے درمیان قرعہ اندازی کی اور جس کے نام کا قرعہ نکلا بچہ اس کے سپرد کر دیا اور اس سے بقیہ دونوں کو اس لڑکے کی دیت کے دو ثلث دلوائے۔

(مستدرک حاکم، ج:۴، ص:۱۰۸، ملخصًا، ناشر: دار المعرفہ، بیروت، طبع اول:۱۹۹۸ء)

(۱۱) مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دیہات اور چھوٹے گاؤں میں تشریق اور جمعہ قائم کرنا درست نہیں۔ فرماتے ہیں: لا جمعة و لا تشریق إلّا فی مصرٍ جامعٍ.

(مصنف عبدالرزاق، ج:۳، ص:۱۶۷، حدیث:۵۱۷۵، طبع اوّل: مجلس علمی)

جمعہ اور تشریق شہر کے سوا کہیں نہیں۔

(۱۲) آپ کے نزدیک موتمن پر ضمان نہیں ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں:"لیس علی المؤتمن ضمان."

(مصدر سابق، ج:۸، ص:۱۸۲، حدیث:۱۴۸۰۱)

(۱۳) اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے اور وہ حاملہ ہو تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی عدت اَبْعَدِ اَجَلَین ہوگی یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت بعد میں پوری ہوگی وہی اس عورت کی عدت کے لیے معتبر

ہوگی؛کیوں کہ آیت کریمہ ''وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ''(الطلاق،آیت:۴)''اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن دے۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے،عام ازیں کہ ان عورتوں کو طلاق دی گئی ہو یا ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو۔اور دوسری جگہ ارشاد ہوا''وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا''(البقرۃ،آیت:۲۳۴)''اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روک رہیں۔''(کنزالایمان) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن عورتوں کے شوہر انتقال کر جائیں ان کی عدت چار ماہ دس دن ہے، بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے، اس تعارض کو دور کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان دونوں آیتوں میں کون مقدم ہے اور کون موخر ہے ہمیں اس کا علم نہیں؛لہذا ان کے درمیان تطبیق کی صورت یہی ہے کہ عورت کی عدت ''ابعد الاجلین'' قرار دی جائے۔یعنی اگر وضع حمل پہلے ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن قرار دی جائے اور اگر چار ماہ دس دن پہلے مکمل ہو جائیں تو عدت وضع حمل تک موخر کی جائے گی۔اس طرح دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے گا۔

(التوضیح فی حل غوامض التنقیح،ص:۶۲،صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود،ناشر:مجلس برکات مبارک پور)

(۱۴)حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(کنزالعمال،ج:۱،ص:۹۸۴،حدیث:۲۷۵۰۲)

شاید آپ کی نظر لیلۃ الجن والی حدیث پر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا تو انھوں نے عرض کیا:کچھ نبیذ ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:وہ پاکیزہ کھجور اور پاک کرنے والا پانی ہے۔

(مصدر سابق،حدیث:۲۷۴۹۸)

(۱۵)حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:جب کوئی جنبی ہو جائے تو نماز کے آخر وقت تک پانی کی تلاش میں رہے،اگر اس وقت بھی پانی نہ پائے تو تیمم کر کے نماز ادا کرے،اس کے بعد پانی پر قدرت پایا تو غسل کر لے اور نماز کا اعادہ نہ کرے۔

(مصدر سابق،حدیث:۲۷۵۵۱)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:جب تو جنبی ہو جائے تو اپنے مقدور بھر کوشش کر کے پانی تلاش کر۔اس کے بعد اگر قدرت نہ ہو پائے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر جب پانی مل جائے تو غسل کر لے۔(مصدر سابق حدیث:۲۷۵۵۴)

آپ کی نگاہ ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا''(البقرۃ،آیت:۲۸۶) پر تھی۔

(۱۶)کبھی کبھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت دیتے۔ایک مرتبہ آپ کے پاس دو شخص آئے،ان میں سے ایک نے دوسرے کے بارے میں عرض کیا کہ اس شخص نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کے ساتھ آبرو ریزی کی ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:اس کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو اور اس کے سایہ کو مارو۔(تاریخ الخلفا للسیوطی،ص:۱۴۲،ناشر:تجار الکتب،ممبئی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا بطور مزاح فرمایا؛کیوں کہ آپ کے پیش نظر یہ مذکورہ حدیث تھی۔''رفع القلم عن ثلثة

عن النائم حتی یستیقظ......"

(۱۷) کتاب الفرائض کا ایک اہم مسئلہ، "مسئلہ منبریہ" ہے، اس کو مسئلہ منبریہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت علی سے یہ مسئلہ اس وقت دریافت کیا گیا تھا جب کہ آپ کوفہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے، آپ نے خطبہ کے "سجع" کی رعایت کرتے ہوئے اس کا جواب دیا تھا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، اسی دوران ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ ایک شخص کے وارثین میں ایک بیوی، دو بیٹی اور اس کے والدین ہیں، کیا ایسی صورت میں عورت کو ثمن نہیں ملے گا؟ تو آپ نے برجستہ فرمایا: "صار ثمنها تسعاً" یعنی اس مسئلے میں بیوی کا آٹھواں حصہ نواں حصہ ہو گیا ہے۔

(ملخصًا، برکات السراج لحل اصول السراجیہ، ص:۵۳، نصر اللہ رضوی مصباحی، ناشر: مجلس برکات)

(۱۸) ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مقام صہبا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور آپ نے عصر کی نماز ادا نہیں کی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، جب حضور بیدار ہوئے تو دعا فرمائی: اے اللہ علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا؛ لہذا سورج کو واپس فرما دے۔ آپ کے دعا فرماتے ہی سورج بلند ہو گیا یہاں تک حضرت علی نے وضو کر کے نماز ادا فرمائی، اس کے بعد حسب معمول وہ غروب ہوا۔ (ملتقطاً، الخصائص الکبریٰ، امام سیوطی، ج:۲، ص:۸۲، ناشر: مرکز اہل السنت برکات رضا، پور بندر گجرات)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اندیشے سے کہ کہیں سرکار علیہ السلام کے آرام میں خلل نہ پڑے، آپ کو بیدار نہ کیا اور اپنی نماز آپ کی محبت واطاعت میں قربان کر دی۔

شاید آپ نے یہاں پر یہ اجتہاد فرمایا کہ جب حق عبد اور حق اللہ جمع ہو جائے تو وہاں پر حق عبد کو ترجیح دی جاتی ہے کیوں کہ اللہ غنی و بے نیاز ہے اور یہاں پر تو افضل العباد سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ہے تو اسے بدرجۂ اولیٰ غلبہ دیا جائے گا؛ اس لیے آپ نے اس وقت نماز ادا نہیں کی اور اس اطاعت شعاری کا یہ انعام ملا کہ آپ کے لیے سورج دوبارہ واپس آیا۔

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریائے فقہ واجتہاد کے یہ چند قطرے ہیں جو بطور نمونہ پیش کیے گئے جن کو دیکھ کر آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس میدان میں آپ کا مقام و مرتبہ کتنا اونچا اور بلند ہے۔

وفات: ۱۷؍ رمضان ۴۰ھ کو آپ پر عبد الرحمن بن ملجم اور شبیب بن بجرہ نے تلوار سے حملہ کر دیا جس سے آپ بہت شدید زخمی ہو گئے اور تیسرے دن ۱۹؍ رمضان ۴۰ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔

وقت وصال آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ (الطبقات الکبری لابن سعد، ج:۳، ص:۲۲)

من المجتہدین

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۳۲ھ

عبدالوہاب قادری مصباحی، کٹیہار، تخصص فی الفقہ 8188925538

نام: عبداللہ۔ کنیت: ابن ام عبد، ابوعبدالرحمٰن۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۱، مؤسسۃ الرسالۃ)

سلسلۂ نسب: عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صالہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہذلی۔ (اسد الغابۃ، ج:۳، ص:۳۸۱، ۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ماں کی جانب سے سلسلۂ نسب: ام عبد بنت عبدود بن سواءِ بن ہذیل۔

(اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

القاب: الامام الحبر، فقیہ الامۃ۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۶۱، مؤسسۃ الرسالۃ)

دیدار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ زیبا کا دیدار کس طرز اور کس ڈھنگ پر کیا وہ خود بیان فرماتے ہیں: میں اپنے چچاؤں اور اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ خوشبو کی چیزیں خریدنے کے لیے مکہ آیا تو لوگوں نے ہمیں کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا پتہ بتایا، ہم لوگ ان کے پاس پہنچے، وہ اس وقت چاہ زمزم پر بیٹھے تھے، ہم ان کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ ایک صاحب باب الصفا سے داخل ہوئے، نہایت گورا رنگ، سپیدی پر سرخی دوڑ رہی تھی، سامنے کے دانت بڑے چمک دار تھے، سینہ سے لے کر ناف تک باریک بالوں کی ایک دھاری تھی، ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں، داڑھی گھنی، سفید لباس میں ملبوس، چہرہ گویا ماہ شب چہار دہم، داہنی جانب ایک خوبصورت کم عمر لڑکا تھا اور پیچھے ایک خاتون جو اپنے آپ کو ڈھانکے ہوئے تھیں، تینوں حجر اسود کے پاس آئے اور انھوں نے علی الترتیب اسے بوسہ دیا، پھر سات مرتبہ طواف کیا، اس کے بعد رکن یمانی کے سامنے آکر ہاتھ اٹھائے، تکبیر کہی اور نماز پڑھی، ہم نے مکہ میں یہ نئی بات دیکھی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ یہ میرے بھتیجے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بن عبداللہ ہیں دوسرا لڑکا بھی میرا بھتیجا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے وہ بی بی خدیجۃ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی ہیں، اس دین کے پیروکار اس وقت پوری روئے زمین پر یہی تینوں ہیں۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۶۳، مؤسسۃ الرسالۃ)

قبول اسلام: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قبول اسلام کا پورا واقعہ بذات خود اس طرح سے بیان کرتے ہیں: ”ایک روز میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! تمھارے پاس دودھ ہے؟ میں نے کہا: جی ہے مگر میں اس وقت امین ہوں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی ایسی بکری لاؤ جس کا نر سے ملاپ نہ ہوا ہو، میں نے آپ کی بارگاہ میں ایک بکری پیش کیا، حضور ﷺ نے اس بکری کو باندھ دیا اور تھن پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی، تھن دودھ سے بھر گیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس ایک پتھر لے کر آئے اور حضور ﷺ نے اس میں دودھ دوہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دودھ پینے کو کہا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا، پھر حضور ﷺ نے تھن کو حکم دیا کہ سکڑ جا وہ سکڑ گیا اور اپنی پہلی حالت پر لوٹ گیا، پھر میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس قرآن سے سکھائیے، حضور نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا: "إنك غلام معلَّم" پھر میں نے حضور سے ستّر سورتیں سیکھیں اور کسی نے مجھ سے اس سلسلہ میں نزاع نہیں کیا۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضور سے قرب و ربط: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم ﷺ سے کافی گہرا ربط و تعلق تھا، بارگاہ نبوی ﷺ میں برابر آنا جانا رہتا تھا، اس طرح بار بار آنے جانے سے آپ کو خانوادۂ رسول سے جو تقرب و تعلق حاصل ہوا، شاید ہی کسی اور کے حصہ میں آیا ہو، بارگاہ رسالت میں آپ کی بکثرت آمد و رفت دیکھ کر لوگ آپ کو اہل بیت ہی کا ایک فرد گمان کرتے تھے چناں چہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: عن الأسود بن يزيد أنه سمع أبا موسىٰ يقول: لقد قدمت أنا و أخي من اليمن و ما نرى حينا إلا أن عبد الله بن مسعود رجل من أهل بيت النبي ﷺ لما نرى من دخوله و دخول أمه على النبي ﷺ. (جامع الترمذی، ج:۲، ص:۲۲۲، مجلس برکات)

آپ رضی اللہ عنہ قبول اسلام کے بعد بارگاہ نبوی سے اس طرح وابستہ ہوگئے کہ رسول گرامی وقار ﷺ کی پوری حیات ظاہری میں کبھی جدا نہ ہوئے، سفر و حضر ہر جگہ حضور ﷺ کے ساتھ رہے اور نبوی فیضان سے بہرہ ور ہوتے رہے، اسی قرب وخدمت کی وجہ سے لوگ آپ کو صاحب النعل و الوسادة کہا کرتے تھے، جیساکہ صاحب اسد الغابۃ لکھتے ہیں: و لمّا أسلم عبدُ الله أخذه رسولُ الله ﷺ إليه، و كان يخدمه، و قال له: "اذنك على أن تسمع سوادي و يرفع الحجاب" فكان يلج عليه، و يلبسه نعليه، و يمشي معه و أمامه، و يستره إذا اغتسل، و يوقظه إذا نام، و كان يعرف في الصحابة بصاحب السواد و السواك. (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی بارگاہ میں رکھ لیا، وہ حضور ﷺ کی خدمت کرتے رہے، حضور ﷺ نے آپ سے ارشاد فرمایا: "میری جانب سے تمھیں اس بات کی اجازت ہے کہ تم پردہ ہٹاکر میرے راز کی باتیں سنو"۔ حضرت عبداللہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آتے جاتے تھے اور حضور ﷺ کو نعلین پہناتے تھے، بحیثیتِ خادم آپ کے ساتھ اور آپ کے آگے چلا کرتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ غسل فرماتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پردہ کرتے اور جب حضور ﷺ آرام فرماتے تو آپ بیدار کرتے اور یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان صاحب سواد (رازدار) اور صاحب سواک (مسواک بردار) کے لقب سے مشہور تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی اس طرح خدمت کرنے اور برابر آپ کی صحبت اقدس میں حاضر رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے آپ کو اس بات کی اجازت دے دی کہ جب تک حضور ﷺ منع نہ کریں آپ پردہ اٹھاکر راز کی باتیں سن سکتے ہیں۔ عبد الرحمٰن بن یزید کا بیان ہے! "سمعت ابن مسعود یقول: قال لي رسول الله ﷺ: "اذنك علی ان یرفع الحجاب و ان تسمع سوادی حتی انهاك." (مسلم شریف، ج:۲، ص:۲۱۵، مجلس برکات)

ترجمہ: میں نے عبد اللہ بن مسعود کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: میں تمھیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ جب تک میں منع نہ کروں تم حجرے کا پردہ ہٹاکر میرے راز کی باتیں سن سکتے ہو۔

ابو الاحوص کا بیان ہے: "شهدت أبا موسیٰ و ابامسعود حین مات ابن مسعود فقال احدهما لصاحبه: أتراه ترك بعد مثله فقال: إن قلت ذاك ان كان ليوذن له اذا حجبنا و يشهد اذا غبنا."
(مسلم شریف، ج:۲، ص:۲۹۳، مجلس برکات)

ترجمہ: جس وقت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، میں اس وقت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اس وقت ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کیا تمھارے خیال میں حضرت ابن مسعود کے بعد کوئی شخص ان کے جیسا ہے؟ دوسرے نے کہا، اگر تم یہ کہتے ہو تو سنو! ان کی شان یہ تھی کہ جب ہمیں بارگاہ رسالت میں باریابی نہیں ہوتی تھی، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت بھی اجازت ہوتی تھی اور جس وقت ہم غائب ہوتے تھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت بھی حاضر بارگاہ ہوتے تھے۔

اسلام میں آپ کا مقام و مرتبہ: اسلام میں آپ کا بہت اعلیٰ وارفع مقام ہے، آپ سابقین اولین میں سے ہیں، آپ نے آغاز اسلام میں اس وقت اسلام قبول کیا جس وقت سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب مسلمان ہوئیں اور پانچ چھ آدمی کے علاوہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں تھا۔ علّامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: أحد السابقين الأولين أسلم قديما." (الاصابۃ، ج:۴، ص:۱۳۹۹)

ترجمہ: سابقین اولین میں سے ہیں، ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے۔

صاحب اسد الغابۃ لکھتے ہیں: كان إسلامه قديما أوّل الاسلام، حين أسلم سعيد بن زيد و زوجته فاطمة بنت خطاب قبل اسلام عمر بزمان. (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۲)

آپ خود کہتے ہیں: "لقد رأيتني سادسة، ما على ظهر الارض مسلم غيرنا" (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۲)
میں اپنے آپ کو چھٹواں مسلمان سمجھتا ہوں، اس وقت روئے زمین پر ہم چھ لوگوں کے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا۔
"السابقون الأولون" کے تعلق سے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۱۰۰)

ترجمہ: اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔ (کنزالایمان)

خوف خدا: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر خوف خدا اور خشیت ربانی ہمیشہ طاری رہتی۔ قہر خداوندی، قیامت کی ہولناکی اور اس کے احتساب کا ڈر آپ پر اکثر اپنا تسلط قائم رکھتا، بسا اوقات یہ کیفیت وحالت اس قدر بڑھ جاتی کہ آپ سہم جاتے اور آپ کی زبان پر اس طرح کے کلمات نکلتے: وددت انی اذا مت لم ابعث۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۱۲)

ترجمہ: کاش! جب میں مروں تو دوبارہ اٹھایا نہ جاؤں۔

"لو سخرت من کلب لخشیت ان احول کلبا" (سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۶)

ترجمہ: اگر میں کسی کتے کا مذاق اڑاؤں تو ڈر ہے کہ میں کتا نہ بن جاؤں۔

آپ خود کہا کرتے تھے: "لو تعلمون ذنوبی، ما وطی عقبی اثنان، و لحشیتم التراب علی راسی، و لو ددت أن الله غفر لی ذنبا من ذنبی، و أنی دعیت عبد الله بن ورثه" (سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۹۵، موسسۃ الرسالۃ)

ترجمہ: اگر تم میرے گناہوں کو جان لو تو میرے پیچھے دو آدمی بھی نہ آئے اور ضرور تم میرے سر پر مٹی ڈال دو گے، اور میری خواہش و تمنا ہے کہ اللہ رب العزت ہمارے گناہوں کو بخش دے اور میں عبداللہ بن ورثہ کے نام سے پکارا جاؤں۔

عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے: "کان عبد الله اذ هدأت العیون قام فسمعت له دو یا کدوي النحل حتی یصبح." (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۶)

ترجمہ: جب لوگ سو جاتے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اٹھتے، میں نے رات میں آپ کو اس حال میں سنا ہے کہ صبح تک مکھی سی بھنبھناہٹ کی آواز آتی رہتی"۔ خوف خدا اور خشیت الٰہی آپ کے دل میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ آپ اکثر روتے رہتے، اس رونے کی وجہ سے آپ کے چہرہ پر نشان پڑ گیا تھا۔ زید بن وہب کہتے ہیں: "رأیتُ بعینيّ عبدِ الله أثر ین أسودین من البکاء۔" (سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۹۵)

یعنی میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں دیکھا ہے کہ رونے کے سبب دو کالے کالے نشان پڑ گئے۔

حُبِّ رسول: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دل حُبِّ رسول اور عشق نبی سے معمور تھا، بلکہ آپ کا پورا وجود محبت رسول سے سرشار تھا۔ آپ کے حب نبی کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے: "ان النبی ﷺ أتی بین أبی بکر و عمر و عبد الله یصلی فافتتح النسآء فقال ﷺ من أحب ان یقرأ القرآن غضا کما نزل فلیقرأ علی قرأة بن ام عبد ثم قعد یسئل فجعل النبی ﷺ یقول: سل تعطه و قال فیما سأل اللهم إنی اسألك ایما نا لا یرتد و نعیما لا ینفذ و مرافقة نبیك سیدنا محمد فی اعلی جنة الخلد.

(الاستیعاب علی الاصابۃ، ج:۲، ص:۳۲۰)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ آئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے،

انھوں نے سورۃ نسا شروع کی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو قرآن کو اس طرح پڑھنا چاہے، جس طرح وہ نازل ہوا تو وہ قرآن کی قراءت ابن ام عبد کی قراءت پر کرے، پھر وہ بیٹھ کر دعا کرنے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا: اس وقت تم جو چاہو مانگ لو تمہیں مل جائے گا تو انھوں نے یہ دعا مانگی اے اللہ! میں ایسا ایمان طلب کرتا ہوں، جس میں کبھی ارتداد نہ ہو اور ایسی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور جنت خلد کے اعلیٰ مقام میں حضور ﷺ کی رفاقت کا خواستگار ہوں۔

زہد و ورع اور توکل علی اللہ: -حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زہد و ورع، تقویٰ و پرہیزگاری کے خوگر تھے اور استغنا و توکل، دنیا سے بے نیازی و بے رغبتی میں اپنی مثال آپ تھے، چناں چہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کے مرض الموت کے وقت آپ کا وظیفہ جاری کرنا چاہا تو آپ نے شدو مد کے ساتھ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا اور بڑی بے نیازی اور بے فکری سے جواب دیا: ”لا حاجۃ لی“ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: یہ وظیفے آپ کی صاحبزادیوں کے لیے آسانی کا باعث ہوں گے، اس پر آپ نے توکل علی اللہ کا تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ”أتخشیٰ علی بناتی الفقر، إنی امرت بناتی ان یقرآن کل لیلۃ سورۃ الواقعۃ، انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من قرأ الواقعۃ کُلَّ لیلۃ لم تصبہ فاقۃٌ أبدا“ (اسد الغابۃ، ج:۳، ص۳۸۷،۳۸۶)

ترجمہ: کیا تجھے میری بیٹیوں پر فقر کا ڈر ہے، میں نے اپنی بیٹیوں کو ہر رات سورۃ واقعہ پڑھنے کا حکم دیا ہے کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو ہر رات سورۃ واقعہ پڑھے اسے فاقہ کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

تمیم بن حرام کا بیان ہے: جالست اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فما رأیت أحدا أزھد فی الدنیا و لا أرغب فی الآخرۃ و لا أحب إلی أن اکون فی صلاحہ من ابن مسعود. (الاصابۃ، ج:۴، ص:۱۳۰)

ترجمہ: میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی مجلسوں میں بیٹھا، میں نے دنیا سے بے نیازی، آخرت کی طلب اور صلاح و تقویٰ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت والا تبار ہی نے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”من اراد الآخرۃ اضر بالدنیا و من اراد الدنیا أضر بالآخرۃ یا قوم فاخروا الفانی للباق.“ (سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۹۶)

ترجمہ: جس نے آخرت کو مقصود بنایا، اس نے دنیا کا نقصان کیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا اس نے آخرت کا نقصان کیا، اے لوگو! باقی رہنے والی آخرت کے مقابلے میں فنا ہونے والی دنیا کا نقصان برداشت کر لو۔

غزوات میں شرکت: آپ رضی اللہ عنہ نے اشاعت دین، اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلامی پرچم کی سربلندی کے لیے حضور اکرم ﷺ کی معیت میں جنگ بدر، احد، خندق اور دیگر غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مجاہدین اسلام کی فہرست میں اپنا نام درج کرایا، چناں چہ صاحب اسد الغابۃ لکھتے ہیں: ”و شھد بدرًا و احدا و الخندق و بیعۃ الرضوان و سائر المشاھد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و شھد الیرموك بعد النبی ﷺ“. (اسد الغابۃ، ج:۳، ص:۳۸۶)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنگ بدر، احد، خندق، بیعت رضوان اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام

غزوات میں شریک ہوئے، نبی کریم ﷺ کے پردہ فرماجانے کے بعد جنگ یرموک میں بھی آپ نے شرکت کی۔

عہدۂ قضا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے جہاں علم وفضل کی لازوال نعمت سے نوازا تھا وہیں انتظام و انصرام کی قوت و صلاحیت بھی ودیعت فرمائی تھی چناں چہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:"لو كنت مؤمّرا احدا منهم من غير مشورة لأمرت ابن ام عبد". (ترمذی شریف، ج:۲، ص:۲۲۲، مجلس برکات)

آپ کی علمی قیادت کی صلاحیت ولیاقت اور حضور اکرم ﷺ کی اس ارشاد کی بنیاد پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو امیر کوفہ کی وزارت، عہدۂ قضا، بیت المال کی نگرانی، مسلمانوں کی تعلیم و تربیت مذہبی امور کی پاسداری و نگہ بانی کی ذمہ داری تفویض کی اور اہل کوفہ کو یہ تحریر بھیجا:"قد بعثت اليكم بعمار بن ياسر اميرا و عبد الله بن مسعود معلما و وزيرا و هما من النجباء من اصحاب رسول الله ﷺ من اهل بدر اقتدوا بهما و اسمعوا قولهما قد آثرتكم بعبد الله بن مسعود علي نفسي" (الاستیعاب علی الصابة، ج:۲، ص:۳۲۳)

ترجمہ: میں نے عمار بن یاسر کو تمھارا امیر اور عبد اللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے معزز بدری صحابہ سے ہیں، ان کی اقتدا کرو، ان کا کہنا مانو، میں نے عبد اللہ بن مسعود کو بھیج کر اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جہاں پر حضور ﷺ سے بے پناہ الفت و محبت، وفاداری و جاں نثاری کا ثبوت دیا وہیں پر حضور ﷺ نے بھی ان کی شان میں مقدس جملے فرماکر دل جوئی فرمائی چناں چہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:إن لكل نبي سبعة نجباء و اعطيت انا اربعة عشر قلنا من هم قال انا و ابناى و جعفر و حمزة و ابو بكر و عمر و مصعب بن عمير و بلال و سلمان و عمار و عبد الله بن مسعود و ابو ذر و المقداد. (مشکوۃ شریف، ص:۵۸۰، سیر أعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۷۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے سات ایسے نجیب (ساتھی) ہوتے ہیں، جو اس کے دین کے رقیب ہوتے ہیں، مجھے ایسے چودہ اصحاب عطا کیے گئے، صحابہ نے حضرت علی سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں "علی" میرے دونوں بیٹے (حسن وحسین) جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان فارسی، عمار بن یاسر، عبد اللہ بن مسعود، ابوذر اور مقداد۔

علامہ ابن عبد البر نے یہ حدیث نقل کی ہے:"قال رسول الله ﷺ رضيت لامتي ما رضى الله لها و ابن ام عبد و سخطت لامتي ما سخط الله لها و ابن ام عبد." (الاستیعاب علی الاصابہ، ج:۲، ص:۳۰۹، سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۷۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے اس سے راضی ہوں، جس سے اللہ راضی ہے اور ابن ام عبد راضی ہیں اور میں اپنی امت کے لیے اس سے ناراض ہوں، جس سے اللہ ناراض ہے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ناراض ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:قال رسول الله ﷺ : اقتدوا بالذين من بعدى من أصحابي أبي بكر و عمر و اهتدوا بهدى عمار و تمسكوا بعهد بن مسعود".

(مشکوۃ شریف، ص:۵۸۰، سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۷۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد دو لوگ ابوبکر و عمر کی پیروی کرو، عمار بن یاسر کی سیرت حسنہ سے ہدایت حاصل کرو اور ابن مسعود کے عہد کو مضبوطی سے تھام لو۔

صحابہ کرام و دیگر حضرات کا حضرت عبد اللہ کے فضل و کمال کا اعتراف: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فضل و کمال کے اتنے اونچے مقام پر فائز تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ پر رشک کرتے، آپ کی برملا تعریف و توصیف کرتے اور آپ کے خصائص و کمالات کا اعتراف کرتے چناں چہ حبہ بن جوین سے مروی ہے کہ: ہم لوگ مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ لوگوں نے کہا: ”ما رأينا رجلا أحسن خلقا و لا ارفق تعليما و لا أحسن مجالسة و لا اشد ورعا من ابن مسعود قال علی :أنشدكم الله أهو لصدق من قلو بكم! قالوا نعم، قال: اللهمَّ اشهد أني اقول مثل ما قالوا و افضل “(اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۶)

ترجمہ: ہم لوگوں نے کسی آدمی کو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ اچھے اخلاق والا، بہترین معلم، عمدہ مجلس والا اور زیادہ زہد و ورع والا نہیں دیکھا، اس پر مولائے کائنات نے کہا: میں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم لوگ یہ باتیں سچے دل سے کہہ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا، ہاں! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں اور وہی کہتا ہوں جو تم لوگوں نے کہا بلکہ اس سے بڑھ کر بولتا ہوں۔

زید بن وہب کا بیان ہے: كنت جالسا في القوم عند عمر اذ جاء نحيف قليل اللحم فجعل عمر ينظر إليه و يتهلل وجهه ثم قال كنيف ملئ علما كنيف ملئ علما فاذا هو ابن مسعود.

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۵۶)

ترجمہ: میں کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دبلا پتلا کمزور آدمی آیا، ان کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ دمکنے لگا اور فرمایا: یہ علم سے بھرا ہوا برتن ہے یہ علم سے بھرا ہوا برتن ہے، وہ دبلے پتلے آدمی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔

عقبہ بن عمرو نے کہا: ما أرى أحدا أعلم بما انزل على محمد صلی اللہ علیہ وسلم من عبد الله. (اعلام الموقعین، ج:۲، ص:۱۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا، اس کا جاننے والا حضرت عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ میں کسی کو نہیں سمجھتا۔

حضرت مسروق کا بیان ہے: إنتهى علم الصحابة إلىٰ ستة: عمر و علي و أبي و زيد و أبي الدرداء و ابن مسعود، ثم انتهىٰ علم الستة إلى علي و عبد الله بن مسعود.

(رد المحتار، ج:۱، ص:۱۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سیر اعلام النبلا، ج:۱، ص:۴۹۳)

ترجمہ: تمام صحابۂ کرام کا علم ان چھ صحابہ میں جمع ہو گیا، عمر، علی، ابی بن کعب، زید بن ثابت ابو درداء اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر ان چھوؤں صحابہ کا علم حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس تھا۔

جب حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا: ”ما ترك بعده مثله“ حضرت عبد اللہ نے اپنے بعد اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ (اسد الغابۃ، ج:۳، ص:۳۶۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خداداد صلاحیت و لیاقت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کا معلم و مربی بناکر بھیجا تھا، وہاں پہنچ کر آپ نے لوگوں کے سامنے اسلامی تعلیمات کو نبوی اسلوب میں اس طرح پیش کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف آپ کے تبحر علمی اور طریقۂ تدریس کی شہرت ہونے لگی چناں چہ آپ کی علمی جولانیت و قابلیت کی تعریف سن کر عالم اسلام بالخصوص کوفہ کے طلبہ کا سیلاب آپ کی بارگاہ میں امنڈ پڑا اور طالبان علوم دینیہ کا تانتا بندھ گیا اور ان کی تعداد ہزار سے تجاوز کرگئی۔ علامہ نووی تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں؛"سمع عنه خلائق لا يحصون من كبار التابعين".

(تہذیب الاسماء واللغات بحوالہ تذکرۃ حضرت عبداللہ بن مسعود، ص:۶۵، کمال بکڈپو)

ترجمہ: کبار تابعین میں سے اتنے لوگوں نے آپ سے سماع کیا جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔

اسرارالانوار میں ہے:"كان ابن مسعود بالكوفه وله اربعة آلاف تلميذ يتعلمون بين يديه"

(اسرارالانوار بحوالہ تذکرۃ حضرت عبداللہ بن مسعود، ص:۶۵)

کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے چار ہزار شاگرد تھے، جو آپ سے علم حاصل کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک عرصہ دراز تک دینی و مذہبی تعلیم و تربیت میں کوفہ کے اندر مشغول و مصروف رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ مفسرین، محدثین، فقہا، علما اور قرا کی جماعت سے بھر گیا اور اسے علمی اور مذہبی مرکزیت حاصل ہوگئی۔

مولائے کائنات سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کے استقبال اور خیر مقدم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ و طلبہ اتنی کثیر تعداد میں آئے کہ پورا میدان بھر گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی علمی کاوشوں کو ان طلبہ کی شکل میں دیکھ کر مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے کافی خوشی کا اظہار کیا اور فرط مسرت میں یہ دعائیہ جملہ ارشاد فرمایا:"رحم الله ابن ام عبد قد ملأ هذه القرية علما وفي لفظ اصحاب ابن مسعود سرج هٰذه القرية"

(مقدمة المحقق بدائع الصنائع، ج:۱، ص:۲۸، بحوالہ تذکرۃ حضرت عبداللہ بن مسعود، ص:۶۶، کمال بکڈپو)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان یہ تھی کہ اجلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے اکتساب فیض کیا اور روایتِ حدیث کی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں آپ سے اکتساب فیض کرنے والے: حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمران بن حصین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت جابر، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابورافع وغیرھم رضی اللہ عنہم ہیں۔ (اسد الغابۃ، ج:۳، ص:۳۸۶)

تابعین میں آپ سے استفادہ کرنے والے: حضرت علقمہ، حضرت ابووائل، حضرت اسود، حضرت مسروق، حضرت عبیدہ، حضرت قیس بن ابوحازم وغیرھم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۸۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود کا فقہ و اجتھاد: یوں تو عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

کل تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔ (مقدمہ ابن الصلاح و محاسن الاصلاح، ص:۴۹۶)

لیکن ان میں ہر صحابی رضی اللہ عنہم فقیہ و مجتہد تھے نہ وہ اپنے آپ کو فتویٰ کا اہل سمجھتے تھے اور نہ وہ اسلامی معاشرے میں اہم ذمہ داری کا اہل سمجھے جاتے تھے، لیکن ان میں چند ہی صحابہ فقیہ و مجتہد تھے جو عہد رسالت میں فتویٰ دیتے تھے، دیگر صحابہ ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ان مجتہدین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں پہنچتی ہے۔ جیسا کہ شرح فتح القدیر میں ہے: ''لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم أكثر من عشرين''. (شرح فتح القدیر، ج:۳، ص:۳۳۵)

ترجمہ: صحابہ میں سے مجتہدین فقہا کی تعداد بیس سے زائد نہیں۔

ان بیس مجتہدین صحابہ میں کچھ مجتہدین صحابہ وہ ہیں جن سے بکثرت فتاویٰ منقول ہیں، ایسے کل سات صحابی ہیں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

(الاحکام، ج:۵، ص:۹۲)

یہاں پر اس بات کی وضاحت و صراحت کرنا مناسب ہے کہ عہد صحابہ میں جب کبھی اور جہاں کہیں نت نئے مسائل پیش ہوئے، اکثر و بیشتر انہی سات اکابر مجتہدین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نہ کسی کے پاس جاکر مسئلہ کا حکم، اس کا حل اور جواب پوچھا جاتا تھا اور جن سے کبھی مسئلہ معلوم کیا جاتا وہ اپنی مجتہدانہ صلاحیت و بصیرت سے کبھی فوراً جواب دے کر سائل کو مطمئن کر دیتے اور عمل کا راستہ و پتہ بتاتے جیسا کہ کسی نے میراث کا ایک نہایت پیچیدہ و دقیقہ مسئلہ دوران خطبہ ہی حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ سے پوچھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس کا حل بتا دیا وہ جواب آج تک مسئلہ منبریہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اور کبھی بعد میں سائل کو جواب دیتے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہر اور میراث مفوضہ کے مسئلے کا جواب ایک مہینے کے بعد دیا تھا۔ (ماخوذ از سنن ابی داؤد، ج:۱، ص:۲۸۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی فطرت میں کیسا عظیم اجتہادی ملکہ ودیعت کیا گیا تھا، اور بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضری، صحبت و خدمت نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایسا جلا و نور بخشا تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو حل کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان تھا۔ ان اکابر مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجتہدانہ صلاحیت اور فقیہانہ بصیرت، مزاج شریعت سے مناسبت اور اس میں رسوخ و پختگی نے انھیں مرجع خلائق بنایا تھا، مسائل کے حل میں سب کی نگاہیں انھیں کی طرف اٹھتی تھیں اور انہی کے بتائے ہوئے شرعی احکام پر عمل کیا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہر مجتہد نے جن مسائل کو حل کیا یہ انفرادی اجتہادی مسائل کا ذخیرہ ہر مجتہد کے انداز فکر و نظر کا شاہد اس کی اجتہادی آرا و نظریات کا جامع اور اسکی اصابت رائے کا شاہکار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے فقہی و اجتہادی مقام و مرتبہ کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ خطیب بغدادی نے بسند متّصل علی بن المدینی کا بیان ان الفاظ میں کیا ہے: لم یکن من اصحاب النبی

ﷺ احد له اصحاب يقومون له بقوله فی الفقه الا ثلاثة، عبد الله بن مسعود و زيد بن ثابت و ابن عباس و كان لكل واحد منهم اصحاب يقومون لقوله و يفتون الناس. (سیر اعلام النبلا، ج:۲، ص:۴۳۸)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایسا نہ تھا جس کے شاگرد فقہ میں ان کے اقوال پر جمے رہتے اور عمل کرتے اور اس کے فقہی مذہب کو اختیار کرتے مگر تین صحابی رضی اللہ عنہم۔ ۱- حضرت عبد اللہ بن مسعود ۲- حضرت زید بن ثابت ۳- حضرت عبد اللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد ان کے قول کو اختیار کرتے اور لوگوں کو ان کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے بلند ترین فقیہ تھے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مجتہد اعظم و خلیفہ راشد سے فقہی مسائل میں سو سے زیادہ مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے، چناں چہ ابن حزم فرماتے ہیں: "أما اختلافهما فلو تقصی يبلغ از يد من مائة مسئلة" (الاحکام فی اصول الاحکام، ج:۶، ص:۶۱)

ترجمہ: حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے مابین اختلافی مسائل کو اگر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سو سے زائد ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تادم حیات مرجع الفتاوی والخلائق رہے، فقہ و اجتہاد میں آپ کی شان یہ تھی کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہا کرتے تھے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی موجودگی میں ہم لوگوں سے مسئلہ مت پوچھا کرو جیسا کہ ابو عمرو شیبانی کا بیان ہے: إن أبا موسیٰ استفتی فی شی من الفرائض، فغلط و خالفه ابن مسعود، فقال ابو موسیٰ: لا تسألونی عن شی مادام هٰذا الحبر بين اظهركم" (سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص۴۹۲، ۴۹۳)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں علم فرائض کا ایک استفتا پیش کیا گیا، اس میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ خطا کر گئے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے مسئلہ کی تصحیح کی، اس پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جب تک یہ بڑے عالم تمھارے درمیان ہیں مجھ سے سوال مت کرنا۔

ایک فقیہ اور مجتہد کے لیے علم قرآن اور علم حدیث پر کماحقہ درک حاصل کرنا ضروری ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان علوم پر مکمل دسترس اور عبور حاصل تھا، علم قراءت میں آپ کی مہارت اور اس میں گہرائی اور گیرائی کی سند تو خود نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے دی تھی جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو کا بیان ہے: سمعت رسول الله يقول: استقرؤا القرآن من أربعة من ابن مسعود و سالم مولٰی أبی حذيفة و ابی بن كعب و معاذ بن جبل. (مسلم شریف، ج:۲۔ص:۲۹۳)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو، عبد اللہ بن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔

خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: والذی لا إله غيره ما من كتاب الله سورة إلا انا اعلم

حیث نزلت و مامن آیة إلا انا اعلم فیما نزلت و لو اعلم احدا هو اعلم بکتاب الله منی تبلغه العلم لرکبت إلیه. (مسلم شریف، ج:۲، ص:۲۹۳)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کتاب اللہ کی ہر سورت کے متعلق مجھے علم ہے کہ وہ کب نازل ہوئی اور کتاب اللہ کی ہر آیت کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ وہ کس چیز کے متعلق نازل ہوئی اور اگر مجھے یہ علم ہو جائے کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے اور اونٹوں پر سفر کر کے جانا ممکن ہے تو ضرور میں اس کے پاس اونٹوں پر سوار ہو کر جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس قدر جلیل القدر مجتہد اور عظیم الشان فقیہ تھے کہ آپ جیسا فقیہ کوفہ میں کوئی نہیں آیا، چناں چہ امام شعبی علیہ الرحمہ کوفہ کے بڑے بڑے فقہا و مجتہدین کے اجتہادی پہلو کا مطالعہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ما دخل بالکوفة أحد من الصحابة انفع علما و لا افقه صاحبا من عبد الله.

(نیٹ پر یہ عبارت مل رہی ہے مگر میرے مطالعے کی روشنی میں کسی کتاب میں یہ عبارت نہ مل سکی سوائے تذکرۂ حضرت عبداللہ بن مسعود، ص:۶۳، کمال بکڈپو کے)

ترجمہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم و فقیہ شخص کوفہ میں نہیں آیا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ نے آپ کی تعلیمات و فرمودات کو محفوظ رکھا اور اسے تحریر کی خوب صورت موتیوں میں پیش کیا، چناں چہ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں: "لم یکن أحد له اصحاب معروفون حرروا فتیاه و مذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود۔ (مقدمة المحقق بدائع الصنائع، ج:۱، ص:۲۸، بحوالہ تذکرۃ حضرت عبداللہ بن مسعود، ص:۶۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے ایسے مشہور تلامذہ نہ ہوئے جنہوں نے اپنے استاذ کے فتاوی اور مذاہب فقہ کو تحریر کیا۔

یہی تحریرات و فرمودات واسطہ بواسطہ جب امام الائمہ، کاشف الغمہ، سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو امام الائمۃ نے ان پر فقہ حنفی کی بنیاد رکھی اور مستقل مذہب حنفی کی داغ بیل ڈالی اور اسلامی تعلیمات کو عالم اسلام کے کونے کونے تک پہنچانے کی سعی بلیغ اور عمدہ کوشش کی، چناں چہ صاحب در مختار نے فقہائے کرام کا مشہور و معروف، عمدہ و نفیس مقولہ نقل کا ہے: الفقه زرعه عبد الله بن مسعود رضی الله عنه، و سقاه علقمة، و حصده ابراهیم النخعی، و داسه حماد، و طحنه أبو حنیفة و عجنه أبو یوسف و خبزه محمد فسائر الناس یأکلون من خبز. (در مختار مع رد المحتار، ج:۱، ص:۱۴۲، ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت)

فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود نے بویا، حضرت علقمہ نے اسے سینچا، ابراہیم نخعی نے اسے کاٹا، حماد نے اس کو گاہا، ابو حنیفہ نے اس کو پیسا امام ابو یوسف نے اسے گوندھا، امام محمد نے روٹی پکائی، باقی سب اسے کھا رہے ہیں۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اجتہاد و استنباط احکام کے طریقے کو فروغ بخشا اور حضرت علقمہ نے اس کی تائید و ترویج کی ابراہیم نخعی نے اس کے فوائد متفرقہ جمع کیے، حماد نے اس کی توضیح و تنقیح کی، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کے اصول و

فروع کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر تدوین کا مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا، ابو یوسف نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ قواعد و اصول کی روشنی میں مزید فروع و احکام کا استنباط کیا پھر امام محمد نے فقہ کو استنباط و تنقیح، تہذیب و تحریر کی اس منزل تک پہنچا دیا کہ اب مزید کسی چیز کی حاجت نہ رہی (ماخوذ از رد المحتار، ج:۱، ص:۱۴۱، ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت عبداللہ کے اجتہاد و قیاس کی چند مثالیں: اب میں یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اجتہاد و قیاس کی چند مثالیں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ان مثالوں سے ان کی اجتہادانہ شان آشکارا ہو جائے۔ یوں تو آپ کے اتنے فتاویٰ ہیں کہ اگر ان کو ترتیب دیا جائے اور ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم اور مبسوط کتاب تیار ہو جائے گی۔

قیاس اصول فقہ کا چوتھا رکن ہے جو در حقیقت قرآن، حدیث اور اجماع کی ایک شاخ اور اس کا ایک حصہ ہے، لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی بند گرہوں کو کھولنے کے اعتبار سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات صراحۃً مذکور نہیں ہیں اس لیے علت مشترکہ کا قاعدہ بنا کر جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے، چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لیے وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیے جو آج اصول فقہ حنفی کی بنیاد ہیں۔

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے حائل ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو صرف قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دے اور آئندہ جب کبھی موقعہ آئے اپنے ارادے کو پورا کرے جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کیا تھا۔ لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ "مجبوری" کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص و افراد کے لیے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چناں چہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ میں عمرہ کے لیے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے ڈس لیا اور اب جانے کی طاقت نہ رہی تو فرمایا تم صرف قربانی بھیج کر احرام کھول دو اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو۔ (موطا امام محمد، ص:۲۳۲)

-علم فرائض کا ایک قاعدہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی اسی کو وراثت میں ترجیح دی جائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو علاتی یا اخیافی بھائی پر صرف اس لیے ترجیح حاصل ہے کہ اول الذکر کو ماں باپ دونوں طرف سے قرابت ہے برخلاف مؤخر الذکر کے کہ ان دونوں میں صرف ایک حیثیت سے قرابت پائی جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قاعدہ کو دیگر قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں، مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچا زاد بھائی چھوڑے اور زید کو اس رشتے کے علاوہ میت کے اخیافی بھائی ہونے کی بھی نسبت حاصل ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس صورت میں دو، دوجہت قرابت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ (التوضیح والتلویح)

مذکورہ مسائل قیاسی کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گرہیں اور مشکل مسائل صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئے، آپ استنباط احکام و تفریع پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے اور نصوص شرعیہ میں ناسخ و منسوخ، موقت و موبد کی تفریق کر کے صحیح استنباط حکم کی راہ پیدا کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی بارگاہ میں ایک استفتا آیا کہ ایک حاملہ عورت

جس کا شوہر مرجائے اس کی عدت کیا ہے؟ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں۔ سورۂ بقرہ میں یہ حکم مذکور ہے:-

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (سورۂ بقرہ:۲، آیۃ:۲۳۴)

اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ تو جب ان کی عدت پوری ہوجائے تو اے حمل والیو تم پر مؤاخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۂ طلاق، آیت:۴)

ترجمہ: حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔

ان آیتوں کی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو اس کو اس کی عدت قرار دیا جائے تا کہ دونوں آیات کا توافق ہوجائے لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وضع حمل عدت قرار دی اور فرمایا میں اس کے لیے مباہلہ کرسکتا ہوں کہ سورۂ نسا سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (التوضیح، ص:۶۲، مجلس برکات)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس یہ استفتا آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس وقت نکاح میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، تو کیا اب وہ عورت مہر و وراثت کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فی الفور جواب نہ دیا، مستفتی کے ضد اور اصرار کے باوجود ایک مہینہ تک خاموش رہے لیکن جب زیادہ مجبور ہوگئے تو آپ نے فرمایا وہ عورت مہر مثل اور وراثت دونوں کی مستحق ہے اور اس عورت پر عدت بھی ہے پھر از راہ احتیاط ارشاد فرمایا: اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے، خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بری ہیں، اس وقت حاضرین میں دو صحابی رضی اللہ عنہ موجود تھے انھوں نے اٹھ کر کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ اس توافق سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔ (ماخوذ از ابوداؤد، ص:۲۸۸، کتاب النکاح)

سبحان اللہ! کس قدر گہرائی وگیرائی اور علم میں پختگی تھی کہ جب ایک اجنبی مسئلہ پر اجتہاد کیا تو عین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق کیا، ایسی جیتی وجاگتی مثالوں کے بعد بھی اگر کوئی قیاس واجتہاد کا انکار کرے اور اس کو خواہشات نفسانی سے تعبیر کرے تو سوائے اس بات کے کہ وہ شریعت اسلامیہ سے ناواقف و نابلد ہے اور بس۔

مذکورہ تمام باتوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر فقیہ و مجتہد تھے اور امت محمدیہ کے لیے انمول تحفہ اور فقہ حنفی کے لیے عظیم سرمایہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے قدم مبارک کے صدقے فقہ اسلامی کا وافر حصہ عطا فرمائے۔

وفات: ۳۲ھ میں آپ اس دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئے "إنا لله و انا إليه راجعون" امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (اسد الغابۃ، ج:۳، ص۳۸۷)

من المجتہدین

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۴۴ھ

غلام محمد ہاشمی مصباحی، اتر دیناج پور، جماعت: اختصاص فی الادب العربی ۸۰۰۹۴۸۲۵۹۲

اسم گرامی: آپ کا نام عبد اللہ تھا، **کنیت:** ابو موسیٰ تھی اور والد گرامی کا نام قیس تھا،

(اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۶۴/۳۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

سلسلۂ نسب: سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس بن سلیم، حضار اشعری، بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجاہر بن الاشعر۔ (تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۳۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

خاندانی پس منظر: حضرت ابو موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، آپ کا خاندان قبیلۂ اشعر سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ متعدّد خصوصیات اور گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے پورے یمن میں ممتاز اور مشہور تھا، اسی قبیلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ اشعری کے طور پر مشہور ہوئے، آپ خود اپنے قبیلے کے بلکہ اپنے علاقے کے سب سے بڑے رئیس تھے اور یہی حال آپ کے والد ماجد کا تھا، آپ کے والد ماجد ''قیس'' گوناگوں اوصاف اور خوبیوں کے حامل تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ ظبیہ بنت وہب قبیلۂ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ آپ کی دعوت و محنت پر مشرف بہ اسلام ہوئیں اور مدینہ منورہ پہنچ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

مولد و مسکن: سرزمین یمن کے ایک مشہور و معروف قبیلہ اشعر میں آپ پیدا ہوئے، آپ کی سن ولادت کیا ہے؟ اس سلسلے میں، میں نے متعدّد کتب سیرِ صحابہ کا مطالعہ کیا مگر نہ مل سکا۔ (ایضًا، ص:۲۳)

قبول اسلام: سرزمین مکہ اور آس پاس کے لوگ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت حق پر توجہ دینا چھوڑ دیے تھے، لیکن حق و صداقت کے متلاشیوں کا حال یہ تھا کہ وہ ہزاروں صعوبتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنے کے باوجود دور دراز علاقوں سے مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر دعوتِ حق قبول کرتے اور شجر اسلام کے چھاؤں میں آجاتے، سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا شہرہ جب یمن پہنچا، تو یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے مکہ مکرمہ آئے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے، اس کے بعد قبیلۂ عبد شمس سے آپ نے دوستانہ تعلق قائم کر لیا پھر یہ مژدہ سنانے کی غرض سے اور دعوت و تبلیغ کے ارادے سے اپنے وطن لوٹ گئے۔ آپ قبیلۂ اشعر کے چوں کہ ایک باوقار اور بااثر رئیس آدمی تھے، علاقے کا ہر ہر فرد آپ کی عظمت و رفعت کا لوہا مانتا تھا اس لیے آپ کی

دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عامہ حاصل کرلی، نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً پچاس آدمی قبولیت اسلام کے لیے تیار ہوگئے، متلاشیان حق کا یہ دستہ لے کر آپ سمندری راستے سے بارگاہ نبوت کی جانب روانہ ہوگئے مگر سمندری طوفان اور باد مخالف نے آپ کی کشتی کو بجائے حجاز مقدس کے حبش پہنچادیا، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر مظلوم حضرات ہجرت کرکے پہلے ہی سے پہنچے ہوئے تھے، انھوں نے جب مدینہ منورہ کا ارادہ کیا تو آپ بھی ان کے ہمراہ ہوگئے، اور اس وقت مدینہ منورہ پہنچے جب مجاہدین اسلام خیبر فتح کرکے واپس آرہے تھے چناں چہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ (حضرت ابو موسیٰ) کو اور آپ کے قافلہ والوں کو خیبر کے مال غنیمت سے حصہ عنایت فرمایا۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۶۰۸، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی اور لگاؤ: ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی اور لگاؤ کا عالم یہ تھا کہ آپ سنگین سے سنگین تر صورت حال میں بھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کوتاہی نہ کرتے بلکہ اپنے جان ومال کی بازی لگاکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت اور بچاؤ کی سعادت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے، راستے میں رات گزارنے کے لیے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک میں رہتے تھے، اس خطرہ سے رات کو آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں موجود نہ تھے، آپ تلاش میں نکل گئے، راستے میں ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے ہوئے تھے مل گئے، دونوں آگے بڑھے، اتنے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیے، دونوں نے عرض کیا! حضور اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے اس لیے جب بھی آپ کو کوئی ضرورت درپیش ہو ہم میں سے کسی کو حکم دے دیا کیجیے اور اکیلے نہ نکلیے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۴۱۵، دار الفکر، بیروت، لبنان)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی حیات بنوی کا آئینہ تھی، آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے موافق تھا، اور حتی المقدور ہمہ وقت یہی کوشش ہوا کرتی تھی کہ نقل وحرکت اور قول وفعل ہر ہر ادا ذات نبوی کا انمول نمونہ بن جائے ایک موقعہ پر آپ نے اپنی اس حرص وکوشش کا اظہار اپنے ان الفاظ میں فرمایا:

"ابو مجلز روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آرہے تھے کہ راستے میں عشا کی نماز کا وقت ہوگیا، آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہوکر سورۃ النساء کی سو آیتیں پڑھ ڈالیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ میری یہ ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قدم مبارک رکھا ہے وہاں میں بھی قدم رکھوں اور جو کام آپ نے کیا ہے وہ میں بھی کروں"۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد:۴، ص:۴۱۹، دار الفکر بیروت، لبنان)

رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے محض اس لیے رکھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے، اسی طرح عاشورہ کا روزہ اس لیے رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکھتے تھے، سنت رسول کی خود بھی اتباع کرتے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس کی ہدایت دیتے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر ہر حکم کا ہمہ وقت لحاظ رہتا، فرمان نبوی ہے:

"جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو پہلے اجازت لے لے، اور تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اگر جواب نہ آئے تو واپس آجائے"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فرمان پر سختی سے عمل کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، تین

مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی تو واپس چلے آئے، دوسرے وقت میں جب حضرت عمر سے ملاقات ہوئی اور پوچھے کہ تم کیوں واپس ہوگئے تھے؟ تو کہا کہ میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی جب اجازت نہ ملی اور کوئی جواب نہ آیا تو واپس چلا آیا کیوں کہ حضور ﷺ نے یہی حکم دیا ہے۔

(بخاری شریف، ج:۲، ص:۹۲۳، کتاب الاستئذان، باب التسلیم و الإستئذان ثلاثاً، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

حضور ﷺ سے وابستگی ولگاؤ اور آپ کی سنت کی اتباع وپیروی کالحاظ زندگی کے آخری لمحہ تک باقی رہا چناں چہ مرض الوفات کے موقع پر جب گھر کی کسی عورت کے گود میں سر رکھے ہوئے تھے، اچانک غشی طاری ہوگئی، عورت نے گریہ وزاری شروع کردی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی لیکن جب ہوش آیا تو فرمایا کہ جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے براءت ظاہر کی ہے اس سے میں بھی اظہار براءت کرتا ہوں، اس لیے کہ حضور ﷺ نے گریبان چاک کرنے والی، نوحہ کرنے والی، سر کے بال نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے براءت ظاہر کی ہے۔

(مسلم شریف، ج:۱، ص:۷۰، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب والدعاء بدعویٰ الجاهلیہ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

غزوات و سرایا میں شرکت: اوپر بیان ہو چکا کہ غزوۂ خیبر میں آپ عملی طور پر شریک نہ ہوسکے مگر پھر بھی سرکار ﷺ نے آپ کو اور آپ کے قافلہ والوں کو مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا، اس کے بعد فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں آپ شریک ہوئے۔ بنو ہوازن غزوۂ حنین سے شکست کھا کر وادئ اوطاس میں جمع ہونے لگے تو اس وقت حضور ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے حضرت ابو عامر کی قیادت میں ایک فوجی دستہ روانہ کیا جس میں حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی شامل تھے، جنگ میں حضرت ابو عامر نے بنو ہوازن کے سردار درید بن صمّہ کو قتل کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھیوں کو شکست فاش دی لیکن اچانک جشمی نامی ایک مشرک کے تیر سے حضرت ابو عامر زخمی ہوگئے آپ نے اس کا تعاقب کیا اور دو دھاری تلوار سے قتل کر ڈالا، واپس آکر حضرت ابو عامر کو اس کے قتل کی خبر سنائی مگر چوں کہ حضرت ابو عامر کا زخم کافی گہرا تھا اس لیے زیادہ دیر تک وہ زندہ نہ رہ سکے، کچھ وصیتیں کر کے اس دار فانی سے کوچ کر گئے، اور آپ اس فوجی دستے کے امیر مقرر ہوگئے۔

(بخاری شریف، ج:۲، ص:۶۱۹، باب غزوۂ اوطاس، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

یمن کی ولایت: وہاں سے واپسی کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ آپ کو لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے کسی عہدہ کی خواہش ظاہر کی، حضور کو یہ ناگوار گزرا، آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے اس کے بارے میں پوچھا، انھوں نے بتایا: حضور! ان دونوں کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ اس طرح کی باتیں کریں گے، اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا لیکن اے ابو موسیٰ تم یمن جاؤ، میں نے تم کو وہاں کا عامل اور گورنر مقرر کیا، یمن دو حصوں میں منقسم تھا ایک اقصیٰ یمن دوسرا ادنی یمن یعنی زیریں یمن، پہلے میں حضرت معاذ بن جبل کا تقرر ہوا اور دوسرے میں آپ مامور ہوئے، اس کے بعد حضور ﷺ نے آپ دونوں کو نصیحت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا "یسّروا ولا تعسّروا، بشّروا ولا تنفروا وتطاوعا" یعنی یمن

والوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا، ان پر سختی نہ کرنا، انھیں خوش کرنا ناراض نہ کرنا"۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۱۰۲۳، کتاب إستتابه المعاندين والمرتدين وقتالهم ، باب حكم المرتد والمرتدة، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

عہد رسالت سے لے کر عہد فاروقی کے ابتدائی ایام تک آپ یمن کے امیر رہے اور بڑی ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔ (اسد الغابۃ جلد:۳، ص:۳۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

فتح نصیبین: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب عراق پر عام لشکر کشی ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ یمن کی گورنری سے مستعفی ہو گئے اور جہاد کی غرض سے عراق جا پہنچے، عراقی مہم کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے آپ کو نصیبین کی مہم پر اسلامی فوج کا امیر مقرر کر دیا، آپ نے بڑی دلیری و بہادری، محنت و جاں فشانی اور زیرکی و دانش مندی سے نصیبین فتح کر لیا۔ (اسد الغابۃ جلد:۳، ص:۳۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ولایت بصرہ: ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو وہاں کا حاکم اور گورنر مقرر کیا، اس وقت حضرت عمر نے تحریری طور پر اہل بصرہ کے نام جو مکتوب لکھ کر بھیجا تھا وہ یہ تھا: "میں نے ابو موسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائیں، تمھارے دشمنوں سے لڑیں، ذمیوں کی حفاظت کریں، تمھاری آمدنی کا حساب تم کو دیں، پھر اس کو تم میں تقسیم کریں اور تمھارے راستوں کو تمھارے لیے صاف رکھیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ اسد الغابۃ جلد:۳، ص:۳۶۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

متعدّد فتوحات میں شرکت: حضرت ابو موسیٰ اشعری نے امارت بصرہ کے زمانے میں ایرانی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، چناں چہ انھوں نے سب سے پہلے خوزستان کو فتح کرنے کی غرض سے جو اب تک ایرانیوں کے قبضے میں تھا اہواز پر حملہ کیا پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے ناذر، سوس، رامہرمز، معرکہ نہاوند اور اصفہان وغیرہ میں قیادت کی اور ان سب میں اپنی حکمت عملی اور دانش مندی سے فتوحات حاصل کیں۔ (اسد الغابۃ جلد:۳، ص:۳۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ذی الحجہ ۲۳ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے، اس وقت عہد فاروقی کے اکثر و بیشتر عمال و حکام ایک ہی سال کے بعد اپنے عہدوں سے سبک دوش ہو گئے مگر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سبک دوش نہ ہوئے بلکہ ۲۹ھ تک بصرہ میں فریضۂ امارت سر انجام دیتے رہے۔

(تہذیب التہذیب ج؛۵، ص؛۳۶۳، دار الفکر بیروت، لبنان)

اسی ۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کر دی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے مسجد میں ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا اور پا پیادہ راہ خدا میں چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی پیدل چلنے کے لیے تیار ہو گئے جن کے پاس گھوڑے اور سواری کے جانور تھے، مگر حضرت ابو موسیٰ کے کچھ مخالفین نے یہ کہا کہ ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ دیکھنا چاہیے ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے چناں چہ صبح کے وقت جب حضرت ابو موسیٰ اشعری گھوڑے پر سوار ہوئے تو کچھ لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی اور اس پر اعتراض کیا۔

ظاہر سی بات ہے کہ حضرت ابو موسیٰ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جن کے پاس گھوڑے وغیرہ ہیں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ

لیں لیکن چوں کہ حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت کا یہ نصف اخیر تھا جو فتنہ اور سازش کا دور تھا اس لیے کچھ لوگوں نے دربار خلافت میں ان کی شکایت کر دی اور معزولی کا مطالبہ بھی کیا، حضرت عثمان غنی نے ان کے مطالبے پر حالات کو مدنظر رکھ کر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو معزول کر دیا۔ پھر ۳۴ھ میں کوفہ کے گورنر بنائے گئے اور حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد جب کشت وخوں ریزی کا بازار گرم ہوا تو کسی بھی فریق کی حمایت کیے بغیر گورنری چھوڑ دی اور شام میں گوشہ نشیں ہو گئے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ملخصًا ومفہومًا از: تاریخ طبری، ص:۲۸۲۸)

جنگ صفین کے التوا میں حضرت علی کرم اللہ تعالی وجهه الکریم کی طرف سے آپ، اور حضرت امیر معاویہ کی طرف سے حضرت عمر بن عاص حکم مقرر ہوئے، دومۃ الجندل میں دونوں حکموں کو اپنا فیصلہ سنانا تھا مگر دونوں کے فیصلوں میں اتفاق نہ ہو سکا اس لیے حضرت ابوموسیٰ اشعری وہاں سے مکہ چلے آئے۔ (اسد الغابۃ جلد:۳، ص:۳۶۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان۔ ملخصا از تاریخ طبری، ص:۲۸۲۸)

فقہی واجتہادی ژرف نگاہی اور ان کے نمونے: حضرت ابوموسیٰ اشعری ان ممتاز فقہائے صحابہ میں سے تھے جنھیں بارگاہ رسالت ونبوت میں خاص تقرب اور شرف پزیرائی حاصل تھا، وہ بارگاہ رسالت سے براہ راست اپنی علمی، فقہی اور اجتہادی تشنگی بجھا چکے تھے، کوفہ میں حضرت علی اور ان سے بڑا کوئی فقیہ اور عالم موجود نہیں تھا، قرآن وحدیث اور فقہ وتفقہ میں مکمل دسترس اور مہارت رکھتے تھے، ان علوم معلومہ میں مہارت تامہ اور جدارت کاملہ کا نتیجہ تھا کہ خود سے مسائل کا استنباط کر لیتے اور لوگوں کو ان کے سوالوں کے جواب دے دیتے، انھیں خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی حیات ظاہری ہی میں مسائل کے جواب دینے اور فتویٰ دینے کی اجازت عطا کر دی تھی۔ حضرت صفوان فرماتے ہیں: "لم یکن یفتی فی زمن النبی ﷺ غیر عمر و علی و معاذ و أبي موسیٰ" یعنی عہد رسالت میں ان چار نفوس قدسیہ کے سوا کوئی فتویٰ نہیں دیتا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حضرت ابوموسیٰ کی مجتہدانہ شان اور فقیہانہ عظمت ورفعت نرالی اور انوکھی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اہل علم سے مسائل میں اکثر بحث کرتے رہتے تھے، فقہائے صحابہ سے اکثر علمی مجلسیں اور فقہی بحثیں ہوتی رہتی تھیں، جن فقہائے صحابہ سے آپ کی علمی بحثیں ہوتی تھیں یوں تو ان کا دائرہ بڑا وسیع تھا مگر حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے خاص طور سے علمی بحثیں کرتے تھے بلکہ بسا اوقات خلوص ونیک نیتی کے ساتھ یہ بحثیں مناظرہ کے حد تک پہنچ جاتیں اور جب تک مسئلے کی مکمل تنقیح اور توضیح نہیں ہو جاتی بحث برابر جاری رہتی۔

ایک مجلس میں تیمم کا مسئلہ زیر بحث آیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کسی کو غسل کی حاجت پیش آئے اور اس کو ایک ماہ تک پانی نہ ملے تو کیا کرے؟ کیا وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں اگرچہ اسے ایک ماہ تک پانی نہ ملے، اس پر حضرت ابوموسیٰ نے ان سے کہا تو پھر کیا خیال ہے آپ کا سورۂ مائدہ کی آیت "فلم تجدوا ماءً فتیمّموا صعیداً طیباً" کے بارے میں۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ اگر

لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو سردیوں کے موسم میں جب پانی ٹھنڈا ہوتا ہے تو لوگ تیمم ہی پر اکتفا کر لیں گے، اس بات پر راوی شفیق بن سلمہ نے کہا کہ کیا صرف اس خدشہ کے پیش نظر آپ تیمم کو اچھا نہیں سمجھتے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ہاں، پھر اس پر حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ نے حضرت عمار کا واقعہ جس کو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے، نہیں سنا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا اچانک راستے میں غسل کی حاجت پیش آگئی اور پانی نہ ملا تو انہوں نے جانوروں کی طرح زمین پر لوٹ لوٹ کر تیمم کر لیا اور پھر واپس آکر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ بتایا اور پھر فرمایا کہ تمھارے لیے اتنا ہی کافی تھا زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہ تھی، اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کو کافی نہیں سمجھا تھا۔

(بخاری شریف، ج:۱، ص:۵۰، کتاب التیمم، باب التیمم ضربۃً، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

مذکورہ مسئلے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں آیت قرآنی سے دلیل پیش کرنا پھر اس کے بعد حدیث رسول سے استشہاد کرنا اس بات کی واضح اور بین دلیل ہے کہ مسائل میں بحث ومباحثہ کے مابین آپ مجتہدانہ نگاہ اور فقیہانہ بصیرت ملحوظ رکھتے تھے۔ اجتہادی وصف کی یہ ایک واضح اور نمایاں مثال ہے اس کے علاوہ:

ایک مرتبہ دونوں بزرگوں میں حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، دونوں اپنے اپنے دلائل پیش کرتے جاتے اور دوسرے کی دلیل رد کرتے جاتے، باری حضرت ابو موسیٰ کی تھی، آپ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوگا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۳۹۲، دار الفکر بیروت، لبنان)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بلاشبہ فقہائے مجتہدین میں سے تھے، علما و فقہا سے ان کی بحثیں ہوتی رہتی تھیں مگر ان سب کے باوجود وہ اس بات کے بھی قائل اور عامل تھے کہ دوران بحث ومباحثہ اگر کسی سے چوک ہو جائے تو حق واضح ہو جانے کے بعد فوراً اسے تسلیم کر لینا چاہیے، چناں چہ ایک مرتبہ کسی نے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا تو جواب میں ارشاد فرمایا: کہ لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جاکر حضرت عبداللہ بن مسعود کو یہ جواب سنایا اور ان سے بھی فتویٰ لیا تو انھوں نے فرمایا: کہ اگر میں اس کی تائید کروں تو گم راہ ہوں، میں اس مسئلے میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہے اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ لڑکی کو نصف ملے گا اور پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لیے چھٹا حصہ ملے گا پھر باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے جاکر حضرت ابو موسیٰ کو یہ جواب سنایا تو آپ نے فوراً تسلیم کر لیا اور مزید یہ بھی فرمایا کہ جب تک تم میں یہ عالم موجود ہے اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

(بخاری شریف، ج:۲، ص:۹۹۷، کتاب الفرائض، باب میراث إبنة إبن مع إبنة، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

یہیں پر بس نہیں بلکہ امت محمدیہ کے مصالح اور مفادات کی خاطر بسا اوقات اپنا فتویٰ بھی مسترد کر دیتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حج میں شریک ہو چکے تھے، حضور نے طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا، آپ کے بعد لوگ بھی اسی پر عمل کرتے رہے اس لیے حضرت ابو موسیٰ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے لیکن حضرت

عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں حج مکمل ہونے کے بعد احرام کھلواتے تھے، ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا کہ آپ فتوی دینے میں جلدی نہ کیجیے، امیر المومنین نے اس میں ترمیم کی ہے، اگر چہ حضرت ابو موسیٰ اس فتوی میں حق بجانب تھے مگر امت کے تفرقہ کے اندیشے کی وجہ سے فوراً اعلان کر دیا: لوگو! جس کو بھی میں نے فتوی دیا ہے اس کو چاہیے کہ ابھی ٹھہرے رہے، امیر المومنین آئیں گے، ان کی پیروی کرو"۔

(مسلم شریف، ج:۱، ص:۴۰۱، کتاب الحج، باب جواز تعلیق الإحرام وهو أن يحرم بإحرام، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی علمی وفقہی ژرف نگاہی اس وجہ سے بھی تھی کہ آپ قرآن وحدیث کے متبحر اور زبردست عالم دین تھے، قرآن کریم سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا، فرصت کا سارا وقت تلاوت قرآن اور اس کی تعلیم میں صرف کر ڈالتے، جب یمن کے گورنر تھے تو حضرت معاذ بن جبل اکثر ملنے آتے تھے اور کافی دیر تک مجلس رہتی، ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا آپ قرآن کی تعلیم اور تلاوت کس طرح اور کب کرتے ہیں؟ فرمایا: جب جب فرصت ملتی ہے تھوڑا تھوڑا پڑھ لیتا ہوں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۸۰)

قرآن کریم اور علم قرأت و تجوید میں ممتاز اور نمایاں تھے، انھیں خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یمن بھیجا تھا تاکہ نو مسلموں کو قرآن پاک کی تعلیم دیں اور علم قرآن کے فیضان سے مستفیض فرمائیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۳۹۷، دار الفکر، بیروت لبنان)

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے، حفظ حدیث کے لحاظ سے آپ اپنے ہم عصروں میں امتیازی شان کے حامل تھے، کوفہ میں آپ کا مستقل حلقۂ درس تھا جس سے بڑے بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہوئے، آپ کی روایات کی تعداد مکمل ۳۶۰ تک پہنچتی ہے جن میں ۵۰/ روایات متفق علیہ ہیں ان کے علاوہ ۴/ بخاری شریف میں اور ۲۵/ مسلم شریف میں ہیں۔ (تہذیب الکمال، ج:۱۱، دار الکتب العلمیہ)

ان میں اکثر روایت وہ ہیں جو آپ نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور جن حضرات سے روایت کی ہیں ان میں حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابی ابن کعب، عمار بن یاسر اور معاذ بن جبل علیہم الرضوان خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۳۶۳، دار الفکر، بیروت، لبنان)

علم قرآن اور علم حدیث میں درس و تدریس کے طریقے مختلف تھے، عام طور پر مستقل حلقۂ درس لگا لیتے مگر گاہے بگاہے لوگوں کو جمع کر کے ان سے خطاب بھی فرماتے چنانچہ ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو اس لئے کہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی اور غیر محسوس ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۴۰۳، دار لفکر بیروت، لبنان)

جہاں کہیں دیکھتے کہ لوگ جمع ہیں ان تک کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے چنانچہ ایک مرتبہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہیں جا رہے تھے ان کو راستے ہی میں ایک حدیث پہنچا دی۔ (مسند امام احمد حنبل، ج:۴، ص:۴۱۷، دار لفکر بیروت، لبنان)

اصفہان کی لڑائی سے واپسی پر ایک جگہ قیام فرمایا، مجمع بہت زیادہ تھا چنانچہ فرمایا:

"لوگو! میں تم کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنائی ہے، لوگوں نے کہا کہ اللہ آپ پر رحم کرے ضرور سنائیے! آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب ہرج کی کثرت ہوگی لوگوں نے پوچھا: ہرج کیا ہے؟ فرمایا قتل اور جھوٹ، لوگوں نے کہا کہ کیا اس سے بھی زیادہ قتل وغارت گری ہوگی جتنی ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا اس سے کافروں کا قتل مراد نہیں ہے بلکہ آپس کی لڑائیاں مراد ہیں یہاں تک کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو، ایک بھائی دوسرے بھائی کو ، ایک بھتیجا اپنے چچا کو اور چچا اپنے بھتیجے کو قتل کرے گا" لوگوں نے کہا سبحان اللہ! کیا وہ لوگ عقل و ہوش رکھتے ہوئے ایسا کریں گے؟ فرمایا: عقل و ہوش کہاں؟ عقل و ہوش تو اس دور میں باقی نہ رہے گا یہاں تک کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی حق بات پر ہے حالانکہ حقیقت میں کسی حق بات پر نہ ہوگا"۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۴۰۳، دار الفکر، بیروت، لبنان)

اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سے کوئی بھی شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی سے خارج نہ ہوسکے گا۔ اس سے نکلنے کی راہ صرف اور صرف یہ ہے کہ کچھ کہے بغیر اسی طرح پاک وصاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے" (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۴۰۶، دار الفکر بیروت، لبنان)

بحث ومباحثہ اور درس تدریس میں غایت درجہ نرمی و آسانی ملحوظ رکھتے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اعتراض بھی کرتا تو نہایت نرمی وآسانی سے سمجھا دیتے، حضرت عبداللہ رقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک بار حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا، آپ حالت قعدہ میں تھے، کسی نے زور سے ایک جملہ کہا جو مسنون دعاؤں میں سے نہ تھا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کس نے کہا تھا؟ لوگ خاموش رہے پھر پوچھا کہ فلاں فقرہ کس نے کہا تھا؟ لوگ پھر خاموش رہے، تو فرمایا: حطان! شاید تم نے کہا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے نہیں کہا تھا مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ آپ مجھے ہی ڈانٹیں گے اتنے میں ایک شخص نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ حضور! میں نے کہا تھا اور اس سے میری کوئی بُری نیت نہ تھی بلکہ بھلائی تھی، حضرت ابو موسیٰ نے اسے نماز کا پورا مسنون طریقہ بتایا اور کسی قسم کی ترش روئی اور سختی سے کام نہ لیا۔

(مسلم شریف ج۱، ص:۱۷۴، کتاب الصلوٰۃ، باب التشھد فی الصلوٰۃ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

وصال پر ملال: آپ کی وفات کے سال اور جگہ کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں یہ ہے کہ مکہ میں وفات ہوئی، بعض میں کوفہ کے بارے میں ہے مگر راجح مکہ کی روایت ہے، اسی طرح سن وفات کے سلسلے میں بھی رواۃ مختلف ہیں: بعض کے نزدیک ۴۲ھ کو وفات ہوئی، بعض کے نزدیک ۴۴ھ کو اور بعض کے نزدیک ۵۲ھ کو مگران سب میں صحیح روایت یہ ہے کہ ذی الحجہ ۴۴ھ کو آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تذکرۃ الحفاظ اور سیر اعلام النبلا میں ہے:

"مات في ذا الحجة سنة أربع و أربعين على الصحيح، رضى الله عنه"

یعنی آپ صحیح روایت کے مطابق ذی الحجہ ۴۴ھ کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج:۱، ص:۲۳)

ولادت.....وفات:۵۹ھ

محمد دانش رضا مصباحی، اتر دیناج پور، جماعت: اختصاص فی الادب 8576884758

ولادت: کتب سیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ ولادت کا صراحۃً تذکرہ نہیں ملتا البتہ یہ محقق ہے کہ ان کی پیدائش زمانۂ اسلام میں ہوئی، آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آٹھ سال کی چھوٹی ہیں۔

(سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن طباعت: ۲۰۰۴ء ۱۴۲۵ھ)

نام ونسب: عائشہ، کنیت ام عبد اللہ، ام المومنین خطاب، حمیرا اور صدیقہ لقب تھا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں بنت الصدیق سے خطاب کیا ہے۔ (ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المؤمنون، حدیث نمبر:۳۱۷۵)

والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عائشہ بنت ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن لوئی اور ماں کی جانب سے اس طرح ہے "عائشہ بنت ام رومان بنت عمیر بن عامر بن دھمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔ (الطبقات الکبریٰ لمحمد ابن سعد، ج:۸، ص:۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی: ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء)

عقد نکاح: رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت سے دو یا تین سال پہلے ان سے نکاح فرمایا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، بقول بعض سات سال، اور مدینہ میں ان کو شرف لقا بخشا اور اس وقت آپ نو سال کی ہوگئی تھیں۔

(الاستیعاب، ج:۴، ص:۴۳۵ تا ۴۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی: ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۲ء)

یہ نکاح اعلان نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہوا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لمحمد ابن سعد، ج:۸، ص:۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی: ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء)

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے داغ مفارقت کے بعد آپ نہایت ہی ملول وغمگین رہنے لگے تھے، حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی حضرت خولہ نے چہرہ انور پر حزن وملال کے آثار دیکھ کر حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا، حضور نکاح نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا، اگر چاہیں تو کنواری سے کرلیں یا چاہیں تو ثیبہ (یعنی جس کی پہلے کسی دوسرے سے شادی ہو چکی ہو) سے، آپ نے فرمایا: کنواری کون ہے اور ثیبہ کون؟ خولہ نے عرض کیا کنواری تو اس ذات گرامی کی صاحبزادی ہے جو آپ کو خلق الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس کا نام عائشہ ہے اور ثیبہ سودہ بنت زمعہ ہے جس نے آپ پر ایمان لاکر آپ کی اطاعت کی ہے، آپ نے فرمایا: انھیں میرا پیغام پہنچادو! یہ سن کر حضرت

خولہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ام رومان سے آکر کہا: ام رومان! تم کو اپنے بخت کی بلندی اور سعادت کا کچھ پتہ بھی ہے، اللہ نے تمھارے گھر میں خیر و برکت داخل کر دی ام رومان نے کہا کیا بات ہے؟ خولہ نے کہا: سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی دختر نیک اختر عائشہ کو یاد فرما رہے ہیں، اس پیغام حیات آفریں پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہوئے ام رمان نے کہا: خولہ! تم کس قدر روح افزا پیغام لے کر آئی ہو، ٹھہرو! اس کے باپ ابوبکر کو آنے دو! تھوڑی دیر بعد جب وہ تشریف لائے تو ام رومان نے ان کو یہ مژدۂ جاں فزا سنایا، انھوں نے کہا وہ تو ان کی بھتیجی ہے (کیوں کہ میں ان کا منھ بولا بھائی ہوں) کیا ان کا اس سے نکاح کرنا صحیح ہے (جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی) تو فرمایا: میں ان کا بھائی ہوں اور وہ میرے بھائی ہیں اور ان کی بیٹی سے میرا نکاح کرنا صحیح و درست ہے، پھر ام رومان نے کہا: مطعم ابن عدی نے اپنے بیٹے کے بارے میں کہا تھا اور بخدا میں وعدہ خلافی نہیں کر سکتی، تو حضرت ابوبکر صدیق، مطعم کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: میری بچی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، تو اس نے اپنی بیوی سے کہا تم کیا کہتی ہو اس (کی بیوی) نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، اگر ہم اس نوجوان (بیٹا) کا نکاح آپ کی بیٹی سے کر دیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ اس کو اپنے دین میں داخل کر لیں گے، حضرت ابوبکر نے مطعم کی طرف متوجہ ہو کر کہا: تم کیا کہتے ہو، تو اس نے اپنی بیوی کی ہمنوائی کی، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق لوٹ گئے اور انھیں وعدہ کی کوئی پرواہ نہ تھی، پھر خولہ سے فرمایا بارگاہ نبویہ میں عریضہ پیش کر دیجئے کہ وہ تشریف لائیں، چناں چہ سرکار تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حبالۂ عقد میں لیا۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن طباعت: ۲۰۰۴ء ۱۴۲۵ھ۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی اور ان سے زفاف فرمانا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربیع الاول شریف کے مہینے میں مدینہ تشریف لائے۔ واقعہ بدر کے بعد شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ (الطبقات الکبیر لمحمد ابن سعد، ج:۸، ص:۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی: ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء)

شب عروسی کا واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ہم مدینہ منورہ آئیں تو ہمارے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محلۂ سنخ ابن حبیب بن لیاف یا خارجہ ابن زید میں قیام فرمایا، جس دن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں آئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس انصار کے مرد وزن کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی ہوئی تھی، میری والدہ نے میرے بالوں میں کنگھی کی اور مانگ نکالی اور میرا منھ دھلایا، اور مجھے لے کر وہاں آئیں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے، چوں کہ میرا سانس پھول گیا تھا، اس لیے کچھ دیر توقف کیا، اس کے بعد مجھے لے کر حضور کے حجرے میں آئیں، میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سریر پر تشریف فرما ہیں، میری والدہ نے مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھا دیا اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ آپ کی زوجہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں آپ کی وجہ سے اور آپ میں ان کی وجہ سے برکت دے، اس کے بعد تمام لوگ گھر سے چلے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے ساتھ زفاف فرمایا، اسما بنت عمیس کہتی ہیں، میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے زفاف کے دن موجود تھی، خدا کی قسم اس دن کوئی ولیمہ کا کھانا موجود نہ تھا بجز دودھ کے ایک پیالے کے، جس میں سے کچھ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا اور بقیہ عائشہ کو دے دیا، وہ پیالہ لینے سے شرمار ہی تھیں، میں نے کہا: نبی

ﷺ کے دست مبارک کو رد نہ کرو! پی لو! تب انھوں نے شرماتے ہوئے لے لیا اور تھوڑا سا پیا۔

(المدارج النبوۃ، اردو، ج:۲،ص:۱۱۸ تا ۱۱۹، نرمان پریس ادبی دنیا، ٹیامحل دہلی ستمبر ۱۹۹۷ء)

ام عبداللہ کنیت کی وجہ: اہل عرب، کنیت کو عظمت وشرافت اور اعزاز کی علامت سمجھتے تھے، اور عموماً اپنے بڑے بیٹے کے نام پر کنیت رکھا کرتے تھے، جن کے یہاں بیٹا نہیں ہوتا وہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے نام پر کنیت رکھ لیتے تھے، نبی کریم ﷺ کی دیگر ازواج بیوہ ہونے کے بعد آپ کی زوجیت میں داخل ہوتی تھیں ان کے بطن سے پہلے شوہر کے یہاں اولادیں بھی پیدا ہوتی تھیں، اس لیے ان میں سے اکثر کی پہلے ہی سے کنیت تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے حبالۂ عقد میں کنواری آئی تھیں اور ان کے بطن سے کوئی اولاد بھی نہ ہوئی اس لیے ان کی کنیت نہ تھی، اس کا انھیں بہت احساس تھا، چناں چہ ایک روز بارگاہ عالیہ میں عرض گزار ہوئیں۔ "یارسول اللہ ﷺ! کل صواحبی لھن کنی قال فاکتنی بابن عبداللہ."

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ! میری ساری سوکنوں کی کنیتیں ہیں (اور میری نہیں ہیں) آپ نے فرمایا تمھاری کنیت "ام عبداللہ" ہے۔ (ابوداؤد، باب فی المرأۃ تکنی، ص:۶۷۹)

تعلیم وتربیت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نو سال کی ابتدائی زندگی اپنے والد بزرگوار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوش تربیت میں گزاری، اور ان سے مروجہ دنیاوی علوم کے ساتھ دینی علوم اور اسلامی احکام ومسائل کا درس لیا، پھر جب کاشانۂ نبوت میں داخل ہوئیں تو فیضان نبوت سے مکمل طور پر مستفیض و مستنیر ہوئیں، اور ماہ کامل بن کر عالم انسانیت بالخصوص صنف لطیف کے لیے شمع راہ بن گئیں، آپ جس عمر میں حرم نبوی میں قدم رنجہ ہوئیں وہ ذہن ودماغ کی تازگی، قبول علم اور حفظ وضبط معارف کے لیے سب سے زیادہ موزوں زمانہ تھا اور لطف یہ کہ آپ فطرۃً طباع، ذہین نکتہ سنج اور دقیقہ رس تھیں، ناصیۂ اقبال پر ذہانت وفطانت، جودت وطبع، یمن وسعادت اور زیرکی وہوشیاری کا نور چمک رہا تھا، حرکات وسکنات اور ہر ہر ادا سے عظمت ورفعت نمایاں تھیں، معلم ومربی بھی جلیل القدر اور عظیم المرتبت ملا تھا، کاشانۂ نبوت کی اندرونی حالات وکوائف کے جاننے کا موقع بھی خوب میسر آیا، بعض غزوات واسفار میں رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی بھی نصیب ہوئی اس لیے انوار علم نبوت سے اس قدر فیض یاب ہوئیں کہ (مکمل طور پر) نہال ہو گئیں۔

مسائل کا استخراج واستنباط کرنے اور اسرار وحکم معلوم کرنے کی صلاحیتیں ان میں علیٰ وجہ الاتم تھیں، نو سال کی طویل مدت رفاقت میں تزکیۂ اخلاق، تکمیل انسانیت، ضروریات دین سے واقفیت، اسرار شریعت سے آگاہی، کلام الٰہی کی معرفت اور احکام ومسائل کے بعد زیور حسن سے آراستہ وپیراستہ ہو کر اس قدر وسعت اور گہرائی وگیرائی پیدا کر لی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ذات نہ صرف خواتین اسلام کا مرجع تھیں بلکہ اکابر صحابہ اور تابعین مسائل کی گتھیاں سلجھانے کے لیے آپ کی جانب رجوع کیا کرتے تھے، ان کا علم وتفقہ انساب وتاریخ دانی، فصاحت وبلاغت اور خطابت مسلم تھی، کہا جاتا ہے کہ احکام شریعت کا ایک چوتھائی علم حضرت عائشہ سے منقول ہے اور نفس حقیقت بھی یہی ہے، مشاہیر ملت اور اساطین امت کے مندرجہ ذیل تاثرات وبیانات اس کی بین دلیل اور شاہد عدل ہیں۔

قبیصہ ابن ذوئیب: "كانت عائشة أعلم الناس يسألها اكابر الصحابة".

ترجمہ: حضرت عائشہ لوگوں میں سب سے زیادہ جان کار تھیں، اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج: اول، ص: ۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول: ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء)

ابو موسیٰ اشعری: "ماأشكل علينا أصحاب محمد ﷺ حديث قط فسألنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علما."

ترجمہ: ہم اصحاب محمد ﷺ نے جس مشکل مسئلے میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کیا تو ان کے پاس ان کا حل مل گیا۔ (ایضًا)

عروہ بن زبیر: "مار أيت أعلم بالطب منها"

ترجمہ: میں نے ان سے زیادہ کسی کو طب کا جان کار نہیں دیکھا۔ مار أيت أحدا من الناس أعلم بالقرآن ولا بالفريضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحديث العرب ولا النسب من عائشة رضی اللہ عنہا

ترجمہ: میں نے کسی بھی ایسے شخص کو نہ دیکھا جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ قرآن کا علم ہو یا فرائض کا یا حلال وحرام کا یا حدیث عرب کا یا نسب کا۔ (ایضًا)

مسروق: رأيت مشيخة من اصحاب رسول الله ﷺ الاكابر يستلونها عن الفرائض.

ترجمہ: میں نے کبار اصحاب کرام کو علم فرائض کے بارے میں ان سے مسئلہ پوچھتے ہوئے دیکھا۔

(الاستیعاب، ج: ۴، ص: ۴۳۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سن طباعت: ۲۰۰۲ء ۱۴۲۲ھ)

عطا ابن ابی رباح: "كانت عائشة أفقه الناس، واعلم الناس وأحسن الناس رايا فى العامة".

ترجمہ: عامۃ الناس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فقیہ اور صائب الرائے کوئی نہ تھا۔ (ایضًا)

عروہ ابن زبیر: "مار أيت احدا أعلم بفقه ولا بطب ولا بشعر من عائشه".

ترجمہ: میری نظر میں حضرت عائشہ سے زیادہ فقہ یا طب یا شعر کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔ (ایضًا)

امام زہری: "لوجمع علم عائشة إلى علم جميع أزواج النبي ﷺ وعلم جميع النساء لكان علم عائشة أفضل".

ترجمہ: اگر تمام امہات المؤمنین اور تمام عورتوں کا علم یکجا کر دیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے افضل واعلیٰ ہوگا۔ (ایضًا)

علمی سوالات اور ان کا حل: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسئلے کے ہر ہر پہلو پر غور کرتیں اور جب تک کامل تشفی نہ ہو جاتی سرکار سے مسلسل سوالات کرتی رہتیں، ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(۱) "من حوسب عذب" بروز حشر جس کا حساب ہوا اس پر عذاب ہوگا، عرض کی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فسوف

یحاسب حسابا یسیرا''یعنی حساب آسان اور سہل لیا جائے گا، سرکار نے فرمایا یہ اعمال کی پیشی ہے ہاں!جس کے اعمال میں نقد ہوا وہ ہلاک وبرباد ہی ہوا۔(مدارج النبوۃ،اردو،ج:۲،ص:۸۰۹،نرمان پریس ادبی دنیا،مٹیا محل دہلی ستمبر۱۹۹۷ء)

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے،سیدہ عائشہ نے عرض کیا،کیا آپ بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر خدا کی رحمت سے،فرمایا ہاں!میں بھی داخل نہ ہوں گا مگر یہ کہ مجھے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت میں چھپا لیا ہے۔(ایضًا:ص:۸۱۰)

(۲)ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی'' وَ الۡاَرۡضُ جَمِیۡعًا قَبۡضَتُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطۡوِیّٰتٌۢ بِیَمِیۡنِہٖ ؕ''(سورۂ زمر،آیت:۶۷)یعنی قدرت الٰہی سے قیامت کے دن ساری زمینیں سمیٹ دی جائیں گی اور آسمانوں کو لپیٹ دیا جائے گا''اور پوچھا جب آسمانوں وزمین کچھ بھی نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے؟آپ ﷺ نے فرمایا صراط پر۔(ایضًا)

(۳)نبی کریم ﷺ پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید فرماتے رہتے تھے،ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اگر ہمارے دو پڑوسی ہوں تو ان میں سے کون ہمارے سوغات وتحائف کا مستحق ہے،نبی کریم ﷺ نے فرمایا:جس کا دروازہ تمھارے دروازہ سے قریب ہو۔(بخاری،ج:۲،ص:۸۹۰،حدیث نمبر:۵۷۸۶،باب حق الجور فی قرب الابعاب ابوداؤد، کتاب الادب،ج:۲،ص:۷۰۱،حدیث نمبر:۳۶۸باب فی حق الجوار)

(۴)ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ،عریاں اور غیر مختون اٹھایا جائے گا تو حضرت عائشہ نے فوراً ہی عرض کیا یارسول اللہ!کیا مردوزن ایک دوسرے کی جانب دیکھیں گے بھی؟سرکار ﷺ نے فرمایا:عائشہ!وہ وقت بڑا ہی نازک ہوگا،لوگوں کی شدت رنج والم اور گھبراہٹ کا یہ حال ہوگا کہ کسی کو نظر اٹھا کر دیکھنے کا ہوش وحواس اور یارا ہی نہ ہوگا۔(بخاری،ج:۲،ص:۹۶۶،حدیث نمبر:۶۲۶۸،باب کیف الحشر)

(۵)ابو قعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی باپ ہیں،حکم حجاب نازل ہونے کے بعد ابو قعیس کا بھائی افلح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کی اجازت چاہی،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:جب تک کہ میں اس بارے میں سرکار سے اجازت نہ لے لوں میں اجازت نہیں دے سکتی،اس لیے کہ ابو قعیس کی بیوی نے مجھے دودھ پلایا ہے ابو قعیس نے نہیں،اتنے میں نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ!ابو قعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی میں نے کہا کہ جب تک کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ نہ لوں تب تک اجازت نہیں دے سکتی،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے چچا کو اجازت دینے سے تمہیں کون سی چیز مانع ہے تیرا ہاتھ گردآلود ہو۔

(بخاری،ج:۲،ص:۷۰۷،حدیث نمبر:۴۶۱،باب ان تبدوا اشیئاً أتخفوہ..الخ)

ذاتی واقفیت کی بنا پر مسائل کی تردید:اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فہم وذکاوت اور قوت حفظ کی دولت ونعمت سے سرفراز کیا تھا،جس کی بنا پر انھوں نے حضور ﷺ کی ہر ہر ادا اور قول وفعل کو محفوظ کر لیا تھا،بالخصوص ان اعمال وافعال اور عادات واطوار کو جن کے واقف کار صرف ازواج مطہرات تھیں،چناں چہ کچھ ایسے مسائل ہیں کہ کسی صحابی نے اپنے اجتہاد یا کسی

روایت کی بنیاد پر فتویٰ دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنیاد پر انہیں رد کر دیا۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بیوی کا بوسہ لینے سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ دیا تھا کہ بیوی کا بوسہ لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جب حضرت عائشہ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت روزہ میں ہمارا بوسہ لیتے پھر وضو نہیں کرتے۔ (عین الاصابۃ، باب الطہارۃ)

(۲) کیا عورتوں کے لیے غسل جنابت میں چوٹی کا کھولنا ضروری ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عورتوں کو غسل جنابت میں چوٹیاں کھولنے کا حکم دیتے تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے فرمایا: حیرت ہے ابن عمر پر، کہ وہ عورتوں کو غسل جنابت کے وقت سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں، وہ سر مونڈا دینے کا حکم کیوں نہیں دے دیتے، میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے، میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی کہ میں اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالتی تھی اور نسائی کا لفظ ہے "اور میں بال نہیں کھولتی تھی۔

(مسلم، ج:۱، ص:۱۵۰، باب حکم ضفائر المغتسلۃ، نسائی، ج:۱، ص:۷۱، باب ترك المرأة نقض راسها عند الإغتسال)

(۳) حالت جنابت میں صبح کرنے سے روزہ کے فساد کا مسئلہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وعظ میں کہا کرتے تھے کہ جو حالت جنابت میں صبح کرے اس کا روزہ نہیں ہوگا، جب یہ خبر حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی جنابت کی حالت میں صبح کرتے پھر روزہ بھی رہتے۔

(مسلم، ج:۱، ص:۳۵۳، صحة صوم من طلع عليه الفجر و هو جنب، موطا امام مالک، ص:۸۷)

(۴) کیا ہدی کا جانور بھیجنے سے آدمی محرم ہو جاتا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ہدی کا جانور بھیجنے کے بعد آدمی محرم ہو جاتا ہے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہدی کا قلادہ بٹتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے بھیج دیتے اور ان باتوں سے اجتناب نہیں کرتے جن سے محرم اجتناب کرتا ہے۔ (نسائی، ج:۲، ص:۲، باب فتل القلائد)

علم حدیث: علم حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پایہ بہت بلند تھا، انھوں نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت سے پاکیزہ اور بابرکت علوم حاصل کیے، ساتھ ہی ساتھ اپنے والد بزرگوار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاطمۃ الزہرا، سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہمزہ ابن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے بھی روایتیں لیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن طباعت: ۲۰۰۴ء۔ ۱۴۲۵ھ)

صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے ان سے حدیثیں لیں، تابعین میں "مسروق، اسود، ابن مسیب، عروہ، قاسم، شعبی، عطا، ابن ملیکہ، مجاہد، عکرمہ، عمرہ، معاذۃ العدویۃ، نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے علاوہ ہزاروں افراد کو ان سے حدیث لینے کا شرف حاصل ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سن طباعت: ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء)

آپ کی مرویات کی تعداد: آپ کی مرویات کی تعداد دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) ہے، ایک سو چوہتر (۱۷۴) مرویات

میں بخاری اور مسلم متفق ہیں، بخاری چون (۵۴) اور مسلم انہتر (۶۹) میں منفرد ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:ص:۳۱۰،طبع اول:۲۰۰۴ء۱۴۲۵ھ)

فقہ وافتا اور قیاس: قرآن وحدیث میں کامل مہارت کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ کو فقہ وافتا اور قیاس میں بھی انفرادی حیثیت اور ید طولیٰ حاصل تھا، فقہاے صحابہ ان کی جانب رجوع کرتے تھے، ایک خلق کثیر نے ان سے فقہ سیکھا۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول:۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء)

ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا تھا، وہ فقہ وافتا کے اس مقام پر فائز تھیں جہاں قیاس واجتہاد کے جملہ شرائط پائے جاتے ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ان کا نام بلا تکلف لیا جاتا ہے۔ (الاصابۃ، ج:۲، ص:۱۶۶، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۲۰۰۲ء۱۴۲۳ھ)

ان کا اصول استنباط یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے کسی مسئلہ کو قرآن میں تلاش کرتیں اگر اس میں نہ پاتیں تو حدیث کی طرف رجوع کرتیں پھر اجتہاد سے کام لیتیں۔ چناں چہ متعہ کی حرمت کے بارے میں انھوں نے اس آیت: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ (سورۂ مؤمنون، آیت:۵۔۶) سے استدلال کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال بالرفیق الاعلیٰ کے بعد منصب افتاوارشاد پر فائز ہوکر مرجعیت عامہ حاصل کرلیں، خلافت صدیقی کے علاوہ خلافت فاروقی وعثمانی میں بھی مستقل مفتی رہیں، بلکہ اپنی حیات مستعار کی آخری سانس تک اسی منصب جلیل پر فائز وممتاز رہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۳۲۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دمشق سے قاصد مدینہ آکر حضرت امیر معاویہ کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرکے لے جاتے۔ (ترمذی، ج:۲، ص:۶۴، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر:۲۴۱۲)

خلافت عثمانی کے اختتام تک اکابر صحابہ تقریبًا دنیا سے رخصت ہوچکے تھے، اور اس وقت علمی قیادت اصاغر صحابہ، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھ میں تھی، ان درخشندہ ستاروں کے درمیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیثیت بدر منیر اور ماہ کامل کی تھی، ان ستاروں میں سے ہر ایک ان کے علم کا محتاج تھا، اکثر مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرجعیت کا حال یہ تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ سے جوق در جوق لوگ آپ سے مسائل دریافت کرنے کے لیے آتے، آپ پردے کی آڑ سے ان کے سوالات وشبہات کا تسلی بخش جواب دے کر ان کو مطمئن کرتیں، اگر خاص قسم کے سوال میں کسی کو جھجک محسوس ہوتی تو آپ فرماتیں میں تمھاری ماں ہوں اور ماں سے شرمایا نہیں جاتا۔

(مسند احمد، ج:۶، ص:۹۷)

اگر صحابۂ کرام کے درمیان کسی مسئلے میں نزاع ہوتا تو وہ فیصلے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم بناتے چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں ثواب ہے یا نہیں؟ حضرت ابوہریرہ

ثواب کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ جو جنازے کے ساتھ چلے اس کے لیے ایک قیراط ہے اور حضرت ابن عمر کا کہنا تھا کہ جانا مباح ہے مگر ثواب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وہ صرف نماز جنازہ پڑھ کے آجاتے اور اس کے ساتھ ساتھ نہیں جاتے جب حضرت عائشہ تک محاکمہ پہنچا تو انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی کہتے ہوئے سنا ہے۔(بخاری، ج:۱، ص:۱۷۷، حدیث نمبر:۱۳۰۹، مفہوماً، باب فضل إتباع الجنائز)

ہم عصر صحابہ پر تنقید: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ کبھی انتیس (۲۹) کا ہوتا ہے۔(مسند احمد، ج:۶، ص:۳۴۳)

ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ عمرہ کیا، جن میں سے ایک عمرہ رجب کے مہینے میں کیا تھا، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا خالہ جان! کیا آپ نہیں سنتیں کہ یہ کیا کہ رہے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا وہ کیا کہ رہے ہیں، بتایا گیا کہ وہ کہ رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بار عمرہ کیا جن میں سے ایک عمرہ رجب میں تھا، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: خدا ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے، نبی کریم نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں میں شریک نہ تھی، رجب میں آپ نے کوئی عمرہ ہی نہ کیا۔(صحیح بخاری، کتاب العمرۃ، ج:۱، ص:۲۳۸، حدیث نمبر:۱۷۴۱)

ابوسلمہ کہتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور عرض کیا: ام المومنین! جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ غسل شرعی کے لیے خروج ماء شرط ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا: جابر غلط کہتے ہیں غسل خروج ماء کے بغیر بھی واجب ہوتا ہے اگر خروج ماء کے بغیر رجم واجب ہوجاتا ہے تو غسل کیوں نہیں ہوسکتا۔

(عین الاصابۃ بحوالہ مشاہیر حدیث، ص:۹۸، کمال بک ڈپو، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

ابوالقاسم بن محمد روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر عورت سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ میں آپ کے سامنے لیٹے ہوتی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرنے لگتے تھے ہاتھ سے میرے پاؤں کو ہلاتے تھے میں اپنے پاؤں سکوڑ لیا کرتی تھی، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوبارہ پاؤں پھیلا دیتی۔(ایضاً)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں فتنہ کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا، بہت سے لوگوں نے اس فیصلے پر چہ می گوئیاں کیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آج عورتوں کا جو حال ہے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ان کا یہی حال ہوتا تو وہ ہرگز ہرگز انھیں مسجد میں نہ آنے دیتے۔(بخاری، ج:۱، ص:۱۲۰، مفہوماً، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس)

علم طب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علم طب اور مریضوں کے علاج و معالجہ میں بھی بہت ماہر تھیں، حضرت عروہ بن زبیر نے ایک دن حیران ہوکر حضرت عائشہ سے عرض کیا اے اماں جان! مجھے آپ کے فقہ پر حیرت واستعجاب نہیں ہے اس

لیے کہ آپ کو اس شمع رشد وہدایت کی زوجیت وصحبت کا شرف حاصل ہے جس سے پورے عالم کو علم وآگہی، اور دین ودانش کا نور حاصل ہوا، اور نہ ہی مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ آپ کو اشعار ووقائع اور ایام عرب کا علم ہے اس لیے آپ اس صدیق اکبر کی نور نظر ہیں جو اشعار عرب کے بہت بڑے ماہر تھے، البتہ آپ کے طب جاننے پر ضرور حیرت ہے کہ آپ کو یہ طبی معلومات اور علاج ومعالجہ کی مہارت کہاں سے اور کیسے حاصل ہوگئی۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۲۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۲۰۰۴ء۱۴۲۵ھ)

ایک مرتبہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا اے خالہ! آپ نے طب کہاں سے سیکھا، تو آپ نے فرمایا: میں بیمار پڑتی تھی تو میرے لیے کوئی دوا تجویز کی جاتی تھی، یا کوئی دوسرا بیمار پڑتا اور اس کے لیے دوا تجویز کی جاتی یا بعض لوگوں کو بعض کے لیے دوا تجویز کرتے ہوئے سنتی تو میں اسے یاد کرلیتی۔ (ایضًا:۳۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عمر کے آخری دور میں جب اچھی طرح کھڑے نہیں ہو پاتے، تو عرب کے گوشے گوشے سے وفد آکر دوا تجویز کرتا اور میں تجویز کردہ دواؤں سے ان کا علاج کرتی۔ (ایضًا:۳۲۶)

شاعری: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شعر گوئی میں مکمل دسترس تھا، بوقت ضرورت وہ شعر میں گفتگو کرتیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح میں ان کے یہ دو شعر مروی ہیں:

لو سمعوا فی مصر أوصاف خده — لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد
لواحی زلیخا لو رأین جبینه — لأثرن بالقطع القلوب علی الأیدی

(مدارج النبوۃ)

ترجمہ: اگر مصر کے لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عارض منور کے بارے میں سن لیتے تو یوسف علیہ السلام کی خریداری میں ایک روپیہ خرچ نہ کرتے۔

زلیخا پر ملامت کرنے والیاں اگر آپ کے جبین اقدس کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔

سخاوت وفیاضی: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا انتہائی سخی الصفت واقع ہوئی تھیں، کشادہ قلبی کے ساتھ سخاوت وفیاضی کا مظاہرہ کرتی تھیں، اگر کہیں سے ہدیہ یا تحفہ آتا تو لوگوں کے درمیان تقسیم کردیتیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے ایک خطیر رقم آئی، انھوں نے ایک طشت منگایا اور وہ اس دن روزہ سے تھیں، راوی کا کہنا ہے کہ انھوں نے شام ہوتے ہوتے ساری رقم تقسیم کردی، اور ایک درہم بھی ان کے پاس نہ بچا، پھر انھوں نے اپنی باندی سے افطار لانے کو کہا، وہ تیل اور روٹی لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کیا آپ ایک درہم کا گوشت نہیں خرید سکتی تھیں کہ اس سے افطار کرتیں آپ نے فرمایا پہلے ہی بتانا چاہئے تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع اول:۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ کا ہار ہدیے میں بھیجا تو آپ نے امہات المؤمنین کے درمیان تقسیم کردیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۲۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۲۰۰۴ء۱۴۲۵ھ)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کو بیچ کر تقسیم کر دیا، جب یہ خبر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے کہا آپ نے ایک لاکھ روپیہ کو صدقہ کر دیا۔(ایضًا:ص:۳۳۲)

فضائل و مناقب: تقویٰ شعاری، پرہیزگاری اور یکتائے روزگاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیگر ازواج مطہرات میں ایک امتیازی شان حاصل تھی، ان کے فضائل و مناقب اس قدر ہیں کہ انھیں رقم کرنے کے لیے ایک دفتر کی ضرورت ہے، مختصر یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول ﷺ کو بہت محبوب تھیں یہی وجہ ہے کہ زندگی کے آخری ایام آپ نے دیگر ازواج سے اجازت لے کر حجرۂ عائشہ میں بسر کیے، ایک مرتبہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: تیری خوشی اور رضا مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتی، حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ کیسے پہچانتے ہیں؟ فرمایا: جب تو غصہ کے وقت قسم کھاتی ہے تو کہتی ہے ”لا و رب إبراهيم علیہ السلام“ اور خوشی میں قسم کھاتی ہے تو کہتی ہے ”لا و رب محمد ﷺ“ عائشہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۵۴، دار الکتب العلمیہ، طبع ثانی:۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء)

جب رسول اللہ ﷺ عمر کی آخری گھڑی میں تھے عبد الرحمٰن بن ابی بکر حاضر خدمت ہوئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی نبی کریم ﷺ نے مسواک کی طرف نظر کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ اسے لینا چاہتے ہیں، چناں چہ عائشہ نے عبد الرحمٰن سے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے چبا کر نرم کیا پھر سرکار کو پیش کی، سرکار نے آخری مرتبہ عمدہ طریقہ سے مسواک کی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں آخری دن بھی میرا اور سرکار کا لعاب جمع ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن طباعت:۲۰۰۴ء۱۴۲۵ھ)

یہ محبت ہی تو تھی کہ کسی سفر میں نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ سے دوڑ میں مسابقہ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ پر سبقت لے گئیں پھر کچھ زمانے بعد جب حضرت عائشہ کچھ موٹی ہو گئی تھیں تو دوبارہ مسابقہ ہوا اس بار نبی کریم ﷺ سبقت لے گئے اور فرمایا یہ اس مرتبہ کا بدلہ ہے۔(ابوداؤد، باب السبق، حدیث نمبر:۲۵۷۸)

صحابۂ کرام کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ اپنے ہدایا اور تحائف بارگاہ اقدس میں اسی دن پیش کرتے جس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس باری ہوتی ایک دن کچھ ازواج مطہرات نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں یہ عریضہ پیش کیا کہ آپ سرکار ﷺ سے عرض کریں کہ وہ لوگوں کو حکم دیں کہ وہ اپنے تحائف و سوغات کو اسی دن کے ساتھ خاص نہ کریں، حضرت ام سلمہ نے سرکار سے اس کا تذکرہ کیا، تو آپ خاموش رہے جب تیسری بار انھوں نے یہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دے، خدا کی قسم! ان کے علاوہ تم میں سے کسی کے بھی لحاف میں وحی کا نزول نہیں ہوا۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن طباعت:۲۰۰۴ء۱۴۲۵ھ)

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ حبشی سپہ گری کی مشق کر رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر اپنی ردائے مبارک سے پردہ کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دکھایا، اور ان کے لوٹنے تک آپ ایسے ہی کھڑے رہے۔(ایضًا)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! لوگوں میں کون آپ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: عائشہ، عرض کیا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے باپ۔ (ایضًا: ۳۱۲)

ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جنت میں آپ کی بیوی کون ہوگی؟ فرمایا: تو اے عائشہ! (ایضًا)

دیگر ازواج پر حضرت عائشہ کو دس باتوں پر فضیلت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں فخر نہیں کرتی بلکہ بطور واقعہ کہتی ہوں کہ اللہ نے مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر دس باتوں پر فضیلت دی ہے، عرض کیا گیا وہ دس باتیں کیا ہیں اے ام المؤمنین! آپ نے فرمایا: (۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔ (۲) میرے سوا کوئی ایسی عورت آپ کے نکاح میں نہیں آئی جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے میری برأت ظاہر فرمائی۔ (۴) جبرئیل علیہ السلام ایک ریشمی کپڑے میں آسمان سے میری تصویر سرکار کے پاس لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس سے آپ کا نکاح ہوگا۔ (۵) میں اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک برتن میں غسل کرتے تھے، میرے سوا کسی بیوی کے ساتھ آپ نے یہ نہیں کیا۔ (۶) وہ نماز پڑھتے تھے اور میں ان کے سامنے لیٹی رہتی تھی، میرے علاوہ کسی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ (۷) ان پر وحی نازل ہوتی تھی اور وہ میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں لیٹے رہتے تھے۔ (۸) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح قبض ہوئی اس حال میں کہ وہ میرے گلے اور سینے کے درمیان تھے۔ (۹) اس رات میں رب کے پیارے ہوئے جس میں وہ میرے پاس تھے۔ (۱۰) انھیں میرے گھر میں دفن کیا گیا۔

(الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج:۸، ص:۵۰ تا ۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی: ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء)

جبرئیل امیں علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام بھیجا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے حجرے میں گھوڑے پر سوار ہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے سرگوشی فرمارہے ہیں، جب وہ چلے گئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کن سے سرگوشی فرمارہے تھے؟ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے دیکھ لیا؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! فرمایا وہ کن کی شکل میں تھے؟ میں نے عرض کیا: دحیہ کلبی کی شکل میں، فرمایا تو نے خیر کثیر دیکھ لیا، وہ جبرئیل تھے اور انھوں نے تجھے سلام کہا ہے، میں نے وعلیہ السلام کہا۔ (ایضًا، ص:۵۴)

آیت تیمم کا نزول: قرآن پاک کی یہ آیت تیمم فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ الخ ﴿۴۳﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۴۳) ان کی برکت سے نازل ہوئی، اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت لشکر اسلام رات کو ایک بے آب وگیاہ میدان میں فروکش ہوا، وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا، اس کی تلاش میں مسلمانوں کو وہاں ٹھہرنا پڑا، کسی کے پاس پانی نہ تھا، سرکار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر اقدس رکھ کر آرام فرماتے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زجر وتوبیخ بھی کی کہ تیری وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو یہاں رکنا پڑا ہے، نہیں دیکھتی کہ کسی کے پاس پانی نہیں ہے وہ نماز کے لیے وضو یا غسل کیسے کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے

آیت تیمم نازل فرمائی اور سب نے تیمم کرکے نماز ادا کی، اسید بن حضیر نے کہا: اے آل بکر! یہ تمھاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ ہم نے اس طرح کی برکتوں کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے بہت سی آسانیاں فراہم ہوئی ہیں) پھر اونٹ کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ہار ملا۔ (موطاامام محمد، ص:۷۷، مجلس برکات و سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۲۲)

ہار کے گم ہونے میں بہت حکمتیں ہیں حضرت صدیقہ کے ہار کی وجہ سے قیام، ان کی فضیلت و منزلت کا مشعر ہے، صحابہ کا جستجو فرمانا اس میں ہدایت ہے کہ حضور کے ازواج کی خدمت مومنین کی سعادت ہے اور پھر حکم تیمم معلوم ہونا، حضور ﷺ کی ازواج کی خدمت کا ایسا صلہ ہے جس سے قیامت تک مسلمان منتفع ہوتے رہیں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

عبادت و ریاضت: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جہاں ایک زبردست فقیہ تھیں وہیں شب زندہ دار، عبادت گذار، عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ کتب احادیث کے صفحات ان کی عبادت و ریاضت کے تذکرے سے مزین و مرصع ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ پوری پوری رات اوراد و وظائف اور نوافل میں مصروف رہتی تھیں۔ وہ خود فرماتی ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ پوری رات قیام کرتی اور نبی کریم ﷺ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نسا پڑھتے، جب آیت تخویف سے گذرتے تو اللہ عزوجل سے دعا کرتے اور اس کی پناہ طلب کرتے اور جب خوش خبری والی آیت کی تلاوت کرتے تو فرحت و رغبت کا اظہار کرتے۔ (مسند احمد، ج:۶، ص:۱۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز چاشت کی بھی پابند تھیں، فرماتی ہیں: میں نے ایک ایسی نماز پڑھی ہے جسے میں نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں پڑھا کرتی تھی، اگر میرے والد محترم بھی قبر انور سے اٹھ کر اس سے روکے تو پھر بھی میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ (ایضًا، ص:۱۳۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۵۴)

خوف الٰہی سے ہمیشہ لرزہ براندام رہتیں، نمازوں میں کھڑی ہوتیں تو چوب خشک معلوم ہوتیں، سیر اعلام النبلا میں ہے کہ وہ (اپنی عمر کی آخری دور میں) کہا کرتی تھیں، کاش! میں اس درخت کا پتہ ہوتی۔

(سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ء۔۱۴۲۵ھ)

آخرت کو ترجیح: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، جلد بازی سے جواب دینے کی کوشش نہ کرنا، بلکہ اس کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کرلینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کیا بات ہے یارسول اللہ ﷺ؟ تو آپ نے سورۂ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرمائی: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (سورۂ احزاب، آیت:۲۸۔۲۹)

ترجمہ: اے غیب بتانے والے! اپنی بیویوں سے فرمادیں اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تمھاری نیکی والیوں

کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔(کنزالایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے برجستہ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں آپ کے بارے میں والدین سے کیوں مشورہ کروں، میں تو اللہ ،اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔(الطبقات الکبریٰ لابن سعد،ج:۸،ص:۵۴،دارالکتب العلمیہ،بیروت، لبنان،طبع ثانی:۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ءومشاہیر حدیث،ص:۹۱،از:ڈاکٹر عاصم اعظمی)

وفات: ۵۹ھ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے داعیٔ اجل کولبیک کہا، ایک روایت کے مطابق ان کی تاریخ وفات ۵۸ھ ہے۔(تذکرۃ الحفاظ،ج:۱،ص:۲۶،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،طبع اول:۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸ء)

"استیعاب" میں ہے ۵۸ھ رمضان شریف کی ۱۷ر ویں رات منگل کو ان کا انتقال ہوا، انہوں نے رات کو تدفین کی وصیت کی تھیں، وصیت کے مطابق بعد نماز وتر جنت البقیع میں انہیں دفن کیا گیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پانچ لوگوں نے قبر میں اتارا، عبداللہ، عروہ(یہ دونوں زبیر کے بیٹے ہیں) قاسم بن محمد، عبداللہ ابن محمد ابن ابی بکر، عبداللہ ابن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (الاستیعاب،ج:۴،ص:۴۳۸۔۴۳۹،طبع:۱۴۲۲ھ،۲۰۰۲ء، دارالکتب العلمیہ،بیروت، لبنان، اسدالغابہ، ج:۷،ص:۱۸۹،دارالکتب العلمیہ،طباعت:۲۰۰۳ء۔۱۴۲۴ھ)

جس رات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا اس رات ان کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے لوگ اس کثرت سے آئے تھے کہ معلوم ہورہا تھا کہ جنت البقیع عیدگاہ بن چکی ہے اور قندیلوں کی روشنی سے بقیع جگمگا اٹھی تھی۔(سیر اعلام النبلاء،ج:۳،ص:۳۳،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،۲۰۰۴ء۔۱۴۲۵ھ)

آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ سال پانچ مہینے رہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ،ج:۱،ص:۲۵،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،طبع اول:۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸ء)

استیعاب میں ہے کہ ۹ر سال رہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۸ر سال تھی۔

(استیعاب،ج:۴،ص:۴۳۵،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،طبع:۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۲ء)

حلیۂ مبارکہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حسن باطنی کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری سے بھی نوازا تھا اور وہ تمام صفتیں عطا کی تھیں جو عورتوں میں محمود مانی جاتی ہیں، وہ نہایت متناسب الاعضا، خوش رو، صاحب جمال تھیں، رنگ سرخ تھا اور چہرہ مدوّر، آنکھوں سے ایمان ویقین کی روشنی پھوٹتی تھی، سیر اعلام النبلاء میں ہے: وکانت امرأۃ بیضاء جمیلۃ ومن ثم یقال لھا الحمیرا.

ترجمہ: اور وہ ایک خوب صورت اور خوش رنگ عورت تھیں، اسی وجہ سے انہیں حمیرا کہا جاتا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء،ج:۳،ص:۳۱۰)

من المجتہدین

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت ۶۰۴ء.....وفات: ۱۸ھ

اکرم نورانی، مظفر پور، جماعت: خامسہ 8808532219

نام: معاذ، **کنیت:** ابوعبدالرحمٰن، **والد گرامی:** جبل، **والدہ:** ہندہ بنت سہل۔

نسب نامہ: معاذ بن جبل بن عمر بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمر بن اُدی بن سعد بن علی بن اسد بن شاردہ بن یزید بن جشم بن الخزرج۔ (الطبقات الکبری، ج:۷، ص:۲۷۱، از: محمد بن سعد، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ہجرت سے انیس سال قبل ۶۰۴ء میں ہوئی۔

قبول اسلام: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا اس لیے جب مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۱۸۷، از: ابن اثیر ابوالحسن علی بن محمد جزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

تعلیم و تربیت: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن کے زمانے ہی سے نہایت ذہین و فطین تھے، جب پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ دامن رسول سے وابستہ ہو گئے اور چند ہی دنوں میں پیارے آقا کے فیضان نظر سے حسن تربیت کا اعلیٰ نمونہ بن گئے اور برگزیدہ صحابہ کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ بسا اوقات آپ کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے اور اسرار و رموز کی باتیں بتایا کرتے۔ ایک مرتبہ وہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ردیف تھے تو سرکار نے فرمایا "یا معاذ بن جبل" انھوں نے کہا "لبیك یا رسول الله و سعدیك" آپ نے پھر ان کا نام پکارا اور انھوں نے پھر محبت بھرے انداز میں جواب دیا، اسی طرح تین مرتبہ آپ نے ان کا نام لیا اور وہ برابر لبیک کہتے رہے، اخیر میں پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص صدق دل سے کلمۂ توحید پڑھ لے اس پر دوزخ حرام ہو جاتی ہے" حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ بشارت سنا دوں؟ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، ورنہ لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

(بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۴، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، سن طباعت: ۲۰۰۷)

پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر کس قدر شفقت فرماتے تھے اس کا اندازہ آپ اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ اگر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی سوال نہیں کرتے پھر بھی آپ خود سے انھیں کچھ نہ کچھ بتانے کی کوشش کرتے

، چناں چہ ایک بار پیارے آقا نے حضرت معاذ کی پشت پر کوڑے یا عصا سے ٹھوکر ماری اور فرمایا "جانتے ہو بندوں پر خدا کا کیا حق ہے"؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں" تو آپ نے فرمایا: خدا کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور شرک سے اجتناب کریں" تھوڑی دور چل کر پھر پوچھا "خدا پر بندوں کا کیا حق ہے"؟ پھر انھوں نے عرض کیا "خدا اور اس کے رسول کو بہتر معلوم ہے" تو آپ نے فرمایا: یہ کہ وہ ان کو جنت میں داخل کرے۔ (مسند احمد، ج:۵، ص:۲۳۸، از: امام احمد بن حنبل، دار الفکر)

غزوات میں شرکت: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ستر انصار مین سے ایک ہیں جو بیعت عقبہ میں شامل تھے، نیز آپ بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، جنگ بدر میں شرکت کے وقت آپ کی عمر بیس یا اکیس سال تھی۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۷، ص:۲۷۲، از: محمد بن سعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قدر لگاؤ تھا کہ پیارے آقا اگر ایک لمحے کے لیے بھی آپ کی نظر سے اوجھل ہو جاتے تو آپ بے چین و بے قرار ہو جاتے، جیسا کہ ذیل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

"ایک بار پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی سفر میں تشریف لے گئے ساتھ میں صحابہ کی جماعت تھی جن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، پیارے آقا نے ایک مقام پر قیام فرمایا اور صحابہ کے مجمع سے نکل کر کہیں تشریف لے گئے، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران و پریشان ہو کر شام تک انتظار کرتے رہے، جب آپ تشریف نہیں لائے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لے کر آپ کی تلاش میں نکل پڑے، راستے میں ایک آواز آئی جب آپ نے دیکھا تو وہاں پیارے آقا موجود تھے، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو فرمایا تم کیسے ہو؟ انھوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ ہمارے درمیان موجود نہ تھے، اس لیے ہمیں خوف ہوا کہ کہیں آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچ گئی، اسی وجہ سے ہم آپ کو ڈھونڈھنے نکل آئے۔ (ملخصاً مسند احمد، ج:۵، ص:۲۳۲، از: امام احمد بن حنبل، دار الفکر)

مقام فقہ و اجتہاد: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے ایسی جماعت عطا فرمائی جنھوں نے آپ کے اوصاف کو اپنے اندر محفوظ کیا۔ ہر صحابی میں کوئی نہ کوئی صفت نمایاں تھی انھیں میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کو پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام و حلال کا سب سے زیادہ جاننے والا قرار دیا اور فرمایا: "أعلمهم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل" (جامع الترمذی: ج:۲، ص:۲۲۰، باب مناقب معاذ بن جبل، مجلس برکات، مبارک پور)

یعنی معاذ بن جبل میری امت میں حرام و حلال کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ پیارے آقا نے حضرت معاذ کو فقیہ کا ماہر قرار دیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ و مجتہد ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب یمن میں عہدہ قضا سنبھالنے کی ضرورت در پیش ہوئی تو پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا اور آپ سے دریافت فرمایا: "کیف

تقضی اذ عرض لك قضاء قال أقضی بکتاب الله ،قال: فان لم تجد فی کتاب الله، قال: فبسنة رسول الله ﷺ، قال : فان لم تجد فی سنة رسول الله ﷺ و لا فی کتاب الله قال: أجتهد برأئی و لا آلو۔
فضرب رسول الله ﷺ صدره و قال : ألحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله .

((سنن ابی داود، ج:۲،ص:۵۰۵،باب اجتهاد الرای فی القضا ،مطبوعہ،ہندوستانی نسخہ

ترجمہ: اے معاذ! یمن جاکر لوگوں کے درمیان کیسے فیصلہ کروگے ؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میں کتاب اللہ کے ذریعہ فیصلہ کروں گا، پھر پیارے آقا نے ارشاد فرمایا اگر وہ مسئلہ تمھیں قرآن میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ نے عرض کیا: سنت رسول میں اس کا حل تلاش کروں گا، آپ نے ارشاد فرمایا! اگر دونوں میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں کسی کوتاہی کے بغیر اپنی رائے سے اس کو حل کروں گا۔

پیارے آقا نے حضرت معاذ کے سینے پہ اپنا دست مبارک مارا اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تونے اپنے نبی کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کے رسول راضی ہیں۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجتہد ہونے کی تائید و تصویب فرمائی۔ اب اس حدیث کے ضمن میں چند اہم باتیں نظر قارئین ہیں۔

اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد درجے کے صحابی تھے۔ آپ کو سرکار دوعالم ﷺ نے خود اجتہاد کی اجازت دی تھی اور دوسروں کے لیے آپ کے اجتہاد کو واجب القبول ٹھرایا۔

أن معاذا قدسن لکم سنة کذالك فا فعلو ا : تبھی تو پیارے آقا نے ایک موقع پر حضرت معاذ کے تعلق سے فرمایا

(سنن ابی داود، ج:۱،ص:۷۴، مطبوعہ: ہندوستانی نسخہ)

معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شک تمھارے لیے ایک راہ قائم کردی ہے اب تم اس کی اقتدا میں چلو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس دور سے ہی فقہائے صحابہ کی پیروی چلی آرہی ہے۔

نیز یہ کہ سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لوگ آپ سے مسائل پوچھیں گے تو آپ کیسے بتاؤ گے ؟ اس سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے بھی کسی مجتہد کا ہونا ضروری ہے جو نئے نئے پیش آنے والے مسائل کو حل کرسکے۔

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اگر مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو "أجتهد برأئی" (میں اپنی رائے سے استنباط کروں گا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسائل جن کے بارے میں صراحتًا قرآن و حدیث میں رہنمائی نہ ملے ان میں رائے سے کام لینا کوئی معیوب یا معتوب نہیں۔

حاصل یہ کہ حدث پاک حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجتہد ہونے کی روشن دلیل ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اجتہاد کا حکم ہے اور اہل یمن کو ان کی تقلید کا۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باریک بینی کا اندازہ آپ اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ پیارے آقا نے امت کو چار لوگوں سے قرآن پڑھنے اور سیکھنے کا حکم دیا جن میں حضرت معاذ کا نام بھی شامل ہے۔پیارے آقا فرماتے ہیں:"استقرؤ االقرآن من اربعة :من عبدالله بن مسعود ،سالم مولیٰ ابی حذیفه ،ابی ابن کعب و معاذ ابن جبل "

(صحیح البخاری، ج:۱، ص:۵۳۱، مطبوعہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ: چار لوگوں سے تعلیمات قرآن حاصل کرو: عبداللہ ابن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی ابن کعب و معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یوں تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم علم و عمل کے پہاڑ اور فضل و کمال کے سمندر ہیں اس کے باوجود ان چاروں کو تعلیم قرآن کے ساتھ خاص کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآنیات کے سلسلے میں یہ حضرات ممتاز مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔

اب ہم حضرت معاذ کی فقہی ژرف نگاہی پر دلالت کرنے والی چند اور مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) ابو مسلم خولانی نے کہا: میں مسجد حمص میں داخل ہوا اور اس مسجد میں تقریباً تیس بزرگ صحابی موجود تھے اور ان کے درمیان ایک ایسا شخص موجود تھا جس کی آنکھیں سرمگی اور دانت چمک رہے تھے اور اور وہ خاموش بیٹھا تھا، جب لوگ کسی مسئلے میں الجھتے تو اس کی طرف رجوع کرتے، جب میں نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ معاذ بن جبل ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۰، از: امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاذ کو فقیہ ہونے کی سند دی، چناں چہ مقام جابیہ میں لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

من اراد ان يسئل عن القرآن فليات أبياًو من اراد أن يسئل عن الفرائض فليات زيداً و من اراد ان يسئل عن الفقه فليات معاذاً و من اراد ان يسئل عن المال فلياتنى فان الله جعلنى له خازناً و قاسماً

(مرجع سابق)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہے وہ ابی بن کعب کے پاس جائے، جو شخص فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہے وہ زید بن ثابت کے پاس جائے، جو شخص فقہ کے متعلق جاننا چاہتا ہے وہ معاذ کے پاس جائے اور جس شخص کو مال کی چاہت ہو وہ میرے پاس آئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا خازن و قاسم بنایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں علم فقہ کی کیا عظمت تھی اور مجتہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتہادی شان کے کیا چرچے ہوتے تھے۔

(۳) ابو بحیرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں مسجد حمص میں داخل ہوا وہاں ایک نوجوان موجود تھا جس کے اردگرد

لوگ جمع تھے، جب وہ لوگوں سے گفتگو کرتا تو ایسا لگتا تھا کہ اس کہ منہ سے نور پھوٹ رہا ہو اور چمکتے ہوئے موتی نکل رہے ہوں لوگوں نے مجھ سے بتایا کہ وہ معاذ ابن جبل ہیں۔ (مرجع سابق)

احادیث مذکورہ پڑھنے کے بعد آپ کو اتنا یقین تو ضرور ہو گیا ہو گا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا شمار ممتاز فقہا میں ہوا کرتا تھا۔ اس ضمن میں حضرت اسود بن یزید کی حدیث بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

"عن الاسود بن یز ید قال اتانا معاذ بن جبل بالیمن معلماً او امیراً فسالناه عن رجل توفیٰ و ترك ابنته و اخته فاعطی الابنة النصف و الاخت النصف"

(صحیح بخاری، ج:۲، ص:۹۹۷، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ: اسود ابن یزید کہتے ہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے یمن میں معلم یا امیر بن کر آئے، ہم نے آپ سے پوچھا ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی۔ آپ نے اس ترکہ کا ایک نصف بیٹی کو اور دوسرا نصف بہن کو دلوایا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو یہ مسئلہ بتایا تو لوگوں نے کسی دلیل کے مطالبہ کے بغیر محض ان پر اعتبار کرتے ہوئے یہ مسئلہ مان لیا۔

وفات: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات طاعون کی وجہ سے ہوئی، لیکن آپ کے سن وفات کے سلسلے میں دو روایت ملتی ہیں، ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات ۱۸ھ اور ایک روایت کے مطابق ۱۷ھ میں ہوئی۔ لیکن اول اصح ہے۔ اور آپ کی عمر کے سلسلے میں چار اقوال ملتے ہیں (۱) ۳۸سال (۲) ۳۶سال (۳) ۳۴سال (۴) ۲۸سال لیکن پہلا قول راجح ہے کیوں کہ اکثر مؤرخین نے اسے لفظ "قال" سے بیان کیا ہے اور باقی کو صیغۂ تضعیف کے ساتھ ذکر کیا۔

من المجتهدين

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۳۰ھ

شیر محمد، کشن گنج، جماعت: خامسہ 8765810834

نام و نسب: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اُبَی کنیت "ابو المنذر" اور "ابو الطفیل" ہے۔ "سید الانصار" اور "سید القرا" آپ کے القاب ہیں۔ آپ کا تعلق مدینہ منورہ کے ایک معزز قبیلہ، قبیلۂ نجار کے خاندان سے تھا۔ نجار آپ کا مورث اعلیٰ ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمر بن مالک بن نجار۔

(مسند احمد، ج:۵، ص:۱۱۳، مطبوعہ دار الفکر)

قبول اسلام: آپ کتب قدیمہ کے متبحر عالم تھے۔ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہونے والے ہیں۔ لہذا جب آپ تک بعثت کی خبر پہونچی تو بارہ لوگوں پر مشتمل ایک قافلہ کے ساتھ مکہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قبول اسلام سے سرفراز ہوئے۔ حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ کو ان الفاظ میں ذکر کیا: "شهد ابی بن كعب العقبة الثانية و بايع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم."

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، للامام قرطبی، ص:۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

یعنی حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے اور اسی موقع سے پیارے آقا علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کی۔

رشتۂ اخوت: مدینہ سے مکہ پہنچ کر بیعت ہونے والا یہ دوسرا قافلہ تھا۔ اس سے پہلے ایک قافلہ بیعت ہو چکا تھا۔ تاریخ میں یہ دونوں، بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ سے مشہور و معروف ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد بھی ۷۲ افراد نے صحابیت کا شرف حاصل کیا۔ پھر اس کے بعد ہی ہجرت کا حکم ہو گیا تو پیارے آقا علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا. تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید کو حضرت ابی رضی اللہ عنہما کا بھائی قرار دیا۔ جیسا کہ حضرت محمد بن اسحاق سے روایت ہے۔

"اٰخی رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بين ابی بن كعب و سعيد بن زيد رضی الله عنهما۔

لیکن حضرت سعد بن ابراہیم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابی بن کعب اور طلحہ بن عبید اللہ کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا تھا۔

"اٰخی رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بين ابی بن كعب و طلحة بن عبيد الله"

(الطبقات الکبری، لابن سعد، ج:۳، ص:۳۷۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

غزوات میں شرکت: حضرت ابی بن کعب غزوۂ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق و دیگر تمام غزوات میں نبی علیہ السلام کے ساتھ مردانہ وار شریک رہے۔ حضرت محمد بن اسحق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"شهد ابی بدرا و احدا و الخندق و المشاهد كلها"(مصدر سابق)

طلب علم: قبول اسلام کے بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلب علم میں زندگی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ چھوڑا۔ ہمیشہ قصر علم کی تعمیر و ترقی میں مشغول رہے۔ آپ توراۃ وانجیل کے ماہر تھے ہی حفظ قرآن، فن قراءت اور دیگر علوم وفنون میں بھی انصار و مہاجرین پر سبقت لے گئے۔ انصار و مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکتساب فیض کی خاطر بارگاہ فیض بخش علیہ السلام میں حاضر تو رہتے مگر کبھی کبھی بغرض معاش، تجارت و زراعت میں بھی مشغول ہوجاتے۔ لیکن حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چشمۂ علوم نبویہ ہی کو گزرا اوقات کے لیے خاص کرلیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاواسطہ خود پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن سن کر قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا۔

جب بھی پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم فرماتے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراپا گوش بن جاتے۔ حصول علم میں آپ کو تشنہ لب دیکھ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ہی اپنے چشمۂ علم کا بند کھول دیتے۔ حضرت ابوہریرہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ابی! میں تمھیں ایک ایسی سورت بتاتا ہوں جس کی نظیر نہ توراۃ و زبور میں ہے اور نہ انجیل و قرآن میں۔ اتنا فرما کر آپ علیہ السلام دوسری گفتگو میں مشغول ہوگئے۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھے اور گھر کی جانب تشریف لے گئے۔ شوق طلب علم میں حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہوگئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب جنبش لب فرمائیں گے۔ مگر پیارے آقا علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسری گفتگو شروع فرمادی پھر اس سورۃ کی طرف اشارہ بھی نہ کیا حتی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دروازے تک پہنچ گئے۔ ادھر حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صبر و شکیب کا پیمانہ لبریز ہوہی گیا اور بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

السورة التي قلت لی. قال فكيف تقرأ اذا قمت تصلی؟ فقرأ بفاتحة الكتاب؛ قال هی هی.

(مسند احمد، ج:۵، ص:۱۱۴)

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ سورۃ بتلادیں جس کا آپ نے تذکرہ کیا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو کیا پڑھتے ہو؟ تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ تو پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وہ سورت ہے۔

(مسند احمد، ج:۵، ص:۱۱۴)

غرض جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ظاہری زندگی کے ساتھ جلوہ افروز رہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نور نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستنیر و ضیابار ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حفظ قرآن، فن قراءت، تشریح احادیث وغیرہ علوم وفنون کے ماہر ہوگئے۔ باریک بینی، دقیقہ سنجی اور تلاش وتتبع نے خاص کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے مسائل واحکام کے استنباط واستدلال

کا فطری ملکہ پیدا کر دیا۔ گویا آپ کا طائر علم و فضل آسمان ترقی کی جانب رو بہ پرواز ہو گیا۔

عہد رسالت تا عہد خلافت: جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چشم عالم سے پوشیدہ نہ ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلوت و جلوت، خوشی و غمی تمام حالات میں آپ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہے۔ بدر سے لے کر طائف تک تمام غزوات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ڈھال اور دشمنوں کے لیے وار بنے رہے۔ تعلیم و تدریس دعوت و تبلیغ کل امور دینیہ میں پیش پیش رہے۔ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تحصیل صدقات کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرب و جوار میں عمال بھیجے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ''عُذرہ'' وغیرہ صوبوں کا عامل مقرر کیا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحسن و خوبی اپنی ذمہ داری کو انجام دیا اور کبھی بھی ہدایات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف نہ گئے۔ حضرت یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقررہ صوبوں سے صدقات وصول کیے۔ یہاں تک کہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جس کا مکان شہر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بالکل قریب تھا۔ تو اس شخص نے صدقے میں تمام اونٹ سامنے کر دیے کہ ان میں سے آپ جو پسند فرمائیں انتخاب فرمالیں۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو سال کی ایک اونٹنی کا انتخاب کیا۔ اس شخص نے کہا یہ کیا یہ تو نہ دودھ دے نہ سواری کا کام انجام دے! اللہ کی قسم! پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے اب تک کوئی عامل تمھاری طرح نہ آیا اور نہ میں نے ایسا جانور اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جو نہ دودھ دینے کے قابل ہو نہ سواری کے قابل ہو۔ لہذا یہ اونٹنی موٹی، تازی اور فربہ ہے اسے قبول فرمائیں۔ اتنی عرض و معروض کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ یقیناً آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کامل اطاعت گزاری پر بین دلیل ہے۔ آپ نے کہا:

''ما انا باٰخذ ما لم أو مر به فهذا رسول الله صلى الله عليه وسلم منك قريب فان احببت ان تاتيه فتعرّض عليه ما عرضت على''

میں ہدایت نبوی کے خلاف نہیں جا سکتا پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے جس چیز کے لینے کی اجازت نہ دی میں اسے ہرگز نہیں لے لوں گا۔ پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمھارے قریب ہی جلوہ فرما ہیں، جو کچھ مجھے دے رہے ہو اگر چاہو تو بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر خود پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دو۔ پھر خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر انہوں نے پورا ماجرا بیان کیا اور وہی فربہ اونٹنی پیش کی تو پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی۔

(مسند احمد، ج:۵، ص:۱۴۲)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد صدیقی میں اہم خدمات انجام دی۔ خاص جمع قرآن میں آپ کی خدمت مسلم ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تدوین قرآن کا آغاز کیا تو دوران تدوین آخرِ براءت کی دو آیتوں کے سلسلے میں کافی اختلاف ہوا۔ اس لیے کہ یہ دو آیتیں تحریری شکل میں صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجود تھیں۔ تو عناد پرستوں نے اعتراض کیا کہ بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے اور غیر متواتر ہے۔ مگر محققین نے اس کا مسکت اور دنداں شکن جواب دیا اور الزام آحاد کی تردید میں بے شمار حفاظ و قراء پیش کیے جن کے سینے میں یہ آیتیں

محفوظ تھیں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بھی سند تواتر کے طور پر پیش کیا گیا۔
(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:۳،ص:۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
لہٰذا جب اختلاف بڑھا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آخرِ براءت کی دو آیتوں کی تصدیق کی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:
"قال اٰخر اٰیة نزلت "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ...الاٰیة"(سورۃ التوبۃ آیت: ۱۲۸-۱۲۹)
(مسند احمد بن حنبل، ج:۵،ص:۱۱۷)
حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ سورہ برات کی آخر میں نازل ہونے والی آیتین یہ ہیں۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ.... الی اٰخرہ۔(التوبۃ، آیت:۱۲۸-۱۲۹)
اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے علمی مقام و مرتبہ کا خوب خوب پاس ولحاظ کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا باضابطہ نظام قائم کیا تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو قوم کا امام منتخب فرمایا۔(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:۳،ص:۱۷۷)
خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ میں آپ رضی اللہ عنہ صرف عہدہ امامت پر ہی فائز نہ تھے بلکہ پورے عہد میں ایک قابل سند مفتی کی حیثیت سے مسند افتا پر متمکّن رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے فقہی و اجتہادی کمال سے اتنا متاثر تھے کہ انھوں نے درس و تدریس اور تعلیم امت کے سوا کبھی کوئی دوسری ذمہ داری آپ کے سپرد ہی نہ کی۔ حضرت عمران بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
قال ابی بن كعب لعمر بن الخطاب رضی الله عنهما مَالَكَ لا تَسْتعملنی ؟ قال: أكره ان يدنس دينك "
ایک مرتبہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ مجھے کوئی اور ذمہ داری کیوں نہیں دیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں آپ کے دین کو دنیا میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتا۔
(طبقات، ج:۳،ص:۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع فرما کر امت کو ایک تلفظ کے قراءت پر متفق کر کے قیامت تک کے مسلمانوں پر ایک عظیم احسان فرمایا۔ مگر اس شاہکار میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا ایک خاص مقام و مرتبہ تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نقل و املا کی خدمت کے لیے انصار و قریش کے بارہ ۱۲/ افراد کی تعیین فرمائی۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بھی تدوین قرآن کی مجلس میں شامل فرمایا۔
(تدوین قرآن، از: محمد احمد مصباحی، ص:۸۴، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور)
طبقات میں محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے:
"أن عثمان جمع اثنى عشر رجلا من قر يش و الانصار فيهم ابی بن كعب و زيد بن ثابت فی جمع

القرآن."(الطبقات الکبری، ج:۳، ص:۳۸۱، مطبوعه دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے لیے انصار وقریش میں سے بارہ افراد کی ایک مجلس قائم کی جس میں حضرت ابی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

لہذا جمع قرآن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہم خدمت ہے بلکہ اس عظیم کارنامہ میں آپ بھی شریک وسہیم ہیں "الاعلام" میں ہے۔"امره عثمان جمع القرآن فاشترک فی جمعه

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیا لہذا جمع قرآن میں آپ بھی شریک وسہیم ہیں۔

(الاعلام لزرکلی، ج:۱، ص:۸۷، الطبعۃ الثالثہ، بیروت)

وفات: آپ کی سن وفات مین کافی اختلاف کیا گیا۔ علامہ ابن کثیر نے تمام اختلافات کو ذکر کرنے کے بعد راجح اور اصح قول کو نقل کرتے ہوے فرمایا: آپ کی وفات ۳۰ھ میں شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے بروز جمعہ کو ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج:۴، ص:۳۴۰، فصل واما کتاب الوحی، دار الفکر، بیروت)

نیز اس اصح قول کی اصل طبقات، اصابہ، تاریخ اسلام، وغیرہ مستند کتب سیر میں بھی حضرت واقدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے منقول ہے:"قال الواقدی : وأثبت الاقاویل عندنا أنه مات فی خلافة عثمان سنة ثلاثین.

فقہی و اجتہادی کارنامے: کتب سیر میں آپ کے استنباطِ مسائل کے واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں اور زیر نظر مقالے کا مقصد خاص بھی آپ کے فقہی و اجتہادی کمالات کو اجاگر کرنا ہے لہذا اب ہم آپ کے فقہی گوشے قارئین کی نظر کر رہے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر کتاب اللہ سے مسائل کا استنباط فرماتے پھر احادیث کی جانب رجوع کرتے۔ جب ان دونوں میں حل کی صورت نظر نہ آتی تو قیاس سے کام کر لیتے۔

حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یا ابن اخی ! أکان هذا؟ قلت لا، قال فأجِمنا حتی یکون، فاذا کان اجتهدنا لك رأینا.

اے میرے بھتیجے! جو مسئلہ آپ پوچھ رہے ہیں کیا وہ مسئلہ واقع ہو چکا؟ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا ابھی تو واقع نہیں ہوا، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تک وہ مسئلہ واقع نہ ہو، مجھے چھوڑے رہو۔ جب وہ مسئلہ در پیش ہو گا تو میں اپنے قیاس اور رائے سے تمھارے لیے اجتہاد کروں گا۔(الطبقات الکبری، ج:۳، ص:۳۸۰)

مسئلۂ لقطہ: حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ زید بن صوحان اور سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی غزوے میں گئے۔ مقام "عزیب" میں انھیں ایک کوڑا پڑا ملا۔ انھوں نے کہا اسے پھینک دو! شاید کسی مسلمان کا ہو۔ حضرت سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نہ پھیکوں گا اس لیے کہ اگر پھیکوں گا تو بھیڑیے کی غذا بن جائے گا۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ اسے استعمال میں لایا جائے۔ کچھ دنوں بعد حضرت سوید بن غفلہ سفرحج کے لیے روانہ ہوئے درمیان میں مدینہ منورہ پڑ رہا تھا۔ انھوں نے

حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کوڑے کا مسئلہ دریافت کیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اس قسم کا واقعہ مجھ کو بھی پیش آچکا ہے۔ عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مجھے ۱۰۰ دینار ملے تھے۔ پیارے آقا علیہ السلام نے حکم فرمایا: میں سال بھر تک لوگوں کو خبر کرتے رہوں۔ سال گزرنے کے بعد پھر ارشاد ہوا روپے کی تعداد، تھیلی کا نشان وغیرہ (علامتیں) یاد رکھنا پھر ایک سال تک انتظار دیکھنا اگر کوئی اس نشانی کے موافق طلب کرے تو اس کے حوالے کر دینا ورنہ وہ تمھارا ہو چکا۔ (لہٰذا ہر لقطہ یعنی گری ہوئی چیز کو اٹھانے پر یہی حکم ہے) یہ روایت متعدّد مقامات پر مذکور ہے۔ مگر سب کا خلاصہ وہی ہے جو بیان کیا گیا۔ (ایضًا، ج:۴،ص:۲۶۰)

حج تمتع کا مسئلہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو حج تمتع سے روک دیں حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ کو اس کا اختیار نہیں اس لیے کہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"تمتعنا مع رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و لم ينهنا عن ذالك"

ہم نے خود پیارے آقا علیہ السلام کے ساتھ حج تمتع کیا ہے اور پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع نہ کیا۔ "فاضرب عن ذالك عمر" لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا تو اپنے ارادے سے باز آگئے۔

(مسند احمد بن حنبل، ج:۵،ص:۱۴۳)

پھر ارادہ کیا کہ لوگوں کو حیرہ کے حلے پہننے سے منع کر دیں اس لیے کہ اس کے رنگ میں پیشاب کی آمیزش ہوتی تھی۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "ليس ذاك لك قد لبسهن النبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و لبسناهن فی عهده" اس کی ممانعت کا بھی آپ کو اختیار نہیں چوں کہ خود پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا پہننا ثابت ہے اور پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں خود ہم لوگوں نے بھی پہنا ہے۔ (یہ اجتہاد عموم بلوی کی بنا پر تھا۔) (مسند احمد، ج:۵،ص:۱۴۳)

دوسرے کی زمین پر مسجد تعمیر کرنا: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان مسجد نبوی سے متّصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کو وسیع کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ وہ اپنا مکان فروخت کر دیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ سے کہا گیا کہ ہبہ کر دیں۔ مگر آپ راضی نہ ہوئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ خود مسجد کو وسیع کر دیں اور اپنا مکان اس میں داخل کر دیں۔ اس پر بھی بات نہ بنی۔ تو حضرت عباس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنا معاملہ پیش کیا۔

حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: بلا رضامندی کے آپ کو ان کی چیز لینے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

أرئيت قضائك هذا فی كتاب الله وجدته أم من سنة رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ فقال ابی: بل سنة من رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال عمر و ما ذالك.

آپ نے یہ فیصلہ قرآن کی رو سے کیا یا حدیث کی رو سے؟ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حدیث کی رو سے حضرت عمر نے کہا وہ

کیسے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ اس طور پر کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی عمارت بنوائی تو اس کی ایک دیوار ایسی تھی کہ جب جب وہ اس کی تعمیر فرماتے صبح ہوتے ہی وہ منہدم ہو جاتی۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے حضرت سلیمان کے پاس وحی آئی کہ دیوار دوسرے کی زمین پر بنائی جا رہی ہے جب کہ دوسرے کی زمین پر اس کی رضامندی کے بغیر آپ ہرگز تعمیر نہیں کر سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا تو خاموش ہو گئے۔ (کنز العمال، ج:۱، ص:۸۴۵، حدیث نمبر:۲۳۰۹۶، بیت الافکار الدولیۃ)

مگر پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کب گوارا کر سکتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطیب خاطر اپنی زمین مسجد میں شامل کروا دیا۔ (مصدر سابق)

نماز تراویح میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد اور پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویب: مشہور ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رمضان تین رات مسجد میں تراویح کی جماعت کرائی۔ پھر تیسرے دن کے بعد آپ تشریف نہ لائے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے آپ علیہ السلام سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے نہ آنے کی وجہ بیان فرمائی:

فلم یمنعنی من الخروج الیکم إلّا انی خشیت ان تفرض علیکم.

(کتاب السنن سنن ابی داؤد، باب فی قیام شہر رمضان، حدیث نمبر:۱۳۷۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ:۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰م)

مجھے تراویح پڑھانے سے صرف یہ بات مانع ہوئی کہ مجھے خوف ہوا کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی یہ عادت تھی کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی عمل سے رک جاتے تو صحابہ بھی رک جاتے۔ مگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ اجتہادی شان تھی کہ آپ نے اجتہاداً نماز تراویح باجماعت قائم رکھی۔ محراب سے ہٹ کر ایک کونے میں جماعت کراتے رہے۔ آپ کو دیکھ کر تراویح کی کچھ اور جماعتیں بھی قائم ہو گئیں۔ صورت اجتہاد یہ تھی کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جماعت ترک کرنا یا تو ناپسندیدگی کی بنا پر تھا یا امت پر تخفیف مقصود تھا۔ یہ بھی دقت پیش نظر تھی کہ ماہ رمضان میں پورا قرآن ختم کرنا غیر حافظ کے لیے ایک امر محال ہے۔ ”امت پر شفقت مقصود تھا اور غیر حافظ کے لیے ختم قرآن اور حسن قراءت ایک مشکل امر ہے“ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجتہاداً یہی پہلو اختیار کیا جس کی تصویب خود پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو دیکھا کچھ لوگ رمضان میں مسجد کے ایک کونے میں تراویح پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیوں جمع ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان لوگوں کو قرآن یاد نہیں اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو نماز تراویح پڑھا رہے ہیں۔ تو پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا:

”اصابوا و نعم ما صنعوا“ (حوالہ مذکورہ، حدیث نمبر:۱۳۷۴)

”انھوں نے بہت اچھا کیا اور جو کچھ کیا ہے اچھا عمل ہے۔“

غیر حافظ کے لیے ختم قرآن اور حسن قراءت یقیناً تکلیف ما لا یطاق ہے۔ یہ اجتہاد ایسی تھی جسے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدت سے محسوس کیا پھر بالاہتمام ہمیشہ کے لیے باجماعت تراویح کا نظام قائم کر دیا۔ (حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نماز پڑھانا بالاہتمام نہ تھا وہ صرف چند لوگوں کو لے کر پڑھ لیا کرتے)

حضرت ابن منیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "أن عمر ابن الخطاب امره أن يصلي بالليل في رمضان، قال إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرءوا فلو قرأت عليهم بالليل."

(جامع الرضوی بصحیح البہاری لملک العلما، حصہ:٢،ص:٥٩٨، مطبوعہ منظمۃ ائمۃ المساجد، مدن پورہ، ممبئی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح کی نماز پڑھاؤ اس لیے لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ کہ تم ان پر تقرآن پڑھا کرو۔

کتاب الحد اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف: ابتداے اسلام میں حد زنا میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف الگ تھا۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے زنا کا ارتکاب کرے تو اسے فقط رجم وسنگسار کیا جائے گا کوڑے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ مگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف اس سے مختلف تھا۔ جیسا کہ کنز العمال میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت منقول ہے:

"يجلدون و يرجمون، و يرجمون و لا يجلدون، و يجلدون و لا يرجمون."

یعنی جب کوئی زنا کرے تو اس کی سزا کی تین صورتیں ہوں گی۔ (١) کوڑے لگائے جائیں اور سنگسار بھی کیا جائے۔ یہ بوڑھا شادی شدہ کی سزا ہے۔ (٢) سنگسار تو کیا جائے پر کوڑے نہ لگائے جائیں۔ یہ جوان شادی شدہ کی سزا ہے۔ (٣) صرف کوڑے لگائے جائیں گے رجم نہیں کیا جائے گا۔ یہ جوان غیر شادی شدہ کی سزا ہے۔ (كما فسره ابو قتادة.)

(کنز العمال، ج:١، ص:٥٠٩، حدیث نمبر:١٣٥٠٠)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رجم سے پہلے کوڑے لگائے جائیں یا نہیں؟ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجم سے پہلے کوڑے کے قائل تھے۔ ان کا یہ استدلال قرآن کریم سے تھا اس لیے کہ قرآن پاک میں حکم عام ہے۔ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ'' (سورہ النور ٢٤، آیت:٢)

"زانی مرد اور عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائیں جائیں"

اور رہی بات رجم تو یہ صریح احادیث سے ثابت ہے۔ مزید یہ کہ حضرت ابن عباس حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور (ایک روایت کے مطابق) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے موید تھے۔ لہذا کوڑے قرآن کے حکم سے لگائے جائیں گے اور رجم حدیث کی رو سے کیا جائے گا۔ مگر جمہور کا مسلک یہ تھا کہ رجم کرنے سے قبل کوڑوں کی سزا دینا بے معنی ہے اور جواب دیا گیا کہ قرآن کا حکم عام نہیں خاص ہے۔ اور اس عموم کی مخصص وہ حدیث صحیح ہے جس میں صرف رجم کا ذکر ہے جس پر خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عمل کیا۔ یعنی رجم کے ساتھ کوڑے نہیں لگائے۔ اور جس حدیث میں کوڑے اور رجم دونوں کا ذکر ہے تو ان میں سے ایک منسوخ ہے جسے حازمی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا۔ پھر یہ کہ جس میں صرف رجم کا حکم ہے کوڑے کا نہیں وہ حدیث ان اصحاب سے مروی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں ایمان لائے۔ لہذا یہی مانا جائے گا کہ پہلی

حدیث منسوخ ہے۔

(شرح مؤطا، از: امام محمد، شارح محمد علی رحمۃ اللہ علیہا، ج:۲، ص:۶۱۱۔۶۱۳، ملخصًا، مطبوعہ فاروقیہ بک ڈپو)

قراءت خلف الامام اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہادات میں قراءت خلف الامام بھی ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن ابو ھذیل سے مروی ہے۔

أن ابی بن كعب كان يقرأ خلف الامام في الظهر و العصر. (کنز العمال ج۱ص:۸۴۱، حدیث نمبر:۲۲۹۸۱)

یعنی حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر وعصر میں قراءت خلف الامام کرتے تھے۔ حضرت ابی کا استدلال قرآن پاک کریم کی اس آیت سے تھا "وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (الاعراف ۷، آیت:۲۰۴)

جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو غور سے سنو۔ ظہر و عصر میں تو بلند آواز سے تلاوت ہوتی نہیں تو "انصتوا" کا کیا مطلب؟ لہذا خود بھی قراءت کرلیا جائے۔

وہابی غیر مقلد اس حدیث کو قراءت خلف الامام کی سند کے طور پر پیش کرسکتا ہے اس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل ابتداے اسلام میں تھا پھر بعد میں اس کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اسی لیے جہاں یہ حدیث مذکور ہے اس کے فوراً بعد ہی وہ حدیث بھی پیش کردی گئی جس میں قراءت خلف الامام کی ممانعت ثابت ہے وہ یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ نماز پوری ہونے کے بعد آپ اصحاب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگ اپنی نمازوں میں قراءت خلف الامام کرتے ہو حالاں کہ امام خود قراءت کررہا ہو۔ آپ نے تین بار حکم فرمایا خاموش رہا کرو، خاموش رہا کرو، خاموش رہا کرو۔ (کنز العمال، ج:۱، ص:۸۴۱، حدیث نمر:۲۲۹۸۳)

حضرت عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کاتب وحی بھی ہیں اور فقہاے اصحاب علیہم الرضوان سے بھی) سے روایت کی انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام کے ساتھ قراءت کے متعلق پوچھا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "لا قراءة مع الامام في شيء" امام کے ساتھ قراءت بالکل جائز نہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ باب سجود التلاوۃ، ج:۱، ص:۲۱۵، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

دوران خطبہ گفتگو کی ممانعت: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ایک مرتبہ جمعہ کے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے بغل میں بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوران خطبہ سورہ براءت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ابودرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس سورت کے نزول کا علم نہ تھا۔ تو دوران خطبہ ہی حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ بعد نماز انھوں نے پوچھا اے ابی! آپ نے ہمارا جواب کیوں نہ دیا؟ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"انه ليس لك من جمعتك إلا ما لغوت"

"آج تمھاری نماز بے کار ہوگئی وہ بھی صرف اسی لغو حرکت (دوران خطبہ بولنے) کے سبب۔" وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ

میں پہنچے اور عرض کیا کہ ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا کہہ رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "صدق ابی" ابی نے جو کہا سچ کہا۔ یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توبہ واستغفار کیا۔ (کنزالعمال ج:۱، ص:۸۵۴، حدیث نمبر:۲۳۳۲۲)

(یہی روایت حضرت عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قدر تغیر کے ساتھ مسند، ج:۵، ص:۱۴۳ میں بھی مذکور ہے)

آداب مسجد: حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

سمع ابی بن کعب رجلاً یعتری ضالته فی المسجد، فغضبه فقال: یا ابا المنذر ما کنت فاحشا، قال: إنا امرنا بذالك (مرجع سابق، ج:۱، ص:۸۴۵، حدیث نمبر:۲۳۰۹۴)

ایک شخص کسی گمشدہ چیز پر شور مچا رہا تھا حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو غضب ناک ہوگئے۔ اس نے کہا میں کہاں غلط اور فحش بک رہا ہوں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ ٹھیک ہے مگر یہ حرکت مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔

مسائل طلاق اور حضرت ابی بن کعب کا موقف وفتویٰ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرۃ رکوع ۱۱ر میں تفصیل کے ساتھ ایسی مطلقہ عورتوں کی عدت کا مسئلہ بیان فرمایا گیا جنھیں حیض آتا ہو اور ان عورتوں کی عدت کا بھی مسئلہ بیان فرمایا گیا جن کے شوہر انتقال کر جائیں۔ لیکن اس میں تین قسم کے عورتوں کی عدت کا مسئلہ بیان نہیں کیا گیا جنھیں حیض نہیں آتا۔ (۱) وہ عورت جو ایسی عمر کو پہنچ چکی ہو جس عمر میں حیض نہیں آتا۔ (۲) یا وہ چھوٹی ہو ابھی بالغ ہی نہ ہوئی ہو۔ (۳) یا حاملہ ہو اس لیے کہ حمل کی وجہ سے حیض آنا بند ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر اس قسم کی عورتیں مطلقہ ہوں یا متوفی عنہا زوجہا ہوں تو ان کی عدت کیا ہوگی؟

چوں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ رسالت ہی سے فتوی دیا کرتے تھے اور لوگ مسائل دریافت کرکے آپ سے ان کا حل تلاش کرتے تھے۔ تو جب لوگوں کو یہ سارے مسائل پیش آئے تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مدینہ کے کچھ لوگ سورہ بقرہ کی عدت والی آیت کے نزول کے بعد کہنے لگے کہ بعض عورتوں کی عدت کا بیان قرآن میں نہیں ہے چھوٹی، عمر رسیدہ جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور حاملہ۔ تو سورہ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی: وَالّٰٓـِٔیْ یَىٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝ (الطلاق، آیت:۴)

(فتح الباری، ج۸، ص:۲۵۴، لوح المعانی، ج:۲۸، ص:۱۲۸)

لہذا اس آیت میں واضح طور پر ان تینوں قسم کی عورتوں کا مسئلہ عدت بیان کر دیا گیا یعنی "تمھاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمھیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنھیں ابھی حیض آیا نہیں"

علامہ ابن کثیر نے "اِنِ ارْتَبْتُمْ" کے سلسلے میں دو قول نقل کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے: اگر آیسہ عورت خون دیکھے پھر یہ شبہ ہو کہ یہ خون حیض کا ہے یا استحاضہ کا؟ تو اس کی عدت تین ماہ ہیں۔ (کما قال مجاهد ابن زید.) دوسرا قول یہ ہے: وہ خون حیض کا ہے یا استحاضہ کا اس سے مطلب نہیں بلکہ شک اس میں ہو کہ خون آنے کی وجہ سے بقرۃ کی آیت کے مطابق اس کی

عدت تین قروء ہوں گی یا پھر کچھ اور؟ تو یہاں قول ثانی مطلوب و مقصود ہے۔ جب حکم عدت میں شبہ ہو اس کی عدت تین ماہ ہیں۔ سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے بھی یہی زیادہ واضح ہے۔ پھر اس موقوف اور فتویٰ کی تائید و تقویت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت پیش کی جو تفسیر طبری میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

یارسول اللہ ﷺ! إن عدد من عدد النساء لم تذكر في الكتاب الصغار والكبار واولات الأحمال فأنزل الله: " وَ الّٰٓـِٔيْ يَىٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ "

(تفسیر طبری، ج:۱۲، ص:۱۳۳، سورۃ الطلاق، حدیث نمبر:۳۴۳۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مدینہ کے کچھ لوگ سورۃ بقرہ کی عدت والی آیت کے بعد کہتے ہیں کہ بعض عورتوں کی عدت کا بیان قرآن میں نہیں ہے (۱) چھوٹی بچی، عمر رسیدہ جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور حاملہ۔ پھر سورہ نساء قصری (طلاق) کی یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان۔ آپ نے سرکار ﷺ کی بارگاہ میں مسائل پوچھے اللہ عزوجل نے جواباً قرآن کی آیت نازل فرمادی۔

اوپر تین قسم کی عورتوں کا تذکرہ ہوا تھا اور اب تک کی یہ تفصیل آئسہ عورت اور چھوٹی بچی کی عدت سے متعلق تھی۔ اور اب قسم ثالث یعنی حاملہ عورت کی عدت کا مسئلہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف اور فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

بیوہ عورت جو حاملہ ہو اس کی عدت میں اختلاف کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی آیت مبارکہ ہے "

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا۔ (بقرۃ، آیت:۲۳۴)

یعنی شوہر اگر مرجائے تو بیوی کی عدت چار ماہ دس دن ہیں۔ خواہ عورت حاملہ ہو یا نہ ہو سب کی عدت ۴ ماہ ۱۰ دن ہیں؛ اس لیے کہ آیت عام ہے۔ اور سورۃ الطلاق کی آیت مبارکہ ہے " وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ " اس آیت میں یہ کہا گیا کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہی پوری ہو جاتی ہے۔ بقرۃ کی آیت سے معلوم ہوا کہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ سب کی عدت ۴/ ماہ ۱۰/ دس دن ہیں اور آیت طلاق سے یہ معلوم ہوا کہ عورت اگر غیر حاملہ ہے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن تو ہے مگر حاملہ کی عدت وضع حمل سے پوری ہو جاتی ہے۔ اسی لیے حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ قول کیا "عورت نہ ۴/ ماہ دس دن عدت گزارے نہ وضع حمل اس کے لیے عدت ہو۔ بلکہ وہ "ابعد الاجلین" والی عدت گزارے۔"

۴ ماہ ۱۰ دن کے اندر وضع حمل ہو جائے تو پورے ۴/ ماہ ۱۰/ دن کی عدت گزارے اور اگر ۴/ ماہ دس دن گزر جائیں اور وضع حمل نہ ہوا تو اب وضع حمل تک انتظار کرے۔

علامہ ابن کثیر نے اس اختلاف کے بعد جمہور علماے سلف و خلف کی رائے پیش کی کہ جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع

حمل ہے اگرچہ طلاق کے بعد ہو یا خاوند کی وفات کے اتنی دیر بعد جتنی دیر اونٹنی کے دوسری بار دوہنے کے لیے کرتے ہیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیش کی کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دونوں عدتوں کے مسئلے کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جو چاہے میں اس کے سامنے اللہ کی قسم اٹھانے کو تیار ہوں کہ آیت طلاق چار ماہ دس دن والی آیت کے بعد اتری۔ پھر فرمایا حاملہ کی عدت یہ ہے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے جن دے۔ اسی فتوی پر متعدّد روایات نقل کرنے کے بعد اس فتوے کی تائید وتقویت میں سب سے اخیر میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ وموقف اور ان کی روایت پیش کی جسے جمہور علمائے سلف وخلف نے پسند کیا اور اسی پر فتوی دیا یہ روایت فتح الباری میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

”عن ابی بن کعب قل قلت للنبی صلی اللہ علیه و سلم ”اولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن للمطلقة ثلاثا و للمتوفی عنها قال هی للمطلقة ثلاثا و للمتوفی عنها“

(فتح الباری للعسقلانی، ج:۸، ص:۶۵۴، کتاب التفسیر، مکتبۃ الغزالی، دمشق)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حاملہ عورتوں کی عدت کا جو بیان ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں کی ہے۔ یعنی شوہر مرگیا یا اس نے بیوی کو تین طلاق دے دی اور اس کی بیوی حاملہ ہے——تو دونوں صورتوں میں——شوہر مرگیا ہو یا اس نے تین طلاق دے دی ہو تو حاملہ بیوی کی عدت وضع حمل ہے۔

(تفسیر ابن کثیر اردو، ج:۴، ص:۷۶۴ تا ۶۴۹ مکتبہ رضویہ تقسیم کار ادبی دنیا دہلی، ملخصًا)

مذکورہ بالا مسائل وفتاوی کے علاوہ استنباط واستدلال کے متعدّد واقعات کتب سیر میں پائے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فقہ واجتہاد سے مشکل سے مشکل مسائل کا حل فرمایا۔ دور دور سے آپ کے پاس فتاوی آئے مستفتیوں میں نہ صرف عوام بلکہ معزز اور فیض یافتہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی ہوتے۔ پھر آپ جو فیصلہ فرمادیتے وہ قبول عام بھی ہوتا۔ حضرت عمرو دیگر مجتہدین صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی بسا اوقات آپ ہی کے اقوال پر عمل کا حکم دیتے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرآنی مہارت: حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ رسالت ہی میں قرآن فہمی اور قراءت دانی میں مشہور ومعروف ہو چکے تھے۔ خود آقا علیہ السلام نے بھی آپ کے اس کمال کا اظہار فرمایا۔ جیسا کہ ”استیعاب“ میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے یہ مسرور کن جملہ ارشاد فرمایا:

”اقرأ أمتی ابی بن کعب“

یعنی میری امت میں سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب للقرطبی، ج:۱، ص:۱۶۲)

اعلام النبلاء میں ہے:

جمع القرآن فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحفظ منه علماً مبارکاً.

(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:۳، ص:۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن جمع کرلیا تھا اور اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش بھی کر چکے تھے علاوہ ازیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دیگر علوم مبارکہ بھی محفوظ کیا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"من اراد القرآن فلیات ابیا"

یعنی جو قرآن سیکھنا چاہے وہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا: جمع القرآن علی عهد رسول الله صلی الله علیه و اله و سلم اربعة کلهم من الانصار ابی، و معاذ، و زید بن ثابت و ابوزید.

زمانۂ رسالت میں انصار میں سے چار لوگوں نے قرآن محفوظ کیا ابی بن کعب معاذ بن جبل زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (بخاری فی فضائل القرآن، ج:۲، ص:۷۴۸، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

عبداللہ بن رباح نے حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے اصحاب سے پوچھا کہ قرآن کریم کی سب سے مقدس اور معظم آیت کون سی ہے؟ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے کہا "الله و رسوله اعلم" اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی جانے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی بار ایسے دہرایا۔ "ثم قال أبی اٰیة الکرسی قال لیهنك العلم ابا المنذر" جب کسی نے جواب نہ دیا حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ آیت آیۃ الکرسی ہے آقا علیہ السلام نے سنا تو کافی مسرور ہوئے اور ایک فرحت بخش جملہ ارشاد فرمایا "لیهنئك العلم ابا المنذر" اے ابو منذر تمھیں یہ علم مسرور کرے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۱۴۲)

جارود بن اَبی سبرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو (فجر کی) نماز پڑھائی۔ دوران تلاوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک آیت چھوٹ گئی۔ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا احساس فرمایا تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے اس کے متعلق پوچھا مگر کسی کا ذہن اس طرف نہ گیا۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسبوق تھے جب انھوں نے چھوٹی ہوئی نماز پوری کرلی تو بارگاہ دلنواز صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آیت پڑھنا بھول گئے یا پھر وہ منسوخ ہوگئی ہے؟ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"قد علمت ان کان أحد اخذها علی فإنك انت هو."

اے ابی! مجھے معلوم ہے تمھارے سوا کسی کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہوئی ہوگی۔ (ایضا، ج:۵، ص:۱۱۴)

اسی طرح خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآنی معاملات میں بارہا آپ کی جانب رجوع کیا۔ تحقیق و تفتیش مین کبھی کبھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی سے حجت اور بحث و مباحثہ بھی کرلی۔ کنزالعمال میں اس طرح کے متعدّد واقعات مذکور ہیں۔ مثلاً:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو ایک آیت سکھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص سے پوچھا کہ

تم نے یہ آیت کس سے سیکھی؟ اس نے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذات خود سید القراء حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور اس آیت کے متعلق استفسار کیا۔ تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا ہی سیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزاج چوں کہ تحقیق پسند تھا اس لیے پھر سے پوچھا کیا تم نے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانی سیکھا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی سوال کیا۔ اب حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا: واللہ یہ آیت خدا تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام پر نازل کی اور جبریل علیہ السلام کے ذریعہ قلب اطہر پر اتاری۔ اس میں خطاب اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہ لیا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانوں میں ہاتھ رکھ کر تکبیر کہتے ہوئے ان کے گھر سے نکل گئے۔

تعلیم قرآن کے واسطے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامیوں کی ایک جماعت مدینہ لے آئے۔ انھوں نے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن پڑھا۔ ایک دن ایک شامی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کوئی آیت پڑھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹوکا تو اس نے کہا مجھے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح سکھایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو اس شامی کا ساتھ کر دیا اور ان کی معرفت حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا تو انھوں نے قصہ بیان کر دیا۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان پر بگڑے اور کہا تم لوگ باز نہیں آؤ گے! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت اونٹ کو چارہ دے رہے تھے۔ ہاتھ میں چارہ تھا اور آستین چڑھے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت اور حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے وہی آیت پڑھوائی اور حضرت زید کی تائید کی۔ یہ واقعہ "اعلام" میں بھی قدر تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:۳، ص:۱۷۲، دار الکتب العلمیہ)

اس قسم کے واقعات جو آپ کے ساتھ پیش آنے لگے تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "و اللہ یا عمر! انک لتعلم انی کنت احضر و تغیبون و ادنی و تحجبون و یصنع بی و یصنع بی!"

خدا کی قسم اے عمر! تم خوب جانتے ہو میں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہر دم حاضر رہتا تھا اور آپ لوگ غائب بھی رہتے تھے میں اندر رہتا تھا۔ اور تم لوگ باہر کھڑے رہتے تھے۔ آج میرے ساتھ یہ برتاؤ! آج میرے ساتھ یہ برتاؤ! واللہ اگر تم کہو تو میں گھر میں بیٹھا رہوں نہ کسی سے بولوں نہ درس قرآن دوں یہاں تک کہ موت کی نیند سو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں! جب خدا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ علم دیا ہے تو آپ شوق سے اس کی تعلیم فرمائیں۔

(کنز العمال، ج:۲، ص:۱۲۹۲، حدیث نمبر:۳۶۷۷۴)

فضائل و کمالات: متعدّد کتب سیر و احادیث میں بکثرت آپ کے فضائل و کمالات شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ اس مختصر مقالہ میں احاطہ تمام ایک ناممکن امر ہے۔ لہذا ہم صرف چند امتیازی خصوصیات قارئین کی نظر کرتے ہیں۔

حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں سب سے پہلے کاتب وحی تھے۔ اور آخر تک آپ ہی وحی لکھتے رہے۔ آپ کی موجودگی میں کوئی وحی نہ لکھتا جب آپ کبھی حاضر نہ رہتے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا جاتا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۱۶۱)

یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا قرآن زبانِ فیض رسالت سے سن سن کر حفظ کیا۔ آپ سیر اعلام النبلاء کی روایت ملاحظہ کر چکے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پورا قرآن جمع کر لیا تھا پھر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اسے پیش بھی کیا اس کے سوا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دیگر علوم مبارکہ بھی محفوظ کیے۔

غرض آپ تمام علوم میں مہارت تامہ رکھتے۔ آپ کا خاص فن فقہ وتفسیر تھا فقہ میں اتنی مہارت تھی کہ عہد رسالت ہی میں مسند افتا پر جلوہ بار ہوئے۔ الاعلام میں مذکور ہے "کان یفتی علیٰ عھدہٖ"

(الاعلام لزرکلی، ج:۱، ص:۸۷، طبع ثالث، بیروت)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چھ فقیہ اصحاب میں سے تھے۔ (معرفۃ الصحابہ، لأبی نعیم اصبہانی، ج:۱، ص:۲۱۲)

پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: "اقرؤھم ابی بن کعب"

کا جملہ ارشاد فرما کر صحابہ میں سب سے بڑے قاری ہونے کی سند عطا فرمادی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب، ج:۱، ص:۱۶۳)

ایک مرتبہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابی! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو قرآن سناؤ۔ حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!

"اللہُ سمانی لک"

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا اللہ عزوجل میرا نام بھی لیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! یہ سن کر فرط مسرت سے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۳۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چار لوگوں سے قرآن سیکھو! (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(بخاری شریف، ج:۲، ص:۷۵۳، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تراویح کی نماز باجماعت پڑھنے کا نظام قائم کیا تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوم کا امام منتخب کیا۔ (تاریخ الاسلام) قرآن کی تدوین اول میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور تدوین ثانی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ کو مجلس حفاظ وقراء کا ایک اہم رکن بنایا۔ آپ جس طرح ایک ماہر فقیہ، مجتہد، قاری اور مفسر تھے یونہی حدیث دانی میں بھی کافی مہارت رکھتے۔

آپ کے کمالات وخصوصیات کا ایک روشن باب یہ بھی ہے کہ اجلہ صحابہ وتابعین بلکہ وہ خاص اصحاب جن کا شمار فقہاے عشرہ میں ہوتا ہے وہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب رجوع فرماتے اور آپ کے گھر پہنچ کر مسائل دریافت کرتے۔ حضرت عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت سہل بن سعد، حضرت سلمان بن صرد حضرت محمد

طفیل حضرت عبداللہ، حضرت حسن بصری جیسے اجلۂ اصحاب اور تابعین علیہم الرحمۃ والرضوان نے فقہ، تفسیر، قراءت اور حدیث میں آپ سے استفادہ کیا۔

(تہذیب التہذیب للعسقلانی، ج:۱، ص:۲۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۱، ص:۱۸۱، دارالکتب العلمیہ)

درس و تدریس کے علاوہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعظ و نصیحت کی بھی کامل صلاحیت رکھتے۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلنے والا ہر جملہ "از دل خیزد بر دل ریزد" کی تصویر ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے: "إن الدنیا فیھا بلاغہ و زادنا الی الاٰخرۃ و فیھا اعمالنا التی نُجزی بھا فی الاٰخرہ"

ایک شخص (جو جستجوے علم میں مدینہ آیا ہوا تھا) نے دیکھا تو آپ کے خطاب سے متاثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا "ھذا سید المسلمین" یہ مسلمانوں کا سردار ہیں۔ (تاریخ الاسلام، ج:۳، ص:۱۹۴)

آپ کی دو کنیتیں تھیں: ایک "ابوالمنذر" جسے خود پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عنایت کی تھی۔ اور ایک "ابوالطفیل" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے "طفیل" کی نسبت سے آپ کے لیے انتخاب فرمایا تھا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۱۶۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خوب عزت واحترام کرتے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس کی صلح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے اور مقام "جابیہ" میں آپ ہی نے کتاب صلح لکھی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ "سید المسلمین" ہیں۔ (مصدر سابق)

آپ ہزارہا مصروفیات کے باوجود ختم تلاوت قرآن فرمایا کرتے، حضرت ابو مہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آپ آٹھ راتوں میں ایک ختم قرآن پاک کرتے تھے۔ (طبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۳۷۹)

من المجتہدین

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۴۵ھ

انصار احمد رضوی، گجرات، جماعت: فضیلت 9794766598

نام: آپ کا نام زید، **کنیت:** ابو سعید، ابو عبد الرحمن اور ابو خارجہ، والد گرامی: ثابت بنو خزرج کی ایک شاخ "نجار" سے تعلق رکھتے ہیں، **والد کی جانب سے سلسلۂ نسب یوں ہے:** زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن بوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار انصاری خزرجی۔ **سلسلۂ نسب والدہ کی جانب سے:** نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری خزرجی۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۳۴۷، از: عزالدین ابن الاثیر علی بن محمد الجزری ۶۳۰ھ -دار الکتب العلمیہ، طبعۂ ثانی ۲۰۰۳ء)

ولادت: آپ کی ولادت تقریباً عام الفیل کے ۴۳ر سال بعد یعنی سن ۲ر بعثت نبوی میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ وہ اس طور پر کہ باتفاق مؤرخین قبیلۂ اوس و خزرج کے درمیان لڑی جانے والی آخری جنگ "جنگ بعاث" ہجرت سے پانچ سال قبل مدینہ میں ہوئی۔ اس وقت حضرت زید ۶ر سال کے تھے۔ (ایضاً، ج:۲، ص:۳۴۷)

لہٰذا بوقت ہجرت آپ کی عمر ۱۱ر سال ہوگی۔ چوں کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام الفیل کے ۴۱ویں سال اظہار نبوت فرمایا اور ۱۳ر سال مکہ میں مقیم رہے یعنی ۵۴ر عام الفیل میں واقعۂ ہجرت پیش آیا، یہ بیان ہو چکا کہ بوقت ہجرت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۱۱ر سال تھی۔ لہٰذا ۵۴ر سے ۱۱ر قصر کرنے پر ۴۳ر محفوظ رہتا ہے جو آپ کا سن ولادت ہے۔

عہد طفولیت اور قبول اسلام: بعثت نبوی کے بارہویں سال موسم حج میں مدینے سے قبیلہ اوس و خزرج کے چند افراد مکہ آئے اور جمرۃ العقبہ کے قریب دست رسول پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ لوٹتے وقت تعلیم قرآن و سنت کے لیے اپنے ساتھ کسی مبلغ کو بھیجنے کی درخواست کی۔ ان کی خواہش پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو مدینہ روانہ کیا۔ آپ کی تبلیغ پر مدینہ میں بہت سے افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

(مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۸۶، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ از: مفتی غلام معین الدین، ادبی دنیا، طبعۂ ثانی ۲۰۰۵ء)

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی کمسنی میں بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور طلب علم میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور محنت و لگن کے ساتھ اکتساب علم کیا۔ جس وقت مدنی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ پاک میں جلوہ بار ہوئے اس وقت تک آپ نے قرآن کی سترہ سورتیں حفظ کر لی تھیں۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۲، ص:۴۹۱، تذکرہ نمبر:۲۸۸۷، امام حافظ احمد بن علی بن

حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، دار الکتب العلمیہ، طبع ثانی ۲۰۰۲ء)

ذہانت و فطانت: حضرت زید بے حد ذہین و فطین اور دانش مند تھے۔ ساتھ ہی طلب علم کے بڑے شائق تھے۔ آپ کے بیان سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے فرماتے ہیں: جب رحمت دو عالم مکی مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو میرے قبیلہ والوں نے مجھے پیارے آقا کی بارگاہ میں پیش کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لڑکا بنو نجار سے تعلق رکھتا ہے، اس نے کلام پاک کی ۱۷/ سورتیں حفظ کرلی ہیں۔ میں نے پیارے آقا کے سامنے چند سورتوں کی تلاوت کی جسے سن کر آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا: اے زید! یہود کی (زبان) خط و کتابت سیکھ لو کیوں کہ مجھے ان کی کتابت پر اعتماد نہیں ممکن ہے کہ وہ کچھ کمی بیشی کرتے ہوں"، بحکم سرکار میں نے عبرانی زبان سیکھنا شروع کردی اور ۱۵/ دن نہ گذرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہوگیا۔ اس کے بعد جب بھی کوئی خط یا فرمان لکھنا ہوتا تو میں ہی سرکار کی طرف سے لکھتا اور جب کوئی مراسلہ آتا تو میں ہی اسے پڑھ کر سناتا۔ (ایضًا)

غزوات میں شرکت: کم سنی کے سبب چند ابتدائی غزوات میں آپ کی شرکت نہ ہوسکی، سب سے پہلا غزوہ جس میں آپ نے شرکت کی "غزوۂ خندق" ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۵/ سال تھی، اس میں آپ نے بڑی جاںثاری کا ثبوت دیا ہے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۳۴۷، تذکرہ نمبر:۱۸۲۴)

مختلف فنون میں مہارت: صحبت نبوی کی بدولت آپ کو نہ صرف علم فقہ میں کمال حاصل تھا بلکہ قضا، علم فرائض و میراث اور علم قراءت میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا بلکہ آپ کو ان فنون میں رئیس قوم ہونے کا شرف حاصل تھا، چناں چہ حضرت قبیصہ بن ذؤیب کا بیان ہے کہ حضرت زید کو قضا، فتوی، قراءت اور علم میراث میں رئیس قوم اور ملت کا سردار سمجھا جاتا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۴۳۱، ابو عبد اللہ محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ، دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۹۹۴ھ)

آپ کی علمی لیاقت، فنی مہارت اور خدا داد ذہانت کی بنیاد پر امیر المومنین حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما قضا، فتوی، فرائض اور قراءت میں کسی کو آپ پر فوقیت نہ دیتے۔ (ایضًا)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق خلافت فاروقی سے لے کر عہد امیر معاویہ تک مسلسل آپ منصب قضا پر فائز رہے۔ یہاں تک کہ مالک حقیقی سے جا ملے۔ (ایضًا)

مذکورہ روایت سے بخوبی آپ کی علو شان اور رفعت منزلیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یوں تو بہت سے علوم و فنون میں آپ کو مہارت اور رسوخ تام حاصل تھا لیکن ان تمام پر گفتگو کرنا دفتر عظیم کا تقاضا کرتا ہے۔ لہذا بعض ممتاز فنون پر کچھ روشنی ڈال کر اپنے مضمون کو زینت بخشوں گا۔

علم القراءت: علم قراءت ایک عظیم فن ہے جس کا تعلق قرآن پاک کی قراءت اور اس کے پڑھنے سے ہے اور قرآن پاک کو سات مشہور متواتر طریقوں میں پڑھنا جسے دنیا بھر میں قراءت سبعہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان میں بیشتر کا مرجع اور

خلاصہ حضرت زید ہی کی ذات گرامی ہے جسے آپ کے شاگردوں نے سن کر دنیا بھر میں پھیلایا اور اس علم کو بام عروج پر پہنچایا ۔دنیا میں سب سے زیادہ مشہور اور پڑھی جانے والی قراءت امام عاصم کوفی کی بطریق امام حفص ہے جو روایۃ و درایۃ حضرت زید اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

اس علم میں آپ کا پایہ اس قدر بلند تھا کہ کبار صحابہ بھی آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت ابو عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن پڑھنے جاتا تھا۔ ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عبد الرحمن !تم مجھے امور ناس میں غور و فکر سے مشغول رکھتے ہو، حضرت زید کے پاس جاکر پڑھا کرو، وہ اس کام کے لیے خالی ہیں ، نیز میری اور ان کی قراءت بھی ایک ہے اور کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔(کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج:۱، ص:۲۶۲، حدیث نمبر :۳۰۷۵۳، علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی متوفی ۹۷۵ھ، بیت الافکار الدولیۃ)

علم الفرائض والمیراث : دوسرا وہ فن جس میں حضرت زید بن ثابت کو مہارت و رسوخ حاصل تھا وہ علم فرائض تھا، یہ ایک ایسا علم ہے جسے نصف علم بھی فرمایا ہے۔اسی کے ذریعے مستحقین کو مورث کے مال کا شرعی حصہ ملتا ہے گویا کہ ہر مسلمان کو اس کی حاجت اور ضرورت پڑتی ہے۔سرور کائنات ﷺ نے اس علم کی فضیلت میں ارشاد فرمایا:’’تعلموا الفرائض و علموها؛فانه نصف العلم وهو ينسى وهو اول شيئ ينزع من أمتي.‘‘

(سنن ابن ماجہ، جلد:۲، باب الحث علی تعلیم الفرائض)

علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سیکھاؤ، کیوں کہ یہ نصف علم ہے اور یہی علم سب سے پہلے میری امت سے بھلایا اور اٹھایا جائے گا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فن میں خصوصی کمال حاصل تھا حتی کہ بارگاہ رسالت ماب سے ’’أفرضكم زيد.‘‘

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۳۴۷، تذکرہ نمبر: ۱۸۴۲)

أعلمهم بالفرائض زيد‘‘(الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۴۳۰)

اور’’أفرض امتي زيد بن ثابت‘‘ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۱۲، تذکرہ نمبر:۸۴۵، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ، طبعۂ ثانی ۲۰۰۲ء)

جیسے :زرین تمغے عطا ہوئے تھے جو کسی اور صحابی کو نصیب نہ ہوئے۔

تفقہ و اجتہاد:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو علم فقہ و اجتہاد میں جو درجہ اور رتبہ حاصل تھا وہ کم ہی صحابہ کو نصیب ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی آپ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کرنے میں شرف محسوس کرتے تھے اور آپ کے علمی جلال و فنی کمال کی وجہ سے حد درجہ احترام کرتے تھے۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت زید گھوڑے پر سوار تھے، حضرت ابن عباس نے احترام میں گھوڑے کی لگام تھام لی، حضرت زید نے فرمایا:اے بن عم رسول ﷺ !آپ یہ کیا کر رہے ہیں ؟

ابن عباس نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے اکابرین اور علما کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنے کا حکم ہے، (کنز العمال، ج:۲، ص:۳۸۲، ۱۳۸۲، حدیث نمبر:۳۷۰۶۱)

اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنا ہاتھ تو دکھائیے، ابن عباس نے جب اپنا ہاتھ نکالا تو حضرت زید نے ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور فرمایا: ہمیں اپنے نبی کے آل سے ایسے ہی برتاؤ کا حکم ملا ہے۔ (ایضًا)

مشہور تابعی، عظیم مجتہد اور قاضی حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فتاوی اور فیصلوں میں آپ کی اقتدا کرتے تھے۔ جب کسی مسئلہ میں آپ کے سامنے دیگر مجتہدین صحابہ کے اقوال پیش ہوتے تو آپ اس مسئلہ میں حضرت زید کی رائے دریافت کرتے اور کہتے: "فأینزیدبن ثابت عن ھذا؟" "ان زیدبن ثابت أعلم الناس بما تقدمه من قضا، و أبصرھم بما یرد علیه مما لم یسمع فیه شیئ" یعنی اس مسئلہ میں حضرت زید کا فتوی اور رائے کیا ہے؟ کیوں کہ زید بن ثات سابقہ فیصلوں کو زیادہ جاننے والے اور جن مسائل میں حدیث وارد نہ ہو ان کے بتانے میں سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۴۳۱)

فقہی مسائل اور حضرت زید: آپ نے اپنی زندگی میں بے شمار فتوے دیے اور امت نبوی کی رہنمائی فرمائی۔ ان میں سے بعض کو یہاں تیمناً ذکر کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ تملیک طلاق: حضرت زید کے فرزند خارجہ بن زید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں والد محترم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ محمد بن عتیق تشریف لائے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ابا حضور نے ان سے حال دریافت کی۔ انھوں نے عرض کی: حضور ﷺ! میں نے اپنی اہلیہ کو طلاق کا مالک کر دیا تھا اب وہ مجھ سے جدا ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کی تقدیر کی وجہ سے (یعنی جو کچھ لکھا تھا وہ ہوا) آپ نے فتوی دیا کہ یہ تملیک صرف ایک طلاق ہی میں ہوئی ہے اگر تم چاہو تو اب بھی رجوع کر سکتے ہو۔ (المؤطا، ص:۳۲۱، حدیث نمبر:۱۱۷۹، امام مالک بن انس)

متوفی عنھا زوجھا کی عدت: حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ملک شام میں اُحوص نامی ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ اس کی بیوی اس سے مطلقہ تھی اور اسے تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ یہ عورت تیسرے حیض کی ابتدا سے عدت سے نکل آئی یا نہیں نیز اسے زوج کا ترکہ ملے گا یا نہیں۔ حضرت امیر معاویہ نے یہ صورت حال لکھ کر حضرت زید کو ارسال کر دی۔ حضرت زید نے یہ حکم صادر فرمایا کہ جیسے ہی اس عورت کو تیسرا حیض شروع ہوا وہ عدت سے فارغ ہو گئی اور اس شخص کے نکاح سے نکل گئی اب وہ اس مرد کی وارثہ بھی نہ ہو گی۔

(ایضًا ص:۳۲۴، حدیث نمبر:۳۷۰۶)

غلام کی طلاق: سلیمان بن یسار سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت سلمہ کے ایک غلام نفیع نے اپنے ماتحت آزاد عورت کو دو طلاق دے دی پھر رجعت کرنا چاہی۔ اس پر دیگر امہات المومنین نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کر لیا جائے، وہ غلام حضرت عثمان کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ راستہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت

زید رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔ غلام نے یہ مسئلہ دونوں حضرات کے سامنے رکھا۔ دونوں حضرات نے بیک زبان ارشاد فرمایا ”وہ عورت تم پر حرام ہوگئی، حرام ہوگئی“۔(ایضًا، ص:۳۲۳، حدیث نمبر: ۱۲۱۴)

عزل کا مسئلہ: حجاز بن عمرو بن غزیہ کا بیان ہے کہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابن فہد نامی ایک یمنی شخص آپ کے پاس آیا اور عزل کے تعلق سے پوچھنے لگا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: اے حجاز! تم مسئلہ بتاؤ، میں نے عرض کی حضور! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے ہم تو خود آپ کے پاس تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں (بھلا ہم کیا کہیں) دوبارہ آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے اس شخص سے کہا: وہ عورت تمھاری کھیتی ہے، اگر چاہو تو سیراب کرو ورنہ پیاسی رکھو۔ آپ نے یہ سن کر تصدیق فرمائی۔(ایضًا ص:۳۳۴، حدیث نمبر:۱۲۶۶)

یہ چند فقہی نمونے بطور توضیح پیش کر دیے گئے ہیں تاکہ ناظر آپ کے پایۂ علمی سے آگاہ ہو کر ھل من مزید کے جام طلب میں مئے کدۂ سیرت صحابہ کے چکر کاٹے اور اپنی علمی تشنگی اصحاب نبی کے شراب عشق سے دور کرے۔

عہدۂ قضا: ابتداے اسلام میں سلطنت اسلامیہ کی توسیع کے ساتھ ساتھ بہت سے مسائل اور معاملات بھی در پیش ہوتے تھے جن کے مناسب حل اور بہترین تصفیہ کے لیے عہدۂ قضا کی سخت ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ چوں کہ خلافت صدیقی کا دور بہت ہی مختصر تھا اور دیگر مسائل بھی کثیر تھے اس لیے باضابطہ طور پر اس منصب کا قیام عمل میں نہ آسکا۔ لیکن عہد فاروقی میں جب اسلامی حکومت کا رقبہ مزید کشادہ ہوا تو شدت احتیاج اور اہمیت کی بنا پر حضرت عمر فاروق اعظم نے باضابطہ اس منصب کو قائم فرمایا اور حضرت زید کی تقرری فرما کر ان کے لیے مشاہرہ مقرر فرما دیا۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۴۳۱)

حضرت قبیصہ بن ذوئب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کے مطابق حضرت زید رضی اللہ عنہ عہد فاروقی سے لے کر دور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک منصب قضا پر فائز رہے حتی کہ مالک حقیقی سے جا ملے۔(ایضًا)

قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق کے پاس مختلف شہروں سے نامزد صحابہ کا مطالبہ ہوتا تھا، جہاں آپ ان افراد کو حسب لیاقت منصب امارت سپرد فرما کر روانہ کر دیتے تھے۔ لیکن جب کبھی حضرت زید کا مطالبہ ہوتا تو جوابًا ارشاد فرماتے: ”لم یسقط علی مکان زید ولکن اھل البلد یحتاجون الی زید فیما یجدون عندہ فیما یحدث لھم ما لا یجدون عند غیرہ“ مجھ سے زید کا مقام پوشیدہ نہیں ہے لیکن اہل شہر (مدینہ) ان کے محتاج اور ضرورت مند ہیں کیوں کہ ان کے پاس لوگوں کی حاجت روائی کا اتنا وافر حصہ ہے (علم وفقہ، قضا وفتویٰ) جو کسی اور میں نہیں۔(ایضًا)

جمع قرآن: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اہم کارناموں میں جمع قرآن ایک عظیم کارنامہ ہے۔ جس کے بیان کے بغیر آپ کی روداد حیات کبھی مکمل نہیں ہو سکتی یہ وہ سعادت ہے جو آپ کے حصہ میں دو مرتبہ آئی۔ ایک خلافت صدیقی میں۔ دوسری عہد عثمانی میں۔

وصال پر ملال: عظمتوں، رفعتوں کا کوہ ہمالہ، میدان کارزار کا شہسوار، علم وعمل کا سنگم اپنی زندگی کی ۵۶ / بہاریں دیکھ

کر ۴۵/ھ میں ''کل نفس ذائقة الموت ''کی عملی تفسیر بن کر راہی ملک بقا ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے دنیا والوں کو جدائیگی کا داغ دیتا گیا۔ حاکم مدینہ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور صحابہ نے نم آنکھوں کے ساتھ جسد مبارک کو سپرد خاک کیا۔(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ،ج:۲،ص:۳۴۷،تذکرہ نمبر: ۱۸۴۲)

آپ کے سال وفات کے سلسلہ میں سخت اختلاف ہے: لہذا کتب تاریخ میں ۴۲/ ۴۳/۵۱/ ۵۲/ ۵۵/ کے علاوہ ۵۰/ اور ۵۴/ کا بھی ذکر ملتا ہے۔(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،ج:۲،ص:۱۱۳،تذکرہ نمبر:۸۴۵)

تہذیب الکمال میں بعض کی رائے ۴۸/ ھ بتائی گئی ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ کی کل عمر ۵۷/ ہوئی کیوں کہ غزوۂ خندق میں آپ کو شریک ہونے کی اجازت دی گئی تھی اس وقت آپ کی عمر ۱۵/سال تھی اور یہ غزوہ ۴/ھ میں واقع ہوا، (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،ج:۲،ص:۱۱۳،تذکرہ نمبر:۸۴۵)

اب ۴۸/ھ میں آپ کا سال وفات قرار پائے گا ورنہ ۵۷/سال مکمل نہ ہوں گے لیکن یہ موقف صحیح معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ اس لحاظ سے آپ کی عمر ۵۹/ ہونی چاہئے نہ کہ ۵۷/سال۔

تہذیب الکمال میں حضرت یحیی بن بکیر کے حوالے سے ہے کہ حضرت زید کا انتقال ۴۵/ھ میں ہوا اس وقت آپ کی عمر ۵۶/ سال تھی (ایضًا) اس قول کے مطابق آپ کا سن وفات ۴۵/ھ روایۃً درایۃً صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ باتفاق مؤرخین ہجرت کے وقت آپ کی عمر ۱۱/سال تھی لہذا ۴۵/ھ آپ کی وفات ماننے پر عمر کے ۵۶/سال پورے ہو جاتے ہیں جو حضرت امام یحیی کے قول کے مطابق ہے۔

اس کے علاوہ مختلف کتب تاریخ میں ۴۵/ھ کو دیگر اقوال پر مقدم رکھا گیا ہے جس سے مزید تائید حاصل ہوتی ہے بلکہ اصابۃ فی تمیز الصحابۃ میں متعدّد اقوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا:''وفی خمس و أربعین قول الأکثر ''یعنی بیشتر حضرات کے نزدیک آپ کا سال وفات:۴۵/ھ ہی ہے (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ،ج:۲،ص:۴۹۲،تذکرہ نمبر:۲۸۸۷)

شخصی زندگی کے درخشاں پہلو:

اخلاق و کردار: حضرت زید بن ثابت کی زندگی بڑی پر وقار زندگی تھی۔ جب آپ مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوتے تو وقار کا ایک مجسمہ بن جاتے لیکن جب اہل خانہ کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو ان سے بے تکلف کلام فرماتے اور ان سے دل لگی کی باتیں کرتے مزاح کرتے چناں چہ حضرت بن ثابت بن عبید بیان کرتے ہیں ''مارأیت رجلا أفکه فی بیته ولاأوقر فی مجلسه من زید'' میں نے گھریلو زندگی میں حضرت زید سے زیادہ پر مزاح اور مجلس میں آپ سے زیادہ پر وقار کسی کو نہ دیکھا۔(ایضًا)

استقامت فی الدین: صحابۂ کرام کو اپنے دین و مذہب سے جس قدر وارفتگی تھی سب پر عیاں ہے۔ اپنا نقصان ہوتا دیکھ کر بھی شرعی قوانین کی محافظت کرتے اور کسی صورت میں رخنہ اندازی کو گوارا نہ کر سکتے تھے چناں چہ منقول ہے کہ عہد امیر معاویہ میں حضرت زید اور ابن مطیع کے درمیان ایک مشترکہ گھر کی کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ مقدمہ حاکم مدینہ مروان بن حکم کے

دربار میں پیش ہوا۔ مروان نے کہا: اگر زید منبر پر کھڑے ہو کر قسم کھالیں تو ان کے حق میں فیصلہ ہوجائے گا چوں کہ منبر پر قسم کھانے کے تعلق سے وعید الٰہی ہے۔ اس پہ حضرت زید نے کہا: میں اپنے اس مقام پر قسم کھانے کے لیے تیار ہوں۔ مروان نے کہا: بخدا! ایسا نہیں ہو سکتا، لیکن جب آپ اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں۔ راوی کہتے ہیں: "فجعل زيد بن ثابت يحلف ان حقه حق" یعنی حضرت زید اسی جگہ قسم کھانے لگے کہ ان کا حق ہی ثابت ہے لیکن منبر پر قسم کھانے سے انکار کر دیا، مروان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ (مؤطا امام مالک، ص:۴۰۷، حدیث نمبر: ۱۴۳۷)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: استقامت فی الدین کا ایک نمایاں پہلو امر و نہی ہے، صحابۂ کرام سنت نبویہ کے خلاف ادنی تغیر کو بھی روا نہ رکھتے۔ ذرا سی مخالفت پر چراغ پا ہو جاتے اور اپنے قول و عمل سے اس کی تردید فرماتے تھے۔ یہ تو تمام صحابہ کا آئینۂ حیات تھا۔ حضرت زید تو خواص میں تھے۔ پھر کیوں نہ آپ کی ذات میں امر و نہی کے جلوے نظر آتے۔

حضرت شرحبیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ شریف میں ایک پرندے کا شکار کر لیا۔ حضرت زید نے دیکھا تو ان کی گدی پر ایک ضرب لگائی اور پرندے کو آزاد کر کے ارشاد فرمایا: "أما علمت يا عدى نفسك أن رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم ما بين لا بيتها" اے جان کے دشمن! کیا تجھے نہیں معلوم کہ اللہ کے پیارے رسول دو سیاہ پتھروں والی زمین کے درمیانی (مدینہ) کو حرم قرار دیا ہے۔

(المسند، ج:۳۵، ص:۵۲۳، حدیث نمبر: ۲۱۶۷۰، امام احمد ابن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مکتبہ موسسۃ الرسالۃ بیروت طبع اول ۱۹۹ھ)

آپ ہی کا بیان ہے کہ ہم اپنے باغیچہ میں شکار کرنے کے لیے جال لگا رہے تھے۔ حضرت زید نے دیکھ لیا تو پھٹکار لگائی اور فرمایا: کیا تمھیں نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں شکار سے منع فرمایا ہے۔

(ایضاً، ص: ۸۱۵، حدیث نمبر: ۲۱۶۶۳)

حاکم مدینہ مروان بن حکم نماز مغرب میں ہمیشہ قصار مفصل ہی کی تلاوت کرتا (قصار مفصل: سورہ لم یکن سے لے کر اخیر قرآن تک تمام سورتیں قصار مفصل کہلاتی ہیں) آپ نے مروان سے کہا: تم ہمیشہ ہی مغرب میں قصار مفصل کی تلاوت کرتے ہو حالاں کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ اعراف کی تلاوت کرتے دیکھا ہے۔ (ایضاً، ص: ۴۸۵، حدیث نمبر: ۲۱۶۰۹)

فہم حدیث: حضرت زید بڑے باریک بیں اور مدبر صحابی تھے، مزاج رسول سے مکمل واقفیت کی وجہ سے استنباط احکام و مسائل میں خطا نہ کرتے تھے جب کہ بظاہر اس کے خلاف کوئی حدیث قولی یا فعلی موجود ہوتی تھی اور دوسرے صحابہ جو اس درجہ باریک بیں نہ تھے ظاہر حدیث کو لے کر خطا کر بیٹھتے۔ چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مسئلہ کے بیان میں یہ حدیث سنائی: "لا تباع ثمرة بثمرة و لا تباع ثمرة حتى يبدو صلاحها" یعنی پھل کو پھل کے بدلے اٹکل اور اندازے سے نہ بیچا جائے۔ اس طرح اس پھل کو بھی نہ بیچا جائے۔ جو اب تک کارآمد نہ ہوا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت زید نے ابن عمر سے ملاقات کی اور تنبیہاً ارشاد فرمایا "رخص رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم في عرايا" اللہ کے رسول نے بیع عرایا میں اٹکل سے بیچنے کو جائز فرمایا ہے۔ (ایضاً، ص: ۵۲۴ حدیث نمبر: ۲۱۶۷۲)

[عرایا: راوی حدیث حضرت سفیان بن حسین کہتے ہیں: عرایا یہ ہے کہ کھجور کے درخت فقیر کو ہبہ کر دیے گئے لیکن وہ ثمر بار نہ ہوئے تھے چوں کہ وہ انتظار کرنے سے قاصر ہے اس لیے ان پھلوں کو جن کا صلاح ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے، اندازے سے دوسرے پھلوں کے بدلے بیچ سکتا ہے۔ (ایضاً)

قبیصہ بن ذوئب نے اس سلسلہ میں ایک بہترین واقعہ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آل زبیر کو یہ حدیث سنائی اور کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد میرے گھر پر نماز دوگانہ ادا فرمائی (آپ کا مطلب یہ تھا کہ بعد عصر بھی نماز عصر کی نماز نفل کی ادائیگی درست ہے) یہ حدیث سن کر آل زبیر نے بھی بعد عصر نفل نمازیں پڑھنا شروع کردیں۔ حضرت زید کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا "يغفر الله لعائشة، نحن أعلم برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من عائشة" اللہ ام المؤمنین کی مغفرت فرمائے، ہم ان سے زیادہ احوال مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے باخبر ہیں۔ پھر آپ نے توجیہ فرمائی کہ بعد عصر نفل نماز پڑھنا درست نہیں، پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز ادا فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مقام "هجير" سے چند اعرابی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دینی امور سے متعلق سوالات کرنے لگے حتی کہ ظہر کا وقت آگیا، فرض کی ادائیگی کے بعد پھر یہ سلسلہ شروع ہوا اور عصر تک دراز ہوگیا۔ نماز عصر کی تکمیل کے بعد سرکار حجرہ میں تشریف لائے پھر آپ کو یاد آیا کہ ظہر کے بعد کی رکعتیں ابھی باقی ہیں۔ اس لیے آپ نے عصر کے بعد وہ رکعتیں ادا کیں۔ وہ نفل نماز نہ تھی کیوں کہ "نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلاة بعد العصر" (ایضاً، ص:۴۸۷، حدیث نمبر:۲۱۶۱۲)

شمع رسالت سے وابستگی: یوں تو تمام صحابہ کو ذات رسالت سے حد درجہ وارفتگی اور وابستگی۔ ایک لمحہ بھی آپ سے جدائیگی انھیں گوارا نہ تھی لیکن بعض صحابہ کا حال کچھ ممتاز تھا، وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہ رسالت میں گزارتے اور مدنی اداؤں کا بغور مطالعہ کر کے اپنانے کی کوشش کرتے اور دوسروں کو بھی بتاتے، انھیں اصحاب میں ایک نام حضرت زید بن ثابت کا بھی ہے۔ ایک روز جلد ہی سحری سے فارغ ہوگئے اور جمال زیبا آنکھوں میں بسانے کے لیے فوراً ہی مسجد نبوی کا رخ کیا۔ جس وقت مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ پیارے آقا ابھی سحری تناول فرما رہے ہیں۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کا حکم دیا، عرض کی: میں نے روزہ کی نیت کرلی ہے، لیکن دوبارہ حکم ٹالنا آپ کی قدرت میں نہ تھا، لہذا میں نے ساتھ میں بیٹھ کر کھانے کا شرف حاصل کیا، ان مقدس ساعات کو اس طرح شمار کیا کہ بعد میں پوچھے جانے پر برجستہ کہا کہ سحری اور قیام صلاۃ کے درمیان پچاس آیات پڑھنے کی مقدار تک کا فاصلہ تھا۔ (ایضاً، ص:۵۲۴، حدیث نمبر:۲۱۶۷۱)

مطلب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زید سے سری نمازوں میں قراءت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں سری نمازوں میں بھی قراءت ہوگی۔ دلیل میں ارشاد فرمایا: "كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يطيل القيام و يحرك شفتيه" اللہ کے رسول دراز قیام فرماتے تھے اور آپ کے لب مبارک حرکت کرتے تھے۔ (ایضاً، ص:۴۹۲، حدیث نمبر:۲۱۶۲۲)

ان مختصر سے دو واقعے سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ذات رسالت سے آپ کی وابستگی کس درجہ تھی۔

خدمت حدیث: آپ کی مکمل زندگی خدمت حدیث میں گزری۔ سفر ہو یا حضر، منصب قضا ہو یا مسند فقہ و افتا ہر جگہ

فرامین نبوت کو عام کیا۔ اس طرح آپ کا فیضان علم ابل ابل کر عشاق و دیوان گان مصطفی کو سیراب کرتا رہا۔ لیکن کتب احادیث میں آپ کی مرویات کی تعداد ۹۲/ ہے جو لفظ "محمد" کے اعداد ہیں۔ پانچ پر بخاری ومسلم متفق ہیں، چار کی روایت صرف امام بخاری نے کی اور ایک کی امام مسلم نے اور بقیہ کی روایت دیگر محدثین نے کی ہے۔ (تھذیب الاسماواللغات، جلد:۱، ص:۲۱۸، تذکرہ نمبر:۱۸۶، امام حافظ ابوزکریا یحیی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، دار الکتب العلمیہ، طبعۂ اول ۲۰۰۷ء)

راویان حدیث و تلامذہ: عظیم رتبہ صحابۂ کرام نے بھی آپ سے روایت کی ہے اور بلند پایہ تابعین نے بھی۔ جن صحابہ نے آپ سے روایت کی ہے، ان کے اسما اس طرح ہیں: حضرت ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، انس، سہل بن ابی حتمہ، عبداللہ بن زید، سہل بن حنیف، ابوسعید خدری، سہل بن سعد علیہم الرضوان۔

تابعین میں حضرت سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عطا بن یسار، قاسم بن محمد، ابان بن عثمان اور قبیصہ بن ذوئب نے روایت کی ہے رحمۃ اللہ علیہم۔ (ایضًا)

حضرت زید اکابرین واصاغرین کی نظر میں: (۱) "أفرض أمتي زيد بن ثابت"

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۱۲، تذکرہ نمبر:۸۴۵)

زید میری امت میں سب سے زیادہ علم میراث کا جانکار ہے (مدنی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(۲) "من كان يريد أن يسأل عن الفرائض فليأت زيد بن ثابت" (الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۴۳۱)

جسے علم میراث کے تعلق سے کچھ بھی پوچھنا ہو وہ زید بن ثابت کے پاس آئے۔ (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ)

(۳) "لولا ان زيد بن ثابت كتب الفرائض لرأيت أنها ستذهب من الناس"

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۷۹، امام حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی متوفی ۷۴۸ھ، دار الفکر، بیروت طبع اول ۱۹۹۷ء)

اگر حضرت زید بن ثابت نے علم فرائض کو نہ لکھا ہوتا تو تم دیکھتے کہ علم فرائض لوگوں سے رخصت ہو جاتا۔ (حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(٤) "غلب زيد (بن ثابت) الناس على إثنتين: ألفرائض والقرآن" (ایضًا، ص:۷۷)

دو چیزوں میں زید تمام لوگوں پر غالب آگئے۔ علم فرائض وفہم قرآن۔ (حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(٥) "أتيت المدينة فوجدت زيد بن ثابت من الراسخين فى العلم" (ایضًا، ص:۸۰)

میں مدینہ حاضر ہوا تو حضرت زید کو راسخین فی العلم سے پایا۔ (حضرت امام مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

من المجتہدین

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ولادت: ۱۰ ق ھ۔ وفات: ۷۳ھ

محمد اسرار الحق، مظفر پور، جماعت: اختصاص فی الحدیث Mob.9198560440

اسم گرامی: عبداللہ بن عمر

کنیت: ابو عبد الرحمٰن

سلسلۂ نسب: والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ قرط بن زراح بن عدی بن کعب قرشی العدوی بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمع بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۰ ق ھ مطابق ۶۱۳ء کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

اسلام: ابھی آپ کم سن تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت عمر فاروق اسلام کی دولت لازوال سے مالا مال ہوئے اور کاشانۂ فاروقی قال اللہ وقال الرسول کے نغمۂ جاں فضا سے گونج اٹھا جس کے فیض سے ابن عمر بھی بہرہ ور ہوئے۔

خود بیان فرماتے ہیں: ”لما أسلم عمر بن خطاب قال: أي أهل مكة أنقل للحديث؟ قالوا: جميل بن معمر الجمحي فخرج عمر وخرجت وراءه، وأنا غليم أعقل كل ما رايت، حتىٰ أتاه، فقال: ياجميل، أشعرت إني قد أسلمت؟ فوالله ماراجعه الكلام حتىٰ قام يجرُّ رداءه، وخرج عمر يتبعه، وأنا معه، حتى إذا قام على باب المسجد صرخ: يا معشر قريش إن عمر قد صبأ. قال: كذبت. ولكني أسلمت.“ (اسد الغابہ، ج: ۳، ص: ۳۳۸، ۳۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ نے ایک ایسے شخص کو تلاش کروایا جو اہل مکہ کو آپ کی حالت سے باخبر کرے۔ تو لوگوں نے جمیل بن معمر جمحی کے بارے میں بتایا۔ چناں چہ حضرت عمر اس کے پاس گئے، میں بھی ان کے پیچھے پیچھے گیا۔ اس وقت میں سمجھ دار بچہ تھا ہم وہاں پہنچے تو میرے والد نے اس سے اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں

بتایا۔ بخدا! ابھی حضرت عمر کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ جمیل بن معمر چادر سمیٹتے ہوئے اٹھا، میں اپنے والد کے ساتھ اس کے پیچھے ہو لیا، وہ مسجد حرام کے دروازے کے پاس کھڑا ہو کر بلند آواز سے یہ اعلان کرنے لگا، اے گروہ قریش! سنتے ہو عمر نے مذہب تبدیل کر لی ہے، تو حضرت عمر نے اس سے کہا تم جھوٹ بول رہے ہو، ارے! میں نے تو مذہب اسلام قبول کیا ہے۔

ہجرت: کفار و مشرکین جب مسلمانوں کو ایذا و تکلیف پہنچانے لگے اور ان کے درمیان مسلمانوں کا زندگی بسر کرنا کافی دشوار ہو گیا تو اللہ و رسول کی طرف سے ہجرت کا اذن عام ہوا، جہاں دیگر صحابہ نے ہجرت کی وہیں حضرت عمر بھی قال اللہ وقال الرسول پر عمل کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ طیبہ چلے گئے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر بھی اپنے والد ماجد کی معیت میں مدینہ منورہ پہنچے اور یہیں آپ نے ہوش سنبھالا۔

غزوات میں حاضری: آپ غزوۂ بدر و اُحد میں دشمنان اسلام سے قتال کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ارادے سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صغر سنی کی وجہ سے شرکت کرنے سے منع فرمایا۔

پھر غزوۂ احزاب کے موقع پر جنگ میں شرکت کے ارادہ سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی، اس اعتبار سے غزوۂ احزاب جسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں، آپ کی پہلی جنگ تھی۔ پھر اس کے بعد بیعت رضوان، غزوۂ خیبر، فتح مکہ، فتح حنین، طائف، تبوک، فتح مصر اور افریقہ کے معرکوں میں اعلائے کلمہ حق کے لیے کفار و مشرکین سے برسر پیکار رہے اور شجاعت و بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ عہد فاروقی کے بعض فتوحات میں بھی آپ ایک پر جوش مجاہد اسلام کی حیثیت سے نمایاں نظر آتے ہیں۔

لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے اخیر اور عہد مرتضوی کے شروع میں جب عالم اسلام فتنہ و فساد اور آپسی خانہ جنگی سے دوچار ہوا تو آپ ملکی معاملات سے کنارہ کش ہو گئے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بعض لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنانا چاہا اور آپ سے بیعت کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ آپ امیر بن امیر ہیں، ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، آپ نے فرمایا: جہاں تک میرا معاملہ ہے میں اپنے لیے ایک قطرہ خون بھی نہ بہنے دوں گا۔ لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ اس بار گراں کو نہیں سنبھالیں گے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے لیکن آپ نے اس دھمکی کی مطلقاً پرواہ نہ کی اور خلافت جیسے بلند اعزاز کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

عہدۂ قضا سے انکار: تفقہ و اجتہاد، علم و تقویٰ میں اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ نے کبھی کوئی منصب قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی ملکی و سیاسی معاملات میں کسی خاص دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت سے قبل اکابر صحابہ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کا علمی مقام و مرتبہ لوگوں کے سامنے آنے لگا، چناں چہ لوگ آپ کی مجلس میں پیچیدہ ولاینحل مسائل لے کر حاضر ہونے لگے، اس طرح آپ کا شمار حضرت ابوہریرہ، ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صاحب فتویٰ صحابہ میں ہونے لگا۔ حضرت مجاہد کا قول ہے: ”ترك الناس أن يقتدوا بابن عمر وهو شاب فلما كبر اقتدوا به.“ یعنی لوگوں نے جوانی میں ابن عمر کی اقتدا

وپیروی نہ کی، لیکن جب آپ عمر دراز (بوڑھے) ہوئے تو لوگ آپ کی پیروی کرنے لگے اور احکام ومسائل دریافت کرنے لگے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۴، ص،۱۱۰، دوسری ایڈیشن، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ابن عمر متقی وپرہیزگار ومتبع سنت ہونے کے ساتھ مرجع خلائق بھی ہیں تو عہدہ قضا کی پیش کش کرتے ہوئے فرمایا:اقض بين الناس،فقال لا أقضي بين الناس ولا أؤم اثنين،قال فقال عثمان:أتقضيني؟قال:لا ولكنّه بلغني أن القضاة ثلاثة:رجل قضى بجهل فهو في النار،ورجل خاف ومال به الهواء فهو في النار،ورجل اجتهد فأصاب فهو كفّاف لاأجر له ولاوزرعليه،فقال:فإن أباك كان يقضي،فقال:إن أبي كان يقضي فإذا أشكل عليه شيء سأل النبي صلى الله عليه وسلم وإذا أشكل على النبي سأل جبرائيل وإني لاأجد من أسأل،أما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول من عاذ بالله فقد عاذ بمعاذ؟فقال عثمان:بلىٰ فقال:فإني أعوذ بالله أن تستعملني،فأعفاه وقال:لاتخبر بهذاأحدا.(مرجع سابق،ص:۱۰۹)

یعنی تم لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کیا کرو، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عہدۂ قضا تسلیم نہ کرتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین! میں نہ تو دو لوگوں کے درمیان فیصلہ کروں گا اور نہ ہی کسی کی امامت کروں گا، حضرت عثمان نے کہا کہ کیا تم مجھے قاضی بناتے ہو؟ انھوں نے کہا نہیں، مجھے یہ معلوم ہوا کہ قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو بغیر علم کے فیصلہ کرے تو وہ دوزخی ہے دوسرا وہ جو ظالم وجابر ہونے کے ساتھ، فیصلہ کرنے میں خواہش نفس کی پیروی کرتا ہو تو وہ بھی جہنمی ہے، تیسرا وہ قاضی جو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ اس میں صواب پر بھی ہو تو وہ برابر ہے کہ اس کے لیے نہ اجر وثواب ہے نہ گناہ، حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ آپ کے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو قاضی تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ یقینا میرے والد قاضی تھے لیکن جب انہیں کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دشواری ہوتی تھی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے تھے، لیکن میری نگاہ میں کوئی ایسا شخص نہیں جس سے میں پوچھ لوں۔ کیا آپ نے سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جس نے اللہ عزوجل سے پناہ مانگی اس نے جائے پناہ سے پناہ مانگی تو حضرت عثمان غنی نے فرمایا ہاں میں نے یہ حدیث سنی ہے۔ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے عامل (گورنر) بنائیں۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں معاف کر دیا اور فرمایا کہ کسی کو اس تعلق سے نہ بتانا۔

خدمت حدیث: آپ ابتداے عمر ہی سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ وبابرکت صحبت سے مستفیض ہونے والے خوش نصیب صحابہ میں سے تھے۔ سن رشد کو پہنچتے ہی تحصیل علم قرآن کے ساتھ حدیث نبوی کی طلب وجستجو میں لگ گئے چناں چہ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات کو بغور سماعت کرتے اور اسے یاد کر لیتے بسا اوقات بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہوتے تو دیگر صحابہ سے دریافت کر کے محفوظ کر لیتے تھے۔

آقاے کریم کی فیض صحبت اور خود آپ کے اندر شوق علم نے آپ کو علم حدیث کا بحر بیکراں بنا دیا تھا جس سے لاکھوں

تشنگان علوم نبوت سیراب ہوئے اور آپ کی مستند و معتبر ذات سے حدیث نبوی کی کافی اشاعت ہوئی۔

روایت حدیث میں احتیاط: آپ کمال حفظ و ضبط کے باوجود احادیث نبوی کی روایت میں حد درجہ محتاط تھے۔"عن أبي جعفر محمد بن علي قال: لم يكن من أصحاب رسول الله ﷺ أحد أحذر إذا سمع من رسول الله ﷺ شيئًا إلا يزيد فيه ولا ينقص منه عبدالله بن عمر۔(مرجع سابق، ص:۱۰۷)

ابو جعفر محمد بن علی کا بیان ہے: "صحابہ کی جماعت میں روایت حدیث میں ابن عمر سے زیادہ محتاط کسی کو نہ دیکھا۔ وہ حدیث میں اضافہ ونقصان سے ڈرتے تھے۔

حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں: "صحبت ابن عمر إلى المدينة فما سمعته يحدّث عن النبي ﷺ حديثًا واحدًا" یعنی میں مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں رہا تو میں نے اس درمیان انہیں نبی کریم ﷺ سے ایک بھی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا۔

حضرت امام شعبی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: جالست ابن عمر سنة فما سمعته يحدث عن رسول الله ﷺ شيئًا.

یعنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک سال تک حاضر ہوا تو اس مدت میں انھیں نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث روایت کرتے ہوئے نہیں سنا۔

اس حزم واحتیاط کے باوجود آپ کا شمار مکثرین صحابہ میں ہوتا ہے، آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۶۳۰ (ایک ہزار چھ سو تیس) ہے۔ ۱۷۰/ احادیث متفق علیہ ہیں یعنی امام بخاری ومسلم نے ان احادیث کو صحیحین میں بیان کیا ہے، ۸۱/ احادیث کو صرف امام بخاری نے اور ۳۱/ احادیث امام مسلم نے تنہا روایت کیا ہے۔ اور بقیہ احادیث دیگر کتب صحاح مسانید وسنن میں موجود ہیں۔ (السنہ قبل التدوین، ص:۴۷۱، دارالفکر)

روایت حدیث: رسول اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی بن طالب، حضرت ابوذر غفاری، حضرت معاذ بن جبل، ام المومنین حضرت عائشہ، ام المومنین حضرت حفصہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت بلال، حضرت زید بن ثابت اور حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرھم سے حدیث کی روایت کی ہے۔

تلامذہ: آپ کے چشمۂ فیض سے دنیاے اسلام کے تشنگان علوم نصف صدی تک سیراب ہوتے رہے۔ چناں چہ آپ سے ایک کثیر جماعت نے روایت کیا۔ ان میں سے نامور ومقتدر ہستیوں کے نام یہ ہیں: ان کی اولاد میں سالم، عبداللہ، حمزہ، زید، عبید اللہ وعمر آپ کے آزاد کردہ غلام نافع، حفص بن عاصم بن عمر، خالد بن اسلم، موسیٰ بن طلحہ اور کبار تابعین میں سے سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، ابو عبدالرحمٰن النھدی، مسروق، مصعب بن سعد، ابوبردہ بن ابی موسیٰ، عبداللہ بن دینار، زید، خالد، عروہ بن زبیر، بشر بن سعید، عطا، مجاہد، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، ثابت بنانی، عکرمہ وغیرھم۔ (تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۳۲۹، دار صادر، بیروت)

بحیثیت فقیہ: حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے۔ آپ فقہ واجتہاد کے بھی امام تھے، لوگ بکثرت دینی مسائل آپ سے دریافت کیا کرتے تھے، آپ کی ساری عمر علم وافتا میں بسر ہوئی، آپ کے تفقہ واجتہاد کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ فقہ مالکی کی

اساس وبنیاد آپ ہی کے فتاویٰ پر ہے۔امام مالک فرماتے ہیں:

”أقام ابن عمر بعد وفاۃ رسول اللہ ﷺ ستین سنۃ تقدم علیہ وفود الناس“۔(الحدیث والمحدثون،ص:۱۴۱)

یعنی رسول اکرم ﷺ کی حیات ظاہری کے بعد ابن عمر ساٹھ برس تک باحیات رہے،آپ کی بارگاہ میں لوگوں کے وفود آتے رہے۔

فقیہ امت ہونے کے باوجود آپ اپنے فتاویٰ میں بڑے محتاط تھے اگر آپ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے بارے میں آپ کو قطعی علم نہ ہوتا تو صاف طور پر لاعلمی کا اظہار فرمادیتے تھے۔”سئل ابن عمر عن شيء فقال لا علم بہ،فلما أدبر الرجل قال لنفسہ سئل ابن عمر عما لا علم لہ بہ فقال لا علم لي بہ“.(الطبقات الکبریٰ،لابن سعد،ج:۴،ص:۱۱۷)

حضرت امام مالک کا بیان ہے کہ ابن عمر ائمہ دین میں سے تھے،ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب جمع ہوجائے گی۔

امام مالک ہی کا بیان ہے،فرماتے ہیں مجھ سے میرے شیخ ابن شہاب زہری نے بیان کیا کہ کسی کی رائے کو عبداللہ بن عمر کی رائے کے برابر وہم پلہ نہ سمجھو،وہ حضور اکرم ﷺ کے بعد ساٹھ سال تک باحیات رہے،ان سے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی کوئی بات مخفی نہیں تھی۔

اسی طرح ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آیا تو آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر اہل مجلس کو مخاطب کرکے فرمایا:”أتریدون أن تجعلوا ظہورنا جسورا في جہنم؟ تقولون أفتانا ابن عمر“.(الاصابۃ،ج:۴،ص:۱۶۰،دارالکتب العلمیہ)

یعنی تم لوگ مجھے جہنم کا پل بنانا چاہتے ہو؟ تاکہ تمہیں یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ ابن عمر نے ایسا فتویٰ دیا ہے۔

عبداللہ بن عمر اور مسئلۂ رفع یدین: امام مجاہد جو آپ کے شاگرد ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور رکوع میں جانے سے قبل اور اٹھنے کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔شرح معانی الآثار میں ہے:

”عن مجاہد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ إلا في التکبیرۃ الأولیٰ من الصلاۃ“.(شرح معانی الآثار،ج:۱،ص:۱۶۳)

یعنی امام مجاہد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر کی اقتدا میں نماز پڑھی تو انھیں صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔

اپنے اس عمل کے باوجود آپ رکوع کے وقت رفع یدین والی حدیث کی روایت کرتے تھے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس بات کے قائل تھے کہ نبی کریم ﷺ کے فعل سے لوگوں کو باخبر کیا جائے خواہ سرکار کا فعل ابتدائے اسلام کا ہو یا سرکار دوعالم ﷺ کے حیات ظاہری کے آخری ایام کا ہو۔

ابن عمر اور مسئلۂ سنت فجر: آپ فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے وقت سنت فجر کے جواز کے قائل تھے چناں چہ آپ کے آزاد کردہ غلام وشاگرد حضرت نافع فرماتے ہیں:”أیقظت ابن عمر لصلوۃ الفجر وقد أقیمت الصلوۃ فقام وصلیٰ رکعتین“.(مرجع سابق،۴۸۶،دارالکتب العلمیہ)

یعنی میں نے ابن عمر کو نماز فجر کے لیے جگایا جب کہ جماعت کھڑی ہوچکی تھی تو آپ اٹھے اور دو رکعت سنت فجر پڑھی۔

ابن عمر اور مسئلہ قراءت خلف الامام: آپ نے قراءت خلف الامام کے تعلق سے فرمایا: "من صلی وراء الامام کفاہ قراءة الإمام". (سنن الکبری للبیہقی، ج:۲ص:۱۶۱)

یعنی جو امام کی اقتدا میں نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے۔

آپ کے شاگرد امام نافع کہتے ہیں کہ جب آپ سے سوال ہوا "هل يقرأ أحد خلف الإمام" (کیا امام کے پیچھے قراءت کرنے کی اجازت ہے) تو آپ نے فرمایا: "إذا صلى أحدكم خلف الإمام فحسبه قراءةالإمام وإذا صلى وحده فليقرأ". (شرح معانی الآثار، ج:۱، ص:۲۸۴، دار الکتب العلمیہ)

تم میں سے کوئی جب امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قراءت کرے۔

آثار نبوی کی اتباع: آپ نے خالص اسلامی ماحول میں تربیت پائی۔ ابتدا ہی سے بارگاہ رسالت میں مسلسل حاضری صرف اپنی زندگی کو اسوۂ رسول کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے دیتے تھے۔ بارگاہ رسالت میں حاضری اور علم واخلاق کے اکتساب نے آپ کو خلق پیغمبر کا نمونہ بنادیا تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کی پوری زندگی بلکہ آپ کی ہر ہر ادا سیرت پاک کا نمونہ اور سنت نبوی کا آئینہ دار تھی، آپ کی ذات حدیث رسول اور سنت نبوی کی عملی تعبیر اور چلتی پھرتی تصویر تھی۔

سیرت رسول کی مثالی اتباع نے ابن عمر کے زہد وورع کو اس درجہ بلند کردیا تھا کہ اپنے معاصرین میں وہ ممتاز اور منفرد نظر آتے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "إن أخاك رجل صالح لو كان يقوم من الليل" یعنی اے حفصہ! تیرا بھائی ابن عمر صالح اور نیک انسان ہے اگر وہ شب بیداری کرتے تو بہت اچھا ہوتا (یعنی نماز تہجد پڑھتے)

حضور کے اس ارشاد کو سننے کے بعد حضرت ابن عمر نے کبھی نماز تہجد ترک نہ فرمایا خود فرماتے ہیں "ما تركت قيام الليل بعد ذلك"

سفر وحضر میں بھی قدم قدم پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ سواری سے اسی جگہ اترتے جہاں سرکار مدینہ اترا کرتے تھے اور اسی مسجد میں نماز بھی پڑھتے تھے جہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے بلکہ اگر سرکار نے راستہ میں کسی درخت کو پانی دیا ہوتا تو ابن عمر بھی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں پانی دیتے تھے۔

"كان عبد الله بن عمر يتحفظ مايسمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم وإذا لم يحضر سأل من حضر عما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وفعل وكان يتبع آثار رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل مسجد صلىٰ فيه، وكان يعترض براحلته في كل طريق مرّ بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقال له في ذلك فيقول: أتجري أن تقع أخفاف راحلتي على بعض أخفاف راحلة رسول الله صلى الله عليه وسلم". (تاریخ بغداد، ج:۱، ص:۱۸۳، دار الکتب العلمیہ)

آثار نبوی کی پیروی کی برکت تھی کہ آپ مناسک حج کے سب سے زیادہ جانکار تھے۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "ماكان أحد يتبع آثار النبي ﷺ في منازله كما كان يتبعه ابن عمر ". (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۳۹۰)

اکابر کے اقوال: آپ نے علم وفضل، زہدوورع، پاکیزگی نفس، اتباع سنت، تفقہ فی الدین اور عشق رسول کا پیکر بن کر زندگی کے شب وروز گزارے اور امت مسلمہ کے لیے چراغ ہدایت بنے رہے۔امت مسلمہ کے اکابر نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

عبداللہ بن مسعود: "إن أملك شباب قريش لنفسه عن الدنيا عبدالله بن عمر ". (السنہ قبل التدوین، ص:۴۷۰)

ابن عمر قریش کے جوانوں میں سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہیں۔

جابر بن عبداللہ: "مامنا من أحد أدرك الدنيا إلا مالت به ومال بها غير عبدالله بن عمر ". (تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۳۳۰)

ابن عمر کے علاوہ ہم میں کوئی ایسا نہیں جو دنیا کی طرف مائل نہ ہوا۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن: "كان عمر في زمانه له فيه نظراء وكان ابن عمر في زمان ليس له فيه نظير ". (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۴، ص:۱۵۸، دارالکتب العلمیہ)

عمر ایسے زمانے میں تھے کہ ان کی نظیر تھی اور ابن عمر ایسے زمانے میں تھے کہ ان کی نظیر نہیں تھی۔

محمد بن حنفیہ: "كان ابن عمر حبر هذه الأمة ". (السنہ قبل التدوین، ص:۴۶۹)

ابن عمر امت مسلمہ کے بڑے عالم تھے۔

ذہبی: "أحد الأعلام في العلم والعمل " ابن عمر فقیہ، علم وعمل میں منفرد شخصیت کے مالک تھے۔

میمون بن مہران نے کہا: "مارأيت أورع من ابن عمر، ولا أعلم من ابن عباس ".

میں نے ابن عمر سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور ابن عباس سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا۔

سعید بن مسیب نے کہا: "لو شهدت لأحد من أهل الجنة لشهدت لابن عمر ".
(الاستیعاب، ج:۳، ص:۸۲، دارالکتب العلمیہ)

اگر میں کسی کے جنتی ہونے کی شہادت دیتا تو یقیناً ابن عمر کے بارے میں شہادت دیتا۔

اوصاف: آپ متعدّد صفات وکمالات کے حامل تھے، آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نمونۂ عمل ہے، آپ کا ہر عمل ارشاد رسول وسنت رسول کے مطابق ہوا کرتا تھا، چناں چہ آپ بازار صرف اس لیے تشریف لے جاتے تھے تاکہ آپ لوگوں کو سلام کریں اور لوگ آپ کو سلام کریں اور اجر وثواب میں اضافہ ہو۔

ایسے ہی آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر سے واپس آتے تو روضۂ رسول پر حاضر ہوتے اور حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ

میں اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی بارگاہ میں سلام کرتے تھے جیسا کہ حضرت نافع سے مروی ہے۔

قال:كان عبدالله بن عمر إذا قدم من سفر بدأ بقبر النبي ﷺ،وأبي بكر وعمر فيقول:السلام عليك يا رسول الله،السلام عليك يا أبابكر،السلام عليك يا أبتاه.

(الطبقات الکبری، ج:۴، ص:۱۱۷، دار الکتب العلمیہ)

یوں ہی آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر سال رجب کے مہینے میں عمرہ کیا کرتے تھے، چناں چہ آپ کے آزاد کردہ غلام اور شاگرد حضرت نافع سے مروی ہے "كان ابن عمر لا يدع عمرة رجب". (مرجع سابق، ۱۲۲)

وفات: آپ کی وفات کے سلسلہ میں بھی قدرے اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۷۴ھ میں مکہ مکرمہ کی سرزمین میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۸۴/ سال تھی، یہ آپ کے صاحبزادے سالم کی روایت ہے جب کہ فضل بن دکین نے بیان کیا کہ آپ کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔

آپ کی وفات کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف خطبہ دے رہا تھا، اور اسے طول کرتا جارہا تھا کہ نماز عصر نکل جانے کا اندیشہ تھا، اتفاق سے حضرت ابن عمر وہاں تشریف فرما تھے آپ اٹھے اور حجاج کا بے محل خطبہ ناپسند کرتے ہوئے فرمایا: "إن الشمس لا تنتظرك" آفتاب تیرا انتظار نہیں کرے گا، حجاج بن یوسف نے آپ سے انتقام لینے کا ارادہ کرلیا اور ایک شخص کو انتقام لینے کے لیے مامور کردیا، جس نے ایام حج میں عرفات سے واپسی پر لوگوں کی بھیڑ میں زہر آلود نیزے کی نوک آپ کے پاؤں میں چبھودی، یہ زہر ان کے جسم میں سرایت کرگیا اور اس کے اثر کی وجہ سے آپ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے، اور یہی زخم آپ کی وفات کا باعث ہوا۔

آپ کی دلی آرزو، تمنا اور خواہش یہ تھی کہ آپ کی وفات مدینۃ الرسول میں ہو، چناں چہ جب آپ کی حالت نازک ہوگئی تو آپ نے اپنے صاحبزادے سالم کو وصیت کی کہ اگر مکہ مکرمہ میں میری موت ہوجائے تو مجھے حدود حرم کے باہر دفن کرنا اس لیے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ اس سرزمین میں مدفون ہوں جہاں سے میں نے ہجرت کی ہے، وصیت کے کچھ دنوں بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

وصیت کے مطابق لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا مگر حجاج کی وجہ سے آپ کی یہ وصیت پوری نہ ہوسکی اور آپ کو مجبوراً مقبرہ مہاجرین میں جوذی طویٰ کے قریب مقام فخ میں واقع ہے سپرد خاک کیا گیا آپ کی نماز جنازہ حجاج بن یوسف نے پڑھائی۔

جیسا کہ ابو عون سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: "قال إبن عمر عندالموت لسالم: يابني إن أنا مت فادفني خارجاً من الحرم فإني أكره أن أدفن فيه بعد أن خرجت منه مهاجراً". (مرجع سابق، ۱۴۲)

نیز حضرت نافع سے مروی ہے انھوں نے فرمایا: "لما صدر الناس فنزل بابن عمر أوصىٰ عندالموت أن لا يدفن في الحرم ، فلم يقدر علىٰ ذٰلك من الحجاج، فد فناه بفخ في مقبرة المهاجرين نحو ذي طوىً و مات بمكة سنة أربع و سبعين". (مرجع سابق)

من المجتہدین

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ولادت: ۳ قبل ہجرت ۔۔ وفات: ۶۸ھ

محمد سلیم رضوی مصباحی، گجرات، جماعت: تحقیق فی الفقہ 7275363255

اسم گرامی: عبد اللہ، **کنیت:** ابو العباس، **القاب:** ترجمان القرآن، حبر امت، **والدہ کا نام:** ام الفضل لبابہ **اور والد گرامی** حضرت عباس بن عبد المطلب جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۱۸۶، از: عز الدین بن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ایڈیشن: ۱۹۹۴ء)

سلسلۂ نسب: عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الہاشمی۔

(الاستیعاب، ج:۳، ص:۴۲۳، از: حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر قرطبی، دار الاعلام، عمان، ایڈیشن: ۲۰۰۲ء)

خاندانی پس منظر: آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔

ولادت: ہجرت نبوی سے تین سال قبل شعب ابی طالب میں آپ کی ولادت ہوئی، جب کہ کفار مکہ نے خاندان بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا اور پورا خاندان شعب ابی طالب میں عسرت و آلام کی صبر آزما زندگی گزار رہا تھا۔ پیدائش کے بعد آپ کی والدہ آپ کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی اور اپنا مبارک لعاب دہن آپ کو چٹایا۔ تو سب سے پہلی چیز جو آپ کے شکم مبارک میں داخل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ اسی کی برکت سے آپ کو تقویٰ اور علم حکمت جیسی عظیم نعمت عطا ہوئی۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۱۸۷)

قبول اسلام: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام قبول کیا مگر حضرت عبد اللہ کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا ابتدائے اسلام ہی میں پیغام اسلام کو اپنا کر مسلمان ہو چکی تھیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸ھ میں قبول اسلام کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے، اس وقت حضرت عبد اللہ گیارہ سال کے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ کم سنی ہی میں اپنے والدین کی اتباع میں مسلمان ہو چکے تھے۔

(مشاہیر حدیث، ص:۸۳۔۸۴، از: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، رضا اکیڈمی، ممبئی، ایڈیشن: ۲۰۰۵ء)

ذاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: جب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چھوٹے تھے تو اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر رہا کرتے تھے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا چوں کہ آپ کی خالہ تھیں اور آپ سے بہت محبت فرماتی تھیں، آپ بسا اوقات انہی کے پاس بیٹھتے اور کبھی کبھی حجرۂ میمونہ رضی اللہ عنہا میں سو بھی جایا کرتے تھے۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوگئے، سفر و حضر ہر جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، جب حضور وضو کا ارادہ فرماتے تو آپ پانی کا انتظام کرتے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوجاتے، جب حضور سفر کا ارادہ فرماتے تو آپ حضور کے ہم سفر ہوتے اور سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھتے، یہاں تک کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سائے کی طرح ہوگئے تھے کہ جہاں بھی حضور جاتے آپ ساتھ ساتھ ہوتے۔

(صُوَر من حیاۃ الصحابہ، ص:۱۷۵، از: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا، ناشر: دارالنفائس، بیروت، ایڈیشن: ۱۹۹۲ء)

حضرت عبداللہ بن عباس خود بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو کا ارادہ کیا تو میں نے فوراً وضو کا پانی حاضر کر دیا، یہ دیکھ کر حضور خوش ہوئے، اور جب نماز کا ارادہ فرمایا تو میری طرف اشارہ کیا کہ میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہو جاؤں تو میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جب نماز مکمل ہوئی تو آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عبداللہ! تمھیں کس چیز نے میرے مقابل کھڑے ہونے سے روکا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میری نگاہ میں اس سے بہت بلند اور عزیز ہیں کہ میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہو جاؤں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی: "اللّٰھم اٰته الحکمة" (اے اللہ! تو اسے حکمت عطا فرما۔) (مصدر سابق، ص:۱۷۵، ۱۷۶)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لیے بیدار ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وضو کا پانی لا کر رکھ دیا، وضو کرنے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت کیا: پانی کس نے رکھا تھا؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: عبداللہ نے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوے اور دعا فرمائی: "اللّٰھُمَّ فَقِّھْه فی الدین وَعَلِّمْه التاویل." اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر سکھا دے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۲، ص:۹۱، از: شیخ الاسلام قاضی شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی عسقلانی مصری شافعی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ایڈیشن: ۱۹۹۴ء)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا مقبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو وہ علم و حکمت عطا فرمایا کہ آپ بہت سے اکابر صحابہ کرام پر سبقت لے گئے۔ جس کے چند نمونے آپ ان شاءاللہ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

جذبۂ تحصیل علم: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری طور پر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اکابر صحابہ کرام کی بارگاہ میں حاضر ہوکر قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا کرتے تھے، تحصیل علم کا شوق اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ جس کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہے تو آپ خود بہ نفس نفیس اس کے پاس جاکر اس حدیث کا سماع فرماتے۔ آپ خود اپنے اشتیاق و جستجوے علم کی داستان یوں بیان فرماتے ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں نے ایک انصاری شخص سے کہا: آؤ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم حاصل کریں کہ وہ اس وقت بڑی تعداد میں موجود ہیں، تو اس انصاری شخص نے کہا: اے ابن عباس! تم پر تعجب ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ علم میں تمھارے محتاج ہوں گے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے اس شخص کو چھوڑ دیا اور تنہا حصول علم کے لیے متوجہ ہو گیا، جس کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس کے پاس کوئی حدیث ہے تو مشقت

اٹھاکراس کے دروازے پر جاتا،اگروہ قیلولہ کررہاہوتا تومیں اس کے دروازے کے باہر چادر بچھاکرلیٹ جاتااور ہوامجھ پر گردوغبار اڑاتی،جب وہ شخص باہر نکلتا تومجھے اس حال میں دیکھ کر کہتا:اے ابن عم رسول!آپ نے کیوں زحمت کی،آپ مجھے کسی کے ذریعے بلا بھیجتے میں خود حاضر ہوجاتا۔میں کہتا:نہیں!میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کہ آپ کے پاس آؤں اور حدیث رسول کے بارے میں آپ سے پوچھوں۔کچھ دنوں کے بعداس انصاری شخص نے مجھے اس حال میں دیکھاکہ لوگ میرے اردگرد جمع ہیں اور مجھ سے احادیث دریافت کررہے ہیں،تواس نے کہا:یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقل مند تھا"۔(الحدیث والمحدثون،ص:۱۳۹، از:محمد محمد ابوزہو،دارالفکر العربی،قاہرہ،مصر—الاصابہ،ج:۴،ص:۹۱)

حضرت ابورافع جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے ،انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کا کافی موقع میسر آیا تھا،حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے پاس کاتب لے کر جاتے اور پوچھتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاں فلاں دن کیا عمل کیا؟حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے اور کاتب لکھتا جاتا۔(الاصابہ،ج:۴،ص:۹۲)

تحصیل علم کی اس لگن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو"حبرامت"بنادیاتھا۔یہاں تک کہ لوگ آپ کوآپ کی وسعت علم کی وجہ سے"البحر"(علم کاسمندر)کہاکرتے تھے۔(اسد الغابۃ،ج:۳،ص:۱۸۷)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک آپ علمی ودینی خدمات انجام دیتے رہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے دور خلافت میں آپ کوبصرہ کا گورنر مقرر کیا،آپ نے بڑی دیانت وفراست کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیے،مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد آپ اس عہدے سے مستعفی ہوگئے۔جب حضرت عبداللہ بن زبیراور عبدالملک بن مروان کے درمیان شورش ہوئی توآپ اور حضرت محمد بن حنفیہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے گئے،حضرت ابن زبیر نے ان دونوں سے بیعت کا مطالبہ کیا توانھوں نے انکار کردیااور فرمایا:تمھیں تمھارامعاملہ مبارک ہو،ہم نہ تمھاراساتھ دیں گے نہ کسی اور کا۔حضرت ابن زبیر نے غضبناک ہوکر کہا:میری بیعت کرلوورنہ میں تم دونوں کو جلادوں گا۔وہ دونوں پھر بھی نہ مانے،اس انکار نے ابن زبیر کوان دونوں کا دشمن بنادیا،مکہ میں رہائش دشوار ہوگئی تواپنے حامیوں کی حفاظت میں مکہ مکرمہ سے طائف چلے گئے۔

وصال پرملال اور مزار پاک: طائف پہنچنے کے بعد حضرت ابن عباس بیمار ہوگئے اور سات روز بیمار رہنے کے بعد طائف میں آپ کا انتقال ہوگیا۔حضرت محمد بن حنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا:مات واللہ الیوم حبر هذه الأمة .بخدا آج اس امت کے بڑے عالم کا انتقال ہوگیا۔(اسد الغابہ،ج:۳،ص:۱۹۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن حنفیہ نے فرمایا:"الیوم مات ربانی هذه الأمة."آج اس امت کے عالم ربانی کا انتقال ہوگیا۔(الاستیعاب،ج:۳،ص:۴۲۴)

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:۔(۱)۶۵ھ(۲)۶۶ھ(۳)۷۰ھ(۴)۷۳ھ(۵)۶۸ھ۔اس آخری قول کواکثرتذکرہ نگاروں نے اختیار کیاہے اور اسی کوترجیح دی ہے۔(الاصابہ،ج:۴،ص:۹۴۔اسد الغابہ،ج:۳،ص:۱۹۰)

آپ کا مزار پاک طائف میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے جنازے میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک سفید پرندہ آیا اور حضرت ابن عباس کے کفن میں داخل ہو گیا۔ اور پھر اسے نکلتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ حضرت ابن عباس کا علم تھا۔ جب ان کو قبر میں رکھا گیا تو لوگوں نے ان کو آیت کریمہ:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ (سورۃ الفجر، آیت: ۲۷ ـــ ۳۰) پڑھتے ہوئے سنا۔ (الاصابۃ، ج:۴، ص:۹۴)

مجتہدانہ شان اور فقہی کارنامے: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اصحابِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے تو بعض لوگوں کو میرا اکابر صحابہ کی صف میں بیٹھنا ناگوار گزرا تو انھوں نے کہا: آپ اس نوخیز جوان کو ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں جب کہ ہمارے بیٹے بھی اسی کی طرح ہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا: ان کا مرتبہ تم نہیں جانتے ہو۔ پھر ایک دن حضرت عمر نے مجھے بلایا اور ان کے ساتھ بٹھایا، میرا خیال تھا کہ مجھے اس دن اس لیے بلایا تھا کہ ان لوگوں کو میرے بارے میں کچھ بتائیں، تو آپ نے فرمایا: تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ” اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ “ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو بعض نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں فتح و نصرت ملے تو ہم اللہ کی حمد بیان کریں اور استغفار کریں، اور بعض لوگ خاموش رہے۔ حضرت عمر نے مجھ سے فرمایا: اے ابن عباس کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: تو کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی طرف اشارہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی اور فرمایا ” اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ “ یعنی یہ تمھاری وفات کی علامت ہے تو تم اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو اور استغفار کرو، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اس آیت کریمہ کے بارے میں میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم کہہ رہے ہو۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۷۴۳، کتاب التفسیر، باب قولہ ” فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ “ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)

حضرت عبداللہ بن ابو زید فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کوئی سوال کیا جاتا تو اگر اس کا جواب قرآن میں ہوتا تو آپ اس کے مطابق جواب دیتے، اگر قرآن میں نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادث میں ہوتا تو آپ اس کے مطابق جواب دیتے، اگر احادیث نبویہ میں نہ ہوتا اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال میں ہوتا تو آپ اس کے مطابق جواب دیتے اور ان میں بھی نہ ہوتا تو اپنی رائے اور اجتہاد سے جواب دیتے۔ (الاصابۃ، ج:۴، ص:۹۳)

حضرت ابن عباس خود فرماتے ہیں: ”ہم اہل بیت، شجر نبوت، ملائکہ کی آمد و رفت کی جگہ، اہل بیت رسالت، اہل بیت رحمت اور معدن علم ہیں۔“ (اسد الغابۃ، ج:۳، ص:۱۸۷)

حضرت لیث بن ابو سلیم کہتے ہیں: میں نے حضرت طاؤس سے کہا: آپ نے اس نوجوان یعنی حضرت عبداللہ بن عباس کی صحبت اختیار کی اور اکابر صحابۂ کرام کو چھوڑ دیا؟ تو انھوں نے فرمایا: میں نے ستر صحابۂ کرام کو دیکھا کہ جب ان کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف ہوتا تو وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (ایضاً، ص:۱۸۸)

حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب مشکل معاملات پیش ہوتے تو آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بلاتے اور فرماتے: میرے پاس مشکل مسائل آئے ہیں اور مشکل معاملات کو حل کرنا آپ کا کام ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو فرماتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مطابق حکم نافذ فرماتے۔ حالاں کہ حضرت عمر خود بہت بڑے فقیہ، مجتہد اور صاحب علم وفضل تھے۔ (الحدیث والمحدثون، ص:۱۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فقہ، حدیث، تفسیر، حساب، فرائض اور ایام عرب (اہل عرب کی جنگوں) میں مہارت تامہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ آپ اپنی مجلس میں ایک دن صرف فقہی مسائل بیان فرماتے، ایک دن صرف قرآن مجید کی تفسیر بیان فرماتے، ایک دن صرف غزواتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے اور ایک دن صرف ایام عرب کے بارے میں گفتگو فرماتے۔ آپ کی بارگاہ میں جو بھی عالم بیٹھتا وہ آپ کا معتقد ہوجاتا اور جو کچھ بھی آپ سے پوچھتا تو اس کے متعلق آپ کے پاس علم پاتا۔

(مصدر سابق، ص:۱۴۰)

حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس کی مجلس سے بڑھ کر ہر بھلائی کو جمع کرنے والی کوئی مجلس نہ دیکھی جس میں حلال وحرام، عربوں کی جنگوں، انساب عرب اور اشعار عرب کا تذکرہ ہوتا تھا۔ (الاستیعاب، ج:۳، ص:۴۲۴)

آپ کے تعلق سے ایک واقعہ کتابوں میں ملتا ہے کہ جب حضرت علی کے بعض اصحاب ان سے الگ ہوگئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نزاع کے سلسلے میں ان کی مدد چھوڑدی تو حضرت ابن عباس نے حضرت علی سے کہا: اے امیر المومنین! آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں اور ان سے گفتگو کروں۔ حضرت علی نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہیں وہ تمھیں تکلیف نہ پہنچادیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: ہرگز نہیں ان شاء اللہ۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان لوگوں کے پاس گئے تو انھیں عبادت وریاضت میں محنت ومشقت کرتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے آپ کو دیکھ کر کہا: خوش آمدید، اے ابن عباس! کیسے آنا ہوا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں آپ لوگوں سے بات کرنے کے لیے آیا ہوں، تو ان میں سے بعض نے کہا: ان سے بات مت کرو۔ اور بعض نے کہا: آپ فرمائیے، ہم آپ کی بات سنیں گے۔ تو آپ نے فرمایا: مجھے بتاؤ کہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، ان کی بیٹی کے شوہر اور ان پر سب سے پہلے ایمان لانے والے (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی کون سی بات بری لگی؟ تو انھوں نے کہا: ہمیں ان کی تین باتیں بری لگیں۔ آپ نے فرمایا: کون سی تین باتیں؟ ان لوگوں نے کہا: پہلی بات یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حاکم بنادیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی لیکن ان سے مال غنیمت حاصل نہ کیا اور نہ ہی کسی کو قیدی بنایا، اور تیسری بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے نام کے آگے سے امیر المومنین کا لقب ہٹادیا حالاں کہ مسلمانوں نے ان کی بیعت کی اور ان کو اپنا امیر بنایا۔

آپ نے فرمایا: بھلا بتاؤ تو اگر میں تمھیں قرآن مجید کی آیات سناؤں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث بیان کروں جن کا تم انکار نہیں کرتے تو کیا تم لوگ اپنے موقف سے رجوع کرلوگے؟ ان سب نے جواب دیا: ہاں۔

آپ نے فرمایا: رہا تمھارا یہ کہنا کہ انھوں نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حاکم بنادیا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! شکار نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ ویسا ہی جانور مویشی سے دے، تم میں کے دو ثقہ آدمی اس کا حکم کریں۔ (کنزالایمان، سورۂ مائدہ: آیت: ۹۵)

پھر آپ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، مسلمانوں کے خون اور ان کی جان کی حفاظت اور ان کی باہمی درستگی کے سلسلے میں ان کو حاکم بنانا بہتر ہے یا اس خرگوش کے سلسلے میں جس کی قیمت ربع درہم (درہم کا چوتھائی حصہ) ہے؟ تو ان لوگوں نے جواب دیا: مسلمانوں کے خون کی حفاظت اور ان کی باہمی درستگی کے سلسلے میں۔

آپ نے فرمایا: تو کیا آپ لوگ اپنے اس خیال سے باز آئے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: رہا تمھارا یہ کہنا کہ حضرت علی نے جنگ کی لیکن کسی کو قیدی نہیں بنایا جیسے رسول اللہ ﷺ بنایا کرتے تھے۔ تو کیا تم چاہتے ہو کہ اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قیدی بناؤ اور انھیں حلال کرو جیسے قیدیوں کو حلال سمجھا جاتا ہے؟ اگر تم ہاں کہو گے تو کافر ہو جاؤ گے، اور اگر کہو گے کہ وہ تمھاری ماں نہیں ہے تو بھی کافر ہو جاؤ گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

ترجمہ: یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔ (کنزالایمان، سورۂ احزاب، آیت: ۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اپنے لیے جو چاہو اختیار کرو۔ پھر فرمایا: کیا تم اپنے اس خیال سے بھی باز آگئے؟ تو ان لوگوں نے کہا: ہاں۔

پھر فرمایا: رہا تمھارا یہ کہنا کہ حضرت علی نے اپنے نام کے آگے سے امیر المؤمنین کا لقب ہٹادیا تو رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے دن صلح نامہ میں لکھوایا تھا: "ھٰذا ما قاضیٰ علیه محمد رسول الله" تو کفار نے کہا تھا کہ اگر ہم اس بات پر ایمان لاتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے۔ اس کے بجائے آپ "محمد بن عبد الله" لکھوائیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے وہی لکھوایا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیا تم لوگ اس خیال سے بھی باز آگئے؟ تو ان لوگوں نے کہا: ہاں، ہم باز آگئے۔

اس ملاقات اور حکمت عملی کا فائدہ یہ ہوا کہ ان میں سے بیس ہزار لوگ واپس حضرت علی کی فوج میں شامل ہو گئے اور چار ہزار لوگ اپنے موقف پر اڑے رہے۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۱۷۶-۱۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا گھر ایک جامعہ کی حیثیت رکھتا تھا، دور دراز سے لوگ آپ کی بارگاہ میں آتے، یہاں تک کہ آپ کے گھر کے ارد گرد کے راستے تنگ ہو جاتے۔ آپ کی بارگاہ میں لوگ حروف و آیات قرآن، تفسیر و توضیح قرآن، حرام و حلال، جائز و ناجائز، فرائض و میراث، ایام عرب اور اشعارِ عرب کا علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ ان سب علوم

کے عالم تھے اوران میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔(مصدر سابق، ص:۱۸۱ــ۱۸۲)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس جب بصرہ کے گورنر تھے تو رمضان المبارک میں لوگوں کو تفسیر قرآن سنایا کرتے تھے، مہینہ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی مجلس میں بیٹھنے والے فقیہ بن جایا کرتے تھے۔(الاصابۃ، ج:۲، ص:۹۴)

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس چند چیزوں میں لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے:۔

(۱)ماسبق کا علم (۲)اس چیز کی سمجھ جس میں رائے اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے(۳)حلم (۴)نسب (۵)تفسیر۔آگے فرماتے ہیں: میں نے ان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث اورابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں کا جاننے والا، اپنی رائے اور اجتہاد میں سے بڑا فقیہ، اشعار وایام عرب، تفسیر، حساب اور فرائض کا جاننے والا کسی کو نہ دیکھا۔

(اسدالغابہ، ج:۴، ص:۱۸۷ــ۱۸۸)

کتاب الاحکام میں ابن حزم بیان کرتے ہیں: حضرت امام ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن مامون نے حضرت ابن عباس کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۵۸، از: امام شمس الدین ذہبی، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ایڈیشن:۱۹۸۲ء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرویات: حضرت ابن عباس کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔بخاری ومسلم دونوں نے ان میں سے ۹۵/ احادیث کو روایت کیاہے اور صرف بخاری نے ۱۲۰/ احادیث کو اور صرف مسلم نے ۴۹/ احادیث کو روایت کیاہے۔(الحدیث والمحدثون، ص:۱۴۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۶۵ ھ

محمد رئیس اختر، بارہ بنکی، جماعت: اختصاص فی الفقہ ۹۱۹۸۴۱۱۵۲۷

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابو محمد، ابو نصیر، ابو عبد الرحمٰن، والد کا نام عمرو بن العاص اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن معبد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لؤی القرشی۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی، ج:۵، ص:۳۳۷)

اسلام: آپ ان خوش نصیب اصحاب رسول میں سے ہیں جنھوں نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر، ج:۳، ص:۳۴۹)

بارگاہ رسالت میں پابندی کے ساتھ حاضری: آپ اکثر اوقات بارگاہ رسالت میں حاضر رہتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اسے قلم بند کر لیتے۔

عبادت و ریاضت: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے جو وقت بچتا وہ عموماً یادِ خدا، عبادت اور ریاضت و مجاہدہ میں صرف فرماتے تھے، دن عموماً روزے کی حالت میں اور رات نماز کی حالت میں بسر ہوتی، رفتہ رفتہ ان معمولات میں اس قدر اضافہ ہوا کہ تمام دنیاوی علائق سے کنارہ کش ہو گئے، آپ کے والد حضرت عمرو بن العاص نے بارگاہِ رسالت میں آپ کے اس طرزِ حیات کی شکایت کی تو حضور نے بلا کر فرمایا:

”إن لعينك عليك حقّا و إن لأهلك عليك حقا قم و نم و صم و أفطر، صم ثلاثة أيّام من كل شهر فذلك صيام الدهر، فقال: إنّي أطيق أكثر من ذلك فلم يزل يراجعه فى الصّيام حتى قال له: لا صوم أفضل من صوم داؤد و كان يصوم يوما و يفطر يوما“. (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۸۶،۸۷)

(تمھاری آنکھ کا تم پر حق ہے، تمھارے اہل کا تم پر حق ہے، رات میں قیام کرو اور سوؤ بھی، دن میں (کبھی) روزہ رکھو اور (کبھی) چھوڑ دو، ہر ماہ تین دن روزہ رکھو کیوں کہ یہی صوم دہر ہے، ابن عمرو نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزے کے تعلق سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ فرمایا: کوئی روزہ داؤد علیہ السلام کے روزے سے افضل نہیں وہ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن چھوڑ دیتے) اس حکم کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس پر مداومت کی۔

غزوات: عبادت و ریاضت میں انہماک کے باوجود آپ نے بعض غزوات میں بھی شرکت فرمائی، جہاد اور فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری اور باربرداری کا اہتمام آپ ہی کے سپرد ہوتا تھا۔

یرموک کی جنگ عظیم میں انتہائی جان بازی اور شجاعت و بہادری کے ساتھ سرگرم پیکار رہے، آپ کے والد حضرت عمرو بن العاص نے اپنا پرچم قیادت آپ کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۲۵۰)

جنگ صفین میں حضرت عمرو بن العاص کے حکم پر حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے مقابلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شریک تھے لیکن جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہ لیا اور بارہا اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۵)

گو اس خانہ جنگی میں آپ کا دامن قتل و خوں ریزی سے بالکل پاک تھا، پھر بھی اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان تھے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

"مالی و لصفّین، مالی و لقتال المسلمین، و اللہ لو ددت أنی متُّ قبل هذا بعشر سنین"

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۸۷)

(مجھے صفین سے کوئی سروکار نہیں، مجھے مسلمانون کی خوں ریزی سے کیا تعلق، بخدا! میری یہ خواہش ہے کہ میں اس سے دس سال پہلے ہی دنیا سے اٹھ گیا ہوتا۔)

مجموعۂ حدیث کے پہلے مدوّن: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات کا مجموعہ مرتب فرمایا جس کا نام "الصادقۃ" رکھا، جس کی بنیاد پر آپ حدیث کے اولین مدوّن بن گئے۔

آپ کو یہ صحیفہ بے حد عزیز تھا، کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے، مجاہد بن جبیر تابعی بیان فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انھوں نے منع فرمایا، میں نے عرض کی: "آپ تو مجھ کو کسی چیز سے نہ روکتے تھے، اس سے کیوں روک رہے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "یہ وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے تنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر جمع کیا ہے" (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۲۵۰)

مرویات کی تعداد: آپ کی مرویات کی تعداد سات سو ہے جن میں سات حدیثیں بخاری و مسلم دونوں میں ہیں، اس کے علاوہ آٹھ بخاری میں اور بیس مسلم میں ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء)

حلقۂ درس: آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، تشنگان علوم نبویہ دور دراز سے سفر کر کے آپ کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے، جہاں بھی جاتے شائقین علم کا ایک جم غفیر ارد گرد جمع ہو جاتا۔ ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ایلیا کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ رہا تھا، ایک شخص میرے پہلو میں آکر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کی طرف سمٹ آئے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص یہی ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

انس بن مالک، ابوامامہ بن سہل، عبداللہ بن حارث بن نوفل، مسروق بن اجدع، سعید بن مسیّب، جبیر بن نفیر، ثابت بن عیاض الاحنف، خیثمہ بن عبدالرحمن جعفی، حمید بن عبدالرحمن بن عوف، زر بن حبیش، سالم بن ابوجعد، محمد بن عبداللہ بن عمرو، طاؤس، شعبی، عبداللہ بن رباح انصاری، ابن ابی ملیکہ، عروۃ بن زبیر، ابو عبدالرحمن، عبدالرحمن بن زبیر، عطا بن یسار، عکرمہ، مجاہد بن جبیر، یوسف بن مالک، ابوحرب بن ابی اسود، ابوفراس، یعقوب بن عاصم بن عروۃ، ابوزرعہ بن عمرو، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوزبیر مکی، عمرو بن دینار۔ (تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۹، ۲۱۸)

روایات حدیث: آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابودرداء اور حضرت سراقہ بن مالک جعشم وغیرہ سے احادیث کی روایت کی۔

(مصدر سابق، ج:۳۳، ص:۲۱۸)

علم وفضل اور خدمت حدیث: علم وفضل اور خدمتِ حدیث کے لحاظ سے آپ کا شمار ممتاز اصحاب رسول کی فہرست میں ہوتا ہے۔ عربی زبان و ادب کے علاوہ عبرانی زبان میں بھی ید طولی حاصل تھا، توریت و انجیل کا گہرا مطالعہ تھا۔ احادیثِ رسول کا جو ذخیرہ آپ کے پاس موجود تھا اس کا اعتراف کثیر الروایہ صحابیٔ رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

”ما كان أحد أكثر حديثا عن رسول الله صلى الله عليه و سلم منّي إلّا ما كان من عبد الله بن عمرو فإنه كان يكتب و لا أكتب.“ (صحیح البخاری، ج:۱، ص:۲۲، کتابۃ العلم)

(کوئی شخص مجھ سے زیادہ احادیث رسول کا جاننے والا نہ تھا سوائے عبداللہ بن عمرو کے، کیوں کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔)

کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثیر روایات اور ان کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی قلیل روایات کو پیشِ نظر رکھ کر جب حضرت ابوہریرہ کے قول کا جائزہ لیا جاتا ہے تو بظاہر تعارض نظر آتا ہے اور دلائل و شواہد کی روشنی میں حضرت ابوہریرہ کے قول کی تصدیق دشوار ہو جاتی ہے لیکن جب حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی زندگی، روایتِ حدیث، اسفار خلوت و جلوت اور معمولات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اشکال باقی نہیں رہتا کیوں کہ حدیث کے قلیل و کثیر ہونے کا معیار روایت کی قلت و کثرت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے شب و روز اکثر عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے، اس لیے تعلیم و روایت کے مواقع کم تھے اس کے برخلاف حضرت ابوہریرہ اکثر اوقات بیانِ روایت میں بسر کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے فتوحات کے بعد اپنی زندگی کے بیشتر ماہ و سال مصر یا طائف میں خلوت گزیں ہو کر گزارے، جہاں طالبان حدیث کم پہنچتے تھے جب کہ حضرت ابوہریرہ مدینہ میں مقیم رہے جہاں علمی ماحول تھا، حدیث اور مسائلِ فقہ کے طالب بکثرت آیا کرتے تھے۔

اس طرح حضرت عبداللہ بن عمرو کی بہ نسبت حضرت ابوہریرہ سے حدیث اخذ کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی، دامن نبوت سے وابستہ ہونے کے بعد ابن عمرو کا محبوب مشغلہ تھا کہ بارگاہ نبوی میں جو کچھ سنتے دیکھتے قلمبند کرلیا کرتے تھے۔ اکبر صحابہ نے جب آپ کا یہ عمل دیکھا تو کتابتِ حدیث سے منع کیا اور کہا:

"أن النبي صلى الله عليه و سلم يتكلّم في الغضب و الرضا فلا تكتب كل ما تسمع"

(رسول اللہ ﷺ (کبھی) غضب کی حالت میں کلام فرماتے ہیں اور کبھی (رضا) کی حالت میں تو تم سن کر ہر بات نہ لکھ لیا کرو)

حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس تعلق سے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"أكتب فو الذي نفسي بيده، ما خرج منهما إلّا حق" (سنن الدرامی، باب من رخص فی کتاب العلم، ج:۱، ص:۱۳۶)

(لکھ لیا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، ان دونوں (ہونٹوں) سے حق ہی نکلتا ہے۔)

اربابِ علم کی قدر شناسی: آپ اپنے ذی علم معاصرین کی بہت عزت و توقیر فرماتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے "تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت چاہتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود کا نام لیا"۔ (صحیح مسلم، باب فضائل عبداللہ بن مسعود و اُمہ رضی اللہ عنہما ج:۲، ص:۲۹۳)

ذریعۂ معاش: حضرت عبداللہ بن عمرو کو اپنے والد سے بہت ساری دولت اور بے شمار خدم وحشم وراثت میں ملے تھے، طائف میں وہط کے نام سے ان کی جاگیر تھی، جس کی قیمت ایک اندازے کے مطابق دس لاکھ درہم تھی (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۵) آپ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی (اسد الغابۃ، ج:۳۳، ص:۲۵۰) ایک مرتبہ عنبسہ بن سفیان سے اس بارے میں کچھ اختلاف ہوگیا یہاں تک کہ دونوں طرف سے خوں ریزی کی تیاریاں ہوگئی تھیں، خالد بن العاص حضرت عبداللہ بن عمرو کو سمجھانے کے لیے آئے تو انھوں نے جواب دیا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: من قتل دون ماله فهو شهيد. (جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے)۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، ج:۲، ص:۱۶۳)

فقہی و اجتہادی مقام: فقہ و افتا اور اجتہاد میں آپ کو امتیازی شان حاصل تھی، آپ کا شمار فقہاے صحابہ کے طبقۂ متوسطین میں ہوتا ہے "الاِحکام فی اصول الاحکام" میں ہے:

"و المتوسطون منهم فيما روي عنهم من الفتيا رضي الله عنهم، أم سلمة أم المؤمنين، انس بن مالك، أبوسعيد الخدري، أبوهريرة، عثمان بن عفّان، عبد الله بن عمرو بن العاص، عبد الله بن الزبير، أبوموسى الأشعري، سعد ابن أبي وقاص، سلمان الفارسي، جابر بن عبد الله، معاذ بن جبل و أبو بكر الصديق، فهم ثلاثة عشر فقط."

(الاحکام فی اصول الاحکام الباب الثامن و العشرون فی تسمیۃ الصحابۃ، ج:۵، ص:۸۸)

یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام مسائل فقہیہ میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے "طبقات الفقہاء" میں ہے:

و لا یذکر إلّا عالم مجتهد و کان یفتي في الصحابة. (طبقات الفقہاء، ج:۱، ص:۵۰)

زیاد ابن مینا فرماتے ہیں:

کان ابن عباس و أبو سعید الخدری و أبو هریرة و عبد الله بن عمرو بن العاص و جابر بن عبد الله و رافع بن خدیج و سلمة بن الأکوع و أبو واقد اللیثی و عبد الله بن بحینة مع أشباه لهم من أصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم یفتون بالمدینة و یحدثون عن رسول الله صلی الله علیه و سلم من لدن توفّی عثمان إلی أن توفوا.

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر من جمع القرآن علی عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم، ج:۲، ص:۳۷۱)

(یعنی عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، جابر بن عبداللہ، رافع بن خدیج، سلمہ بن اکوع، ابوواقد لیثی عبداللہ بن بحینہ اور ان جیسے دوسرے اصحابِ رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تاحیات مدینہ منورہ میں فتویٰ اور روایتِ حدیث کا کام انجام دیتے رہے۔)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر فقیہ و صحابی نے بھی علم فقہ میں آپ کی مہارت کی شہادت دی ہے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا: حضرت ابن عباس کو گزشتہ معاملات کا علم ہم سب سے زیادہ ہے اور وہ ان مسائل کے سب سے بڑے جانکار ہیں جن کا حکم منصوص نہیں، عکرمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا:

"إنّ عنده لعلماً و لقد کان یسأل رسول الله صلی الله علیه و سلم عن الحلال و الحرام"

(الطبقات الکبریٰ، ذکر من جمع القرآن علی عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم، ج:۲، ص:۳۷۱)

(یعنی عبداللہ بن عمرو کے پاس بہت علم ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔)

آپ بیشتر مسائل میں عام صحابہ کرام کے موقف کے مطابق فتویٰ دیتے تھے لیکن بعض مسائل میں آپ کی رائے منفرد ہوتی تھی، آپ کی اجتہادی شان کے نمونے درج ذیل ہیں:

(۱)- آپ کا موقف تھا کہ سمندر اور حمام کے پانی سے وضو اور غسل جنابت صحیح نہیں، بلکہ اس صورت میں تیمم کیا جائے۔ جب کہ یہ عام صحابہ کرام کے موقف کے خلاف ہے۔

آپ سے روایت ہے، فرمایا:

"ماء ان لا یُنقیان من الجنابة: ماء البحر و ماء الحمام."

(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من ماء البحر، ج:۱، ص:۹۳)

نیز آپ ہی سے روایت ہے:

”ماء البحر لا يجزی من وضوء و لا جنابة، إنّ تحت البحر ناراً ثم ماء ثمّ ناراً.“

(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من يكره ماء البحر و يقول لا يجزی، ج:۱، ص:۱۳۱)

آپ کا استدلال یہ تھا کہ سمندر کا پانی جہنم کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے اور طبقہ جہنم طہارت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

اور شاید ان کا قیاس اللہ تعالی کے اس ارشادِ گرامی سے تھا:

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ، هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ.“[سورۂ فاطر، آیت:۱۲]

قیاس یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے دونوں پانیوں کے درمیان فرق فرمایا ہے کہ ایک پینے میں خوشگوار ہے اور دوسرا کھارا، تو ان دونوں کے ذریعے طہات کا حکم بھی الگ الگ ہوگا۔ یہ قیاس ان کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جیسا کہ ماوردی نے اس کا ذکر حاوی کبیر میں کیا ہے۔

(۲) آپ کا موقف یہ تھا کہ مکہ کے مکانات کا کرایہ لینا اور انھیں استعمال میں لانا جائز نہیں۔

ابن نجیح سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمرو نے فرمایا:

”إنّ الذی يأكل كراء بيوت مكة إنما يأكل فی بطنه نارا“

(سنن الدارقطنی، کتاب البیوع، ج:۳، ص:۵۷، دار المعرفۃ بیروت)

جو لوگ مکہ کے مکانات کا کرایہ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال فرماتے تھے:

”مكة حرام و حرام بيع رباعها و حرام أجر بيوتها“ (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، ج:۳، ص:۷۸۹)

مکہ حرم ہے اور اس کے مکانات کی بیع اور اجارہ حرام ہے

اربابِ علم و فضل کی نگاہ میں آپ کا مقام: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ اور ان کے اہلِ خانہ کی ستائش کی ارشاد فرمایا:

”و نعم أهل بيت: عبد الله و أبو عبد الله و أم عبد الله“ (تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۲۱۸)

(عبد اللہ ان کے والد اور والدہ بہترین گھر والے ہیں۔)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”ما كان أحد أكثر حديثا عن رسول الله صلى الله عليه و سلم منّی إلّا ما كان من عبد الله بن عمرو فإنه كان يكتب و ل لا أكتب“ (صحیح البخاری، ج:۱، ص:۲۲، باب کتاب العلم)

(کوئی شخص مجھ سے زیادہ احادیث رسول کا جانے والا نہ تھا سوائے عبد اللہ بن عمرو کے کیوں کہ وہ احادیث رسول لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔)

سلیمان بن ربیع عدوی فرماتے ہیں کہ ہماری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تو ہم نے عرض کیا: ”عبد اللہ بن عمرو“ ہم

سے فلاں فلاں حدیث روایت کرتے ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا:

"عبد الله أعلم بما يقول قالها ثلاثا" (مسند الطیالسی، باب الافراد، ج:۱، ص:۹)

(عبداللہ جو کہتے ہیں اسے خوب جانتے ہیں آپ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔)

حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت کعب احبار کی ملاقات ہوئی تو کعب احبار نے کہا: اے عبداللہ کیا تم فال لیتے ہو؟ آپ نے فرمایا: "ہاں" کعب احبار نے کہا تو کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا:

"الله لا طير إلّا طيرك و لا خير إلّا خيرك و لا ربّ غيرك و لا حول و لا قوة الّا بك"

(اے اللہ! تیرے فال کے سوا کوئی فال نہیں، تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں، تیرے سوا کوئی پروردگار نہیں، نیکی کرنے کی طاقت اور برائیوں سے بچنے کی قوت تیری ہی عطا سے ہے۔)

یہ سن کر کعب احبار نے کہا:

"آپ عرب کے سب سے بڑے عالم وفقیہ ہیں، یہی بات تورات میں لکھی ہے"

(الطبقات الکبری، الصحابة الذين أسلموا قبل فتح مكة، ج:۴، ص:۲۶۸)

وفات: ۶۵ھ میں فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے آپ کو گھر ہی میں دفن کر دیا کیوں کہ اس زمانے میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی فوجوں میں سخت جنگ ہو رہی تھی اور جنازے کا عام قبرستان تک پہنچانا بہت دشوار تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۵)

حلیہ: قد بلند و بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

(تاریخ الاسلام، ج:۵، ص:۱۶۳)

کتابیات

(۱) تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلانى، التحقيق و التصحيح: طارق عبده ، ط (۱) ۱٤۲۱هـ- ۱۹۹۱م

(۲) الاستيعاب فى معرفة الاصحاب لابى عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البرّ القرطبى، التحقيق و التعليق: الشيخ على معوض، الشيخ عادل احمد موجود، ط (۲) ۱٤۲۲هـ - ۲۰۰۲م

(۳) اسد الغابة فى معرفة الصحابة لعز الدين بن الاثير أبى الحسن على بن محمد الجزرى، التحقيق و التعليق: محمد إبراهيم البنأ، محمد احمد عاشور، محمد عبد الوهاب، مكتبة الشعب، شارع قصر العينى، القاهرة

(٤) صحيح البخارى لإمام أبى عبد الله محمد بن إسماعيل البخارى، مجلس البركات، مبارك فور، اعظم جراه الهند، ط (۱) ۱٤۲۸هـ - ۲۰۰۷م

(٥)صحیح مسلم ط (١) ١٤٢٨ھ - ٢٠٠٧م، مجلس البرکات، مبارک فور، اعظم جره
(٦) تذکرة الحفاظ للإمام شمس الدین محمد احمد بن عثمان الذهبی التعلیق:الشیخ زکریا عمیرات، ط (١)١٤١٩ھ-١٩٩٨م دار الکتب العلمیة بیروت.
.(٧)مصنف عبد الرزاق لأبی بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی ط (٢)١٤٠٣ھ، المکتب الإسلامی، بیروت
(٨)مصنف ابن أبی شیبة لأبی بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العیسی الکوفی، الدار السلفیة الهندیة
(٩)سنن الدار قطنی لعلی بن عمر أبو الحسن الدار قطنی البغدادی التحقیق:السید عبد الله هاشم یمانی المدنی دار المعرفة بیروت
(١٠)المستدرك علی الصحیحین لمحمد بن عبد الله أبی عبد الله الحاکم النیسابوری، التحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، ط (١) ١٤١١ھ- ١٩٩٠م دار الکتب العلمیة بیروت
(١١)الإحکام فی أصول الأحکام لعلی بن أحمد بن حزم الأندلسی أبو محمد، ط (١) ١٤٠٤ھ، دار الحدیث القاهرة.
(١٢) الطبقات الکبری لمحمد بن سعد بن منیع أبو عبد الله البصری الزهری، دار صار، بیروت
(١٣)طبقات الفقهاء لمحمد بن جلال الدین المکرم (ابن منظور)التحقیق: إحسان عباس، ط (١) ١٩٧٠ھ دار الرائد العربی بیروت، لبنان
(١٤)تاریخ الإسلام لشمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذهبی،التحقیق: عمر عبد السلام تدموی، ط (١)١٤٠٧ھ-١٩٨٧م دار الکتاب العربی

من المجتہدین

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ولادت: ۔۔۔۔ وفات: ۷۳ھ

محمد شاہد، امبیڈکر نگر، Mob. 8127818156

اسم گرامی: عبداللہ بن زبیر

کنیت: ابوبکر وابوخبیب

والد کا نام: زبیر بن عوام

سلسلۂ نسب: عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی اسدی۔

(تاریخ الخلفا، ص:۳۰۹، علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ، مترجم: حضرت شمس بریلوی، اسلامک پبلیشر، دہلی)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد حضرت زبیر بن عوام حواری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت اسماء، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور آپ کی جدۂ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ ان رشتوں سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذات میں بہت سی خصوصیات جمع ہوگئیں۔ (ایضاً، ص:۳۰۹)

ولادت: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ منورہ میں دوسری ہجری میں پیدا ہوئے۔ بعض کے نزدیک آپ کی ولادت ۱ر ہجری میں ہوئی آپ کی ولادت کافی اہمیت کی حامل ہے، کیوں کہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے آپ کی ولادت ہوئی اور یہودیوں نے یہ پروپیگنڈا پھیلا دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر سحر کر دیا ہے، اب ان کے یہاں اولاد نہیں ہوگی۔

آپ کی پیدائش کے بعد آپ کے والد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھجور چبا کر ان کے منھ میں ڈالی، اس طرح سب سے پہلے جو چیز آپ کے پیٹ میں گئی وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا (یہ عظیم سعادت آپ کو حاصل ہوئی) پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ رکھا اور آپ کے نانا جان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر آپ کی کنیت "ابوبکر" رکھی۔ (ایضاً، ص:۳۰۹)

پرورش: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوں کہ اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اس لیے اس پر نور ماحول میں بڑے عمدہ طریقے سے پرورش پائی۔ آپ اکثر و بیشتر اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے تھے، آپ نے اس نورانی ماحول میں عمدہ اخلاق و کردار کے ساتھ علوم و معارف کی تحصیل فرمائی۔ آپ

بچپن ہی سے بڑے ذہین وفطین تھے، کاشانۂ نبوت میں ہر کوئی آپ سے لاڈ پیار کرتا۔

(سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۴۶۱، ۴۶۰، امام حافظ شمس الدین بن احمد بن عثمان ذہبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اولیٰ:۲۰۰۴ء)

بیعت: آپ کے والد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو لے کر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو آتے دیکھا تو مسکرادیا پھر آپ سے بیعت لی، اس وقت آپ کی عمر ۷ یا ۸ سال تھی۔ (ایضاً، ج:۴، ص:۴۶۰، ۴۶۱)

محبت رسول: حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص محبت والفت تھی۔ ابو یعلیٰ اپنی مسند میں ابن زیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا، خارج خون مجھے دیا، پھر حکم دیا کہ تم اس کو کسی ایسی جگہ ڈال دو جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ چناں چہ میں وہ خون باہر لے گیا اور باہر جا کر وہ خون کہیں چھپانے کے بجائے میں خود پی گیا اور واپس آگیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: خون کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو ایسی جگہ چھپا دیا ہے جہاں کوئی نہیں دیکھ سکتا، یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم نے اسے پی لیا۔ میں نے عرض کیا ہاں! ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ سے لوگ تمھارا دبدبہ مانیں گے اور لوگوں پر تم کو غلبہ اور برتری حصل رہے گی۔ واقعی لوگون نے حضرت عبداللہ بن زبیر میں جو قوت وطاقت دیکھی وہ سب اسی کا نتیجہ تھی۔

(تاریخ الخلفا، ص:۳۱۱، مصنف: علامہ سیوطی علیہ الرحمہ، ترجمہ: حضرت شمش بریلوی، ناشر: اسلامک پبلشر)

شجاعت: آپ بچپن ہی سے نہایت جری، بے باک اور باحوصلہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تند مزاج تھے، اس لیے لڑکے انہیں دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے اور عبداللہ بن زبیر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اسی گلی میں کھیل رہے تھے، سارے بچے ڈر کر بھاگ گئے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر وہیں پر کھڑے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: بیٹا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگے؟ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بڑی بے خوفی کے ساتھ جواب دیا، امیر المومنین! میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ آپ سے ڈروں اور نہ راستہ ہی تنگ ہے کہ میں آپ کے لیے ہٹ جاؤں۔ (مختصر تاریخ دمشق، ج:۱۲، ص:۱۷۴)

آپ کی بہادری کا تذکرہ کرتے ہوئے عمر بن دینار کہتے ہیں کہ ابن زبیر سے بہتر کسی کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا آپ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور منجنیق سے پتھر آپ کے کپڑوں کے پاس گرتے لیکن آپ ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔

(تاریخ الخلفا، ص:۳۱۱)

حضرت ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا عبداللہ بن زبیر بچپن میں ہر وقت سیف سیف ہی زبان سے ادا کرتے رہتے تھے۔ جب آپ کے والد نے ان کا یہ تکیہ کلام سنا تو اپنی قیافہ شناسی سے فرمایا کہ تم کو مدتوں تک اس کا سابقہ پڑے گا۔ (ایضاً، ص:۳۱۲)

خلافت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے یزید کی بیعت لینی چاہی تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا تو یزید ولی عہد ہوا۔ ۶۳/ھ میں یزید کو خبر ملی کہ اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی، تو اس نے

ایک بھاری لشکر بھیجا جس نے مدینہ میں لوٹ مار کی پھر یہی لشکر مکہ معظمہ حضرت عبداللہ بن زبیر پر لشکرکشی کے لیے بھیجا گیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے جہاں تک ہوسکا لشکر سے مقابلہ کیا، چوں کہ آپ محصور تھے اس لیے منجنیق سے پتھر برسائے گئے۔ان کے شراروں سے کعبہ شریف کا پردہ، چھت اور دنبہ کی سینگ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں جنت سے بھیجا گیا تھا۔ جل گئے۔اسی دوران یزید کی موت ہوگئی اس کے بعد یزیدی لشکر اس کی موت کی خبر سن کر واپس چلا گیا، اس کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعت لی۔ اہل حجاز، اہل یمن، اہل عراق اور اہل خراسان نے آپ سے بیعت کی۔لیکن اہل شام نے نہیں کی۔ معاویہ ابن یزید کے مرنے کے بعد انھوں نے بھی آپ کی اطاعت کا اعلان کردیا۔(ایضًا، ص:۲۹، ملخصًا)

عبادت: عبادت الٰہی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ نماز اس سکون قلب اور اس استغراق سے پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں ستون معلوم ہوتے تھے۔نمازوں میں قراءت طویل کیا کرتے تھے۔آپ کی عبادت وریاضت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے راتوں کو تقسیم کردیا تھا کہ ایک رات صبح تک قیام کی حالت میں دوسری رکوع کی حالت میں اور تیسری سجدے کی حالت میں گزار دیتے تھے۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۴۶۳)

ان کی نماز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کی تصویر ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے: اگر رسول اللہ کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیر کی نماز کی اقتدا کرو۔(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۱، ص:۲۸۹، دارالفکر)

مجاہد کا بیان ہے کہ ابن زبیر کو عبادت کا بہت شوق تھا۔اگر آپ کے بجائے کوئی، دوسرا شخص ہوتا تو ناگہانی حادثات سے عاجز آجاتا ایک مرتبہ بیت اللہ میں پانی بھر گیا۔آپ کو ارکان حج ادا کرنے تھے آپ نے تیر کر طواف کعبہ کیا۔

(تاریخ الخلفا، ص:۱۱۱)

ام جعفر بنت نعمان بیان کرتی ہیں کہ میں اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملی، علیک سلیک کے بعد جب میں نے عبداللہ بن زبیر کے بارے میں پوچھا تو آپ فرمانے لگیں: عبداللہ رات کو کثرت سے قیام کرتا ہے اور دن کو کثرت سے روزہ رکھتا ہے، اس کا دل مسجد کی طرف لگا رہتا ہے۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۴۶۳، ۴۶۲،)

ابن ابی ملکیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تجھ میں ابن زبیر کی محبت رچی ہوئی ہے، میں نے کہا کہ اگر آپ انھیں دیکھ لیتے تو آپ کو ان جیسا اللہ تعالیٰ سے سرگوشیاں کرنے والا، نماز پڑھنے والا اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔(ایضًا، ص:۴۶۴)

فصاحت و بلاغت: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شجاعت و بہادری اور عبادت وریاضت کے علاوہ علم وادب کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔علم بیان کے ماہر، محاسن کلام ان کے سامنے یوں رقص کناں رہتے جس طرح ہوائیں بادلوں کو رواں دواں رکھتی ہیں، عثمان بن طلحہ بیان فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر فصاحت وبلاغت میں بے مثال تھے۔

آپ اتنے بلند آواز تھے کہ جب آپ خطبہ دیتے تو آپ کی آواز پہاڑوں سے ٹکراتی تھی۔(تاریخ الخلفا، ص:۱۱۱)

آپ کو شعر گوئی پر بھی عبور حاصل تھا۔علی بن جعفر ازدی کا بیان ہے کہ ایک دن ابن زبیر اور مروان بن حکم، ام المؤمنین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمرے میں اکٹھا ہوئے اور حضرت عائشہ پردے کی آڑ میں تھیں۔ مروان نے یہ شعر کہا:

فمن یشآء الرحمان یخفض بقدرہ ولیس لمن لم یرفع اللہ رافع

رحمٰن جس کی چاہتا ہے قدر قیمت گھٹا دیتا ہے اور جس کو اللہ بلند نہ کرے اسے بلندی نصیب نہیں ہوسکتی

عبداللہ بن زبیر ان کے برجستہ یہ شعر کہا:

ففوض الی اللہ امور اذا اعترت وباللہ لا قربین ادافع

جب معاملہ در پیش ہوں تو انھیں اللہ کے سپرد کر دیں، میں اللہ کی رضا کے لیے نہ کہ قریبی رشتہ داروں کی رضا کے لیے دفع کرتا ہوں

اسی طرح مروان شعر کہتا اور آپ بھی اس کے جواب میں شعر کہتے۔ آخر میں ابن زبیر خاموش ہوگئے، تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا بات ہے خاموش کیوں ہوگئے، بڑا دلچسپ مقابلہ ہو رہا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں زبان سے ہلکی بات نہ نکل جائے اس لئے میں خاموش ہوگیا۔

(بدائع البدایۃ، باب الثالث، ص:۱۳۰، ابن ظافر الزوری، مصر، طبع:۱۸۶۱ھ)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عربی کے علاوہ متعدّد زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ عمر بن قیس کا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے کئی ایک غلام تھے جن کی زبانیں مختلف تھیں آپ ہر ایک سے اس کی زبان میں کلام فرماتے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۴۶۳)

اسلامی جنگوں میں شرکت: عبداللہ بن زبیر کو شجاعت و بہادری ورثہ میں ملی تھی۔ آپ بچپن ہی سے بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں سب سے پہلے جنگ یرموک میں اپنے والد کے ساتھ شریک ہوئے، یہ آپ کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ میدان جہاد میں یہ آپ کا سب سے پہلا قدم تھا۔ اس شرکت نے آپ کی فطری صلاحیت کو اجاگر کر دیا اور آپ کو اتنا دقیقہ رس بنا دیا کہ اپنی جنگی تدبیروں سے کئی فتوحات حاصل کیں۔ (ایضاً، ج:۴، ص:۴۶۱)

جریر کا قتل: عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا کہ جنگ طرابلس میں جریر ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل فوج لے کر ہماری طرف بڑھا اور اس نے ہمارے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ لشکر اسلام صرف بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ سپہ سالار حضرت عبداللہ بن صرح تھے۔ لوگ صورت حال دیکھ کر پریشان ہو کر سپہ سالار کے پاس آئے۔ میں نے میدان جنگ میں نظر دوڑائی تو دیکھا کہ دو خوب صورت نوجوان لڑکیاں جریر کے پیچھے کھڑی مور کے پنکھ سے اس کے سر پر سایہ کی ہوئی ہیں اس کے اور لشکر کے درمیان فاصلہ ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہی میں لشکر کے پاس آیا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ آپ نے مجھے اجازت دی تو میں نے لشکر سے صرف تین سوار منتخب کیے انھیں ایک صف میں کھڑا ہونے کا حکم دیا اور ہدایت دے دی کہ تم میرے پچھلے جانب مضبوط حصار بنائے رکھنا۔ پھر میں نے برق رفتاری سے دشمن کے صف کو چیرتے ہوئے جریر کی طرف پیش قدمی کی۔ چشم زدن میں میں اس کے سر پر پہنچ گیا دشمن نے یہ سمجھا کہ شاید یہ قاصد ہمارے

سردار کی طرف جارہا ہے وہ صورت حال کو سمجھ نہ سکے۔ جب جریر نے مجھے اپنے قریب دیکھا تو خطرہ محسوس کرتے ہوئے بھاگا۔ لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر وہیں ڈھیر کر دیا۔ پھر اس کی گردن کاٹی اور اس کا سر اپنے نیزے میں پرو کر اوپر اٹھا کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دشمن اسلام کو شکست فاش سے دو چار کیا۔

(سیر اعلام النبلا، ص:۴۶۵، ج:۴)

حضرت عبداللہ بن زبیر نے دانائی اور حکمت عملی سے اتنے بڑے لشکر کو ہزیمت سے ہم کنار کر کے فتح و کامرانی حاصل کی۔ طرابلس کی فتح در حقیقت آپ کی شجاعت و بہادری کا نتیجہ تھی۔

اس کے علاوہ آپ نے مرکش کو فتح کیا اور قسطنطنیہ کے جنگ میں بھی حصہ لیا۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۴۶۰)

جنگ جمل میں آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رہے اور ان کی حفاظت میں چالیس سے زائد زخم کھائے۔

(سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۴۶۵)

عبداللہ ابن زبیر کی شہادت: مختار کے قتل کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ کا اصل حریف عبدالملک کا مقابلہ میں آنا یقینی تھا۔ عراق پر مصعب بن زبیر کا قبضہ عبدالملک کے لیے مضر تھا اس لیے اس نے عراق پر فوج کشی کی۔ مصعب بن زبیر نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن جنگ کے دوران ایک شامی نے آپ کو شہید کر دیا۔ مصعب کے قتل اور عراق پر عبدالملک کے قبضہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ کی مالی حالت اور فوجی قوت کمزور ہوگئی، چناں چہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ عبداللہ بن زبیر کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ وہ حرم کعبہ میں محصور تھے، حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ کئی مہینے تک محاصرہ قائم رہا اور بڑی شدت کی سنگ باری ہوتی رہی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔

عبداللہ بن زبیر بڑی شجاعت واستقلال کے ساتھ مدافعت کرتے رہے۔ کچھ دنوں بعد سامان رسد بالکل ختم ہوگیا اس حالت سے گھبرا کر آپ کے دس ہزار آدمی حجاج کی پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ آپ کے استقلال میں ذرہ برابر کمی نہ آئی لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اپنی والدہ حضرت اسماء کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے الگ ہوگئے۔ صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے تو ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں؟ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادر صاحبزادی نے فرمایا:

بیٹا! ''تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لیے لڑو کہ تمھارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے اور اگر دنیا طلبی کے لیے لڑتے تھے تو تم سے برا اللہ تعالیٰ کا بندہ اور کون ہوگا کہ خود کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنے کو ہلاک کیا۔ اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہوگئے ہو، تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے، تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے؟ جاؤ، حق پر جان دے دینا، دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے''۔ (مختصر تاریخ دمشق، ج:۱۲، ص:۱۷۶)

اس کے بعد آپ کی والدہ نے کہا: "اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر سے کام لوں گی اور کامیاب ہوئے تو تمھاری کامیابی پر خوش ہوں گی۔"

پھر اپنے والدہ سے دعائیں لے کر رخصت ہوئے اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر کار آپ کو گرفتار کر کے ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۷۳ھ بروز سہ شنبہ آپ کو پھانسی دے دی گئی۔ بعض کے نزدیک آپ کی شہادت ۷۳ھ کے آخری مہینہ (ذی الحجہ) میں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو حجاج نے سولی پر لٹکوادی۔ کئی دن کے بعد حضرت اسماء کا گزر ادھر ہوا تو آپ نے فرمایا: "ابھی یہ شہ سوار سواری سے نہیں اترا"؟

اس کے بعد آپ کی والدہ نے لاش کو اتروا کر غسل دیا پھر جسد اقدس سپرد خاک ہوا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۲۴۴، عزالدین ابن اثیر، طبع ثانی:۲۰۰۳ء۔ تاریخ الخلفا، ص:۳۱۰)

شہادت کے وقت آپ کی عمر ۷۲ر سال تھی۔ مدت خلافت ۷ر سال، آپ نے چند سال تقریباً کل دنیاے اسلام اور ۷ر برس تک حجاز و عراق کے خلیفہ رہے۔

علمی کمالات: فقہ، قرآن و سنت کا نچوڑ ہے جو فقہاے کرام کی بے پناہ کوششوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے۔ مجتہد اپنی خداداد صلاحیتوں سے قرآن و سنت میں غور و فکر کر کے مسائل کا استنباط کرتا ہے اور لوگوں کی اس کے ذریعہ رہ نمائی کرتا ہے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجتہاد میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ آپ ان چار عبادلہ میں سے ایک ہیں جو مدینہ منورہ میں بلند پایہ کے فقیہ مانے جاتے تھے۔ آپ کو حج کے مسائل پر عبور حاصل تھا، آپ سے زیادہ مناسک حج کے بارے میں جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: اے حاجیو! مجھ سے پوچھو، کیوں کہ ہم میں قرآن نازل ہوا، ہم اس کی تفسیر کو بخوبی جانتے ہیں۔

تو عراق کے ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا موزہ پھٹا ہوا تھا اور اس میں چوہا داخل ہو گیا تو میں نے اسے مار ڈالا حالاں کہ میں احرام کی حالت میں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ چوہوں کو مارو۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ ہمیں "والشفع والوتر" "والليالي العشر" کے بارے میں بتائیے۔

تو آپ نے فرمایا کہ العشر سے مراد الثمانی والعرفۃ والنحر ہے اور والشفع سے مراد، من تعجل فی یومین فلا إثم علیه و من تأخر فلا إثم علیه ہے اور والوتر سے مراد، وہ آج کا دن ہے (یعنی عرفہ)۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج:۱۲، ص:۱۷۶، امام محمد بن مکرم المعروف ابن منظور، دار الفکر، بیروت، طبع اولیٰ:۱۹۸۷ء)

رضاعت کے بارے میں آپ کا موقف تھا کہ ایک یا دو گھونٹ سے حرمت قائم نہیں ہوتی۔

(شرح وقایہ مع حاشیہ عمدۃ الرعایۃ، ج:۲، ص:۵۸ کے حاشیہ میں، برہان شریعت علامہ محمد ابن صدر الشریعہ احمد المحبوبی، رضا اکیڈمی، سلسلۂ اشاعت نمبر:۳۷۹)

آپ علم تفسیر میں بھی درک رکھتے تھے اورآپ نے بعض آیتوں کی تفسیر بھی کی ہے۔اس سے آپ کی علمی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔

چناں چہ لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین....إلیٰ اخرہ.(سورہ:ممتحنہ،آیت:۸) اس آیت کی آپ نے یوں تفسیر فرمائی ہے کہ یہ آیت کریمہ اسماء بنت ابوبکر صدیق کی والدہ قتیلہ کے بارے میں نازل ہوئی۔وہ اپنی بیٹی اسماء سے ملنے آئیں جب کہ وہ مشرک تھیں اور بیٹی مسلمان،وہ اسماء کے لیے تحائف لے کر آئیں،اسمانے تحائف نہ قبول کیانہ اپنے والدہ کو گھر میں داخل ہونے دیا،نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسماء کو حکم دیا کہ ان کو گھر میں داخل ہونے دو،ان کے تحائف کو قبول کرواور ان کی عزت کرو،تم ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤاور صلہ رحمی کا رویہ اختیار کرو۔

(تفسیرابن کبیر،ج:۲۹،ص:۵۲۱،دارالحیاء التراث العربی،بیروت،طبع ثانی:۱۴۲۰ھ)

اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت ”ان ناشئۃ اللیل .(سورہ:مزمل،آیت:۶)کی دو تفسیر فرمائی۔

(۱)عشا کے بعد ساری رات ”ناشئۃ اللیل “ہے اور عشا سے پہلا کا حصہ ”نا شئۃ“ نہیں۔

(۲)پوری رات ”ناشئۃ اللیل “ہے۔

(المحررالوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز،ج:۵،ص:۳۸۸،ابومحمد عبدالحق بن غالب،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،طبع اول:۱۴۲۲ھ)

بخاری شریف،کتاب التفسیر میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”خذ العفو وامر بالمعروف “(سورہ:اعراف، آیت:۱۹۹)کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اخلاق کے بارے میں نازل کیا۔

(بخاری شریف،کتاب التفسیر،سورہ اعراف،ج:۲،ص:۶۶۹،ناشر:مجلس برکات،جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ایک عظیم کارنامہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند سال تقریباً کل دنیاے اسلام اور سات برس تک حجاج اور عراق کے خلیفہ رہے لیکن اس مدت میں ایک دن بھی سکون واطمینان میسر نہیں ہوا۔ساری مدت جنگ وجدال میں بسر ہوئی،اس لیے زیادہ کارنامے انجام پذیر نہ ہوئے،پھر بھی آپ نے پر آشوب ماحول میں بعض مفید کام انجام دیے،ان میں خانہ کعبہ کی از سرنو تعمیر آپ کا قابل ذکر کارنامہ ہے۔

قریش کے ذریعہ خانہ کعبہ کی تعمیر کو ابھی ایک صدی بھی نہ ہوئی تھی کہ لشکر یزید کے ذریعہ کعبہ شریف کو بہت نقصان پہنچا۔بعد میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق حطیم کو خانہ کعبہ میں داخل فرماکر بنیاد ابراہیمی پر از سرنو تعمیر کیا۔تعمیر کے بعد اس پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ (تاریخ الخلفا،ص:۳۱۰)

من المجتہدین

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۲۲ھ

محمد مرشد رضا تیغی، گریڈیہ، جماعت: سادسہ ۷۳۸۰۸۳۲۷۳۴

اسم گرامی: خالد، **کنیت:** ابوسلیمان، **لقب:** سیف اللہ۔

(معرفۃ الصحابۃ، ص:۱۸۲، ابونعیم اصبہانی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، پہلا ایڈیشن ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

سلسلۂ نسب: خالد بن ولید، بن مغیرہ، بن عمرو، بن مخزوم مخزومی، ماں کا نام لبابہ تھا، یہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قریبی اور عزیزتھیں۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۱۴۰، عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد جزری، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

خاندانی حالات: حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانۂ جاہلیت ہی سے معزز تھا، قبہ اور اعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندن میں تھا اور ظہور اسلام کے وقت خالد رضی اللہ عنہ اس عہدہ پر ممتاز تھے، چناں چہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا، اس کے سردار خالد ہی تھے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں انھیں کی ہمت افزائی سے دوبارہ جم گئے۔

(استیعاب ج:۲، ص:۱۱، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان، طبع ثانی ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

ولادت: کافی تلاش وجستجو کے بعد بھی تاریخ ولادت کا پتہ نہ چل سکا۔

اسلام: ان کے اسلام کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے، اس کی رو سے ان کے قبول اسلام کا زمانہ ۶ھ اور ۷ھ کے درمیان ہے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آئے اور اس کے لیے مدینہ کا رخ کیا تو راستے میں قریش کا ایک اور خوش قسمت بہادر اسی غرض سے مدینہ کا رخ کیے ہوئے نظر آیا، یہ خالد بن ولید تھے، وہ بھی اسلام ہی لانے کی حیثیت سے مدینہ جا رہے تھے، عمرو بن العاص نے ان کو راستے میں دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ بولے خدا کی قسم خوب جانچا پڑتالا، یہ شخص (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہے، چلو اسلام کا شرف حاصل کریں، آخر کب تک کفر وشرک کی وادیوں میں بھٹکتے رہوگے؟ چناں چہ یہ دونوں ساتھ ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، پہلے خالد بن ولید پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مشرف باسلام ہوئے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۱۴۱، عزالدین ابن الاثیر جزری، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

غزوات و سرایا میں شرکت: آپ نے مختلف غزوات و سرایا میں شرکت کی جن میں سے چند کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ درج ذیل ہے۔

غزوۂ موتہ: آپ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے سلسلے میں حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ ایک خط شاہ بصری کے پاس بھیجا تھا، یہ بزرگ صحابی خط لے کر مقام موتہ تک پہنچے تھے کہ شرحبیل ابن عمرو غسانی نے شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ اور عام مسلمانوں پر اس کا سخت اثر ہوا، چناں چہ آپ نے اس کے انتقام کے لیے ۲؍ ہزار کا لشکر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر ان کی جگہ لیں، اگر یہ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ پرچم اسلام لیں، چناں چہ اس ترتیب سے تینوں بزرگوں نے میدان جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا، آخر میں خالد رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا، مگر مسلسل تین افسروں کی شہادت سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ چکے تھے اس لیے وہ دوبارہ شکست تو نہ دے سکے، مگر خالد اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ فوج کو بچا لائے، اسی جنگ میں خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ۹؍ تلواریں ٹوٹی تھیں جس کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''سیف اللہ'' کا معزز لقب عطا فرمایا تھا۔

(الطبقات الکبری، ج:۴، ص:۱۹۱، محمد سعد ہاشمی بصری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء)

فتح مکہ: فتح مکہ میں آپ ''میمنہ'' کے افسر تھے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، روسائے قریش بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیے، صرف چند مشرک خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ ''کدا'' کی جانب سے لے کر آئیں، چناں چہ یہ آ رہے تھے، کہ راستے میں مشرکوں کا ایک جتھا مزاحم ہوا اور تیر باری شروع کر دی، خالد نے بھی جوابی حملہ کیا، اس میں چند مشرک مارے گئے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے باز پرس کی، انھوں نے کہا کہ ابتدا ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی، آپ نے فرمایا خیر مرضی الٰہی بہتر ہے۔ (حوالۂ سابق مفہوماً)

غزوہ حنین: فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف و ہوازن، اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے، قبیلوں کے لحاظ سے فوج کے مختلف حصے تھے، بنو سلیم کا قبیلہ مقدمۃ الجیش تھا، اس کی کمان خالد کے ہاتھ تھی، چناں چہ اس جنگ میں وہ نہایت ہی شجاعت و شہامت سے لڑے اور بہت سے وار جسم پر کھائے، آنحضرت ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے، زخموں پر دم کیا جس سے خالد رضی اللہ عنہ جلد شفایاب ہو گئے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۱۴۲، عز الدین ابن الاثیر جزری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

طائف: حنین کے مشرکوں کی شکست خوردہ فوج بڑھ کر طائف کے قلعہ میں بند ہو گئی اور جیسے ہی مسلمان ادھر سے گذرے انھوں نے قلعہ کے اندر سے تیر برسانا شروع کر دیا، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، مسلمانوں نے بھی مدافعانہ حملہ کیا، اس فوج کا مقدمۃ الجیش بھی خالد کی ماتحتی میں تھا۔ (حوالۂ سابق، ص:۱۴۱، ۱۴۲ مفہوماً)

تبوک: ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے، اور اس کا

مقدمۃ الجیش ”بلقا“ تک پہنچ چکا ہے، چناں چہ آپ ۳۰/ہزار فوج لے کر مقابلے کو نکلے، لیکن خبر غلط نکلی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم احتیاطاً ۲۰/دن مقام تبوک میں آپ نے قیام فرمایا، اس نواح کے عربی النسل عیسائی روسا قیصر روم کے ماتحت تھے، ان ہی کے ذریعے سے رومی ریشہ دوانیاں کیا کرتے تھے، اس لیے ان کو مطیع کرنا ضروری تھا، چناں چہ ”ایلہ“ اور ”ازرح“ کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی، صرف دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبد الملک باقی رہ گیا، آنحضرت ﷺ نے خالد کو چار سو آمیوں کے ساتھ اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا، اس کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا، مگر مارا گیا اور اس کے بقیہ ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزیں ہوگئے، خالد نے اکیدر کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا یہاں آکر اس نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی، اور آپ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔ (حوالۂ سابق، ص:۱۴۳ مفہوماً)

مجتہدانہ شان: اسی سال دعوت اسلام کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو تین سو مہاجرین و انصار کے ساتھ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انھوں نے آپ کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے قبول کر لی، مگر ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے ”اسلمنا“ (ہم اسلام لائے) کے ”صبانا“ (ہم بے دین ہو گئے) کہا، مشرکین سے وہ مسلمانوں کو ”صابی“ (بے دین) کہتے ہوئے سنتے تھے، اس لیے انھوں نے بھی ان ہی الفاظ میں اسلام کا اظہار کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ اسلام قبول کرنے کے بجائے ٹال مٹول سے کام لینا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس کو نہ سمجھ سکے اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا، بہت سے مہاجرین و انصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، پھر بھی بہتیرے لوگ مارے گئے، آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو بہت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر اس سے برات کا اظہار فرمایا کہ خدایا! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں، پھر حضرت علی کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا، انھوں نے سب کو جان و مال کا پورا معاوضہ دیا اور کتوں تک کا خوں بہا ادا کیا اور اس کے بعد جتنا مال بچا سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب سریۂ بنو جذیمہ، ج:۲، ص:۶۲۴، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، طبع اول ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷ء)

اس واقعے میں در اصل حضرت خالد بن ولید نے اپنی اجتہادی صلاحیت کو بروے کار لاتے ہوئے فیصلہ دیا تھا، مگر چوک ہوگئی۔ کہ مجتہد مصیب و مخطی دونوں ہوتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید کے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت سید محمد علوی مالکی رقم طراز ہیں: حضرت خالد بن ولید نے ان لوگوں کو قتل کر دیا جنھوں نے کہا تھا ہم نے مذہب بدل دیا تو حضور علیہ السلام نے کہا: ”یا اللہ! میں خالد کے عمل سے تیری بارگاہ میں برأت پیش کرتا ہوں اور ان مقتولین کی دیت مسلمانوں کے مال سے ادا کی حضرت خالد کے مال سے نہیں، کیوں کہ وہ اجتہاد کی وجہ سے معذور تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو حضور ﷺ نے معزول نہ کیا بلکہ آپ کی ولایت باقی رکھی۔

اور یہ سب آپ کے مجتہد ہونے کی دلیل ہیں۔ (شریعۃ اللہ الخالدہ، سید محمد علوی مالکی مکی)

سریہ نجران: اس سلسلہ کا ایک اور سریہ ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بنو عبد المدان نجرانی کی طرف بھیجا گیا، چوں کہ ایک مرتبہ خالد کی جلد بازی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور

سے ہدایت فرمادی کہ محض اسلام کی دعوت دینا، تلوار نہ اٹھانا، حضرت خالد نے اس کی پوری پابندی کی اور میدان جنگ کے سپاہی دفعۃً مبلغ اسلام کے قالب میں آگئے اور ان کی کوشش سے بنو عبد المدان نے اسلام قبول کرلیا اور سیف اللہ نے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ اسلامی مسائل سے واقف ہوئے تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، آپ نے سب کو طلب فرمایا، چناں چہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدارِ جمال نبوی سے فیضیاب ہوکر واپس ہوگئے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۲، یوسف بن عبداللہ القرطبی، دارالکتب العلمیہ بیروت، دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

مدعیان نبوت کا استیصال: عہد صدیقی میں جب مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اور اس کے استیصال کے لیے فوجیں روانہ کی گئیں تو خالد رضی اللہ عنہ طلیحہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے، انھوں نے اس کا بہت کامیاب مقابلہ کیا اور اس کے اعوان وانصار کو قتل اور اس کے قوت وبازو عیینہ بن ہبین کو ۳۰؍آدمیوں کے ساتھ گرفتار کرکے پابجولاں دربار خلافت میں حاضر کیا۔

یمامہ میں شرجیل بن حسنہ مشہور کذاب مسیلمہ سے برسرپیکار تھے، خالد رضی اللہ عنہ طلحہ سے فارغ ہوکر ان کی مدد کو بڑھے،، راستہ میں مجاعہ ملا، اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا، ان کو شکست دے کر مجاعہ کو گرفتار کرکے یمامہ پہنچے اور مسیلمہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشہور قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔(ایضًا)

مرتدین کی سرکوبی: مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہوکر منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے اسد وغطفان سے نبرد آزما ہوئے، ان میں کچھ مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے، جو باقی بچے وہ تائب ہوگئے، ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلے میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں خالد پیش پیش تھے، طبری کے الفاظ یہ ہیں۔إن الفتوح فی أهل الردة كلها كانت لخالد بن وليد وغيره، (یعنی اہل ارتداد کے مقابلے میں جتنی فتح ہوئیں وہ سب خالد بن ولید اور دیگر حضرات کا نتیجہ ہیں)۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۱۴۳، عزالدین ابن الاثیر جزری، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

بہادری: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ موتہ کے دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں اور میرے ہاتھ میں صرف ایک تلوار رہ گئی تھی جو یمن کی بنی ہوئی اور چوڑی تھی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۴، ابو عمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت اوس بن حارثہ بن لام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہرمز سے زیادہ (مسلمان) عربوں کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ جب ہم مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں (کو ختم کرکے) فارغ ہوئے تو ہم بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو مقام کاظمہ پر ہمیں ہرمز ملا جو بہت بڑا لشکر لے کر آیا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے میدان میں نکلے اور اسے اپنے مقابلہ کی دعوت دی، چناں چہ وہ مقابلہ کے لیے میدان میں آگیا۔ حضرت خالد نے اسے قتل کردیا۔ یہ خوش خبری حضرت خالد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھی۔ جواب میں حضرت ابوبکر نے لکھا کہ ہرمز کا تمام سامان ہتھیار کپڑے گھوڑا وغیرہ حضرت خالد کو دے دیا جائے۔ چناں چہ ہرمز کے ایک تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی، کیوں کہ اہل فارس جسے اپنا سردار بناتے اسے لاکھ درہم کا تاج پہناتے تھے۔

(حوالۂ سابق، ص:؟)

حضرت ابوالزناد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت خالد کے انتقال کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ اتنی اتنی (یعنی بہت زیادہ) جنگوں میں شریک ہوا ہوں اور میرے جسم میں بالشت بھر جگہ ایسی نہیں ہوگی جس میں تلوار یا نیزے یا تیر کا زخم نہ ہو، دیکھو اب میں اپنے بستر پر ایسے مر رہا ہوں جیسے کہ اونٹ مرا کرتا ہے۔ یعنی مجھے شہادت کی موت نصیب نہ ہوئی اللہ کرے بزدلوں کی آنکھوں میں کبھی نیند نہ آئے۔ (ایضًا)

معزولی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو معزول کر دیا، معزولی کی تاریخ میں مورخین کا اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ حضرت عمر نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی معزول کیا تھا، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، صحیح روایت یہ ہے کہ ۱۷ھ میں یعنی خلافت فاروقی کے ۵/ سال بعد معزول ہوئے، ابن اثیر کی بھی یہی تحقیق ہے وہ لکھتے ہیں، فی ھذہ السنة و ھی سنة سبعة عشر عزل خالد بن و لید یعنی ۱۷ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ معزول کیے گئے، ان کی معزولی کا سبب یہ ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ فوجی آدمی تھے، ان کا مزاج تند تھا، اس لیے ہر معاملہ میں خودرائی سے کام لیتے تھے اور بارگاہ خلافت سے استصواب ضروری نہیں سمجھتے تھے، فوجی اخراجات کا حساب وکتاب بھی نہیں بھیجتے تھے، عراق کی پیش قدمی روکنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرضی کے خلاف بغیر ان کی اجازت کے خفیہ حج کو چلے گئے، ان کا یہ طرز عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ناگوار ہوا اور آپ نے تنبیہ کی، انھوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا لیا کرو، انھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو میری موجودہ حالت پر چھوڑ دیجیے تو میں کام کر سکتا ہوں ورنہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں، اسی زمانہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے برہم رہتے تھے، اور بار بار حضرت ابوبکر کو ان کے معزول کرنے کا مشورہ دیتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ جواب دیتے کہ میں اس تلوار کو نیام نہیں کر سکتا، جس کو خدا نے بے نیام کیا ہے، حضرت عمر کے عہد خلافت میں بھی خالد نے یہ روش نہ چھوڑی، لیکن انھوں نے بھی فوراً معزول نہیں کیا، بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے، چناں چہ پھر ایک مرتبہ لکھا کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو ایک بکری بھی نہ دیا کرو، مگر حضرت خالد پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا اور حضرت عمر کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر کو دے چکے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالد کے قوت و بازو پر ہے، جس کو حضرت عمر پسند نہیں کرتے تھے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت خالد کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دوسرے افسروں کے لیے نمونہ نہ بن سکتے تھے، چناں چہ شعرا کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے، اشعث بن قیس کو دس ہزار انعام یک مشت دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو ابو عبیدہ بن جراح کے پاس حکم بھیجا کہ خالد سے دریافت کریں کہ انھوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے، اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے، اس لیے دونوں حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں، یہ فرمان عین میدان جنگ میں ابوعبیدہ کو ملا، انھوں نے خالد سے پوچھا، تم نے یہ روپیہ کہاں سے دیا، کہا اپنے مال سے، اس کے بعد حضرت عمر کا فرمان سنا کر معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا، خالد نے

صرف اس قدر جواب دیا کہ میں نے فرمان سنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار ہوں۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۲، ص:۲۱۹، ۲۱۸، ابن حجر عسقلانی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۴ء)

گورنری: حضرت عمر نے چند مصلحتوں کے پیش نظر خالد کو معزول کر دیا تھا لیکن معزولی کے بعد بھی ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لیے اور ان کے جوہر اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اٹھایا، چناں چہ معزولی کے بعد "رہا"، "حران"، "آمد" اور "لرتہ" کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے۔

(حوالۂ سابق، ص:۲۱۹ مفہوماً)

وفات: گورنری سے استعفی دینے کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے اور کچھ دنوں تک بیمار رہ کر ۲۲ھ میں وفات پائی، آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصًا بنی عذرہ میں کہرام مچ گیا۔ (ایضًا)

من المجتہدین

ولادت ۶۱۲ء.....وفات ۹۳ھ

معراج احمد، نیپال، جماعت: اختصاص فی الادب 9956447451

نام، نسب اور ابتدائی حالات: اسم گرامی انس، کنیت ابو حمزہ لقب خادم رسول اور راوی الاسلام تھا۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے: انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارث انصاری۔ والدہ کا نام ام سلیم بنت ملحان انصاریہ تھا۔ جن کا نسبی تعلق تین واسطوں کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آبائی سلسلہ سے مل جاتا ہے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۱، ص:۲۷۶، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۲۰۰۲ء/ تہذیب الکمال، ج:۱، ص:۵۷۱، دارالکتب العلمیۃ)

ولادت: آپ کی ولادت ہجرت نبوی سے دو سال قبل ۶۱۲ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی، اس وقت مدینہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔

بارگاہ رسالت میں حاضری: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آٹھ نو سال کے تھے تو مدینہ میں اسلام کی صدا بلند ہوئی اور بنو نجار کے بہت سے افراد نے اسلام قبول کر لیا، اسی قبیلہ سے تعلق رکھنے والی آپ کی والدہ بھی عقبۂ ثانیہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئیں، حضرت انس کے والد کو یہ بات ناگوار گزری اور وہ بیوی کے اسلام لانے سے برہم ہو کر ملک شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا ادھر ام سلیم نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ بھی اسلام قبول کر لیں، چناں چہ انھوں نے عقبۂ ثانیہ کے موقع پر مکہ جاکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی، ایک دن حضرت ابو طلحہ حضرت انس کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ انس کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیں، چناں چہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور حضرت انس خادمان خاص کے زمرے میں داخل ہو گئے۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۲۲۲، مکتبہ دارالحدیث قاہرہ)

خدمت رسول: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کو بارگاہ نبوت کی خدمت پر مامور کر دیا تو آپ نے بلا ناغہ قبل فجر بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے اور بعد عصر گھر واپس چلے جانے کا معمول بنا لیا، چناں چہ محلہ میں ایک مسجد تھی وہاں لوگ آپ کا انتظار کرتے جب آپ وہاں پہنچتے تو وہاں نماز ہوتی تھی، اس کے علاوہ آپ دوسرے اوقات میں بھی بارگاہ رسول میں حاضر

رہتے ،اس طرح آپ خلوت و جلوت اور سفر و حضر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں رہتے تھے۔آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری وفات تک اپنے فرائض کو نہایت ہی حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے ،آپ نے کم وبیش دس سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی اور ہمیشہ اس سعادت وشرف پر آپ کو ناز رہا۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، ج:۳،ص:۲۳۲،مکتبہ دارالحدیث قاہرہ)

گھرانۂ رسول سے تعلق: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پردہ کے حکم سے پہلے ازواج مطہرات کے حجروں میں آیا جایا کرتے تھے اور خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی آپ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے،اور اس خدمت وتقرب کی وجہ سے حضرت انس خاندان نبوت کا ایک فرد بن گئے تھے،چناں چہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت انس کو کبھی بیٹا اور کبھی اُنیس کہ کر خطاب فرماتے تھے۔(ایضًا)

غزوات میں شرکت: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر،احد،خندق،حدیبیہ،عمرۃ القضا،خیبر،فتح مکہ،حنین،حجۃ الوداع جیسے تمام معرکوں اور اہم مواقع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔سرکار کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو بحرین کا عامل بنایا،حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں آپ کو فقہ پڑھانے کے لیے ایک جماعت کے ساتھ بصرہ بھیجا اور وہیں آپ نے مستقل اقامت اختیار کرکے زندگی کے بقیہ ایام بھی گزار دیے۔

(تاریخ دمشق،ج:۹،ص:۳۶۱،دارالفکر بیروت ۱۹۹۵ء)

اساتذہ: آپ نے دس سال تک سفر وحضر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر خوب اکتساب فیض کیا لیکن آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وفات رسول کے بعد اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے اکابر صحابہ کی خدمت میں حاضری دی ان میں سے چند کے اسما یہ ہیں:

(۱)حضرت ابوبکر (۲)حضرت عثمان (۳)حضرت علی (۴)سیدہ فاطمہ زہرہ (۵)حضرت عبداللہ بن عوف (۶)حضرت ابن مسعود (۷)حضرت ابوذر غفاری (۸)حضرت ابوطلحہ (۹)حضرت معاذ بن جبل (۱۰)حضرت عبداللہ بن رواحہ (۱۱) حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم۔(تہذیب التہذیب،ج:۱،ص:۳۹۰،دارالفکر بیروت،الطبعۃ الاولی:۱۹۹۵ء)

تلامذہ: حضرت انس کا حلقہ درس چوں کہ کافی وسیع تھا اس لیے تلامذہ کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے تاہم اہم تلامذہ کے نام درج کیے جاتے ہیں:

(۱)حسن بصری (۲)سلمان تیمی (۳)ابوقلابہ (۴)ابومجاز (۵)عبدالعزیز بن صہیب (۶)اسحاق بن ابی طلحہ (۷)ابوبکر بن عبداللہ مزنی (۸)قتادہ (۹)ثابت بنانی (۱۰)حمید طویل (۱۱)ثمامہ بن عبداللہ (۱۲)حبد (۱۳)ابوعثمان (۱۴)محمد بن سیرین (۱۵)انس بن سیرین (۱۶)ابوامامہ (۱۷)ابن سہل (۱۸)ابراہیم بن میسر (۱۹)یزید بن ابی مریم (۲۰)بیان بن بشر (۲۱) یحییٰ بن سعید انصاری (۲۲)سعد بن جبیر (۲۳)سلمہ وردان (۲۴)ابونضر (۲۵)ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور (۲۶)امام زہری رضی اللہ عنہم۔(ایضًا)

وفات: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوتین سال کی عمر میں بمقام بصرہ ۹۳ھ میں مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے چناں چہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: انصاری نے کہاکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ان کی عمر ایک سوسات سال تھی، وہب بن جریر نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۹۵ھ میں ہوئی اور ہمام نے قتادہ سے روایت کی کہ آپ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی، اور ابن علیہ، ابونعیم، خلیفہ وغیرہم نے کہاکہ آپ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی، لیکن امام بخاری نے تاریخ کبیر میں کہاکہ انصاری کا یہ کہناکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ایک سوسات سال تھی، قابل قبول نہیں، کیوں کہ اکثر لوگوں کا یہی قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال تھی۔ اور اسی کے زیادہ مناسب اور قریب یہ قول ہے کہ ان کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عمر ایک سوتین سال تھی، اور خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں اسی کی صراحت کرتے ہوئے کہاکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی اور اس وقت وہ ایک سوتین سال کے تھے۔(ایضاً:۳۹۲)

نیز مسند امام احمد بن حنبل ج:۱۹، ص:۸ پر ہے: راجح یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی، اس لحاظ سے ان کی عمر وفات کے وقت ایک سوتین سال ہوئی۔

آل واولاد: اللہ تعالیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مال واولاد سے خوب نوازا تھا، ان کی وفات کے وقت بیٹوں اور پوتوں کی تعداد ایک سو سے زائد تھی، خدا نے انھیں ان سے کہیں زائد بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائی تھی۔ ان کے مشہور بیٹوں کے نام یہ ہیں:

(۱)عبداللہ بن انس (۲)عبیداللہ بن انس (۳)زید بن انس (۴) یحیٰ بن انس (۵)خالد بن انس (۶)موسیٰ بن انس (۷)ابوبکر بن انس (۸)براء بن انس (۹)علاء بن انس (۱۰)عمر بن انس۔

اور مشہور بیٹیوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱)حفصہ بنت انس (۲)ام عمرو بنت انس (۳)رملہ بنت انس (۴)امیمہ بنت انس (۵)ام حرام بنت انس۔

خدمت حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم تقریباً ساٹھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھے اور آپ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، جب آپ تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں ایک ایک حدیث کا مذاکرہ اور مراجعہ کرتے تھے، اور اس حال میں اٹھتے تھے کہ گویا وہ حدیثیں ہمارے دلوں میں کاشت کردی گئیں ہیں۔

(الفقیہ والمتفقہ، ج:۲،ص:۱۱۷)

حدیث نبوی کے ساتھ والہانہ شغف نے آپ کو کثیر الروایہ راویان حدیث کی صف میں شامل کردیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کل مرویات ایک ہزار دوسو چھیاسی ہیں، بخاری ومسلم نے ۲۶۸ر میں اتفاق کیا ہے اور بخاری ۸۳ر میں اور مسلم ۷۱ر میں منفرد ہیں۔(خلاصۃ تہذیب الکمال، ج:۱،ص:۱۱۷، دارالفکر، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ:۲۰۰۱ء)

اجتہادی شان اوران کے نمونے: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محض احادیث کی نقل وروایت تک اپنی علمی جدوجہد کو محدود نہ رکھابلکہ خداداد علمی صلاحیت کے ذریعہ احادیث سے فقہی مسائل کا استخراج واستنباط بھی کیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو فقہ کی اشاعت وتعلیم کے لیے بصرہ کی طرف روانہ کیا تھا، آپ کی کچھ اجتہادی شان ملاحظہ ہوں۔

احرام کا مسنون طریقہ: حضرت جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذات عرق مقام سے احرام باندھااور پھر احرام کھولنے تک ہم نے انھیں اللہ کے ذکر کے علاوہ اور کوئی بات کرتے ہوئے نہیں سنا، احرام کھول کر مجھ سے فرمایا: اے بھتیجے! احرام اس طرح ہوا کرتا ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۷، ص:۱۶، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، سن طباعت:۱۹۹۷ء)

نبیذ پینے کے لیے مخصوص برتن کا استعمال مکروہ: مختار بن فلفل نے انس بن مالک سے برتن میں نبیذ پینے کے بارے میں پوچھا، توآپ نے مزفت سے منع فرمایااور فرمایاکہ ہرمسکر چیز حرام ہے، مختار نے کہا: شیشہ یارانگے کے برتن میں پی سکتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، پھر پوچھالوگ تو مکروہ سمجھتے ہیں، فرمایا جس میں شک ہو اسے چھوڑ دو، کیوں کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے پھر پوچھا گیاکہ نشہ لانے والی چیز تو حرام ہے لیکن ایک دو گھونٹ پینے میں کیا حرج ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہرمسکر حرام ہے جس کا زیادہ حصہ موجب سکر ہو اس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے، دیکھو، انگور، خرمے، گیہوں، جووغیرہ سے شراب تیار ہوتی ہے ان میں سے جس چیز میں نشہ پیدا ہوجائے وہ شراب ہوجاتی ہے۔

(المسند لامام احمد بن حنبل، ج:۱۹، ص:۱۴۹ تا ۱۵۰، موسسۃ الرسالۃ، سن طباعت:۱۹۹۷ء)

جوتاپہن کرنماز پڑھنے کاجواز: ایک شخص نے سوال کیاکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوتاپہن کرنماز پڑھتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔ (المسند لامام احمد بن حنبل، ج:۱۹، ص:۳۸، موسسۃ الرسالۃ)

جوتاپہن کرنماز پڑھنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہو اور نجاست آلودنہ ہو، اگر کوئی شخص نیا جوتاپہن کرنماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

نماز میں قصرکب کرنا چاہیے: یحییٰ بن یزید نے دریافت کیاکہ نماز میں قصرکب کرنا چاہیے؟ فرمایاکہ جب میں کوفہ جاتا تھا، قصرکرتا تھااور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین میل یاتین فرسخ کاراستہ طے کرکے قصر کیا تھا۔

(المسند لامام احمد بن حنبل، ج:۱۹، ص:۳۲)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تین میل سفرکرنے سے قصر واجب ہوجاتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے حج کے ارادہ سے تشریف لے گئے، راستہ میں جس مقام پر سب سے پہلے قیام ہوا وہ ذوالحلیفہ تھا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پرواقع ہے اور چوں کہ حدود سفر میں داخل تھا اس لیے حضور نے قصر پڑھی تھی۔

مریض کس طرح نماز پڑھے: مختار بن فلفل نے پوچھاکہ مریض کس طرح نماز پڑھے، توحضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ فرض نماز میں بیٹھ کررکوع اور سجدہ کرے۔ (المسند لامام احمد بن حنبل، ج:۱۹، ص:۲۹۵)

عصر کی نماز کا وقت: عبد الرحمٰن بن دَرْدَان اور مدینہ کے دیگر لوگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا، نماز عصر پڑھ چکے ہو؟ کہا، جی ہاں! پھر لوگوں نے استفسار کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے ،فرمایا: جب آفتاب خوب روشن اور بلند رہتا تھا۔ (ایضًا)

نماز جنازہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی جنازہ مرد کا تھا، اس لئے میت کے سرہانے کھڑے ہوئے، اس کے بعد دوسرا جنازہ عورت کا لایا گیا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمر کے مقابل کھڑے ہوکر نماز پڑھائی، علاء بن زیاد عدوی بھی نماز میں شریک تھے، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح کھڑے ہوتے تھے؟ کہا: ہاں! علاء مجمع کی جانب مخاطب ہوئے اور کہا: ہاں ”اس کو یاد رکھنا“۔ (ایضا، ص:۲۱۹)

قنوت پڑھنے کا وقت: قنوت پڑھنے کے وقت کے بارے میں حضرت انس سے دو طرح کی روایت ہے، چناں چہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع کرنے کے بعد قنوت پڑھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی پڑھا ہے، جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ عاصم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ قنوت قبل رکوع ہے یا بعد رکوع ہے؟ آپ نے کہا کہ قبل رکوع، حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد رکوع پڑھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ ایک واقعہ تھا، چند قبائل نے مرتد ہوکر بہت سے صحابہ کو قتل کر دیا تھا اس لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھ کر ان کے خلاف دعا کی تھی۔

(مسند احمد ج:۱۹، ص:۱۶۹ تا ۱۷۲)

خضاب کا عدم جواز: عبد اللہ بن محمد بن عقیل سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ تشریف لائے، اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیز مدینہ کے والی تھے، آپ نے قاصد کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان سے پوچھو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خضاب کیا تھا، یا نہیں؟ کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ بالوں کو رنگا ہوا دیکھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال سیاہ تھے، اگر میں ان کے سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو گنتا تو وہ گیارہ سے زیادہ نہ ہوتے اور یہ سفیدی اس خوشبو کی وجہ سے تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لگایا کرتے تھے۔

(مسند احمد ج:۲۰، ص:۳۰)

ترویہ کے دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی جائے: رفیع بن عبد العزیز سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا، مجھے بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کے دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: منیٰ میں، میں نے کہا، اور نفر یعنی منیٰ سے کوچ کرنے کے دن عصر کی نماز کہاں پڑھی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: ابطح میں پھر فرمایا:- ”إفعل كما يفعل أمراءك“ یعنی جیسا تمھارے امیر کرتے ہیں تم بھی ویسا ہی کرو۔

(مسند احمد ج:۱۹، ص:۳۸)

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امراء اس دن ظہر کی نماز متعیّن مقام میں نہیں پڑھتے تھے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اشارہ فرمایا کہ جو فعل امرا کرتے ہیں وہ جائز ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع افضل ہے۔

کتابیوں کے سلام کا جواب: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہمیں کتابیوں سے سلام کے جواب میں "وعلیکم" پر اضافہ کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ (مسند احمد، ج:۱۹، ص:۱۶۸)

کھجور کے پھل کی بیع: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کھجور کے پھل کی بیع کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھجور کا پھل بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ لال ہو جائے۔ (ایضًا، ص:۱۸۶)

جانور کا نشانہ بنانا: حضرت ہشام بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جانور کو باندھ کر نشانہ بنانے اور اس کی طرف تیر مارنے سے منع فرمایا۔ (ایضًا، ص:۲۰۴)

جھاڑ پھونک کی اجازت: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نظر لگنے، بخار اور چیونٹی کاٹنے کے وقت جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔ (ایضًا ص:۳۴۵)

کھڑے ہو کر پانی پینا: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا، اور ایک روایت میں ہے کہ کھڑے ہو کر کھانے سے بھی منع فرمایا۔ (ایضًا، ص:۳۴۵)

قرأت میں رفع صوت کرنا: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت کے بارے میں پوچھا: تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأت میں اپنی آواز دراز کرتے تھے۔ (ایضًا، ص:۳۴۸)

طاعون سے مرنے والا شہید ہے: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: ابن ابی عمرو کس چیز سے مرا تو لوگوں نے کہا طاعون سے تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلم کے لیے طاعون شہادت ہے۔ (ایضًا، ص:۴۹۷)

جنازے کا وضو: حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد دمشق کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو میں ان کے پاس گیا اور کہا: جنازہ کے وضو کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہم ایک نماز میں تھے اور دوسری نماز کی طرف لوٹ رہے ہیں، اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(تاریخ دمشق، ج:۹، ص:۳۳۴، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۵)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے اجتہادی صلاحیت، قوت استخراج اور زور استنباط سے ہر اس مسئلے کا حل پیش کیا جو عوام وخواص کے لیے لاینحل تھے آپ کے ان اجتہادی خدمات کا احاطہ اس مختصر سے مقالہ میں ممکن نہیں اس لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی خدمات کو عام و تام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

من المجتہدین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۵۹ھ

محمد ابوہریرہ رضوی، رام گڑھ (جھارکھنڈ)، جماعت: سابعہ 9889283697

نام ونسب: آپ کے اصلی نام کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، کیوں کہ آپ کی کنیت ایسی مشہور ہوئی کے نام چھپ کر رہ گیا۔ اصحاب سیر و تذکرہ اور علمائے حدیث نے آپ کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔

خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے نام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں میرا نام عبد شمس تھا۔ اسلام لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا نام عبدالرحمن اور کنیت ابوہریرہ رکھی۔

ایک روایت میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبد شمس اور کنیت ابوالاسود تھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ اور اور کنیت ابوہریرہ رکھی۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۴، ص: ۳۸۵، سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۵۱۴)

علامہ ذہبی نے "عبدالرحمن" نام کو راجح قرار دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۵۱۳)

ہشام کلبی اور خلیفہ بن خیاط کے قول کے مطابق سلسلہ نسب یوں ہے:۔ عبدالرحمن عمیر بن عامر بن عبد ذی الشری بن طریف بن عتاب بن ابی صعب بن منبہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔

(اسد الغابہ، ج:۵، ص:۲۴۷۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۵۱۴)

کنیت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت اس قدر مشہور و معروف ہوئی کہ اصل نام لوگوں کو یاد نہ رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بلی پال رکھی تھی، رات کو اس کو درخت پہ رکھتا تھا اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے آتا اور اس کے ساتھ کھیلتا تھا۔ تو لوگوں نے یہ بات دیکھ کر مجھے "ابوہریرہ" کہنا شروع کر دیا۔

(الاصابۃ، ج:۴، ص: ۳۸۵، اسد الغابہ، ج:۵، ص:۲۴۸۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۵۱۸)

قبول اسلام سے پہلے کے حالات: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کے مشہور و معروف قبیلہ "دوس" میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے گھر کی بکریاں چراتے تھے کمسنی ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ بچپن کے ایام غربت و افلاس میں گزرے، بصرہ بنت غزوان کے پاس کسب معاش کے لیے معمولی تنخواہ پر ملازم ہوئے اور خدمت یہ تھی کہ جب وہ کہیں جاتے تو پاپیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ وہی عورت بعد میں آپ کے عقد میں آئی اور اس طرح آپ کو

فارغ البالی نصیب ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ان کے ابتدائی ایام کو پڑھیں اور دیکھیں کہ شکر خداوندی کیسے ادا فرمارہے ہیں: ''میں نے بحیثیت یتیم نشو نما پائی، مسکینی کی حالت میں ہجرت کی، میں کھانے اور معمولی تنخواہ پر بنت غزوان کا نوکر تھا۔ جب وہ سوار ہوتے تو میں ان کی سواری لے کر چلتا اور جب قیام کرتے تو ان کی خدمت کرتا، اللہ کا شکر ہے کہ جس نے دین کو مظبوطی دی اور ابوہریرہ کو امام بنایا۔ اے اہل اسلام! قسم خدا کی بنت غزوان کے لیے میری نوکری سخت تاریک رات میں بھی روٹی کے خشک ٹکڑے اور معمولی تنخواہ کے عوض تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنت غزوان سے میری شادی کرادی۔ اب تو یہ عالم ہو گیا ہے کہ جب وہ سوار ہوتے ہیں تو میں بھی سوار ہوتا ہوں، وہ خدمت کرتے ہیں تو میں بھی خدمت کرتا ہوں جب وہ قیام کرتے ہیں تو میں بھی مقیم ہوتا ہوں''۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۷۷)

عام طور سے آپ متوسط درجہ کی زندگی گزارتے تھے، جب کہ قبول اسلام کے بعد اور بھی زیادہ مالدار ہو گئے تھے۔

علامہ ذہبی تحریر کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفا میں سے تھے آپ تنگ دست اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ کی حالت اچھی ہو گئی اور آپ کا مال زیادہ ہو گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۲)

قبول اسلام اور ہجرت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلہ ''دوس'' کے لوگ بھی عرب کے دیگر قبائل کی طرح کفر و شرک میں مبتلا تھے، وہ جس بت کی پوجا کرتے تھے اس کا نام ''ذوالخلصۃ'' تھا۔ (مسلم شریف، ج:۲، ص:۳۹۴)

اس کفر و شرک کے دلدل میں توحید کی کرن لے کر حضرت طفیل بن عمرو دوسی اپنے وطن یمن واپس آئے اور قبیلہ دوس میں ان کی مساعی جمیلہ سے اکثر لوگ ایمان کی دولت سے مالامال ہوئے۔ ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔

اکثر لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷ھ میں مقام خیبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور پورے قافلے کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ حالاں کہ آپ خیبر سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ جس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے علامہ ابن کثیر نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، جس کے راوی خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جنگ خیبر کے لیے) نکلے اور انھوں نے مدینہ میں سباع بن عرفطہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، ابوہریرہ نے کہا: میں مدینہ پہنچا انھوں (قبیلہ دوس والوں) نے ہجرت کی، میں نے صبح کی نماز سباع کے پیچھے پڑھی، انھوں نے پہلی رکعت میں سورۂ مریم اور دوسری رکعت میں سورۂ ویل کی قرأت کی، میں نے اپنے آپ سے کہا، ابوفلاں پر خدا کی ویل، وہ شخص ازدی تھا اور دو پیمانہ سے کاروبار کرتا تھا۔ پہلے پیمانے سے خود لیتا اور دوسرے پیمانے سے لوگوں کو کم دیتا تھا۔ (البدایہ و النہایہ، ج:۳، ص:۵۳۰۳ دار الفکر، بیروت، طبع ۳، ۱۹۹۸ء)

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے تبھی تو انھوں نے مدینہ میں سباع بن عرطفہ کے پیچھے فجر کی نماز ادا کی۔ جہاں تک بات زیارت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے تو وہ مقام خیبر میں ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جنگ خیبر: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر میں پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بار

یابی کا شرف حاصل کیا، وہ خود فرماتے ہیں کہ "میں خیبر کے دن حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس وقت حاضر ہوا جب لوگ جنگ سے فارغ ہو چکے تھے۔ (البدایہ والنھایہ، ج:۸، ص:۷۳)

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر پہونچے لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے مال غنیمت میں ان کا حصہ رکھا جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ "ہم خیبر میں اس وقت آئے جب کہ رسول کریم ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا تو انھوں نے ہم کو بھی اپنے حصوں میں شریک کر لیا"۔ (فتح الباری، ج:۷، ص:۶۱۱)

غزوۂ خیبر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یہ کہ موجود تھے بلکہ آپ حضور ﷺ کو اس سلسلے میں مشورہ بھی دے رہے تھے اور حضور ﷺ نے آپ کے مشورے کو قبول بھی فرمایا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابان اور اس کے ساتھیوں کے تعلق سے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ لا تقسم لھم" اے اللہ کے رسول ﷺ! ابان اور اس کے ساتھیوں کو حصہ نہ دیں۔ آپ ﷺ نے ابان سے فرمایا" یا ابان اجلس "اے ابان بیٹھ جا، راوی کہتے ہیں" فلم یقسم لھم "ابان اور اس کے ساتھیوں کو حصہ نہیں دیا گیا۔

(بخاری شریف، ج:۲، ص:۶۰۸)

ذات رسول ﷺ سے وابستگی: قبول اسلام کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے اس طرح وابستہ ہو گئے کہ رسول اکرم ﷺ کی ظاہری زندگی کے آخری لمحات تک جدا نہ ہوئے۔ خدمت رسول ﷺ میں شب و روز حاضر رہتے۔ حتیٰ کہ سفر و حضر میں بھی خدمت رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا اولین فریضہ قرار دیتے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو اس طرح لازم کر لیا کہ سفر و حضر میں کبھی رسول اللہ ﷺ سے جدا نہ ہوئے۔ (البدایہ والنھایہ، ج: ۴، ص:۷۳)

معیت رسول ﷺ اور ملازمت رسول ﷺ کا تذکرہ خود ان کی زبانی ملاحظہ فرمائیں: وہ کہتے ہیں "میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس وقت حاضر ہوا جب کہ آپ ﷺ خیبر میں تھے ان دنوں میری عمر تیس سال سے زیادہ تھی، میں حیات ظاہری سے پردہ فرمانے تک ان کے ساتھ رہا، میں ان کے ساتھ ان کی عورتوں کے گھروں میں جاتا، ان کی خدمت کرتا، ان کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوتا اور ان کے ساتھ حج کے لیے جاتا، میں لوگوں میں ان کی حدیث کا سب سے بڑا عالم تھا، قسم خدا کی مجھ سے پہلے بھی کچھ لوگوں کو ان کی صحبت کا شرف حاصل ہو چکا ہے، وہ لوگ میری ملازمت رسول ﷺ کو بخوبی جانتے تھے۔ (الاصابہ، ج:۴، ص:۲۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

صفہ کی زندگی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سال تک حضور ﷺ کی صحبت بابرکت سے فیض حاصل کیا۔ فتح خیبر کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور حضور ﷺ کی وفات ۱۱ھ تک ملازمت رسول ﷺ کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ آپ اہل صفہ میں سے تھے۔

"جامعہ صفہ" جو کہ اسلام کی پہلی باقاعدہ درس گاہ تھی، "اصحاب صفہ" جنھوں نے مسجد نبوی کے اس چبوترے پر تنگی و عسرت کی زندگی کو عیش و عشرت کی زندگی پر ترجیح دی تھی۔ ان کا مقصد حیات اسلامی علوم وفنون کی تحصیل و تعلیم کے علاوہ کچھ اور نہ تھا وہ رسول اللہ ﷺ، اہل علم صحابہ کرام علیہم الرضوان سے حصول علم میں مصروف رہتے تھے۔

"جامعہ صفہ" کے فارغین میں علم حدیث کے سب سے بڑے عالم، برگزیدہ صحابئ رسول ﷺ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ جو نہ صرف یہ کہ اس جامعہ کے متعلم تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اصحاب صفہ کا مانیٹر اور منتظم بھی بنایا تھا۔ آپ ﷺ آپ پر خاص توجہ فرماتے تھے اور "صفہ" کے امور کی انجام دہی کے لیے آپ ہی کو منتخب فرماتے تھے۔

حضرت علامہ سید محمد بن عباس مالکی مکی حسنی لکھتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے لوٹے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور صفہ کو اپنا مسکن بنالیا اور پھر اصحاب صفہ کے مانیٹر ہوگئے۔

(المنہل اللطیف، ص:۱۹۱)

واضح رہے کہ عصر حاضر کے مدارس کی طرح صفہ میں باضابطہ طور پر کھانے پینے کا نظم ونسق نہ تھا بلکہ بڑی تکلیف اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بھوک کی شدت کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ اور منبر رسول ﷺ کے درمیان بیہوش ہوکر گر پڑتا تھا اور آنے والا آتا (تو) اپنا پیر میری گردن پر رکھ دیتا، وہ یہ گمان کرتا کہ مجھ پر جنون طاری ہوگیا ہے حالاں کہ میں مجنوں نہیں ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری، ج:۱، ص:۱۰۸۹، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

اتنی پریشانیوں کے باوجود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صفہ کو نہ چھوڑا اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت بابرکت سے محروم نہ ہوجائیں اور آقا ﷺ کی کسی حدیث کو سماعت کرنے سے نہ رہ جائیں۔

آپ کو رسول اکرم ﷺ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی اور حدیث پاک کی سماعت کا حد درجہ شوق تھا اسی وجہ سے صفہ کو اپنا مستقر بنالیا تھا تاکہ رسول اکرم ﷺ کے ایک ایک قول وفعل کو دیکھیں اور سنیں اور اپنے نہاں خانۂ دل میں محفوظ کرسکیں، اور حضور ﷺ کے بعد لوگوں کو ان کے اسوۂ حسنہ اور احادیث کریمہ کی تعلیم دیں۔

غزوات میں شرکت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ خیبر میں حضور ﷺ کی لقا سے شرف یاب ہوئے اس وقت سے لے کر جتنے بھی غزوے ہوئے سبھوں میں آپ نے شرکت کی۔ مندرجہ ذیل غزوات میں آپ نے شرکت کی: غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، صلح حدیبیہ، طائف کا محاصرہ۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی آپ نے غزوات میں شرکت کی۔ موتہ میں شریک ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو اس کے دفعہ میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔

آپ نہ صرف غزوات میں موجود رہے بلکہ ان کی پوری تفصیلات بھی آپ سے مروی ہے۔ جو حدیث شریف کی شکل میں ہم تک پہنچے۔

حضرت علامہ سید محمد بن علوی مالکی نے آپ کو "المجاهد في ميدان الجهاد لا علاء كلمة الله" لکھا ہے۔

(المنہل اللطیف، ص:۱۹۴)

بحرین کی گورنری: رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحرین میں اسلام کی نشرواشاعت کر چکے تھے اور دینی تعلیم بھی دے چکے تھے، اس لیے وہاں کی آب وہوا سے آپ اچھی طرح واقف تھے اسی بنیاد پر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بحرین کے لیے عامل کی ضرورت در پیش ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین کا عامل مقرر کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرائض بحسن خوبی انجام دیے۔کچھ دنوں بعد جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ تشریف لائے تو دس ہزار کی رقم ان کے پاس تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا اے ابوہریرہ! یہ رقم تم نے کہاں سے حاصل کی؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے گھوڑے مال رکھے تھے ان میں اضافہ ہوا اور غلاموں کے فروخت سے اچھی رقم حاصل ہوئی۔ بہت سے لوگوں نے ہدیہ وتحائف پیش کیے۔ جب آپ کی رقم کا جائزہ لیا گیا تو بات درست ثابت ہوئی۔

اسی واقعہ کی طرف علامہ ابن کثیر اشارہ کرتے ہیں: ابن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین کا گورنر بنایا۔ جہاں سے وہ دس ہزار لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کہا: اے اللہ اور اس کی کتاب کے دشمن! تم نے یہ مال غلط طریقہ پر جمع کر لیا۔ اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں اللہ اور اس کی کتاب کا دشمن نہیں ہوں ،البتہ اس کا دشمن ہوں جو ان دونوں کا دشمن ہو۔ انھوں نے کہا پھر یہ مال کس طرح جمع ہوا؟ ابوہریرہ نے کہا: گھوڑوں میں اضافہ ہوا، غلاموں میں افزائش ہوئی، کثرت سے عطیے آئے جب تحقیق ہوئی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول صحیح ثابت ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۷۹)

پھر تفتیش وتحقیق کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ آپ کو بحرین کا گورنر بنانا چاہا تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔

اس حوالے سے علامہ ابن کثیر کی تحریر ملاحظہ فرمائیں: تحقیق کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تاکہ انھیں دوبارہ بحرین کا عامل بنائیں ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم گورنری کے منصب کو ناپسند کرتے ہو؟ حالاں کہ حضرت یوسف جو تم سے بہتر ہیں انھوں نے یہ عہدہ طلب کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ وہ یوسف نبی بن نبی بن نبی بن نبی تھے اور میں ابوہریرہ بن بنی امیہ ہوں، تین اور دو (پانچ) باتو ں سے ڈرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تین اور دو کے بجائے پانچ کیوں نہیں کہہ دیا؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ کوئی بات بغیر علم کے کہوں، بغیر غور وفکر کے معاملے کے فیصلہ میں ڈرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کہیں میری پیٹھ پر ڈنڈے نہ پڑیں، مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میرا مال چھین نہ لیا جائے اور میں خوف کھاتا ہوں کہ میری آبرو گالیوں کی نذر نہ ہو جائے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۷۹)

مدینہ کی گورنری: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کافی متاثر تھے جب مدینہ کے گورنر مروان سے ناراض ہوتے تو آپ کو مدینہ کا گورنر بنا دیتے۔ حضرت علامہ شمس الدین ذہبی رقم طراز ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کا گورنر بنا دیتے تھے پھر جب ان پر کسی وجہ سے ناراض ہو جاتے تو مروان کو گورنر بنا دیتے اور

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کر دیتے بعد ازآں تھوڑا ہی عرصہ گزر تا تو پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر بنا دیتے اور مروان کو معزول کر دیتے۔(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۴)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدّد مرتبہ حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں امیر مقرر ہوئے۔(تہذیب التہذیب، ج:۱۲، ص:۱۹۱)

علمی ذوق: ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہونے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت نبوی میں حاضر رہنا اپنی زندگی کا اصلی مقصود بنالیا تھا، عبادت وریاضت کے علاوہ سارا وقت ذوق علم کی تسکین اور جستجوے حدیث میں گزر تا تھا۔ یہ ذوق انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا تھا، جہاں دوسرے صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی مگر آپ بے تکلف سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسائل دینیہ دریافت کرتے تھے۔ ایک دن بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے "من اسعد الناس بشفاعتك "کہ قیامت کے دن کون خوش نصیب آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری حرص حدیث دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہیں کرے گا۔

(الاصابہ، ج:۴۔ بخاری شریف، باب الحرص علی الحدیث، ج:۱، ص:۲۰، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

حدیث میں آپ کا مقام: حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلے میں جو شہرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کسی اور کا نہیں ہے، علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابۂ کرام میں حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب سے بڑے راوی ہیں۔

حفظ و روایت حدیث میں کوئی آپ کا ہم سر نہ تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قدرت کی جانب سے عطا ہونے والی اس نعمت کا بھرپور اعتراف کرتی ہیں، خود فرماتے ہیں: میں کسی ایسے صحابیِ رسول کو نہیں جانتا جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ سے زیادہ یاد ہوں۔(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۴۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۵۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کا موقع صرف تین سال کا ملا، مگر اس کم وقت میں بھی آپ کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ آپ کے علاوہ کسی اور صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اتنی کثیر روایتیں منقول نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ پر علم کا ظرف اور برتن ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۵۲۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نعمت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سے کسی کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد نہیں، سوائے عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیوں کہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔(مصدر سابق)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے بہتر ہیں اور مجھ سے زیادہ بہتر ہیں اور جو بیان کرتے ہیں اس کو زیادہ جانتے ہیں۔(الاصابہ، ج:۴، ص:۲۳۹۱)

ابوصالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۵۲۲)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ حدیث جاننے والے تھے اور حفاظ حدیث میں سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے۔ (الاصابہ، ج:۴، ص:۲۳۸۸)

کثرت روایت کا سبب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کثرت سے بیان کرتے تھے تو بعض لوگوں نے کہا کہ ابوہریرہ تو کثرت سے حدیثیں بیان کرتے ہیں جب کہ مہاجرین اور انصار ان حدیثوں کو بیان نہیں کرتے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کو یہ جواب دیا کرتے: تم خیال کرتے ہو کہ ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں کثرت سے بیان کرتا ہے۔ میاں! مجھے خدا کو منہ دکھانا ہے، میں ایک غریب آدمی تھا اور محض شکم پری پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتا تھا جب کہ عام مہاجرین بازاروں میں اپنے کار و بار میں مشغول رہتے تھے اور انصار اپنے اموال کی دیکھ بھال میں ۔ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص میری بات ختم ہونے تک اپنی چادر کو پھیلا لے پھر اپنے سے ملالے جو کچھ اس نے مجھ سے سنا اس کو کبھی نہیں بھولے گا۔ میں نے اپنی چادر کو پھیلا دیا، اس ذات کی قسم جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ، پھر کبھی میں آپ کی کوئی حدیث جو آپ سے سنی تھی نہیں بھولا ۔ (صحیح البخاری، ج:۱، ص:۲۲، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۴۷)

شان فقہ واجتہاد: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عظیم راوی حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب فتویٰ بھی تھے، علامہ ذہبی رقم طراز ہیں: آپ علم کے ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کثیر الروایہ صحابی اور زبردست محدث ہونے کے ساتھ مجتہد بھی تھے۔

اس سلسلے میں بعض حضرات نے تردد کا اظہار فرمایا اور غیر فقیہ ومجتہد ہونے کا قول کیا ہے۔ اور دلیل میں ان بعض مسائل کو ذکر کیا ہے جن میں آپ سے خطاے اجتہادی واقع ہوئی ہے۔ حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک زبردست فقیہ ومجتہد بھی تھے اور اپنے اجتہادی شان کے ذریعے بعض مسائل میں بڑے بڑے مجتہدین صحابہ سے اختلاف بھی فرمایا ہے۔ نامور محقق بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی نے غیر مجتہد ہونے کا قول کرنے والوں پر سخت تکفیر فرمائی ہے اور تاکیدی طور پر ارشاد فرمایا ہے:

فإن أبا هريرة فقيه مجتهد، لا شك في فقاهته ،فانه كان يفتي زمن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و بعده. بلاشبہ حضرت ابوہریرہ فقیہ مجتہد ہیں، ان کی فقاہت میں کوئی شک نہیں۔ کیوں کہ وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ج:۲، ص:۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء)

آپ کی فقاہت ومجتہدانہ شان یوں مسلم ہے کہ امام عراقی فرماتے ہیں:

اجمع الصحابة علىٰ إن من استفتى أبابكر وعمر أمير المؤمنين فلة أن يستفتيٰ أباهريرة ومعاذبن جبل وغيرهما و يعمل قولهم من غير نكير. (فواتح الرحموت، ج:۲، ص:۴۳۹، به تفصيل سابق)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے فتویٰ طلب کیا ہے اس کے لیے حضرت ابوہریرہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے بھی فتویٰ پوچھنے کی اجازت ہے۔اور ان کے قول پر بغیر کسی انکار کے عمل کیا جائے گا۔

اس عبارت میں صاف طور پر اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نفس اجتہاد میں شیخین اور حضرت معاذ بن جبل کے ہم رتبہ ہیں۔اور ہر ایک میں سے جس سے چاہیں فتویٰ طلب کرنے کی اجازت ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہر شخص کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی ،افتا اور قانون اسلام کی تشریح کے لیے چند اشخاص کو نامزد کر دیا جن میں حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابودرداء کے ساتھ ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔

(خلفاے راشدین،از:ڈاکٹر عاصم اعظمی،ص:۳۰۸،مطبوعہ:فاروقیہ بکڈپو)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً چالیس سال تک منصب افتا پر فائز رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آپ کا شمار مدینہ کے ان پانچ صحابہ میں ہوتا تھا جن کی حیثیت مرجع عام تھی ، حضرت ابن عباس ، حضرت ابن عمر ، حضرت ابو سعید، حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ میں فتاویٰ دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے لے کر اپنی وفات تک یہ پانچوں افراد فتاویٰ کے لیے معروف تھے۔

(سیر اعلام النبلا،ج:۲،ص:۴۳۷)

فقہی ژرف نگاہی کے چند نمونے: (۱)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا اے ابوہریرہ! میں نے روزہ رکھا تھا میں اپنے والد صاحب کے یہاں گیا تو وہ روٹی اور گوشت لائے مجھے یاد نہ رہا کہ میں روزہ سے ہوں میں نے اسے کھا لیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں اللہ تعالیٰ نے تجھے کھلایا ہے۔ نوجوان نے کہا پھر میں وہاں سے فلاں شخص کے پاس گیا، جہاں میں نے دودھ کا ایک پیالہ پایا اور کھول کر اسے پی لیا، یہاں تک کہ میں سیراب ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تجھے سیراب کیا۔ نوجوان نے پھر کہا میں وہاں سے اپنے گھر آیا اور سو گیا جب بیدار ہوا میں نے پانی مانگا میری بیوی نے پانی دیا، میں نے اسے بھی پی لیا۔ حضرت ابوہریرہ نے بطور مذاق فرمایا ایسا لگتا ہے کہ تمہیں روزہ رکھنے کی عادت نہیں۔(الاصابہ،ج:۴،ص:۲۰۱)

(۲)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق گوئی میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے چاہے حکام وقت ہی کیوں نہ ہو۔ چناں چہ ایک بار مدینہ میں جب بیع صکاک (یعنی غلہ پر قبضہ سے پہلے اسے فروخت کرنا) کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مدینہ مروان بن حکم سے کہا"احللت بیع الربا" اے مروان! تم نے خرید وفروخت میں سودی معاملے کو حلال کر دیا ہے۔ مروان نے کہا: میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نے بیع صکاک کی اجازت دی ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانے کی بیع سے اس وقت تک منع کیا ہے جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے۔(چناں چہ مروان بن حکم

نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔)

(مسلم شریف، ج:۲، ص:۵، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

(۳) ایک مرتبہ رئیس المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں کچھ پوچھا تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فوراً کہا: اے ابوہریرہ اسے آپ فتویٰ دیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کوئی مشکل مسئلہ دریافت کیا تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا: تم ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملو۔ (الاصابہ، ج:۴، ص:۲۰۸)

(۴) معاویہ بن ابی عیاش انصاری بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر کے پاس بیٹھے تھے۔ اس دوران محمد بن ایاس بن بکیر وہاں آئے اور یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی دخول سے پہلے تین طلاق دے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے اسے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیا۔ جو اس وقت حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے تھے۔ چناں چہ اس نے ان دونوں سے مسئلہ پوچھا۔ ابن عباس نے ابوہریرہ سے کہا کہ آپ فتویٰ دیں۔ چناں چہ انھوں نے فتویٰ دیا کہ ایک طلاق بائن ہوگی جب کہ تین سے وہ حرام ہوجائے گی۔ ابن عباس نے بھی اس جواب کی توثیق کی۔ (تذکرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص:۱۳۹، مولانا نعیم الاسلام قادری، محمدی بک ڈپو، دہلی)

(۵) ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے دس اونٹ اللہ کے راستہ کے لیے مخصوص کیے ہیں تو کیا اس پر زکوۃ ہوگی؟ ابن عباس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا جواب دینے کے لیے کہا۔ چناں چہ انھوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس پر زکوۃ نہ ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی توثیق کرتے ہوئے کہا کہ ایسے تمام اونٹ جس پر سواری نہ کی جائے نہ اس کے دودھ سے استفادہ کیا جائے اور نہ ہی اس سے پیداوار حاصل کی جائے اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کی توثیق کی۔ (مرجع سابق)

(۶) ایک شخص نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے کہا جاؤ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھو۔ (مصدر سابق)

حکام وقت بھی آپ سے مسائل پوچھا کرتے تھے اور اگر کوئی سائل ان حکام سے کوئی مسائل پوچھتا تو اسے بھی وہ آپ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ کسی نے ایک شخص سے اونٹ عاریت پر لیا اور پھر اس سے لکڑیاں ڈھونے کا کام کیا۔ وہ اس کی شکایت لے کر گورنر مدینہ مروان بن حکم کے پاس آیا۔ اس نے اس مسئلے کے حل کے لیے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اس پر جرمانہ ہوگا۔ (ایضاً)

(۷) حاکم نے مستدرک میں روایت کیا کہ ایک شخص زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا تم ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے جاؤ کیوں کہ ایک دن حضرت ابوہریرہ، میں اور فلاں شخص مسجد نبوی میں بیٹھے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا میں مشغول تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی دوران تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ہم خاموش ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنا کام کرو یعنی ذکر و دعا میں مشغول رہو۔ زید بن

ثابت کہتے ہیں: میں نے سب سے پہلے دعا کی، میرے بعد میرے ساتھی نے دعا کی اور آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا فرمائی ۔ رسول اللہ ﷺ ہماری دعا پر آمین کہتے رہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی ”اے میرے معبود! میں تجھ سے اس چیز کا بھی خواست گار ہوں جو میرے دونوں ساتھیوں نے طلب کیا اور ایسا علم مانگتا ہوں جسے فراموش نہ کر سکوں۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے آمین فرمایا۔ زید بن ثابت کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بھی ایسا علم طلب کرتے ہیں جو بھولا نہ جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اس معاملے میں یہ ”دوسی“ تم پر سبقت لے گیا“۔ (المنہل اللطیف، ص:۱۹۴)

ان شواہد کی بنیاد پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت کے بڑے فقیہ تھے۔ جبھی تو علامہ ذہبی نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کا خزانہ اور بہت بڑے مفتی تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۱)

وصال : جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہ شدید درد و تکلیف میں مبتلا ہیں تو ان کو گلے لگایا اور دعا دی ”اللھم اشف ابا ھر یر ۃ! “اے اللہ! ابوہریرہ کو شفا دے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے اے اللہ! ان کی دعا قبول نہ فرما ان کی دعا قبول نہ فرما۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ محمد ﷺ کی جان ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک آدمی اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش وہ اس کی جگہ ہوتا۔ (الاصابہ، ج:۴، ص:۲۱۰)

لوگ تو ان کے لیے دعا کرتے کہ مرض سے شفا حاصل ہو مگر وہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں، لہٰذا تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما، ایک دن جب کہ حضرت (ابوہریرہ) عبد الرحمٰن بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیماری میں مبتلا تھے یہ دعا کرنے لگے: اے اللہ میں ۶۰ ہجری سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۷۹)

کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمھاری اس دنیا پر نہیں روتا ہوں بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سفر دور دراز کا ہے اور توشہ بھی بہت تھوڑا ہے اور اس کشمکش میں مبتلا ہوں کہ میرا ٹھکانہ جنت ہوگا یا دوزخ۔ (مرجع سابق، ص:۷۸)

جب وفات کا وقت آپہنچا تو فرمایا کہ (جب میری وفات ہو جائے تو) یہاں پر خیمہ نہ لگانا اور مجھے جلدی لے جانا اور میرے ہمراہ انگیٹھی نہ لے جانا۔ (الاصابہ، ج:۴، ص:۲۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھتر (۷۸) سال کی عمر پاکر اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ آپ کی وفات ۵۹ ہجری کو ہوئی۔ آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

من المجتہدین

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۶۰ھ

محمد اعظم مبارک پور، جماعت: فضیلت 9565713275

نام: معاویہ، **کنیت:** ابو عبد الرحمٰن، **لقب:** کسرائے عرب، **والد:** ابو سفیان۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب: حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب: حضرت معاویہ بن ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس۔

قبول اسلام: حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبول اسلام کے سلسلے میں حضرت امام نووی شافعی علیہ الرحمۃ نے دو قول بیان فرمایا ہے:

پہلا قول: حضرت امیر معاویہ فتح مکہ کے روز اپنے باپ حضرت ابو سفیان، بھائی حضرت یزید بن ابو سفیان اور ماں حضرت ہندہ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

دوسرا قول: حضرت امیر معاویہ صلح حدیبیہ کے موقع سے اسلام لائے اور اپنے اسلام کو اپنے والدین سے چھپائے رکھا۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۴۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

غزوات میں شرکت: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہوازن کے مال غنیمت سے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔

کتابت وحی: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو صحابۂ کرام کتابت وحی کی خدمات انجام دیا کرتے تھے انھی میں سے ایک صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں چناں چہ حضرت ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی: عن جابر قال: قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم أتاني جبريل عليه السلام فقال اتخذ معاوية كاتبا.

(تاریخ دمشق، ج:۵۹، ص:۶۸، دار الفکر، بیروت)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام نے آکر کہا کہ امیر معاویہ کو کاتب مقرر فرمالیجیے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب ہم لوگ مدینہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کاتب طلب فرمایا جو آپ کی جانب سے

عجمیوں کی طرف کتابت کی خدمت انجام دے حالاں کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بہت سے لوگ کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے اور اس وقت حضرت معاویہ مسلمان ہو چکے تھے، وہ خوش خط تھے تو نبی کریم ﷺ نے انھیں کاتب مقرر کر لیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خیانت کا اندیشہ ہے جیسا کہ عبداللہ بن خطل نے خیانت کی۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: لا ، هو أمين. نہیں، امیر معاویہ امانت دار ہیں۔ (ایضًا)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جس دن نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی، اس دن دروازے پر ایک شخص نے دستک دی تو سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: دیکھو! کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: انھیں اجازت دو۔ چناں چہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوئے اور ان کے کان پر ایک قلم تھا جس سے آپ نے ابھی تک کتابت نہ کی تھی۔ سرکار نے فرمایا: اے معاویہ! تمھارے کان پر کیسا قلم ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اسے میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے تیار کیا ہے۔۔۔۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تمھیں اپنے نبی کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ بخدا! میں نے تمھیں اللہ کے اذن اور اس کی وحی سے ہی کاتب مقرر کیا ہے اور جو بھی میں چھوٹا بڑا عمل کرتا ہوں وحی الٰہی سے ہی کرتا ہوں۔ اس وقت کیا حالت ہوگی جب اللہ رب العزت قمیص خلافت سے تمھیں سرفراز فرمائے گا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہوگئیں پھر آپ کے سامنے بیٹھ کر عرض کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ رب العزت میرے بھائی کو قمیص خلافت پہنائے گا؟ تو سرکار نے فرمایا: نعم ولكن فيه هنّات وهنّات وهنّات.

اس پر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی کے لیے دعا فرمادیں۔ پھر سرکار نے ان الفاظ میں دعا فرمائی: اللّٰهم اهده بالهدى و جنبه الردى واغفر له في الآخرة والاولى.

یعنی اے اللہ! امیر معاویہ کو ہدایت عطا فرما، ہلاکت ان سے دور فرما، دنیا اور آخرت میں انھیں بخش دے۔ (ایضا، ص:۶۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس ذہب ابریز کا ایک قلم لے کر آئے اور کہا کہ بلند و برتر خدا نے آپ کو سلام کہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اے میرے حبیب! میں نے معاویہ بن سفیان کے لیے ایک قلم بطور ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ اسے معاویہ کو دے دیں اور انھیں حکم دیں کہ اس قلم سے آیت الکرسی عمدہ خط میں لکھ کر اعراب لگائیں اور بارگاہ رسالت میں پیش کریں۔ میں نے آج سے لے کر قیامت تک کے آیت الکرسی پڑھنے والے لوگوں کی تعداد کے مطابق امیر معاویہ کے لیے ثواب لکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من ياتيني بابي عبدالرحمن میرے پاس امیر معاویہ کو کون لائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور حضرت معاویہ کا ہاتھ پکڑ کر سرکار کی بارگاہ میں لے آئے پھر انھوں نے سلام کیا۔ سرکار نے سلام کا جواب دینے کے بعد امیر معاویہ سے فرمایا: اے ابوعبدالرحمن میرے قریب آؤ، اے ابوعبدالرحمن میرے قریب آؤ، اے ابو عبدالرحمن میرے قریب آؤ۔ جب حضرت امیر معاویہ سرکار ﷺ کے قریب ہوئے تو سرکار نے قلم عطا کر کے یہ فرمایا: اے

معاویہ یہ قلم اللہ نے تمھیں عرش کے اوپر سے ہدیۃً عطا فرمایا ہے تا کہ تم آیت الکرسی کو عمدہ خط کے ساتھ لکھ کر اعراب لگاؤ اور میری خدمت میں پیش کرو اور تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو نعمت عطا کی ہے اس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر بجالاؤ کیوں کہ اللہ رب العزت نے آج سے لے کے قیامت تک آیت الکرسی پڑھنے والوں کا ثواب تمھارے نامۂ اعمال میں لکھ دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں حضرت امیر معاویہ نے سرکار کے دست مبارک سے قلم لیا اور اسے اپنے کانوں پر رکھا پھر سرکار نے دعا دی: اللّٰھم انک تعلم افی قد او صلته الیه اللّٰھم انک تعلم افی قد او صلة الیه ثلاثا۔(ایضاص:۷۲)

روایت حدیث: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اس لیے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زیادہ خدمات کا موقع نہ مل سکا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرویات کم ہیں۔

حضرت امام نووی شافعی علیہ الرحمہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

روی له عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مأة حديث وثلاثة وستون حديثا اتفق بخاری و مسلم علی أر بعة منها و انفرد بخاری بأر بعة و مسلم بخمسة. (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱،ص:۴۹۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی مرویات کی تعداد ۱۶۰ ہے جن میں سے چار پر بخاری اور مسلم متفق ہیں اور چار میں امام بخاری اور پانچ حدیث میں امام مسلم منفرد ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے صحابہ: حضرت عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، ابو سعید خدری، سائب بن یزید، ابوامام بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت امیر معاویہ سے روایت حدیث کرنے والے تابعین: حضرت سعید بن مسیب، حمید بن عبدالرحمن وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔(ایضا)

امارت و حکومت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول ملوک اسلام ہیں، توریت شریف میں ارشاد ربانی ہے: مولده بمكة و مهاجرة بطيبة و ملكه بالشام. (بہار شریعت، ج:۱،ص:۲۵۸)

غیب داں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کی خبر عطا فرمائی۔

چناں چہ ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں: أن أباھر یرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان يحمل الاداة فمرض فاحذها معاو ية فحملها مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلما فرغ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رفع راسه مرةاو مرتين فقال يا معاو ية إن وليت أمر افاتق الله واعدل. (تاریخ دمشق، ج:۵۹،ص:۱۰۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امیر بنائے جانے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کا جب ۱۸ھ میں وصال ہو گیا تو ان کے وصال کی خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی گئی۔ وہیں ان کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: من ولّيت مكانه يا امير المو منين؟ قال: اخاه معاو ية. یعنی اے امیر المومنین! یزید بن ابی سفیان کی جگہ کس کو ولایت عطا فرمائیں گے تو حضرت عمر نے جواب دیا: ان کے

بھائی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ (الاستیعاب، ج:۳، ص:۴۷۱، دارالکتب العلمیہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہ دمشق کے والی رہے۔ پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پورے شام کا والی بنادیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے قصاص کی دعوت لے کر حضرت امیر معاویہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بربنائے خطائے اجتہاد مقابلہ ہوا مدتوں جنگ چلتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، لیکن آپ نے مسلمانوں کی خوں ریزی ختم کرنے کے لیے حضرت امیر معاویہ سے کچھ شرائط پر صلح کرلی۔ یہ واقعہ ۴۱ھ کا ہے۔ صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارے عالم اسلام کے خلیفہ ہوگئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان فقہ و اجتہاد: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہائے صحابہ سے ہیں۔ آپ مجتہد بھی ہیں۔ آپ کا فقیہ ہونا بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے:

قیل لابن عباس هل لك فی امیر المومنین معاویه فإنه ما اوتر الا بواحدةٍ قال اصاب انه فقیه (ایضاً)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے کہا گیا امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس لیے کہ انھوں نے ایک رکعت وتر ادا کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: انھوں نے درست کیا کیوں کہ وہ فقیہ ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ مفتی محمد امجد اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہار شریعت میں رقم طراز ہیں:

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے۔ ان کا مجتہد ہونا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث صحیح بخاری میں فرمایا ہے۔ مجتہد سے ثواب و خطا دونوں صادر ہوتے ہیں (بہار شریعت، ج:۱، ص:۲۵۵، مطبوعہ: المکتبۃ المدینہ)

ایک رکعت وتر کا اجتہاد: نماز وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ حضرت بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

عن الحسن قال: اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم فی اٰخرهن. (المصنف لابن ابی شیبه)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرے۔

لیکن حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رکعت وتر کے قائل تھے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

عن ابی ملیکة قال اوتر معاویة بعد العشاء برکعة و عنده مولیٰ لابن عباس فاتی ابن عباس فقال دعه فانه قد صحب رسول الله ﷺ. (بخاری، ج:۱، ص:۵۳۱، مطبوعه مجلس برکات، جامعه اشرفیه)

ترجمہ: حضرت ابوملیکہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے عشا کے بعد ایک رکعت نماز وتر ادا کی اور ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس کے ایک آزاد کردہ غلام تھے وہ ابن عباس کے پاس آئے اور سارا معاملہ بتایا۔ اس پر عبداللہ بن عباس نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو کیوں کہ وہ صحابیِ رسول ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ صحابی اور مجتہد ہیں۔ انھوں نے اپنے اجتہاد سے

یہی سمجھا کہ وتر ایک ہی رکعت ہے۔ اس لیے ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا وہ کسی دلیل کی بنا پر ہے جو ان کے پاس ہوگی۔ مجتہد پر کسی کی تقلید واجب نہیں بلکہ اسے کسی کی تقلید کرنا حرام ہے۔ اسے اپنے اجتہاد ہی پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس لیے ان پر ایک رکعت وتر پڑھنے پر طعن درست نہیں۔ (نزہۃ القاری، ج:۷، ص:۱۵۷)

مسلمانوں کو کافر کی وراثت : اختلاف دینین ارث سے مانع ہے۔ لہٰذا کافر اور مرتد کسی مسلمان کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اس پر جمہور کا اجماع ہے اس کی دلیل آیت کریمہ: ''و لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا'' (سورۃ النساء) اور نہ ہی کوئی مسلم کافر کا وارث ہو سکتا ہے یہ موقف حضرت علی، حضرت زید اور عام صحابۂ کرام □ کا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان حضرات کی دلیل ابوداؤد شریف کی حدیث: لا یتوارث اھل ملتین شتّٰی ''(برکات السراج لحل اصول السراجیہ، ص:۱۵،۱۶، مطبوعہ: مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

جب کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ تھا کہ کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے، چناں چہ علامہ شعبی عبداللہ بن معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: مارأیت قضاء بعد اصحاب رسول اللہ ﷺ احسن من قضاء قضی بہ معاویہ فی اھل الکتاب قال: نرثھم و لا یرثوننا کما یحل لنا النکاح فیھم و لا یحل لھم النکاح فینا (المصنف، ج:٦، ص: ٢٨٥)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن معقل فرماتے ہیں: میں نے اکابر صحابہ کے فیصلوں کے بعد اس سے بہتر کسی کو فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کتاب کے بارے میں دیا۔ آپ نے فرمایا: ہم ان کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے وارث نہ ہوں گے۔ جیسے کہ ان کی عورتیں ہمارے نکاح میں آسکتی ہیں لیکن ہماری ان کے نکاح میں نہیں جاسکتیں۔

حضرت امیر معاویہ اجتہاد میں منفرد نہیں، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف بھی یہی تھا۔ حضرت ابوالاسود دؤلی روایت کرتے ہیں: کان معاذ بالیمن فارتفعوا الیہ فی یھودی مات و ترك اخاہ مسلماً فقال معاذ انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان الاسلام یزید و لا ینقص فورثہ. (المصنف لابن ابی شیبہ، ج:٦، ص:۲۸۴)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یمن میں تھے تو آپ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا کہ ایک یہودی مر گیا اور اس کے وارثوں میں صرف اس کا ایک بھائی تھا اور وہ مسلمان تھا۔ اس پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اسلام زیادہ کرتا ہے کم نہیں کرتا۔ لہٰذا حضرت معاذ نے اسے وارث ٹھہرایا۔

ذمی کافر کی دیت کا مسئلہ: وہ کافر جو دارالاسلام میں جزیہ دے کر رہتا ہو اس کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ یہ علمائے احناف کا مفتیٰ بہ قول ہے۔

ہدایہ شریف میں ہے: وان کان لاھل الذمۃ عواقل معروفۃ یتعاقلون بھا فقتل احدھم قتیلا فدیتہ علی عاقلتہ بمنزلۃ المسلم لانھم التزموا احکام الاسلام فی المعاملات.

(ھدایہ، ج:٢، ص:٦٣٣، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ / السنن الکبری، ج:٨. ص:١٠٢)

اس کی دلیل بیہقی شریف کی حدیث: دية ذمی ذمة مسلم. سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ٹھہرائی۔ ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے: عقل الكافر نصف دية المسلم. (النسائی، ج:۲، ص:۲۴۷)
لیکن ذمی کافر سے حضرت امیر معاویہ پوری دیت لیتے۔ آدھی دیت مقتول کے ورثہ کو دیتے اور باقی بیت المال میں جمع کراتے۔ جیسا کہ سنن کبریٰ میں مذکور ہے:

فلما كان معاو يه اعطى اهل المقتول النصف و القى النصف فى بيت المال ثم قضى عمر بن عبد العز يز فى النصف و الغى ما كان جعله معاو ية. (السنن الکبریٰ، ج:۸، ص:۱۰۲)

وصال: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ وصیت فرمائی کی میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک کرتہ، موے مبارک اور ناخن شریف شیشی میں محفوظ ہیں۔ مجھے اسی کرتے میں کفن دینا اور ناخون اور موے مبارک کو آنکھ اور منھ پر رکھ دینا۔ شاید اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے طفیل میری مغفرت فرمادے۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۵۵، دارالارقم، بیروت، لبنان)

ان وصیتوں کے بعد رجب ۶۰ ہجری میں انتقال فرمایا۔ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز جنازہ پڑھائی اور اس مدبر اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دمشق کی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۲۶۲)

من المجتہدین

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۵۳ ھ

محمد نعمت اللہ مالکی، سیتامڑھی، جماعت: رابعہ ۸۹۳۴۹۱۴۶۰۹

اسم گرامی: طلحہ، **کنیت:** ابو محمد، باپ کا نام: عبید اللہ۔ آپ کی والدہ حضرمیہ ہیں، ان کا نام صعبہ بنت عبد اللہ بن عماد۔

نسب نامہ: آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن النظر بن کنانہ، قرشی تیمی ہیں، آپ کا نسب ساتویں پشت پر حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم سے جا ملتا ہے۔

آپ کے نانا عبد اللہ حضرمی سے مشہور تھے، والدہ بنت حضرمی سے جانی جاتی تھیں اور وہ مشرف بہ اسلام بھی ہوئیں۔
(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۴۵۹، ابن عبد البر، دار الجیل، بیروت)

آپ کا حلیہ: حضرت طلحہ کے فرزند موسی بیان کرتے ہیں کہ ابا جان گورے رنگ کے مائل بسرخی، دوہرے جسم اور درمیان قد کے نہ تھے، سینہ چوڑا، مونڈھوں میں فاصلہ اور قدم بھرے ہوئے تھے، داڑھی اور سر کے بال گھنے تھے۔

قبول اسلام: آپ سابقین اولین میں ہیں، کیوں آپ نے سات ہی لوگوں کے بعد اسلام قبول فرمایا اور حضرت صدیق اکبر کے دست بابرکت پر آپ شرف اسلام سے مشرف ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھ لوگوں پر مشتمل مجلس شوریٰ کے ایک رکن آپ بھی تھے، آپ کے قبول اسلام کا واقعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مماثلت رکھتا ہے۔

آپ کے فرزند ارجمند ابراہیم بن عبید اللہ آپ کے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: والد محترم طلحہ اپنی جوانی کے ایام میں کاروان قریش کے ساتھ ملک شام تجارت کے لیے تشریف لے گئے، جب قافلہ شہر بصریٰ پہونچا تو تجربہ کار اور ماہر تاجر نہایت تیزی کے ساتھ وہاں کے بازار میں خرید و فروخت میں مشغول ہو گئے، اس کے برخلاف آپ چوں کہ نوجوان تھے اور تجارتی امور میں خاصہ مہارت بھی حاصل نہیں ہوئی تھی، البتہ اپنی ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے کسی سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔

والد صاحب خود اپنے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں: میں ایک دن "بصری" کے بازار میں جا رہا تھا کہ اچانک ایک نصرانی راہب کا اعلان سنا،

اے تاجرو! تم میں کوئی حرم کا باشندہ بھی ہے، میں بالکل قریب تھا۔ لہذا جب میں نے یہ اعلان سنا تو فوراً اس کی طرف

بڑھا اور جاکر کہا: ہاں! میں حرم شریف کا باشندہ ہوں، وہ مجھے گرجا کے پاس لے گیا اس راہب نے مجھ سے پوچھا: کیا تمھارے یہاں ''احمد'' نام کا کوئی شخص ظاہر ہوا ہے؟ میں نے کہا: کون احمد؟ بولا ابن عبد اللہ بن عبد المطلب، یہ مہینہ ان کے ظہور اور اعلان کا ہے اور وہ نبی آخر الزماں ہیں، ان کی تشریف آوری حرم شریف میں ہوگی اور پتھریلی زمین جہاں کھجوروں کے باغ اور سنگ ریزے ہوں گے اس کی طرف ہجرت کریں گے، اے نوجوان! دھیان رکھو تم پر کوئی سبقت نہ لے جائے، جلدی ان کی خدمت میں حاضری دیکر قبول اسلام سے سرفراز ہو جاؤ، فرماتے ہیں ان کی یہ بات میری دل میں بیٹھ گئی، اس کے بعد میں بلا تاخیر اپنے قافلہ والوں کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ پہنچا، میں نے اہل خانہ سے پوچھا کیا کوئی نبی کی خبر ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، محمد بن عبد اللہ (علیہ الصلاۃ والسلام) نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے اور ابن ابو قحافہ (صدیق اکبر) نے ان کی تصدیق کی ہے اور ان کا دین قبول کر لیا ہے۔ فرماتے ہیں: میں اس واقعہ کو سننے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حقیقت حال سے آگاہی چاہی انھوں نے کہا: ہاں جو کچھ تم نے سنا ہے سچ ہے، میں نے محمد بن عبد اللہ اور ان کے دین کی تصدیق کی ہے۔ اور پھر انھوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کچھ واقعات سنائے اور دین اسلام قبول کرنے کی رغبت دلائی، میں نے راہب کا واقعہ سنایا، ابو بکر یہ واقعہ سن کر چونک گئے اور فرمایا: فوراً تم میرے ساتھ حضور کی خدمت میں چلو اور اپنا واقعہ بیان کرو، پھر حضور کا پیغام سننا تاکہ تم اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا، قرآن مجید کی چند آیات پڑھ کر سنائی اور دنیا و آخرت میں بھلائی کی بشارت سنائی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبول اسلام کی خاطر میرا دل کشادہ فرما دیا، پھر میں نے راہب کے تعلق سے اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسرت میں جھوم اٹھے اس وقت آپ کے روبرو میں نے کلمہ شہادت ''لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھ لیا۔ اس طرح میں صدیق اکبر کے ذریعہ اسلام لانے والوں میں چوتھا شخص تھا۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ لابن حجر الوسقلانی، ج:۲، ص:۹۵۰، دار المعرفۃ بیروت)

اخلاق و کردار کے آئینہ میں: آپ نہایت صاحب ثروت اور مالدار ہونے کے باوجود سادگی کی زندگی گزارتے اور اہل خانہ کے ساتھ خوش گوار ماحول میں رہتے، غذا اور لباس میں بھی بڑی سادگی تھی، خاندان والوں کے ساتھ بہت لطف و عطف کے ساتھ پیش آتے اور زوجہ و ذریت سے غایت درجہ محبت فرماتے۔ گھر والے آپ کے حسن کردار سے ہمیشہ خوش رہتے یہاں تک کہ آپ کی یہ صفت بہت مشہور ہوگئی تھی۔ لہذا عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان جو بہت حسین اور رئیس زادی تھی بڑے بڑے شرفا و رؤسا نے ان کو پیغام ازدواج دیا مگر انھوں نے حضرت طلحہ کو ترجیح دی لوگوں نے اس کی وجہ پوچھا تو بولیں: میں ان کے محاسن و خوبی اور اخلاق و کردار سے اچھی طرح واقف ہو چکی ہوں، گھر آتے ہیں تو چہرہ پر بشاشت رہتی ہے، باہر جاتے تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے، خاموش رہو تو سوال کا انتظار نہیں کرتے، کوئی کام کر دو تو شکر گزار ہوتے ہیں، فتح ہو جائے تو عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ (کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال اللمتقی، ج:۴، ص:۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مہمان نوازی: آپ ضیافت کرنے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اور مہمانوں سے پر تپاک انداز میں ملتے تھے، ایک مرتبہ

بار گاہ نبوی میں حاضر ہوکر بنوعذرہ کے تین شخص مسلمان ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: ان مہمانوں کی کفالت کا ذمہ کون لیتا ہے؟ آپ نے فوراً کھڑے ہوکر عرض کیا: میں، حضور ﷺ نے ان کے حوالے کردیا، یہ بڑی خوش دلی کے ساتھ انھیں اپنے گھر لے کر آئے اور مستقل ان کی کفالت کی، ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان میں سے دو حضرات مختلف غزوات میں شہید ہوگئے تھے اور تیسرے کافی دنوں تک زندہ رہے اور آپ کے گھر ہی وفات پائے، ان سے بہت محبت ہوگئی تھی، بہت دنوں تک یاد کرتے رہے، ایک شب خواب میں دیکھا کہ تینوں مہمان جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں لیکن بعد میں گھر پر جنھوں نے انتقال کیا تھا وہ سب سے آگے ہیں اور پہلے شہید ہونے والے سب سے پیچھے ہیں۔ اس بات پر حیران ہوئے اور بار گاہ رسالت میں واقعہ عرض کیا، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے طلحہ! اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جسے زندگی زیادہ ملی اسے عبادت اور نیکیاں کرنے کا موقع بھی زیادہ ملا، اس لیے اس کو جنت کے داخلہ میں یہ شرف تقدم حاصل ہوا۔ (المسند لاحمد بن حنبل ج:۱، ص:۱۶۳)

صبرواستقلال: چوں کہ آپ اعلان نبوت کے بعد بہت جلد دولت ایمان کی شرف سے مشرف ہوگئے تھے اس لیے آپ کی مخالفت بہت زیادہ ہوئی حتیٰ کہ آپ کے کنبہ کے لوگ بھی آپ سے متنفر ہوگئے آپ کا اسلام لانا ان پر بہت شاق گذرا مگر ان تمام تر تکالیف کے باوجود صبرواستقلال کے کوہ گراں بن کر ثابت قدم رہے اور ایمان کے دامن کو اپنے ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔

مسعود بن خراش کی روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ کو جانوروں کی طرح سڑکوں پر گھسیٹا گیا حتیٰ کہ آپ کی والدہ بھی آپ کے پیچھے دوڑ رہی تھی اور آپ پر سب وشتم کر رہی تھی آپ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی رسی میں باندھ کر سزا اور تکلیف دی گئی، اسی لیے آپ کو اور یار غار کو بعد میں "قرینین" کہا جانے لگا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ للدکتور عبد الرحمٰن، ص:۴۹۰، دارالادب الاسلامی، قاہرہ)

ان تمام کے باوجود آپ حق وصداقت کی صدا لگاتے رہے اور ساتھ ہی اپنی والدہ کی اسلام کے سلسلے میں کوشاں رہے، بلآخر آپ کی والدہ اور برادر عزیز عثمان بن عبید اللہ نے آپ کی کوششوں سے اسلام قبول کرلیا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ج:۴، ص:۲۱۷)

روایت حدیث: حضرت طلحہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے متعدّد احادیث روایت کیں اور آپ سے آپ کے تینوں بیٹوں نے، یعنی یحیٰ بن طلحہ، موسیٰ بن طلحہ، عیسیٰ بن طلحہ ان کے علاوہ قیس بن ابوحازم، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن، مالک بن عامر اصبحی، احنف بن قیس نے بھی آپ سے احادیث روایت کیں ہیں۔ ایک حدیث جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی وہ یہ ہے کہ:

جاء رجل إلیٰ رسول الله ﷺ من أهل نجدة تأثر الراس يسمع دوی صوتة و لا يفقه مايقول حتیٰ دنا من رسول الله ﷺ فإذا هو يسئل عن الإسلام ،فقال رسول الله ﷺ خمس صلوت فی اليوم والليلة ،قال: هل علي غيرها ؟ قال: لا ،إلا أن تطوع ،الحديث . (تاریخ مدینہ دمشق ابن عساکر، دار الکتب العلمیہ)

غزوات میں شرکت: حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے حضور ﷺ کی بار گاہ میں کافی وقت گذارا اور تمام غزوات میں

سرکار دوعالم ﷺ کے ساتھ شرکت بھی کیے، صرف جنگ بدر میں شرکت سے محروم رہ گئے لیکن مال غنیمت میں آپ کا بھی حصہ تھا اور آپ کا شمار بدری صحابہ میں کیا گیا اور جنگ بدر میں شرکت نہ ہونے کی کئی ایک وجوہ واسباب بیان کیے گئے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جنگ بدر میں عدم موجودگی کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبید اللہ یہ دونوں ملک شام تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے اور ان کی واپسی سے پہلے ہی حضور ﷺ روانہ ہو چکے تھے بلکہ میدان بدر میں پہنچ چکے تھے چناں چہ حضور ﷺ نے بطور نوازش ان کو مجاہدین بدر میں شمار کیا اور مال غنیمت سے حصہ بھی عطا کیا۔

۹ھ میں حضور اقدس ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑی تیاری کے ساتھ حملہ کرنا چاہتا ہے آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور سامان جنگ کے لیے صدقہ کی ترغیب دی اور حضرت طلحہ نے سامان جنگ کے لیے خطیر رقم صدقہ کیا اور حضور ﷺ کے حکم پر منافقین اور شرپسندوں کی چال بازی کا قلع قمع کیا۔

۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ تھے، حضور اقدس ﷺ کے وصال پر اگر چہ آپ کو سخت صدمہ لاحق ہوا مگر پھر بھی خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پورے طور پر ساتھ دیا۔ خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی کوششوں سے خلیفہ مقرر ہوئے۔ (عشرہ مبشرہ، مولوی سید جلال الدین احمد ص:۱۷۶، انوار احمد الہ آباد)

غزوۂ احد میں جاں نثاری : آپ کے فضائل وکمالات میں سب سے بڑی فضیلت میدان احد میں حضور ﷺ پر جاں نثاری ہے جیسا کہ مختصراً گذرا، یعنی وہ وقت کتنا نازک تھا، جب احد کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا، مشرکین حضور اقدس ﷺ پر ہجوم کرکے آئے اور چاہا کہ شہید کردیں، تو اس وقت حضرت طلحہ ہی تھے جنھوں نے اپنے ہاتھ کو ڈھال بنالیا، جتنے حملے کفار کی طرف سے ہوتے اپنے اوپر روکتے، یہاں تک کہ آپ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم لگے اور آپ خون میں نہاگئے، مگر اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور حضور ﷺ کے لیے سپر کا کام کرتے رہے، اسی درمیان آپ کی انگشت شہادت بھی کٹ گئی اور حملوں کے دفاع میں آپ کا ہاتھ بھی شل ہوگیا۔

اس کے بعد حضور ﷺ احد پہاڑ کے جانب بڑھے اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ گیارہ انصار اور حضرت طلحہ بھی تھے کہ اچانک پھر مشرکین مکہ نے یورش کی، یہ دیکھ کر حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے ان کو دفع کرے اور جنت میں میرا رفیق ہو، طلحہ نے عرض کیا: میں یا رسول اللہ! فرمایا: نہیں تم اپنی جگہ رہو یعنی ہمارے پاس، ایک انصاری مجاہد بولے: میں یا رسول اللہ! فرمایا ہاں! تم جاؤ، انھوں نے کفار سے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے پھر حضور پہاڑ پر چڑھے تو مشرکین نے پھر ہجوم کیا، آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کو دفع کرنے کے لیے نہیں؟ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے میں ہوں یا رسول اللہ، فرمایا نہیں تم اپنی جگہ رہو، حضور ﷺ کا فرمان سن کر ایک انصاری سامنے آئے اور بولے میں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: ہاں تم جاؤ، انھوں نے بھی سب سے جنگ کی اور شہید ہوگئے، حضور ﷺ آہستہ آہستہ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے کہ مشرکین پھر آگے آگئے، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر اپنے آپ کو پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن

حضور ﷺ نے وہی فرمایا، یہاں تک کہ وہ گیارہ انصار ایک ایک کرکے شہید ہوگئے اور مشرکین کا ہجوم باقی رہا تو فرمایا، ہاں طلحہ اب تمھیں اجازت ہے، ان پے در پے حملوں میں حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی اقدس پر زخم لگے اور ہونٹ مبارک بھی زخمی ہوگئے چہرہ مقدس پر خون بہنے لگا، نازک رخساروں میں تیروں کی انیاں پیوست ہوکر ٹوٹ گئی تھیں اور حضور اقدس ﷺ زخموں سے نڈھال تھے اور اب پاس میں صرف حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو کبھی مشرکین پر حملہ کرتے اور ان کو ہٹادیتے اور حضور ﷺ کو اپنی پیٹھ پر بیٹھا کر پہاڑ کے اوپری حصہ پر پہنچادیتے اتنے میں کفار پھر آجاتے اور آپ پھر ان پر حملہ کرتے اور ان کو بھگادیتے آپ خود زخمی تھے مگر حضور ﷺ کی دفاع میں اپنی پرواہ کیے بغیر اسی طرح لڑتے رہے اور حضور ﷺ کو محفوظ مقام پر پہنچانے کی کوشش بھی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے متعدّد حملوں مین تنہا مشرکین کے ہجوم کو دفع کردیا اور حضور کو اپنی پیٹھ پر سوار کرکے محفوظ مقام پر پہنچادیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور ابوعبیدہ اس دوران کچھ دوری پر تھے جب ہم حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کے زخموں کا علاج کرنے کی کوشش کرنا چاہی تو فرمایا: مجھے چھوڑو، پہلے اپنے ساتھی طلحہ کی خبر گیری کرو، فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا تو طلحہ خون میں نہائے ہوئے تھے اور ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے ستر سے زیادہ زخم تھے اور ایک گڑھے میں بے ہوش پڑے تھے۔ (صور من حیاۃ الصحابہ للدکتور عبد الرحمٰن، ص:۴۹۰، دار الادب الاسلامی، قاہرہ)

ان کو اٹھاکر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے حضرت طلحہ کے جسم اقدس پر اپنا دست اقدس پھیرا اور دعا کی ’’اللّٰہم اشفہ وقوہ‘‘ دست اقدس کے مسح فرمانے کی برکت اور دعا کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ آپ فوراً تندرست ہوکر کھڑے ہوگئے اور جہاد میں مشغول ہوگئے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ج:۴، ص:۲۱۷)

حضور نبی کریم ﷺ نے اس جاں نثاری کے واقعہ کے بعد ارشاد فرمایا تھا: ’’اوجب طلحۃ الجنۃ‘‘ طلحہ نے اپنے اوپر جنت واجب کرلی۔ (تاریخ ۲۵/۷۰ عن الزبیر)

ہجرت کا واقعہ: حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو اس زمانہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے، ادھر سے حضور ﷺ روانہ ہوئے اور ادھر سے حضرت طلحہ شام سے واپس ہوئے، اتفاق سے ایک جگہ راستہ میں ملاقات ہوگئی، نہایت مسرور ہوئے، وہاں سے جو کپڑے خرید کر لا رہے تھے اس میں دو جوڑے نکالے، ایک حضور کی خدمت میں پیش کی اور دوسرا صدیق اکبر کو دیا اور حضور سے عرض کیا مدینہ طیبہ کے لوگ آپ کا نہایت شدت سے انتظار کررہے ہیں، صدیق اکبر نے فرمایا ہم تم ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ سزائیں برداشت کرنے میں بھی ساتھ ساتھ رہے جس کی بنا پر ہمیں ’’قرینین‘‘ کہا جاتا رہا، لہٰذا مکہ جاکر فوراً مدینہ آؤ، میرے تمام گھر والوں کی ذمہ داری بھی تمھارے سر ہے کہ تم ان سب کو لے کر مدینہ پہنچو، لہٰذا ایسا ہی ہوا، حضرت طلحہ جلد از جلد مکہ پہنچے، سامان فروخت کیا اور صدیق اکبر کے اہل و عیال کو لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے۔ (تاریخ مدینہ دمشق ابن عساکر، ج:۲۵، ص:۱۰۰، دار الکتب العلمیہ)

ہجرت سے قبل حضرت سید عالم ﷺ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا۔اور ہجرت کے بعد مدینہ میں حضرت ابوایوب انصاری کے ساتھ۔(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ لابن حجر الوسقلانی، ج:۲،ص:۹۵۱،دارالمعرفۃ بیروت)

شہادت: جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے،اسی دوران حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو مولیٰ علی نے فرمایا،اے طلحہ !وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، طلحہ !وہ وقت بھی آنے والا ہے جب تم علی کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوگے اور غلطی پر ہوگے۔ حضرت علی نے جیسے ہی یہ حدیث یاد دلائی فوراً حضرت طلحہ نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑا اور لشکر سے نکل کر کسی طرف نکل جانے کی کوشش میں تھے اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے گلہ یا کونچ میں پیوست ہوگیا جس سے خون جاری رہا یہاں تک کہ آپ نے اسی سے شہادت پائی۔ کہتے ہیں کہ جب تیر آپ کی گردن میں پیوست ہوا تو پڑھا:"بسم اللہ ،وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔"(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ج:۴،ص:۲۲۹)

شہادت کے بعد آپ کو بصرہ کے پاس ایک بندر گاہ کے قریب (جس کا نام منا تھا) دفن کر دیا گیا۔علی بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ایک شخص نے آپ کے وصال کے تیس سال بعد دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں: کیا مجھے آرام نہیں پہونچاؤ گے میں پانی میں غرق ہوں اور یہ مجھے اذیت پہنچارہا ہے،یہ خواب مسلسل تین رات تک دیکھا، کہتے ہیں خواب دیکھنے والا قیس بن حازم کے غلام تھے،معاذ نے کہا خواب دیکھنے والے ان کے ہی گھر کے ایک شخص تھے،بہر حال یہ خواب آپ کی ایک صاحبزادی کے سامنے بیان ہوا،انھوں نے اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فتویٰ لیا انھوں نے نعش مبارک نکالنے کا حکم دیا۔جب قبر کھودی گئی،پانی کی وجہ سے قبر کی زمین پر کائی جم گئی تھی،لیکن جسم مبارک بالکل تروتازہ تھا حتیٰ کہ کافور کی خوشبو آنکھوں کے درمیان پھوٹ رہی تھی اور وہ بدستور بھوؤں کے درمیان رکھا تھا۔

اس کے بعد آپ کے دفن کے لیے بصرہ شہر کے اندر آل ابی بکر کے حویلی میں دس ہزار کے عوض ایک مکان خریدا گیا اور وہاں آپ کو دفن کیا گیا۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ(الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ لابن عبد البر،ج:۱،ص:۴۶۲، دار الجلیل بیروت)

اولاد امجاد: آپ کی اولاد میں دس بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔

بیٹوں کے نام: محمد،عیسیٰ یحییٰ،اسمٰعیل،اسحاق،یعقوب،موسیٰ،یوسف،صالح۔

بیٹیوں کے نام: حضرت عائشہ(ام کلثوم کی صاحبزادی)،ام اسحاق،صعبہ(ام ولد سے)،مریم(ام ولد سے) (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ،ج:۴،ص:۲۲۹)

ولادت.....وفات: ھ

امجد رضا، اورنگ آباد، جماعت: سادسہ 8795671005

نام: عُوَیمر، **کنیت:** ابودرداء

سلسلۂ نسب: عویمر بن زید بن قیس بن امیہ بن مالک بن عامر بن عدی بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر، آپ قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ کا نام محبۃ تھا جو ثعلبہ بن کعب کے سلسلہ سے وابستہ تھیں۔

قبول اسلام: آپ ۲ھ میں اسلام و ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ قبول اسلام سے پہلے تجارت کیا کرتے تھے مگر قبول اسلام کے بعد اسے ترک کر دیا اور علم دین کی تحصیل و تعلم اور عبادت و ریاضت میں پوری زندگی وقف کر دی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں عبادت اور ریاضت دونوں ساتھ ساتھ جاری رکھنا چاہتا تھا لیکن دونوں ایک دوسرے کے موافق نہ ہوئے اس لیے میں نے تجارت ترک کر دی اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گیا۔ واللہ میں نہیں چاہتا کہ میری دوکان مسجد کے دروازے پر ہو اور مجھ سے ایک نماز بھی با جماعت فوت ہو جائے۔ مجھے ہر روز چالیس اشرفیاں ملے اور میں وہ سب اشرفیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ (مفہوماً تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۳/ ۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸ء)

غزوات و سرایا: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں احد، خندق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور دیگر غزوات میں شرکت کی اور دلیری و جوانمردی کے جوہر دکھائے۔

غزوۂ بدر میں آپ شریک نہ ہوئے تھے؛ کیوں کہ اس وقت آپ ایمان نہیں لائے تھے۔ اور چوں کہ غزوۂ احد اور اس کے علاوہ دیگر غزوات و سرایا حالت ایمان میں پیش آئے اس لیے آپ ان غزوات میں شریک ہوئے اور خوب جوانمردی دکھائی۔ غزوۂ احد میں نہایت ہی سرگرمی سے حصہ لیا، گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت و بہادری دیکھ کر فرمایا "نعم الفارس عویمر" یعنی عویمر کس قدر اچھے سوار ہیں۔ (کنز العمال، ج:۷، ص:۸۷، بشکری)

اخلاق و عادات: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فطرۃً صالح، متقی اور حسن اخلاق کے پیکر تھے وہ زندگی اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں بسر کیا کرتے تھے۔ زہد و ورع، توکل و قناعت، دنیا سے بیزاری و سادگی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، خوف الٰہی سے لرزہ بر اندام رہتے۔ عبادت میں نماز پنج گانہ اور قیام لیل کے علاوہ تین چیزوں کی پابندی کیا کرتے تھے، ہر ماہ تین روزے رکھتے، وتر پڑھتے اور سفر و حضر میں چاشت کی نماز ادا کرتے۔ ان کی زاہدانہ زندگی پر دنیا کی رنگینیوں کا رنگ کبھی نہ چڑھا۔

وہ انتہائی ہشاش بشاش رہتے۔ لوگوں سے بڑی خندہ روئی کے ساتھ ملتے۔ دوران گفتگو ہونٹوں پر تبسم ہوتا۔فیاض اور مہمان نواز تھے۔ تنگدستی کے باوجود مہمانوں کی خدمت گزاری میں فروگزاشت سے کام نہیں لیتے۔طبیعت میں بڑی بے نیازی تھی۔ عبداللہ بن عامر شام آیا تو بہت سے صحابہ اس کے پاس اپنے وظائف لینے کے لیے گئے لیکن حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ عبداللہ بن عامر خود ان کا وظیفہ لے کران کے مکان پر آیا اور کہا کہ آپ تشریف نہ لائے اس لیے میں خود وظیفہ لے کر آیا ہوں انھوں نے فرمایا: تم سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی ذلیل نہ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ جب امراء اپنی حالت بدل لیں تو تم بھی اپنے کو بدل لو۔(کنزالعمال،ج:۲،ص:۱۷۱)

فضل وکمال: فضل وکمال ایک ایسا حسین وجمیل زیور ہے جس سے مزین ہو کر انسان ہر ایک کو خوبصورت وحسین معلوم ہوتا ہے۔ اس نایاب زیور سے بھی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ذات خالی نہ تھی۔ ان کا دامن فضل وکمال کے اعتبار سے بڑا وسیع تھا، وہ قران، سنت اور فقہ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ ان کے فضل وکمال اور وسعت علمی کا اعتراف جلیل القدر صحابۂ کرام وتابعین عظام نے کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱)انس بن مالک: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت چار صحابہ ابودرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید کے سوا قرآن حکیم کا کامل حافظ کوئی نہ تھا۔

"مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن غیر أربعة أبی الدرداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و أبی زید."

(۲)حضرت مسروق: "وجدت علم أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم إنتهی إلی عمر و علی و عبد الله و معاذ بن جبل و أبی الدرداء و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ" یعنی میں نے محسوس کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم چھ آدمیوں میں سمٹ آیا ہے عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابودرداء اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۳)یزید بن معاویہ: "إن أبا الدرداء من الفقهاء العلماء الذین یشفون من الداء" یعنی ابودرداء کا ان فقیہ علما سے تعلق ہے جو بیماری کے حملہ سے نحیف وکمزور ہوجاتے ہیں۔

(۴) معاذ بن جبل: آپ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ ابودرداء سے علم سیکھنا؛ کیوں کہ ان کے پاس علم ہے۔

(۵)قاسم بن عبدالرحمٰن: "کان أبو الدرداء من الذین أوتو العلم" یعنی حضرت ابودرداء کا ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جنھیں فراوانی کے ساتھ علم عطا ہوا۔

(٦)ابوذر غفاری: آپ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے خطاب کرکے کہا تھا کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تم سے بڑا کوئی عالم نہیں۔

(۷)حافظ ذہبی: "وکان عالم أهل الشام و مقری أهل دمشق و فقیههم و قاضیهم" یعنی وہ اہل شام کے عالم اور اہل دمشق کے مقری وقاری ان کے فقیہ وقاضی تھے۔(تذکرۃ الحفاظ،ج:۱،ص:۲۴)

آپ کا علمی مقام: حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انھیں "الامام الربانی" اور "حکیم الامت" کہتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اہل

شام کے عالم فقیہ اور قاضی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ کی حیات میں چار انصاری صحابہ کو قرآن یاد تھا(۱)ابودرداء (۲)معاذبن جبل(۳)زیدبن ثابت(۴)ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حدیث میں آپ کی علمی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کے پاس محدثین دور دراز سے حدیث لینے آتے تھے۔ چنان چہ جیسا کہ کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"کنت جالساً مع أبی الدرداء فی مسجد دمشق فجاءه رجل فقال :یا أبا الدرداء! أنی جئتك من مدینة الرسول لحدیث بلغنی أنك تحدثه عن رسول الله ﷺ ما جئت لحاجة."(مشکوۃ،ص:۳۴،مجلس برکات،جامعہ اشرفیہ)

میں دمشق کی مسجد میں ابوالدرداء کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا اے ابو درداء رضی اللہ عنہ! میں مدینہ شریف سے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اسے حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ میں کسی اور غرض کے لیے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں آیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی شخصیت اس وقت مرجع علم تھی اور آپ کا علمی مقام بہت بلند تھا۔

حدیث: کلام الٰہی کی تعلیم و خدمت کے بعد صحابۂ کرام کا اولین فرض حدیث نبوی کی نشر و اشاعت تھی۔ اس میدان میں بھی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔

ایک دفعہ آپ نے سعد بن طلحہ سے ایک حدیث بیان کی۔ مسجد دمشق میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تو سعد نے مزید توثیق کی غرض سے ان (حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ) سے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے مذکورہ حدیث کے متعلق دریافت کیا تو ثوبان نے فرمایا کہ انھوں (ابودرداء) نے بالکل درست کہا۔ میں خود اس واقعہ کے وقت حضور ﷺ کے پاس موجود تھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل،ج:۶،ص:۴۴۳،دارالفکر)

حضرت معاذ بن جبل نے اپنی وفات کے وقت ایک حدیث بیان کی تھی اور فرمایا تھا کہ شہادت کی حاجت ہو تو عویمر بن زید (ابودرداء) موجود ہیں، لوگ ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھوں حدیث سن کر فرمایا: معاذ نے سچ کہا ہے۔ (ایضاً ص:۴۵۰)

ایک مجمع میں حضرت ابو درداء، عبادہ بن صامت ،حرب بن معاوی کندی اور مقدام بن معدی کرب تشریف فرما تھے۔ حدیثوں کا ذکر آیا تو حضرت ابودرداء نے حضرت عبادہ سے کہا کہ فلاں غزوہ میں حضور ﷺ نے خمس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ کو یاد ہے؟ اس کے بعد حضرت عبادہ نے پورا واقعہ بیان فرمایا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی کلام الٰہی اور حدیث نبوی کی تعلیم و اشاعت میں صرف ہوئی جس وقت روح اقدس قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی اس وقت بھی آپ نے اہل شہر کو جمع کر کے نماز کے متعلق کچھ وصیت فرمائی۔ حضرت ابو درداء نے حضرت عائشہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۱۷۹ر تک پہنچی ہیں۔

(مسند امام احمد بن حنبل،ج:۶،ص:۴۴۲،دارالفکر)

تفسیر: علم تفسیر کا سرمایہ جن صحابہ سے جمع ہوا اگر چہ ان میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا نام شامل نہیں، پھر بھی ان سے

متعدّد آیتوں کی تفسیر مروی ہیں۔ ان کا قول تھا ”لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا“ یعنی انسان اس وقت تک فقیہ نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ قرآن میں مختلف پہلو پیدا کرے۔

مشکل آیتوں کی تفسیر و وضاحت خود حضور ﷺ سے دریافت فرماتے تھے۔ ایک روز دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ ”الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا سے کیا مراد ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: رویائے صالحہ خواہ وہ خود دیکھے یا کوئی دوسرا شخص اس کے متعلق دیکھے۔ (مسند ابوداؤد وطیالسی، ص:۱۳۱)

خود ابو درداء رضی اللہ عنہ سے جب کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ نہایت شافی جواب دیتے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ ”ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن“ میں زانی اور سارق بھی داخل ہیں؟ فرمایا کہ اپنے رب کا خوف ہوتا تو زنا اور چوری کیوں کرتا؟ (کنزالعمال، ص:۲۹۷، بحوالہ ابن عساکر)

سورۂ قلم میں ایک کافر کے متعلق ہے ”عتلٍّ بعد ذلك زنیم“ میں لفظ ”عتل“ کے معنی مختلف مفسرین نے مختلف بیان کیے ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے یہ جامع معنی بیان فرمایا ”کل رحیب الجزف وثیق الحلق أکول شروب جموع للمال منوع له“ یعنی بڑے پیٹ اور مضبوط حلق والا، بسیار خور، کثیر الشراب، مال جمع کرنے والا اور نہایت بخیل۔

سورہ طارق میں ہے ”یوم تبلی السرائر“ زبان کے لحاظ سے ”سرائر“ کے معنی مطلقاً پوشیدہ کے ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے موقع کے لحاظ سے اس تعمیم میں کسی قدر تخصیص کر دی چنانچہ فرمایا: خدا نے چار چیزوں کا بندوں کو ضامن قرار دیا ہے (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکواۃ اور (۴) طہارت اور سرائر انھیں چیزوں کو کہتے ہیں۔

(کنزالعمال، ج:۱، ص:۱۵۷، بحوالہ بیہقی)

فقہ و اجتہاد: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی ذات مقدسہ علوم کا جامع تھی۔ خواہ حدیث ہو یا تفسیر یا دیگر علوم، اسی طرح فقہ میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے آپ کی ذات چلتا پھرتا مدرسہ تھی۔ لوگ دور دراز سے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ فتوی پوچھنے والوں کا ہجوم آپ کے گرد جمع ہوتا تھا۔ جب آپ گھر سے مسجد کے لیے آتے تو کافی ہجوم ہوتا جیسے کسی بادشاہ کے ساتھ خدم و حشم ہوا کرتے ہیں۔ یہ سب آپ سے مسائل پوچھنے آتے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۱۴/۱۵)

عبد اللہ بن سعید اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو درداء کو اس حال میں دیکھا کہ وہ مسجد نبوی میں داخل ہو رہے تھے اور اہل علم ان کے ساتھ یوں چل رہے تھے جیسے بادشاہ کے ساتھ خدام وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی فریضہ کا سوال کرتا تھا، کوئی حساب پوچھتا تھا، کوئی شعر کی معلومات حاصل کرتا تھا، کوئی حدیث معلوم کرتا تھا، کوئی مشکل مسئلہ کا حل چاہتا تھا۔ (الجرح والتعدیل، ج:۲، ص:۲۷)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بلا شبہ ایک عظیم فقیہ و مجتہد تھے اور بہت سے امور میں انھوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، ان کے فقہ واجتہاد کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ”أفي الصلوة قرآن“ کیا نماز میں قرآن پاک بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ایک انصاری نے کہا ”وجبت“ یہ ضروری ہے۔ یعنی نماز میں قرآن پڑھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرے لوگوں کی نسبت حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تھے آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں کہا:

ما أرى الإمام إذا أم القوم إلا قد كفاهم. (سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۰۷- سنن کبری، ج:۱، ص:۳۴۱)

یعنی امام کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کی امامت کرے تو وہ (قرآن پڑھنے میں) انھیں کافی ہوگا (یعنی مقتدی کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابودرداء کا یہ فتوی دینا حضور سے اس بات کی تصدیق ہے کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا بھی ہے اور امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے۔ کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بات کہی جائے اور حضور اس پر انکار نہ فرمائیں تو محدثین کے یہاں حدیث نبوی ہی مانا جاتا ہے اسے صرف قول صحابی نہیں سمجھا جاتا۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:

فهذا أبو الدرداء قد سمع من النبي صلى الله عليه وسلم: "في كل الصلوة قرآن" فقال رجل من الانصار: "وجبت" فلم ينكر ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم من قول الانصار ثم قال أبو الدرداء بعد من رأيه ما قال و كان ذلك عنده على من يصلي وحده و على الإمام لا على المامومين. (شرح معانی الآثار، ج:۱، ص:۲۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع:۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱ء)

یہ حضرت ابودرداء ہیں جنھوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات سن رکھی تھی کہ ہر نماز میں قرآن پڑھنا ضروری ہے۔ ایک انصاری نے کہا تھا واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا۔ پھر ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے کہا جو کہا اور ان کے یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ہر نماز میں قرآن پڑھنا ضروری ہے۔ اکیلے نماز اور امام کے بارے میں سمجھا جائے گا۔ مقتدیوں کے بارے میں نہیں۔ (ان کے لیے امام کا پڑھنا کافی ہے)

اور اگر یہ سمجھا جائے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے مذکورہ جملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں نہیں کہا اور یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا تو بھی اس سے اتنی بات ضرور واضح ہے کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ ہر نماز میں قرآن پڑھنا لازمی ہے اکیلے نمازی یا امام پر محمول کیا ہے۔ اپنے مقتدیوں کو اس حدیث کے عموم میں نہیں لایا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کس اونچے درجے کے فقیہ اور مجتہد تھے کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی اجازت سے فتوی دیتے تھے۔ آپ کا موقف یہ ہے کہ نماز میں قرآن پڑھنے کی جملہ روایات صرف امام کے متعلق ہیں یا اکیلے کے بارے میں ہیں۔ مقدی کے لیے وہ حکم نہیں ہے کہ وہ اصالۃً قرآن پڑھے۔ خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا مازاد علی الفاتحہ۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھیے کس اونچے درجے کے مجتہد ہیں۔ آپ بھی حدیث ”لا صلاة لمن لم يقرء بأم القرآن“ کا معنی یہی بیان کرتے ہیں: إن هذا اذا كان وحد. (جامع ترمذی، ج:۱، ص:۴۲)

حضرت سفیان عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حدیث میں جلالت قدر کو دیکھیے کہ آپ کس وضاحت سے فرماتے ہیں : لمن يصلی وحده. (سنن ابی داؤد، ج:۱، ص:۱۶۱)

امام بخاری بے شک اس حدیث کو مقتدیوں پر بھی لائے ہیں مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی تردید کردی ہے کہ یہ تشدد ہے۔

وشدد قوم من اهل العلم فی ترک قراءة فاتحة الكتاب و إن كان خلف الإمام فقالوا لا تجزی صلاة إلا بقراءة فاتحة الكتاب وحده أو خلف الإمام (جامع ترمذی، ص:۲۲)

اور کچھ لوگوں نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کے بارے میں تشدد اختیار کیا ہے۔ گو وہ (نمازی) امام کے پیچھے ہو وہ کہتے ہیں بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اکیلا ہو یا مقتدی۔

محدثین کا اس موقف کو تشدد قرار دینا بتلاتا ہے کہ اس وقت اس مسئلہ میں عامہ اہل علم کا موقف کچھ اور تھا؟

ہمیں اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں۔ ہم صرف یہاں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی علمی عظمت اور مجتہدانہ شان بیان کر رہے ہیں کہ آپ نے کس طرح اس حدیث کے عموم سے مقتدی کو نکال دیا اور حق یہ ہے کہ انھوں نے صحیح بات کو پالیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

(۳) ابوحبیبہ طائی نے استفسار کیا کہ میرے بھائی نے چند دینار فی سبیل اللہ دیے تھے اور مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میں ان کو کسی مصرف میں صرف کردوں۔ اب آپ فرمائیے کہ سب سے بہتر مصرف کون سا ہے؟ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک سب سے بہتر مصرف مجاہدین ہیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۹۸، دارالفکر)

(۴) ایک بزرگ کوفہ سے دمشق صرف ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئے، مسئلہ یہ تھا کہ شخص مذکور شادی پر رضا مند نہ تھا، اس کی والدہ نے جبراً شادی کردی، شادی کے بعد شوہر و بیوی کے درمیان الفت و محبت کی شمع روشن ہوگئی، اس کے بعد ماں نے کہا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو، اب وہ شخص طلاق دینے پر راضی نہ ہوا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی شق کی تعیین نہیں کرتا نہ طلاق دینے کا حکم دیتا ہوں، اور نہ والدہ کی نافرمانی جائز سمجھتا ہوں۔ تمھارا دل چاہے تو طلاق دیدو یا موجودہ حالت پر قائم رہو، لیکن یہ یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماں کو جنت کا دروازہ کہا ہے۔ (مصدر سابق)

جملہ مذکورہ باتوں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی فقہ و اجتہاد میں کیا شان تھی اور کس طرح آپ نے اپنی خداداد علمی صلاحیتوں کے ذریعہ اپنی فقہ و اجتہاد کی روشنی میں مسائل کی گتھیوں کو سلجھادیا۔

حلقۂ درس: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ذات اگرچہ فقہ و اجتہاد میں ممتاز تھی لیکن ان کا اصل سرمایہ اور طرۂ امتیاز قرآن مجید کا درس و تعلیم تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں پورے قرآن مجید کے حافظ تھے۔ حضرت ابودرداء کا حلقۂ درس مدینہ میں قائم تھا جب وہ عہد فاروقی میں شام گئے تو ان کی درس گاہ مرکز خلائق بن گئی۔ انھوں نے درس و تدریس کو محبوب مشغلہ بنالیا تھا۔ جامع عمر میں ہی وہ لوگوں کو قرآن و سنت اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ دوسرے علما بھی آپ کے معاون و مددگار ہوا کرتے تھے۔ دور دراز سے لوگ جوق در جوق حلقۂ درس میں شامل ہوتے۔ ایک دن حاضرین

کا شمار کیا گیا تو ۱۶۰۰/ طالب علم حلقۂ درس میں پائے گئے۔ طریقۂ درس یہ تھا کہ فجر کی نماز کے بعد جامع مسجد میں درس کے لیے جاتے تھے۔ شاگردان کے گرد جمع ہوتے وہ مسائل پوچھتے جاتے آپ جواب دیتے جاتے۔

ایک مرتبہ ایک طالب علم آپ کی خدمت میں مدینہ سے دمشق پہنچا تاکہ ایک حدیث معلوم کرے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم تجارت یا کسی ضرورت سے یہاں آئے ہو؟ اس نے کہا کہ میں صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں۔ جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی روایت کرتے ہیں میں صرف اسی حدیث کی سماع کے لیے آیا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم خوش ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ طلب علم کے لیے نکلتا ہے فرشتے اس کے لیے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور وہ جنت کا راستہ طے کرتا ہے اور اس کے لیے زمین و آسمان والے مغفرت کی دعا کرتے ہیں حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسی چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر اہل علم انبیا کے وارث ہیں اور وہ دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ جو شخص علم حاصل کرے گا وہ بڑا حصہ پائے گا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۱۹۶، دارالفکر)

کلام الٰہی اور کلام نبوت کے اس معلم و حکیم امت سے فیض پانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں اہم اور مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(صحابہ) انس بن مالک، فضالہ بن عبید، ابوامامہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ام درداء۔

(تابعین) سعید بن مسیب، بلال بن ابی درداء، علقمہ بن قیس، ابو مرہ مولی ام ہانی، خولانی، جبیر بن نضیر، سوید بن غفلہ، زید بن وہب، معدان بن ابی طلحہ، ابو حبیبہ طائی، ابوالسفر ہمدانی، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، صفوان بن عبداللہ، کثیر بن قیس، ابو بحریہ عبد اللہ بن قیس، کثیر بن مرہ، محمد بن سیرین، محمد بن سوید ابی وقاص، محمد بن کعب قرظی، ہلال بن یساف۔ (سیر الانصار، ج:۱، ص:۱۹۸)

وفات: جب حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی کی آس نہ رہی تو خوف الٰہی سے ان پر شدید گریہ طاری ہوا۔ آپ کی بیوی ام درداء نے کہا کہ آپ صحابی رسول ہیں پھر کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیوں نہ روؤں۔ خدا معلوم گناہوں سے کیوں کر چھٹکارا ہوا۔ اسی حالت میں یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے کہا کہ لوگوں کو میرے سفر آخرت کی خبر دے دو۔ اس خبر کے پھیلتے ہی لوگوں کا جم غفیر آپ کے دروازے پر جمع ہو گیا۔ آپ نے کہا کہ مجھے باہر لے چلو۔ باہر لے گئے تو لوگوں سے ایک حدیث بیان کی۔ اللہ اکبر! اشاعت حدیث کا فریضہ زندگی کے آخری سانس تک انجام دیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۶، ص:۴۴۳، دارالفکر)

جب حالت غیر ہونے لگی تو لوگوں سے فرمایا: مجھے کلمہ کی تلقین کرو۔ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور آپ اس کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ روح جسم اطہر سے عالم جاودانی کی طرف پرواز کر گئی۔ ۳۲ھ میں وفات پائی۔ (ایضاً، مصدر سابق)

آپ کی قبر شام کے مشہور شہر دمشق کی زینت بنی ہوئی ہے اور آج بھی امت مسلمہ آپ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہو رہی ہے۔

صحابۂ اہل فتویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

من أهل الفتوى

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت:۔۔۔۔وفات:۶۳ھ

محمد شہباز احمد رضوی، ارول، جماعت: فضیلت Mob.7236019980

اسم گرامی: ہند

کنیت: ام سلمہ

سلسلۂ نسب: ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

خاندانی پس منظر: آپ کا نسبی تعلق قبیلۂ قریش کے خاندان مخزوم سے ہے، والدہ ماجدہ عاتکہ بنت عامر بنو فراس سے تعلق رکھتی تھیں، والد ابوامیہ مکہ کے بڑے خیر خواہ، فیاض اور مخلص افراد میں سے تھے، جب سفر میں ہوتے تو قافلہ کی ضروریات اپنی جیب خاص سے پوری کرتے تھے؛ اسی لیے آپ کو ''زاد الراکب' کہا جاتا تھا، حضرت ام سلمہ نے ان ہی کے آغوش تربیت میں نہایت ناز ونعم کے ساتھ پرورش پائی۔

(الاصابہ، ج:۸، ص۴۰۴: ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی، سن اشاعت: ۲۰۰۲ء)

ولادت: آپ کی ولادت مکہ میں ہوئی، تاریخ ولادت نہیں مل سکی۔

قبول اسلام: ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت قدیم الاسلام ہیں، اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اپنے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایمان لائیں۔

نکاح: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل آپ کا نکاح حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن اسد بن ہلال کے ساتھ ہوا جو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔

ہجرت حبشہ: مکہ میں مسلمانوں کے اوپر جب ظلم وستم کا پہاڑ ٹوٹنے لگا اور صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، مہاجرین حبشہ کے ساتھ آپ نے بھی اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی، لیکن بعد میں جب مکہ کا ماحول کچھ سازگار ہوا تو واپس ہوگئیں۔

ہجرت مدینہ: مکہ واپس ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کی حالت اور ابتر ہو چکی ہے، کفار ومشرکین کا ظلم وستم اپنے عروج پر ہے، اب مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم ہوا، آپ کی ہجرت مدینہ کا واقعہ نہایت دردناک اور رقت آمیز ہے جس کو نامور مؤرخ ابن اثیر جزری نے یوں بیان کیا ہے:

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کرنا چاہتی تھیں، ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا، لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان والوں نے مزاحمت کی، اس لیے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنہا رخت سفر باندھ لیا اور مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے، ادھر حضرت ابو سلمہ کے خاندان والے حضرت ام سلمہ سے ان کے بچے سلمہ کو چھین کر لے گئے کہ یہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے، اس لیے آپ کی تکلیف میں اور اضافہ ہو گیا، روزانہ صبح سے شام تک اس مقام پر آکر بیٹھ جاتیں جہاں نم آنکھوں سے اپنے محبوب شوہر کو الوداع کہا تھا، زار و قطار روتی رہتی تھیں، تقریباً ایک سال تک یہ حالت رہی اور خاندان والوں کو احساس تک نہ ہوا، ایک دن ان کے خاندان کے ایک شخص نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا، اس نے گھر آکر لوگوں سے کہا: ''اس مسکینہ ام سلمہ کو کیوں رلاتے ہو؟ اسے ہجرت مدینہ کی اجازت کیوں نہیں دے دیتے؟'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں احساس ندامت پیدا فرما دیا اور روانگی کی اجازت مل گئی، آپ اپنے بچے کو گود میں لے کر تن تنہا مدینہ کی جانب چل پڑیں مقام تنعیم میں عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ کی نظر آپ پر پڑی، پوچھا، کدھر کا ارادہ ہے؟ جواب دیا، مدینہ کا، عثمان بن طلحہ بھی حفاظت کے واسطے ساتھ ہو گئے، جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور نخلستان مدینہ نظر آنے لگے تو عثمان بن طلحہ نے کہا: اے ام سلمہ! جس شہر میں تجھے جانا ہے دیکھو وہ تمھارے سامنے ہے، تم آگے بڑھو اور میں واپس جاتا ہوں، یہ کہہ کر مکہ لوٹ گئے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سے جا ملے۔

(اسد الغابہ، ج ۷:، ص ۳۲۹:، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی، سن اشاعت: ۲۰۰۲ء)

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت: آپ کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر اور احد میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں چند زخم کھائے اور جام شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرم نبوی میں: حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد گھر میں کہرام مچا ہوا تھا، آپ کہہ رہی تھیں ہائے غربت میں کیسی موت ہوئی، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور یہ کہو، اے اللہ! مجھے بہتر نعم البدل عطا فرما!

عدت گزر جانے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح لے کر پہنچے، حضرت ام سلمہ نے کہا: مجھے چند عذر ہیں: (۱) میں ایک غیرت مند خاتون ہوں (۲) صاحب عیال ہوں (۳) میرا کوئی ولی مدینہ میں موجود نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان زحمتوں کو گوارا فرمایا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اب کوئی عذر نہ تھا، اپنے لڑکے عمر سے کہا: اٹھو، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔ (الاصابہ، ج:۸، ص:۴۰۵)

فضل و کمال: علمی اعتبار سے تمام امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کا مقام بہت بلند تھا، اس لیے کہ انھوں نے بلا واسطہ مشکاۃ نبوت سے اکتساب فیض کیا تھا، مگر ان میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی جواب نہ تھا، جیسا کہ محمود بن لبید کا بیان ہے ''كان أزواج النبي صلى الله عليه و سلم يحفظن من حديث النبي صلى الله عليه و سلم كثيراً و لا مثلا لعائشة و ام سلمة'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج احادیث نبویہ کا مخزن تھیں، لیکن

ان میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا کوئی جواب نہ تھا۔

مروان بن حکم آپ سے مسئلہ پوچھتا تھا اور علانیہ کہتا تھا"کیف نسأل أحدا و فینا أزواج النبی صلی اللہ علیہ و سلم"سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں۔

(مسند، ج۴۴:، ص۲۹۲:، ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع اول، سن اشاعت:۱۹۹۵ء)

حافظ احادیث نبویہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کمال حفظ وضبط اور تبحر علم و فضل کے باوجود آپ کی بارگاہ میں زانوے ادب تہ کرتے تھے، تابعین کی ایک بڑی جماعت نے بھی آپ سے استفادہ کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم حدیث و فقہ میں مہارت کے ساتھ علم قراءت میں بھی کافی دسترس تھا، لحن کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں اور خاص سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس طرح قراءت کرتے تھے؟ جواب دیا، ایک ایک آیت الگ الگ کرکے پڑھتے تھے۔ پھر اس کے بعد خود پڑھ کر بتایا۔(حوالہ سابق، ص:۲۰۶)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو اسرار کا بھی علم سکھایا تھا، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے:

"ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے، آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "إن من أصحابی لمن یرانی بعد أموت أبداً" میرے بعض صحابی ایسے ہیں جن کو میں اپنے انتقال کے بعد نہ دیکھوں گا اور نہ وہ مجھے دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمٰن گھبرا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ حدیث بیان کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ ام المومنین میں حاضر ہوئے اور کہا:"أنشدك باللہ، أمنهم أنا" خدا کی قسم سچ سچ کہنا، کیا میں انہی میں سے ہوں؟ حضرت ام المومنین نے فرمایا:"لا، و لن ابری بعدك أحداً" نہیں، لیکن میں آپ کے علاوہ کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔"(حوالہ سابق، ص:۲۶۳)

ذہانت و فراست: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذہانت و فراست کا وافر حصہ ملا تھا، کسی معاملہ کی نوعیت کو خوب سمجھ لیا کرتی تھیں، آپ کی ذہانت وفطانت کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو جب حکم دیا کہ قربانی کرنے کے بعد احرام کھول دیں اور بغیر عمرہ کیے مدینہ لوٹ چلیں، اس لیے کہ اسی شرط پر صلح ہوئی ہے، اس وقت سارے لوگ اس شرط سے اس قدر رنجیدہ تھے کہ کوئی اپنی جگہ سے اٹھنے کے لیے تیار نہ ہوئے، اس لیے کہ صلح کے بعض شرائط مسلمانوں کے سخت خلاف تھے۔ مگر فرط ادب و تعظیم کے سبب کچھ بولنے کی جرأت بھی نہ کرسکے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے رائے دی کہ یارسول اللہ! آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں خود اپنی قربانی کریں اور بال ترشوالیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو قربانی کرنے کے بعد احرام کھولتے ہوئے دیکھا تو مایوس ہوئے کہ معاہدہ میں اب کوئی تبدیلی نہ ہوسکے گی، اس لیے سارے لوگوں نے بھی قربانی کرلی اور احرام کھول دیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ

منورہ واپس ہوئے۔(بخاری، ج:۱، ص:۳۸۰، ناشر: مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، سن اشاعت: ۲۰۰۷)

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کو جمہور کی فطرت شناسی میں کتنی مہارت تھی، خواتین اسلام کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

خدمت حدیث: احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط اور نشر و اشاعت میں خواتین اسلام میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ آپ کا کوئی مد مقابل نہ تھا، ۳۷۸/ احادیث آپ سے مروی ہیں، جن میں سے تین امام بخاری اور تیرہ امام مسلم نے روایت کیا ہے، تیرہ حدیثوں پر دونوں کا اتفاق ہے اور باقی دیگر کتابوں میں مروی ہیں، محدثین کے تیسرے طبقہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

فن حدیث میں اس مرتبہ پر فائز ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ سماع حدیث کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتیں، ایک دن بال گوندھوا رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ کی آواز کانوں سے ٹکرائی، فوراً گوش بر آواز ہوگئیں اور مسجد نبوی سے قریب ہوکر پورا خطبہ سنا۔(مسند، ج۴۴:، ص۱۹۹:)

حدیث کی اشاعت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خوب جذبہ تھا، حدیث رسول "بلغوا عنی و لو اٰیۃ" پر عمل کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کا بھتیجا آیا اور گھر میں دو رکعت نماز پڑھی، سجدہ گاہ غبار آلود تھی، اس لیے جب سجدہ کرتے تو مٹی کو پھونک مارتے تھے، جب حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا، "ابن أخی، لا تنفخ" اے بھتیجے! مت پھونک، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے غلام یسار سے کہتے ہوئے سنا، "ترب وجھك اللہ" تیرا چہرہ خدا کی راہ میں گرد آلود ہو۔(حوالہ سابق، ص۱۹۶:)

آپ سے علم حدیث حاصل کرنے والوں کی بڑی تعداد ہے، جن میں سے چند کے اسماء یہ ہیں: عبد الرحمٰن بن ابی بکر، اسامہ بن زید، نافع، شعبہ، مصعب بن عبد اللہ، ابووائل، شعبی، صفیہ بنت شیبہ، عروہ بن زبیر، کریب مولیٰ ابن عباس عمر، زینب، سعید بن مسیب عکرمہ، ابوعثمان الہندی۔

مجتہدانہ شان اور ان کے نمونے: ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مایہ ناز فقیہہ اور مجتہدہ تھیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو بے کراں قوت حفظ و ضبط کے ساتھ دقیقہ رسی، ژرف نگاہی اور قوت استنباط سے نوازا تھا، علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں، "کانت ام سلمہ موصوفۃ بالجمال البارع و العقل البالغ و الرأی الصائب". (الاصابہ، ج۸:، ص۴۰۶:، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کے تمام فتاویٰ کو جمع کر لیا جائے تو ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے، آپ کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً متفق علیہ ہیں، یہ آپ کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کمال ہے۔

آپ کی فقاہت کا اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جو مسند میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم طراز ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول تھا کہ رمضان میں جنبی کو فوراً صبح اٹھتے ہی غسل کرنا چاہیے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کسی نے جا کر حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا، دونوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں روزہ دار ہوتے تھے، جب حضرت ابوہریرہ نے یہ سنا تو چہرہ کا رنگ فق ہو گیا اور اپنے قول سے رجوع کرتے ہوئے کہا کہ میں کیا کروں، فضل بن عباس نے تو مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا، لیکن حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مجھ سے زیادہ علم ہے۔

(مسند، ج ۴۴: ص ۲۶۷: ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول، سن اشاعت: ۱۹۹۵ء)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، مروان بن حکم نے پوچھا، یہ کیوں پڑھتے ہیں؟ جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے، چوں کہ یہ حدیث انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلسلہ سے سنی تھی، مروان نے تصدیق کے لیے حضرت عائشہ کے پاس ایک آدمی بھیجا، انھوں نے کہا: مجھ کو ام سلمہ سے یہ حدیث پہنچی ہے، حضرت ام سلمہ کے پاس ایک آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا تو بولیں: ”يغفر الله لعائشة لقد وضعت أمري على غير موضعه أولم اخبرها ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قد نهى عنها“. اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ کی مغفرت فرمائے، انھوں نے بات نہیں سمجھی، میں نے ان سے یہ بھی تو کہا تھا کہ حضور نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

(حوالہ سابق، ص: ۱۸۵-۲۰۹)

تائید مذہب احناف: آپ کی روایت کردہ حدیثوں سے مذہب احناف کو کافی تقویت ملتی ہے، امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ ہے کہ جب ہر شی کا سایہ علاوہ سایۂ اصلی کے دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اس کی تائید ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جسے انھوں نے اس وقت فرمایا جب امراء نے نماز کے مستحب اوقات میں تبدیلی کی تو آپ نے انہیں تنبیہ فرمائی ”كان رسول الله صلى الله عليه و سلم أشد تعجيلا للظهر منكم و أنتم أشد تعجيلا للعصر منه“. رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ظہر تم سے جلد ادا کرتے تھے اور تمھاری حالت یہ ہے کہ تم عصر کی نماز جلد پڑھ لیتے ہو۔

(ترمذی، ج ۱: ص ۲۳: ناشر: مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، سن اشاعت: ۲۰۰۲ء)

اولاد: آپ کے شوہر اول حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں: سلمہ، عمر، درہ، زینب۔

اخلاق و اوصاف: آپ کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی، ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتی تھیں، ہمیشہ ثواب کی متلاشی رہتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ آپ نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے بچوں کی پرورش کے متعلق پوچھا کہ کیا ان پر خرچ کرنے سے ہمیں ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ بڑی سخاوت کرتی تھیں، فیاضی و دریادلی آپ کا وصف خاص تھا۔ آیت تطہیر آپ ہی کے گھر میں نازل ہوئی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر کمبل اڑھایا اور دعا کی: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گندگی کو دور فرما اور خوب ستھرا فرما! حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ ارشاد فرمایا: ”إنك إلىٰ خير“ بے شک تم بھلائی پر ہو۔ (مسند، ج: ٤٤، ص: ٢١٧)

وفات: امہات المومنین میں سب سے اخیر میں آپ کی وفات ہوئی، تاریخ وفات کے سلسلہ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ کی تاریخ وفات ۵۹ھ میں ہے، دوسرا قول ۶۳ھ کا ہے، مگر دوسرا قول زیادہ قرین قیاس ہے، جس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: میرے پاس ایک ایسا فرشتہ آیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا، اس نے مجھ سے کہا: آپ کا بیٹا حسین شہید ہو گیا، اگر چاہیں تو میں آپ کو اس سرزمین کی سرخ مٹی دکھا دوں جہاں وہ شہید ہو گا''۔ (حوالہ سابق، ص: ۱۴۴)

اس حدیث سے معلوم یہ ہوا کہ ام المومنین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت باحیات تھیں۔ وفات کے وقت عمر مبارک ۸۴؍ سال تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

من
أهل الفتوى

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۱۰ھ ما قبل ـ وفات: ۷۴ھ

محمد حفیظ الرحمٰن، صاحب گنج، جماعت: تحقیق فی الفقہ Mob.8127771928

اجمالی تعارف: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ **آپ کا نام:** سعد ابن مالک اور ابو سعید آپ کی کنیت ہے۔ **سلسلۂ نسب:** سعد ابن مالک ابن سنان ابن عبید ابن ثعلبہ ابن ابجر ابن عوف ابن حارث ابن خزرج ابن حارثہ ابن ثعلبہ ابن عمرو ابن عامر۔ **آپ کی والدہ کا نام:** انیسہ بنت ابی حارثہ نجار۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ ہجری ما قبل، مطابق ۶۱۷ء کو مدینہ شریف میں ہوئی۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد حضرت مالک بن سنان بنو خزرج کے بڑے نیک اور نامور شخص تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ انیسہ بنت ابی حارثہ قبیلہ عدی بن نجار کی ایک پاک دامن اور پارسا عورت تھیں۔ دونوں ہجرت نبوی سے قبل ہی انصار مدینہ کی دعوت پر اسلام قبول کر چکے تھے۔

آپ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ غزوۂ احد کے موقع پر جب چند ہی صحابہ حضور ﷺ کے پاس رہ گئے تھے، ان میں حضرت مالک بن سنان بھی تھے۔ کفار نے حضور ﷺ پر تیر چلائی، ایک تیر حضور ﷺ کے چہرۂ انور پر لگی، جس سے آپ کے سر مبارک اور لب زیریں زخمی ہوگئے اور خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اس وقت حضرت مالک بن سنان نے آپ کے پاکیزہ خون کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اس آب حیات کو زمین میں نہ ڈال کر خود پی لیا۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے تیر و تلوار کے واروں کو انھوں نے اپنے بازو اور جسم سے روکا اور اسی میں اپنی جاں نثار کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ابتدائی حالت: والد ماجد کے انتقال کے بعد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر روزی روٹی کی ذمہ داری آئی۔ چوں کہ آپ کے والد ماجد کوئی مالدار اور صاحب ثروت نہ تھے، انتقال کے وقت انھوں نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا۔ اس لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی ابتدائی زندگی میں فقر و فاقہ کا سامنا کرنا پڑا۔

"وروى أحمد وغيره، من طريق عطية، عن أبي سعيد، قال: قتل أبي يوم أحد شهيدا، وتركنا بغير مال، فأتيت رسول الله صلّى الله عليه وسلم أسأله، فحين رآني قال: «من استغنى أغناه الله، ومن يستعفّ يعفّه الله» . فرجعت."

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے اور انھوں نے کوئی مال ترکہ میں نہ چھوڑا۔ ایک دن میں فقر و فاقہ سے پریشان ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا کہ آپ سے کچھ مانگوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: جو ایسی حالت میں صبر و استغنا سے کام لے خدا اس کو غنی کر دے گا۔ یہ سن کر میں لوٹ گیا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، لابن حجر العسقلانی المتوفی:۸۵۲ھ، ج:۲، ص:۳۵، حرف السین، سعد بن مالک، مکتبۃ المثنی بغداد)

اس طرح سے انھوں نے صبر و قناعت کو اپنایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر و توکل کے صدقے اتنا نوازا کہ آپ انصارِ مدینہ میں مال و دولت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کردار بے صبروں کے لیے قناعت کا بہترین درس ہے۔

غزوات اور سرایا میں شرکت: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بڑے نڈر صحابی تھے۔ آپ نے ۱۲ غزوات میں شرکت کی۔ سب سے پہلے ۱۳ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ساتھ غزوۂ احد ۳ھ میں شرکت کے لیے گئے، لیکن کم سنی کے باعث سرکار نے آپ کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد آپ غزوۂ خندق، حدیبیہ، فتحِ مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، غزوۂ خیبر اور غزوۂ اوطاس میں جذبۂ ایثار سے سرشار ہو کر شریک ہوئے۔

''وشهد مع النبي صلى الله عليه وسلم اثنتي عشرة غزوة أولاها الخندق. وكان قوالا للحق، لا يرهب فيه أحدا مهما كان سلطانه، وعظيم شأنه.''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ غزووں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے، اولا غزوۂ خندق میں پھر باقی میں۔ آپ بڑے حق گو تھے، کبھی کسی سے نہ ڈرتے اگرچہ وہ بڑی شان و شوکت والا ہوتا۔

(تاریخ بغداد، ج:۱، ص:۱۸۰، ذکر بشارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصحابہ، من اسمہ ابو سعید)

علم و فضل: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقتصادی پریشانیوں کے باوجود بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں برابر حاضر ہوتے رہے اور معلم کتاب و حکمت سے خوب خوب فیض اٹھاتے رہے۔ حدیث کی طلب و جستجو میں آپ درجۂ حرص کو پہنچ گئے تھے۔

''أبو سعيد الخدري:هو، سعد بن مالك بن سنان الخدري الأنصاري الخزرجي، استشهد أبوه يوم أحد، ولم يترك له مالا فتحمل أبو سعيد هموم العيش ومصاعب الحياة صغيرا. لكن لم يمنعه ذلك عن حضور مجالس النبي صلى الله عليه وسلم، وتلقى الحديث عنه في رغبة وحرص فائقين، حتى تحمل عنه ما لم يتحمله من كان في مثل متاعبه المعيشية، فعد بحق من مشهوري الصحابة، وفضلائهم ومحدثيهم المكثرين ورواتهم النابهين.''

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے، ان کے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے، انھوں نے آپ کے لیے مال و جائداد نہ چھوڑی۔ بچپن ہی سے غمِ والد اور غمِ روزگار کا شکار بن گئے، تنگ دستی و عسرت دامن گیر رہی، مگر یہ غربت و افلاس انھیں بارگاہِ نبوی کی حاضری سے باز نہ رکھ سکی۔ وہ بڑی رغبت اور توجہ سے احادیث رسول کو اپنے

سینے میں محفوظ کرتے رہے۔ اس طرح وہ جماعتِ صحابہ میں کثیر الروایہ، صاحب الرائے اور فقیہ صحابی شمار کیے جانے لگے۔

(الحدیث والمحدثون لمحمد ابی زہور حمہ اللہ، ص:۱۳۵، دار الفکر العربی قاہرہ مصر)

”أَبُو سَعِيْدٍ الخُدْرِيُّ سَعْدُ بنُ مَالِكِ بنِ سِنَانٍ الإِمَامُ، المجَاهِدُ، مُفْتِي المدِيْنَةِ----وَحَدَّثَ عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَأَكْثَرَ، وَأَطَابَ، وَعَنْ: أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَطَائِفَةٍ. وَكَانَ أَحَدَ الفُقَهَاءِ المجْتَهِدِيْنَ. حَدَّثَ عَنْهُ: ابْنُ عُمَرَ، وَجَابِرٌ، وَأَنَسٌ، وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَقْرَانِهِ-“

مجاہدوں کے امام، مدینہ کے مفتی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کثیر احادیث کریمہ روایت کیں اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت سے آپ نے حدیثیں روایت کیں۔ نیز آپ فقہائے صحابہ میں سے ہیں۔

آپ سے صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کی ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کی۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:۴، ص:۳۲۰، دار الفکر بیروت)

تاریخ بغداد میں ہے:

”كان أبو سعيد من أفاضل الأنصار وحفظ عن رسول الله صلى الله عليه و سلم حديثا كثيرا وروى عنه من الصحابة جابر بن عبد الله وعبد الله بن عباس-

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں ممتاز جلیل القدر صحابی تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کثیر احادیث کریمہ یاد کیں، اور ان سے اکابر صحابہ کرام جیسے جابر ابن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس وغیرہ نے بھی حدیثیں روایت کیں۔

(تاریخ بغداد، الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ، ج:۱، ص:۱۸۰، ذکر بشارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصحابہ، ابو سعید، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۷ء)

آپ کی مرویات کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوتا ہے:

”عاش أبو سعيد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة وستين عاما، مكنته من تحمل الحديث عن كبار الصحابة ثم نشره، وأدائه إلى الناس، لذلك كثر المروي عنه حتى جاوز الألف. فقد نقل عنه أصحاب الحديث "١١٧٠" ألفا ومائة وسبعين حديثا اتفق الشيخان منها على "٤٦" ستة وأربعين وانفرد البخاري "١٦" بستة عشر حديثا، ومسلم باثنين وخمسين حديثا "٥٢".“

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ۶۴ سال باحیات رہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کبار صحابہ سے بھی کافی احادیث کریمہ حاصل کرکے لوگوں تک پہنچایا، جس کے سبب آپ کی مرویات کثیر ہوگئیں یہاں تک کہ ہزار سے تجاوز کرگئیں۔ محدثین کرام نے ان سے ۱۱۷۰ احادیث کریمہ نقل کیے۔ ان میں سے ۴۶ حدیثیں بخاری و مسلم دونوں میں ہیں، ۱۶ روایتیں صرف بخاری میں اور ۵۲ روایتیں صرف مسلم میں۔

(الحدیث والمحدثون، محمد ابوزہو، ص:۱۳۵، دار الفکر العربی قاہرہ مصر)

فقہ کی شان: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایتِ حدیث کے ساتھ درایتِ حدیث پر بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے مسائل کا استخراج آپ کی امتیازی شان تھی۔ آپ بہت بڑے فقیہ صحابی تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"قال حنظلة بن أبي سفيان، عن أشياخه: كان من أفقه أحداث الصحابة- وقال الخطيب: كان من أفاضل الصحابة وحفظ حديثا كثيرا.

حنظلہ بن سفیان جمحی نے اپنے بعض مشائخ سے روایت کی، فرمایا: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نو عمر صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔

حضرت خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ترین صحابہ میں تھے، انھوں نے کثیر احادیث کریمہ اپنے سینے میں محفوظ کیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، ج:۲، ص:۳۵، حرف السین/سعد بن مالک، مکتبۃ المثنی بغداد)

شانِ فقاہت کی ایک مثال: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً بہت بڑے فقیہ صحابی تھے۔ درج ذیل روایت سے آپ کی فقہی شان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"حَيَّانُ يَعْنِي ابْنَ عُبَيْدِ اللهِ الْعَدَوِيَّ , قَالَ: سُئِلَ لَاحِقُ بْنُ حُمَيْدٍ أَبُو مِجْلَزٍ , وَأَنَا شَاهِدٌ , عَنِ الصَّرْفِ , فَقَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يَرَى بِهِ بَأْسًا زَمَانًا مِنْ عُمْرِهِ , حَتَّى لَقِيَهُ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ , فَقَالَ لَهُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَلَا تَتَّقِي اللَّهَ حَتَّى مَتَى تُوَكِّلُ النَّاسَ الرِّبَا؟ أَمَا بَلَغَكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَتِهِ: «إِنِّي أَشْتَهِي تَمْرَ عَجْوَةٍ» وَإِنَّهَا بَعَثَتْ بِصَاعَيْنِ مِنْ تَمْرٍ عَتِيقٍ إِلَى مَنْزِلِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ , فَأُوتِيَتْ بَدَلَهُمَا تَمْرَ عَجْوَةٍ , فَقَدَّمَتْهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْجَبَهُ , فَتَنَاوَلَ تَمْرَةً ثُمَّ أَمْسَكَ فَقَالَ: «مِنْ أَيْنَ لَكُمْ هَذَا؟» قَالَتْ: بَعَثْتُ بِصَاعَيْنِ مِنْ تَمْرٍ عَتِيقٍ إِلَى مَنْزِلِ فُلَانٍ , فَأَتَيْنَا بَدَلَهُمَا مِنْ هَذَا الصَّاعِ الْوَاحِدِ , فَأَلْقَى التَّمْرَةَ مِنْ يَدِهِ , وَقَالَ: «رُدُّوهُ رُدُّوهُ , لَا حَاجَةَ فِيهِ , التَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ , وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ , وَالذَّهَبُ بِالذَّهَبِ , وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ , يَدًا بِيَدٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ لَيْسَ فِيهِ زِيَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ , فَمَنْ زَادَ أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَرْبَا , فَكُلُّ مَا يُكَالُ أَوْ يُوزَنُ» فَقَالَ: ذَكَّرْتَنِي يَا أَبَا سَعِيدٍ أَمْرًا نَسِيتُهُ , اسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ , وَكَانَ يَنْهَى بَعْدَ ذَلِكَ - يَعْنِي عَنْهُ - أَشَدَّ النَّهْيِ-

حیان ابن عبید اللہ عدوی فرماتے ہیں: لاحق ابن حمید ابو مجلز سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا گیا۔ میں وہاں حاضر تھا۔ تو انھوں نے کہا: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک زمانہ تک اس بیع میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: اے ابن عباس! آپ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ آپ نے ربا کو لوگوں کے حوالے کر دیا؟ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی ؟

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: مجھے عجوہ کھجور کی خواہش ہے۔ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی صحابی کے گھر پرانے کھجور بھیجی تھیں اور اس کے بدلے انھیں اچھے کھجور ملے تھے۔ تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسے پیش کیا، آپ کو اچھا لگا۔ آپ نے ایک کھجور لیا، پھر ہاتھ روک لیا اور فرمایا: تمھارے پاس یہ کہاں سے آیا؟ فرمائیں: میں نے دو صاع پرانے کھجور فلاں کے گھر بھیجا تو انھوں نے اس کے بدلے ایک صاع یہ سب کھجور بھیجا۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کھجور رکھ دیا اور فرمایا: اسے واپس کر دو، اسے واپس کر دو۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کھجور کھجور کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، سونا سونا کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر ہاتھوں ہاتھ نقد جائز ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی ہو تو ربا ہے۔

تو ہر وہ جسے ناپا یا تولا جائے اس حکم میں شامل ہے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ اے ابو سعید! آپ نے مجھے ایک عظیم مسئلہ یاد دلایا، جسے میں بھول گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرے، اسی کی بارگاہ میں رجوع لاتا ہوں۔ اس کے بعد سے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیع صرف کی سخت نفی فرمایا کرتے تھے۔

(الفقیہ والمتفقہ، للخطیب البغدادی، ج:۱، ص:۳۴۳،۳۴۲، بَابُ الْقَوْلِ فِي الصَّحَابِيِّ يَرْوِي حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَعْمَلُ بِخِلَافِهِ ، دار ابن الجوزي - السعودية)

حلقۂ درس اور فقہ وافتا: مسجد نبوی شریف میں مستقل طور پر حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درس لگتا تھا۔ مسجد نبوی کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی بسا اوقات درس دیا کرتے تھے۔ آپ کا حلقۂ درس کافی وسیع تھا، آپ کے سامنے مسائل دریافت کرنے والوں کی بڑی بھیڑ ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق آپ نہایت خندہ پیشانی سے ہر ایک کا استقبال فرماتے اور انھیں فقہ وحدیث سے سیراب فرمایا کرتے تھے۔

”عن أبي سعيد الخدري، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: « سيأتيكم شباب من أقطار الأرض يطلبون الحديث. فإذا جاءوكم فاستوصوا بهم خيرا »

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اطراف عالم سے لوگ تمھارے پاس طلبِ علم کے لیے آئیں گے۔ تو تم انھیں خیر کی وصیت کرنا۔

(شرف اصحاب الحدیث، ص:۳۵، باب:وصية النبي صلى الله عليه وسلم:بإكرام أصحاب الحديث، موقع جامع الحديث)

”عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ , قَالَ: كُنَّا نَأْتِي أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ وَنَحْنُ غِلْمَانٌ , فَنَسْأَلُهُ فَيَقُولُ: مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «سَيَأْتِيكُمْ أُنَاسٌ يَتَفَقَّهُونَ , فَفَقِّهُوهُمْ , وَأَحْسِنُوا تَعْلِيمَهُمْ» قَالَ: فَكَانَ يُجِيبُنَا بِمَسَائِلِنَا , فَإِذَا نَفِدَتْ حَدَّثَنَا بَعْدُ حَتَّى نَمَلَّ-

شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ ہم نوجوان حدیث اور دینی باتیں معلوم کرنے کے لیے حضرت ابو سعید خدری کی خدمت میں آتے تھے۔ تو وہ فرماتے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت مبارک کو مرحبا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا

کہ جلد ہی لوگ تمھارے پاس تفقہ فی الدین کے لیے آئیں گے، تم انھیں تفقہ فی الدین کی اچھی طرح تعلیم دینا۔ پھر آپ ہمارے سوالات کے تشفی بخش جوابات عنایت فرماتے اور مسائل کے بعد ہمارے اکتانے تک حدیث بیان کرتے رہتے۔

(الفقیہ والمتفقہ، للخطیب البغدادی، ج:۲، ص:۲۳۸،۲۳۷، استقبالہ المتفقھۃبالترحیب بھم واظھار البشر لھم،دارالابن الجوزی.السعودیۃ)

تلامذہ: آپ کے حلقۂ درس سے فیض یافتگان کی بے شمار تعداد ہے اور کیوں نہ ہو کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے کثیر متبعین اور بلادِ عالم سے آنے والے شاگردوں کے متعلق بشارت دی ہیں۔

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : إن الناس لكم تبع وإن رجالا يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيرا"۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تمھارے تابع ہوں گے اور اطراف عالم سے تمھارے پاس تفقہ فی الدین کے لیے آئیں گے، تم انھیں بھلائی کی وصیت کرنا۔

(ابجد العلوم،لصدیق بن حسن القنوجی، ج: ۱، ص: ۹٤، باب الاعلام الاول فی شرفہ وفضلہ،دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۸ء)

ان میں سے چند کے اسمائے گرامی امام ذہبی علیہ الرحمہ کے حوالے سے مندرجہ ذیل ہیں:

عبداللہ ابن عمر، جابر، انس بن مالک، عامر بن سعد، عمرو بن سلیم، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، نافع عمری، بسر بن سعید، بشر بن حرب ندبی، ابو الصدیق ناجی، ابو وداک، ابو المتوکل ناجی، ابو نضرہ عبدی، ابو صالح سمان، سعید بن المسیب، عبد اللہ بن خباب، عبد الرحمٰن بن ابی سعید الخدری، عبد الرحمٰن بن ابو نعم، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، عطا بن یزید لیثی، عطا بن یسار، عطیہ عوفی، ابو ہارون عبدی، عیاض بن عبد اللہ، قزعہ بن یحیی، محمد بن علی باقر، ابو ہیثم سلیمان بن عمرو عتواری، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن۔ وغیرہ

وفات: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔

"قال الواقديّ: مات سنة أربع وسبعين. وقيل أربع وستين. وقال المدائني: مات سنة ثلاث وستين. وقال العسكريّ: مات سنة خمس وستين.

امام واقدی نے فرمایا: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷۴ ہجری میں وفات پائے۔ بعض نے کہا ۶۴ھ میں، امام مدائنی نے کہا ۶۳ھ میں اور امام عسکری نے فرمایا کہ آپ ۶۵ ہجری میں وفات پائے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر العسقلانی، ج:۲، ص:۳۵، حرف السین، سعد بن مالک، مکتبۃ المثنی بغداد)

ان اقوال میں سے راجح قول امام واقدی کا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸۶ سال کی عمر تک اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغامات دنیا کو پہنچا کر ۷۴ھ بروز جمعہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور جنت البقیع کی جنتی کیاری میں مدفون ہوئے۔

من أهل الفتوى

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۵۵ھ

محمد سرفراز احمد مصباحی، سیتامڑھی، جماعت: تخصص فی الحدیث 9598315181

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرام کو ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی تھی ان دس خوش نصیب اصحاب رسول میں سے ایک حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت جن کی زندگی کا منشور عالی اور طرہ امتیاز تھا۔

اسم گرامی: نام سعد، اور کنیت ابواسحاق، اور لقب فارس اسلام تھا، والد گرامی کا نام مالک اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۲ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق کوئی صراحت مذکور نہیں ہے البتہ عام کتب تاریخ میں ہجرت سے تیئس سال قبل کی صراحت مذکور ہے

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلہ نسب اس طرح تھا ابواسحاق سعد بن ابی وقاص مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب الامیر۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۱ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

خاندانی پس منظر: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ زہرہ سے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہال بھی اسی خاندان زہرہ میں تھا یعنی آپ کی والدہ اسی خاندان زہرہ سے تھیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ کے چچا کے لڑکے تھے کیوں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی بیٹی تھیں اور دونوں کا سلسلۂ نسب عبد مناف میں مل جاتا ہے اور عرب میں ماں کی طرف والوں کو ماموں کہا جاتا ہے جس کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتے کے ماموں تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۶ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

قبول اسلام: سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عنفوان شباب تھا اور دعوت حق کی صدا کانوں تک پہونچی تو مشرف باسلام ہوگئے۔ آپ کے اسلام لانے کا مختصر واقعہ یہ کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سعد سے روایت کی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے مسلمان ہونے سے پہلے خواب دیکھا کہ گویا میں تاریکی میں ہوں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے، ناگاہ میں میرے سامنے چاند روشن ہوگیا ہے اور میں اس کے پیچھے چلا جاتا ہوں اور گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس چاند کی طرف مجھ پر کون سبقت لے گیا ہے

اور پھر زید بن حارثہ اور علی بن ابی طالب اور ابو بکر علیہم الرضوان کو دیکھتا ہوں اور ان سے پوچھتا ہوں کہ تم لوگ اس جگہ کب پہونچے ؟ان لوگوں نے جواب دیا کہ ابھی پہونچا ہوں۔ پھر چند روز کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ پوشیدہ طور پو دعوت اسلام دیتے ہیں۔ پھر میں رسول اکرم ﷺ سے نماز عصر کے اجیاد کے گھاٹی میں ملا اور مسلمان ہو گیا اور ان لوگوں کے سوا کوئی بھی اسلام لانے میں مجھ پر سبقت نہیں کر سکا جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

(اسد الغابہ، ج:۲،ص:۴۵۵مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

داؤد بن ابو ہند نے ابو عثمان نہدی سے روایت کیا کہ سعد بن ابی قاص نے کہا کہ آیت کریمہ: وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا (سورۂ لقمان، آیت:۱۵)

"اگر تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو تو تم ان کا کہنا نہ مانو" یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کا بہت مطیع تھا جب میں مسلمان ہو گیا تو میری والدہ نے کہا اے سعد! یہ کیا دین ہے جس کو تونے پیدا کیا ہے ؟ مجھے قسم ہے کہ تو اپنے اس دین کو چھوڑ دے ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی یہاں تک کی مر جاؤں گی اور لوگ تمہیں ہدف تنقید بنائیں گے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے والدہ! ایسا نہ کرنا کیوں کہ میں اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ سعد کی والدہ نے ایک دن ایک رات کھانا نہیں کھایا اور سخت بے چینی میں رہیں تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تمھاری ہزار جانیں ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکل جاتی تو بھی میں اس دین کو کسی وجہ سے نہیں چھوڑتا جب والدہ نے اس حالت کو دیکھا تو کھانے پینے لگیں اللہ تعالی کو یہ شان استقامت ایسی پسند آئی کہ معصیت الٰہی میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کا قانون وضع کر دیا گیا۔

(اسد الغابہ۔ ج:۲،ص:۴۵۵مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھ اور ایک قول کے مطابق چار آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور مسلمان ہونے کے وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ (اسد الغابہ، ج:۲،ص:۴۵۳مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ذات رسول ﷺ سے وابستگی: ذات رسول ﷺ سے وابستگی اور محبت و جاں نثاری آپ کی زندگی کا منشور عالی اور طرہ امتیاز تھا، اکثر و بیشتر غزوات میں رسول اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے، چناں چہ غزوہ احد میں جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہ پریشانی اور گھبراہٹ کے سبب منتشر ہو گئے تو اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص نے خیر الانام کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا، سفر میں عموما خود شوق سے رسول اکرم ﷺ کے خیمے کے گرد رات بھر پہرا دیتے۔ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا، آں حضرت ﷺ دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کاش! میرے اصحاب میں کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کون ؟ عرض کیا سعد ابن ابی وقاص ارشاد ہوا تم کیسے آئے ؟ عرض کی "خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنی چاہیے اس فریضہ کو انجام دینے آیا

ہوں، رسول اللہ ﷺ اس جاں نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔(صحیح مسلم، ج:۲، ص:۲۸۰، مناقب سعد، مجلس برکات)

رسول اکرم ﷺ کے نزدیک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کس قدر عزیز تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا: هذا خالي فليرني أمر خاله (ترمذی، ج:۲، ص:۲۱۶)

یعنی یہ میرے ماموں ہیں کوئی مجھے ان جیسا اپنا ماموں دکھائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللهم استجب لسعد اذا دعاك''. (ایضا)

الٰہی سعد کو مستجاب الدعوات بنا دے۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۶ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وابستگی ذات رسول ﷺ سے اس قدر مضبوط تھی کہ آپ سفر و حضر میں رسول اکرم ﷺ کی صحبت و معیت میں شامل رہے، حب رسول ﷺ اور جذبہ طاعت و خدمت سے تا دم مرگ سرشار رہے۔

غزوات و سرایا میں شرکت: حضرت سعد رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق اور تمام مشاہد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے اور جنگ احد کے دن بہت بڑی آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے چناں چہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہ پہلے جاں نثار صحابی رسول ﷺ ہیں جنہوں نے اللہ تعالی کی راہ میں (کافروں کا) خون بہایا اور تیر چلایا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا، بخدا! ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد کرتے تھے۔(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۴۵۴ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا سردار مقرر کیا جس کو فارسیوں کے مقابلے کے واسطے روانہ کیا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی اس لشکر کے سردار تھے جس نے فارسیوں کو قادسیہ اور جلولا میں شکست دی تھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی ماتحت فوج کا کچھ حصہ جلولا کی طراف روانہ کر دیا تھا جس نے وہاں جا کر شکست دی، حضرت سعد ہی نے کسریٰ کے مدائن کو عراق میں فتح کیا تھا اور یہی کوفہ کے بانی اور عراق کے والی مقرر ہوئے تھے۔(ایضا)

حضور ﷺ اور مسلمان مدینہ میں آزاد تھے مگر کفار قریش کی چڑھائی کا ہمیشہ خطرہ لگا رہتا تھا چناں چہ کفار کی نقل و حرکت دیکھنے کے لیے عابدہ ابن حارث کی سرکردگی میں ساٹھ یا اسی سواروں کو روانہ کیا جن میں حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی شامل تھے اسی درمیان کفار قریش کے ایک بڑے دستے سے مڈ بھیڑ ہو گئی، چوں کہ تجسس حال کی وجہ سے جنگ تو نہیں ہوئی مگر حضرت سعد بن ابی وقاص نے کفار قریش کی جانب ایک تیر چلا دیا اور یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا میں دین کی حمایت کی خاطر چلایا گیا۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۳، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

کفار کے خلاف جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے بڑی جاں بازی اور دلیری کا مظاہرہ فرمایا چناں چہ جنگ بدر میں سعید ابن العاص کو قتل کیا اور جنگ احد میں جب کافروں کا غلبہ ہوا اور لشکر اسلام کے پیر اکھڑ گئے تو جو صحابہ شمع رسالت کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھے ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے چناں چہ رسول اکرم ﷺ اپنے

ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے ”اے سعد! تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر قربان“ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی کے بارے میں فداک ابی وامی کہتے ہوئے نہیں سنا مگر احد کے دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے سعد! تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں، اس کے علاوہ حق وباطل کے تمام معرکوں میں شامل رہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ہجری میں ہمرکابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف بھی حاصل کیا۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۴۵۳ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فتوحات: ایرانیوں نے عراقی مقبوضات پر قبضہ کرنے کے لیے جب رستم کی قیادت میں بہت بڑا لشکر تیار کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار مجاہدین کو حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں عراق روانہ کیا اور اسلامی لشکر قادسیہ میں فروکش ہوا، رستم تین لاکھ ایرانیوں کے ساتھ مقابلے میں آیا اور تاریخ اسلام کا عظیم معرکہ شروع ہوا جنگ کا سلسلہ تیسرے دن تک دراز رہا حتی کہ تیسرے دن شب میں بھی جنگ ہوتی رہی بالآخر ایرانی شکست کھا کر بھاگ گئے اور ان کا سپہ سالار رستم قتل کیا گیا۔ فتح قادسیہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بابل پھر بہرہ شیر فتح کیا اب اگلی منزل ایران کا پایہ تخت مدائن تھا مگر بیچ میں دریائے دجلہ حائل تھا ایرانیوں نے سارے پل توڑ ڈالے تھے مگر حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولوالعزمی کے سامنے دنیا کی کون شی حائل ہو سکتی تھی چناں چہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجاہدین اسلام سے کہا کہ دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لیا، آؤ اس کو بھی تیر جائیں یہ سنتے ہی مسلمانوں نے پر جوش دریا میں اپنے گھوڑے ڈال دیے اور دریا کا سینہ چاک کرتے ہوئے مدائن کے ساحل پر اتر پڑے یہ حیرت انگیز حوصلہ دیکھ کر ایرانی پکار اٹھے ”فارس اسلام آ گئے“ اور ایرانی فوج نے مدائن خالی کر دیا جس پر مسلمانوں کی تسخیر سے پورا عراق عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا (تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۱، ص۲۲ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فقہی ژرف نگاہی اور ان کے نمونے: بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی اور حد درجہ قرابت ومحبت کی وجہ سے ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسب علم کا بہت زیادہ موقع نصیب ہوا، اسی جستجوئے علم کے بے پایاں شوق نے آپ کے دامن علم کو بہت وسیع کر دیا تھا اور کبھی کسب علم میں کوتاہی نہیں برتی اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آتی ان کے پوچھنے میں بالکل پس و پیش نہ کرتے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چشمہ علم کے فیضان کی وجہ سے آپ کو مسائل فقہیہ اور علوم حدیث میں کامل درک حاصل تھا اور اجتہاد واستنباط میں بھی نمایاں مقام حاصل تھا۔ جن کے نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

آپ کے فقہی ژرف نگاہی کی ایک نظیر یہ ہے: ابان بن عثمان سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص سے خفین پر مسح کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں خفین پر مسح ہے، مسافر کے لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات مسح مشروع ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱، ص:۱۸۲، باب فی المسح علی الخفین، حدیث:۱۹۲۱)

آپ کے فقہی ژرف نگاہی کی دوسری مثال یہ ہے: قیس بن ابو حازم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک

شخص نے سعد بن ابی وقاص سے مس ذکر کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اس کے چھونے سے وضو ہے؟ تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمھارے جسم کا یہ حصہ ناپاک ہے تو اس کو کاٹ ڈالو، یعنی یہ فرمانا چاہتے تھے کہ ذکر ناپاک نہیں ہے لہذا مس ذکر سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۱، ص:۱۹۰، باب، من کان لا یری فیہ وضوء)

آپ کی اجتہادی شان اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص کے علاوہ کوئی ایسا فقیہ نہیں دیکھا جو مغرب سے پہلے نماز ادا کرتے ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲، ص:۳۵۷، باب، من کان یشرع الی الصلوۃ، حدیث:۷۴۶۴)

آپ کے اجتہادی شان کی دوسری نظیر یہ ہے: حمید بن مالک سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص سے پوچھا کہ میرا ایک شکاری کتا ہے جسے ہم شکار کے لیے استعمال کرتے ہیں تو وہ اسے کاٹتا بھی ہے اور کھا بھی لیتا ہے تو اب ہم اس بچے ہوئے شکار کا کیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایک ٹکڑا بھی چھوڑ دے تو اسے کھالو۔ آپ کا یہ اجتہاد تھا کہ آپ نے اس خوردہ کو اس کے لیے جائز قرار دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۵، ص:۳۵۸، باب الکلب یرسل علی صیدہ، حدیث:۱۹۹۴۰)

آپ کے مجتہدانہ شان کا تیسرا نمونہ یہ کہ آپ سفر میں پوری نماز ادا کرتے اور روزہ بھی رکھتے یعنی نہ ہی قصر فرماتے اور نہ ہی روزہ چھوڑتے، چناں چہ ایک مرتبہ آپ نے صحابیِ رسول کی ایک جماعت کے ساتھ سفر کیا تو آپ نے سفر میں قصر نہ کرتے ہوئے پوری نماز ادا کی اور روزہ بھی رکھا جب کہ آپ کے صحابی ساتھیوں نے نماز میں قصر کی اور روزہ بھی نہ رکھا تو صحابہ کرام کی جماعت نے آپ سے سوال کیا کہ ہم لوگ کیسے قصر کرتے ہیں اور افطار کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ تمھارا معملہ تمھارے ساتھ ہے اور ہمارا معاملہ ہمارے ساتھ ہے میں اپنی حالت اچھی طرح جانتا ہوں۔ راوی فرماتے ہیں: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہ تو اسے حرام کہا اور نہ ہی ان سے منع فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲، ص:۵۶۰، باب من اتم فی السفر، حدیث:۴۴۵۹)

ان مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آپ سے سوال کرتا تو آپ اپنی خداداد علمی صلاحیت اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل شدہ علم کی روشنی میں اس کا عمدہ جواب عنایت فرماتے اور لاینحل مسائل کا بھی حل آسانی سے فرما دیتے، مذکورہ نمونے آپ کی فقہی بصیرت اور اجتہادی شان کو بیان کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ آپ علم حدیث کے بھی بحر ذخار تھے، کتب حدیث میں آپ کی مرویات کی تعداد دو سو پندرہ ہے، جن میں سے پندرہ احادیث صحیحین میں مروی ہیں۔ اور آپ سے روایت کرنے والے اہل علم وفضل حضرات یہ ہیں:

" ابراہیم، عامر، عمر، محمد، (فرزندان) مصعب، عائشہ، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، عبد اللہ ابن عباس، ابن عمر، جابر ابن سمرہ، سائب بن یزید، قیس بن عبادہ، عبد اللہ بن ثعلبہ بن صغیر، ابو عثمان نہدی، ابو عبد الرحمن سلمی، علقمہ بن قیس بسر بن

سعید، ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف، احنف بن قیس، شریح ابن ہانی، عمرو بن میمون اودی، مالک بن اوس، بن حدثان، مجاہد بن جبر، ابو عبداللہ بن دینار بن قراط، غنیم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۹۰)

وفات: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عتیق میں اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا چناں چہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی آخر عمر میں قویٰ مضمحل ہوگئے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی یہاں تک کہ ۵۵ ہجری میں طائر روح نے باغ رضواں کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لیے اس قفس عنصری کو خیر آباد کہا۔

تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے، ستر برس سے زیادہ کی عمر پائی، اس عرصہ میں آپ عظیم الشان کارناموں کی ایسی عظیم یادگار چھوڑ گئے کہ آپ کے اخلاف قیامت تک فخر ومباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۲)

من أهل الفتوى

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۳۵ھ

محمد ریاض الدین، مظفرپور، جماعت: سادسہ 7763066637

نام: سلمان، **کنیت:** ابو عبداللہ، **لقب:** سلمان الخیر ہے۔

سلسلہ نسب: مابہ (سلمان) بن بوذخشان بن مور سلان بن بہبوذان بن فیروز بن سہرک۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۵۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳، از: ابن حجر عسقلانی)

جب آپ اسلام کے دامن رحمت میں آئے تو آپ کے دل میں اسلام کی محبت اس قدر گھر کر گئی کہ جب بھی نسب کے بارے میں آپ سے دریافت کیا جاتا تو آپ یہ فرمایا کرتے "أنا سلمان ابن اسلام من بنی آدم". (میں اولاد آدم سے ہوں اور فرزند اسلام سلمان ہوں) (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۹۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲، از: أبی عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ)

ولادت: تاریخ پیدائش کتابوں میں مذکور نہیں۔ صراحت کے ساتھ جائے پیدائش کا سراغ بھی نہ لگ سکا۔

تعلیم و تربیت: آپ ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ آپ نے اپنے مذہب مجوسیت کی تعلیم گھر پر والدین اور دیگر اساتذہ سے حاصل کی ہوگی۔ اس کی تائید آپ کے ایک قول سے تقریباً ہو جاتی ہے۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں: اجتهدت فی المجوسية حتى كنت قطن النار الذى يوقدها، لا نيركها تخبو ساعة.

(سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۲۱۴-۲۱۵، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، لبنان، پرانا نسخہ)

ترجمہ: میں نے مجوسیت میں اس قدر کوشش اور جانفشانی سے کام لیا کہ بالآخر آتش کدے کا خادم خاص بن گیا اور آگ اس طرح روشن رکھتا تھا کہ وہ پل بھر کے لیے بھی بجھنے نہ پاتی تھی۔

اسی طرح فارسی زبان و ادب کی تحصیل میں بھی آپ نے بڑی محنت و مشقت کا مظاہرہ فرمایا جیسا کہ زیاد البکائی کی روایت میں آپ کا یہ قول ملتا ہے: إجتهدت فی الفارسية.

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۵۱۱، ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ک بیروت۔ لبنان،)

قبول اسلام: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجوسی تھے۔ دین مجوس چھوڑ کر نصاریٰ اختیار کیا۔ علمائے یہود اور علمائے نصاری کی زبانی انھوں نے سن رکھا تھا کہ خاتم الانبیا مبعوث ہونے والے ہیں اور وہ ہجرت کر کے مدینہ آئیں گے۔ اس لیے انھوں نے

مدینہ کی راہ لی۔ راستے میں کئی جگہ بکے بھی۔ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے، وہ ان دنوں ایک یہودی کے غلام تھے۔ خدمت رسول میں حاضر ہوئے۔ کچھ چیزیں پیش کیں اور کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں صدقہ نہیں کھاتا مجھ پر حرام ہے۔ دوسرے دن آئے اور کچھ چیزیں پیش کر کے کہا کہ یہ ہدیہ ہے۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن جاکر پشت مبارک پر مہر نبوت بھی دیکھ لی اور فوراً مسلمان ہوگئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب اس لیے کیا کہ انھوں نے پہلے ہی معلوم کرلیا تھا کہ وہ صدقہ نہیں کھائیں گے۔ ہدیہ قبول کریں گے اور ان کے پشت پر مہر نبوت ہوگی۔ ان کے اس عمل سے ان باتوں کی تصدیق ہوگئی۔

غلامی سے آزادی: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اپنی آزادی کی فکر کرو۔ انھوں نے اپنے مالک سے کہا کہ کچھ مال لے کر مجھے پروانۂ آزادی دے دو۔ اس نے چالیس اوقیہ سونے پر آزادی کی شرط رکھی اور یہ بھی شرط لگائی کہ تین سو چھوہارے کے درخت لگائیں۔ جب وہ بارآور ہوجائیں تب تمھاری آزادی ہے۔ کھجور کے درخت میں پھل آنے کے لیے کافی وقت چاہیے لیکن سرکار نے جاکر اپنے دست مباک سے چھوہارے کے درخت لگائے۔ وہ سب اسی سال بارآور ہوئے۔ صرف ایک درخت حضرت عمر نے لگایا تھا وہ بارآور نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اکھاڑ کر اپنے ہاتھوں سے لگادیا وہ بھی بارآور ہو۔ اور ایک انڈے کی مقدار سونا غنیمت میں آیا تھا۔ آپ نے وہ سونا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا اور کہا کہ اسے دے کر آزاد ہوجاؤ۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! چالیس اوقیہ کی شرط ہے۔ کیا یہ کافی ہوگا۔ آپ نے زبان مبارک اس سونے پر پھیر دیا اور برکت کی دعا کی۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے وزن کیا تو وہ ٹھیک چالیس اوقیہ تھا، نہ کم نہ زیادہ۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے ادا کر کے آزاد ہوگئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۲۱۴-۲۲۰، ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب، ملخصا، مطبوعہ، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض،)

گو کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے سبب میں اختلاف ہے لیکن اکثر مؤرخین نے مذکورہ واقعہ ہی کو اپنی اپنی کتابوں میں اختیار کیا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۴۴۱-۴۴۴، الطبقات الکبری، لمحمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری المعروف بابن سعد، ج:۴، ص:۵۶-۵۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۷)

غزوات میں شرکت: آزادی کے بعد سب سے پہلی لڑائی خندق میں شریک ہوئے۔ پھر آپ ہی کے مشورہ سے مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تاکہ دشمنوں کا ٹڈی دل لشکر مدینہ میں گھس نہ آئے۔ یہ تدبیر پورے طور پر کارگر ثابت ہوئی۔ بالآخر دشمن عاجز آکر پسپا ہوئے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی۔ عہد فاروقی میں عراق وایران کی لڑائیوں میں داد شجاعت دی اور مدائن کے والی مقرر ہوئے۔ (مشاہیر حدیث، عاصم اعظمی، ہندوستانی، ص:۲۳۳ مطبوعہ: کمال بکڈپو، مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو، یوپی، سن اشاعت ۲۰۱۴)

حدیثی خدمات: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ جن لوگوں کا کام ہی پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنا تھا۔ چناں چہ ان بزگوں سے کئی احادیث کی روایت عمل میں آئی۔ آپ سے بھی کئی احادیث مروی ہیں۔ طہارت کے باب میں "حدیث خزاءۃ" کو اکثر محدثین نے آپ ہی کی روایت گردانا ہے۔ اسی طرح جمعہ کے روز غسل کرنے، صاف کپڑے پہننے اور خوشبو لگاکر خاموشی سے خطبہ سننے کی حدیث بھی آپ ہی کے مرویات میں سے ہے۔ (مذکورہ دونوں حدیثیں مسند احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۷۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

خلاصہ یہ کہ آپ کی مساعی جمیلہ سے احادیث نبوی کی کافی اشاعت ہوئی۔ آپ سے روایت کرنے والے حضرات یہ ہیں: انس بن مالک، ابن عجرہ، ابن عباس، ابوسعید خدری، ابوطفیل، ام درداء صغری، ابوعثمان نہدی، زاذان، ابوعمرو، سعید بن وہب ہمدانی، طارق بن شہاب، عبداللہ بن ودیعہ، عبدالرحمٰن بن یزید نخعی، شہر بن حوشب۔

(تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۱۳۸، دار صادر، بیروت، لبنان، سن ندارد

علم حدیث کا وافر ذخیرہ آپ کے پاس تھا مگر روایت حدیث میں کافی محتاط تھے کتب احادیث میں ک ۶۰/ مرویات موجود ہیں جن میں تین میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ (مشاہیر حدیث، مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی، ص:۲۳۴، مطبوعہ کمال بکڈپو، ۲۰۱۴)

فضل وکمال: مدینۃ العلم سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت ابودرداء سے فرمایا: "سلمان افقه منك"

یعنی سلمان ابودرداء سے زیادہ فقہی مہارت کے حامل ہیں۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۳۶۸، از: ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۲۰۰۱)

باب العلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب حضرت سلمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "علم العلم الأول و الآخر، بحر لا ينزف" (الاستعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۹۶، از: یوسف بن عبداللہ القرطبی، :۲۰۰۲ء)

یعنی حضرت سلمان اول اور آخر کے عالم اور ایسے علم کے سمندر ہیں جس کا پانی خشک نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ نے ایک اور جگہ فرمایا: "لو كان الدين عند الثريا لناله سلمان" (مصدر سابق) یعنی دین اگر ثریا پر بھی ہو تو بھی سلمان اس کو ضرور پالے گا۔

مذکورہ بالا معنی خیز عبارات سے ضمناً یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت سلمان کو دین اسلام کے مصادر و مراجع کتاب و سنت سے وافر حصہ عطا کیا گیا تھا خصوصاً فرمان رسالت ﷺ میں لفظ "افقہ" کی جامعیت سے یہ لطیف اشارہ ملتا ہے کہ آپ "من یرید اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" کے مصداق تھے اور فقہی آیات واحادیث، مصدر اصول فقہ وافتا اور استنباط مسائل پر حد درجہ عبور حاصل تھا کہ ایک عام فقیہ کے لیے ان امور سے آگہی ضروری ہوا کرتی ہے تو زبان رسالت ﷺ نے جسے "افقہ" (نسبتا بلند درجہ فقیہ) کا مژدۂ جاں فزا سنایا ہو اس کے لیے یہ چیزیں بدرجۂ اولی لازم ہوں گی۔ اس توضیح کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ آپ (سلمان) شرائط فقہ وافتا اور ملکۂ استنباط واستخراج کے جامع تھے۔ رہی بات خدمت فقہ وافتا کی تو تلاش بسیار کے باوجود آپ کا یہ عظیم علمی کارنامہ تحریری شکل میں میری نگاہوں سے نہیں گزرا۔ البتہ علامہ ابن جوزی کی ایک روایت میں یہ صراحت موجود

ہے کہ عہد رسالت میں دیگر فقہاے صحابہ کی طرح آپ بھی فتوے دیا کرتے تھے۔ابن جوزی لکھتے ہیں: من كان يفتي على عهد رسول الله: ابو بكر و عمر و عثمان و علي و عبدالرحمن بن عوف و ابن مسعود و ابي و معاذ و عمار و حذيفه و زيد بن ثابت و ابو الدرداء و ابو موسى و سلمان.

(کتاب المدہش لابن جوزی ۵۹۷ھ، ص:۲۹، برقی نسخہ، مکتبہ مشکاۃ الاسلامیہ)

ترجمہ: عہد رسالت میں یہ حضرات فتوے دیا کرتے تھے: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمن بن عوف، ابن مسعود، ابی، معاذ، عمار، حذیفہ، زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابوموسی اور سلمان رضی اللہ عنہم۔

امارت مدائن کے تناظر میں آپ کی کتاب حیات کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کی فقہی حیثیات وخدمات کا پہلو مزید روشن ہوکر سامنے آتا ہے۔عدل وانصاف کے پیکر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا گورنر مقرر کیا تھا اور عہد فاروقی اسلامی دور تھا جس میں ہر گورنر کے لیے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی روشنی میں مسائل حل کرنے کی صلاحت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا تو بھلا فاروق اعظم فقہی بصیرت سے ناواقف شخص کو کیسے والی بنا سکتے تھے لہذا امارت مدائن کے زمانے میں قلمی اور زبانی طور پر آپ سے فیصلوں اور فتووں کا صادر ہونا خارج از امکان نہیں۔

مکارم اخلاق: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ زہد وورع کے پیکر تھے، پوری عمر دنیا کو پاس نہ آنے دیا، کبھی اپنے لیے مکان نہ بنایا۔اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا۔ وفات کے وقت گھر کا سارا اثاثہ بائیس درہم سے زیادہ نہ تھا بوقت وصال روتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز وسامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے، اور میرا حال یہ ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ج:۵، ص:۴۳۸: مطبوعہ دارالفکر، پرانا نسخہ)

سادگی غالب تھی ۔امارت مدائن کے زمانہ میں بھی معولی لباس پہنتے تھے امارت کی علامت کہیں سے ظاہر نہ ہوتی، فیاضی کا یہ عالم تھا کہ اپنا سارا وظیفہ مستحقین میں تقسیم کردیتے اور خود چٹائی بن کر روزی کماتے۔ (مشاہیر حدیث، از: عاصم اعظمی ہندوستانی، ص:۲۳۴، مطبوعہ: کمال بک ڈپو مدرسہ شمس العلوم، گھوسی ضلع مئو یوپی، سن اشاعت: ۲۰۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی۔

”عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الجنة تشتاق الى ثلاثة علي، و عمار، و سلمان.“ (ترمذی، ج:۲، باب المناقب، ص:۲۲۰، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمار اور سلمان رضی اللہ تعالے۔

وفات: آپ کی وفات کی تاریخ میں بکثرت اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض کہتے ہیں ۳۶ھ، بعض کا قول ہے ۳۷ھ، جب کہ کچھ لوگ دور عثمانی بتاتے ہیں۔لیکن اصح قول ۳۵ھ ہے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۵۱۵ اور الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۹۷، مطبوعہ بیروت، لبنان۔ میں یہ اصح قول مذکور ہے)

من
أهل الفتوى

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۔۔۔۔۔

محمد نثار احمد صدیقی، کولکاتا، جماعت: فضیلت Mob. 842026094

نام: جابر، **کنیت:** آپ کی کنیت کے سلسلے میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض کے مطابق ابوعبدالرحمٰن، مگر صحیح قول کے مطابق ابوعبداللہ ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۲۹۳، ابوعمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، بیروت، لبنان)

سلسلۂ نسب: جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن عمرو بن سوار بن سلمہ

والدہ کا نام: ام نسیبہ بنت عقبہ تھا جن کا سلسلۂ نسب آپ کے آبائی سلسلہ میں زید بن حرام سے مل جاتا ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا

خاندانی پس منظر: آپ کے جد امجد عمرو اپنے خاندان کے رئیس تھے۔ ''عین الارزق'' ایک چشمہ ہے جس کو مروان بن حکم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ کے عہد میں درست کرایا تھا، انھیں کی ملکیت تھی۔ عمرو کے بعد یہ چشمہ ان کے فرزند ارجمند عبداللہ کے قبضہ میں آیا جو تقریبا ۶۱۱ء مطابق ۳۴ عام الفیل سے ۲۰/ سال قبل تولد ہوئے تھے۔

قبولت اسلام: بیعت عقبہ ثانیہ میں اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے۔ آپ کے والد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بنو حرام کے نقیب تجویز کیے گئے۔ اس بیعت میں آپ کی عمر ۱۹/ سال تھی۔

ابتدائی حالات: آپ سات بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ غزوۂ احد میں والد گرامی کی شہادت کے بعد ان کی کفالت کی تمام تر ذمہ داری اور والد محترم کے ذمہ واجب الادا قرض کی ادائیگی کا بوجھ آپ کے ناتواں کندھوں پر آگیا تھا۔ بہنوں کی کفالت کی غرض سے آپ نے اپنے سے زیادہ عمر والی خاتون سے شادی کرلی تھی تاکہ ان کی بہنوں کا خیال رکھے اور والدین کی کمی کا احساس نہ ہونے دے۔ آپ کے والد کے ذمے جو قرض تھے ان کی ادائیگی میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاونت فرمائی اور یہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ ہی تھا کہ کھجوروں کے ایک ہی ڈھیر میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کہ تمام قرض خواہوں کا قرض ادا ہوگیا۔ (ابن سعد طبقات الکبری، ج:۳، ص:۴۲۵، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان طباعت ثانیہ: سن اشاعت ۱۹۹۷ء/۱۴۱۷ھ)

جنگوں میں شرکت: ہجرت مدینہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان نوجوانوں میں شمار ہوتے تھے جو سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیشتر غزوات اور سرایا میں شریک تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں ۲۷ غزوات میں سے ۱۹/ غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رہا۔ غزوۂ بدر اور غزوہ احد میں والد کی اطاعت عدم موجودگی کا سبب بنا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۱، ص:۵۴۶، امام ابن حجر عسقلانی دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طباعت ثانی، سن اشاعت ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

عریف کے عہدے سے سرفرازی: اس کے علاوہ آپ خلفاے راشدین کے بھی عہد خلافت میں مختلف سیاسی و عسکری معاملات میں شریک رہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں آپ ”عریف“ کے عہدے پر متمکّن تھے۔ **عریف:** کسی بھی قبیلہ کے ایسے فرد کو کہا جاتا ہے جو خلیفہ کی طرف سے اپنے قبیلہ کے سربراہ کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے یا خلیفہ کے ہاں قبیلہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔

خلیفہ ثالث کے دور میں آپ کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی خاص اطلاع تاریخ نے ثبت نہیں کی ہے صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ مصری معترضین مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے انصار کے دوسرے پچاس افراد کے ہمراہ مذاکرات کر کے انھیں مصر کی طرف پلٹا دیا۔ (ابن سعد طبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۴۴۔۴۵)

آپ جنگ صفین میں بھی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپاہ میں شامل تھے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۴۹۴، سن اشاعت: ۱۴۳۴ھ ۲۰۰۳ء، عزالدین ابن الاثیر الجزری دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: بعض روایتوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کا تعلق ہمیشہ شفقت آمیز رہا ہے جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے ظاہر ہے:

ایک دفعہ آپ بستر علالت پر دراز تھے اور اپنی صحت و تندرستی سے ناامید و مایوس ہو چکے تھے۔ بہنوں کے درمیان اپنے ترکہ کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور آپ کو درازیٔ عمر کی خوش خبری دی۔ آپ کے سوال کے جواب مین ایک آیت کریمہ نازل ہوئی جو ”آیت کلالہ“ کے نام سے مشہور ہوئی۔

يَسْتَفْتُوْنَك قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَة اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ له وَلَدٌ وَّ له... إلىٰ أخره. (سورہ نساء)

آپ خود فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام نے ”لیلۃ البعیر“ (اونٹ والی رات) میں پچیس مرتبہ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اور صاحب اسد الغابہ نے لیلۃ البعیر کی مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس رات حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اونٹ فروخت کیا تھا اور اس پر یہ شرط لگائی تھی کہ مدینہ تک اس پر سوار ہونگے۔ (حوالہ سابق)

طلب حدیث کے شوق میں شام کا سفر: سیر و تواریخ کی کتابوں میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات بکثرت ملتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو حصول علم حدیث سے بڑا شغف تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ خبر ملی کہ ان کے پاس ایک حدیث ہے جو انھوں نے براہ راست سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے اور وہ ان دنوں ملک شام میں مقیم تھے۔ اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر سفر کرتے ہوئے ملک شام پہونچے۔ پیغام بھیجا کہ جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انھوں نے پوچھا: کیا جابر بن عبداللہ پھر فوراً باہر آئے۔ آپ نے ان سے حدیث کے سلسلے میں دریافت کیا، وہ حدیث سنائی۔ آپ نے وہ حدیث سنی اور روانہ ہوگئے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۳۶، شمس الدین محمد بن احمد ذہبی دار الکتب العلمیہ، طاعت اولی، سن اشاعت: ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۷)

علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وہ حدیث غالباً یہ تھی کہ ”عن جابر رضی الله عنه عن عبد الله بن انیس رضی

الله عنه قال سمعت النبی الله ﷺ یقول یحشر الله العباد فینادیهم صوت یسمعهٗ من بعدکما یسمعهٗ من انا قرب انا الملك الدیان". (صحیح بخاری ج:۲، باب: قول اللہ تعالیٰ یریدون، ص:۱۱۱۴، مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل بندوں کو حشر میں ایسی آواز سے بلائے گا جس کو قرب وبعد والے یکساں سنیں گے۔ فرمائے گا میں ہوں انصاف کرنے والا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جمع حدیث اور طلب علم میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کس قدر منہمک تھی۔

آپ سے بڑی تعداد میں راویوں نے احادیث بھی نقل کی ہیں جن میں چند یہ ہیں:

محمد بن علی حسین، عمرو بن دینار، ابوزبیر مکی، عطا بن رباح، مجاہد بن وغیرہ۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج:۱ ص:۴۹۴)

مجتہدانہ شان اور اس کے نمونے: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد صحابہ کرام میں سے تھے اور حدیث کے سلسلے میں نہایت ہی بابصیرت اور نقاد تھے۔ حدیث کے مناط کلام پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ مجلاً حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ حدیث اس شخص سے متعلق ہے جو تنہا نماز ادا کرے۔ اور جو امام کی اقتدا میں نماز پڑھے اس پر سورہ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما کے استاذ تھے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس شرح حدیث سے بہت متاثر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے مگر یہ صاف فرماتے تھے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

و اما م احمدبن حنبل فقال: معنی قول النبی ﷺ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب اذا کان وجده واجتج بحدیث جابر بن عبد الله ال رکعة لم یقرأ فیها ام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فهذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تاول قول النبي ﷺ لا صلوٰة لمن لم یقر بفاتحة الکتاب انَّ هذا اذا وحدهٗ. (جامع ترمذی، ج:۲، ۴۲، اب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جھر امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی۔ مکتبہ: مجلس برکات الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور)

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حدیث "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" کا معنی یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا نماز پڑھے تو فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی اور آپ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے آپ فرماتے ہیں: جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر حضور ﷺ کے صحابی ہیں وہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ حدیثِ "لا صلوٰۃ لمن یقرأ" سے یہ مراد ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو۔

آپ کی فقیہانہ شان: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی مسجد نبوی کے احاطہ میں دینی، علمی وفقہی حلقہ لگا کرتا تھا۔ کثرت سے لوگ

آپ سے اکتساب فیض کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً آپ کے ہم عصر آپ سے دینی مسائل دریافت کرتے اور تشفی بخش جواب پاکر لوٹتے تھے، جس سے آپ کی فقہی بصیرت اور اجتہادانہ شان نمایاں طور پر جھلکتی ہے۔ اور حافظ ذہبی علیہ الرحمۃ نے آپ کو صاحب فتوی، مجتہد اور فقیہ کا خطاب دیا ہے۔ (سیر اعلام لنبلاء، ج ۱، ص: ۳۴۶، شمس الدین محمد بن احمد ذہبی۔ دار الفکر، بیروت، لبنان۔ طباعت اول، سن اشاعت: ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۷ء)

ایک آدمی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت مبارکہ کے متعلق دریافت کیا:

یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا. (سورہ النور)

تو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرائے اور کہا کہ ایک روز میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کون؟ میں نے کہا: میں ہوں، صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں، کیا ہوتا، گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہ فرمایا۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، ج ۲، ص: ۹۲۳، مکتبہ مجلس برکات)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح حدیث کی روشنی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو قرآن کے مفہوم و مقصود سے روشناس کراتے تھے۔

اسی طرح امام حاکم نے بھی اپنی "مستدرک" میں یہ بیان کیا ہے کہ ایک عورت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور مسئلہ پوچھا کہ کیا مرد کے لیے جائز ہے کہ ایسی عورت کو دیکھے جس سے وہ شادی کا ارادہ رکھتا ہو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں (جائز ہے) عورت نے کہا: قرآن پاک میں یا حدیث رسول میں اس کا کہیں ذکر ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: و لو اعجبك حسنھن (الاحزاب ۵۲)

یعنی اگر تمھیں ان عورتوں میں سے کوئی بھلا لگے " اور رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر اس کو دیکھ سکتا ہو تو دیکھ لے"۔

(المستدرک علی الصحیحین، حصہ ۳، ص: ۵۱۴، طباعت اولیٰ سن اشاعت: ۱۴۱۷، امام ابو عبد اللہ محمد حاکم نیشاپوری دار المعرفۃ، بیروت لبنان)

ایک شخص آیا اور اس نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا:

و ما انفقتم من شئ فھو یخلفہٗ و ھو خیر الرازقین. (سورہ: سبا ۳۹)

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ہر نیکی صدقہ ہے، آدمی اپنی ذات اور گھر والوں پر جو خرچ کرتا ہے، وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔ (صدقہ کے طور پر لکھا جاتا ہے) اور جس سے وہ اپنی عزت بچاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔ آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اللہ کے ذمے ہے کہ اس بدلہ عطا فرمائے۔ لیکن جو مال وہ کسی عمارت کے بنانے یا گناہ کے کام میں لگاتا ہے تو وہ مستثنیٰ ہے۔ (سنن الدارقطنی، ج: ۲، کتاب البیوع، ص: ۲۴۔ حافظ علی بن عمر الدارقطنی۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

وفات: آپ کا وصال ۷۴ھ کو ہوا۔ بعض کے نزدیک ۷۸ھ کو ہوا۔ اور ۹۴ سال کی عمر پائی۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ حجاج بن یوسف ثقفی آپ کی نماز جنازہ نہ پڑھائے۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج: ۱ ص: ۲۹۳ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، بیرات لبنان)

من أهل الفتوى

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ولادت:۳۸قبل ہجرت. وفات:۳۶ھ

محمد زبیر، مرادآباد، جماعت: فضیلت 8957783519

اسم گرامی: زبیر بن عوام اسد قرشی، **کنیت:** آپ کی مشہور کنیت ابو عبد اللہ ہے مگر آپ کی والدہ آپ کو ابو طاہر کہہ کر بلاتی تھیں جو ان کے بھائی زبیر بن عبد المطلب کی کنیت ہے۔

سلسلۂ نسب: زبیر بن عوام بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی قرشی اسدی۔ پانچویں پشت قصی پر ان کا شجرۂ نسب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ذات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کو متعدّد نسبتیں حاصل تھیں جس کی بنا پر آپ کی ذات میں گوناگوں خصوصیات جمع ہوگئی تھیں۔ چناں چہ آپ کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہوئے اور انھیں کی نسبت سے آپ کو ابن صفیہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی دادی ہالہ بنت وہب بن عبد مناف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقی خالہ تھیں جب کہ آپ کی حقیقی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ آپ کی زوجہ حضرت اسما حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں۔ لہٰذا آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد اور رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم زلف بھی ہوئے۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

پیدائش اور تعلیم و تربیت: مکہ معظمہ کے تمام قبائل میں خاندان قریش کو جو وقار و تمکنت حاصل تھا وہ کسی اور قبیلے کے حصے میں نہ آیا، پھر قبیلۂ قریش میں خویلد کا خاندان اپنی عظمت و شجاعت کی بنا پر نہایت ہی ممتاز تھا۔ چناں چہ آپ کی پیدائش اسی خاندان میں ۲۸ر قبل ہجری ۵۹۴ء میں ہوئی۔ ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ آپ کے والد کا آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ چناں چہ والد کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا نوفل بن خویلد کی کفالت میں آگئے۔ آپ کی والدہ چاہتی تھیں کہ میرا یہ بچہ بڑا ہو کر زور آور، دلیر اور عالی ہمت بنے۔ اس لیے وہ آپ کو کڑی نگرانی میں رکھتیں یہاں تک کہ بسا اوقات مستحکم اور ٹھوس تربیت کے لیے زد و کوب سے بھی دریغ نہ کرتیں اور ان سے سخت محنت اور جانفشانی کے کام کرواتی تھیں۔ آپ کے چچا اس پر خفا ہوتے تو فرماتیں کہ میں اس کو زیرک، اعدا کو شکست دینے والا اور کثرت سے مال غنیمت حاصل کرنے والا بہادر بنانا چاہتی ہوں۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۴۵۸، دار الکتب العلمیہ)

اسی ترتیب کا ثمرہ تھا کہ آپ عہد نوخیزی سے ہی نڈر ہو کر بڑے بڑے مردان میدان کے مقابلے میں آجاتے۔ چناں چہ آپ

کی کم سنی کا ہی واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی معاملے میں آپ کا ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا تو آپ نے اس کا بازو توڑ ڈالا۔ اس آدمی کو لوگ جب حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے کر آئے تو آپ نے پوچھا کہ اسے یہاں لے کر کیوں آئے ہو؟ جب ان کو سارا ماجرا سنایا گیا تو انھوں نے اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے زبیر کو کیسا پایا؟ کیا وہ پنیر یا کھجور تھا یا تم نے اسے تیز طرار شکرہ پایا؟ غرض یہ کہ آپ کی والدہ محترمہ کی کاوش بار آور ہوئی اور آپ ایک عظیم مجاہد بن کر صفحۂ تاریخ اسلام پہ ابھرے۔ (ایضاً، ص:۴۵۸)

قبول اسلام: آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں موٴرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن کثیر کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۱۵/ سال تھی اور ابن حجر کے مطابق ۱۲/ سال تھی۔ جب کہ ان کے علاوہ بعض حضرات نے ۱۶/ سال کا اور لیث نے ۸/ سال کا قول کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۴۳ دار الفکر)

آپ حضرت ابو بکر کے بعد چوتھے یا پانچویں مسلمان تھے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳، ص:۷۵ دار الکتب العلمیہ)

قبول اسلام کی بنا پر حضرت زبیر بن عوام عام بلاکشان اسلام کی مانند کفار کے پنجۂ ظلم و شر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اسلام قبول کرنا تھا کہ آپ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اپنے پرائے ہو گئے، خود آپ کا وہ چچا جو حضرت صفیہ کو زد و کوب سے منع کرتا تھا قبول اسلام پر آپ کا اس قدر شدید دشمن بن گیا کہ وہ آپ کو چٹائی میں لپیٹ کر آگ کی دھونی دیتا تھا اور آپ سے مطالبہ کرتا تھا کہ آپ اسلام سے پھر جائیں مگر اس عالم کرب و بلا میں بھی آپ بس یہی کہتے تھے کہ میں اب دوبارہ شرک و کفر کی نجاست و غلاظت میں آلودہ نہیں ہونا چاہتا۔ چناں چہ بجائے لغزش و روگردانی کے آپ اسلام اور پیغمبر اسلام کے ایما پر تن، من، دھن سے ڈٹ گئے اور ابتدائے اسلام سے ہی آپ نے شمع ناموس رسالت پر پروانہ وار فدویت و جاں نثاری کی ایک عظیم مثال قائم کی۔ (تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۴۳، دار الفکر)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ جب شیطان نے یہ افواہ پھیلا دی کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے تو آپ اپنی تلوار سے لوگوں کا مجمع چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت ایک پہاڑ کی چوٹی سے بر آمد ہوئے اور چھوٹے سے بچے زبیر کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر تعجب سے پوچھا کہ اگر واقعی مجھے شہید کر دیا گیا ہوتا تو تم کیا کرتے؟ اس بارہ سالہ بچے نے جواب دیا کہ میں مکہ میں اتنے قتل کرتا کہ خون کی ندیاں بہا دیتا اور کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔ ایک چھوٹے سے بچے کا یہ جذبہ دیکھ کر سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس جرأت مندانہ اقدام پر نہ صرف یہ کہ اس بچے کے لیے دعا فرمائی بلکہ اس جذبۂ فدویت پر اپنی چادر مبارک انعام کے طور پر عطا فرمائی۔ اہل سیر فرماتے ہیں کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہ فدویت و جاں نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۸، دار الکتب العلمیہ)

ہجرت حبشہ و مدینہ: جب ارض حرم میں مشرکین کی ریشہ دوانیوں اور ستم رانیوں کا بازار گرم سے گرم تر ہوتا چلا گیا اور حالات تشویش ناک حد تک نازک ہوتے چلے گئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سرزمین حبشہ کی مانوس زمین کی طرف مسلمانوں

کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔ چناں چہ گیارہ مرد اور چار خواتین کا ایک مختصر سا قافلہ بحیرۂ عرب کے راستے سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ اس کے بعد جب انصار کرام کے عہد و پیمان نے مسلمانوں کے لیے جائے پناہ کا سامان بہم پہنچا دیا تو آپ بھی دیگر صحابہ کی طرح مدینہ ہجرت کر گئے اور اس طرح آپ کو دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اور مسلمہ بن سلامہ بن وقش کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرما دیا جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

غزوات میں شرکت: مدینہ منورہ پہنچنے پر ابھی مسلمانوں نے چین کا دم بھی نہ بھرا تھا کہ کفار مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹانے کے لیے ہر چہار جانب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کے نتیجے میں کئی غزوات رونما ہوئے۔ آپ تمام غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک ہوئے اور مجاہدانہ خدمات انجام دے کر علم اسلام کی سربلندی کے لیے ہر ممکنہ سعی و کاوش کی۔ (تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۸۳، دار الفکر، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۲)

چناں چہ دو ہجری میں کفار کی یلغار پر اپنی بقا و دوام کے لیے جب مسلمان بدر کے میدان میں مقابلے کے لیے اترے تو اس وقت حضرت زبیر بن عوام ۲۹ر سالہ کڑیل جوان تھے۔ آپ نے اس غزوہ میں اتنی جاں بازی و دلیری سے مقابلہ کیا کہ دشمنوں کی صفیں تہ و بالا ہو گئیں۔ آپ زرد عمامہ لپیٹ کر میدان کارزار میں ایک انوکھی وضع کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کی یہ ادا عرش والوں کے یہاں اتنی پسند کی گئی کہ مسلمانوں کی مدد کو آنے والے ملائکہ ان ہی کی طرح زرد عمامہ لپیٹ کر حاضر ہوئے۔ (اسد الغابہ، ج:۲ص:۳۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ الاصابہ، ج:۲، ص:۴۵۹)

اس جنگ میں اپنی مجاہدانہ کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر عبید بن سعید ہتھیاروں سے لیس ہو کر میرے مقابلے میں اس طرح آیا کہ اس کی صرف آنکھیں ہی دکھتی تھیں۔ میں نے اس زور سے اس کی آنکھ میں نیزہ مارا کہ وہ اس کی آنکھ کے پار نکل گیا جس کے صدمے سے وہ مر گیا۔ پھر میں نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی دقت سے نیزہ باہر نکالا حتیٰ کہ اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے بطور یادگار اس نیزے کو لے کر اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر آں حضرت ﷺ کے وفات کے بعد نیزہ خلفائے ثلاثہ میں تبرکاً منتقل ہوتا رہا۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان کے بعد وہ حضرت علی کی آل کے پاس رہا۔ ان سے پھر آپ کے وارث حضرت عبد اللہ نے لے لیا اس کے بعد وہ تادم شہادت ان ہی کے پاس رہا۔ وہ جس جاں فشانی کے ساتھ لڑے اس کا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے اور ان کا پورا جسم چھلنی ہو گیا تھا۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی)

اسی مجاہدانہ شان کے ساتھ آپ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور جس وقت تیر اندازوں کی عدم احتیاطی کی بنا پر مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور افراتفری میں غازیان اسلام کے ہوش جاتے رہے اور شمع رسالت کے گرد محض ۱۴ر پروانے اپنی جان ہتھیلی پر لیے لڑ رہے تھے تو اس وقت بھی یہ جاں نثار پروانہ وار جاں نثاری کا حق ادا کر دیا تھا۔

(تاریخ طبری، ج:۳، ص:۷۵، دار الفکر۔ سیرت ابن ہشام، ج:۳و۴، ص:۸۳ کلیۃ الریاض الحدیثۃ)

۵ھ میں جب غزوۂ خندق پیش آیا تب آپ عورتوں کے حصے پر ان کی حفاظت کے لیے مامور تھے۔ حضوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھود کر مدینہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ لیکن کفار نے شدید محاصرہ کر کے مسلمانوں کو فاقہ کشی کے دہانے پر دھکیل دیا اور جب محاصرہ کی شدت شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہمارے پاس محاصرین کی خبر لائے گا؟ اس کے جواب میں صرف حضرت زبیر نے صدائے لبیک بلند کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ خدمت میں انجام دوں گا۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حوصلۂ جاں بازی سے متأثر ہو کر فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک حواری (یعنی معاون ومددگار) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۸، دار الکتب العلمیہ)

ایسے پر خطر حالات میں حضرت زبیر کے اس جرأت مندانہ پیش رفت پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر متأثر ہوئے کہ آپ نے ان کی تشجیع کے لیے اپنے والدین کو جمع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے زبیر! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ اصحاب سیر کا بیان ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر کے علاوہ یہ سعادت کسی اور کے حصے میں نہ آئی کہ ان کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو جمع فرمایا ہو۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳، ص:۷۹، دار الکتب العلمیہ)

فتح مکہ کے تیاری کے دوران حاطب بن ابی بلتعہ کے دیے گئے خفیہ خط کو ایک عورت راز دارانہ طریقے سے مشرکین مکہ کے پاس مسلمانوں کی سرگرمیوں سے باخبر کرنے کے لیے لے جارہی تھی، آپ نے حضرت علی اور ان کے علاوہ ایک اور صحابی کی معیت میں حضرت زبیر کو سردار بنا کر اس کے تعاقب کے لیے بھیجا، جہاں اسے پکڑ کر خط برآمد کر لیا گیا۔ پھر ۸ھ میں جب آپ نے مکہ کا قصد کیا تو آپ نے دس ہزار مجاہدین کی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کیا سب سے چھوٹا اور آخری دستہ جس میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریک تھے، حضرت زبیر اس کے علم بردار تھے۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۳و۴، ص:۴۰۶، کلیۃ الریاض الحدیثہ)

مکہ میں داخل ہونے کے بعد جب ہر طرف سے ماحول پر سکون ہو گیا تو حضرت زبیر اور مقداد بن اسود اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوے۔ آپ نے ان کے چہرے سے گرد وغبار صاف کیا اور فرمایا کہ میں نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور گھوڑ سوار کے لیے ایک حصہ مال غنیمت میں سے مقرر کیا ہے جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳، ص:۷۷ دار الکتب العلمیہ)

فتح مکہ سے واپسی کے بعد جب غزوۂ حنین پیش آیا تو ایک شخص نے آپ کو گھاٹی میں تنہا دیکھ کر یہ شور مچایا کہ لات وعزیٰ کی قسم یہ دراز قامت شخص زبیر ہے اور اس کا حملہ بڑا بھیانک ہوتا ہے۔ ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ گھاٹی کے عقب سے ایک زور آور جماعت آپ پر حملہ ہو گئی۔ آپ نے نہایت پھرتی سے اس ناگہانی حملہ کا مقابلہ کیا اور اس قدر بہادری سے لڑے کہ ذرا سی دیر میں گھاٹی دشمنوں سے بالکل خالی ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۳، ص:۴۵۶، کلیۃ الریاض الحدیثہ)

عہد خلفاے راشدین: آپ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں عام مسلمانوں کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت نہ کی۔ چناں چہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوے توانھوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو وہاں مجمع میں موجود نہ پایا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت زبیر کو طلب فرماکران سے دریافت فرمایاکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اوران کے حواری ہیں کیاآپ عام مسلمانوں سے علاحدگی اختیار کرکے مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہاکہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ کہ کر آپ کھڑے ہوئے اوران کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۴۸۱، دارالفکر)

بعد میں آپ کو مشورہ خلافت میں شریک نہ ہوپانے کا افسوس بھی ہوااورآپ نے اس بات کا اعراف بھی کیاکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منصب خلافت کے صحیح حقدار ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۵۳، تجارالکتب)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورآیااورآپ نے ان کے عہد میں بھی نمایاں کارنامے انجام دیے۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یرموک کا عظیم معرکہ پیش آیاجس میں رومیوں کا ٹڈی دل دولاکھ سے بھی زائد کی تعداد میں تھا۔ دوران جنگ کچھ صحابہ نے حضرت زبیر سے کہاکہ اگرآپ رومیوں پریلغار کریں توہم بھی آپ کے ساتھ برابر کاحملہ کریں۔ آپ نے فرمایاکہ اگرمیں ان پر حملہ کربھی دوں تب بھی تم لوگ میراساتھ نہیں دے سکتے۔ سب نے کہاکہ ہم ایسانھیں کریں گے بلکہ آپ کے شانہ بہ شانہ لڑیں گے۔ چناں چہ آپ نے کفار کی فوج پر تن تنہاحملہ کردیااور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے بہت آگے نکل گئے۔ پھرجب آپ مسلمان فوج کے طرف پلٹنے لگے تورومیوں نے ان کوچاروں طرف سے آگھیرا اورآپ کے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور مونڈھے پردوکاری زخم لگائے، جوزخم جنگ بدر کے موقع پران کولگاتھاوہ ان دونوں زخموں کے درمیان پڑگیاتھا۔ مگرآپ ان کے مقابلے میں ہمت سے لڑتے رہے جس کانتیجہ یہ ہواکہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کافررومیوں کاخوف نکل گیااورسب نے یکبارگی حملہ کرکے رومیوں کے ٹڈی دل کوفاش شکست دی۔ عروہ بن زبیر کابیان ہے کہ جب میں چھوٹاتھاتوان زخموں میں اپنی انگلیاں ڈال کرکھیلاکرتاتھا۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۳و۴، ص:۴۵۶، کلیۃ الریاض الحدیثۃ)

جب ۲۱ھ میں عمروبن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر پرحملے کی اجازت حاصل کرلی توآپ کئی مقامات کوفتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے، جہاں مصری فوجیں رہاکرتی تھیں۔ ایک قلعہ نہایت مظبوط اورمستحکم تھااور ادھر مصریوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی۔ اس لیے باوجود محاصرہ کے قلعہ فتح نہیں ہوپایا۔ حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ دس ہزار فوج کی کمک دارالخلفا سے محاضرین کی مدد کے لیے راوانہ فرمائی۔ حضرت عمروبن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ کالحاظ کرتے ہوئے ان کوفوج کا افسر مقرر کیا۔ مکمل سات مہینے تک محاصرہ قائم رہامگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ بالآخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہمت کرکے چھلانگ لگاکر خندق کوعبور کیااور قلعہ کی دیوار سے سیڑھی لگاکرکچھ اصحاب کے ساتھ فصیل پر پہنچ گئے اور اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیاکہ عیسائیوں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کرنے کو ہی غنیمت جانا۔ اس طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہادری کی بدولت ایک قلعہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں اپنے بعد جن چھ اصحاب کو شوریٰ کے لیے منتخب فرمایا ان میں ایک نام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی تھا ۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے ۔ آخر میں برضا ہمہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکّن ہوئے ۔ (الاصابہ، ج:۲، ص:۴۵۷)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب بلوائیوں نے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کر لیا تو اس وقت آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو حسنین کریمین اور دیگر اصحاب کے ساتھ محافظت پر معمور کیا۔

(سیر اعلام النبلا، ج:۲، ص:۶۱۲، دار الفکر)

ان کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ نکسیر پھوٹنے کی وبا عام ہو گئی تھی ۔ خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس وبا کے بنا پر اس قدر بیمار ہو گئے کی اس سال حج کے لیے بھی نہ جا سکے اور زندگی سے مایوس ہو کر آپ نے وصیت بھی کر دی لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ منتخب فرما دیجیے ۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہ سب کا مشورہ ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا کہ جی ہاں ! تو آپ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ لوگوں کا رجحان زبیر کی طرف ہے ۔ انھوں نے کہا ہاں ! آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میرے علم میں ان سب میں سب سے بہتر ہیں اور وہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھے ۔ (اسد الغابہ، ج:۲ص:۳۰۸، دار الکتب العلمیہ)

خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ذات رسول علیہ السلام سے وابستگی کی بنا پر ان کا بہت احترام کرتے تھے ۔ چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ ہی نے ان کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ ہی نے ان کو دفن کیا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۱، ص:۵۵۵، موٴسۃ الرسالہ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قصاص عثمانی کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مگر جب آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد دلائی گئی کہ تم حضرت علی کے خلاف ناحق خروج کرو گے تو آپ بغاوت سے یہ کہہ کر کنارہ کش ہو گئے کہ مجھے یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی ۔ اس کے بعد آپ وہاں سے لوٹ کر واپس چلے آئے ۔

شہادت: جب آپ واپس لوٹ رہے تھے تو راستے میں ابن جرموس نامی ایک شخص ہم رکاب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو امان دیتا ہوں کیا تم بھی مجھے امان اسی طرح دیتے ہو کہ میں نماز پڑھ سکوں ؟ اس نے وعدہ کر لیا لیکن جب آپ نماز پڑھ نے کے لیے کھڑے ہوئے اور سجدے میں گئے تو اس نے پاس عہد نہ رکھتے ہوئے آپ کا سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔ آپ کی شہادت جمادی الاولی ۳۶ھ میں ہوئی ۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ / یا ۶۴ / سال تھی جب کہ علامہ ابن حجر کی روایت کے مطابق ۶۶ / یا ۶۸ / سال کی تھی ۔ آپ وادی السباع میں آسودۂ رحمت ہیں ۔ آپ کی شہادت پر حضرت ابن عباس حضرت علی کے پاس آئے اور پوچھا کہ ابن صفیہ کا قاتل کہاں جائے گا ؟ آپ نے فرمایا کہ جہنم میں جائے گا۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۱۳۱ / تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۴۳ اور / ۱۴۴ الاصابہ، ص:۵۵۸)

حلیہ: آپ دراز قامت تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ سواری پر سوار ہوتے تو آپ کے قدم زمین سے لگنے لگتے۔ آپ کے بدن پر بال تھے۔ داڑھی کے بال گندمی تھے مگر آپ ان پر خضاب نہ لگاتے تھے۔ آپ کا رنگ گورا چٹا اور گندم گوں تھا اور آپ دبلے پتلے تھے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۴۳)

فضائل وکمالات: آپ اولین صحابہ میں سے تھے۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۷ دار الکتب العلمیہ)

آپ ان دس خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔

(عامۂ کتب احادیث)

آپ نے دونوں بار حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ (الاصابہ، ج:۲، ص:۴۵۸)

آپ نے راہ خداوندی میں سب سے پہلے تلوار نکالی۔ آپ کو ریشم پہننے کی اجازت تھی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعید، ج:۳، ص:۷۶ دار الکتب العلمیہ)

آپ کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو جمع فرمایا۔ (الاصابہ، ج:۲، ص:۴۰۹)

حضرت عائشہ نے آپ کے صاحبزادے حضرت عروہ سے فرمایا کہ تمھارے والدان میں سے تھے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بخدا وہ تم میں سب سے بہتر ہے (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۸ دار الکتب العلمیہ) حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میں طلحہ اور زبیر ان افراد میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرامایا: "وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝"

مطیع بن اسود نے کہا کہ بخدا! میں نے عمر کو فرماتے سنا ہے کہ زبیر دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہیں۔

(الاصابہ، ج:۲، ص:۴۶۰ دار الکتب العلمیہ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہیں (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۰۹ دار الکتب العلمیہ)

آپ کے ایک ہزار غلام تھے وہ آپ کو جو بھی مال خراج میں دیتے آپ اسے صدقہ کر دیتے۔

(تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۴۳)

موصل کے ایک بزرگ نے آپ کی پشت پر جابہ جا زخم کے اتنے نشانات دیکھے کہ کسی اور کے جسم میں اتنے زخم کے نشانات نہیں دیکھنے میں آتے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۱۴۳ دار الفکر)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ بخدا! یہ سارے زخم میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت میں اللہ کی راہ میں کھائیں ہیں۔

علمی سرگرمیاں: علمی وفقہی اعتبار سے آپ کا پایہ نہایت بلند ہے۔ آپ کا شمار متوسطین صحابہ کی فہرست میں ہوتا ہے لیکن آپ اور آپ جیسے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فتوے اور روایتیں کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ دوسرے نو خیز صحابہ اور

تابعین کو اپنے چشمۂ علم وعرفان بہرہ ور کرنے سے پیشتر ہی اپنے مالک حقیقی جا ملے جب کہ عہد رسالت کے نو خیز صحابہ نے زیادہ زمانہ پایا تو ان سے زیادہ فقہی وعلمی مسائل کی روایت کی گئی۔ پھر ان حضرات کے سینے خوف خداوندی سے لرزتے رہے اور وہ غایت درجہ احتیاط سے کام لیتے اور انھیں اس بات کا برابر خدشہ لگا رہتا تھا کہ مبادا آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر افترا نہ بندھ جائے۔ چناں چہ حضرت زبیر بن بکار نے ایک مرتبہ جب آپ سے قلت روایت کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

اسی طرح کا جواب آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تھا جب انھوں نے بھی آپ سے قلت روایت کا سبب پوچھا تھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۴۲)

تاہم آپ سے ۳۸ / احادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ میں سے ہیں اور سات افراد بخاری میں سے ہیں۔

(نزہۃ القاری، ج:۱، ص:۳۹۶ رضوی کتاب گھر)

بارگاہ رسالت میں جو چالیس کاتبین کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے ان میں سے ایک کا نام حضرت زبیر بن عوام بھی ہے۔ (مدارج النبوۃ)

آپ قرآن کریم پر عمیق نظر رکھتے اور اس پر عمل پیرا رہتے تھے۔ چناں چہ جب آپ حضرت عثمان کے قتل ناحق کے خلاف ان کے قصاص کے مطالبے کے لیے نکلے تو آپ سے لوگوں نے کہا کہ خلیفۃ المسلمین کو ضائع کرنے کے بعد اب کیوں ان کے قصاص کو طلب کرنے کے لیے نکل پڑے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس آیت کو عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں پڑھا کرتے تھے "وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً" ہمارا یہ گمان نہ تھا کہ ہم میں یہ فتنہ نازل ہو پڑے گا یہاں تک ہم میں یہ حادثہ رونما ہو گیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۳۱)

غرض کہ آپ میدان علم و درک میں بھی اسی طرح مہارت رکھتے جس طرح آپ کے سر پر میدان کارزار کی شجاعت کا تاج سجتا تھا اور آپ کے فیضان علمی و عملی کا سب سے بڑا نمونہ آپ کے صاحب زادگان حضرت عبد اللہ اور حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ ہیں جنھوں نے آپ کی علمی و عملی حیات کو نمونہ بنا کر چہار دانگ عالم میں آپ کے فیض رسانی کے دریا جاری کر دیے۔

من
اهل الفتوى

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۔۔ھ

محمد شاہ رخ رضا، احمد نگر، مہاراشٹر، جماعت: فضیلت 8601667697

نام و نسب: آپ کا نام عبدالرحمن **والد** کا نام عوف اور **والدہ** کا نام "شفا" ہے۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے، "عبد الرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبدبن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔" آپ کے والدین قبیلہ زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام "عبد عمرو" یا "عبد الکعبہ" تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ص:۷۷۹، دار ابن حزم بیروت)

ولادت اور اسلام: حضرت عبدالرحمن بن عوف کی ولادت عام الفیل کے دس سال بعد ہوئی۔

(تہذیب التہذیب، ص:۲۴۵، ج:۶، دائرہ المعارف النظامیہ ہند پہلا ایڈیشن)

اسلام لانے والوں میں آپ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ اسلام لے آئے تھے۔ اس طرح آپ ان آٹھ مسلمانوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔

حلیہ مبارک: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نہایت ہی حسین و جمیل اور لمبے قد کے شجاع مرد تھے۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابہ میں ہے کہ "كان عبد الرحمن بن عوف أبيض أعين، أهدب له جمة أسفل من أذنيه "حضرت عبد الرحمن بن عوف سفید آنکھوں والے، گھنی پلکوں والے مرد تھے اور آپ کی زلفیں کانوں کی لو کے نیچے تک تھیں۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ "كان طويلا أبيض مشربا حمرة حسن الوجه دقيق البشرة لا يخضب"

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۶، ص:۳۱۳، از: ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی)

آپ لمبے قد کے، سرخی پلائے ہوئے سفید رنگ کے، خوبصورت چہرے والے اور باریک جلد والے انسان تھے آپ مہندی استعمال نہیں کرتے تھے۔ چوں کہ آپ کی داڑھی اور سر کے بال کالے ہی تھے، اس لیے آپ مہندی یا خضاب استعمال نہیں کرتے تھے۔

مختصر حالات: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بھی نہایت شریف الطبع تھے اور اس وقت بھی خلاف فطرت کاموں سے پرہیز کرتے تھے۔ جب سارے عرب میں شراب خوری عام تھی اس وقت بھی آپ نے شراب

کو نہ چھوا، یہاں تک کہ اپنے اوپر شراب حرام کررکھی تھی "کان عبد الرحمن حرم الخمر فی الجاهلية"
(لاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:٦، ص:٣١٣، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی)

اسلام لانے کے بعد آپ نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح بہت ظلم وستم برداشت کیا۔ جب حبشہ کی ہجرت کرنے کا حکم ہوا توآپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس طرح آپ کو دونوں ہجرتوں کی سعادت نصیب ہوئی۔

مدینہ آنے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے انصار ومہاجرین کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی تو حضرت عبدالرحمن اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارگی قائم کی۔ حضرت سعد نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ اے میرے بھائی! میں مدینہ کا مالدار آدمی ہوں۔ میرے پاس دو باغ ہیں اور میری دو بیویاں ہیں۔ تو جو باغ تمھیں پسند ہو اسے اپنے لیے اختیار کرلو اور جو بیوی تمھیں زیادہ پسند ہو مجھے بتادو تاکہ میں اسے طلاق دے دوں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے انصاری بھائی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل وعیال اور مال ومتاع میں برکت عطا کرے مجھے بس بازار کا راستہ بتادیجیے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کو بازا کا راستہ بتادیا اور حضرت عبدالرحمن نے بازار جاکر تجارت شروع کردی اور بہت سارا مال کمایا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص:٢٥٧، عبدالرحمٰن رافت پاشا، مکتبہ احسان لکھنؤ)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور نہایت ہی پامردی اور استقلال کے ساتھ لڑے۔ جب جنگ احد میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پائے ثبات میں تزلزل پید ہوا۔ اس وقت بھی آپ ثابت قدم رہے۔ صاحب الطبقات الکبری لکھتے ہیں۔ "شهد عبد الرحمن بن عوف بدرا و أحداً و المشاهد كلها مع رسول الله وثبت يوم أحد حين ولّى الناس مع رسول الله ﷺ."
(الطبقات الکبریٰ، ج:٣، ص:١١٩، محمد بن سعد منیع الزہری، مکتبۃ الخانجی قاہرہ)

آپ کی شجاعت، پامردی اور ثبات قدمی کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ "جرح يوم احد احدى و عشرين جراحة و جرح فى رجله فكان يعرج منها"۔ جنگ احد میں آپ کو اکیس زخم لگے اور آپ کے پیر میں زخم لگے جس کی وجہ سے آپ لنگڑا کر چلتے تھے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ص:٧٧٩، از: امام عزالدین ابوحسن علی بن محمد جزری، دار ابن حزم بیروت)

شعبان ٧ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو سیاہ عمامہ باندھ کر آپ کی قیادت میں سات سو صحابہ کو "دومۃ الجندل" کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت عبدالرحمن نے وہاں جاکر ان لوگوں کو تین مرتبہ اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے تینوں مرتبہ انکار کردیا۔ پھر ان کے سردار اصبغ بن عمرو کلبی اسلام لے آئے۔ حضرت عبدالرحمن نے اس بات کی خبر حضور ﷺ کو بھیجی تو آپ نے حضرت عبدالرحمن کو اصبغ کی بیٹی سے نکاح کرنے کا حکم دیا۔ (الطبقات الکبیر، ص:١٢٠، ج:٣، محمد بن سعد منیع الزہری، مکتبہ الخانجی قاہرہ)

آپ نے اپنی زندگی میں بہت ساری عورتوں سے نکاح کیا جن سے آپ کی بہت ساری اولاد ہوئیں۔ صاحب طبقات الکبیر نے ان میں سے بہت سے نام اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔

دولت و ثروت اور سخاوت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بے شمار مال و دولت سے نوازا تھا۔ آپ کے مال و دولت اور سخاوت کے کثیر واقعات صفحات تاریک میں درج ہیں۔ جہاں آپ نے اپنی جان کے ذریعہ اسلام کی خدمت انجام دی اس سے کہیں زیادہ آپ نے اپنے مال کے ذریعہ اسلام کی مدد کی۔ آپ کی دولت و ثروت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ عبدالرحمن رافت پاشا آپ کے وراثت میں چھوڑے ہوئے مال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”خلف لورثته مالا لا يكاد يحصيه العد... حيث ترك الف بعير و مائة فرس و ثلاثة آلاف شاة و كانت نساءه اربعا فبلغ ربع الثمن الذى خص كل واحدة منهن ثمانين ألفا و ترك من الذهب و الفضة. ما قسم بين ورثته بالفؤوس حتىٰ تأثرت أيدي الرجال من تقطيعه.“

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۶۴، عبدالرحمٰن رافت پاشا، مکتبہ احسان، لکھنو)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن نے اپنے ورثہ کے لیے اتنا مال چھوڑا جس کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔۔۔ آپ نے ایک ہزار اونٹ، سو گھوڑے، تیس ہزار بکریاں چھوڑی۔ آپ کی چار بیویاں تھیں توان کے لیے مخصوص کردہ ثمن کا چوتھائی حصہ اسی ہزار کو پہنچ گیا۔ اور آپ نے اتنا سونا اور چاندی چھوڑا جسے ورثہ کے درمیان کلہاڑیوں سے تقسیم کیا گیا یہاں تک اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی وجہ سے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑگئے۔

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں ”أن عبد الرحمن بن عوف تزوج امرأة من الانصار على ثلاثين ألفاً.“ کہ آپ نے ایک انصری عورت سے تیس ہزار مہر کے بدلے نکاح کیا۔

(الطبقات الکبیر، ج:۳، ص:۱۷۰۱، محمد بن سعد منبع زہری، مکتبہ الخانجی، قاہرہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال و دولت کے ساتھ ساتھ آپ کو ایک کشادہ، وسیع اور سخی دل بھی عطا کیا تھا۔ آپ کی سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کے ایسے ایسے واقعات ہیں جنھیں پڑھ کر اور سن کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ جنگ تبوک میں جب رسول اللہ ﷺ نے انفاق کی ترغیب دی تو اس وقت بھی حضرت عبدالرحمن بن عوف سب پر غالب رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں عبدالرحمن کو گناہ گار سمجھتا ہوں کہ انھوں نے گھر والوں کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے صحابہ کو جہاد میں نکلنے کا حکم دیا اور صدقہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ جلدی جلدی گھر گئے اور واپس آکر بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے پاس چار ہزار دینار تھے۔ ان میں سے دو ہزار آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور دو اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑتا ہوں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دعا دی کہ ”بارك الله لك فى ما أعطيت و بارك الله لك فيما أمسكت“. (صور من حیاۃ الصحابہ، ص:۲۵۹، مکتبہ احسان لکھنو)

ایک مرتبہ آپ نے سات سو سواریوں پر مشتمل قافلہ؛ جس میں اناج وغلہ بھرا ہوا تھا۔ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک

دعا دینے پر سارا کے سارا صدقہ کر دیا۔

اپنی وفات سے پہلے ہر بدری صحابی کے لیے چار سو دینار کی وصیت کی جو سو صحابی نے حاصل کیے۔

(صور من حیاۃ الصحابہ، ص:۲۶۲، مکتبہ احسان لکھنو)

راہ الٰہی میں پچاس ہزار دینار کی وصیت کی۔ (الطبقات الکبیر، ج:۳، ص:۱۲۷، مکتبہ الخانجی قاہرہ)

اور امہات المومنین میں سے ہر ایک کے لیے کثیر مال کی وصیت کی۔ اس کے علاوہ آپ کی سخاوت کی بے شمار واقعات موجود ہیں۔

فضائل و کمالات: آپ کی ذات بابرکت بے شمار محاسن، فضائل و کمالات کی حامل تھیں۔ آپ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ بدری صحابی ہیں۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "عبد الرحمن سید من سادات المسلمین" عبدالرحمٰن مسلمانوں کے سرداروں کے سردار ہیں۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۶، ص:۳۱۲، ابن حجر عسقلانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد الرحمن کے بارے میں فرمایا "هو أمين فی السماء و أمين فی الارض"۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ص:۷۸۰، امام عزالدین ابوحسن علی بن محمد جزری، دار ابن حزم بیروت)

حضرت عبد الرحمن کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ امام الانبیاء ﷺ نے آپ کی اقتدا میں ایک رکعت ادا فرمائی "صلی رسول الله ﷺ خلفه فی سفرة سافرها ركعة من صلاة الصبح"۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۶، ص:۳۱۲)

ایک اور فضیلت جس کی بشارت نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں دی تھی آپ ہی کے حصہ میں آئی وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میرے بعد امہات المومنین کا خیال رکھے گا وہ سچا اور نیکو کار ہے۔ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے بعد ازواج مطہرات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اس طرح یہ بشارت بھی آپ ہی کو نصیب ہوئی۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۶، ص:۳۱۲)

مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے لیکن آپ پہلے ہی خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

اسلام میں مردوں کو عام حالات میں ریشم پہننا حرام ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن کو ریشم پہننے میں رخصت عطا کی تھی۔ الطبقات الکبیر میں ہے کہ كان عبد الرحمن رجلا ثريا فاستأذن رسول الله فی قميص حرير فأذن له. حضرت عبدالرحمٰن مالدار آدمی تھے تو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے ریشمی قمیص پہننے کی اجازت طلب کی تو حضور ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی۔ (الطبقات الکبیر، ج:۳، ص:۱۲۱، مکتبہ الخانجی قاہرہ)

فقہی و اجتہادی شان: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو علم و فقہ سے بھی وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کا علمی و فقہی مقام بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھا۔ آپ کی علمی جلالت اس بات سے بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ آپ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں فتوی دیا کرتے تھے۔ صاحب کتاب الطبقات الکبیر لکھتے ہیں کہ "كان عبد الرحمن بن عوف ممن يفتي فی عهد رسول الله ﷺ و أبي بكر و عمر و عثمان بما سمع من النبي ﷺ" (الطبقات الکبیر، ج:۲، ص:۲۹۴، مکتبہ الخانجی قاہرہ)

صاحب تہذیب التہذیب لکھتے ہیں "كان عبد الرحمن ممن يفتي على عهد رسول الله ﷺ"

(تہذیب التہذیب، ج:٦، ص:٢٤٦، احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دائرۃ المعارف النظامیہ ہند)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے اقوال سے عہد رسالت میں فتوی دیا کرتے تھے۔

آپ کا شمار عہد صحابہ میں کبار فقہا میں ہوتا تھا۔ اور بہت سارے لوگ آپ سے علم فقہ حاصل کرتے تھے۔ طبقات الفقہاء میں ہے "و في الصحابة خلق كثير غير هؤلاء نقل عنهم الفقه كطلحة بن عبيد الله و الزبير بن العوام و سعد بن أبي وقاس و سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل و عبد الرحمن بن عوف".

(طبقات الفقہا، ص:٥٢، ابواسحاق شیرازی شافعی دار الرائد العربی)

مذکورہ صحابہ کے علاوہ بہت سے صحابہ ایسے جن سے فقہ منقول ہوا۔ مثلاً حضرت طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ آپ علمی مقام اور عدالت صحابہ کرام میں اس قدر مشہور و معروف تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو روایت حدیث کے سلسلہ میں نہایت سخت تھے اور راوی سے اپنی روایت پر گواہی طلب کرتے تھے، بارہا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تنہا روایت پر اعتماد کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ کئی مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن کی طرف رجوع کیا ہے۔

آپ بھی مجتہد صحابہ میں سے تھے۔ لیکن کثرت کے ساتھ آپ کے اجتہادی نمونے نہیں ملتے ہیں۔ جس کی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت اتنے مسائل ہی نہیں پیدا ہوئے تھے کہ کثرت کے ساتھ اجتہاد کیا جاتا، لیکن چند ایک مسائل کتب احادیث وفقہ میں مذکور ہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے اپنی موطا میں حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس میں حضرت عبد الرحمن بن عوف کا اجتہادی عمل ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے "حدثني يحيىٰ عن مالك عن ابن شهاب عن أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف أن عبد الرحمن بن عوف ابتاع وليدة فوجدها ذات زوج فردها"۔

(موطا امام مالک کتاب البیوع، ص:٣٤٦، المکتبۃ العصریہ بیروت)

حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ایک باندی خریدی پھر اسے شوہر والا پایا تو آپ نے اس کو لوٹا دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے چند مسائل کا استنباط اور اس سلسلہ میں آپ کے مذہب و مسلک کا پتہ چلتا ہے۔ پہلا مسئلہ خیار عیب سے متعلق ہے۔ وہ یہ ہے کہ کیا باندی میں شادی شدہ ہونا عیب ہے یا نہیں؟ دوسرا مسئلہ بیع الأمۃ طلاق ہے یا نہیں؟ ذیل میں ان دونوں مسائل پر قدرے تفصیل سے بحث کرتے ہیں:

پہلا مسئلہ:- اس مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز خریدی پھر خریدنے کے بعد مشتری کو مبیع کے اندر کسی عیب پر آگاہی ہوئی تو مشتری کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو مبیع کو اپنے پاس رکھے یا بائع کو واپس لوٹا دے۔ یہ تو ایک واضح اور سیدھا سادہ مسئلہ ہوا۔ لیکن عیب کسے کہتے ہیں؟ اور کون سی چیز مبیع میں عیب شمار ہوگی؟ تو اس سلسلہ میں یہ قاعدہ

ہے کہ ”جو چیز تجار کے نزدیک مبیع میں ثمن کی کمی اور نقصان کا باعث ہو وہ عیب ہے مثلاً باندی میں بغل کا بدبودار ہونا عیب ہے۔ البتہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باندی کو منکوحہ ہونے کی وجہ سے رد کر دیا تو باندی میں منکوحہ ہونا عیب ہے یا نہیں اس سلسلہ میں فقہا کے مذاہب درج ذیل ہیں:-

(۱) حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک یہ عیب ہے۔ اور یہی قول عبید اللہ بن حسن کا ہے (۲) حضرت حسن بن حی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ عیب نہیں ہے۔ (۳) امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس سلسلہ میں یہ قول ہے کہ اگر شادی شدہ ہونے سے ثمن میں کمی آئے تو عیب ہے ورنہ نہیں۔ (۴) حضرت ابو ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ عیب ہے اور اس بنا پر واپس کی جائے گی۔ (الاستذکار لابن عبدالبر، ج:۱۹، ص:۷۹-۸۰، دار الوغی حلب قاہرہ)

جمہور فقہا کا مذہب یہی ہے کہ وہ عیب ہے اور مشتری کو اس وجہ سے خیار عیب حاصل ہوگا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کا بھی یہی مذہب ہے کیوں کہ اگر آپ کے نزدیک یہ عیب نہ ہوتا تو آپ کو خیار عیب ہی حاصل نہ ہوتا۔ آپ کا باندی کو واپس کرنا صراحۃً اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ باندی میں شادی شدہ ہونا عیب ہے۔

دوسرا مسئلہ:- اگر آقا نے اپنی شادہ شدہ باندی بیچ دی تو کیا باندی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں جمہور فقہا و صحابہ کا مذہب یہ ہے کہ باندی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مذکورہ حدیث میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے بھی اسی بات کا پتہ چلتا ہے کہ بیعِ جاریہ طلاق نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر آپ کے نزدیک بھی اس پر طلاق واقع ہو جاتی تو عیب ہی ختم ہو جاتا اور خیار عیب بھی حاصل نہ ہوتا۔ البتہ اس مسئلہ میں حضرت عبد اللہ بن عاص و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے ان کے نزدیک بیع الامۃ طلاق ہے علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں ”أن عثمان کان لایری أن بیع إلاأمة طلاقها.......... و مذهب عبد الرحمن بن عوف فی ذٰلك كذلك و هما مخالفان لابن مسعود و ابن عباس فی هذه المسئلة“ (الاستذکار لابن عبدالبر، ج:۱۹، ص:۷۹، دار الوغی حلب قاہرہ)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیع جاریہ کو طلاق نہیں مانتے تھے۔ --- اور اس سلسلہ میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور یہ دونوں حضرات اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مخالف ہیں۔

رہی بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کی تو چوں کہ ان کے نزدیک طلاق کا مالک آقا ہوتا ہے نہ کہ غلام۔ تو جب آقا کی اجازت سے باندی کا نکاح ہوا تھا اور اس نے شوہر کو باندی میں تصرف کرنے کی اجازت دی تھی تو گویا وہ اجازت اس نے اپنے عمل سے یعنی اس کو بیچ کر ختم کر دی۔ اس لیے ان کے نزدیک باندی پر یا تو طلاق واقع ہوگی یا نکاح فسخ ہوگا۔

اور ہمارے نزدیک جو حضرت عبد الرحمن کا بھی مسلک ہے کہ طلاق کا مالک غلام ہی ہوتا ہے اس لیے محض باندی کو فروخت کرنے سے باندی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

تیسرا مسئلہ:- حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے ایک اور مسئلہ کا پتہ چلتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر باندی شادی شدہ ہے تو وطی کا اختیار کس کو حاصل ہوگا؟ کیا آقا بھی اس کے ساتھ وطی کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں وطی کا اختیا صرف شوہر کو ہے نہ کہ آقا کو۔ کیوں کہ اگر آقا کو بھی وطی کرنے کی اجازت ہوتی تو اصل مقصود یعنی باندی کو صاحب فراش بنانا اور تحصیل اولاد، کے حصول کی وجہ سے نکاح، باندی میں عیب نہ ہوتا۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کا باندی کو واپس کر دینا بھی اس بات کو بتا رہا ہے کہ اگر باندی شادی شدہ ہے تو اس سے اصل مقصود حاصل نہیں ہو سکتا یعنی آقا اس کے ساتھ وطی نہیں کر سکتا۔

چوتھا مسئلہ: آپ کے اس عمل سے مسئلہ خیار عیب کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر مشتری عقد بیع کے بعد مبیع میں کوئی عیب پائے تو اس کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ مبیع واپس کر دے اور عقد بیع کو فسخ کر دے۔

وفات:- حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۲ھ کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال تھی۔

(الطبقات الکبیر، ج:۳، ص:۱۲۶ مکتبہ الخانجی قاہرہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ کا جنازہ اٹھا کر لے گئے۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۶۴ مکتبہ احسان لکھنو)

من
أهل الفتوى

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۵۲ھ

عبدالمنان، شراوستی، جماعت: سابعہ Mob. 8009456765

وہ صحابی رسول جنھوں نے فتح عراق کے بعد عہد فاروقی میں سب سے پہلے بصرہ کو اپنی تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اس عالم وفاضل فقیہ صحابی کا نام عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

کنیت: آپ کی کنیت ابو نُجَید ہے۔

سلسلۂ نسب: ابن کلبی کی روایت کے مطابق سلسلہ نسب یہ ہے: بن حصین بن عبید بن خلف بن عبد نہم بن حذیفہ بن جہمہ بن غاضرہ بن حبشیہ بن کعب بن عمرو الخزاعی۔

البتہ ابو عمر نے عبد نہم کے بعد بن حذیفہ بن جہمہ کے بجائے بن سالم بن غاضرہ الخ بیان کیا ہے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن الاثیر الجزری، ج:۴ص:۲۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

خاندانی پس منظر: آپ کا تعلق قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو کعب سے تھا یہ قبیلہ مرانظہران کے قرب وجوار میں آباد تھا۔

تاریخ ولادت: آپ کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں مورخین اور ارباب جرح وتعدیل خاموش ہیں۔

(تہذیب التہذیب، ج:۸، ص:۱۲۵۔۱۲۶، ابن حجر عسقلانی، دار احیاء التراث العربی)

قبول اسلام: ہجرت مدینہ منورہ کے بعد غزوۂ خیبر کے سال ۷ھ میں اپنے والد ماجد اور بہن کے ساتھ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے اور زندگی بھر خدمت اسلام ومسلمین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

غزوات و سرایا میں شرکت: آپ نے اگرچہ مدینہ طیبہ ہجرت نہیں کی پھر بھی متعدّد غزوات میں برسرپیکار ہوئے فتح مکہ کے دن قبیلہ خزاعہ کے نمائندہ کی حیثیت سے عَلَم آپ کے ہاتھوں میں تھا اور غزوۂ حنین و طائف میں بھی شریک وسہیم رہے۔(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۸، شمس الدین الذہبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

فقہی خدمات: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار جلیل القدر فضلا اور فقہاے صحابہ میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے عہد خلافت میں بصرہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم پر مامور فرمایا آپ نے وہاں ایک عظیم الشان حلقۂ درس قائم فرمایا اور ۳۱ھ سے ۵۲ھ تک عہد خلفاے راشدین و بنوامیہ میں تعلیمی فریضہ کی انجام دہی میں مصروف رہے۔

چند دنوں تک عہد بنوامیہ میں خراسان کے محصل خراج رہے اور بصرہ کے منصب قضا کی ذمہ داری بھی سنبھالی تاہم بعد میں آپ نے ان سب سے سبک دوشی اختیار کرلی اور حسب سابق حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیے خود کو وقف کردیا اس طرح آپ نے تقریباً ۳۹ سال تک بصرہ میں فقہ کی خدمت کی اور اسے علم ومعرفت کا گہوارہ بنادیا۔

آپ کی یہ پر خلوص خدمت رب کی بارگاہ میں کچھ اس طرح مقبول ہوئی کہ عالم غیب سے ملائکہ آپ پر سلام بھیجتے تھے اور اسے آپ سنتے بھی تھے مگر آخر حیات میں ناسور جیسے مہلک مرض کے سبب آپ نے زخم پر داغ لگوایا تو یہ سلسلہ منقطع ہوگیا پھر اثر زائل ہونے کے بعد تاحیات جاری رہا۔

وفات: بصرہ جہاں آپ پوری زندگی علم وفضل کے موتی بکھیرتے رہے اسی سرزمین پر ۵۲ھ میں جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ و انا إلیه راجعون.

(ملخصاً ایضاً، ج:۱، ص:۲۸۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۴، ص:۵۸۴، ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

من أهل الفتوى

حضرت ابوبکرہ نفیع بن مسروح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔وفات:۵۲/۵۱ھ

محمد شاکر، مدھوبنی، جماعت: فضیلت Mob:7839216010

نام: آپ کا نام نفیع بن مسروح اور **کنیت:** ابوبکرہ ہے۔ اسی کے ساتھ آپ مشہور و معروف ہیں۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۶، ص:۳۶۹، امام ابن حجر عسقلانی متوفی:۸۵۲ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء)

محمد بن سعد بن منیع ہاشمی نے ذکر کیا ہے کہ آپ اہل طائف کے غلاموں سے ہیں۔ جب رسول کریم ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا، تو آپ ﷺ نے اعلان عام فرمادیا: اے اہل طائف! تم میں جو آزاد شخص ہمارے طرف قلعے سے اتر آئے وہ مامون ہے اور جو غلام ہم میں پناہ لے وہ آزاد ہے۔ اس اذن عام کے بعد غلام ٹولی بنا کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گئے، چناں چہ ان غلاموں کی جماعت کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا چوں کہ آپ بھی انھیں میں سے تھے، اس لئے لوگوں نے آپ کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی (یعنی صاحب جماعت) اسی لئے آپ بطور فخر کہا کرتے تھے "میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ ہوں" (الطبقات الکبریٰ از محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری، ص:۱۱، ج:۷، دار الکتب العلمیہ، طبع ثانی، ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء)

ابونعیم اصفہانی احمد بن عبد اللہ متوفی ۴۳۰ھ نے لکھا ہے کہ آپ کو جماعت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آنے کے سبب آپ کی کنیت حضور ﷺ نے ابوبکرہ رکھ دی۔

(معرفۃ الصحابہ، ج:۴، ص:۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی، ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۲ء)

شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس اہل طائف کے غلاموں کے ساتھ آگئے۔ اور حضور ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول فرمایا۔ پھر آنے عرض کیا: حضور! ﷺ میں غلام ہوں، تو آپ ﷺ نے آپ کو آزاد کر دیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۱۱، دار الفکر، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء)

نسب: آپ کے نسب کے سلسلے میں اختلاف ہے: ایک جماعت کا خیال ہے کہ آپ حارث بن کلدہ بن عمرو کے صاحبزادے ہیں چناں چہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے مشہور مؤرخ ابن عساکر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: آپ حارث بن کلدہ بن عمرو کے بیٹے ہیں، مگر یہی ابن عساکر کے روایت کے مطابق حارث کے غلام تھے بعد میں اپنا نسبی رشتہ انھی سے جوڑنے لگے۔ (سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق)

جب کہ محمد بن احمد عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے آگے ذکر کیا ہے کہ آپ حارث بن کلدہ سے منسوب کردہ ولدیت کا انکار

فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ ابوبکرہ ہوں۔ پتہ نہیں کیوں لوگ میرا نسبت بیان کرتے رہتے ہیں حالاں کہ میں تو نفیع بن مسروح ہوں۔(سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد کا نام "مسروح" ہے۔مگر غلامی کی وجہ سے لوگ "نفیع بن حارث" کہا کرتے تھے۔

محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری نے آپ کے والد کا نام مسروق اور مسروح دونوں روایت کے ساتھ بیان کیا ہے۔(الطبقات الکبریٰ، ج:۷، ص:۱۰، بتفصیل سابق)

جذبۂ دعوت: آپ کے اندر اسلام کی نشرواشاعت اور اس کی تبلیغ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جسے آپ کے بیٹے حضرت عبدالعزیز نے بیان کیا ہے: میرے والد نے ایک عورت سے شادی کی پھر چند دنوں بعد اس کا انتقال ہوگیا، جب نماز جنازہ پڑھانے کا وقت آیا تو آپ کی بیوی کے بھائیوں اور آپ کے درمیان نماز جنازہ پڑھانے کے سلسلے میں بحث ومباحثہ ہوگیا، ان کا کہنا تھا کہ نماز جنازہ پڑھانے کے ہم حق دار ہیں، آپ کہتے ہیں میں مستحق ہوں۔ لوگوں نے بحث ومباحثہ سن کر کہا: رسول اللہ ﷺ کے صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں یہی اس کے مستحق ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد جب آپ قبر میں داخل ہوئے تو آپ کو بیوی کے بھائیوں نے دھکا دیکر ہٹا دیا، اسی اثنا میں آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ آپ کے اہل خانہ آپ کو اپنے گھر لے گئے اس وقت آپ کے پاس بیس اولاد تھے، اس حالت کو دیکھ کر سبھوں نے رونا دھونا شروع کردیا، کچھ دیر بعد جب آپ ہوش میں آئے تو فرمایا: تم لوگ نہ روؤ، واللہ کوئی نکلنے والی جان میرے نزدیک ہماری جان سے زیادہ پیاری نہیں ہے۔ اس بات کو سن کر آپ کے بیٹے بیٹیاں گھبرا گئے اور بولے: کیوں والد صاحب! اس طرح کی بات آپ کیوں فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ میں ایسے دور میں رہوں جس میں امر بالمعروف نہی عن المنکر کی سکت نہ رکھوں اور ان دنوں کوئی بھلائی موجود نہ ہو۔(سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق ص:۲۰۸)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا موقف: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اختلاف پیدا ہوا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تین طبقوں میں بٹ گئے ایک طبقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ، دوسرا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور صحابہ کا ایک تیسرا طبقہ تھا جو ان دونوں گروہوں سے مختلف تھا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف، نہ حضرت امیر معاویہ کے ساتھ آپ اسی تیسرے طبقے میں تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعات سے ظاہر ہے:

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے جنگ کے لیے گلے میں تلوار ڈال لی۔ جب حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو آپ بولے: اے بھتیجے! آپ نے یہ کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی ہے اور میں نے ان کا ساتھ نبھانے کے لیے یہ ہیئت بنائی ہے آپ نے ہمیں نصیحت فرمایا: ایسا مت کرو! کیوں کہ یہ لوگ دنیاداری کے لیے لڑ بھڑ رہے ہیں۔ یہ حضرات بغیر مشورے کے عہدۂ خلافت سنبھالنے لگے۔

(سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق ص:۲۰۹)

حضرت ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا دوست تھا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ کیا لوگ یہ

دیکھتے نہیں کہ میں انھیں دنیاداری کے سبب عتاب کرتا ہوں؟ انھوں نے میرے بیٹے عبید اللہ کو گھوڑ سواروں اور دارالرزق اور عبدالرحمٰن کو بیت المال پر عامل مقرر کردیا ہے۔ بتائیے کیا یہ ان میں دنیاداری نہیں ہے؟ انھی چیزوں کی بنا پر میں انھیں عتاب کرتا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء، بتفصیل سابق ص:۲۰۹)

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میرے قریب سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے جنھیں ان کے علاتی بھائی ابن زیاد نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عتاب کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ میں بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے پاس گیا، اس وقت آپ حالت مرض میں تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے لڑکوں کے عامل مقرر کیے جانے کا تذکرہ کیا، تو آپ نے کہا: کیا لوگ اس بات پر جری ہوگئے ہیں کہ انھیں (یعنی ہمارے بیٹے کو) جہنم میں پہنچادیں؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اپنا اظہار خیال کرتے ہیں کہ میں انھیں ان باتوں میں اہل حروریوں کے اجتہاد کی طرح مجتہد مانتا ہوں: وہ اپنے اجتہاد میں صواب پر ہے یا خطا پر؟ (سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق ص:۲۰۹)

یقین کامل: آپ سبب ظاہری پر عمل نہ کرکے ہر چیز میں مسبب حقیقی اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ کرتے تھے جیسا کہ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے: حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ جب آپ بیمار پڑے تو آپ کے بیٹوں نے آپ کی علاج کے لیے طبیب لانے کی اجازت چاہی آپ نے فوراً انکار کردیا۔ جب آپ کی موت ہونے لگی تو اپنے بیٹوں سے کہا: تم لوگ تو طبیب لانے کی بات کررہے تھے، کہاں ہے تمھارا طبیب؟ (بطور طنز انھوں نے کہا:) اگر وہ طاقت رکھتے ہیں تو مجھے اچھی حالت پر پھیر دیں؟ (سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق ص:۲۱۰)

وفات: آپ کا وصال حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں بصرہ کی سرزمین پر ہوا۔ سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق، ۲۱۰)

مواخاۃ رسول: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور حضرت ابوبرزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھائی چارگی قائم فرمادی تھی۔ آپ دونوں حضرات کی رہائش گاہ بصرہ ہی تھا اسی رشتۂ مواخاۃ کی بنیاد پر آپ نے حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وصیت کی کہ آپ میری نماز جنازہ پڑھائیں گے اسی کے مطابق حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی

(معرفۃ الصحابہ، از ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ، ج:۴، ص:۳۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء/ سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق، ص:۲۱۰)

فضل وکمال: ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے لکھا ہے کہ آپ نہایت نیک صاحب زہد وورع مرد تھے۔

(معرفۃ الصحابہ بتفصیل سابق، ص:۳۳۵)

محمد بن احمد ذہبی بیان کرتے ہیں کہ آپ کا شمار فقہاے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوتا ہے اور آپ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد ہیں (سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق، ۲۰۷) اور آپ فضلاے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صف میں آتے ہیں۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج:۶، ص:۳۶۹، از امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، طبع ثانی ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء)

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کوئی بصرہ میں آیا ہی نہیں۔ (سیر اعلام النبلاء بتفصیل سابق، ۲۱۰)

شباک سے ایک شخص نے بیان کیا کہ قبیلہ ثقیف نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلامیت ہی کی حالت میں واپس کرنے کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ تو اللہ اور اس کے رسول کا آزاد کردہ ہے تم کیسے انھیں غلامی کے ساتھ واپس لینا چاہتے ہو؟ (الطبقات الکبری بتفصیل سابق، ۱۱)

روایت احادیث: بہت سے محدثین نے آپ سے احادیث کی ہے۔آپ کے مرویات کی تعداد کثرت سے پائی جاتی ہے۔

راویان احادیث: آپ سے جن حضرات نے اخذ حدیث کی ان میں سرفہرست ابوعثمان نہدی، احنف بن قیس، حسن بن ابی الحسن ان کے بھائی سعید بن ابی الحسن، عبدالرحمٰن بن حوشن، اشعب بن ثرملہ، عتبہ بن صہبان، زیاد بن حصین اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار لڑکے جو اپنی شرافت ودانش مندی میں مشہور ہیں: عبدالرحمٰن، عبدالعزیز، عبیداللہ، مسلم بنو ابی بکرہ۔
(معرفۃ الصحابہ بتفصیل سابق، ص:۳۳۵)

مرویات: آپ کی مرویات کے چند احادیث بطور نمونہ ہم ذکر کررہے ہیں احنف بن قیس حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان آپس میں تلوار سے جھگڑے تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہیں۔ (معرفۃ الصحابہ بتفصیل سابق، ص:۳۳۵)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: مجھ سے ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ خود کو ذلیل کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: وہ کیسے کیسے اپنے آپ کو ذلیل کرے گا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: طاقت سے باہر ازمائش سے خود کو مکلف بناکر۔ (معرفۃ الصحابہ بتفصیل سابق، ص:۳۳۶)

من
أهل الفتوى

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ھ

محمد حسین، کان پور، جماعت: فضیلت ۸۱۷۴۰۷۹۰۴۹

انصار مدینہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ایک نام حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ کے والد کا نام صامت ہے۔

سلسلۂ نسب: عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔ (معرفۃ الصحابہ لأبي نعیم الاصبہانی، ۳/۳۳۸، دار الکتب العلمیہ)

آپ کی والدہ کا نام "قرۃ العین" ہے۔ آپ کا مادری شجرۂ نسب اس طرح ہے:

"قرۃ العین بنت عبادہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔"

(تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر، ۲۶/۱۷۵، دار الفکر)

"غنم" پر جاکر آپ کی ماں کا نسب آپ کے باپ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

القاب وکنیت: آپ کی کنیت "ابوالولید" ہے اور مختلف القاب سے آپ کو موسوم کیا جاتا ہے جو یہ ہیں:

"عقبی، بدری، احدی، شجری اور نقیب"۔ (معرفۃ الصحابہ، ۳/۳۳۸)

آپ کی زوجہ "ام حرام بنت ملحان" ہیں۔

قبول اسلام: اعلان نبوت کے بعد حضور انور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاجیوں کے قافلوں اور وفود کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے، ہجرت کے چند سالوں بعد ایام حج میں ایک روز سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے باہر تشریف لائے تو آپ کا گزر اہل مدینہ کے چند افراد کے پاس سے ہوا جو "منیٰ" میں ٹھہرے ہوئے تھے، یہ کل آٹھ افراد تھے:

(۱) عبادہ بن صامت (۲) معاذ بن عفرا (۳) اسعد بن زرارہ (۴) رافع بن مالک (۵) ذکوان بن عبد قیس (۶) ابو عبد الرحمٰن یزید بن ثعلبہ (۷) ابوالہیثم بن تیہان (۸) عویم بن ساعدہ۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو ان سب نے اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی۔ (تاریخ مدینۂ دمشق، ۲۲۶/۱۸۴-۱۸۵)

تاریخ اسلام میں یہ بیعت "بیعت عقبۂ اولی" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس کے ایک سال بعد انصار مدینہ کے ۱۲/ لوگوں نے مکہ آکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کی، اس گروہ میں بھی حضرت عبادہ شریک تھے اور اس بیعت کو "بیعت عقبۂ ثانیہ" کہا

جاتا ہے۔ ان دونوں بیعتوں میں شریک ہونے والے افراد ”اصحاب عقبہ“ کہلائے اسی وجہ سے حضرت عبادہ بھی ”عقبی“ کہلائے۔

آپ قواقل بنی عوف بن خزرج کے نقیب بھی تھے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اور ابو مرثد غنوی کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کیا تھا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ لعز الدین الجزری، ۱۵۹/۳، دار الکتب العلمیہ)

غزوات: غزوۂ بدر، احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات و سرایا میں آپ حضور ﷺ کے ہمراہ رہے اور ان کے علاوہ ”بیعت رضوان“ کی حاضری کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے۔ (اسد الغابۃ، ۱۵۹/۳)

روایت حدیث: آپ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث کی تعداد ۱۸۱ر ہے، جن میں سے ۶ر احادیث ”متفق علیہ“ ہیں، دو حدیثیں صرف امام بخاری نے روایت کیں اور دو حدیثوں کی روایت میں امام مسلم منفرد ہیں۔

اسماے رواۃ: آپ سے بہت سے صحابہ کرام نے احادیث روایت کی ہیں، ان میں سے کچھ کے اسماے مبارکہ یہ ہیں:

”جابر، فضالہ بن عبید، انس بن مالک، ابوامامہ باہلی، مقدام بن معدی کرب، عبد اللہ بن عمرو، اور محمود بن ربیع۔“

ان کے علاوہ دیگر تابعین عظام نے بھی آپ سے احادیث کی روایت کی ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ۸۲/۱-۲۸۱، حافظ ابو زکریا نووی، دار الکتب العلمیہ)

فضل و کمال: آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ ذیل میں چند ایسے امور ذکر کیے جا رہے ہیں جن سے آپ کے فضل و کمال کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تدوین قرآن: محمد بن کعب قرظی نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ۵ر انصاری صحابہ نے جمع قرآن کی خدمت انجام دی:

(۱) معاذ بن جبل (۲) عبادہ بن صامت (۳) ابی بن کعب (۴) ابو ایوب انصاری اور (۵) ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تعلیم اہل صفہ: آپ ان اصحاب صفہ کو تعلیم دیا کرتے تھے جنھوں نے خود کو اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا اور ان کے شب و روز تعلیم و تعلم اور الحاح وزاری میں گزرا کرتے تھے۔ اس سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تحصیل صدقات: بعض مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو صدقات کی وصول یابی کے لیے بھی مامور کیا جو آپ کی امانت اور دیانت پر شاہد ہے۔

تفقہ فی الدین: جب مسلمانوں نے ملک شام فتح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہاں بھیجا اور آپ کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی بھیجا تاکہ یہ حضرات ملک شام میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ چناں چہ حضرت عبادہ ”حمص“ میں ٹھہرے، حضرت ابو دردا نے ”دمشق“ میں قیام کیا اور حضرت معاذ ”فلسطین“ چلے گئے، پھر کچھ زمانے کے بعد حضرت عبادہ ”فلسطین“ چلے گئے۔

امام اوزاعی نے فرمایا: فلسطین کے منصب قضا پر فائز ہونے والے سب سے پہلے شخص عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔

(اسد الغابۃ، ۱۵۹/۳-۱۶۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل شام کی تعلیم قرآن اور تفقہ فی الدین کے لیے حضرت عبادہ کا انتخاب کیا۔اس کے علاوہ فلسطین کی مسند قضا پر آپ کا متمکّن ہونا آپ کی فقہی شان وشوکت پر دلالت کرتا ہے۔

وفات: آپ کی تاریخ وفات کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے،ایک قول کے مطابق آپ کا وصال ۴۵ھ میں ہوا جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۷۲/ سال کی عمر میں ۳۴ھ کو سرزمین ''فلسطین'' کے علاقے ''شام'' کے شہر ''رملہ'' میں ہوئی۔ تہذیب الاسماء واللغات اور أسد الغابہ میں اسی دوسرے قول کو ترجیحی صورت حاصل ہے اور معرفۃ الصحابہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ و اللہ أعلم بالصواب

من
أهل الفتوى

حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۵۵ ھ

محمد رضوان احمد قادری، کشن گنج، جماعت: فضیلت ۷۶۶۹۹۹۷۰۵۲

نام: کعب **لقب:** ابوالیسر، **کنیت:** ابوعبداللہ، **ولدیت:** عمر بن عباد

سلسلۂ نسب: کعب بن عمرو بن عباد بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمۃ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن خزرج نصاری، خزرجی سلمی ابوالیسر۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: ۲، ص: ۴۵۷، عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجوزی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۲۰۰۳)

ولادت: اس سلسلے میں کوئی تاریخ نہیں ملی، اس لیے اس کے بارے میں کچھ لکھا نہیں گیا۔

قبول اسلام: آپ ایک جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، عقبہ ثانیہ میں بیعت کی اور دولت اسلام سے سرفراز ہوئے، یعنی اعلان نبوت کے تیرہویں سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش یا حکم کی تکمیل کے لیے ہمیشہ کوشاں اور کمربستہ رہتے، اس تعلق سے ایک روایت مسند امام احمد بن حنبل میں منقول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک تھا، شام کے وقت کسی یہودی کی بکریاں قلعہ میں داخل ہونے والی تھیں اور ہم قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکریوں کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو ہمیں ان بکریوں میں سے کسی کا گوشت کھلائے؟ حضرت ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں، تو سرکار نے فرمایا: جاؤ! حضرت ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں انتہائی تیزی سے دوڑا اور بکریوں کے ریوڑ تک پہنچ گیا، ریوڑ کا اگلا حصہ قلعہ میں داخل ہو چکا تھا اور پیچھے کچھ ہی بکریاں تھیں، میں نے ان میں سے دو بکریاں پکڑ لی اور میں نے ان دونوں کو اپنے بازوؤں میں اس طرح دبا کر تیز دوڑا کہ محسوس ہو رہا تھا کہ میرے پاس کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ یہاں تک کہ میں ان دونوں بکریوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا تو صحابہ کرام نے ان کو ذبح کیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا گوشت کھایا۔ (مسند امام احمد بن حنبل وبهامشه منتخب كنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، المجلد الثالث، ۴۲۷/۲۸، دار الفکر، مترجماً)

غزوات و سرایا میں شرکت: تمام غزوات میں شریک رہے اور خاص طور پر جنگ بدر میں ایک اہم کردار ادا کیا، جس

میں آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ -جو کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم مبارک تھے- کو قید کیا۔ اس بارے میں بتایا جاتا ہے کہ جب آپ نے حضرت عباس کو قید کیا تو آپ اس کے مقابلے میں بہت ہی کمزور اور حقیر تھے اور حضرت عباس سے مقابلہ کی قوت نہیں رکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے حضرت عباس کو کیسے گرفتار کیا؟ انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے میری مدد کی اور انہیں گرفتار کر کے میرے حوالے کر دیا، اس شخص کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی بعد میں دیکھا۔ تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عباس کو گرفتار کرنے میں فرشتوں نے ان کی مدد کی اور وہ فرشتے ہی تھے۔

(تواریخ حبیب الہ، ص:۵۵، مفتی عنایت کاکوروی ۱۲۲۸ھ-۱۲۷۹ھ، مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور)

امام بخاری نے کہا: "له صحبة و شهد بدراً" اور آپ کے شریک بدر ہونے کو ابن اسحاق نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ و كان أخر من مات من الصحابة، كان يعنى أهل بدر

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ للامام الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان: الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۲ء)

اور مراۃ الجنان میں ہے "أبو اليسر كعب بن عمرو الأنصارى السلمى ألذى أسر العباس يوم بدر." یعنی حضرت ابوالیسر ہی نے حضرت عباس کو جنگ بدر میں قید کیا تھا۔

(مراۃ الجنان، ج:۱، ص:۱۲۸، ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی الیمنی، دار الکتاب الاسلامی القاھرہ)

روایت حدیث: حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ جہاں ایک جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے وہیں آپ ایک بلند پایہ محدث بھی تھے اور نہایت ہی احتیاط کے ساتھ کسی سے روایت بیان کرتے تھے، حتی کہ جب حدیث بیان کرتے تو روتے تھے۔ آپ کی مرویات کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں جمع فرمایا ہے۔

اخلاق و عادات: نہایت ہی رحم دل اور مشفق تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا ایک شخص پر قرض تھا، جب آپ قرض وصول کرنے گئے تو اس نے اپنی باندی سے کہا کہ کہہ دو کہ وہ گھر پر نہیں ہے، حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے اس کی آواز سن لی اور فرمایا: باہر آؤ! میں نے تمھاری آواز سن لی ہے پھر وہ شخص باہر آیا، حضرت ابوالیسر نے فرمایا تجھے اس طرح بہانہ بنانے پر کس چیز نے ابھارا؟ تو اس شخص نے کہا کہ میری تنگ دستی اور غربت نے۔ آپ نے فرمایا: جا میں نے تیرے قرض کو معاف کیا اس لیے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ "من نظر معسراً أو وضع له، كان فى ظل الله يوم القيامة، أو فى كنف الله عز و جل" یعنی جو کسی تنگ دست کی تنگ دستی کو دور کرے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سائے میں ہوگا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۴۵۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۲۰۰۳ء مترجما)

وصال پر ملال: آپ بدری صحابی میں سے سب سے آخری صحابی تھے۔ ۵۵ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائے جیسا کہ تقریب التہذیب میں ہے: أبو اليسر صحابى بدرى جليل مات بالمدينة سنة خمس و خمسين.

(تقریب التہذیب، ج:۲، ص:۴۹۴، حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع الطبعۃ الاولی ۱۹۹۵ء)

ایسا ہی الجرح والتعدیل، مراۃ الجنان اور الاصابۃ فی تمیز الصحابہ میں ہے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ھ

قاضی شکیل احمد، پلوامہ، کشمیر۔ جماعت: فضیلت ۹۵۰۶۳۲۸۰۱۴

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام ”عبد اللہ بن عبد الاسد ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخدوم القرشی المخزومی“ ہے، لیکن آپ اپنی کنیت ابو سلمہ سے زیادہ مشہور و معروف ہیں، آپ کے والدہ کا نام ”برّہ بنت عبد المطلب“ ہے یعنی آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور ایک روایت کے مطابق رضاعی بھائی بھی ہیں۔

(استیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج:۳، ص:۱۷، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی)

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا شمار قدیم الاسلام اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہوتا ہے اس لیے کہ آپ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دار الارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے ”عن یز ید بن رومان قال: اسلم ابو سلمة بن عبد الاسد قبل أن يدخل رسول الله صلى الله عليه و سلم دار أرقم بن ابی الأرقم و قبل أن يدعو فيها“ (الطبقات الکبری، ج:۳، ص:۱۸۱، علامہ ابن سعد، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

آپ کے ساتھ اسلام لانے والوں میں حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت عثمان بن مظعون، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ، عبد الرحمٰن بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجلہ صحابہ بھی شامل ہیں، جیسا کہ حضرت یزید بن رومان سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:”إنطلق عثمان بن مظعون و عبيده بن الحارث بن المطّلب و عبد الرحمٰن بن عوف و أبو سلمة بن عبد الأسد و أبو عبيدة بن الجرّاح حتى أتوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فعرض عليهم الأسلام وأبنائهم بشرائعه فأسلموا جميعاً فی ساعة واحدة وذلك قبل دخول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم دار الأرقم، وقبل أن يدفوا فيها“.

اسلام لانے کی پاداش میں جب کفار و مشرکین نے حضرت ابو سلمہ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تو آپ نے اسلام کا دامن چھوڑنے کے بجائے اپنے وطن عزیز کو چھوڑنا گوارہ کیا اور دو مرتبہ سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس طرح کئی سال وطن سے دور رہنے کے بعد جب آپ مکہ شریف دوبارہ لوٹے تو کفار نے پھر آپ پر مشق جور و ستم شروع کر دی۔ تو آپ نے اپنا ایمان بچانے کے لیے مدینہ منورہ کا رخ کیا، اس طرح آپ نے مدینہ شریف کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے کی سعادت حاصل کی جیسا کہ حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: أول من قدم علينا من اصحاب رسول

الله صلى الله عليه و سلم المدينة للهجرة أبو سلمة بن عبد الأسد. (ایضاح:۳،ص:۱۸۱)

مگر ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا اولیت کا یہ سہرا حضرت مصعب ابن عمیر کے سر ہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سلمہ جب حبشہ سے مکہ واپس آئے، تو مشرکین مکہ نے ان کو اذیت کا نشانہ بنایا، اس بنا پر آپ کا آنا مشرکین مکہ کے خوف سے تھا۔

مستقل ہجرت کا ارادہ نہیں تھا برخلاف مصعب بن عمیر کے کیوں کہ یہ اس وقت بھیجے گئے جب مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اس لیے دونوں روایتوں میں باہم اختلاف نہیں ہے۔

بہر کیف اس بات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے، حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ کا ساتھ دیا جیساکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ: قالوا: وكان أبو سلمة من مهاجرة الحبشة فى الهجرتين جميعاً و معه إمرأته ام سلمة بنت أبى أميه فيها جميعاً مجمع على ذلك فى الروايات. (ایضًا)

مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے میں ساتھ نہ دے پائیں، اس کا تذکرہ حضرت سلمہ اپنی والدہ ام سلمہ سے یوں روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابو سلمہ نے مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو وہ اپنی اونٹنی لے آئے اس پر مجھے سوار کر دیا اور اپنے بیٹے سلمہ کو میری گود میں دے دیا اور اونٹنی کی نکیل پکڑ کر مدینہ طیبہ کی جانب چل پڑے۔ ابھی ہم کچھ ہی دور گئے تھے کہ بنو مغیرہ بن عبد اللہ کے کچھ لوگوں نے ہمارا راستہ روک کر ہمارے شوہر ابو سلمہ سے کہا: اے ابو سلمہ! اگر تم مدینہ ہجرت کرنا چاہتے ہو تو تمھاری مرضی ہم تمھیں ہرگز نہیں روک سکتے۔ لیکن تم ہماری بیٹی ام سلمہ کو ہرگز نہیں لے جا سکتے، اتنا کہ کر انھوں نے اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے میرے بچے سمیت اپنے گھر لے کر چلے گئے اور ابو سلمہ اکیلے مدینہ چلے گئے، یہ بات حضرت ابو سلمہ کے خاندان والوں کو معلوم ہوئی تو وہ بنو مغیرہ کے افراد کے پاس آئے اور کہا کہ اگر تم ہمارے بیٹے ابو سلمہ کے ساتھ اپنی بیٹی ام سلمہ کو نہیں بھیج سکتے تو پھر ہم ہرگز تمھیں اس بات کی اجازت نہ دیں گے کہ تم ہمارے بیٹے سلمہ کو اپنے ساتھ رکھو، اس طرح انھوں نے ہماری گود سے ہمارے شیر خوار بیٹے سلمہ کو چھین لیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ (سیرت الرسول ضیاء النبی، ج:۳، ص:۶۲۵، پیر محمد کرم شاہ ازہری، ضیاء القرآن رامپور)

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت ابو سلمہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے کس قدر استقامت اور عزیمت کے لاجواب جلوے تاریخ اسلام کو سپرد کیے کہ شوہر اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا، اسی پر بس نہیں بلکہ دونوں کو اپنے شیر خوار بچے کی جدائی اور فراق کا غم بھی سہنا پڑا، سارا کنبہ بکھر گیا، شوہر الگ، بیوی الگ بچہ الگ مگر پائے استقامت میں ذرا برابر بھی جنبش نہ آئی، ایسے حوصلہ شکن اور مشکل گھڑی میں بھی رضا الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا بلکہ اللہ و رسول کی محبت اور ایمان و یقین میں مزید پختگی ہوتی چلی گئی۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ: "والله ما أعلم أهل بيت

فی الإسلام أصابهم ما أصاب اٰل أبی سلمة" (بخدا! میں اسلام میں کسی خاندان کو نہیں جانتی جس کو ابو سلمہ کے خاندان سے زیادہ مصیبتیں جھیلنی پڑی ہوں۔

اسی صبر و استقامت کی بدولت اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سعید روحوں کو خوب نوازا، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو درجۂ شہادت جیسی عظیم اور لازوال دولت سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے جنگ بدر اور جنگ احد دونوں میں شرکت کی اور اپنی بہادری اور جواں مردی کے خوب جوہر دکھائے مگر جنگ احد میں ابواسامہ جسمی کے ایک تیر نے آپ کا بازو زخمی کر دیا جو مکمل ایک ماہ زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلتا رہا، اسی اثنا میں آپ سریۂ قطن پر مامور ہوئے جس میں آپ کو کامیابی ہاتھ آئی۔ اس مہم سے واپسی پر آپ کا وہ زخم پھر سے تازہ ہو گیا اور آپ ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ر جمادی الثانی ۴ر ہجری میں راہی ملک بقا ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید نوازش یہ فرمائی کہ عین نزع کے وقت جب روح، دیدار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بے قرار تھی اتفاقاً مطلوب نظر سید جن و بشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ہاں ادھر تشریف لائے اور ادھر تماشائی رخ زیبا ہو کر روح نے قفص عنصری کو الوداع کہا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کی دونوں آنکھوں کو بند کر دیا اور فرمایا: انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے کھلی رہتی ہیں۔

"عن أبی فلابه قال: أتی النبی صلی الله علیه و سلم أباسلمة بن عبد الأسد یعودهٗ فوافق دخوله علیه خروج نفس، قال فقلن النساء عند ذلك، فقال: مَهْ لا تدعون علی انفسکن إلا بخیر فان الملائکة تحضر المیت، أو قال أهل المیت، فیؤمّنون علی دعائهم فلا تدعون إلی انفسکن إلا بخیر ثم قال قال: أللّٰهم افسح له فی قبره و اضحی له فیه و عظّم نورهٗ و اغفر ذنبه أللّٰهم إرفع درجتهٗ فی المهدیین و اخلفه فی ترکته فی العابرین و اغفر لنا و له یا رب العالمین، ثم قال: إن الروح إذا خرج تبعه البصر اما رأیتم إلی شحوص عینیه. (الطبقات الکبری، ج:۳، ص:۲۹، علامہ ابن سعد دار احیاء التراث العربی)

یوں آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی، کیوں کہ آپ قبا سے منتقل ہو کر یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنویں بسرہ کے پانی سے غسل دیا گیا اور مدینہ پاک کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپا لیا۔ انا للہ و إنا إلیه راجعون.

حضرت ام سلمہ کو رب کائنات نے اس طور پر نوازا کہ انھیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا، حضرت ام سلمہ خود بیان کرتی ہیں کہ ایک روز ابو سلمہ نے گھر آکر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لا یصیب أحداً مصیبة یسترجع عند ذلك و یقول أللّٰهم عندك أحتسب مصیبتی هذهٖ، أللّٰهم اخلفنی فیها خیراً منها إلا اعطاهٗ الله عز و جل ذلك. (یعنی جس آدمی کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ انا للہ پڑھے اور یہ عرض کرے کہ اے اللہ! میں اس مصیبت کا اجر تجھ سے طلب کرتا ہوں، اے اللہ اس کے بدلے مجھے وہ چیز عطا فرما جو اس سے بہتر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی

التجا کو قبول کرتا ہے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۴ص:۱۳۲)

ایک اور روایت میں یوں آیا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: أن أبا سلمة حدثهم أن رسول الله صلی الله علیه و سلم قال: إن أصابت أحدكم مصيبة فليقل: إنا لله و إنا إليه راجعون، أللّٰهم عندك احتسب مصيبتي، فاجرني فيها و أبدلني خيرا منها. (یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو اسے انا للہ و إنا إليه راجعون کہنا چاہیے، اور کہے اے اللہ میں اس مصیبت کا اجر تجھ سے طلب کرتا ہوں، لہذا مجھے اس میں اجر سے نواز دے اور اس کا نعم البدل عطا کردے۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: "فلما مات أبو سلمة قلتها فا خلفني خيراً منه" یعنی جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالی نے مجھے ان سے بہتر عطا فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ آپ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات میں شامل ہوگئیں۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے دو لڑکے سلمہ اور عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑیں، یہ سب اولاد ام سلمہ کے بطن سے ہوئی۔

حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبد اللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۱۸ھ

محمد سراج عالم: سہرسہ (بہار) جماعت: فضیلت Mob. 7860533385

نام و نسب: آپ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عامر بن عبد اللہ، کنیت: ابو عبیدہ اور لقب امین الامت ہے۔ والد گرامی کا نام اگرچہ عبد اللہ ہے، مگر دادا "جراح" کی نسبت سے ابن جراح سے مشہور ہیں۔

سلسلہ نسب والد گرامی کی طرف سے: عامر بن جراح بن ہلال ب وہیب (ایک روایت میں اہیب) بن ضبہبن حابن فہر بن نضر بن کنانہ قرشی فہری۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت میں "فہر" پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب سے جاملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے: امیمہ بنت غنم بن جابر بن عبد العزیز بن عامر بن عمرہ بن ودیعہبن حارث بن فہر۔ اس اعتبار سے نویں پشت میں "فہر" پر رول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب سے جاملتا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج:۴، ص:۲۹۵، امام ابو عبد اللہ بن حاکم بن نیساپوری، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت لبنان، الطبعۃ الاول)

ولادت با سعادت: کثیر تلاش و جستجو کے بعد بھی کسی کتاب میں آپ کی سن ولادت کا تذکرہ نہیں مل سکا، ہاں! شارح مسلم علامہ نوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "تھذیب الاسماواللغات" میں جہاں آپ ی تاریخ وفات کا تذکرہ کا کیا ہے وہیں لکھتے ہیں: و توفی وھوابن سنان خمسین سنۃ (ج:۲، ص:۱۳۱، دار اللکتب علمیہ، لبنان) یعنی وقت وفات آپ کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔ چوں کہ آپ کی وفات ۱۸ھ میں ہوئی، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت مدینہ کے ۴۰ سال قبل اور عام الفیل کے ۱۳ سال بعد ہوئی، اس اعتبار سے سرا کار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمر میں تیرہ سال چھوٹے ہوئے۔

حلیہ مبارک: آپ کا حلیہ مبارک کچھ اس طرح تھا: قد دراز، جسم نحیف، چہرہ گندمی دیکھنے سے لگتا تھا کہ ہمیشہ نور ٹپک رہا ہے، داڑھی گھنی نہ تھی، سر اور داڑھی کے بال میں میں مہندی لگاتے تھے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۴۷۶)

قبول اسلام: آپ سابقین اولین میں سے ہیں، آپ کا شمار ان پانچ صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا۔ آپ کے قبول اسلام کے وقت حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب، عبد الرحمن بن عوف، حضرت ابو سلمہ بن الاسد رضی اللہ عنہم بھی مشرف باسلام ہوئے تھے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۴۷۶)

ہجرت: سمکہ مکرمہ میں کافروں کی ایذا رسانی جب حد سے تجاوز ہوگئی تو مسلمان اپنے آبائی وطن مکہ سے ہجرت کرنے پر

مجبور ہوگئے۔ چناں چہ اس سلسلے میں کل تین ہجرتیں ہوئی ہیں دو حبشہ کی طرف ایک مدینہ منورہ کی طرف۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنھیں دو ہجرت کا شرف حاصل ہے، پہلی حبشہ کی طرف ار دوسری مدینہ منورہ کی طرف۔ مدینہ پہنچنے کے بعد حضور ﷺ نے آپ میں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ میں باہم مواخات و بھائی چارہ کرادیا۔ (اسد الغابہ، ج:۳ص:۱۲۵)

غزوات: مشرکین قریش نے مسلماانوں کے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی ان کا جینا دوبھر کرر کھا تھا، ہرآئے دن ان کی سفاکی و شقاوت، سازش وشرارت، وحشت وبربریت اور اشتعال انگیزی و دہشت گردی کا ایک نیاواقعہ دیکھنے کوملتا، چناں چہ مسلمانوں نے مذہب اسلام کی تحفظ وبقااوران کے شروفساد سے دور رکھا محفوظ رکھ کرارتقاکے خاطر تلوار اٹھالیا،نتیجۃ متعدّد جنگیں سامنے آئیں، حضرت ابوعبیدہ بن جراح وہ خوش نصیب صحابی ہیں، جنھوں نے سرکار دوعالم ﷺ کی معیت میں تمام غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ غزوۂ بدر اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس کے آپ شجاعت و جانبازی کے ایک اٹوٹ حصہ تھے ۔اتفاق سے اسی جنگ میں آپ کے والدعبداللہ بھی مشرکین کی طرف سے برسرپیکار تھے۔ دوران جنگ متعدّد مرتبہ آپ کے سامنے آپ کے والد آتے رہے اور آپ طرح دیتے رہے ؟، لیکن اچانک جوش ایمانی تعلق نسبی پر غالب آیااور آپ نے ایک وار میں اپنے والد کا کام تمام کردیا، رب کریمنے آپ کے اس فعل کو سراہتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمایا: لا تجد قوماًیومنون باللہ والیوم الآخر یوآدون من حاداللہ و رسولہ و لو کانوں آباءھم أو اخوانھم أو عشیرتھم اولایك کتب فی قلوبھم الایمان (پ:۲۸،المجادلہ،آیت:۲۲)

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دین پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نقش فرمادیا گیا۔ (کنزالایمان)

اس کے بعد غزوۂ احد واقع ہوئی اس غزوہ میں بھی حضرت ابوعبیدہ بن جراح نہایت جواں عزمی کے ساتھ شری ہوئے۔ اس غزوہ میں رحمت دوعالم ﷺ کا چہرہ انور زرہ کی دوکڑیاں بھ جانے کی وجہ سے زخمی ہوگیا، جب یہ منظر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تووارفتگی عشق مصطفیٰ ﷺ میں بے تاب ہوگئے اور عشق رسول کو عملی جامہ پہناتے ہوئے فوراًان کڑیوں کو اپنے دانت سے نکالنے لگے، چناں چہ جب پہلی کڑی نکلی تو ایک دانت ور جب دوسری کڑی نکلی تو دوسرا دانت شہید ہوگیا۔

٦ھ میں بیعت رضوان ہوئی، اس میں بھی آپ نے شرکت کا شرحاصل کیا۔ اور بیعت رضون کے شرکا کو تو رضائے الٰہی کا مژدۂ سنایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لقد رضی اللہ المؤنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فأنزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا (پ:۲۶،فتح،آیت:۱۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمھاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا

جوان کے دلوں میں ہے، توان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔(کنزالایمان)

اس کے علاوہ غزوۂ خندق، خیبر، فتح مکہ وغیرہ تمام معرکوں میں رسول کریم ﷺ ہم رکاب رہے اور نہایت ہی شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کیا۔(المستدرک علی الصحیحین ج:۴،ص:۲۹۸۔۳۰۰،ناشر:ایضا)

مسئلہ خلافت:۱۰ھ میں سرکار دوعالم ﷺ کی حیات ظاہری کے بعد سب سے بڑا مسئلہ یہ اٹھا کہ دینی اور دنیوامور کا سہرا کس کے سر سجے گا۔ س مسئہ کو لے کر صحابہ کرام میں چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں، انصار خود کو اس مسند خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔اس مسئلے کے حل کے لیے وہ سقیفہ بن سعد میں جمع ہوئے۔ان کا ارادہ تھا کہ سعد بنعباد رضاللہ عنہ کو خلیفہ نام زد کر دیا جائے۔خضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ حضرت ابوبکر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہا کو لے کر سقیفہ بن سعد پہنچے یہاں انصار پوری کوشش میں تھے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ن لیا جائے اسی دورن حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ انصار سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے:

یا معشر الانصار أنکم کنتم أول من نصر فلا تکونوا أول من غیر

ترجمہ:اے گروہ قریش تم نے سب سے پہلے اہانت کا ہاتھ بڑھایا تھا،اسی لیے تم ہی سب سے پہلے افتراق کے بانی نہ بن جاؤ۔

پھر حضرت صدیق اکبر کھڑے ہوکر فرمانے لگے:دیکھو یہ عمر بن خطاب ہیں، جن کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے۔یہ دیکھو ابو عبیدہ بن جراح ہیں جن کو بارگاہ رسالت سے امین الامت کا لقب عطا ہوا ہے،ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو،لیکن ان دونوں حضرات نے حضرت صدیق اکبر کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کر دیا اور خود بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کرلی۔جب انصار ومہاجرین نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی بیعت جوق در جوق آنے لگے،اور اس طرح افق اسلام کا یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

طاعون عموس اور وفات پر ملال:۱۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ خصوصاً ملک شام طاعون کی وبا پھیلنے لگی،اس وبا سے مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی ومالی نقصان ہوا۔اس کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود تدبیر وانتظام کے لیے دار الخلافت چھوڑ کر مقام ”سرغ“ چلے گئے۔حضرت ابو عبیدہ اور دوسرے سرداروں نے یہاں آپ کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔حضرت عمر نے شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرین اور پھر انصار سے مشورہ طلب کیا،سب نے مختلف رائیں دیں،اس کے بعد مہاجرین نے فتح سے جو عموماً قریش کے مجرب شیوخ تھے مشورہ طلب کیا،انہوں نے بیک زبان کہا کہ سردست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا ہی مناسب ہوگا،چناں چہ حضرت عمر فاروق نے یہ اعلان کرادا میں کل صبح واپس جارہا ہوں، سب ساتھ چلیں، چوں کہ حضرت ابو عبیدہ نے نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے نقائل تھے اس لیے ان کو یہ حکم ناگوار گزرا اور آپ نی بلا جھجک کہا”افرار من قدر اللہ“ یعنی کیا تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو۔حضرت عمر عموماً حضرت ابنو عبیدہ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے اس لیے انہوں نے کہا:کاش!تمھارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا،ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں،لیکن تقدیر الٰہی کی طرف۔(صحیح البخاری،کتاب الطب،باب:مایذکر فی الطاعون،ج:۲،ص:۸۵۳،ناشر:مجلس برکات،جامعہ اشرفیہ،مبارک پور)

غرض حضرت عمر مدینہ آ گئے اور حضرت ابو عبیدہ کی طرف ایک خط لکھ کر فرمایا: "ہمیں ایک حاجت در کار ہے، جس میں آپ سے مشاورت بہت ضروری ہے، لہٰذا جیسے ہی میرا خط ملے فوراً رخت سفر باندھ لیں۔" حضرت ابو عبیدہ اس طلبی کا مقصد فوراً سمجھ گئے اور جواب میں یہ لکھ دیا: "مجھے امیر المؤمنین کی حاجت بخوبی معلوم ہے، امیر المؤمنین اس شخص کی زندگی کے خواہاں ہیں جس کی موت مقدر ہے۔ میں مسلمانوں کے ایسے لشکر میں ہوں جسے چھوڑ کر یہاں سے جا نہیں سکتا، لہٰذا مجھے بلانے کا عزم ترک کر دیں۔" جب حضرت عمر نے خط پڑھا آنکھیں بے اختیار بہ پڑیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا ابو عبیدہ کا انتقال ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ پھر آپ نے ایک دوسرا مکتوب روانہ کیا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا: "اردن شیروں کو بیمار کرنے والی زمین ہے اور جابیہ کی زمین خوش گوار ہے، آپ کو مسلمانوں کو لے کر جابیہ پہنچ جائیں۔" حضرت ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کے انتخاب پر جابیہ چلے گئے۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج:۴، ص:۲۹۶، ناشر: ایضاً)

جابیہ پہنچ کر حضرت ابو عبیدہ طاعون میں مبتلا ہو گئے، جب مرض کی شدت زیادہ ہوئی تو اپنے اسلامی بھائی حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشیں بنا دیا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت پر جوش اور مائثر تقریر فرمائی، جس کا آخری مضمون یہ تھا: اے لوگوں! یہ مرض تو رحمت خداوندی ہے، تمھارے رسول کی دعا اور تمھارے بہت سے اسلاف کے موت کا سفر ہے۔" پھر جب نماز کا وقت آیا تو آپ نے اپنے جانشیں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی تھی کہ آپ ُنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ حضرت معاذ بن جبل نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور حاضرین کے سامنے ایک پر اثر تقریر فرمائی: دوستوں! آج تم لوگوں سے ایک ایسا شخص رخصت ہو چکا ہے کہ خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ خدا ترس، پر خلوص، با حیا، خیر خواہ اور حسن اخلاق کا پیکر نہیں دیکھا، لہٰذا ان کے لیے رحم و مغفرت کی دعا کرو۔ (تاریخ مدینہ و دمشق، ج:۶۸، ص:۱۰۸، علامہ ابن عساکر، ناشر: دار الفکر، بیروت لبنان، الطبعۃ: الاولیٰ)

آپ رضی اللہ عنہ کا وصال پر ملال ۱۸ھ شام کے شہر اردن میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی۔ حضرت معاذ بن جبل نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت معاذ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ضحاک بن قیس نے آپ کو قبر میں اتارا۔ (الاستعاب، ج:۴، ص:۲۷۳، ابو عمر علامہ ابن عبد البر، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ)

مرقد انور شام کے شہر "غور پیسان" میں آج بھی زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ شارح مسلم علامہ نووی فرماتے ہیں: حضرت ابو عبیدہ کے مزار اقدس پر ایک عجیب قسم کی جلالت طاری ہے جو یقیناً ان کے شایان شان ہیں اور جب میں نے آپ کے مزار اقدس کی زیارت کی تو وہاں کئی عجائبات دیکھے۔ (تھذیب الاسماء واللغات، ج:۲، ص:۵۳۷، ناشر: دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

علمی مقام: حضرت ابو عبیدہ چونکہ اسلام کے ابتدائی ایام ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور دوسری جانب آپ کی ذات رسول سے وابستگی کا عالم یہ تھا کہ ایک پل بھی جدائیگی گوارہ نہ ہوتی، چنانچہ غزوۂ احد کا واقعہ اس سلسلے کی بات بین مثال ہے، اس لئے آپ کو بار گاہ رسالت مین زانوئے ادب طے کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع میسر آیا۔ حصول علم کا ذوق شوق تو بچپن ہی سے تھا، چنانچہ جب موقع میسر آتا آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہ کرتے اور پوری تن دہی کے ساتھ

احادیث رسول ﷺ سماعت کرتے جو باتیں سمجھ میں نہ آتی غایت ادب سے پوچھتے اور حفظ کر لیتے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو رمضان کا روزہ رکھے اور تین چیزوں سے بچا رہے تو اس کے لئے جنت کی ضمانت ہے۔" (تاریخ مدینہ ودمشق، ج:۵۴، ص:۱۶۶، ناشر: دارالفکر بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ)

علمی شوق وانہماک کے حوالے سے کتب تاریخ کا یہ واقعہ بھی دیکھیں: حضرت عیاض بن عطیف فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم ابوعبیدہ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے، آپ کی زوجہ پاس ہی میں بیٹھی ہوئی تھی اور آپ کا چہرہ دیوار کی طرف تھا، لہٰذہ میں نے آپ کی زوجہ سے پوچھا: ان کی رات کیسی گزری: انہوں نے کہا: صحیح گزری۔ ہپ سن کر حضرت ابوعبیدہ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: میری رات ٹھیک نہیں گزری! کیا تم مجھ سے علمی بات نہیں پوچھو گے؟ عیض کہتے ہیں: ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ اتنی شدید علالت میں بھی اشاعت علم کا یہ جذبہ ہے، خیر میں نے کہا: کیوں نہیں آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے، مریض کی عیادت کرے، راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز دور کرے تو اس کے لئے دس گنا اجر ہے، روزہ ایک ایسی ڈھال ہے جسے کوئی چیز نہیں چیر سکتی اور اللہ عزوجل جسے کسی جسمانی بیماری میں مبتلا کرے تو وہ بیماری اس کے لئے مغفرت کا سبب بنتی ہے۔ (ایضاً، ج:۷۴، ص:۲۶)

کتب احادیث میں آپ کی مرویات بہت کم ملتی ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کا شمار جانباز مجاہد صحابہ میں ہوتا ہے، آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر میدان جنگ میں گزاری۔ ورنہ آپ زبردست عالم دین اور فقیہہ تھے، یہی وجہ ہے کہ جب اہل یمن سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیج دیں جو ہمیں کتاب وسنت کی تعلیم دیں اور ہمارے آپسی تنازعہ میں فیصل کی حیثیت سے ہوں۔ یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: سنو! یہ اس امت کے امین ہیں۔ (الاستعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۳۴۲، ناشر ایضاً)

حضرت کا زہد وتقویٰ: حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خدا ترسی، اتباع سنت، عمل صالح اور اخلاق حسنہ کے مثالی پیکر تھے، اور خشیت الٰہی کا عالم یہ تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لیے سرمایۂ عبرت بن جاتے اور خشیت الٰہی میں بسا اوقات آپ کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ زاروقطار رو رہے ہیں، اس نے عرض کیا حضور آپ کو کس چیز نے رلا دیا؟ آپ نے فرمایا: "ایک دن سرکار دوعالم ﷺ نے مسلمانوں کی آئندہ ہونے والی فتوحات اور تمول کا ذکر فرماتے ہوئے شام کا ذکر کیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: اے ابوعبیدہ! اگر اس وقت تمھاری عمر وفا کرے تو تمھارے لیے تین خادم کافی ہیں: ایک تمارے لیے، ایک تمھارے اہل وعیال کے لیے اور ایک تمھارے سفر کے لیے۔ اسی طرح تمھارے لیے تین سواری کافی ہے: ایک تمھارے لیے، ایک تمھارے غلام کے لیے اور ایک تمھارے سازوسامان کے لیے۔" لیکن میں دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے مجھے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ کل میں سرکار دوعالم ﷺ کا سامنا کیسے کروں گا؟ کیوں کہ نبی دوعالم ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو گا جو اسی حال میں مجھ سے ملے گا جس حال میں میں نے اس کو چھوڑا تھا۔ (ریاض النضرہ، ج:۲، ص:۳۵۳)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی دنیا بیزاری کا عالم یہ تھا کہ دنیا کی بڑی بڑی نعمتیں بھی آپ کی نگاہ میں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں ، چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور تحفہ بھیجا، آپ نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: الحمد للہ ! اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا: کچھ روٹی کھلاؤ! آپ نے اپنی تھیلی سے کچھ روٹی کے سوکھے ٹوکڑے نکال کر پیش خدمت کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا: ابو عبیدہ! آپ کو دنیا اپنے جال میں نہ پھنسا سکی۔ (مرقات المفاتیح، کتاب المناقب، باب مناقب العشرۃ المبشرۃ، ج:۱۰، ص:۴۹۴)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خاک ساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انھوں نے باوجود سپہ سالار اعظم کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، ہمیشہ سادگی پسند رہے، بدن پر سادہ کپڑا اور سواری میں اونٹنی ہوتی جس کی نکیل بھی معمولی رسی ہوتی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی آرام گاہ پر تشریف لائے تو آپ کی سادگی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے گھر میں ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوا کے علاوہ کوئی سامان راحت نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! آپ ضروری سامان تو فراہم کر لیتے ، یہ سن کر آپ نے جواب دیا امیر المؤمنین ! ہمارے لیے بس یہی ساز و سامان کافی ہے (الاصابہ، ج:۳، ص:۴۷۶)

فضل و کمال: حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حسن اخلاق اور اپنے اوصاف کریمانہ کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے ، تمام صحابہ یہاں تک بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی آپ کا ایک اہم مقام تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرتبہ عبد اللہ بن شفیق نے دریافت کیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون تھا ؟ آپ نے جواب دیا: ابو بکر، عمر، ابوعبیدہ بن جراح۔

ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ابوعبیدہ بن جراح ایسے شخص ہیں جن کے اخلاق کے بارے میں کوئی کلام نہیں (المستدرک علی الصحیحین، ج:۴، :۲۹۹ ناشر: ایضا)

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد جب مسئلہ خلافت نے زور پکڑا تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا: ”یہ دو افراد میرے نزدیک پسندیدہ ہیں: یعنی حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو ۔“ (الاستیعاب، ج:۲، ص:۳۴۲ علامہ ابن عبد البر ناشر دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ)

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی آپ کا بلند مقام تھا ایک مرتبہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے اسی درمیان آپ نے ارشاد فرمایا: آپ لوگوں کی دلی تمنا کیا ہے ؟ کسی نے عرض کیا کاش! میرے پاس سونے سے بھرا ایک گھر ہوتا اور میں اسے راہ خدا میں صدقہ کر دیتا کسی نے کہا کاش! میرے پاس ہیرے جواہیرات سے بھرا کمرہ ہوتا اور اسے راہ خدا میں خرچ کر دیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! میرے پاس ابوعبیدہ جیسے مردوں سے بھرا ہوا ایک کمرہ ہوتا (ریاض النضرہ، ج:۲، ص:۳۵۱)

وقت وصال: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں اپنے بعد انھیں کو خلیفہ منتخب کرتا اگر میرا رب بروز حشر ابوعبیدہ کو خلیفہ بنانے کے بارے میں سوال کرتا تو میں کہہ دیتا: رب کریم! میں نے تیرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان حق بیان سے سے ہے کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ہیں (تاریخ اسلام لذہبی، ج:۳، ص:۱۷۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ اگر نبی محتشم بذات خود خلیفہ کا انتخاب فرماتے تو کس کا انتخاب ہوتا؟ تو آپ نے فرمایا میرے والد محترم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا۔ صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل ابی بکر، ج:۸، ص:۱۵۵)

اولاد و ازواج: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے صرف ایک شادی کی تھی۔ زوجہ کا نام: ہندہ بنت جابر ہے۔ ان سے صرف دو بیٹے پیدا ہوئے: ایک نام یزید اور دوسرے کا نام عمر ہے۔ ریاض النضر، ج:۲، ص:۳۵۹، ناشر وسن طباعت۔ ایضا)

یاد رہے کہ سیر الصحابہ کے مصنف معین الدین ندوی نے اس مقام پر مؤرخین سے کچھ ہٹ کر باتیں کہی ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت ابوعبیدہ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہندہ بنت جابر سے یزید اور ورجا سے عمیر پیدا ہوئے لیکن دونوں لاولد فوت ہئے۔'' (ج:۲، ص:۱۸۰)

جب کہ مورخین نے پہلی روایت کا ہی تذکرہ کیا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ندوی صاحب نے کوئی حوالہ بھی رقم نہیں فرمایا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

من أهل الفتوى

حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۔۔۔وفات:۔۔۔

محمد وزیر احمد، بانکا، جماعت: سادسہ Mob. 9926782767

نام: سعید **کنیت:** ابوالاعور، ابوثور **والد:** زید بن عمرو

نسب: ”سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی“۔(الاستیعاب، ج:۲، ص:۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ولادت : آپ کی ولادت مبارکہ بعثت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبل مکہ میں ہوئی۔ تاریخ ولادت کے سلسلے میں کسی متعیّنہ سن یا مہینہ کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ اکثر علماے تاریخ و سیر کا اتفاق ہے کہ جس وقت ۵۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اس وقت آپ کی عمر شریف ۷۰ تا۷۹ کے مابین ۷۱/ ۷۲ یا ۷۳ وغیرہ کی تعداد کو پہنچ رہی تھی۔

آپ کی تاریخ ولادت کے متعلق عظیم محدث و مؤرخ ابن عبد الہادی مقدسی دمشقی حنبلی (۸۴۰ء۔۹۰۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:”قبل البعثة ببضع عشرة سنة ؟لأنه مات سنة إحدى و خمسين ،وعمره بضع وسبعون ،وقيل إنه مات وله ثلاثة و سبعون ،فحينئذ يكون قبل البعثة بثلاث عشرة سنة _والله أعلم“۔

(محض الشید فی مناقب سعید بن زید، الباب الثانی فی مولدہ، ص:۱۰۰، مکتبۃ الرشد، الدار العثمانیہ، عمان)

ترجمہ: آپ (سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ولادت باسعادت بعثت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دس سال اور کچھ پہلے ہوئی۔ اس لیے کہ ۵۱ھ میں جب آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت عمر شریف تقریبًا ستر ۷۰/ سال تھی۔ اور (ایک قول) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۳/ سال تھی۔ تو اس اعتبار سے تاریخ ولات بعثت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ۱۳/ سال قبل ہوئی۔

لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود مطالعہ کتب تاریخ و سیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قول راجح اول ہی ہے، اس لیے کہ وقت وفات کسی بھی مؤرخ نے عمر شریف کی تعداد میں کسی خاص عدد کی تعیین نہیں فرمائی ہے۔(جیسا کہ آپ عنقریب تاریخ وفات اور مبلغ سن کے متعلق آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے) مزید برآں کہ وہ حضرات جنھوں نے تاریخ ولادت کے سلسلے میں کسی سال کی تعیین کی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہیں۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد محترم زید بن عمرو ابتدا ہی سے ایک توحید پرست انسان تھے۔ عرب کی گمراہی سے بالکل بیزار رہتے۔ بتوں کی پرستش سے ہمیشہ اجتناب کرتے اور بتوں کے نام کا ذبیحہ و چڑھاوا کھانے سے ہمہ وقت پرہیز کرتے

تھے۔(الاستعاب از ابن عبد البر، ج:۲، ص:۶۱۵ ، ناشر: دار الجبل، بیروت)

کہتے ہیں کہ عرب کے اندر زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنی لڑکیوں کو باعث ننگ و عار تصور کیا کرتے تھے۔ بیٹیوں اور بچیوں کو دنیا میں اپنی زندگی جینے سے قبل ہی اپنے ہاتھوں زندہ در گور کر دیا کرتے تھے۔ یہ خبیث رواج اتنا عام ہو چکا تھا کہ امیر و فقیر اور نوجوان و ضعیف وغیرہ ہر طبقے کے لوگ اس میں یکساں طور پر گرفتار تھے۔

ایسے پر آشوب و پر فتن دور میں بھی زید بن عمرو کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو آپ فوراً اسے روکتے اور اس لڑکی کی کفالت کا بار اپنے ذمہ لے لیتے۔ جب لڑکی بڑی ہو جاتی تو وہ اس کو ان کے والدین کے پاس لے کر آتے اور کہتے کہ تم کہو تو میں اسے تمھارے حوالے کر دوں یا اجازت دو تو میں ہی اس کی کفالت کرتا رہوں۔

(تاریخ اسلام از محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، ج:۳، ص:۲۵۲ ، ناشر: مکتبہ توفیقیہ، مصر)

تلاش دین حنیف میں حضرت زید کا ایک دلچسپ واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب چونکہ زید کے چچا تھے۔ وہ ہمہ وقت آپ کو طرز عرب کے بر خلاف عمل کرنے پر عار دلاتے رہتے۔ خود بھی اذیت دیتے اور اوباش قسم کے لوگوں کو پیچھے لگا دیتے کہ وہ آپ کو شدت و مشقت کے بھڑکتے ہوئے انگاروں پر چلائے۔ یہاں تک کہ آپ مکہ سے نکل جائیں۔

جب آپ نے یہ حالت دیکھی تو دین حنیف کی تلاش و جستجو میں نکل پڑے۔ چلتے چلتے موصل پہنچ گئے پھر وہاں سے شام کا رخ کیا۔ حتیٰ کہ آپ کی ملاقات ایک راہب سے ہوئی۔ آپ نے اپنی پوری داستان سے راہب کو آگاہ کیا۔ اس پر راہب نے کہا: ”تم جس دین کی تلاش میں سر گرداں ہو، وہ اب زمین پر نہیں رہا“۔ اس پر آپ نے عرض کیا: ”وہ کون سا دین ہے ؟“ تو اس راہب نے جواب دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، جو ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ سن کر زید کا دل بغیر کسی شک و شبہ کے اس پر جم گیا۔ ساتھ ہی ساتھ راہب نے کہا کہ تمھارا مطلوب تمھیں شہر مکہ میں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ایک انسان مبعوث کرے گا جو دین ابراہیم کی تجدید کرے گا۔

حضرت زید نبی موعود کے اس جذبے کے ساتھ مکہ کی جانب لوٹ ہی رہے تھے کہ ناموافق حالات نے مسافر کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے سے قبل ہی ان کی راہ کو مسدود کر دیا اور اعراب کی ایک جماعت نے انھیں بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب زید اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہے تھے تو اس وقت رب کی بارگاہ میں یہ عریضہ پیش کر رہے تھے کہ اے اللہ! اگر میں اس خیر سے محروم رہا تو میرا سعید اس سے محروم نہ رہنے پائے۔

(محض الشید فی مناقب سعید بن زید از ابن ہادی دمشقی حنبلی، ص:۱۱ تا ۲۱، ناشر: مکتبۃ الرشد، الدار العثمانیۃ، عمان)

البتہ آپ کی شریک حیات فاطمہ بنت بعجہ بن امیر خویلد بن خالد بن الیعمور بن حیان بن غنم کو بعثت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ ملا اور آپ نے اسلام قبول کیا۔(الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج:۳، ص:۸۹، ابن حجر عسقلانی، ناشر: مکتبہ توفیقیہ، مصر)

حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام: حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دامن اسلام سے

وابستہ ہوئے جب رسول اکرم ﷺ خفیہ طور پر تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ حدیث شریف میں حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے کوفہ کی مسجد میں سنا وہ کہہ رہے تھے کہ بخدا میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ عمر مجھے اسلام لانے پر باندھے ہوئے تھے قبل اس کے کہ عمر مسلمان ہوں اور تم نے جو کچھ عثمان کے ساتھ کیا ہے اس پر اگر احد ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تو اسے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا حق تھا۔“ (بخاری شریف، ج:۱، ص:۵۴۵، باب اسلام سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ناشر: مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور سابقین اوّلین کے نام سے موسوم ہوئے۔ جب آپ نے غلامی اسلام کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالا تو یہ دیکھ کر آپ کی شریکۂ حیات فاطمہ بنت خطاب بھی مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ (اسد الغابہ از ابن اثیر جزری، ج:۲، ص:۴۴۳، ناشر: مکتبہ توفیقیہ، مصر)

تقدم فی الاسلام کے حوالے سے ابن ہادی حنبلی مقدسی (۸۴۰-۹۰۹ھ) نے ”محض الشید فی مناقب سعید بن زید“ میں علمائے کرام کے بہت سارے اقوال نقل فرمائے ہیں۔ بخوف طوالت میں یہاں پر صرف دو قول کے ذکر پر اکتفا کر رہا ہوں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) ابو القاسم اصفہانی نے آپ کے سبقت اسلام کے حوالے سے فرمایا: ”آپ نے تیرہ شخص کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔“

(۲) اسی طرح ابن جوزی نے تقدم فی الاسلام کے حوالے سے فرمایا: ”آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضور اکرم ﷺ کے دار ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے اسلام قبول فرمایا۔“ (الباب الرابع فی تقدم اسلام، ص:۱۰۳، مکتبۃ الرشد، الدار العثمانیہ، عمان)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ابتدائے اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہو کر ذات رسول سے وابستہ ہو گئے تھے۔

ہجرت مدینہ: آپ کا شمار مہاجرین اوّلین میں ہوتا ہے۔ اپنی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت خطاب کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی، اور رفاعہ بن عبد المنذر (برادر ابی لبابہ) کے یہاں قیام فرمایا۔

(عشرۂ مبشرہ، ص:۴۶۸، ناشر: البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، سن اشاعت نومبر ۲۰۱۴ء)

جب آپ کی آمد کی اطلاع حضور اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ کا رشتۂ مواخات قائم فرمایا۔

(معارف صحابہ از مولانا عارف رضا برکاتی، حصہ اول، ص:۷۵۳، ناشر: امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن اندور (ایم۔پی) سن اشاعت، جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ مطابق مارچ ۲۰۱۵ء)

جنت کی بشارت: آپ کی ذات بابرکات بھی ان دس نفوس قدسیہ میں سے ایک ہے، جنھیں حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے جنت الفردوس کا مژدۂ جاں فزا ملا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبد الرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابوعبیدہ جنتی ہیں"۔ (مشکوۃ المصابیح، باب مناقب العشرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ص:۵۶۶، ناشر: مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

اس کے علاوہ ایک روایت خود حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں موجود ہے کہ سعید نے عشرۂ مبشرہ کو شمار کراتے وقت اپنے نام کو چھپالیا۔ جب لوگوں نے قسم دے کر پوچھا اے سعید! دسواں جنتی کون ہے؟ اس کا نام بتاؤ، تو آپ نے فرمایا: "دسواں نام سرکار نے میرا ہی ذکر فرمایا ہے"۔

(محض الشید فی مناقب سعید بن زید، الباب التاسع فی بشارتہ بالجنۃ، ص:۱۳۱، مکتبۃ الرشد، الدار العثمانیہ، عمان)

غزوات و سرایا میں شرکت: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ طاقت وقوت کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ دین اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کفار سے معرکہ آرائی آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ طاقت وقوت اور عزم و حوصلے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شام کے راستے کی طرف ابوسفیان کے تجارتی قافلے کی خبر لینے کے لیے جاسوسی کی مہم پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت سے آپ کا انتخاب فرمایا اور طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ اس سفر پر روانہ کیا۔

آپ نے اپنی ساری جوانی دین اسلام کی آبیاری میں صرف کردی۔ غزوۂ بدر کے علاوہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہونے والے سرایا میں بھی شرکت فرمائی۔ کسریٰ کے تخت کو شکست فاش دے کر ذلیل و رسوا کرنے میں آپ کا بڑا ہاتھ رہا اور قیصر سے اس کا تاج شاہی چھیننے میں بھی آپ شریک و سہیم رہے۔

(صفۃ الصفوہ، ج:۱، ص:۱۲۵، مصنف: ابن جوزی، ناشر: المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر شام کے راستے کی طرف جاسوسی کے مہم پر روانہ فرمایا تھا اور اس طرح سے آپ غزوۂ بدر میں حصہ لینے سے قاصر رہ گئے تھے۔ لیکن قاسم نعمت مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان سخاوت دیکھیے کہ آپ نے انھیں دیگر مجاہدین کی طرح پورا پورا حصہ عطا فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ جہاد کے اجر و ثواب کی بشارت عظمیٰ سے بھی مالا مال کردیا۔ یہ تمام چیزیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اس لیے انجام دی تھیں کہ یہ بھی جنگ ہی کا ایک حصہ تھا۔

(محض الشید فی مناقب سعید بن زید، الباب العاشر فی غزواتہ مع الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص:۳۵تا۳۸، مکتبۃ الرشد، الدار العثمانیہ، عمان)

میں یہاں پر حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجاہدانہ کردار اور شوق جہاد کے حوالے سے صرف ایک مثال ضبط تحریر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہوگا کہ مذہب اسلام کی سربلندی کی خاطر آپ کے نہاں خانۂ دل میں ہمہ وقت امنگ و حوصلہ اور جوش و جذبہ کا بحر بیکراں کس طرح موجیں مارتا رہتا تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ ہو:

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرپرستی میں جب دمشق فتح ہوا۔ اس میں آپ نے بڑی بہادری سے کفار کا مقابلہ اور ہر محاذ پر نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے جب اس ہمت جواں مردی کو دیکھا تو انھوں نے آپ کو دمشق کا گورنر مقرر کردیا اور اس طرح آپ کو مسلمانوں میں دمشق کا سب سے پہلا گورنر بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔

لیکن لوگ سچ کہتے ہیں کہ ایک مجاہد کی زندگی کا یہ رخ بھی اس وقت نہایت ہی عجیب وغریب لگتا ہے جب ساری دنیا اسے جینے کے اسباب فراہم کرتی ہے اور وہ شہادت کی موت کے لیے معرکہ کارزار کی زمین تلاش کرتا رہتا ہے۔ وہ ہر آن دین متین کی اعزاز وسربلندی اور شوق شہادت وسرفروشی میں لہو کے آخری قطرہ تک کو صرف کردینا متاع ہستی کی سب سے بڑی منفعت وپونجی سمجھتا ہے اور نجات کا سرمدی پروانہ تصور کرتا ہے۔

بالکل یہی جذبہ اور شہادت کی امنگوں کا حوصلہ عہدۂ گورنر پر فائز ہونے کے بعد بھی ہر لمحہ آپ کے دل میں رہتا تھا، یہاں تک کہ چند ہی دنوں کے بعد آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ایک خط لکھا۔ جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا کہ مجھ سے ایسا ایثار نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے میں جہاد سے محروم رہوں۔ چناں چہ میری گزارش ہے کہ جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو آپ اپنے کسی پسندیدہ شخص کو یہاں کا والی بناکر بھیج دیں۔ میں بہت جلد آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ جب یہ خط حضرت ابوعبیدہ کو ملا تو آپ نے فرمایا: ''سعید ضرور دمشق کو چھوڑ کر رہے گا۔'' پھر آپ نے ابوسفیان کو بلایا اور دمشق کا والی بناکر بھیج دیا۔

(معارف صحابہ، حصہ اول، ص:۵۴۲، مولانا عارف رضا برکاتی، ناشر: امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن اندور (ایم۔پی)۔ عشرۂ مبشرہ، ص:۲۷۴ البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، سن اشاعت: نومبر، ۲۰۱۴ء)

ذہانت وفراست: اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں شجاعت و بہادری اور محنت وجفاکشی سے وافر حصہ عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ علم وعمل اور ذہن وفراست میں بھی درجۂ کمال پر فائز کیا تھا۔ علماے تاریخ وسیر نے آپ کو ان حضرات میں شمار کیا ہے، جو فہم وفراست کے در یتیم اور عقل وخرد کے شہسوار مانے جاتے ہیں۔

آپ کی ذہانت وفراست کے حوالے سے یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ جب اُروی بنت اویس نے آپ پر غصبِ زمین کا الزام لگایا اور طلحہ بن عبداللہ بن خوف وعبدالرحمٰن بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے پاس اس معاملے میں گفت وشنید کے لیے روانہ کیا، جب یہ حضرات آپ کے پاس تشریف لائے تو اسی وقت انھیں دیکھتے ہی آپ نے فوراً فرمایا کہ: میں نے جان لیا کہ تم لوگ کس مقصد کے تحت میرے پاس آئے ہو، عنقریب میں تم سے وہ باتیں بیان کروں گا جنھیں میں نے رسول اللہ سے سماعت کی ہیں اور وہ باتیں میرے حاشیۂ ذہن میں آج تک محفوظ ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت بھی زمین غصب کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا۔'' (مصدر سابق، ص:۱۵۶۔ ۱۵۷)

خدمت حدیث: دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح آپ نے بھی صحبت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا اور بارگاہ نبوی میں رہ کر حدیثیں سماعت کیں۔ آپ سے تقریباً ۴۸/ احادیث نبویہ مروی ہیں۔ جن میں سے دو پر امام بخاری اور امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتفاق ہے جب کہ ایک میں امام بخاری منفرد ہیں۔ (مصدر سابق، الباب الثالث والعشرون فی نبذة من مسانده، ص:۶۷)

فقہی خدمات: خداداد علمی صلاحیت کے ذریعہ ایک طرف اگر آپ نے حاشیۂ ذہن میں احادیث نبویہ محفوظ کرکے عوام الناس تک پہنچایا تو وہیں دوسری طرف قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط کا اہم فریضہ بھی انجام دیا۔

لیکن آپ کے اخذ کردہ مسائل نے دوسروں کی طرح معرفت وشہرت کا رنگ اختیار نہیں کرپایا۔ علماے تاریخ وسیر اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ اکثر و بیشتر عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے اور دنیا سے کنارہ کشی و گوشہ نشینی کو پسند فرماتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کو مخلوق خدا کے مابین درپیش مسائل کے حل کی راہ تلاش کرنے کا بہت ہی کم موقع ملا۔ میں یہاں پر چند مثالوں کی ایک جھلک پیش کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) آپ فرماتے ہیں: ”اور اگر کوئی اپنے مال کے بدلے قتل کر دیا جائے، تو وہ شہادت کا درجہ پائے گا“۔

(۲): ”صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دینا حرام ہے“۔

(۳): ”جو شخص اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کے بدولت قتل کر دیا جائے، وہ شہید ہے“۔

(مرجع سابق، الباب الثانی والعشرون فی مسائل اختارھا، ص:۱۶۵۔۱۶۶)

حق گوئی و بے باکی: حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے عمل کرتے تھے، اس معاملہ میں اپنے اور بے گانہ کی تمیز نہ کرتے تھے اور نہ کسی صاحب مملکت کی رعایت کرتے، جس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے ہوتا ہے:

(۱) ریاح بن حارث سے مروی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس دور میں کوفہ کے گورنر تھے ایک روز وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت سعید بن زید تشریف لائے، یہ دیکھ کر تمام حاضرین استقبال میں کھڑے ہوگئے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے پاس بیٹھایا۔ اسی اثنا میں ایک اور شخص اندر آیا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نا مناسب کلمات استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حضرت سعید نے یہ دیکھ کر مغیرہ سے دریافت کیا کہ یہ کسے گالیاں دے رہا ہے؟ حضرت مغیرہ نے بتایا کہ حضرت علی بن طالب کو۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت سعید نے للکار کر کہا: ”اے مغیرہ! اے مغیرہ! اے مغیرہ! تمھارے سامنے لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار کو گالیاں دیتے ہیں۔ تم منع نہیں کرتے، کیا تجھے غیرت نہیں آتی؟؟؟!“۔ (حوالۂ سابق، الباب السادس والاربعون فی امرہ بالمعروف ونھیہ عن المنکر، ص:۲۶۲)

(۲): ”اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے مسلمانوں کو شرم دلائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

قد رأيتني وإن عمر لموثقي على الإسلام قبل أن يسلم عمر و لو أن أحداً أرفض للذى صنعتم بعثمان لكان محقوقا أن يرفض-“

میں ماضی کی یادوں کو سوچتا ہوں کہ عمر اپنے اسلام لانے سے پہلے مجھے ستاتے تھے، جب کہ آج حال یہ ہے کہ لوگ اسلام قبول کرنے کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں کر رہے ہیں۔ حضرت سعید نے لوگوں کو متوجہ کر کے کہا کہ تم لوگوں نے عثمان غنی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اگر اس پر احد پہاڑ متزلزل ہو جائے تو بجا ہوگا۔

(عشرۂ مبشرہ، ص:۳۰۷۔۳۰۴، البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، سن اشاعت: نومبر ۲۰۱۴ء)

اس کے علاوہ اور کئی واقعات کا بارہا آپ کو سامنا کرنا پڑا، جہاں آپ نے بلا خوف لومۃ لائم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا

فریضہ انجام دیا۔ کہیں بھی آپ نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اس کی پاداش میں انجام کے طور پر میرے ساتھ کیا حالات پیش آنے والے ہیں۔ بلکہ ہر موڑ پر اپنی جوبات کہنی ہوتی دوٹوک اس کا اظہار فرمادیا کرتے۔

اولاد: حضرت سعید بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد کی تعداد اکتیس ہے۔ ان میں تیرہ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں ہیں۔

(الریاض النظرہ، ص:۶۱۷، شیخ محب طبری، مکتبہ توفیقیہ مصر، بحوالہ عشرۂ مبشرہ و معارف صحابہ)

مقام و مرتبہ: حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: ”حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعید بن زید جنگ میں سرکار کے آگے رہتے تھے اور نماز میں سرکار کے پیچھے۔“

(معارف صحابہ، حصہ اول، ص:۵۴۳، ناشر: امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اندور)

وصال: آپ کے وصال کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عبدالہادی دمشقی حنبلی (۸۴۰ء۔۹۰۹ھ) نے اپنی کتاب ”محض الشید مناقب سعید بن زید“ میں تقریباً ۱۲/ علماے تاریخ وسیر کے اقوال نقل کیے ہیں، جن میں سے اکثر حضرات نے ۵۰ھ کا قول کیا ہے۔ (الباب الرابع والخمسون فی تاریخ موتہ ومبلغ سنہ، ص:۲۷۶ تا ۲۷۸، ناشر: المکتبۃ الرشد، الدار العثمانیۃ، عمان)

جائے وفات میں اختلاف: جائے وفات کے سلسلے میں علماے کرام کے تین اقوال ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

قول اول: ”آپ کی وفات مقام عقیق میں ہوئی اور مدفون مدینہ طیبہ میں ہوئے۔“

قول دوم: ”آپ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔“

قول سوم: ”آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی اور مدفون بھی وہیں ہوئے۔“

راقم الحروف کے نزدیک قول راجح ”قول اوّل“ ہی ہے۔ اس لیے کہ علامہ ابن عبد الہادی مقدسی دمشقی حنبلی (۸۴۰-۹۰۹ھ) نے مذکورہ تینوں اقوال کو ذکر کرنے کے بعد قول اول کے تحت یہ فرمایا ہیں کہ ”وهذا الذى عليه الأكثر من أئمة الحديث و أهل التاريخ و سير وغيرهم، وأنه حمل حتى دفن بالمدينة النبوية (على ساكنها أفضل الصلاة والسلام)“.

ترجمہ: ”اور اسی پر اکثر و بیشتر ائمۂ حدیث، اہل تاریخ وسیر وغیرہم نے اتفاق کیا ہے اور آپ کو مدینہ شریف لاکر دفن کیا گیا“۔

(ایضاً، الباب الثالث والخمسون فی موتہ، ص:۲۷۳تا۲۷۵)

تجہیز وتکفین: جب مقام عقیق میں آپ کی وفات ہوئی تو مدینہ شریف سے کچھ باشندے، جن میں سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم شریک تھے، یہ لوگ آپ کو لینے کے لیے گئے۔ جب یہ لوگ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو کاندھے پہ لے کر مدینہ پہنچے تو دونوں حضرات نے آپ کو غسل دیا، کفن سے ملبوس کیا اور پھر کاندھے پر اٹھا کر قبر کے پاس لے گئے، یہاں تک کہ وہی دونوں قبر میں بھی اترے۔ جیسا کہ عائشہ بن سعد فرماتی ہیں: ”سعد سعید کو غسل دینے کے بعد اپنے گھر تشریف لائے اور غسل کیا، پھر جب آپ غسل کر کے نکلے تو فرمایا، سنو! میں نے سعید کو غسل دینے کی وجہ سے غسل نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے گرمی کی وجہ سے غسل کیا ہے۔“ (حوالہ سابق، الباب الخامس والخمسون فی غسلہ وتکفینہ والصلاۃ علیہ، ص:۲۷۹ تا ۲۸۰)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۳ھ ـــ وفات: ۵۰ھ

محمد شاداب عالم برکاتی، پورنیہ، جماعت: فضیلت 9695177166

نام و نسب: حسن نام، ابو محمد کنیت اور لقب سبط رسول اور ریحانۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ والد کا نام علی بن ابی طالب، والدہ کا نام فاطمہ بنت رسول۔

سلسلۂ نسب: حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۲۰۰۳ء۔ ۱۴۲۴ھ)

ولادت: آپ کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ آپ کی ولادت ۱۵/ رمضان شریف ۳ھ کو مدینہ میں ہوئی، پیدائش کے ساتویں دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور سر کے بال اتروا کر اس کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب "حسن" پیدا ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، ارشاد فرمایا: میرے فرزند کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا "حرب" آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں، اس کا نام حسن ہے۔

جب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا میرے فرزند کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا 'حرب' آپ نے فرمایا اس کا نام حسین ہے۔

جب محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا: مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا "حرب" آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے اس کا نام "محسن" رکھا ہے۔

(استیعاب، ابن عبد البر قرطبی، ج:۱، ص:۴۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۲۰۰۲ء۔ ۱۴۲۲ھ)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہرے سے لے کر ناف تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، جب کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناف سے لے کر پیر تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

عقبہ بن حارث کہتے ہیں: ایک روز میں بعد عصر حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلا، راستہ میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں کاندھے پر بیٹھا لیا، اور آپ فرما رہے تھے، بخدا یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، علی کے نہیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرانے لگے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۲، ص ۲۷۴، دار الفکر بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵ء)

حضور ﷺ کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی، آپ علیہ السلام نے بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش فرمائی، کبھی آغوش شفقت میں لیتے، کبھی دوش اقدس پر سوار کر لیتے اور کبھی ہاتھ پکڑ کر ساتھ ساتھ چلنے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ سے بے حد مانوس تھے، کبھی حالت نماز میں پشت مبارک پر چڑھ کر بیٹھ جاتے، سرکار ﷺ اس وقت تک سر نہ اٹھاتے جب تک حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ اترتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے، حضور ﷺ ان کے لیے دونوں پیروں کے درمیان کشادگی فرمادیتے، اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری طرف سے نکل جاتے، غرض کہ طرح طرح کی شوخیاں کرتے، مگر حضور ﷺ نہایت شفقت و پیار سے ان کی طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی تادیبًا بھی نہ جھڑکتے۔ بلکہ تبسم فرمادیا کرتے۔ (اصابہ، ج:۲،ص:۶۲،طبع ثانی:۲۰۰۲ء۔۱۴۲۳ھ۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۴،ص:۳۷۷،دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول:۲۰۰۴ء)

فضل و کمال: حضرت حسنین کریمین کی ذات مجمع الفضائل تھی، حضور ﷺ کی غیر معمولی محبت و شفقت آپ دونوں کی فضیلت کا نمایاں باب ہے، کتب احادیث و سیر ان کے فضائل سے مالامال ہیں، ان میں سے چند ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں، چوں کہ حضور ﷺ کو دونوں شہزادوں سے یکساں محبت تھی؛ اس لیے بعض انفرادی اور امتیازی فضائل کے علاوہ عموماً اور بیشتر دونوں کے فضائل اس طرح مشترک ہیں کہ ان دونوں کو جدا کرکے لکھنا ایک مشکل امر ہے؛ اس لیے دونوں کے فضائل لکھ دے جاتے ہیں:

(۱) عن البراء قال: رأيت النبيﷺ، و الحسن بن علي على عاتقه، يقول: اللهمّ إني أحبّه فأحبّه.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں سیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے دوش مبارک پر سوار ہیں، اور آپ فرمارہے ہیں: الٰہی! میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ۔ (بخاری شریف، ج:۱،ص:۵۳۰،مجلس برکات)

(۲) عن الحسن أنه سمع أبابكرة سمعت النبيّ ﷺ على المنبر، و الحسن إلى جنبه، ينظر إلى الناس مرّة و إليه مرّة، و يقول: ابني هذا سيّد، و لعلّ الله أن يصلح به بين فئتين من المسلمين.

حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر جلوہ فرمادیکھا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پہلو میں تھے، سرکار ایک مرتبہ لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک بار امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب نظر فرماتے، آپ فرمارہے تھے میرا یہ فرزند سردار ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے طفیل مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح فرمادے گا۔ (مصدر سابق)

ابن اثیر جزری نے اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "و أيّ شرف أعظم مِن شرف مَن سمّاه رسولُ الله ﷺ سيّدا." یعنی اس سے بڑھ کر شرف و بزرگی کی بات اس کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے جسے حضور ﷺ نے "سید" کے نام سے یاد فرمایا ہو۔ (اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۸،دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

(۳) عن ابن عباس قال: كان رسولُ الله ﷺ حامل الحسن بن علي على عاتقه، فقال رجل: نعم المركب ركبتَ يا غلامُ!، فقال النبيّ ﷺ و نعم الراكب هو.

حضرست عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا اے بچے! تونے کتنی اچھی سواری کی، اس پر حضور نے فرمایا یہ بھی تو دیکھو کہ سوار کتنا اچھا ہے۔
(جامع ترمذی، ج:۲، ص:۲۱۹، مجلس برکات)

(٤) ان الحسن و الحسين هما ريحانتایَ من الدنيا.
حسن وحسین دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔ (مصدر سابق، ص:۲۱۸)

حدیث: آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے، ان میں اکثر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔ آپ کے زمرۂ رواۃ میں درج ذیل حضرات کے اسما آتے ہیں:

آپ کے فرزند حسن، ام المومنین عائشہ صدیقہ، ابوجوزاء، ربیعہ بن شیبان، عبداللہ، ابو جعفر، جبیر بن نفیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، شعبی، سوید بن غفلہ، شقیق بن مسلمہ، ہبیرہ بن مریم، معاویہ بن خدیج وغیرھم۔
(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۱۴، تہذیب التہذیب، ج:۲، ص:۲۷۴)

خطابت: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے؛ اس لیے خطابت آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔ آپ نے متعدّد خطبات دیے، آپ کے خطبات فصاحت وبلاغت سے پُر، پند وموعظت کا آئینہ دار اور ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا عملی نمونہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ نے کئی ایک خطاب فرمائے، ان میں سے ایک بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے؛ تاکہ اس سے آپ کی خطابت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ابن اثیر جزری اور حافظ ذہبی دونوں نے اسے نقل کیا ہے، الفاظ قدرے مختلف ہیں، تاہم مفہوم ومعنی ایک ہے۔ ملاحظہ ہو:

قام الحسن بعد موت أبيه أمير المؤمنين، فقال بعد حمد الله عزّ و جلّ: إنّا —والله— ماثَنَانا عن أهل الشام شكٌّ و لا ندم، و إنّما نقاتل أهل الشام بالسلامة و الصبر، فسلبت السلامة بالعداوة، و الصبرُ بالجزع، و كنتم في منتدبكم إلى صفين، و دينكم أمام دنياكم، فأصبحتم اليوم و دنياكم أمام دينكم، ألا! و إنّا لكم كما كنّا، و لستم لنا كما كنتم، ألا و قد أصبحتم بين قتيلين: قيل بصفين تبكون له، و قتيل بالنهروان تطلبون بثأره، فأمّا الباقي فخاذِلٌ، و أمّا الباكي فثائر، ألا إن معاوية دعانا إلى أمرٍ ليس فيه عزّ و لا نَصَفَة، فإن أردتم الموتَ رَدَدْناه عليه، و حاكمناه إلى الله. عز و جل- بِظُبا السيوف، و إن أردتم الحياة قبلناه، و أخذنا لكم الرّضا، فناداه القومُ من كلّ جانب: البقيّةَ البقيّةَ، فلمّا أفردوه أمضىٰ الصلح.

ترجمہ: امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد امام حسن کھڑے ہوئے اور حمد الٰہی کے بعد فرمایا: ''کسی شک وشبہ یا شرم وندامت نے ہمیں شامیوں کے مقابلے سے نہیں روکا، بلکہ اس کا سبب یہ ہوا کہ ہم صاف دلی اور صبر کے ساتھ ان سے جنگ کرتے رہے، لیکن اب وہ حالت باقی نہیں رہی، صاف دلی کی جگہ دشمنی نے لے لی، اور صبر کی جگہ بے چینی۔ جب تم صفین میں مدعو ہوئے تھے تو تمھارا دین تمھاری دنیا پر مقدم تھا، اب حالت اس کے برعکس ہے، اب تمھارے سامنے دو قسم کے مقتول

ہیں: ایک صفین کے مقتول جن کے لیے تم رو رہے ہو، دوسرے نہروان کے مقتول جن کا تم بدلہ لینا چاہتے ہو، لیکن رونے والا بدلہ پا گیا اور باقی ناکام و نامراد۔ معاویہ ہمیں ایک ایسے امر کی دعوت دیتے ہیں جس میں عز و شرف اور انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے؛ اس لیے اس کا فیصلہ تمھارے سر ہے، اگر موت چاہتے ہو تو ہم اس کو معاویہ ہی کی طرف لوٹا دیں اور تلوار کی دھار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فیصلہ چاہیں۔ اور اگر تم زندگی کے متلاشی ہو تو ہمیں یہ بھی منظور ہے، ہمیں تمھاری مرضی کا پاس و لحاظ رہے گا، اس پر ہر طرف سے آواز آئی ''زندگی، زندگی''۔ جب لوگوں نے رضامندی ظاہر کر دی تو آپ نے صلح کا حکم صادر فرما دیا''۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۱۸، ۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳ء)

بیعت و خلافت: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوصاف و کمالات کے لحاظ سے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلف الصدق تھے؛ اس لیے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر کسی دوسری جانب نہیں اٹھ سکتی تھی، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کو خلافت کی مسند پر فائز کیا گیا، تقریباً چالیس ہزار سے زیادہ لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی، چھ ماہ تک آپ حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ کے خلیفہ رہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۸ھ)

خلافت سے دست برداری: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے نرم خو، متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے، جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی، جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر لے کر آپ کی طرف نکلے، اور آپ بھی ان کے مقابلے کے لیے نکلے تو آپ کو محسوس ہوا کہ جب تک ایک خلق کثیر نہ مارے جائے تب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا، آپ اسے ناگوار سمجھتے تھے کہ خلافت کی خاطر خوں ریزی ہو، خود فرماتے ہیں: ما أحببتُ أن أَلِيَ أمرَ أمّة محمد ﷺ على أن يهراق في ذلك مِحجمةُ دمٍ. (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۱۸)

یعنی میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ خلافت کی خاطر ایک قطرہ بھی خون بہے، ساتھ ہی مسلمانوں کی پچھلی خونی تاریخ بھی آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی؛ اس لیے ان تلخ تجربات کو دیکھتے ہوئے آپ نے خلافت سے دست برداری کا فیصلہ کر لیا۔ چناں چہ مندرج ذیل شرائط پر آپ نے زمام حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد فرمائی:

☆ فی الوقت امیر معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں، لیکن ان کے انتقال کے بعد امام حسن خلیفہ ہوں گے۔

☆ عراق اور حجاز کے باشندوں سے مزید کوئی اور ٹیکس نہیں لیا جائے، بلکہ صرف وہی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے لیا جا رہا ہے۔

☆ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ جو قرض ہے، اس کی تمام تر ادائیگی امیر معاویہ کریں گے۔

ان شرائط کو امیر معاویہ اور امام حسن دونوں حضرات نے قبول کر لیا اور باہمی صلح ہو گئی، ساتھ ہی حضور ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا جس کی طرف ذیل کی حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ:

''میرا یہ فرزند سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے مابین صلح فرما دے گا۔''

امام حسن ربیع الاول ۴۱ھ میں، بقولِ بعض ربیع الآخر ۴۱ھ میں خلافت سے دست بردار ہوئے، کچھ حضرات کا خیال ہے

آپ جمادی الاول ۴۱ھ میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔

اس مصالحت کے دور رس نتائج سامنے آئے، مسلمانوں کی خون ریزی کا سلسلہ جو مدتوں سے چلا آرہا تھا، بند ہو گیا، گویا اس صلح نے ''خونی سیلاب'' پر ''بند'' باندھنے کا کام کیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۱۵۲، ناشر: تجار الکتب، ممبئی)

اخلاق و عادات: امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہری اعتبار سے تو حضور کے مشابہ تھے ہی، باطنی لحاظ سے بھی اسوۂ نبوی پر کاربند تھے، زہد و ورع، دنیاوی جاہ و حشم سے بے نیازی اور بے تعلقی آپ کے نمایاں اوصاف ہیں۔

استغنا و بے نیازی: جس استغنا و بے نیازی کا آپ نے مظاہرہ کیا ہے، تاریخ میں اس کی مثال ''نایاب'' نہ ہی تو ''کم یاب'' ضرور ہے، عموماً قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے، تاہم امام حسن نے خالصۃً للہ، مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر خلافت سے دست کش ہو کر تاریخ کا ایک باب رقم فرمادیا۔ امام نووی لکھتے ہیں: و كان حليماً، ورعاً، دعا ورعه و حلمه إلى ترك الدنيا و الخلافة لله تعالىٰ.

یعنی آپ بڑے بردبار، سخی اور متقی و پرہیزگار تھے، بردباری اور تقویٰ شعاری نے ہی آپ کو دنیا و خلافت سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کیا۔ (تہذیب الأسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول: ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۸ھ)

صبر و تحمل: صبر و تحمل آپ کا امتیازی وصف تھا، آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہیں ہوئی، مروان بر سر عام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب و شتم کرتا، آپ اس کی ان ہرزہ سرائیوں کو سن کر خاموش رہتے، ایک مرتبہ مروان نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لکھا کہ علی پر، علی پر، اور تجھ پر، تجھ پر، تجھ پر (لعنت)؟ تمھاری مثال تو بس خچر کی سی ہے، اگر اس سے پوچھا جائے کہ تمھارا باپ کون ہے؟ تو جواب یہ دے کہ میری ماں گھوڑی ہے۔ مروان کے فرستادے کی باتیں سن کر آپ نے جواب دیا: جاؤ، مروان سے کہہ دینا کہ تمھاری یہ باتیں مجھے یاد رہیں گی، حالاں کہ تم کو یقین تھا کہ میں تمہیں بدلے میں گالی دوں گا، لیکن میں صبر سے کام لے رہا ہوں، قیامت قریب ہے، اگر تم راست باز ہو تو اللہ جزائے خیر سے نوازے، اور اگر تم دروغ گو ہو تو خدا کی گرفت بڑی سخت ہے۔ (تاریخ الخلفاص:۱۵۳)

کثرت شادی: آپ نے بکثرت شادیاں کیں، اور اسی کثرت سے طلاقیں بھی دیں، آپ کی ازواج کی تعداد نوے تک پہنچ جاتی ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: ''أحصن الحسنُ تسعين امرأة'' یعنی امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوے شادیاں کی۔ آگے لکھتے ہیں: ''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اعلان کرادیا تھا کہ اے کوفہ والو! حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی مت کرنا؛ کیوں کہ وہ طلاق دینے کے عادی ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ ان کی اس روش سے کہیں قبائل کے مابین دشمنی نہ ہو جائے''۔ تاہم آپ کے حبالۂ عقد میں جتنی بھی عورتیں آئیں، وہ سب آپ پر شیفتہ و فریفتہ تھیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۳۸۸، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع اول: ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۷ء)

فقہ و افتا: حسن مجتبیٰ حضرت علی کے فرزند تھے، جنھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے '' أقضاهم علي '' کی سند عطا فرمائی تھی؛ اس لیے فقہ افتا میں اتنا درک رکھتے تھے کہ مدینہ کی صاحب علم وافتا جماعت کے ایک رکن تھے، البتہ آپ کے فتاوی کی تعداد بہت

کم ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا شمار ''مقلّین فقہا'' میں ہوتا ہے۔ ابن قیم جوزیہ لکھتے ہیں:

''و الباقون منهم ''مقلّون'' فی الفتيا، لا يُرْوىٰ عن الواحد منهم إلّا المسئلة -أو- المسئلتان، و الزيادةُ اليسيرة علىٰ ذلك، يمكن أن يجمع من فتيا جميعهم جزءٌ صغير فقط بعد التقصي و البحث. و هم: ابو الدرداء، و ٠ أبو اليسر، و أبو سلمة المخزومی، و أبو عبيده بن الجراح، و سعيد بن زيد، و الحسن و الحسين ابنا علي''......

ترجمہ: فقہ وافتا کے باب میں میں باقی صحابہ کا شمار ''مقلین'' میں ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک سے ایک یا دو ہی مسئلے منقول ہیں، یا اس سے کچھ زائد، تلاش وتتبع کے بعد اگر ان سب کے فتاویٰ یکجا کیے جائیں تو ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: ابودرداء، ابوالیسر، ابوسلمہ مخزومی، ابوعبیدہ بن جراح، سعید بن زید اور حسن وحسین فرزندانِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین..... (اعلام الموقعین عن رب العلمین، ج:۲، ص:۱۹، دار ابن الجوزیہ)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کتنی ہو سکتی ہے، ذیل میں ہم ان کے کچھ فقہی گوشے قلم بند کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام حسن کا موقف بلی کے جوٹھے کے سلسلے میں یہ تھا کہ وہ ناپاک نہیں ہے، وضو یا پینے کے لیے اس کے پس خوردہ کے استعمال میں آپ کوئی حرج نہیں سمجھتے، یہی موقف و مذہب کئی ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے، ملاحظہ ہو:

و ممن رو ينا عنه أنّ الهر ليس بنجس، و لا بأس بفضل سوره، للوضوء والشرب: العباس بن عبد المطلب، و علی، و ابن عباس، و ابن عمر، و عائشه، و ابو قتادة، و الحسن و الحسين، و علقمة، و ابراهيم و عكرمة. (الاستذکار، ج:۱، ص:۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، طبع ثانی: ۲۰۰۲ء۔ ۱۴۲۳ھ)

(۲) امام حسن خضاب لگایا کرتے تھے، امام حسین کے تعلق سے ایک روایت میں ہے کہ شہادت کے وقت آپ کے ریش مبارک میں خضاب تھا، دیکھیے ''الملفوظ'' حصہ دوم، صفحہ: ۹۴، مفتیِ اعظم ہند اکیڈمی چھتیس گڑھ۔

احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے ''من اختضب بالسواد، سَوّد اللهُ وجهه يوم القيامة'' جو سیاہ خضاب کرے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا، اس حکمِ شدید کے باوجود آپ کے خضاب لگانے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ آپ مجاہد کے لیے اسے جائز و مشروع سمجھتے تھے، چوں کہ خود بھی مجاہد تھے؛ اس لیے استعمال میں لائے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۳۹۳، دار الفکر)

وفات: آپ کی شہادت زہر خورانی سے ۵ ربیع الاول ۵۰ھ میں واقع ہوئی، بعض کے نزدیک ۴۹ھ میں اور کچھ کے نزدیک ۵۱ھ میں ہوئی، راجح پہلا قول ہے، ''وفیات الأعیان'' میں اسی کو ''و هو أشبه بالصواب'' کہا گیا ہے۔

(وفیات الأعیان، ج:۲، ص:۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۹۹۸ء۔ ۱۴۱۹ھ)

من أهل الفتوى

سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

ولادت: ۴ھ.. ....وفات: ۶۱ھ

محمد حسین رضوی، بھدوہی، جماعت: فضیلت 7754826993

نام: حسین، **کنیت:** ابو عبد اللہ، **لقب:** سبط رسول وریحانۃ الرسول۔

سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حسین ابن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ابو عبد اللہ قرشی ہاشمی آپ مولائے کائنات علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے لخت جگر، زہرا بتول فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرزند ارجمند اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔

علامہ ابن حجر نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے "سبط رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و ريحانته من الدنيا، وأحد سيدى شباب اهل الجنة "حسین بن علی نواسۂ رسول، دنیا میں ان کے پھول اور سرداران جنت میں سے ایک ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۲، ص:۳۱۸، دار الفکر)

ولادت: آپ کی ولادت ۵ر شعبان المعظم ۴ر ہجری کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

(تہذیب التہذیب، ج:۲، ص:۱۸، دار الفکر)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی، منہ میں لعاب دہن ڈالا اور آپ کے لیے دعا فرمائی۔ پھر ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام حسین رکھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبر و شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انھی کے نام پر حسن و حسین رکھا۔

حلیۂ مبارک: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں "ألحسين أشبه برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من صدره إلى قدميه" حسین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے سینۂ پاک سے لے کر قدمان مبارک تک۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۱۴۴ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت عمر بن عطا فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ نیل کے پتوں کا خضاب لگایا کرتے تھے اور آپ کے سر اور داڑھی کے بال سخت کالے تھے۔ (حوالۂ سابق)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی بیان ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں بھائی شکل و صورت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر سے سینے تک اور حضرت حسین سینے سے قدم تک گویا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما

مکمل ذات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکس تھے۔

مختصر حالات: آپ خاندان نبوت کے چشم وچراغ تھے۔ اس لیے آپ کی پرورش خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً سات برس تھی۔ اس لیے آپ کو براہ راست فیضان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاصل کرنے کا موقع کم ملا۔ لیکن اس مختصر سی مدت میں ہی آپ نے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشست وبرخاست، خلوت وجلوت، عبادت وریاضت اور اخلاق وعادات کا بغور مطالعہ کیا اور اپنی زندگی کو اسوۂ نبوی کی روشنی سے منور کر لیا۔

آپ کی زندگی علم وعمل، فہم وفراست، زہد وعبادت، کرامات واستقامت، اخلاص ومحبت، شجاعت وبہادری، جود وسخا اور دینی غیرت وحمیت سے عبارت تھی۔ زندگی کے اکثر ایام آپ نے دین متین کے استحکام واستقلال میں گزارے اور دشمن طاقتوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

عہد نبوی میں پیش آنے والے غزوات وسرایا میں آپ کا نام کہیں بھی نظر نہیں آتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً آپ کی کم سنی تھی۔ پھر ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بھی آپ اسی سبب سے شرکت نہ کر سکے۔ عہد عثمانی میں چوں کہ آپ بالکل جوان ہو چکے تھے اس لیے اس زمانے کے فتوحات اور لڑائیوں میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور اپنی جنگی فوجی خدمات سے سلطنت اسلامیہ کو طاقت ووسعت بخشی۔ عہد عثمانی تک آپ مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر رہے۔ پھر والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کے ساتھ کوفہ منتقل ہو گئے۔ اسی دوران جنگ جمل، جنگ صفین اور معرکۂ نہروان پیش آیا جس میں آپ نے والد گرامی کی معیت ومصاحبت میں قتال کیا اور خوب داد شجاعت دی اس کے بعد برادر اکبر رضی اللہ عنہ کے دست وبازو بنے رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے بعد آپ ان کے ساتھ مدینہ آ گئے۔ پھر یزید پلید کی آمرانہ حکومت میں آپ کی شہادت کا عظیم واقعہ پیش آیا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت امام حسین کا علمی مقام: بے شمار فطری محاسن اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے آپ کو علم وفن کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ کم عمری کے باعث آپ کو فیضان نبوی سے براہ راست بہرہ ور ہونے کے مواقع کم ملے۔ لیکن آپ جس خاندان کے چشم وچراغ تھے اور جس باپ کی آغوش میں پروان چڑھے وہ علوم ومعارف کا سرچشمہ اور علم وعمل کا مجمع البحرین تھا، اس لیے قدرۃً آفتاب علم کے پرتو سے امام حسین مستنیر ہوئے۔ آپ دین کے فقیہ قرآن وسنت کے ایسے زبردست مجتہد عالم تھے کہ اکابرین صحابہ وتابعین بھی دینی امور اور فقہی معاملات میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تقریباً آٹھ احادیث بلا واسطہ روایت کیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ آپ نے حضرت علی، فاطمہ، ہند بنت ابی ہالہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت حدیث کی ہے اور آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے برادر اکبر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد واحفاد حضرت زین العابدین، فاطمہ، سکینہ، باقر، شعبی، عکرمہ اور سنان دولی وغیرہ ہیں۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۷۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

آپ کی جلالت علمی اور شان فقہی کا اعتراف اکابرین صحابہ کو بھی تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان حلت وحرمت کے مسائل

میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ احکام اسلام اورآداب شریعت کی تحصیل کرتے جس طرح آپ کے والد گرامی کے حضور میں مسائل کی تصفیہ کے لیے آتے۔ اصحاب تاریخ وسیر نے آپ کے کمال علمی کا تذکرہ بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر نے ایک موقع پر امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں کے علمی مقام ورتبہ اور علمی دلچسپی کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ دونوں شہزادے علم کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد، ج: ۹، ص: ۳۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم وفضل میں کوئی شخص امام حسین رضی اللہ عنہ کے قریب بھی نہ پہنچا۔ آپ کو اپنے علمی استعداد ولیاقت کے سبب اپنے ہم عصروں پر فوقیت اور برتری حاصل تھی۔ آپ نے صغر سنی میں ہی اپنے نانا جان کے درایاے علوم سے سیرابی حاصل کی جن علوم نے کائنات کو روشن کر دیا۔ آپ دینی معاملات میں امت کے بہت بڑے فقیہ وعالم تھے۔ (النھایہ)

حدیث میں وارد ہے کہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں علم کے روشن مینار تھے۔

فضائل وکمالات: آپ کے فضائل ومناقب بہت زیادہ ہیں۔ اللہ نے آپ کو گونا گو خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہیتے اور محبوب تھے۔ صحابۂ کرام بالخصوص خلفاے راشدین آپ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ آپ کے فضائل پر بہت سی احادیث وارد ہیں:

حضرت شداد بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے واثلہ بن اسقع کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا تو ایک شامی شخص نے آپ اور آپ کے والد گرامی کی شان میں زبان طعن دراز کیا تو واثلہ کھڑے ہو گئے اور کہا بخدا! میں اس وقت سے علی، فاطمہ، حسن اور حسین سے محبت کرنے لگا جس دن سے میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا کہ آپ نے ان کی عزت وعظمت کے تذکرے کیے ہوا یوں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا آپ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے اتنے میں حضرت حسن آئے حضور نے انھیں اپنے داہنے ران پر بیٹھا لیا اور بوسا دیا پھر حضرت حسین آئے انھیں اپنے بائیں ران پر بیٹھا لیا اور بوسہ دیا پھر حضرت فاطمہ آتی ہیں حضور نے انھیں اپنے سامنے بیٹھایا پھر حضرت علی کو بلایا اور ارشاد فرمایا" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا ۝۳۳" (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: ۲، ص: ۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان(

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ باہر تشریف لائے تو کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے جسے میں نہیں جان سکا۔ جب ضرورت سے فارغ ہوا تو دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ کیا اٹھائے ہوئے ہیں؟ آپ نے چادر مبارک اٹھائی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پہلوؤں میں حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں۔ آپ نے فرمایا:"ھذا ن إبنای و إبنا إبنتي" یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں اور پھر فرمایا: اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ، جو ان سے محبت کرتا ہے ان کو بھی محبوب رکھ۔ (مشکوۃ، ص: ۵۷۰، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ایک موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:" حسين منی و أنا من الحسين أحب الله من أحب حسينا حسين سبط من الأسباط" یعنی حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، جس نے حسین سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی حسین نواسۂ رسول ہیں۔(تہذیب التہذیب،ج:۲،ص:۳۱۸،دار الفکر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"ألحسن و الحسين سيدا شباب أهل الجنة"حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔(مشکوۃ،ص:۵۷۰،مجلس برکات،جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما خانۂ کعبہ شریف کے سایہ شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا:"هذا أحب اهل الأرض إلى أهل السماء اليوم"آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔(الاصابہ فی تمیز الصحابہ،ج:۲،ص:۶۹،دار الکتب العلمیہ بیروت)

زہد و عبادت : علم و عمل اور فضل و شرف کے ساتھ ساتھ آپ کی زندگی عبادت و ریاضت کا پیکر جمیل تھی: ذوق و شوق عبادت آپ کی کتاب زندگی کے روشن ابواب تھے۔ پھر آپ کی تعلیم و تربیت معلم کائنات ﷺ کے زیر سایہ ہوئی اس لیے آپ کی ہر ہر ادا سے سیرت نبوی آشکارا ہوتی تھی۔ رسول گرامی وقار ﷺ کی عبادت کا تذکرہ محدثین اور سیرت نگاروں نے کیا ہے کہ آپ اس قدر رات میں قیام کرتے تھے کہ پاؤں میں ورم پڑ جاتا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی عبادت کا یہی حال تھا کہ رات قیام میں گزارتے اور دن کو کثرت کے ساتھ روزہ رکھتے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں امام حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق ابن زبیر کا ایک طویل خطبہ نقل کیا ہے۔ اس خطبہ میں ابن زبیر نے اہل عراق کی بے وفائی اور کوفیوں کی شرارت کا تذکرہ کیا ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے اوصاف کو تفصیلاً بیان کیا ہے جس میں انھوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی عبادت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"والله لقد قتلوه طويلا بالليل قيامه ، كثيراً في النهار صيامه أحق بما هم فيه منهم و أولى به في الدين والفضل"(تاریخ طبری ۳۴۷؍۳)

بخدا ان لوگوں نے ایسے شخص کو قتل کیا جن کی راتیں قیام میں گزرتیں اور دن روزے سے اور وہ اس چیز کے ان سے زیادہ حق دار تھے جس کا یہ لوگ دعوی کرتے ہیں اور وہ دین و فضل میں عالی رتبہ ہیں۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں:

"كان الحسين فاضلا دينا كثير الصيام والصلاة والحج"

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل اور دین دار شخص تھے نماز روزہ اور حج کو کثرت کے ساتھ بجالانے والے تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،ج:۱،ص ۴۴۳)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت فرمان نبوی ﷺ کی روشنی میں : آپ کی شہادت کا شہرہ آپ کے زمانہ شیر خوارگی میں ہی ہو گیا تھا۔ حضرت علی، فاطمہ، حسن اور اکابرین صحابہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ شہزادۂ رسول ﷺ سرزمین عراق مقام کربلا میں نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیے جائیں گے فرامین رسالت اس پر شاہد ہیں:

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا

: یارسول اللہ! میں نے آج رات برا خواب دیکھا ہے۔ فرمایا وہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ وہ سخت ہے۔ فرمایا کہ بتائیں تو سہی کہ وہ کیا ہے؟ عرض کیا گویا آپ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری آغوش میں رکھ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ ان شاء اللہ تعالی فاطمہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوگیا وہ آپ کی آغوش میں ہوگا۔ تو حضرت فاطمہ کے یہاں حضرت حسین پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ میری آغوش میں تھے۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسین کو آپ کی آغوش میں رکھ دیا۔ پھر جو میری نظر آپ پر پڑی تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مقدس آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے والدین آپ پر فدا ہوں۔ آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا: ہمارے پاس جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور انھوں نے ہمیں خبر دی کہ ہماری امت ہمارے اس بیٹے کو شہید کرے گی۔ ہم نے کہا اس کو تو انھوں نے عرض کیا ہاں! اور ہمارے پاس اس جگہ کی سرخ مٹی لائے۔ (مشکوۃ شریف، ص:۵۷۲، مجلس برکات)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ جیسے سونے والا خواب میں دیکھتا ہے، اس حال میں کہ آپ کے بال مبارک بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی جس میں خون تھا۔ میں نے عرض کیا: میرے والدین آپ پر فدا ہوں! یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے۔ آج سارا دن ہم اسے اکٹھا کرتے رہے ہیں۔ میں نے اس وقت کو ذہن نشیں کرلیا۔ پس میں نے پایا کہ اسی وقت حضرت حسین شہید کیے گئے۔ (حوالہ سابق)

حضرت ابن نعیم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا تو ایک شخص نے مچھر کے خون کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ تم کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟ تو اس آدمی نے کہا کہ میں عراق کا رہنے والا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اسے دیکھو یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں سوال کررہا ہے حالاں کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے شہزادہ (حضرت حسین) کو ناحق قتل کردیا، جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دونوں دنیا کے خوشبودار پھول ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۱۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ اگر میں قاتل حسین میں سے ہوتا پھر مجھے جنت میں داخل کیا جاتا تو میں سرکار دوعالم ﷺ کے چہرۂ مبارکہ کی طرف نظر کرنے میں بہت شرم محسوس کرتا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان فقاہت: قرآن، حدیث اور تفسیر کے ساتھ ساتھ فقہ وافتا میں بھی آپ کو بلند مقام حاصل تھا۔ اگرچہ آپ سے صادر ہونے والے فتاوے کی تعداد کم ہی ہے۔ غالباً اس کی وجہ آپ کا عبادت وریاضت میں حد درجہ انہماک تھا۔ پھر بھی آپ کی بارگاہ میں جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ قرآن واحادیث کی روشنی اس مسئلہ کا حل فرماتے یہی وجہ ہے کہ ابن قیم جوزیہ نے فقہائے صحابہ کی ایک فہرست ذکر کرنے کے بعد کہا کہ صحابہ میں ان حضرات کے علاوہ جو لوگ

فتوی دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان میں ابو درداء، ابو عبیدہ ابن جراح اور حسن و حسین بھی ہیں چناں چہ ان کے معاصر ان سے استفتا کیا کرتے تھے۔ ابن عبد البر نے " استیعاب " میں امام حسین کے حوالے سے کئی مسئلوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ ابن زبیر جو خود عمر میں ان سے بڑے، ایک باکمال فقیہ اور اجتہادی شان کے حامل تھے۔ کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے اس سوال پر اسی وقت اونٹنی کا دودھ دہا کر کھڑے کھڑے پیا۔ اس طرح آپ کا جواب دینا اور مسئلہ کا حل فرمانا آپ کے اجتہادی شان کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ چوں کہ اس مسئلہ میں حدیثیں مختلف ہیں۔ ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:" لا یشربن أحد منکم قائما فمن نسی فلیستقی "(شرح صحیح مسلم، ج:۶، ص:۲۸۰ علامہ غلام رسول سعیدی، مرکز اہل سنت برکات رضا)

تم میں سے ہر گز کوئی کھڑے ہو کر پانی نہ پیے۔ تو جو بھول کر ایسے کرے تو وہ قے کر دے اور دوسری حدیث جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں:"کنا نأکل علی عھد رسول اللہ ﷺ ونحن نمشی و نشرب ونحن قیام" ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مسعود میں کھاتے پیتے تھے دراں حالاں کہ ہم چلتے تھے اور کھڑے ہوتے تھے۔ (حوالہ سابق)

ان دو مختلف حدیثوں کی وجہ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو تردد ہوا کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا صحیح ہے یا نہیں۔ اس پر امام حسین نے اپنی فقہی اور اجتہادی بصیرت سے اس مسئلہ کا حل پیش کیا کہ کھڑے ہو کر کھانے پینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر پانی نوش فرماتے تھے اور اس حدیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت آئی ہے، وہ استحباب اور ندب پر محمول ہے۔

اسی طرح حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو شیر خوار بچے کے وظیفہ کے بارے میں استفسار کی ضرورت پیش آئی، تو اس میں بھی انھوں نے حضرت امام حسین کی طرف رجوع کیا اور پوچھا" متی وجب عطاء الصبی " بچے کا وظیفہ کب واجب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا:" إذا استھل وجب عطاءہ ورزقہ" آپ نے فرمایا کہ پیدائش کے بعد ہی جب سے بچہ آواز دیتا ہے وظیفہ اور اس کا رزق واجب ہو جاتا ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

اسی طرح قیدی کی رہائی کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن زبیر نے سوال کیا کہ اے ابو عبد اللہ! قیدی کی رہائی کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ اس کی رہائی کا فرض کس پر عائد ہوتا ہے؟ فرمایا ان لوگوں پر جن کی حمایت میں وہ لڑا ہو۔ (حوالہ سابق)

وفات: دس محرم الحرام بروز جمعہ ۶۱ھ کو میدان کربلا میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا عظیم واقعہ پیش آیا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص ۴۴۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

من
أهل الفتوى

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۲ھ۔وفات:۶۵ھ

عبدالرشید، گڈا، جماعت:فضیلت Mob. 8081385240

اسم گرامی: نعمان، **کنیت:** ابوعبداللہ، **والد گرامی:** بشیر بن ثعلبہ

سلسلۂ نسب یہ ہے: نعمان بن بشیر بن ثعلبہ بن سعد بن جلاس بن زید بن مالک الاغر بن ثعلبہ بن سعد بن جلاس بن زید بن مالک الاغر بن ثعلبہ ابن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج الاکبر الانصاری الخزرجی۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۳۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی:۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء)

خاندانی پس منظر: حضرت نعمان بن بشیر کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا ان کے والد گرامی بشیر بن سعد بڑے رتبے کے صحابی تھے عقبہ ثانیہ میں ۷۰/انصار کے ہمراہ مکہ جاکر حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ بدر، احد اور تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے، سقیفۂ بنی ساعدہ میں سب سے پہلے انہوں نے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی۔ جنگ یمامہ ۱۲/ہجری میں حضرت خالد بن ولید کے ہمراہ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں نکلے اور واپسی کے وقت عین التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ والدہ بھی جو حضرت عبداللہ بن رواحہ مشہور صحابی کی ہمشیرہ تھیں، حضور اکرم ﷺ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکی تھیں۔

(ملتقطاً الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۵، ص:۶۲، طبع ثانی۔ اسد الغابہ، ج:۵ ص:۳۱۔ مشاہیر حدیث، مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ص:۲۰۴، ناشر: کمال بکڈپو، مدرسہ شمس العلوم گھوسی، اشاعت اول: ۱/اپریل ۲۰۰۵ء، دوم: 2015ء)

ولادت: ہجرت کے چودھویں مہینے ربیع الثانی ۲ھ میں پیدا ہوئے، ہجرت کے بعد انصار میں یہ سب سے پہلے بچے تھے ان کی ولادت کے چھ ماہ بعد حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۶۳۰، طبع ثانی:۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء)

ذات رسول ﷺ سے وابستگی: جب حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو نبی کریم ﷺ کے پاس پہونچتے، ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس طائف سے انگور آئے تو سرکار دوعالم ﷺ نے ان کو انگور کے دو خوشے عنایت کیے اور فرمایا کہ ایک تمھارا ہے اور ایک تمھاری ماں کا، حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راستے میں ہی دونوں خوشہ تناول فرمالیا اور ماں کو خبر نہ کی، چند دنوں کے بعد جب سرکار ﷺ نے پوچھا کہ اپنی ماں کو انگور دے دیے تھے؟ انہوں نے

کہانہیں آپ نے ان کی گوش مالی کی اور آئندہ ایسانہ کرنے کی تلقین فرمائی۔

اسی زمانہ سے نماز اور دیگر عبادات کی طرف توجہ کی، حضور ﷺ کے اقوال و افعال یاد رکھنے کی کوشش کرتے، منبر کے قریب بیٹھ کر وعظ سنتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے دعوے سے کہا کہ حضور ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق میں اکثر صحابہ سے زیادہ واقف ہوں۔ آپ شب قدر کی راتوں میں حضور ﷺ کے ہمراہ جاگتے تھے اور عبادات وریاضت میں مصروف رہتے تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۵، ص:۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۲ء۔ مشاہیر حدیث، مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ص:۲۰۴)

غزوات و سرایا میں شرکت: جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ سے جنگ چھڑی تو حضرت نعمان بن بشیر نے امیر معاویہ کا ہی ساتھ دیا۔ حضرت نعمان بن بشیر کے متعلق صاف طور پر مذکور ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ کو دوست رکھتے تھے چنانچہ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ ”و کان ھواہ مع معاویۃ و میلہ الیہ و الی ابنہ یزید“یعنی حضرت نعمان بن بشیر معاویہ اور یزید دونوں کی طرف مائل تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ انصار میں یہی ایک دو صاحب امیر معاویہ کے طرف دار تھے۔

اس کے صلے میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں جلیل القدر اعلیٰ عہدے عطا کیے چناں چہ ۵۳ھ میں انھیں پہلے دمشق کا قاضی پھر یمن کا امیر بنایا۔ ۵۹ہجری میں انھیں کوفہ کا امیر بنادیا گیا۔ ۶۰ہجری میں یزید نے آپ کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا آپ شام چلے گئے پھر حمص کا گورنر مقرر کیا ۶۴ہجری میں جب معاویہ بن یزید مر گیا تو آپ نے لوگوں سے حضرت عبد اللہ بن زبیر کی بیعت لی اور ان کی جانب سے حمص کے امیر مقرر ہوئے۔ واقعہ کربلا پیش آیا تو سیدنا امام حسین کے پس ماندگان کو جن میں خواتین، حضرت زین العابدین بن حسین اور چند دوسرے بچے تھے حضرت نعمان بن بشیر کے حفاظت مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۳۱۰۔ مشاہیر حدیث، ص:۲۰۴)

فقہ و حدیث میں مہارت: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں شاعر، شجاع، رحم دل، صلح پسند جواد اور کریم تھے، وہیں ان کو حدیث و فقہ سے کامل واقفیت تھی اگر چہ نظم ونسق، ملکی اقامت امن اور دوسری ذمہ داریوں اور مصروفیات میں ان علوم کی خدمت کا زیادہ موقع نہ ملا تاہم آپ کا دار الامارت فقہ و حدیث کا مخزن بن گیا تھا، سیکڑوں مقامات فیصلہ کے لیے پیش ہوتے تھے، جن کا فیصلہ آپ اپنی خداداد فقہی صلاحیت کے ذریعے فرمایا کرتے تھے فیصلے کے وقت حدیث کا حوالہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک مقدمہ پیش آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمھارا فیصلہ ویسا ہی کروں گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کا فیصلہ فرمایا تھا۔ آپ کے خطبے بڑے فصیح و بلیغ ہوا کرتے تھے۔ سماک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے جن لوگوں کے خطبے سنے ان میں نعمان کو سب سے بڑھ کر پایا خطبے میں محل و مقام کی مناسبت سے اعضا کو حرکت دیتے تھے۔ معاشرت نبوی کا نقشہ ایک بار ان الفاظ میں کھینچا ”ما کان نبیکم یشبع منہ الدقل و ما ترضون دونالوان التمر و الزبد“ یعنی تم مختلف قسم کے چھوہاروں اور مکھن پر بھی راضی نہیں حالاں کہ پیغمبر اعظم ﷺ ردی چھوہاروں سے بھی سیر نہ ہوتے۔

حضرت نعمان ن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد نبوت میں ۸/ سال کے تھے لیکن بہت سی حدیثیں انھیں یاد ہوگئی تھیں، بعد میں حضرت عائشہ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اپنے ماموں ابن رواحہ سے بھی حدیثوں کی سماعت کی اس معاملہ میں اگرچہ محتاط تھے تاہم ان کی سند سے ۱۲۴/ روایتیں منقول ہیں۔ جن لوگوں کو ان سے حدیثیں سننے کا اتفاق ہوا، ان کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے لیکن وہ لوگ جو تلامذہ خاص کا درجہ رکھتے ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔ ان کے دونوں بیٹے محمد اور بشیر، شعبی حمید بن عبد الرحمٰن، خیثمہ بن عبد الرحمٰن، سماک بن حرب، سالم بن ابی الجعد، ابو اسحٰق سبیعی، عبد الملک بن عمیر، یسیع کندی، حبیب بن سالم، عبید اللہ بن عتبہ، عروہ بن زبیر، ابوالقلابہ الجرمی، ابوسلام الاسود عیزار بن حریث،، مفضل بن مہلب، اظہر بن عبد اللہ حرازی وغیرھم۔

(اسد الغابہ، ج:۵، ص:۳۱۰۔ الاستیعاب، ج:۵:ص:۶۲۔ مشاہیر حدیث، ص:۲۰۴۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۶، ص:۳۴۶۔۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی)

وصال پر ملال: اموی خلیفہ مروان بن حکم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے خالد بن عدی الکلاعی کو سواروں کا دستہ دے کر بھیجا، حضرت نعمان بن بشیر رات کو حمص سے نکل گئے۔ خالد بن عدی کے دستے نے انھیں ”بیران“ نامی گاؤں میں گھیر کر شہید کر دیا ۶۵/ ہجری میں ۶۴/ برس کی عمر میں اس صحابی نے جام شہادت نوش کیا۔ ”انا للہ و انا الیہ راجعون“۔ (الاستیعاب، ج:۵، ص:۶۲۔ اسد الغابہ، ج:۵، ص:۳۱۰۔ مشاہیر حدیث، ص:۲۰۴)

من أهل الفتوى

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۵۲ھ

عبدالمجید قادری، رام گڑھ، جماعت: سادسہ 9125771573

نام: خالد، کنیت ابوایوب انصاری، **والد کا نام:** زید۔

سلسلۂ نسب: خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار خزرجی۔

(اسد الغابہ ج:۲، ص:۱۲۱، ابن اثیر جزری، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی ۲۰۰۳ء)

ولادت: آپ کی تاریخ ولادت کافی تلاش وجستجو کے باوجود معلوم نہ ہوسکی۔

آغوش اسلام میں: آپ رضی اللہ عنہ ان ستر خوش نصیب صحابۂ کرام کی معیت میں دامن اسلام سے وابستہ ہوئے جو شہر مدینہ سے مکہ مکرمہ آکر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص: ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع ثانی ۱۹۹۷ء)

غزوات میں شرکت: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بدر، احد، خندق اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے۔

(اسد الغابہ ج:۲، ص:۱۲۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی ۲۰۰۳ء)

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آخر عمر تک لشکر اسلام کے ہمراہ ہر قسم کے جہاد میں پیش پیش رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مجاہدین اسلام کے ساتھ جنگ قسطنطنیہ کے لیے نکلے، اسی جنگ میں مرض وفات سے دوچار ہوے اور دار بقا کی طرف رحلت کر گئے۔ (الاصابہ، ج:۲، ص:۲۰۱، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت دوم ۲۰۰۲ء)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت: آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت تھی، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں بے حد محبوب تھے اور یہ محبت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بھی مقبول تھی۔ چناں چہ جب آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی طرف نکلے تو مختلف قبیلے والوں نے درخواستیں پیش کیں کہ حضور ہمارے یہاں قیام فرمائیں، آپ ان سب کو جواب دیتے: "خلّوا سبیلها فإنها مأمورة" یعنی اونٹنی کو راہ دو کیوں کہ یہ حکم الٰہی کی پابند ہے۔ اونٹنی چلتے چلتے اس جگہ بیٹھی جہاں آج مسجد نبوی شریف کا منبر ہے، اسی کے قریب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا، سازوسامان وہیں اتارا گیا اور آپ نے حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرمایا۔

(اسد الغابہ ج:۲، ص:۱۲۱۔۱۲۲، ابن اثیر جزری، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی ۲۰۰۳ء)

اس طرح رسول پاک ﷺ نے سات مہینے تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی سے نوازا۔

(المواھب اللدنیہ، ج:۱، ص:۳۱۵، علامہ احمد بن محمد قسطلانی، مرکز اہل سنت گجرات)

امام مسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب رسول کریم ﷺ میرے گھر میں قیام پذیر ہوئے تو حضور نے نچلے حصے میں رہائش اختیار کی۔ میں اور میری زوجہ ام ایوب بالا خانے میں تھے۔ میں نے عرض کی یانبی اللہ! میرے والدین آپ پر قربان، مجھے یہ بات از حد ناگوار ہے کہ میں آپ کے اوپر والے مکان میں رہوں اور آپ نیچے والے مکان میں، مہربانی فرماکر بالا خانے میں تشریف لے جائیں۔ ہم نیچے والے حصے میں آجائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”إن أرفق بنا و بمن يغشانا أن نكون في سفل البيت “یعنی میرے اور مجھ سے ملاقات کرنے والوں کے لیے یہ امر آرام دہ ہے کہ ہم نیچے والے حصے میں رہیں۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ نیچے والے حصے میں سکونت پذیر رہے اور ہم اوپر والی منزل میں۔ ایک مرتبہ ہمارا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا، میں اور ام ایوب ایک لحاف لے کر پانی کو اس میں جذب کرنے لگے، کہیں پانی نیچے نہ گرے اور نبی کریم ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی لحاف نہ تھا“۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بار بار بصد عجز و نیاز عرض کرتے رہے یارسول اللہ! حضور بالا خانے میں تشریف لے جائیں، ہمارا دل گوارا نہیں کرتا کہ ہم اوپر ہوں اور آپ نیچے۔ چناں چہ ان کے شدید اصرار پر رسول پاک ﷺ اوپر والی منزل میں منتقل ہوگئے اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنے کنبے کے ساتھ نیچے تشریف لے آئے۔

(ضیاء النبی، ج:۳، ص:۱۲۹، ۱۳۰، فاروقیہ بکڈپو، بحوالہ: سبل الہدی، ج:۳، ص:۳۹)

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رات کا کھانا تیار کرکے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کرتے، جب حضور کا پس خوردہ ہمارے پاس پہنچتا تو ہم حصول برکت کے لیے حضور کی مبارک انگلیوں کے نشانات تلاش کرتے اور جہاں ہمیں وہ نشان معلوم ہوتے ہم وہاں سے کھاتے۔ (ایضاً، ص:۱۳۰)

رسول اکرم ﷺ کے جانثار صحابہ کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اپنی جانوں کو محبوب کے قدموں میں قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ آقائے کائنات ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں رات بسر فرمائی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کاشانۂ نبوی ﷺ کے دروازے پر اپنی رات گزار دی۔ آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ جب صبح ہوئی تو نبی پاک ﷺ نے آپ کو دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! آپ نے فلاں عورت کے باپ، بھائی اور شوہر کو قتل کردیا ہے تو میں اس کی طرف سے آپ کے متعلق مطمئن نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے تبسم فرمائی اور دعائے خیر سے نوازا۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۳، ص:۴۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، اشاعت ثانی ۱۹۹۴ء)

محبوب سے منسوب تمام چیزوں کو عزیز رکھنا محبت کا ایک عظیم رکن ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی ذات میں یہ رکن نمایاں تھا۔ آپ کو رسول اکرم ﷺ کے کچھ موئے مبارک حاصل ہوگئے، رسول پاک نے اس کے پیش نظر آپ سے فرمایا: ”لا یکن بک

السوء یا أبا أیوب ”یعنی اے ابوایوب! تم اس کی برکت سے مصائب وآلام سے محفوظ رہو گے۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج:۴، ص:۵۷۹ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، دار المعرفۃ بیروت، طبع اول:۱۹۹۸ء)

اس روایت سے جہاں آپ کے عشق و محبت رسول کا اظہار ہوتا ہے، وہیں یہ روایت بزرگوں کے تبرکات سے فیضیاب ہونے کے ثبوت میں واضح دلیل ہے۔

آقائے کائنات ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد تمام صحابہ فراق مصطفیٰ ﷺ میں مضطرب و بے چین ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ فرط عقیدت سے اپنے چہرے کو رسول پاک ﷺ کی قبر اطہر سے مس کئے ہوئے تھے، مروان بن حکم رموز واسرار سے بے خبر آپ کو ٹوکتا ہے: ”أتدری ما تصنع؟“ یعنی آپ کو خبر ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے عشق رسول سے سرشار ہو کر فرمایا: ”نعم جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر “یعنی ہاں! مجھے اچھی طرح خبر ہے، سن لو! میں رسول مختار ﷺ کے در دولت پر آیا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔

(مسند الامام احمد بن حنبل جلد:۵، ص:۴۲۲، دار الفکر بیروت، طبع اول ۱۹۹۵ء)

فضل و کمال: آپ رضی اللہ عنہ کی ذات صحابۂ کرام میں ممتاز و نمایاں تھی، آپ بے شمار خصوصیات کے حامل تھے، آپ کے علو مرتبت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے آپ کو بھی کتابت وحی کے لیے منتخب فرمایا۔

(مدارج النبوۃ ج:۲، ص:۵۳۰ تا ۵۶۰، منشی نولکشور لکھنؤ)

آپ کے کمالات کو اجاگر کرتے ہوئے عظیم محقق سید محمد بن علوی مکی مالکی رقم طراز ہیں: ”له فتاوی و اقوال فقهية و هو معدود من اعلام الصحابة و مفتيهم، روى عن النبي ﷺ مئة و خمسين حديثا“ یعنی آپ سے کئی ایک فتاوے اور فقہی اقوال صادر ہوئے، نیز آپ کا شمار کبار صحابۂ کرام اور مفتیان عظام میں ہوتا ہے، آپ نے رسول پاک ﷺ سے ۱۵۰/ احادیث روایت فرمائیں۔ (شریعۃ اللہ الخالدہ ص:۱۲۹ سید محمد بن علوی مکی مالکی، ناشر: مکتبۃ الملک فهد مکۃ مکرمۃ)

ان فضائل کے علاوہ آپ شجاعت و بہادری، عبادت و ریاضت وغیرہا بہت سے امور میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

حدیث رسول سے شغف: حدیث پاک کے سلسلے میں آپ کافی محتاط تھے، ایک ایک حدیث پوری چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے بعد قبول کرتے، حفاظت حدیث کی خاطر آپ کے سامنے بڑی بڑی مشقتیں ہیچ تھیں۔ ذیل کے واقعہ سے اس حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک حدیث حضور اکرم ﷺ سے آپ نے سنی تھی لیکن اس میں کچھ شبہ محسوس ہوتا تھا، جس مجلس میں وہ حدیث سماعت کی تھی اس میں آپ کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت میں حاضر تھے لیکن ان کا قیام ان دنوں مصر میں تھا، باقی دوسرے سامعین کا حال کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ لہٰذا شبہ کو دور کرنے کے لیے آپ نے مصر کے لیے رخت سفر باندھا اور چل پڑے، جذبۂ شوق میں یہ والہانہ سفر طے ہوا، اگرچہ اس وقت بڑھاپے کا عالم تھا، راستہ بھی نہایت دشوار گزار اور وہ بھی تن تنہا، ان کلفتوں کو برداشت کرتے ہوئے مہینوں کی مسافت طے کر کے مصر پہنچے۔

اس وقت مصر کے گورنر مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ سیدھے انہیں کے یہاں پہنچے، امیر مصر نے بعد ملاقات دریافت کیا: "ماجاء بك يا أبا أيوب ؟" یعنی اے ابوایوب! کس لیے آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا میرے ساتھ ایک آدمی بھیجو جو مجھے عقبہ بن عامر کے مکان تک پہنچادے، چناں چہ ایک صاحب کو لے کر وہاں پہنچے، جب حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو دوڑ کر باہر آئے اور فرط شوق میں گلے سے لگالیا اور تشریف آوری کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا: "حديث سمعته رسول الله ﷺ لم يبق احد سمعه من رسول الله ﷺ غيري و غيرك في ستر المؤمن ،قال عقبة: نعم، سمعت رسول الله ﷺ يقول :من ستر مؤمنا في الدنيا على عورة ستر الله يوم القيامة ،فقال أبو أيوب: صدقت "یعنی ایک حدیث میں نے رسول کریم ﷺ سے سنی تھی، اب مسلمانوں میں میرے اور آپ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کو رسول پاک ﷺ سے سنا ہو، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے سنا: دنیا میں جس نے کسی مومن کی پردہ پوشی کی تو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس کے عیب نہیں کھولے گا۔ حضرت ابوایوب انصاری نے کہا: آپ نے صحیح فرمایا۔

اس کے بعد کہتے ہیں: مجھے اس حدیث کا علم پہلے سے تھا لیکن کچھ شبہ ہو گیا تھا جس کی تحقیق کے لیے میں نے آپ کے پاس سفر کیا۔ اس کے بعد کیا ہوا ملاحظہ ہو: "فأتى أبو أيوب راحلته فركبها وانصرف إلى المدينة وما حلّ رحله" یعنی حضرت ابوایوب انصاری نے اس حدیث کو سنتے ہی مدینہ شریف کی طرف مراجعت فرمائی اور مصر میں اپنی سواری کا کجاوہ بھی نہ کھولا۔ (تدوین حدیث ص: ۴۰/۴۱، امام احمد رضا اکیڈمی بحوالہ بخاری شریف ۲/۸۵۰)

جذبۂ خیر سگالی: آپ خلاف سنت امور کو کسی صورت میں برداشت نہیں کرتے تھے، حمایت سنت میں امرا اور حکمرانوں کا رعب و دبدبہ بھی آپ کی زبان کو باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ جن دنوں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے ایک مرتبہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عقبہ نے نماز مغرب میں کسی وجہ سے دیر کردی۔ آپ نے اٹھ کر پوچھا: "ماهذه الصلوة يا عقبة؟" یعنی عقبہ یہ کیسی نماز ہے؟ حضرت عقبہ نے جواب دیا: کسی کام کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ آپ نے کہا: تم صحابی رسول ﷺ ہو تمہارے اس فعل سے لوگوں کو گمان ہو گا کہ شاید نبی پاک ﷺ اسی وقت نماز ادا فرماتے تھے۔ حالانکہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "لا يزال أمتي بخير أو فطرة ما لم يؤخر المغرب إلى أن يشتبك النجوم" یعنی میری امت ہمیشہ خیر یا فطرت پر رہے گی جب تک کہ وہ مغرب کو مؤخر نہ کریں، یہاں تک کہ ستارے متصادم ہو جائیں (قیامت قائم ہو جائے)۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۴۲۲، دارالفکر بیروت، طبع اول ۱۹۹۵ء)

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ سمندری سفر میں تھے، افسر تقسیمات کی نگرانی میں بہت سارے قیدی تھے، انہی میں سے ایک عورت بھی تھی جو زار و قطار رو رہی تھی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا اسے کیا ہو گیا ہے؟ جواب ملا، اس کے بیٹے کو اس سے جدا کر دیا گیا ہے۔ آپ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر ماں کے ہاتھ میں دے دیا۔ افسر نے امیر عبداللہ بن قیس سے اس کی شکایت کی۔ امیر نے آپ سے باز پرس کی: "ما حملك على ما صنعت؟" یعنی ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب دیا میں

نے رسول پاک ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا :''من فرّق بين والدة و ولدها فرّق الله بينه و بين أحبه يوم القيامة''یعنی جو ماں بیٹے کے درمیان جدائی پیدا کرے اللہ عزوجل بروز قیامت اس کے اور اس کے احباب کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔(ایضاً، ص:۴۱۳)

آپ بہت سادگی پسند تھے ،رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتی ،ان تمام امور سے آپ بچنا چاہتے ،جن کو حضور ﷺ کو کرتے نہ دیکھا ہو۔اس کی وضاحت آنے والے واقعہ سے پوری طرح ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ حضرت سالم کے والد محترم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو اپنے بیٹے (سالم) کی شادی میں مدعو فرمایا۔ حضرت سالم کا گھر سبز پردے سے آراستہ کیا گیا تھا،جوں ہی آپ کی نظر پڑی آپ نے برملا کہہ دیا:''يا عبد الله تسترون الجدر ؟'' یعنی اے عبداللہ !کیا دیوار کو چھپاتے ہو؟ حضرت عبداللہ نے کہا:عورتیں ہم پر غالب آگئیں،آپ نے فرمایا:''من خشيت أن تغلبه النساء، فلم أخش أن يغلبنك ''یعنی مجھے آپ کے متعلق یہ گمان نہیں تھا کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو عورتوں سے مغلوب ہو جائیں،(ان آرائش وزیبائش کی وجہ سے)میں آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا اور نہ ہی کھانا کھاؤں گا۔(سیر اعلام النبلاء:۳،ص:۴۳۱،دار الکتب العلمیہ بیروت،لبنان،اشاعت ثانی ۱۹۹۴ء)

گوکہ یہ امور مباح ہیں مگر آپ کی طبیعت نے اسے گوارانہ کیا،جسے آپ نے آقا ﷺ کے پیش نظر نہ دیکھا ہو۔

فقہی کارنامے: حدیث وفقہ کے میدان میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا،بعض دفعہ کبار صحابہ آپ کی طرف رجوع کرتے اور اپنے مسائل حل کرتے۔

(۱) ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف ہوگیا کہ محرم حالت احرام میں غسل کرتے وقت سر دھو سکتا ہے یا نہیں ؟ حضرت ابن عباس کی رائے تھی کہ سر دھو سکتا ہے جب کہ حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بر خلاف تھے۔ حضرت عبداللہ بن حنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسئلے کے حل کی خاطر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا گیا۔اتفاقاً اس وقت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل ہی فرما رہے تھے،آپ نے اپنے سر پر پانی ڈالا پھر ہاتھوں سے سر کو اس طرح ملا کہ پہلے انہیں آگے رکھا پھر پیچھے لے گئے۔اور فرمایا''میں نے بحالت احرام نبی پاک ﷺ کو اسی طرح غسل کرتے دیکھا ہے۔'' (مسند امام احمد بن حنبل ج:۵،ص:۴۱۶،دار الفکر بیروت،طبع اول ۱۹۹۵ء)

(۲)اسی قبیل کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ چند حضرات آپس میں نبیذ بنانے کے برتن کے سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے کہ کدو کے برتن میں نبیذ بنانے کے متعلق ان میں اختلاف ہو گیا،آخر کار ایک شخص کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں دفع نزاع کی خاطر بھیجا گیا،اس نے آکر پوچھا:''يا أبا أيوب ألقرع ينتبذ فيه ؟'' ابوایوب!کیا کدو کے برتن میں نبیذ بنانا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا:''سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن كل مزفّت ينتبذ فيه ''یعنی میں نے رسول پاک ﷺ کو تارکول لگے برتن میں نبیذ بنانے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔سائل نے دوبارہ کدو کے برتن کا ذکر کیا،آپ نے دوبارہ یہی جواب دیا۔(مسند الامام احمد بن حنبل جلد:۵،ص:۴۱۴،دار الفکر بیروت،طبع اول ۱۹۹۵ء)

مطلب یہ تھا کہ ممانعت اس برتن سے ہے جس میں تار کول لگے ہوں اسکے علاوہ دوسروں میں ممانعت نہیں ہے

رحلت: پیر سالی کے باوجود جوش جہاد سے لبریز آپ یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ کی جنگ کے لیے نکلے، اسی سفر میں مرض الموت میں مبتلا ہوگئے۔ یزید نے آپ سے درخواست کی: ''اگر آپ کی کوئی خواہش ہو تو بیان کریں'' آپ نے فرمایا ''جب میرا انتقال ہو جائے تو میری نعش کو دشمن کی سرزمین میں جہاں تک تمہیں قدرت ہو لیتے جانا، پھر وہیں دفن کر دینا، اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔ وصیت کے مطابق لشکر آپ کے جسد اطہر کو لے کر چلتے رہے اور دیوار قسطنطنیہ کے نیچے دشمن کی سرزمین میں محو خواب کر دیا۔

(اسد الغابہ ج:۲، ص:۱۲۳، ابن اثیر جزری، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی ۲۰۰۳ء)

آپ کی سن وفات کے سلسلے میں ۵۰/ھ، ۵۱/ھ، ۵۲/ھ اور ۵۵/ھ، کی روایتیں ملتی ہیں، لیکن اکثر کا قول ۵۲/ھ ہے۔

آپ کی قبر سے متعلق ''ابن سعد'' کی روایت میں ہے: ''وقبره بأصل حصن القسطنطنية فلقد بلغني أن الروم يتعاهدون قبره و يرمّونه و يستسقونه إذا قحطوا'' یعنی آپ کی قبر دیوار قسطنطنیہ کی نیچے ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل روم قبر کی حفاظت کرتے ہیں، اس کی مرمت کرتے ہیں اور قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو آپ کی قبر کے وسیلے سے بارش طلب کرتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ج:۳، ص: ۳۷۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع ثانی ۱۹۹۷ء)

''اسد الغابہ'' میں ہے: ''ودفنوه بالقرب من القسطنطنية وقبره بها يستسقون به'' یعنی آپ کو قرب قسطنطنیہ دفن کیا گیا اور آپ کے وسیلے سے اہل روم بارش کی دعا کرتے ہیں۔

(اسد الغابہ ج:۲، ص:۱۲۳، ابن اثیر جزری، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت ثانی ۲۰۰۳ء)

بہر حال ان روایات سے توسل کے فوائد اجاگر ہو جاتے ہیں۔

من
أهل الفتوى

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۵۱ھ

محمد فیض الحق رحمانی، بانکا، جماعت: فضیلت 7785927216

نام، کنیت، والد گرامی: آپ کا نام زید، کنیت ابو طلحہ اور والد کا نام سہل بن اسود ہے آپ اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں۔ (ابن اثیر جزری، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، اڈیشن: الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۳، ۱۴۲۴ھ)

والدہ محترمہ: آپ کی ماں کا نام عبادہ ہے وہ مالک بن عدی بن زید بن مناۃ بن عَدِیّ کی بیٹی تھیں جو حضرت ابو طلحہ کے جدی رشتہ میں تھیں۔ (ایضا)

سلسلہ نسب: آپ کا نسب نامہ یہ ہے: زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمر بن زید مناۃ بن عدیّ بن عمرو مالک بن النجار ابو طلحہ الانصاری الخزرجی النجاری، عقبی، بدری، نقیب۔ (ایضا)

قبل از اسلام: اسلام کی آغوش میں آنے سے پہلے ابو طلحہ بھی عام اہل عرب کی طرح بت پرست تھے اور بڑے اہتمام کے ساتھ شراب پیتے تھے اور اس کے لیے ان کے ندیموں کی ایک مجلس تھی سب اس میں جمع ہو کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۶۶۴، رضا اکیڈمی، ممبئی)

قبول اسلام کا واقعہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا واقعہ دونوں دل پذیر ہیں در حقیقت ان سے نکاح کرنا دامن اسلام میں آنے کا سبب بنا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ”مالک“ ہجرت نبوی سے قبل اپنی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا سے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا ابو طلحۃ زید بن سہل نجاری کو جب معلوم ہوا کہ ام سلیم رمیصاء بنت ملحان نجاریہ بیوہ ہو چکی ہیں تو انہوں نے پوچھا کہ کیوں نہ ان کے پاس پہلی فرصت میں نکاح کا پیغام بھیجا جائے۔ مبادا کوئی اور چاہنے والا سبقت لے جائے، حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک پاک دامن، دانشمند، سلیقہ شعار، حسین و جمیل اور معزز خاتون تھیں۔ ابو طلحہ کو اپنے آپ پر بڑا اعتماد تھا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا مجھے مسترد کر کے کسی دوسرے شخص کو اپنے لیے منتخب نہیں کرے گی، اس لیے کہ میں جوان رعنا ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں ہر دلعزیز اور صاحب ثروت ہوں۔ اس کے علاوہ بنو نجار کا شہسوار اور ایک ماہر تیر انداز ہونے کا شرف حاصل ہے۔ چناں چہ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیغام نکاح لے کر ام سلیم کے گھر پہنچے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی گھر میں موجود تھے۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدعا بیان کرتے ہوئے نکاح کا مطالبہ کر دیا۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ: تجھ جیسے شخص کو رد تو نہیں کیا جاتا ہے، لیکن میں تجھ سے ہر گز شادی نہیں کروں گی، اس لیے کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان میرا نکاح تمھارے ساتھ جائز نہیں ہاں اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمھارے ساتھ شادی کرلوں گی اور میں تجھ سے سونے چاندی کا مطالبہ نہیں کروں گی، بلکہ تیرا اسلام لانا میرے لیے مہر ہوگا۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوگئے اور اسلام مہر قرار پایا، ثابت کہتے ہیں کہ میں نے کسی عورت کا مہر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے افضل نہیں سنا۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، ایڈیشن: بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ: ۲۰۰۲ء، ۱۴۲۴ھ)

اس دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے جھنڈے تلے آگئے، اور اپنی تمام تر طاقت اسلام کی خدمت و سربلندی کے لیے صرف کرنے لگے آپ ان ستر خوش نصیب اشخاص میں سے تھے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت عقبہ کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اور ان بارہ نقیبوں میں سے تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یثرب میں آباد مسلمانوں کی حفاظت و نگہبانی اور خدمت کے لیے مقرر کیا تھا۔ (الاصابہ، ج:۷، ص:۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۳، ۱۴۲۳ھ)

سرکار سے والہانہ محبت: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت گھر کر چکی تھی اور یہ محبت ان کے رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی، نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ آنکھیں دیدار مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیر نہ ہوتیں اور دل آپ کی شیریں کلامی سے لطف اندوز ہونے کا ہر دم مشتاق رہتا جب بھی فارغ وقت ملتا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تعلیمات اسلام سے مستفید ہوتے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حب رسول کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غزوۂ احد میں ایک وقت ایسا آیا کہ مسلمان پسپا ہو کر مجبوراً رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ فاصلے پر چلے گئے، مشرکین نے ہر طرف سے حملہ کر دیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو دانت مبارک شہید کر دیے گئے، پیشانی اور ہونٹ زخمی ہوگئے، اور چہرۂ مبارک سے خون کے فوارے پھوٹ نکلے۔ افواہ پھیلانے والوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں۔

یہ اندوہ ناک افواہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے اور مایوسی کے عالم میں مسلمانوں کی صفیں منتشر ہوگئیں۔ اس نازک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ چند صحابی میدان کارزار میں جمے رہے اور ان میں سرفہرست حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن کر چٹان کی طرح جمے رہے پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمان سنبھالی تیر درست کیے اور یکے بعد دیگرے مشرکین کو نشانہ بنانے لگے وہ اتنے ماہر تیر انداز تھے کہ ان کا کوئی نشانہ بھی خطا نہیں جاتا تھا اس دن دو یا تین کمانیں ان سے ٹوٹی تھیں جب کوئی ترکش لے کر گذرتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ابوطلحہ کے لیے چھوڑ جاؤ جب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گردن اٹھا کر دشمنوں کو دیکھتے تو یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان گردن نہ اٹھائیں کہیں دشمن کا کوئی تیر آپ کے جسم اقدس کو زخمی نہ کر دے میرا سینہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے کے لیے ڈھال ہے۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۵۸۱، رضا اکیڈمی، ممبئی)

بہر حال غزوۂ احد کے موقع پر اس عاشق رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ کو سپر بنا دیا جس میں ان کے کلمہ کی انگلی اور ہاتھ شل ہو گئے اس دن انھیں ستر سے زائد زخم لگے تھے۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "ہمارے واعظین کو صرف یہ یاد ہے کہ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہتر زخم پہونچے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کے دیوانوں کی یہ جاں نثاری کسی کو یاد نہیں۔" (نزہۃ القاری، ج:۷، ص:۳۴۰، دائرۃ البرکات گھوسی)

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ سے جو محبت تھی اس کا اثر چھوٹی چھوٹی چیزوں میں ظاہر ہوتا تھا۔ جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک خرگوش پکڑ لائے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور ران بارگاہ رسالت میں بھیج دی۔ آپ ﷺ نے یہ پر خلوص نذر قبول فرمالیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۱۷۱، مکتبہ دار الفکر)

بارگاہ نبوی سے انمول تحفہ: پیارے آقا ﷺ بھی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بے لوث محبت کی نہایت قدر فرماتے تھے، چناں چہ جب آپ ﷺ حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور حلق کرایا تو سر مبارک کے داہنے طرف کے موئے مبارک تو اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور بائیں طرف کے کل موئے مبارک حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئے، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہاں کا خزانہ ہاتھ آگیا۔

(الاصابہ، ج:۷، ص:۳۸۴ دار الکتب العلمیہ، ایڈیشن: بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ:۲۰۰۳م، ۱۴۲۴ھ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری و سرفروشی سے خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے: "حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز جماعت میں ایک ہزار لوگوں سے بہتر ہے۔" (مصدر سابق)

غزوات و سرایا میں شرکت: غزوۂ بدر اسلام کی تاریخ میں پہلا غزوہ ہے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا بدر کے بعد غزوۂ احد واقع ہوا، وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانبازی کی خاص یادگار ہے جس میں نہایت جوش سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

نفسی لنفسك الفداء　　　و وجھی لوجھك الوقاء

میری جان آپ کی جان پر قربان! اور میرا چہرہ آپ کے چہرہ کی سپر ہو (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۶، مکتبہ دار الفکر)

غزوۂ خیبر میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اونٹ حضور ﷺ کے اونٹ کے بالکل برابر تھا اس غزوہ میں بھی وہ اس حیثیت سے نمایاں ہیں کہ جب حضور ﷺ نے گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت کرنی چاہی تو ندا کرنے کے لیے ان کو ہی مخصوص فرمایا۔ (الاصابہ، ج:۷، ص:۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ، ۲۰۰۲م ۱۴۲۳ھ)

غزوۂ حنین میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے ۲۰/ کافروں کو جہنم رسید کیا، سرکار دو جہاں ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص جس آدمی کو مارے گا اس کے سارے اسباب کا مالک سمجھا جائے گا۔ چناں چہ بیس آدمیوں کا سامان حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آیا۔ (ایضا، ص:۳۸۴)

اس کے علاوہ آپ نے جنگ خندق اور دور شیخین کی جنگوں میں بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔

عام حالات: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغلی قبر تیار کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کو تیار کرنے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا۔ (اسد الغابہ، ج:۲ص:۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۳ء ۱۴۲۴ھ)

رحلت نبوی کے بعد آپ شام چلے گئے مگر قبر انور کی زیارت کے لیے مدینہ آتے رہتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت بھی مدینہ میں ہی تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسئلہ خلافت کے بارے میں منعقد ہونے والی مجلس شوریٰ کا آپ ہی کو محافظ مقرر فرمایا تھا۔

سخاوت: جیسا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوران جنگ اللہ کی راہ میں اپنی جان نثار کرنے کے سلسلے میں سخی تھے، اسی طرح راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے کے بھی دھنی تھے، چناں چہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون۔ (پ:۴، سورہ آل عمران، آیت:۸۱)

جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے نیکی نہیں پاسکتے۔

تو امرائے انصار نے کیسوں کے مہریں توڑ دیں اور جس کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کیں، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بیر حا کو خدا کی راہ میں وقف کیا۔

بیر حا ان کی نہایت قیمتی جائداد تھی، اس میں ایک کنواں تھا اس کا پانی نہایت ہی شیریں اور خوشبودار تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت شوق سے اس کو نوش فرماتے تھے، یہ اراضی مسجد نبوی کے سامنے واقع تھی۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس وقف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور فرمایا "بخ ذلك ما مال رابح، ذاك مال رابحٌ" (یہ نفع بخش مال ہے یہ نفع بخش مال ہے) اور حکم دیا کہ اعزا میں تقسیم کردو چناں چہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اعمام اور اقارب میں جن میں حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے تقسیم کردیا۔
(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۱۴۱ المکتبہ، دار الفکر)

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خاص وصف خلوص تھا وہ شہرت پسندی، ریا اور نمود و نمائش سے دور رہتے تھے، بیر حا کو وقف کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قسم کھا کر کہا یہ بات اگر چھپ سکتی تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا۔

علم و فضل: حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برسوں صحبت نبوی کا شرف حاصل رہا۔ اس تقرب سے ان کا دامن علم کے گوناگوں جواہرات سے مالامال تھا۔ سینہ احادیث نبوی کا گنجینہ تھا۔ مگر وہ حدیثوں کی روایت میں حد درجہ محتاط تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب حدیث میں آپ کی کل ۹۲ر مرویات ملتی ہیں۔ ان کی بیان کردہ حدیثوں میں مسائل یا غزوات کا ذکر ہے۔ ذوق شاعری بھی رکھتے تھے۔ اکثر میدان جنگ میں اپنے رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ غزوۂ احد کے موقع پر آپ کا ایک رجزیہ شعر اوپر مذکور ہوا۔

ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا نول فرمارہے تھے، دسترخوان پر حضرت ابی بن کعب اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے

کھانا کھاکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کے لیے پانی مانگا دونوں بزرگ نے کہا شاید گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کا خیال پیدا ہوا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جی ہاں اس پر آپ نے فرمایا کہ تم طیبات کھاکر وضو کی ضرورت سمجھتے ہو حالاں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو کی حاجت نہیں سمجھتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ تم سے بہتر تھے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۳۰مکتبہ دار الفکر بیروت)

ایک دن حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفل کا روزہ رکھا تھا، اتفاق سے اسی دن برف باری ہوئی اور وہ اولے چُن کر کھانے لگے۔ لوگوں نے کہا روزے میں آپ اولے کھارہے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ یہ برکت ہے جس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۱۸۰، دار الفکر)

اور دوسری روایت جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

عن أنس قال: کان ابو طلحہ یأکل البَرَد و ھو صائم و یقول لیس بطعام و الا شراب.

(سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

مذکورہ روایت سے پتہ چلا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف تھا کہ اولہ نگل جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے لا تدخل الملٰئکۃ بیتاً فیہ صورۃ یعنی جس گھر میں تصویر ہو وہاں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

یہ حدیث شریف مسند امام احمد بن حنبل میں مذکور ہے جو مطلق ہے اور دوسری مقید ہے مذکورہ کتاب میں دونوں کے راوی حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔، دوسرے کا مضمون کچھ اس طرح ہے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار تھے عقیدت مندوں کا ایک گروہ عیادت کو آیا تو دیکھا کہ دروازہ پر ایک پردہ پڑا ہے، جس میں تصویر بنی ہوئی ہے، آپس میں گفتگو شروع ہوئی، زید بن خالد بولے کل تو تصویر کی ممانعت پر حدیث بیان کی تھی، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبید اللہ خولانی سے کہا ہاں لیکن یہ بھی تو کہا تھا کہ کپڑے پر جو تصویر ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

(حدیث ابوطلحہ، ص:۲۸ مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، مکتبہ دار الفکر)

راویان حدیث: سیر و تاریخ کی کتابوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سے اخذ حدیث کرنے والے ایک دو نہیں بلکہ ایک جماعت ہے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

حضرت انس بن مالک، حضرت زہری، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن خالد، حضرت اسحٰق بن کعب بن عمرہ، حضرت عبید اللہ، حضرت عبد اللہ بن ابی طلحہ، حضرت ابن شہاب، حضرت سعید بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴ص:۲۸، ۲۹، ۳۰، مکتبہ دار الفکر)

ابوطلحہ کے بارے میں قرآنی آیت کا نزول: ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے حجروں پر معلوم کرایا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کسی کے پاس کچھ بھی

نہیں تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان بنائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے گا حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور مہمان کو اپنے گھر لے گئے گھر جا کر رفیق حیات سے دریافت کیا کہ کچھ سامان خورد و نوش ہے انہوں نے کہا صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھیں تو چراغ درست کرنے اٹھو اور چراغ کو گل کر دو تاکہ وہ اچھی طرح کھالیں اور ہم بھی انھیں دکھانے کے لیے منہ چلاتے رہیں گے غرض اس طرح سے مہمان کو کھلایا اور آپ نے بھوکے رات گزاری جب صبح ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (کنزالایمان، پ:۲۸، سورہ حشر، آیت:۹)

اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو۔

وصال پر ملال: حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزے دار اور مجاہد کے روپ میں تمام زندگی بسر کی، ایام عید کے علاوہ کبھی روزہ نہ چھوڑا جب موت آئی اس وقت بھی آپ روزے کی حالت اور جہاد کے سفر میں تھے۔ عمر شریف جب ۷۰ سال کی ہوئی تو پیغام اجل آیا، آپ کی وفات کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے ایک دن سورۂ برات تلاوت فرمارہے تھے جب اس آیت پر اِنفِروا خفافاً و ثقالاً. **ترجمہ:** کوچ کرو ہلکی جان سے خواہ بھاری دل سے۔ (کنزالایمان، پ:۱۰، سورۂ برأت، آیت......) پر پہنچے، تو ولولۂ جہاد تازہ ہوا، گھر والوں کو سامان جہاد کی تیاری کا حکم دیا لوگوں کے روکنے کے باوجود باز نہ آئے اور شرکت جہاد کے لیے چل پڑے۔ غزوہ بحری تھا۔ آپ مجاہدین کے ساتھ بیڑے میں سوار ہوگئے۔ بحری بیڑہ وسط سمندر میں تھا کہ پیام اجل آگیا اور اس مجاہد اسلام نے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ سات روز تک جنازہ جہاز ہی میں پڑا رہا۔ جب زمین نظر آئی لاش سپرد خاک کی گئی مگر شیدائی رسول کی لاش میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا۔

سن وصال میں اختلاف ہے اصح روایت کے مطابق ۵۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

من
أهل الفتوى

حضرت ابوذر جندب بن جنادہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۳۲ ھ

محمد مسعود عالم، گریڈیہ، جماعت: سابعہ 9931359300

اسم گرامی: جندب، **کنیت:** ابوذر، **لقب:** مسیح الاسلام، **والد کا نام:** جنادہ ہے۔

سلسلۂ نسب: جندب بن جنادہ بن قیس بن عمرو بن خلیل بن صغیر بن حزام بن غفار بن ملیل بن حمزہ بن بکر بن مناق بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری۔

قبول اسلام: عرب کا مشہور قبیلہ بنو غفار مدینہ اور مکہ کے درمیان آباد تھا، قافلوں کو لوٹنا ان کا مشغلہ تھا، زمانۂ جاہلیت میں حضرت ابوذر غفاری بھی رہزنی کیا کرتے تھے، لیکن اچانک ان کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا اور انہوں نے رہزنی ترک کردی اور خدا پرستی کی جانب مائل ہوئے کسی کی رہنمائی کے بغیر صالح ضمیر کی ہدایت پر خدا پرستی کرتے۔ ابو معشر کا بیان ہے کہ ابوذر زمانۂ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو وہ معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام لوگوں میں مشہور تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو ایک شخص نے ان سے کہا ابوذر مکہ میں تمھاری طرح "لا إله إلا الله" کہنے والا ایک شخص ہے۔

چوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حق کے متلاشی تھے، اس اطلاع پر انہوں نے اپنے بھائی کو معلومات فراہم کرنے کے لیے مکہ بھیجا انہوں نے واپس آکر بتایا کہ خدا کی قسم یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ اتنی سی اطلاع آپ کے لیے تسلی بخش نہ ہوئی اور خود مکہ آئے، مگر انھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پتہ معلوم نہ تھا، حرم میں چاہ زمزم کے پاس بستر لگا دیا۔ اتفاقاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یہاں کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا: راز میں رکھیں تو عرض کروں فرمایا مطمئن رہو، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے سنا ہے کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے میں ان سے ملنے آیا ہوں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ لیا ہے، پھر وہ ان کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ پانچویں مسلمان ہیں۔ اس طرح آپ "السابقون الأوّلون" میں شامل تھے۔

(اسد الغابہ، ج:۶، ص:۹۷، عزالدین ابن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

زہد و تقویٰ: آپ کی پوری زندگی زہد و تقوی کا نمونہ تھی، اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری

امت سے ابوذر میں عیسیٰ بن مریم جیسازہد ہے۔ یہی حالت مرتے دم تک رہی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگوں میں بہت کچھ تبدیلی ہوگئی تھی، لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ شروع سے اخیر تک ایک ہی رنگ میں رنگے رہے۔

(اسد الغابہ، ج:۱، ص:۵۶۳، عزالدین ابن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

مدینہ کا قیام: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد مدینہ منورہ ہی میں رہے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد اپنی قوم کی طرف چلے گئے اور وہاں جاکر دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا، پھر مدینہ منورہ غزوۂ خندق واحد کے بعد تشریف لائے۔ (ابن سعد، ج:۱، ص:۱۷۵، محمد بن سعد ہاشمی بصری، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ذات نبوی کے ساتھ جو شیفتگی تھی اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا۔ ایک مرتبہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آدمی کسی جماعت سے محبت کرتا ہے، لیکن اس کے جیسے محبت کی طاقت نہیں رکھتا، فرمایا: تم یقیناً اس کے ساتھ ہو، جس سے محبت رکھتے ہو۔ (ابوداؤد، ج:۲، ص:۲۹۶، ہندوستانی نسخہ)

ہجرت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی غفار میں رہے اور بدر، احد اور خندق وغیرہ کے غزوات کے بعد ہجرت کرکے مدینہ آئے۔

غزوات: ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، اسی لیے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غزوات کی تفصیل زیادہ نہیں ملتی، صرف غزوۂ تبوک کی شرکت کا پتا چلتا ہے، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبوک کے لیے نکلے تو بہت سے لوگ بچھڑنے لگے، کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا جب کوئی شخص بچھڑتا تو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتاتے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! فلاں شخص نہیں آیا، آپ فرماتے جانے دو، اگر اس کی نیت اچھی ہے، تو عنقریب خدا تم کو اس سے ملادے گا۔ ورنہ خدا نے اس کو تم سے چھڑا کر اس کی طرف سے راحت دی۔ یہاں تک کہ ابوذر کا نام لیا گیا، کہ وہ بھی بچھڑ گئے۔ واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ سست ہوگیا تھا، اس کو چلانے کی کوشش کی جب نہ چل سکا تو اس پر سے سازوسامان اتار کر پیٹھ پر لادا اور پاپیادہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقب سے روانہ ہوگئے اور اگلی منزل پر جاکر مل گئے، ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہ راستہ پر کوئی شخص آرہا ہے، آپ نے فرمایا: ابوذر ہوں گے لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! خدا کی قسم، ابوذر ہیں، آپ نے فرمایا: خدا ابوذر پر رحم کرے، وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا مریں گے اور قیامت کے دن تنہا اٹھیں گے۔ (مستدرک حاکم، ج:۳، ص:۵۹۶، عبداللہ بن محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری، دارالمعرفہ)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قحط کے زمانے میں بھی جب بہتوں کے ارادے متزلزل ہوگئے تھے، اس وقت بھی پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹھ پر لاد کر پاپیادہ میدان جہاد میں پہنچے، تو ان غزوات میں جن میں اس قسم کی دشواریاں نہ تھیں یقیناً شریک ہوئے ہوں گے مزید وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام میں سے تھے، اس لیے ان لڑائیوں میں جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی ان میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یقیناً ہم رکاب رہے اور فتح مکہ کے بعد جب اسلامی فوج کا مظاہرہ ہورہا تھا تو

سب سے آگے انہیں کے قبیلے کا پرچم تھا۔

فضل وکمال: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی کے بڑے حاضر باش تھے، ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے، آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، چناں چہ تمام اصول وفروع، ایمان واحسان، رویت باری، خدا کے نزدیک پسندیدہ کلمات ولیلۃ القدر وغیرہ، حتیٰ کہ نماز میں کنکریاں چھونے تک کے بارے میں پوچھا۔ اسی ذوق وشوق اور تلاش وجستجو نے آپ کو علم کا دریا بنادیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ باب العلم اور مجمع البحرین تھے، فرماتے تھے کہ ابوذر نے اتنا علم محفوظ کرلیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کردیا کہ اس میں سے کچھ بھی کم نہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے، جو کہ اپنی وسعتِ علم کی وجہ سے حبرالامت کہلاتے تھے۔

(استیعاب، ج:۱، ص:۳۲۳، ابوعمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حدیث: کلام حبیب ہونے کی حیثیت سے فطرتاً آپ کو حدیث سے خاص ذوق تھا، آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۰ ہے، ان میں ۱۲/ متفق علیہ ہیں اور ۲/ میں بخاری اور ۷/ میں مسلم منفرد ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی مرویات کے مقابلے میں بہت کم ہے، اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش، تنہائی پسند اور کم آمیز تھے، اس لیے ان کے علم کی اشاعت نہ ہوسکی، ورنہ صحابہ میں حضرت انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے، آپ سے متعدّد صحابہ وتابعین نے حدیثیں بیان کیں ہیں، جن میں سے چند کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

خالد بن وہبان، زید بن وہب جہنی، خرشہ بن حر، جبیر بن احنف بن قیس، عبداللہ بن صامت، زید بن ذبیان، عبداللہ بن شفیق، عمرو بن میمون، عبداللہ بن غنم، قیس بن عباد اور مرشد بن مالک بن زبیدہ۔

(اصابہ، ج:۷، ص:۱۰۸، ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

افتامیں صداقت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی اس میں ان کا نام نامی بھی تھا، مگر ان کے فتاوے کی تعداد بہت کم ہے، فتویٰ میں کسی کی مطلق رورعایت نہ کرتے اور بلا کسی خوف وہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہ دیتے تھے۔

عہد عثمانی میں بعض محصلین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آکر ان سے فتویٰ پوچھا کہ ”عثمان کے محصلین نے صدقہ میں اضافہ کردیا ہے ایسی حالت میں کیا ہم بقدر ضرورت مال چھپاسکتے ہیں؟“ فرمایا: ”نہیں ان سے کہدو جو واجبی ہو اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو اس کو واپس کردیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمھاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتویٰ ایک قریشی نوجوان کھڑا سن رہا تھا وہ بولا آپ کیوں فتویٰ دیتے ہیں؟ کیا آپ کو امیرالمومنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہوجائے کہ گردن کٹنے کے قبل جو کچھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

سنا ہے، سنا سکوں تو یقیناً سنا دوں گا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۱۸۔۱۹، محمد بن احمد عثمان ذہبی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

تاریخ وفات: آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں دو قول ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے وصال کی تاریخ ۳۱ھ یا ۳۲ھ ہے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۶، ص:۹۷، عزالدین ابن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

دوسری روایت کے مطابق ۳۲ھ میں مقام "ربزہ" میں وصال فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (استیعاب، ج:۱، ص:۳۲۲، ابوعمر یوسف بن عبداللہ القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت.....وفات:

محمد خالد، فیض آباد، جماعت: فضیلت ۹۵۹۸۳۰۴۹۱۸

اسم گرامی: آپ کا نام نُسیبہ بنت حارث ہے لیکن آپ اپنی کنیت ''ام عطیہ'' سے مشہور ہوئیں۔ البتہ آپ کی ولدیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے ''نسیبہ بنت حارث'' کے بجائے ''نسیبہ بنت کعب'' کہا ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ کا نام نسیبہ بنت حارث ہی ہے۔ چناں چہ ابو عمرو نے کہا کہ نسیبہ بنت کعب یہ ام عمارہ ہیں۔

(اسد الغابہ ج:۴، ص:۳۵۶، عزالدین ابی الحسن علی بن محمد الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۳م-۱۴۲۴ھ)

قبول اسلام: آپ ان خوش نصیب شخصیات میں سے ہیں جو قبل ہجرت مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ آپ نے ۱۲ بعثت نبوی میں عقبہ اولیٰ کے بعد اسلام قبول کیا اور سابقین اولین انصاری صحابہ کرام میں شامل ہوئیں، اس کے بعد جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو انصار کی عورتوں کے پاس بیعت لینے کے لیے بھیجا تو آپ نے بھی ان کے ساتھ بیعت کی۔ حضرت عمر نے ان شرائط کے ساتھ بیعت لی کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی، اس کے بعد حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نوحہ اور بین نہ کرنا۔

(الطبقات الکبری جلد:۸، ص:۴، محمد بن سعد ہاشمی بصری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء)

ذات رسول سے وابستگی: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت فکر کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو آپ نے اس کا گوشت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس روانہ کر دیا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور کھانے کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ سے کچھ طلب فرمایا، تو حضرت عائشہ نے کہا: کچھ تو ہے نہیں البتہ بکری آپ نے نسیبہ کے پاس بھیجی تھی اس کا کچھ گوشت رکھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا وہی لے آؤ کیوں کہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی ہے۔

(الاصابہ، ج:۸، ص:۴۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۲۳ھ- ۲۰۰۲ء)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ آپ کے اعزہ و اقارب سے بھی بہت محبت کرتی تھیں اور حد درجہ لگاؤ رکھتی تھیں۔ چناں چہ

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ام عطیہ کے مکان میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔

(الاصابہ، ج:۸، ص:۴۳۸ ،علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۲ء)

آپ کی ذات رسول سے محبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن چیزوں کے کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ان پر ہمیشہ عمل پیرا رہیں اور جن چیزوں سے حضور نے آپ کو منع فرمادیا، تا عمر ان سے باز رہیں۔ زمانہ جاہلیت میں کسی کے مرجانے پر نوحہ کرنا اور سوگ منانا قابل فکر اور ضروری سمجھا جاتا تھا لیکن جب ان سے بیعت لیتے وقت نوحہ کرنے سے منع کردیا گیا تو اس پر ہمیشہ سختی سے عمل پیرا رہیں۔ چناں چہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں جب آپ کے ایک بیٹے کا بصرہ میں انتقال ہوگیا تو آپ بصرہ تشریف لائیں، بنو خلف کے مکان میں قیام فرمایا، تیسرے روز خوشبو منگا کر ملا اور کہا کہ شوہر کے علاوہ کسی کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔ (صحیح بخاری، ج:۱، ص:۱۷۰، باب احداد المرأۃ علی غیر زوجھا، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

آپ کی محبت رسول کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ حضور کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بابأ یعنی میں آپ پر قربان، جیسا کہ حضرت حفصہ سے مروی ہے وہ کہتی ہیں "كانت أم عطية لاتذكر رسول الله صلى الله عليه و سلم إلا قالت باباً فقلت أسمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول كذا و كذا قالت نعم بابا قال لتخرج العوائق و ذوات الخدور و الحيض فيشهدن الخير و دعوة المسلمين و تعتزل الحيض المصلىٰ."

(نسائی، ج:۱، ص:۴۴-۴۵۔ ہندوستانی نسخہ)

غزوات میں شرکت: آپ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ کے نمایاں پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں یہ بھی پہلو واضح طور پر نمایاں نظر آئیں گے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت بہادر، مجاہدہ اور طبیبہ خاتون تھیں، آپ عہد نبوی کی اکثر جنگوں میں شریک ہوئیں اور نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ اس بارے میں خود فرماتی ہیں کہ میں عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئی جن میں لوگوں کی مدد کیا کرتی تھی، اس طور پر کہ مجاہدین کے کجاووں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہتی، مجاہدین کے لیے کھانا پکاتی، زخمیوں کا علاج کرتی اور مصیبت زدوں کی نگاہ داشت کیا کرتی تھی۔

(الاصابہ، ج:۸، ص:۴۳۷ ،علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۲ء)

علمی فضل و کمال: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عہد رسالت کی ان عظیم شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے نہ صرف میدان جہاد میں نمایاں خدمات انجام دیں اور تا عمر احکام رسول خدا پر پوری طرح عمل پیرا رہیں بلکہ ساتھ ساتھ احکام اسلام کو عام کرنے اور فرمودات رسول اللہ کی نشر و اشاعت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کا شمار عہد رسالت کی ان معزز کبار صحابیات میں ہوتا ہے جنھوں نے حضور سے علم کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا اور ان کا شمار اس زمانہ کی عظیم عالمہ، فاضلہ، مفتیہ میں ہوا۔ بہت سے مسائل میں صحابۂ کرام اور تابعین عظام آپ کی طرف رجوع فرماتے اور آپ سے مسائل سیکھتے، مردوں کو نہلانے کا طریقہ آپ کو خصوصی طور پر رسول اکرم ﷺ نے سکھایا تھا۔ چناں چہ ۸ ہجری میں جب حضور ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چند خواتین کے ساتھ مل کر حضور کی ہدایات کے مطابق ان کی میت کو غسل دیا۔

(صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۶۸، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

اس کو خود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس طرح بیان فرماتی ہیں جسے منصور نے محمد سے روایت کیا ہے اور وہ آپ سے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں: توفیت إحدی بنات النبیّ فقال إغسلنّها و تراً ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك إن رأیتن، و اغسلنها بماء و سدر و اجعلن فی الآخرة كافورا أو شیئا من كافور فاذا فرغتن فأذننی. فلما فرغنا اذناه فالقی إلینا حقوه و قال اشعرنها إیاه.

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک دختر کا وصال ہوگیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے تین یا پانچ یا اگر چاہو تو اس سے زیادہ مرتبہ طاق عدد ی غسل دو۔ اور اسے پانی و بیری کے پتے سے نہلاؤ، اور آخر میں کافور (شک راوی) یا کچھ کافور لگادو۔ پھر جب غسل سے فارغ ہوچکو تو مجھے بتانا۔ چناں چہ جب ہم فارغ ہوگئے تو آپ کو خبر دیا، تو آپ نے اپنی چادر ہماری طرف پھینکی اور فرمایا اس کو اس کے جسم میں لپیٹ دو۔ (صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۶۸، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اکتالیس احادیث مروی ہیں اور محدثین کرام نے آپ کو روایت حدیث کے لحاظ سے کبار صحابہ وصحابیات اور کئی ازواج مطہرات کے ساتھ راویوں کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے، جن میں چند نام یہ ہیں: ام المومنین ام حبیبہ، ام المومنین حضرت میمونہ، ام المومنین حضرت حفصہ، اسما بنت ابی بکر، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہن۔ آپ کی روایت کردہ احادیث میں چھ حدیثوں میں بخاری ومسلم متفق ہیں۔ نیز بعض مسائل میں آپ کی روایات بڑی معتبر مانی جاتی ہیں، نیز یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام آپ سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے۔ آپ سے جن راویان حدیث نے روایت کی ہے ان کے نام درج ذیل ہیں: حضرت انس، ابن سیرین، حفصہ بنت سیرین، اسمٰعیل بن عبد الرحمن بن عطیہ، عبد الملک بن عمیرہ، علی بن الاقمر، ام شراحیل۔ (الاصابہ ج:۷، ص:۳۵۲، ۳۵۱، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱ء)

اولاد: کتب سیر میں آپ کی اولاد کی تفصیل نہیں ملتی ہاں اتنا ضرور ملتا ہے کہ آپ کی اولاد تھیں لیکن کتنی اور کون تھیں اس کی تفصیل کتب سیر میں کہیں نہیں ملتی۔ جیسا کہ ایک بیٹے کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں کسی جنگ میں شریک تھے بیمار ہوکر بصرہ واپس آئے اور وہیں انتقال کر گئے اور بقیہ کسی کے بارے میں کچھ نہیں ملتا۔

وفات: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے تعلق سے بھی سیرت کی کتابوں میں کچھ تذکرہ نہیں ملتا کہ کس تاریخ اور کس سنہ میں آپ کا انتقال ہوا البتہ بعض روایات سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے عہد میں زندہ تھیں، جیسا کہ اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب ان کے ایک بیٹے کی خلافت راشدہ کے زمانہ میں بصرہ میں وفات ہوئی تو آپ وہاں تشریف لے گئیں اور مستقل طور پر وہیں قیام پذیر ہوگئیں پھر وہیں انتقال فرمایا۔

(اسد الغابہ، ج:۵، ص:۶۰۳، ابن محمد الجوزی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۳ء-۱۴۲۴ھ)

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت.....وفات ۵۰ھ

قاضی اخلاق احمد، کٹیہار، جماعت: سادسہ ۹۴۵۴۷۱۲۶۹۴

اسم گرامی: زرقانی میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصلی نام ''زینب'' تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی ''صفیہ'' کے نام سے مشہور ہوگئیں۔

سلسلۂ نسب: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حی بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن خزرع بن ابی حبیب بن نظیر بن نجام سبط ہارون بن عمران علیہ السلام، آپ کی والدہ کا نام ''برہ بنت سموئیل'' ہے۔

خاندانی پس منظر: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے۔ آپ کے والد ''حی بن اخطب'' یہودیوں کے معروف قبیلے ''بنو نضیر'' کے سردار تھے۔ اور آپ کی والدہ ''بنو قریظہ'' کے نامور سردار ''سموئیل'' کی بیٹی تھیں اور یہ دونوں خاندان بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، جنھوں نے عرصۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسب و نسب ایک خصوصی امتیاز رکھتا تھا۔

ولادت: آپ کی تاریخ ولادت کا ذکر متعدّد کتابوں میں تلاش کرنے کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوسکا۔

قبول اسلام: آپ نے ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد جب کہ آپ قید کرلی گئیں، اسلام قبول کیا۔

نکاح: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی ''سلام بن مشکم'' سے ہوئی تھی وہ ایک مشہور شاعر اور سردار تھا۔ لیکن دونوں میاں بیوی میں بن نہ سکی۔ آخر کار سلام بن مشکم نے انھیں طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد ان کے باپ نے ان کا نکاح بنو قریظہ کے نامور سردار ''کنانہ بن ابی الحقیق'' سے کردیا۔ جو ابو رافع تاجر حجاز اور خیبر کے رئیس کا بھتیجا تھا۔ خود بھی بلند مرتبہ تھا اور خیبر کے مشہور قلعہ ''القموس'' کا سردار تھا۔ کنانہ غزوۂ خیبر میں قتل ہوا۔ اس کے بعد آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کی تفصیل: منقول ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے فتح خیبر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کہ مجھے ایک لونڈی مل جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لے لو۔ انھوں نے حضرت صفیہ کو لینا چاہا، جس کی وجہ سے اختلاف ہوگیا۔ لوگوں نے کہا کہ (حضرت) صفیہ حی بن اخطب کی بیٹی ہیں اور سلام بن مشکم کے نکاح میں رہ چکی ہیں اور یہ لوگ یہودیوں کے سردار تھے۔ اس لیے صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے نسبی مقام کا تقاضا ہے کہ رسول

اکرم ﷺ انھیں اپنے لیے خاص فرمالیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے انھیں آزاد فرمایا اور اپنے نکاح میں لینے سے پہلے انھیں یہ اختیار دیا کہ اگر تم دین یہودیت پر قائم رہنا چاہو تو میں آزاد کرتا ہوں اور تمھیں تمھارے قبیلے والے کے پاس بھیج دیتا ہوں اور اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمھیں آزاد کر کے تمھارے ساتھ نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آپ کی تصدیق آپ کی دعوت سے پہلے ہی کی ہے۔ اب جب کہ میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو مجھے کفر و اسلام کا اختیار دیا جاتا ہے۔ بخدا! اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ مجھے اپنی آزادی اور اپنی قوم کے ساتھ ملنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے انھیں آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا۔

(المدارج النبوۃ اردو، ج:۲،ا، ص:۸۲۹، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مترجم: مفتی غلام الدین نعیمی، ادبی دنیا، طباعت ثانیہ ۱۹۹۷ء)

"محمد رسول اللہ" صفحہ ۲۸۲ میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پسند فرمانے کی وجہ اس طرح ہے "إنه أخذ صفية لأنها بنت ملك من ملوكهم" یہودیوں کے بادشاہوں میں سے وہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں اس لیے رسول اکرم ﷺ نے انھیں اپنے لیے پسند فرمایا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزادی کو ان کے لیے مہر قرار دیا۔

(ضیاء النبی، ج:۴، ص:۲۴۶، پیر محمد کرم شاہ ازہری، المجمع المصباحی مبارکپور، اشاعت ثانیہ: رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ/جنوری ۲۰۰۰ء)

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انھیں آپ کے لیے آراستہ کیا اور رات میں آپ کے پاس رخصت کیا۔ آپ نے دولہے کی حیثیت سے ان کے ساتھ صبح کی اور صحابہ کرام کو کھجور، گھی اور ستو کا مالیدہ بنا کر ولیمہ کھلایا اور راستہ میں تین دن تک شبہائے عروسی کے طور پر ان کے پاس قیام کیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۱۱، ص:۲۱۳، بحوالہ امہات المؤمنین ص:۲۶۷/۲۶۸، ممتاز عالم مصباحی، اشاعت اول ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: انھیں خیمہ میں لے جاؤ، اس کے بعد خود آپ ﷺ خیمہ میں تشریف لائے۔ جب رسول اکرم ﷺ کو انھوں نے تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو کھڑی ہوگئیں اور وہ بستر مبارک جو وہاں تہ کیا ہوا تھا آپ ﷺ کے لیے بچھا دیا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے صفیہ! تمھارے باپ نے ہمیشہ میرے ساتھ عداوت رکھی۔ یہاں تک کہ حق تعالی نے فیصلہ فرمادیا۔ انھوں نے کہا: "حق تعالی کسی بندے کے گناہ کے بدلے کسی دوسرے کو نہیں پکڑتا" اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔

جب رسول اکرم ﷺ نے کوچ کا ارادہ فرمایا اور سواری لائی گئی تاکہ رسول اکرم ﷺ اس پر سوار ہوں تو آپ ﷺ نے پائے مبارک راحلہ پر رکھا تاکہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے پاؤں کو آپ کی ران پر رکھ کر سوار ہو جائیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ادب کا لحاظ رکھا اور اپنے زانوں کو رسول اکرم ﷺ کی ران پر رکھ کر سوار ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنا ردیف بنالیا اور پردہ باندھ دیا۔

(المدارج النبوۃ اردو، ج:۱،۲، ص:۲۲۸/۲۹ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مترجم: مفتی غلام الدین نعیمی، ادبی دنیا، طباعت ثانیہ ۱۹۹۷ء)

حضرت صفیہ کا ایک عمدہ خواب: ایک روز حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے پہلے خاوند کنانہ بن ابی الحقیق کو اپنا ایک خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے۔ جب اس نے یہ خواب سنا تو غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا: "ما هذا إلا أنك تمنين ملك الحجاز محمدا" یعنی اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیری تمنا یہ ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ملکہ بنے۔ (السیرۃ النبویۃ، ج:۳، ۴، ص:۳۳۶، علامہ ابو محمد عبد الملک بن ہشام، مکتبہ الریاض الحدیثیہ الریاض، طباعت ثانیہ)

غصہ کی وجہ سے اس نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرہ پر تھپڑ بھی مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھ سبز ہو گئی۔ شب زفاف جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ ناز میں حاضر ہوئیں تو حضور نے دریافت کیا کہ یہ سبز داغ کیا ہے؟ تو انھوں نے سارا واقعہ من و عن عرض کر دیا۔

(ضیاء النبی، ج:۴، ص:۲۴۶، پیر محمد کرم شاہ ازہری، المجمع المصباحی مبارک پور، اشاعت ثانیہ، ۱۴۲۰ھ/جنوری ۲۰۰۰ء)

یہی واقعہ "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ" میں اس طرح ہے: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ چاند ان کی گود میں آگرا۔ انھوں نے اس کا تذکرہ اپنی والدہ سے کیا تو ان کی والدہ نے ان کے چہرہ پر طمانچہ مارا اور کہا: "إنك لتمدين عنقك إلى أن تكون عند ملك العرب." یعنی تم ضرور اپنی گردن کو بڑھاؤ گی یہاں تک کہ تم عرب کے بادشاہ تک پہنچ جاؤ۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج:۸، ص:۲۱۰، بحوالہ امہات المؤمنین ص:۲۷۱، ممتاز عالم مصباحی، اشاعت اول، ۱۴۳۳ھ–۲۰۱۲ء)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی، چنانچہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں: "کاش! آپ کی بیماری مجھ کو لگ جاتی"۔ تو ازواج مطہرات نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سچ کہہ رہی ہیں۔ (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ بھی نہیں)۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۷، ص:۱۷۰، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر، طباعت اولی ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱ء)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ان سے نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات بھی ساتھ میں تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ سوئے اتفاق بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اونٹ ضرورت سے زیادہ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ انھوں نے کہا: "کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دیدوں؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہیں گئے۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۷، ص:۱۷۰، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر الطباعۃ والنشر والتوضیع، طباعت اولی ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱ء)

ایک مرتبہ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)۔

(المدارج النبوۃ اردو، ج:۱، ۲، ص:۲۲۸ /۲۹، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، طباعت ثانیہ ۱۹۹۷ء)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا: "عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ چچازاد بہنیں بھی ہیں"۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں، اس لیے تم مجھ سے کیوں کر افضل ہو سکتی ہو۔

(المدارج النبوۃ/الاصابۃ بحوالہ سابق)

سفر حج میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ نے ردا اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے اور وہ بے اختیار روتی جارہی تھیں۔

(زرقانی، ج:۳، ص:۲۹۶، بحوالہ سیرت خواتین، مدنی بکڈپو، سن اشاعت ۲۰۱۳ء)

اسی طرح جب حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیبر سے مدینہ منورہ لائی گئیں تو انصار کی عورتیں چونکہ ان کی خوبصورتی کا چرچا سن چکی تھیں اس لیے ان کو دیکھنے کے لیے آئیں۔ ان کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نقاب اوڑھے ہوئے آئیں تاکہ وہ بھی ان کو دیکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا، جب وہ باہر نکلیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے پیچھے باہر تشریف لائے اور فرمایا: کیف رأیت یا عائشة؟ یعنی اے عائشہ تم نے صفیہ کو کیسا دیکھا؟" قالت: رأیت یهودیة" انھوں نے کہا کہ میں نے ان کو یہودیہ دیکھا۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تقولی ذلك، فإنها أسلمت و حسن إسلامها"

ترجمہ: تم ایسا نہ کہو، وہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ان کا اسلام حسن قبول بن گیا ہے۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۷، ص:۱۷۰، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر)

خصوصیات: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کوتاہ قامت اور حسین تھیں اور ان میں بہت سے محاسن جمع تھے۔ وہ عاقلہ، فاضلہ، حلیم الطبع خلیق، کشادہ دل سیر چشم اور سخی تھیں۔

اسد الغابۃ میں ہے۔ "کانت عاقلة من عقلاء النساء" یعنی وہ نہایت عاقلہ تھیں۔

(اسد الغابۃ، ج:۵، ص:۴۹۰، بحوالہ سیرت خواتین ص:۱۳۶، ہمشیرہ محمد صدیق عطاری، مدنی بکڈپو، ۲۰۱۲ء)

زرقانی میں ہے۔ "کانت صفیة عاقلة حلیمة فاضلة"۔ یعنی صفیہ عاقلہ، فاضلہ اور حلیمہ تھیں۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۷، ص:۱۷۰ بحوالہ سابق)

حلم و تحمل ان کی انفرادی خصوصیت ہے۔ غزوۂ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آرہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

حضرت صفیہ کا فاضلانہ جواب: اسی طرح ایک مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک لونڈی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں آئی اور ان کی شکایت کرتی ہوئی عرض کی: "إنّ صفیة تحب السبت و تصل الیهود" یعنی صفیہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہود کے ساتھ صلۂ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور دریافت کیا۔ انھوں نے کہا: "أما السبت فإنی لم احبه منذ أبدلنی الله به الجمعة أما الیهود فإن لی فیهم رحما فإنا أصلها. یعنی جب سے اللہ

تعالیٰ نے سبت کے بدلے مجھے جمعہ دیا ہے میں نے اسے کبھی پسند نہیں کیا اور یہود تو میں ان سے صلہ رحمی کرتی ہوں کیوں کہ ان میں میرے قرابت دار ہیں۔ پھر انھوں نے اپنی لونڈی سے پوچھا کہ شکایت کرنے کا کیا سبب ہے؟ تو لونڈی نے کہا کہ مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''إذهبي فأنت حرة ''یعنی جاؤ تم آزاد ہو۔ اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔
(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۷، ص:۱۰۷، بحوالہ سابق)

فضل و کمال: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ایک متفق علیہ ہے اور باقی نو دیگر کتابوں میں ہیں۔ (المدارج النبوۃ اردو، ج:۱/۲، ص:۸۲۹، بحوالہ سابق)

دیگر ازواج مطہرات کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ حضرت صہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کر کے حضرت صفیہ کے پاس مدینہ آئیں، کوفہ کی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا، اس لیے انھوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے۔ ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہ نے سنا تو بولیں کہ اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔ (مسند ج:۱، ص:۳۷۷)

وصال پرملال اور مزار پاک: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وفات کی تاریخ کے سلسلہ میں کئی اقوال ملتے ہیں۔ حضرت ابن حبان رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ ۳۶ھ میں وفات پائیں، واقدی نے کہا ہے کہ ۵۰ھ میں۔ حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ نے امیہ بن ابو قیس الغفاریہ کی حدیث سے تخریج کی ہے کہ ان کا وصال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۵۲ھ میں ہوا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ۵۵ھ میں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کا وصال ہوا اور امیر المؤمنین نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۸، ص:۲۱۲)

صاحب بدایہ ونہایہ نے فرمایا ہے کہ واقدی کا قول اصح ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج:۷، ۸، ص:۴۹، بحوالہ امہات المؤمنین ص:۲۷۴ ممتاز عالم مصباحی)

من أهل الفتوى

حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت:۔۔۔۔وفات:۔۔۔۔

محمد کامل رضا، کٹیہار، جماعت: فضیلت Mob. 8009451892

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں ہر دور میں خواتین اسلام نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ان میں سے ایک نام ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ہے۔آنے والے سطور میں ان کی حیات اور فقہی خدمات پر مشتمل چند باتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، ملاحظہ ہو:

خاندانی پس منظر: آپ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔آپ کی والدہ کا نام حضرت زینب بنت مظعون حبیب ہے۔ یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے حقیقی بھائی ہیں۔جن کے زہد و تقویٰ کی گواہی خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے۔

آپ کے چچا زید بن خطاب ہیں جن کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ "یہ مجھ سے پہلے اسلام لائے مجھے زید کی خوشبو محسوس ہوتی ہے"۔

آپ کی پھوپھی "فاطمہ بنت خطاب" ہیں جو پہلے ایمان لانے والی خواتین میں سے ایک ہیں۔

سلسلۂ نسب: حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔

ولادت: بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر نو میں منہمک تھے۔انہیں ایام میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ہوئی۔

قبول اسلام: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں، باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔اس لیے یہ مبارک گروہ سابقین اولین کہلاتا ہے۔

نکاح: جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سن شباب کو پہنچیں تو آپ کے والد نے خنیس بن حذافہ سے آپ کی شادی کرادی جو خاندان بنو سلیم سے تھے۔

جب مسلمانوں پر قریش کے ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو حضرت خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً حبشہ ہجرت کی پھر مکہ لوٹے، اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ مدینہ ہجرت کی اور رفاعہ بن عبد النذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ اور نبی

کریم ﷺ نے انھیں عباس بن حصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنایا۔

غزوۂ بدر میں قبیلہ بنوسلیم کے جملہ افراد میں سے صرف آپ ہی اس غزوہ میں مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ دشمنان اسلام کے مقابلے میں بنیان مرصوص بن کر آخری وقت تک حریم اسلام کی پاسبانی کرتے رہے۔ اس جنگ میں آپ کو کافی زخم پہنچا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا اور مسلمان مدینہ لوٹے تو حضرت خنیس زخموں کی تاب نہ لاکر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حریم نبوی میں: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جوانی میں ہی بیوہ ہوگئیں اور انھیں اپنے شوہر کی وفات کا شدید رنج ہوا جس کے آثار ان کے ناصیۂ اقبال پر ظاہر تھے۔ لیکن انھوں نے صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔ اس دوران ان کے والدین ان کے پاس آتے اور محبت و شفقت کی باتیں کرتے۔

مرور ایام کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی بیٹی کے بیوہ دیکھنے کی وجہ سے رنج والم میں اضافہ ہورہا تھا۔ اس لیے خلیفۂ دوم حضرت عثمان سے نکاح کے لیے کہا مگر انھوں نے منظور نہ کیا اسی زمانہ میں سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں مالک حقیقی سے جاملی تھیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے حضرت عثمان کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں نے ان سے حفصہ کی شادی کے متعلق بات کی تھی لیکن انھوں نے انکار کردیا تو اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عثمان کے لیے تمھاری بیٹی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے اور تمھاری بیٹی کے لیے حضرت عثمان سے بہتر شوہر عنایت فرمائے''۔ اور ایسا ہی واقع ہوا کہ حضرت حفصہ کو حضور اکرم ﷺ نے قبول فرمایا اور سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت ہوگئی۔ حضرت عمر نے حضرت حفصہ کے نکاح کی درخواست حضرت ابوبکر صدیق سے بھی کی تھی مگر انھوں نے جواب نہ دیا تھا اور وہ ناراض ہوکر چلے گئے تھے۔ اس کے بعد ان سے حضور ﷺ نے پیام نکاح بھیجا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح ہجرت کے تیسرے سال میں کردیا۔ ایک قول میں ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا۔

(ملخصًا: صحیح البخاری، ج:۲، ص:۱۷۵، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

نامساعد حالات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو طلاق دی تھی لیکن رضائے الٰہی سے آگاہی کے بعد جلد ہی رجعت بھی فرمالی چناں چہ اصابہ میں اس کا سبب یوں مذکور ہے:

''و ذلك ان جبريل عليه السلام قال ارجع حفصة، فانها صوامة قوامة و انها زوجتك فى الجنة''. حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ (ﷺ) حضرت حفصہ کو لوٹالیں، کیوں کہ وہ قائم اللیل اور صائم الدہر ہے اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہوگی۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۸، ص:۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اس حدیث سے حضرت حفصہ کی عزت و مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حفصہ کو بارگاہ خداوندی میں کتنا بڑا

مقام حاصل ہے۔

سرکار علیہ الصلوۃ والسلام سے محبت: حضرت حفصہ آپ ﷺ سے بہت زیادہ محبت کیا کرتی تھیں اور ہمہ وقت آپ کی خوشنودی ورضا کی طالب رہتی تھیں۔ اور خود حضرت حفصہ کو بھی دوسری ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کے مابین حیرت انگیز مرتبہ حاصل تھا۔

اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کافی مقبولیت تھی۔ آپ نبی کریم ﷺ کی پانچ قریشی ازواج میں سے تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں: حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے بارے میں فرماتی ہیں کہ ''یہی وہ خاتون ہیں جو ازواج مطہرات میں سے میری برابری کرتی تھیں''۔ (سیرت خواتین، ص:۷۱، ہمشیرہ محمد صدیق عطاری قادری، مدنی بکڈپو، دہلی)

اپنی ازدواجی زندگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی و رضا کی خاطر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سبقت لے جانے میں ہمیشہ کوشاں رہتی تھیں اس کے بارے میں خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے میں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا اور حضرت حفصہ نے بھی تیار کیا اور میرے بھجوانے سے پہلے وہاں پہنچادیا تو میں نے باندی سے کہا کہ جلدی سے جاؤ ان کے برتن کو گرادو چناں چہ ابھی وہ پیالہ رکھے جانے کے قریب تھا کہ باندی نے اسے گرادیا۔ اور کھانا بکھر گیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کھانے کو جمع کیا اور سب نے اس کھانے کو کھایا اور پھر میرا پیالہ لے کر اسے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بھجوادیا۔ اور فرمایا کہ ''یہ برتن تمھارے برتن کے بدلے میں رکھ لو اور جو اس میں ہے وہ کھالو''۔ (ایضاً، ص:۷۲)

اس معاملے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کو تلقین کرتے جیسا کہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دیتے تھے اسلام نے ان کو درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ایک دن میری بیوی نے کسی معاملے میں مجھ کو رائے دی، تو میں نے کہا کہ تم کو رائے اور مشورہ سے کیا واسطہ، بولیں ''ابن خطاب تم کو ذرا سی بات بھی برداشت نہیں، حالاں کہ تمھاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر جواب دیتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں'' میں اٹھا اور حضرت حفصہ کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی! میں نے سنا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو برابر جواب دیتی ہو'' بولیں ''ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں'' میں نے کہا ''خبردار! میں تمھیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس عورت (حضرت عائشہ) کی نقل نہ کرو جس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری، ج:۸، ص:۵۰۴)

فضل و کمال: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذہانت ورثہ میں ملی تھی۔ ایک تو مدبر و مفکر صحابیِ رسول حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہزادی ہونے کا شرف حاصل تھا تو دوسری طرف کاشانۂ نبوت سے حصول علم دین کا حسین موقع میسر ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث و فقہ میں درک رکھتی تھیں صحابہ و تابعین کی ایک جماعت آپ کے ذخیرۂ علم سے خوشہ چینی کرتی

تھی۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔ چند مندرجہ ذیل ہیں:

عبد اللہ بن عمر، حمزہ بن عبد اللہ، صفیہ بنت ابی عبیدہ، حارچہ بن وہب، مطلب بن ابی ودعہ، ام مبشر انصاریہ، عبد الرحمن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، فقیر بن شکل۔

علم حدیث: اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے حدیث کا علم ہونا کس قدر اہمیت کا حامل ہے اس کا صحیح اندازہ وہی کر سکتا جو اس راہ کا غواص ہو، چوں کہ اکثر احکام شرعیہ کی بنیاد اسی پر موقوف ہے اور آیات قرآنیہ کی تشریح وتفسیر میں بھی اس کی سخت ضرورت ہے اس لیے صحابہ کے شانہ بہ شانہ صحابیات نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس جہت سے بھی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ممتاز نظر آتی ہیں۔

ازواج مطہرات میں سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶۰/ حدیثیں منقول ہیں، جو انھوں نے براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تھیں۔

زہد و تقویٰ: حضرت حفصہ بیشتر اوقات یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل نے بھی حضرت حفصہ کی عبادت گزاری کی تعریف خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کی کہ "حضرت حفصہ بہت عبادت کرنے والی روزہ رکھنے والی اور جنت میں آپ کی زوجہ ہیں"۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صوم وصلوٰۃ کو اپنی زندگی کا ایک حصہ بنالیا تھا۔ جیسا کہ ابن سعد نے ان کی عبادت کے متعلق لکھا ہے۔ "انها صوامة قوامة" وہ (حضرت حفصہ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں"۔

دوسری روایت میں ہے: "ما ماتت حفصه حتى ما يفطر" "حضرت حفصہ انتقال کے وقعت تک صائم رہیں"

(الاصابہ، ج:۸، ص:۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

علمی شان: وعن حفصة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أني لا رجوا ان لا يدخل النار إن شاء الله أحد شهد بدراً و الحديبية قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أليس قد قال الله تعالىٰ و إن منكم الا واردها قال فلم تسمعيه يقول ثم ننجي الذين اتقوا.

ترجمہ: حضرت حفصہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بدر اور حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔ میں نے عرض کیا خداے تعالیٰ تو فرماتا ہے "و ان منکم الا واردھا" "تم میں سے ہر شخص وارد جہنم ہوا۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان نہیں سنا کہ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص:۵۷۸، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

وفات: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات میں اختلاف ہے ایک میں ۴۱ھ ایک ۴۵ھ اور ایک میں ۴۷ھ زمانۂ امارت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہوئی تھی۔ اور بعض خلافت حضرت عثمان کا زمانہ بتاتے ہیں۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم)

اس وقت حضرت حفصہ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۸۱۳، ادبی دنیا)

من
أهل الفتوى

سیدتنا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ

ولادت: ۵۹۲ء۔ وفات ۴۴ھ

جاوید اختر، ہوڑہ، (کولکاتا) جماعت: رابعہ ۹۰۸۸۶۹۷۶۵۲

نام و کنیت: مشہور روایت کے مطابق آپ کا نام ''رملہ'' ہے اور بعض کے نزدیک ''ہند'' ہے مگر اصل نام پر آپ کی کنیت ایسی غالب آئی کہ ''ام حبیبہ'' ہی سے آپ کو شہرت ملی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج:۴، ص:۳۷۷، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۲۲ھ)

سلسلۂ نسب: والد کی طرف سے آپ کا نسب ''رَملہ بنت ابی سُفیان صَخر بن حَرب بن اُمَیَّہ بن عبد الشّمس بن عبد مُناف بن قُصَیّ بن کلاب بن مُرّہ بن کَعب بن لؤی بن غالب'' ہے۔

والدہ کی طرف سے ''رملہ بنت صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف'' ہے۔

(الطبقات الکبری ج:۸، ص:۱۹۰ محمد بن سعد بن منیع بصری، دار لکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

چھوتھے پشت میں آپ کا نسب حضور ﷺ کے جد ثالث حضرت عبد مناف سے مل جاتا ہے جب کہ دیگر تمام ازواج مطہرات کا نسب حضرت عبد مناف سے آگے جاکر حضور سے ملتا ہے، واضح رہے کہ آپ کا نسب حضور کے نسب سے ملنے میں فقط چار واسطے پائے جاتے ہیں: (۱) ابوسفیان (۲) حرب (۳) امیہ (۴) عبد الشّمس۔

(فیضان امہات المؤمنین، ص:۲۷۲، مجلس المدینۃ العلمیہ، دہلی، الطبعۃ الاولی ۱۴۳۶ھ)

والدین کریمین: والد کا نام ''صخر'' ہے۔ یہ اپنی کنیت ''ابوسفیان'' سے زیادہ مشہور تھے اور والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

(الطبقات الکبری ج:۸، ص:۸۷، محمد بن سعد بن منیع بصری، دار لکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ولادت با سعادت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت سرکار دو عالم ﷺ کے اعلان نبوت سے ۱۷ سال قبل ۵۹۲ء میں مکہ معظمہ کی مبارک سرزمین پر ہوئی۔ بچپن سے لے کر ابتداے جوانی تک کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

(الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ ج:۴، ص:۳۰۶/۴۳۴، حرف الراء، القسم الاول، احمد بن علی حجر عسقلانی، مکتبۃ المثنی بغداد، الطبعۃ الاولی ۱۳۲۸ھ)

خاندانی پس منظر: آپ کے والد حضرت ابوسفیان قریش کے ان تین اشخاص میں سے ایک تھے جو پورے قبیلہ میں ذو اثر اور صاحب الرائے مانے جاتے تھے، ابتداءً یہ اسلام کے سخت مخالف تھے جس کے سبب اسلام کے خلاف ابتدائی

جنگوں میں کفار کے قائد کی حیثیت سے مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوئے۔ لیکن بہار نبوت نے ان کے گھرانے کو بھی محروم نہ چھوڑا اور بالآخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو ابوسفیان کے رفیق تھے) کے ذریعے فتح مکہ کے وقت ۸ھ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی غزوۂ فتح مکہ و ابن ہشام، ج:۲، ص:۶۱۳، الجزء:۷ المجلس برکات مبارکپور)

پھر کارہائے نمایاں انجام دے کر اپنی گزشتہ تمام خطاؤں کی تلافی کروالی اور ۹۶ سال کی عمر پاکر ۳۴ھ میں اس خاک دان گیتی سے رخت سفر باندھ لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (جو کاتب وحی اور سلطنت بنی امیہ کے بانی تھے) آپ کے باپ شریک بھائی تھے، ۶۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔ آپ کے باپ شریک ایک اور بھائی یزید بن ابی سفیان تھے جو بڑے مخیر اور یزید الخیر کے نام سے شہرت یافتہ تھے، (امتناع الاسماع، فصل فی ذکر اصھار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اخوۃ ام حبیبہ ۲۶۲/۶) وہ فتح مکہ کے دن حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور ۱۹ھ میں وہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اس دار فانی سے چلے گئے۔ آپ کی ایک حقیقی بہن امیہ بنت ابی سفیان اور ایک بہن فارعہ نامی تھیں جو ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی ابو احمد کے نکاح میں تھیں۔

قبول اسلام اور نکاح: آپ پہلے عبید اللہ بن جحش بن رباب بن یعمر کے نکاح میں تھیں پھر میاں بیوی دونوں آغاز اسلام میں اسلام قبول کرکے السٰبقون الأولون من المهاجرین کی فہرست میں شامل ہوئے حالاں کہ یہ وہ پرآشوب دور تھا جب مکہ کے در و دیوار مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور کفار نے کمزور اور نہتے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس وقت دعوت حق پر لبیک کہنا دنیا بھر کی تکالیف اور مصائب کو دعوت دینا تھا لہٰذا کفار کے ناحق ظلم وستم سے بچنے کے لیے حبشہ کی جانب ہجرت کیا۔ لیکن حبشہ پہنچ کر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو گیا اور نصرانیت کی حالت میں ہی یہ مرا۔ مگر آپ اپنے اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ (المستدرک علی الصحیحین ج:۵، ص:۲۵ تا ۲۶/۷۹۷ ۲، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۸ھ)

جب حضور کو یہ بات معلوم ہوئی تو قلب نازک پر بے حد صدمہ گزرا اور آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے حضرت عمرو بن امیہ کے ذریعے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس خط بھیجا کہ "تم میرا وکیل بن کر حضرت ام حبیبہ کے ساتھ نکاح کردو" تو نجاشی نے اپنی ایک خاص لونڈی "ابرہہ" کو ام حبیبہ کے پاس بھیجا۔

ابرہہ نے ام حبیبہ کو مژدۂ جاں فزاں سنایا جس سے وہ اتنی مسرور ہوئیں کہ چاندی کے دو کنگن اور دیگر زیورات (جو اس وقت وہ پہن رکھی تھی) ابرہہ کو تحفے میں دے دیے۔ (واضح رہے کہ ابرہہ نے ام حبیبہ کے دیے ہوئے سارے تحائف واپس لوٹا دیے اور کہا کہ "میں نے یہ صرف اسلام کے لیے کیا ہے") اور ابرہہ نے انھیں نجاشی کے پاس بھیجا حضرت جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابۂ کرام کو (جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے) بلایا اور ایک شاندار خطبہ پڑھا: ألحمد لله الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار ،أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله ، وأنه الذى بشّر به عيسىٰ بن مريم أما بعد،فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى أن ازوجه ام حبيبة بنت ابى سفيان فاحببت إلى ما دعا إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد اصدقتها أربع مأئة دينار."

اس کے بعد دینار کو حاضرین کے سامنے ڈال کر آپ کا نکاح پڑھایا اور چار سو دینار خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس سے بطور

مہر سپرد کیا جو ام حبیبہ کے وکیل تھے۔(ایک قول کے مطابق آپ کا مہر چار ہزار دینار تھا لیکن ان دونوں اقوال میں پہلا انسب ہے)پھر نجاشی نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شکم سیر کھانا کھلا کر رخصت کیا پھر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آپ کو رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔اور آپ نے حرم نبوی میں داخل ہو کر ام المؤمنین کا معزز لقب پایا۔آپ ۶ھ مطابق ۶۲۸ء میں حضور کے عقد میں آئیں اور چار سال تک خدمت اقدس میں رہیں۔

(الطبقات الکبری ج:۸،ص:۷۷ تا ۹۷،محمد بن سعد بن منیع بصری،دار الکتب العلمیہ بیروت،لبنان)

حلیہ شریف: آپ غیر معمولی حسین و جمیل تھیں،صحیح مسلم کی روایت میں خود آپ کے والد حضرت ابو سفیان کی زبانی منقول ہے:"عندی أحسن العرب و أجمله أم حبيبة ببنت ابی سفيان."(مسلم شریف ج:۲،ص:۳۰۴،مجلس برکات مبارکپور)

"میرے یہاں عرب کی سب سے حسین و جمیل خاتون ام حبیبہ بنت ابی سفیان ہیں"۔

سادہ مزاجی: آپ فطرۃً نیک اور نہایت سادہ مزاج تھیں،حتی کہ باب نکاح میں بھی اپنی بہن کو وہی مقام دلانا چاہا جو خود انھیں حاصل تھا،حالاں کہ اس باب میں کوئی عورت کسی کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی،چناں چہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا:"قالت يا رسول الله !أنكح اختی بنت أبي سفيان،فقال :أو تحبين ذلك، فقلت نعم! لست لك بمخلية و احب من شاركنی فی خير اختی،فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:"إن ذلك لا يحل لی."

(ازواج مطہرات،ص:۲۷)

حضرت ام حبیبہ نے عرض کیا:یارسول اللہ!آپ میری بہن کو اپنے نکاح میں لے لیجئے،آپ نے دریافت کیا"کیا تم پسند کرتی ہو؟کہنے لگیں کہ تنہا میں ہی آپ کی بیوی نہیں ہوں،میں چاہتی ہوں کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو جائے اس پر آپ نے فرمایا:"ایسا کرنا میرے لیے جائز نہیں ہے۔"

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سابقین اولین کے اول دستہ میں شامل تھیں،انھیں اسلام اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق بھی تھا،چناں چہ غربت و مسافرت کی حالت اور اجنبی ملک میں شوہر نصرانی ہو گیا،مگر ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی تزلزل پیدا نہیں ہوا۔اور جب حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجوایا تو انھوں نے قبول فرما کر عملاً یہ ثابت کر دیا کہ ان کے نزدیک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت اور اطاعت و فرماں برداری کے سامنے ساری عظمتیں اور تمام رشتہ داریاں ہیچ تھیں،خواہ وہ اپنا حقیقی کیوں نہ ہو۔

جیسا کہ صلح حدیبیہ کے بعد ابو سفیان(جو اس وقت کافر تھے)تجدید صلح حدیبیہ کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی (ام حبیبہ)سے ملاقات کے لیے بلا تکلف ان کے مکان پر گئے،حضور کا بستر بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھنا چاہا لیکن بیٹی نے فوراً بستر تہ کر کے ہٹا دیا،اس پر ان کو بڑا غصہ آیا،پوچھا:بیٹی!بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں بستر کے لائق نہیں ہوں،بیٹی نے جواب دیا:یہ رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ کفر و شرک کی نجاست و گندگی سے آلودہ ہیں،سب سے مقدس و مطہر ہستی کے بستر پر میں کفر و شرک کی گندگی میں ملوث شخص کو بیٹھنے دوں یہ مجھے قطعاً گوارا نہیں،آپ میرے باپ ضرور ہیں مگر حضور کے حق میں

کسی بھی بے ادبی کو برداشت کرلوں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ ج:۴، ص:۳۰۶/۴۳۴ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی حجر عسقلانی)

اسی کو محمد بن سعد نے اپنی کتاب ”طبقات الکبری“ میں بیان فرمایا ہے ”فدخل علی ابنته أم حبيبة فلما ذهب ليجلس على فراش النبي ﷺ طوته دونه فقال: يا بنى! ارغبت بهذا الفراش عنى امر بى عنه؟ فقالت بل هو فراش رسول الله ﷺ و أنت إمرؤ نجس مشركون.“

(الطبقات الکبری ج:۸، ص:۹۷ محمد بن سعد بن منیع بصری، دارلکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

روایت حدیث: احادیث کی رائج کتب میں حضرت ام حبیبہ سے مروی احادیث کی تعداد ۶۵ ہے، جن میں سے دو بخاری شریف میں ہے اور ایک مسلم شریف میں اور بقیہ دیگر کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

(مدارج النبوۃ (فارسی) قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات، ج:۲، ص:۴۸۲، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

راویان حدیث: آپ سے احادیث روایت کرنے والوں میں آپ رضی اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی سیدتنا حبیبہ بنت عبیداللہ، بھائی حضرت معاویہ بن ابی سفیان، بہن عقیلہ بنت ابی سفیان، عبداللہ بن عتبہ بن ابی سفیان، بھانجے حضرت ابوسفیان بن سعید ثقفی، سلام بن صفیہ بن سوار بن الجراح، عروہ بن زبیر، ابوصالح سمان، سیدتنا صفیہ بن شیبہ اور حضرت زینب بن ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ (شرح الزرقانی علی المواھب، المقصد الثانی، الفصل الثالث فی ذکر ازواجہ ﷺ، ص:۴۰۹/۴)

ام حبیبہ اور عمل بالحدیث: ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کے ایک ایک قول اور عمل کو حرز جان بنا رکھا تھا، آپ کے ارشاد عالیہ پر خود بھی شدت سے عمل پیرا رہتیں اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتی تھیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ حاضر خدمت ہوئے تو انھوں نے ان کو ستو کھانے کے لیے دیا، ابوسفیان بن سعید کھانے سے فارغ ہوئے تو پانی منگا کر کلی کیا، اس پر ام المؤمنین نے ان سے فرمایا: بھتیجے! تم کو وضو کرنا چاہیے، کیوں کہ حضور کا حکم ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز استعمال کرنے کے بعد وضو کیا کرو۔

(مسند احمد ابن حنبل ج:۶، ص:۹۷ محمد بن سعد، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

تنبیہ: آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال کرنے کی بنا پر وضو کا حکم ابتدا میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ اس تعلق سے متعدّد احادیث کریمہ بخاری شریف ج:۲، ص:۶۰۳ (مکتبہ: مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارکپور) میں مذکور ہیں۔

بارہ رکعت نفل پر دوام: مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ ام حبیبہ نے حضور سے سنا کہ ” جو شخص اللہ عزوجل کی رضا کے لیے ہر دن فرض کے علاوہ بارہ رکعتیں نفل نماز پڑھے گا تو اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیا جائے گا، حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں: ”فما برحت أصليهن بعد“. (الطبقات الکبری ج:۸، ص:۹۷ محمد بن سعد، دارلکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

”اس ارشاد گرامی کو سن لینے کے بعد سے میں روزانہ پابندی کے ساتھ ساری زندگی بارہ رکعت نفل نماز پڑھنے کا اہتمام رکھتی ہوں۔“

آپ کا مذکورہ قول و عمل اس قدر مؤثر ثابت ہوا کہ آپ سے احادیث روایت کرنے والے تلامذہ بھی اس کا اہتمام کرنے لگیں۔

میت پر تین دن سے زیادہ سوگ درست نہیں ہے: ام حبیبہ بیان فرماتی ہیں:

"سمعت رسول الله ﷺ يقول :لا يحل لإمرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج فإنها تحد عليه أربعة اشهر وعشرا"

(بخاری شریف ج:۲،ص:۸۰۳/۵۱۲۸،الجزء:۲۲ مکتبہ: مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

جو عورت اللہ و آخرت کے دین پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرنا حلال نہیں ہے، سوائے شوہر کی وفات کے کہ اس کی وفات پر وہ چار مہینہ دس دن سوگ منائے۔

حضور کے ارشاد گرامی پر انھوں نے اس اہتمام کے ساتھ عمل کیا کہ جب ملک شام سے ان کے والد حضرت ابوسفیان کی خبر موصول ہوئی تو وفات سے تین دن مکمل ہونے پر زرد رنگ (جس میں خوشبو کی آمیزش تھی) منگائی اور بذات خود اپنے رخساروں اور بازؤں پر ملی اور فرمایا: مجھے خوشبو کی رغبت نہیں ہے۔ (مگر استعمال اس لیے کر رہی ہوں تاکہ سوگ نہ سمجھا جائے اور حدیث پر عمل ہو جائے)

تقویٰ اور فکر آخرت: زہد و عبادت اور اتباع حدیث کی نعمت کے ساتھ تقویٰ اور آخرت کی نعمت سے بھی مالا مال تھیں۔ خوف خدا ہر وقت دل میں سمایا رہتا اور آخرت کے حساب و کتاب کی فکر دامن گیر رہا کرتی تھی، جس کی ایک جھلک اس واقعہ میں موجود ہے کہ جب ان کو اس بات کا احساس ہونے لگا کہ میری زندگی کا چراغ اب گل ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے تو ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو (جو ان کی سوکن تھیں اور ابھی باحیات تھیں) خصوصیت کے ساتھ بلایا اور کہنے لگیں: ہم آپس میں ایک دوسرے کی سوکنیں تھیں، اور سوکنوں کے درمیان بعض اوقات کوئی نامناسب بات ہو جاتی ہے، لہذا میں اس سلسلے میں معافی کی خواستگار ہوں" (تاکہ آخرت کے لیے کوئی معاملہ باقی نہ رہے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ :"میں نے معاف کر دیا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی"، تو اس پر ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:"خداوند قدوس تم کو خوش و خرم رکھے جیسا کہ تم نے مجھ کو خوش و خرم کیا۔ پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان سے بھی یہی باتیں کیں۔ (الطبقات الکبریٰ ج:۸،ص:۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

اسی کو امام احمد بن علی اپنی کتاب "الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" میں بیان فرمایا ہے :"عن عائشة قالت :دعتني أم حبيبة عند موتها فقالت :قد كان يكون بيننا ما يكون بين الضرائر ،فتحلليني من ذلك فحللتها واستغفرت لها فقالت لي :سرتني سرك الله ،وارسلت إلى أم سلمة بمثل ذلك".

(الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ ج:۴،ص:۳۰۶تا۳۰۷/۴۳۴ (حرف الرائے- القسم الاول) مکتبۃ المثنی بغداد)

آپ کی پاکیزہ حیات کے پانچ نمایاں پہلو: (۱) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سید المرسلین ﷺ کی زوجۂ مطہرہ اور ام المؤمنین ہیں۔

(۲) آپ کو ان چھ ازواج مطہرات رحمۃ اللہ علیہن میں سے ہونے کا شرف حاصل ہے جن کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔

(۳) ازواج مطہرات میں آپ کا مہر سب سے زیادہ تھا۔ (اسد الغابۃ ج:۷، ص:۱۱۶/۶۹۳۲، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۴ھ)

(۴) آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ جب سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح فرمایا تو اس وقت آپ سرکار اقدس کی قیام گاہ سے بہت دور سرزمین حبشہ میں مقیم تھیں۔

(مدارج النبوۃ (فارسی) قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات، ج:۲، ص:۸۸۱، مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

(۵) السّٰبقون الأولون صحابہ کرام کی فہرست میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ (خزائن العرفان، پارہ:۱۱، التوبہ، تحت الآیۃ:۱۰۰)

تلامذہ: (۱) حضرت حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۳) ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ بن اخنس ثقفی (یہ ام حبیبہ کی بہن کے صاحبزادے تھے) (ازواج مطہرات، ص:۹۴، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۱ھ)

تذکرۂ اولاد: پہلے شوہر سے ایک بیٹی حبیبہ نامی حبشہ میں پیدا ہوئی جس کے نام پر ام المومنین کی کنیت ام حبیبہ ہے، یہ (حضرت حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں، حضرت ام حبیبہ ان کو اپنے ساتھ لے کر آپ کے کاشانے میں آئی تھیں، بلوغت کے بعد یہ داؤد بن عروہ بن مسعود ثقفی کی زوجہ بنیں، اپنی والدہ سے انھوں نے احادیث کی روایت کی ہے۔

ایک بیٹے عبداللہ کا تذکرہ بھی بعض علمانے کیا ہے۔

(الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج:۴، ص:۳۰۵، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی حجر عسقلانی، مکتبۃ المثنی بغداد)

وصال پرملال: آپ کی وفات کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں:

(۱) آپ نے تقریباً چار سال تک آفتاب رسالت، ماہتاب نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفاقت وہمراہی میں رہنے کی سعادت حاصل کی، پھر حضور کے دنیا سے ظاہری وصال فرمانے کے بعد کم وبیش ۳۴؍ برس تک باحیات رہیں۔ پھر امیر معاویہ کے عہد خلافت میں ۴۴ھ مطابق ۶۶۵ء میں ۳۷ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

اس کے راوی ابوعبیدہ قاسم بن سلام ہیں اور بیشتر مقامات پر یہی روایت منقول ہیں۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابہ، کان صداق النبی ....ج:۵، ص:۲۹/۲۷۹۷، دار المعرفۃ بیروت، لبنان)

(۲) آپ کی وفات ۹ھ میں ہوئی۔ اس کے راوی ابوبکر بحر بن خیثمہ ہیں۔

(ضیاء النبی ج:۴، ص:۹۵ علامہ محمد کرم شاہ ازہری، المجمع المصباحی جامعہ اشرفیہ، مبارکپور ۱۴۲۰ھ)

تدفین: قبر کے بارے میں کئی اقوال ہیں: ایک کا قول تو یہ ہے کہ آپ کی قبر مبارک ملک شام کے شہر دمشق میں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی کی حویلی میں واقع کسی مکان میں ہے جو بعد میں ان کے پوتے حضرت علی زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں رہا، اور اس کی تائید حضرت زین العابدین کی اس روایت سے ہوتی ہے "ایک مرتبہ میں اپنے ایک مکان میں گیا جو حضرت علی کی حویلی میں واقع تھا، اور کسی ضرورت سے اس کے ایک گوشے کو کھدوایا تو اس میں ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا "هذا قبر رملة بنت صخر" (یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے) تو اس پتھر کو وہیں رکھ کر اس پر مٹی ڈال دی گئی۔

مگر اصح اور راجح قول یہی ہے کہ آپ مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان "جنت البقیع" میں مدفون ہیں۔

(الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج:۴، ص:۳۰۷ (حرف الراء القسم الاول)، مکتبۃ المثنی بغداد)

من أهل الفتوى

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۵۴ھ

عطاء المصطفیٰ، گیا، جماعت: خامسہ 9695173189

نام و نسب: آپ کا اسم گرامی اسامہ ہے، آپ کے سلسلۂ نسب میں چند اقوال ہیں، ہم یہاں صرف ایک قول ذکر کر رہے ہیں: اسامۃ بن زید بن حارثۃ بن شراحیل بن عبد العزی بن زید بن امرئ القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانۃ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۱، ص:۲۰۲، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، طبع ثانی ۲۰۰۲ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

کنیت: تاریخ کی کتابوں میں آپ کی کنیت ابو زید، ابویزید، ابوحارثہ، ابو محمد اور ابوخارجہ بتائی گئی ہیں۔ آخر کے علاوہ تمام کنیتیں تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں ہیں اور اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ میں ابوخارجہ کا اضافہ بھی ملتا ہے۔

آپ کا لقب: حب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ (اسد الغابۃ، ج:۱، ص:۱۹۵، عزالدین ابن الاثیر جزری طبع ثانی ۲۰۰۳ء، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان)

اور حب بن حب ہے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۲۲۶، علامہ ابن حجر عسقلانی، طبع اول، ۱۹۹۵ء، مطبع دار الفکر)

والدین کریمین: والد محترم کا نام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور والدۂ محترمہ حضرت ''برکہ'' معروف بہ ''ام ایمن'' ہیں۔ جنھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرورش و پرداخت کا شرف حاصل ہے۔

(معرفۃ الصحابۃ، ج:۱، ص:۲۱۹، ابونعیم اصبہانی، طبع اول ۲۰۰۲ء، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

(الطبقات الکبری، ج:۴، ص:۴۵، محمد بن سعد ہاشمی بصری، طبع ثانی ۱۹۹۷ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

نوٹ: آپ کی ولادت کی تاریخ صراحت کے ساتھ ان کتابوں میں نہیں ملی جو میرے پیش نظر ہیں۔ جیسے الطبقات الکبریٰ، کنز العمال، الاستیعاب، تہذیب الاسماء واللغات وغیرہ ہیں۔

خاندانی پس منظر: آپ کا تعلق بنی قضاعہ کی شاخ بنو کلب سے تھا۔ آپ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔ اور چوں کہ آپ کی والدۂ محترمہ نے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔ اس لیے ان کو والد اور والدہ دونوں جانب سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوبیت کا شرف ورثہ میں ملا تھا۔ آنکھ کھولتے ہی

گہوارۂ اسلام میں پرورش کا موقع ملا۔ اس لیے ان کی حیات مقدسہ کا کوئی گوشہ کفر و شرک کی آلائشوں سے ملوث نہ ہوا۔

غزوات و سرایا میں شرکت: نبی کریم ﷺ نے کم عمر ہونے کی وجہ سے انھیں کسی غزوے میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ حضور اقدس ﷺ نے انھیں ۷ھ یا ۸ھ میں ایک اہم مہم کا امیر بنا کر حرقہ کی جانب بھیجا۔ اس جنگ میں دشمنوں کو حضرت اسامہ نے شکست فاش دی۔ ان کے ہاتھوں اس جنگ میں مرداس نامی ایک شخص کا قتل ہو گیا، جس کا واقعہ یہ ہے: خود حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا، صبح کے وقت دشمنوں سے مقابلہ ہوا، دشمنوں کی ہزیمت ہوئی اور وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ میں اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا، جب وہ زد میں آگیا تو لا إله إلا الله پکار اٹھا۔ اس کی پکار پر اس انصاری نے ہاتھ روک لیا لیکن میں نے نیزوں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جنگ سے لوٹنے کے بعد نبی کریم ﷺ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا: اسامہ! تم نے کلمۂ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی ایک شخص کو قتل کر دیا، تو میں نے عرض کیا: اس نے اپنی حفاظت کے لیے ایسا کیا تھا لیکن آپ نے یہ عذر نا قابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے اتنی ندامت ہوئی کہ میں دل میں کہنے لگا: کاش! آج کے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۶۱۲، ابن اسمٰعیل بخاری، مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)

ذات رسول سے وابستگی: مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کس قدر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ذات رسول ﷺ سے لگاؤ اور وابستگی تھی، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) خود حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سرکار ﷺ مجھے اور حسن بن علی کو اپنے زانوے مبارک پر بٹھاتے پھر ہم دونوں کو سینے سے لگا کر دعا فرماتے اے خدا! میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں تو بھی ان پر رحم فرما۔ (تہذیب الاسماء واللغات جلد۱، ص۱۲۱، ابوزکریا یحییٰ بن اشرف نووی، طبعۂ اولیٰ ۱۴۲۸ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان اور کنز العمال، علامہ علاء الدین المتقی الہندی، ج:۱۵، ص:۲۴۳، طبع ثانی ۱۹۶۸ء، مجلس دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدر آباد، دکن، ہند)

(۲) کبھی وفور محبت میں مزاح بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانۂ نبوی میں بیٹھے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں۔ آپ اسامہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: اگر یہ بیٹی ہوتے تو میں ان کو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگار کرتا، تاکہ ان کا چرچا ہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے۔

(الطبقات الکبریٰ ج:۴، ص:۴۶، ابن سعد، طبع ثانی ۱۴۱۸ھ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

علم حدیث: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی تھی اور آپ کے دولت اقدس میں ہی رہا کرتے تھے۔ اس لیے آپ کو حضور ﷺ کی صبح و شام اور آپ کے اقوال و افعال کو بہت قریب سے ملاحظہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن آپ کے سن شعور کی منزل پر قدم رکھنے کے بعد ہی حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا پھر بھی آپ سے ۱۲۸ حدیثیں مروی ہیں۔ دو پر بخاری اور دو پر مسلم کا اتفاق ہے۔ آپ سے حضرت ابن عباس اور کبار تابعین نے روایت کی ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۲۱، ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی، طبع اول:۲۰۰۷ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

فقہی خدمات: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی۔ سرکار کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال یا زیادہ سے زیادہ بیس سال کی تھی اس لیے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی سے فیض یاب ہونے کا زیادہ موقع نہیں ملا تاہم اس مدت میں جو کچھ آپ نے حاصل کیا اس کو کم نہیں کہا جا سکتا، اقوال نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کافی ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ تھا۔ بعض مرتبہ کبار صحابہ کو جس چیز کا علم نہ ہوتا اس میں وہ ان کی طرف رجوع کرتے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو آپ نے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں کیا سنا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: طاعون ایک قسم کا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا اس لیے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمھارے یہاں یہ وبا پھیلے تو وہاں سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔

(مسند احمد بن حنبل، ص:۱۵۸۹، بیت الأفکار الدولیۃ)

آپ کے فعل سے دوسرے لوگ استدلال کرتے تھے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک عزیز کا ازار بہت نیچا دیکھا تو اس کی ملامت کی، انہوں نے کہا: میں نے اسامہ بن زید کو نیچا ازار پہنے دیکھا ہے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو یہ ممکن ہے کہ ان کا پیٹ بھاری ہو اس لیے ان پر نہ ٹھہرتا ہو اور نیچے کھسک جاتا ہو۔

(الطبقات الکبریٰ ج:۴، ص:۵۲۔۵۳، محمد بن سعد ہاشمی بصری، طبع ثانی ۱۹۹۷ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نے بیان کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مال و جائیداد کا معائنہ کرنے کے لیے وادیٔ قریٰ کا سفر فرماتے تھے اور وہ سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے تھے، آزاد کردہ غلام نے ان سے کہا: کیا آپ سفر میں روزہ رکھتے ہیں، حالاں کہ آپ ضعیف و ناتواں ہو چکے ہیں تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پیر اور جمعرات کے روز اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل، ص:۱۵۸۸،۱۵۸۷، امام احمد بن حنبل، طبع ثانی، بیت الأفکار الدولیۃ)

فضائل حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ: بے شمار احادیث مبارکہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں، جن میں سے چند احادیث مقدسہ پیش خدمت ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے چاہیے کہ وہ اسامہ بن زید سے محبت کرے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج:۱، ص:۳۴۸، جمال الدین بن یوسف مزی، طبع اول ۲۰۰۴ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

(۲) جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا تو اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے پانچ ہزار مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر کے لیے دو ہزار مقرر کیا تو ابن عمر نے فرمایا: آپ نے مجھ پر اسامہ کو ترجیح دی، حالاں کہ میں وہاں

حاضر ہوا ہوں جہاں وہ حاضر نہیں ہوئے ہیں تو حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: بے شک اسامہ تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محبوب تھے اور ان کے والد تمھارے والد سے زیادہ محبوب تھے۔

(اسد الغابۃ، ج:۱، ص:۱۹۵، ۱۹۶، ابن اثیر جزری، طبع ثانی ۲۰۰۳ء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اسامہ چوکھٹ پر گر پڑے اور پیشانی پر زخم آگیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا خون صاف کر دو۔ لیکن پھر آپ نے خود ہی ان کا خون صاف کر کے لعاب دہن لگایا۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۴۶، ابن سعد، طبع ثانی ۱۴۱۸ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

(۴) حضرت وکیع نے فرمایا: چار صحابۂ کرام فتنے سے محفوظ و مامون رہے جن میں سے سعد بن مالک، عبد اللہ بن عمر، محمد بن مسلمہ، و اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(الاستیعاب، ج:۱، ص:۱۷۱، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، طبع ثانی، ۱۴۲۲ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

(۵) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہ بھی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ جب بھی اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے السلام علیك یا أیها الأمیر! تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے: اے امیر المومنین! آپ مجھے امیر کہتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: جب تک میں زندہ رہوں گا تمھیں امیر کہہ کر پکاروں گا۔ کیوں کہ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ ہمارے امیر تھے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۱، ص:۳۴۹، طبع اول ۲۰۰۴ء، جمال الدین بن یوسف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

(۶) حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا تو بعض لوگوں نے آپ کے امیر ہونے کے سلسلہ میں طعن و تشنیع کی تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: اگر تم ان کی امارت میں طعن و تشنیع کر رہے ہو تو تم اس سے پہلے ان کے والد کی امارت میں طعن کر چکے ہو، بخدا! اسامہ امیر بننے کے لائق ہے اور وہ مجھے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تمھیں اسامہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ بے شک وہ تمھارے صالح لوگوں میں سے ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۲۱، ابو زکریا یحیٰ ابن شرف نووی، طبع اول ۲۰۰۷ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

(۷) حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشہور صحابی تھے، رسول کریم ﷺ نے انہیں لشکر کا امیر نایا، ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو علم بردار بنایا گیا تھا اچانک رسول کریم ﷺ رحلت فرما گئے اور اس وقت ان کی عمر بیس یا انیس بعض قول کے مطابق اٹھارہ سال تھی۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۲۲، مصدر سابق)

وصال پر ملال: حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۴ھ، بعض کے مطابق ۵۸ھ یا ۵۹ھ اور بعض کے مطابق ۴۰ھ میں وفات ہوئی۔ آخری قول سب سے ضعیف ہے۔

ابن عبد البر وغیرہ کے نزدیک صحیح قول ۵۴ھ ہے۔ تاریخ دمشق میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی فاطمہ دمشق کے

قریب ایک مشہور و معروف گاؤں مزہ میں رہتی تھیں، حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وادی قری میں وفات پائی اور انھوں نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مزہ میں بسایا تھا تو وہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والی ہونے تک وہاں مقیم رہیں۔ ایک مرتبہ وہ ان کی بارگاہ میں تشریف لائیں تو حضرت عمر بن عبد العزیز ان کی تعظیم و توقیر کی خاطر کھڑے ہو گئے اور اپنے قریب انھیں بٹھایا اور فرمایا: اے فاطمہ! تجھے کیا ضرورت ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ مجھے میرے بھائی کے پاس لے چلیں پس انھوں نے ساز و سامان تیار کیے اور انھیں پہنچا دیا۔

بعض قول کے مطابق وہ مدینہ میں وفات پائے اور بعض کے مطابق وہ وادی قریٰ میں وفات ہوئے اور انھیں مدینہ لایا گیا۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۲۲، بتفصیل سابق)

من
أهل الفتوى

حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۸ھ

محمد فیصل رضا، سمستی پور، جماعت: سادسہ 9471997618

اسم گرامی:۔ جعفر، کنیت، ابوعبداللہ، والد کا نام، ابوطالب اور والدہ کا نام، فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔

شجرۂ نسب:۔ جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر۔

آپ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی اور علی کرم اللہ وجہہ کے برادر حقیقی تھے، عمر میں آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔ (الاصابۃ:۔ ج۱، ص:۵۹۲ ۔ استیعاب، ج:۱، ص:۳۱۲۔۳۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

قبول اسلام:۔ ایک روز حضور پاک صاحب لولاک ﷺ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا، ”جعفر! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ“ حضرت جعفر نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے عزوجل کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی حضور ﷺ کے غلام زید ابن ارقم کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کے قبل ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس سے قبل اکیس افراد حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۳۶)

فضائل و محاسن:۔ یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کے کام آنے والا ہمدرد، فیاض اور سخاوت کا خوگر، عالی مقام مومن، حبشہ اور مدینہ کی جانب ہجرت کا اعزاز حاصل کرنے والا قسمت کا دھنی، میدان جہاد میں اپنے دونوں بازو کٹوانے کے بدلے دو پروں کے سہارے فرشتوں کے ساتھ جنت میں محو پرواز ہونے والا عظیم المرتبت مجاہد، پرسوز اور دل آویز انداز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا خوش الحان قاری، فصاحت و بلاغت کے موتی پرونے والا کامیاب خطیب، بادشاہ نجاشی کے سامنے مظاہرہ کرنے والا اور حاضر جواب، ان گراں قدر اوصاف و کمالات کی خوبصورت ترتیب و تہذیب سے جو پیکر تیار ہوتا ہے دنیا اسے حضرت جعفر طیار کے نام سے جانتی ہے، جنھیں شاہ امم سلطان مدینہ ﷺ نے سیرت و صورت میں اپنی مشابہت کا مژدۂ جاں فزا سنایا۔ جنھیں لسان رسالت میں ذوالجناح، طیار اور ابوالمساکین جیسے دل فریب القابات سے نوازا گیا۔ سرور عالم ﷺ نے جس کی پیشانی چوم کر اسے رفعت و عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو پتھروں سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے، اور کچھ کھلائے، لیکن میں نے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے، اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لاکر رکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لا دیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔ (صحیح البخاری، مناقب حضرت جعفر ج:۱، ص:۵۲۶۔ معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۴۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے فرمایا کرتے تھے، "و قال له النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشبهت خلقي و خلقي" کہ جعفر! تم میری صورت و سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو۔ (ایضًا)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ سے پہلے جس قدر نبی گزرے ہیں ان کو صرف سات رفیق دیئے گئے تھے، لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ ہے۔ ان میں سے ایک جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں"

(ترمذی شریف، مناقب اہل بیت، ج:۲، ص: ۲۲۰، مجلس برکات، مبارک پور)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر سے لوٹے حضرت جعفر نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی، تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو چمٹا لیا اور آپ کی پیشانی چوما اور ارشاد فرمایا: کہ مجھے نہیں معلوم کہ آج کس چیز سے زیادہ خوشی ہو رہی ہے، جعفر کے آنے سے یا خیبر کے فتح سے (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۳۶)

ہجرت حبشہ: قریش کے ظلم وستم سے تنگ آکر ۸۳/ افراد پر مشتمل حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے دوسرے قافلے میں حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک ہوئے، اور امیر قافلہ حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، فتح خیبر تک یہ حبشہ میں مقیم رہے۔ حبشہ کا حکمراں ان سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، ان کی قیادت میں حبشہ جانے والے مسلمانوں کو شاہی مہمانوں کی حیثیت سے ٹھہرایا گیا۔ حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وہ تمام صفات بدرجہ اتم پائے جاتے تھے جن کا کسی بھی کامیاب قائد یا جرنیل میں ہونا ضروری ہے، بروقت فیصلہ، حاضر جوابی سے کام لینا، فصاحت وبلاغت کے دریا بہانا، دشمن کے سامنے کھڑے ہو کر جرأت مندانہ انداز میں گفتگو کرنا ایک کامیاب قائد کی علامت ہوتی ہے۔ ان خوبیوں سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری طرح متصف تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دربار حبش میں اسلام پر تقریر: قریش مکہ کو جب پتا چلا کہ مسلمان حبشہ میں پہنچ کر امن وآشتی سے زندگی بسر کر رہے ہیں، تو وہ غصے سے تلملا اٹھے اور انھوں نے حبشہ کے حکمراں نجاشی کو بدظن کرنے اور مسلمانوں کو نکلوانے کی سازش کرتے ہوئے سرزمین عرب کے مشہور ومعروف سیاست داں عمرو بن عاص اور ان کی معاونت کے لئے عبد اللہ بن ربیعہ کو وافر مقدار میں قیمتی تحائف دے کر حبشہ روانہ کیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی کہ نجاشی سے ملاقات کرنے سے پہلے اعیان حکومت اور مذہبی راہ نماؤں کو تحائف دے کر اپنا ہم نوا بنانا۔ انھوں نے حبشہ پہنچتے ہی پہلے یہی کام کیا۔

جب انھیں یقین ہو گیا کہ اب میدان بالکل صاف ہے، شاہی دربار کی اہم شخصیات وقت آنے پر ہماری بھرپور حمایت

کریں گے ،ایک روز یہ دونوں خوشی سے جھومتے ہوئے اور وفور مسرت میں اپنے کندھے مٹکاتے ہوئے شاہی دربار میں حاضر ہوئے ، حبشہ کا حکمراں نجاشی اس وقت پورے جاہ وجلال کے ساتھ تخت شاہی پر جلوہ افروز تھا، یہ دونوں شاہی آداب بجالاتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوئے ، بادشاہ نے خوش ہوکر شرف باریابی عطاکیا، دونوں نے ادب واحترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھک کر کہا: بادشاہ سلامت ! ”ہماری قوم نے یہ تحائف آپ کے لئے بھیجے ہیں، انھیں قبول فرماکر ہماری عزت افزائی کریں “۔ نجاشی نے قبولیت کا شرف بخشا، انھوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہا: ہماری دوسری مؤدبانہ التماس یہ ہے کہ ہم چوں کہ دل وجان سے آپ کو عزیز رکھتے ہیں، اس لئے آپ کے محبوب ملک کی خیر وبھلائی کو عزیز از جان سمجھتے ہوئے آپ کے علم میں یہ بات لانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہماری قوم کے چند تخریب کارآپ کے پیارے اور پرامن ملک میں پناہ گزیں ہوے ہیں۔ ہمارے مذہب سے روگردانی کرتے ہوئے اور راہ فرار اختیار کرتے ہوئے ابھی ابھی یہاں پہنچے ہیں، ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ ان سے باز پرس کی جائے اورانھیں قرار واقعی سزادیتے ہوئے ملک سے نکل جانے کا حکم صادر فرمائیں۔

نجاشی نے عمرو بن عاص کی سحر انگیز گفتگو سن کر اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہابہت خوب بر وقت تمھارا آنا ہمارے لئے باعث مسرت ہے، لیکن میں ان کا موقف سنے بغیر انھیں یہاں سے نکل جانے کا حکم نہیں دوں گا، اور ساتھ ہی دربان کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو تلاش کر کے دربار میں پیش کیا جائے ، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شاہی پیامبر نے ہمارے ساتھ رابطہ قائم کیا۔اور شاہی حکم نامہ سے مطلع کیا، ہم اس ناگہانی مصیبت سے پریشان ونالاں ہوئے، اور بڑی سوچ وبچار کے بعد یہ فیصلہ طے پایا کہ دربار میں حاضر ہوکر نجاشی کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جائے اور تمام حقائق پوری وضاحت کے ساتھ بتادیے جائیں، اور ساتھ ہی اتفاق رائے سے یہ طے کیا کہ وفد کی ترجمانی کے فرائض حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرانجام دیں گے۔

حضرت جعفر فرماتے ہیں کہ ہم دربار میں حاضر ہوئے ، نجاشی تخت پر جلوہ افروز تھا، مذہبی اور سیاسی رہنمااور اعیان حکو مت دست بستہ دم بخود کھڑے تھے ، پورے دربار میں سناٹا چھایا ہوا تھا، وفد کے سربراہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کو سلام کیا، اور ہم سیدھے کھڑے رہے ، ہماری یہ ادائے قلندرانہ شاہی دربار کے آداب کے سراسر منافی تھی، سب انگشت بدنداں ہماری طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور حکم شاہی کے منتظر تھے کہ کب اور کیسے ہمیں اس گستاخی کی سزا کا حکم دیا جاتا ہے۔

ہم سے دریافت کیا گیا کہ تم شاہی دربار کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بادشاہ کے سامنے سجدہ ریز کیوں نہ ہوئے ؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سینہ تان کر جرأت مندانہ انداز اپناتے ہوئے کہا: جناب عالی ہم صرف ایک اللہ کو سجدہ کرتے ہیں ہم کسی بھی انسان کے آگے نہیں جھکتے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

پوچھا گیا یہ کس نے تعلیم دی ہے ؟ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے بادشاہ ! ہم بتوں کے پجاری تھے ، مردار کھایا کرتے تھے ، حلال وحرام کے درمیان کوئی تمیز نہیں تھی ، ہم پڑوسی کا کوئی خیال نہیں رکھتے تھے ، ہم بے دھڑک فحاشی کا ارتکاب کیاکرتے تھے ، رشتہ داری کے تقدس کو پامال کرنا ہماری گھٹی میں شامل تھا، ہمارا ہر طاقتور کمزور کو کھاجانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا تھا، ہم یونہی جہالت کی اتھاہ تاریکیوں میں ڈگمگا رہے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا، جن کے

خاندان اور ان کی صداقت، دیانت اور پاکدامنی کو ہم پہلے سے جانتے تھے، اس نے ہمیں سمجھایا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں، ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اختیار کرنے اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا۔ جب ہم نے ان کی بات کو ٹھکراتے ہوئے توحید کو اپنے سینے میں سمائے رکھنے کے عزم راسخ کا اعلان کیا، تو پوری قوم ہماری دشمن بن گئی، اور انھوں نے ہمیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تاکہ ہم دوبارہ بتوں کے پجاری بن جائیں، حرام کو حلال قرار دیں۔

ہم نے ان کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا، توانھوں نے ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے۔ ہم پر زیست کے تمام راستے تنگ کر دیئے، ہم مجبور ہو کر اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے پاس پہنچے ہیں۔

نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

کیا اس نورانی پیغام کا کچھ حصہ تمھیں یاد ہے، جس نے تمھاری زندگیوں کی کایا پلٹ دی؟

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم کی تلاوت ایسے پر سوز انداز میں کی، جس سے سننے والوں پر وجد طاری ہو گیا، نجاشی کے دل پر ان قرآنی آیات کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ زار وقطار رونے لگا، اسے دیکھ کر دربار میں موجود ہر فرد کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

نجاشی نے پادریوں، سیاسی راہ نماؤں اور اعیان حکومت کو خطاب کرتے ہوئے کہا: "یہ پیغام جو آج ہم نے سنا ہے اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا، دونوں کا ماخذ و منبع ایک معلوم ہوتا ہے"۔

اس کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا، تم یہاں سے جا سکتے ہو، میں ان مہرووفا اور صدق وصفا کے پیکر احباب کو تمھارے حوالے ہرگز نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے کہا، اگر یہ حکمرانی آڑے نہ آتی تو میں خود مدینہ منورہ پہنچ کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوتے اٹھانے کی سعادت حاصل کرتا۔ (معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۴۲۸-۴۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حبشہ سے مدینہ:۔ حبشہ کے حکمراں نجاشی نے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ عمرو بن امیر الخمری کے ہمراہ سولہ افراد کو دو کشتیوں میں سوار کیا جن میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح خیبر کے دن شاہ امم سلطان مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، یہ اسی روز سیدھے حبشہ سے خیبر پہنچے تھے، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انھیں دیکھا تو شفقت بھرے انداز میں دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کو چوما اور محبت بھرے انداز میں یہ ارشاد فرمایا: "معلوم نہیں مجھے آج فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے کی"۔ (استیعاب، ج:۱، ص:۳۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

شہادت عظمیٰ:۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آگیا۔

چنانچہ جمادی الاولیٰ ۸ ہجری کو شاہ امم رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ شاہ روم ہرقل کے گورنر شرحبیل بن عمرو العسانی نے دربار رسالت کے سفیر حارث بن عمر کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا ہے۔ تو یہ خبر سن کر رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑا دلی رنج ہوا، آپ نے تین ہزار مجاہدین کے لشکر کو تیار کیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ تمھیں اس مقام پر پہنچنا ہو گا، جہاں ہمارے سفیر کو قتل کیا گیا ہے، وہاں یاد رکھنا اگر میدان کارزار میں زید بن حارثہ شہید

ہو جائے تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوگا اور اگر یہ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ امیر لشکر کے فرائض سر انجام دیں گے اور اس کی شہادت کے بعد مجاہدین اپنی صوابدید کے ساتھ جس کو چاہیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔

یہ لشکر شام کے سرحد علاقہ بلقاء میں پہنچا اور موتہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا، اب مقابلہ صرف تین ہزار کا دو لاکھ کے جم غفیر کے ساتھ تھا۔ دشمن کی زیادہ تعداد دیکھ کر مجاہدین گھبرائے نہیں، بلکہ جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت میں مزید اضافہ ہوا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں، میدان کارزار گرم ہوا، تلواروں کی جھنکار سے فضا گونج اٹھی لشکر اسلام کے جرنیل حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر لشکر اسلام کا جھنڈا تھام لیا۔ رومی فوج کی طرف سے حملہ بہت شدید تھا۔ ایک ناہنجار فوجی نے ان کے دائیں ہاتھ پر تلوار کا زوردار وار کیا، جس سے ہاتھ کٹ کر دور جا گرا، انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ سے تھام لیا، اس نے بائیں ہاتھ پر کاری ضرب لگائی وہ بھی کٹ گیا، کٹے ہوئے بازوؤں کے سہارے جھنڈے کو گرنے نہیں دیا، یہاں تک کہ ایک رومی نے آپ کے سر پر پورے زور سے تلوار کا وار کیا، جس سے آپ کا جسم دو حصوں میں کٹ کر گر گیا۔ اور آپ دار فانی کو الوداع کر کے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ (استیعاب، ج:۱، ص:۳۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حزن وملال:۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”ایک روز میں اپنے گھر کے آنگن میں اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر بیٹھی ہی تھی کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میرے بچوں کو گود میں لے کر بہت افسردگی کا اظہار فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں، میں نے گھبراہٹ کے انداز میں پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! خیر تو ہے کیا آپ کو کوئی غم ناک خبر پہنچی ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں جعفر راہ خدا میں شہید ہو گیا ہے، یہ خبر سن کر مجھ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور میں زار و قطار رونے لگی۔ آپ یہ خبر دے کر افسردگی کے عالم میں اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنے اہل خانہ کو حکم دیا کہ آل جعفر کے لئے کھانا تیار کرو۔

میری دل جوئی کے لئے مدینے کے خواتین میرے گھر آئیں اور تسلی دیں، اور رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری حوصلہ افزائی کے لئے بتایا کہ جعفر کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت میں بہت بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ اور کمال کی بات تو یہ تھی کہ سارے زخم سینے کی جانب تھے، پیٹھ پر کوئی زخم نہیں کھایا، سینے پر زخم کھانا واقعی بہادری کی بات ہوتی ہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غم میں ڈوب کر فی البدیہ اشعار کہے جو مرتبۂ شاعری میں بڑے اہم دکھائی دیتے ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے۔

واہ واہ جنت اور اس کا قرب صاف ستھرا اور ٹھنڈا مشروب رومیوں کے لئے عذاب قریب آچکا ہے۔ یہ کافر حسب ونسب میں دور از شرافت ہیں۔ مجھ پر فرض ہے کہ جب ان سے ملوں تو ان کی گردنیں اڑاتا چلا جاؤں۔

شہادت کے وقت حضرت جعفر ابن ابی طالب کی عمر تقریباً اکتالیس سال تھی۔ (ایضاً)

ازدواج واولاد: بیویوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی۔ آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے تھے، (۱) عبداللہ (۲) محمد (۳) عوف، ان میں صرف عبداللہ سے نسل چلی۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۳۶)

من
أهل الفتوى

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:...

محمد داؤد کمال عزیز مصباحی، جماعت: تحقیق فی الفقہ 8601207097

اسم گرامی: براء، **کنیت:** ابوعُمارہ، **والد گرامی:** حضرت عازب بن حارث (رضی اللہ عنہ)

سلسلۂ نسب: براء بن عازب بن حارث بن عدی ن جُشَم بن مَجدَعہ بن حارثہ بن حارث بن عمرو بن مالک بن اوس انصاری اوسی۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۲۰۵ عزالدین بن اثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

لقب: آپ کا چہرہ کافی روشن وبارونق تھا جس کی وجہ سے آپ کا لقب "ذوالغرّہ" یعنی روشن پیشانی والا" ہوا۔

(اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۲، ص ۳۶۲، علامہ علاء الدین مغلطای حنفی ناشر الفارق الحدیثیہ للطباعۃ والنشر)

ولادت: حتی الوسع کوششوں کے باوجود آپ کی تاریخ ولادت دستیاب نہیں ہوسکی۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد ماجد حضرت عازب بن حارث رضی اللہ عنہ کا شمار کبار انصار میں سے ہوتا ہے۔

(تہذیب سیر اعلام النبلاج:۱، ص:۹۵، امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، بیروت مؤسسۃ الرسالۃ)

آپ کے والد گرامی اور آپ کے ماموں حضرت ابوبردہ ہجرت نبوی سے قبل ہی اسلام کی دولت سے مالامال ہو چکے تھے لہٰذا آپ انھیں حضرات کے زیر سایہ اسلام سے شرف یاب ہو کر اسلامی تعلیمات و احکامات کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہجرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ہی آپ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور کئی سورتیں یاد کرلی تھیں۔ (مشاہیر حدیث ص:۱۴۶، مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی کتب خانہ امجدیہ)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: آپ نوعمری ہی کے ایام سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے وابستہ ہوئے تھے جس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہوتا ہے جس سے آپ کے حالات پر لکھی گئی کوئی بھی کتاب خالی نہیں ملتی۔ وہ واقعہ یہ ہے:

ہجرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی جب کچھ شر پسند عناصر کی سرگرمیاں ختم ہوتی نظر نہیں آئیں تو ان کی بیخ کنی کے لیے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طاقت ور اور جاں باز مسلمانوں کا ایک لشکر جمع کرنا شروع فرمایا۔ اس مہم میں اسلام کے نام پر اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے مستعد افراد میں سے کچھ اصحاب کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کم سنی کے باعث واپس کردیا انھیں صغیر السن افراد میں سے ایک آپ بھی تھے اور آپ کے ساتھ ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت رافع بن خدیج، حضرت اسید بن ظہیر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عمیر بن وقاص رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ لیکن بعد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمیر

بن وقاص رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام میں شامل فرمالیا۔ پھر جب جنگ ہوئی تو وہ نہایت ہی بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمالیے۔ تاریخ کے صفحات میں یہ جنگ "جنگ بدر" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص:۸۰،۸۱، ابو عمر یوسف بن عبداللہ قرطبی، دار الأعلام، اردن)

"اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" میں ہے:

"إن البراء بن عازب، قال: سافرت مع النبي، صلى الله عليه و سلم، ثمانية عشر سفرا، فلم أره يترك ركعتين، عند رفع الشمس، قبل الظهر."

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفاقت میں اٹھارہ اسفار کیے لیکن کبھی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظہر سے قبل سورج بلند ہونے کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا ترک فرماتے نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری، اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج۲: ص:۳۶۱/۳۶۲)

غزوات و سرایا میں شرکت: آپ کا پہلا غزوہ "احد" ہے۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ چودہ جنگیں کیں۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج۱، ص۲۰۵)

"تہذیب سیر اعلام النبلا" میں ہے:

وروى ابو اسحق عن البراء، قال: "غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس عشرة غزوة."

ترجمہ: حضرت ابو اسحٰق نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ پندرہ جنگیں کیں۔ (تہذیب سیر اعلام النبلا، ج۱، ص۹۵، امام شمس الدین ذہبی)

علاوہ ازیں آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں بھی شریک رہے۔ ۲۴ھ میں خود آپ نے اپنی سرکردگی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے "ری" کو فتح کیا۔ نیز حضرت ابو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ "جنگ تُستَر" میں بھی شرکت فرمایا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

خدمت حدیث: آپ کی مسند میں تین سو پانچ احادیث ہیں جن میں سے بائیس حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ (تہذیب سیر اعلام النبلا ج:۱، ص:۹۵)

آپ مستقل طور پر بارگاہ رسالت میں حاضر نہیں رہ پاتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی کچھ مرویات دوسرے صحابہ سے بھی ہیں جب کہ کچھ براہ راست حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ جن صحابہ سے روایت کیا ہے ان میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ایوب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام سرفہرست ہے۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں سے حضرت عبداللہ بن یزید، حضرت ابو جُحیفہ، حضرت ابن ابی لیلی، حضرت عدی بن اسحٰق، حضرت معاویہ بن سوید اور حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے نامور محدثین شامل ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج:۱، ص:۲۱۶)

آپ کی بعض مرویات درج ذیل ہیں:

(۱)”عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: ”امرنا النبی ﷺ بسبع، و نهانا عن سبع: امرنا باتباع الجنائز، و عيادة المريض، و إجابة الداعي، و نصر المظلوم، و إبرار القسم، و ردّ السلام، و تشميت العاطس، و نهانا عن أنية الفضة، و خاتم الذهب، و الحرير، و الديباج، و القسّي، و الاستبرق.“ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا: ہمیں حکم دیا کہ ہم جنازہ کے پیچھے چلیں، مریض کی عیادت کریں، پکارنے والے کو جواب دیں، مظلوم کی مدد کریں، قسم پوری کریں، سلام کا جواب دیں اور چھینکنے والے کا جواب دیں۔ اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم چاندی کے برتن، سونے کی انگوٹھی، ریشم، دیباج، قسی اور استبرق کا استعمال کریں۔

(۲)عن البراء بن عازب قال: کان النبی ﷺ اذا کبّر، رفع یدیہ حتی نری ابھامیہ قریبا من أذنیہ۔“ (مسند الامام احمد بن حنبل، ج:۳۰، ص:۶۳۱)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپنے فرمایا: نبی کریم ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے کہ ہم ان کے انگوٹھوں کو کانوں کے قریب دیکھتے۔

(۳)عن البراء بن عازب، قال: قال رسول الله ﷺ: ”زينوا القرآن بأصواتكم.“ (ایضًا، ص:۶۳۶)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا: رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو۔“

(٤)عن البراء بن، قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: ”أحقّ من صليتم عليه أطفالكم.“ (شرح معاني الآثار، باب الطفل يموت أيصلى عليه أم لا؟)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مُردوں میں سے تمھارے بچے زیادہ حقدار ہیں کہ تم ان کی نماز جنازہ پڑھو۔

وصال: آپ بہت بڑے فقیہ تھے۔ آپ کا شمار فضلاے صحابہ میں ہوتا ہے۔ ۷۲ھ میں سرزمین کوفہ میں آپ کا وصال ہوا جب کہ آپ کی عمر اسی سال سے کچھ زیادہ تھی۔ (تہذیب سیر اعلام النبلا، ص:۹۵، ج:۱)

ماخذو مراجع

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، عزالدین بن اثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، علامہ علاءالدین مغلطاي، الفارق الحدیثیہ للطباعۃ والنشر
تہذیب سیر اعلام النبلا–امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب–ابوعمر یوسف بن عبداللہ قرطبی، دار الاعلام، اُردن
تہذیب التہذیب–علامہ ابن حجر عسقلانی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

من أهل الفتوى

حضرت قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۔۔۔۔

محمد کوثر رضا قادری، شراوستی، جماعت: سادسہ Mob. 9984769974

اسم گرامی: قرظہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۳۸۰)

سلسلۂ نسب: قرظہ بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو بن کعب بن اطنابہ انصاری۔

ابونعیم نے اس طرح بھی بیان کیا ہے: قرظہ بن کعب بن عمرو بن عامر بن زید مناۃ بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج۔ ابن کلبی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (ایضًا، ج:۴، ص:۳۸۰)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جنگ جو صحابی تھے، آپ نے کئی جنگوں میں شرکت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمار بن یاسر کے ساتھ جن دس افراد کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تھا، ان میں آپ بھی تھے، انھیں کے دور خلافت ۲۳ھ میں آپ نے "رے" کا عظیم الشان قلعہ فتح کیا۔ (ملخصًا ایضا، ج:۴، ص:۳۸۰)

حضرت علی کے ساتھ جمل وصفین میں بھی شریک رہے، ساتھ ہی میدان اجتہاد میں بھی آپ کی شخصیت مسلم رہی۔ جیسا کہ زکریا بن زائدہ سے روایت ہے کہ عامر بن سعید نے فرمایا: میں حضرت ابو مسعود، قرظہ بن کعب اور ثابت بن یزید کی بارگاہ میں حاضر ہوا، دیکھا وہ سب اپنی خوشیوں میں مصروف ہیں، نغمہ سنجیاں ہو رہی ہیں، میں نے کہا حضور سنیے تو یہی یہ سب کیا ہو رہا ہے جب کہ آپ حضرات محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرس میں نغمہ سنجی کرنے اور میت پر بلا نوحہ رونے کی اجازت دی ہے۔ (ملخصًا ایضا، ج:۴، ص:۳۸۰)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی جنگوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رہے اور انھیں کے دور خلافت میں دار الحکومت کوفہ میں وصال فرمایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی امارت میں کوفہ میں وصال ہوا، جو حضرت امیر معاویہ کا اوائل زمانہ تھا جب کہ پہلا قول ہی صحیح ترین ہے۔ (ایضًا، ج:۴، ص:۳۸۰-۳۸۱)

من أهل الفتوى

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۳۵ھ

محمد نسیم احمد، ویشالی، جماعت: سادسہ 9005667010

نام: مقداد، **کنیت:** ابوالاسود، ابو معبد، **لقب:** فارس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

والد گرامی: عمرو بن ثعلبہ۔

سلسلۂ نسب: مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بہرائی ثم کندی ثم زہری۔

ولادت باسعادت: مقام حضر موت کے قبیلہ "کندہ" میں آپ کی ولادت ہوئی۔ تاریخ ولادت نہ مل سکی۔

(تہذیب الاسماو اللغات، ج:۱، ص:۵۰۴، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

قبول اسلام: حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایام جوانی میں اسلام قبول کیا اور اولین مسلمانوں میں سے تھے۔

(ایضاً، ج۱، ص۵۰۴، ناشر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ہجرت حبشہ و مدینہ: مکہ میں جب ظلم وستم کی مسلمانوں کے اوپر انتہا ہوگئی تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی۔ آپ ہجرت حبشہ کے دوسرے گروہ میں شامل تھے، پھر مکہ لوٹ آئے، اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ آپ نے بھی مدینہ کا رخت سفر باندھا، جب مدینہ پہنچے تو بے سروسامانی کے عالم میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقد مواخات کے درمیان آپ کو حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنادیا، اسی لیے آپ کو "ھاجر الھجرتین" بھی کہا جاتا ہے۔ (ایضاً)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت: یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ محب اپنے محبوب کی رضا کی خاطر ہر تکلیف گوارا کرلیتا ہے، اس راہ میں ہر خوار کو پھول تصور کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت مدینہ کے بعد خود کو آزاد محسوس کیا اور کفار و مشرکین کے ظلم و بربریت سے نجات پائی تو آپ نے اعلاے کلمۃ اللہ اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے مشن کی تکمیل میں ایسے کارنامے انجام دیے جس سے سرکار مدینہ سرور قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپ کو دعاے خیر سے نوازا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بدر کے لیے روانہ ہوئے تو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلے کو بچانے کے لیے مکہ سے روانہ ہوچکے ہیں۔ لہذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے یکے بعد دیگرے اپنے خیالات کا اظہار کیا، ان کے بعد حضرت مقداد بن اسود اٹھے اور کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! خدا کی طرف

سے آپ کو جو حکم ملا ہے بلا تامل اس پر عمل فرمائیے۔ بخدا ہماری طرف سے ویسا جواب نہ دیا جائے گا جیساکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے دیا تھا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بناکر بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں برک غماد کو لے چلیں تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے اورآپ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ آپ فائز المرام ہوجائیں، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنی تو تحسین فرمائی اور دعائے خیر سے نوازا۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۵۶۴، مطبع رضا اکیڈمی)

غزوات میں شرکت: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ بدر سمیت تمام اہم غزوات میں شرکت کی، غزوۂ بدر میں آپ نے نہایت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ غزوۂ احد میں ان لوگوں میں شامل تھے جو میدان جنگ سے فرار نہ ہوئے تھے۔ ۸ھ میں فتح مکہ میں بھی حاضر تھے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کا مقام: حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے سات وزیر و نجیب ہوتے ہیں، مجھے چودہ ایسے رفیق دیے گئے ہیں۔ جنکے اسماء درج ذیل ہیں:

حمزہ، جعفر، ابوبکر، عمر، علی، حسن، حسین، ابن مسعود، سلمان، عمار، حذیفہ، ابوذر، مقداد اور بلال رضی اللہ عنہم۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ سے بے پناہ محبت تھی جس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جس کو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

"رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے خدا نے چار لوگوں سے محبت کرنے کا حکم دیا اور خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہ خوش نصیب لوگ کون ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: علی، ابوذر، مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہم۔ (سنن ابن ماجہ، ص ۱۴،)

نکاح: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح زبیر بن عبد المطلب کی بیٹی سے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن کا "ضباعہ" سے ہوا، جو خود بھی اولین مسلمات سابقین اولین سے تھیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج۶، ص۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اوصاف کریمہ: آپ طویل القامت، خوب رو، خوش رنگ، گھنے بال والے، لحیم شحیم، کشادہ آنکھوں والے، ملے ہوئے ابرو والے، حسین وجمیل، ماہر شہسوار اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشہور و معروف تیر انداز صحابہ میں سے تھے۔

اسلام کی سربلندی کے لیے سب سے پہلے آپ نے گھوڑ سواری کی، آپ شریف النفس اور کریم الطبع انسان تھے، جہاد کی دعوت پر فوراً لبیک کہتے، ضعیف العمری کے عالم میں بھی یہی حالت رہی اور اس میں کوئی کوتاہی نہ برتی۔

وفات: آپ کی وفات ۳۵ھ خلافت عثمانیہ کے دور میں ہوئی، وفات کے وقت عمر مبارک ۷۰ر سال تھی، خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۵۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت ابوسنابل بن بعکک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۔۔۔۔

غلام سرور قادری، بانکا، جماعت: سادسہ Mob.8853352560

نام و نسب: نام ابوسنابل اور ایک روایت میں ”عمرو“ ہے۔ والد کا نام بعکک، والدہ کا نام عمرہ تھا۔ آپ کی ولادت و وفات کی تاریخ اور حیات و خدمات مجھے نہ مل سکی۔ نسب نامہ کے متعلق دو روایتیں ہیں: روایت اول کے مطابق آپ کا نسب نامہ یہ ہے: ابوسنابل بن بعکک بن حجاج بن حارث بن سباق بن عبد الدار۔ روایت ثانی کے مطابق آپ کا نسب نامہ یہ ہے: سنابل بن بعکک بن حارث بن عمیلہ بن سباق۔

آپ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ مولفۃ القلوب سے تھے اور شاعر تھے، کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

(اسد الغابہ، ج:۶، ص:۱۵۲۔ ۱۵۳، علامہ عزالدین ابن أثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طباعت ثانی: ۲۰۰۳ء۔ ۱۴۲۴ھ)

مرویات: آپ کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے، ان میں سے دو روایت یہ ہیں۔ حدثنا احمد بن منیع حدثنا الحسن بن موسی حدثنا شیبان عن منصور نحوہ.و فی الباب: عن أم سلمة،حديث أبي السنابل حديث مشهور،غر يب من هذا الوجه،و لا نعرف للاسود شيئًا،عن أبي السنابل و سمعت محمدا يقول: لا أعرف أن أبا السنابل عاش بعد النّبي صلى الله عليه و سلم و العمل علىٰ هذا عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وغيرهم أن الحامل المتوفى عنها زوجها إذا وضعت فقد حل لها التزو يج و إن لم تكن انقضت عدتها و هو قول سفيان الثوري و الشافعي وأحمد وإسحٰق و قال بعض أهل العلم من أصحاب النبی صلى الله عليه و سلم و غيرهم تعتد اٰخر الاجلين و القول الاول أصح.

(جامع ترمذی، ج:۱، ص:۱۴۳، امام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی علیہ الرحمۃ، ناشر: مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ: اکثر علما کا یہ قول ہے کہ حاملہ عورت کا خاوند اگر فوت ہو جائے تو وہ وضع حمل کے بعد نکاح کر سکتی ہے اگر چہ اس کی عدت کے دن پورے نہ ہوئے ہوں۔ سفیان ثوری، احمد، شافعی و اسحاق کا یہ قول ہے اور بعض صحابہ اور دیگر اہل علم سے منقول ہے کہ وہ ابعد اجلین پر عمل کرے گی یعنی جو عدت بعد میں پوری ہوگی اس پر عمل پیرا ہوگی، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل سے پوری ہوجاتی ہے۔

"حدثنا احمد بن منيع حدثنا حسين بن محمد حدثنا شيبان عن منصور عن إبراهيم عن الاسود عبن ابى السنابل بن بعكك قال: وضعت سبيعة بعد وفات زوجها بثلٰثة وعشرين يوماً أو خمسة وعشرين يوماً فلما تعلت تشوفت للنكاح فانكر عليها ذٰلك فذكر ذٰلك للنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إن تفعل فقد حل أجلها". (ایضًا،ج:۱،ص:۴۳۱)

ترجمہ: ہم سے احمد بن منیع نے حدیث بیان کی، یہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسین بن محمد نے حدیث بیان کی، یہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شیبان نے حدیث بیان کی، وہ منصور سے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے وہ ابوسنابل بن بعکک سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسنابل نے فرمایا کہ سبیعہ نے اپنے شوہر کے وفات کے ۲۳/ دن یا ۲۵/ دن کے بعد بچہ جنا، پس جب وہ نفاس سے پاک ہوگئی تو اس نے نکاح کا شوق ظاہر کیا، لیکن اس کے شوق کو ناپسند کیا گیا، پس اس کا ذکر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا گیا تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر وہ ایسا کرلیتی تو کوئی حرج نہ تھا کہ وہ اپنی مدت کو پہنچ جانے کی وجہ سے حلال ہوگئی تھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو ان کے فیضان سے مالامال فرمائے۔ آمین۔

من أهل الفتوى

حضرت جارود عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ھ

نازش رضا نوری، مدھوبنی، جماعت: سادسہ ۷۲۳۶۹۶۶۱۸۳

اسم گرامی: بشر، **کنیت:** ابومنذر، **لقب:** جارود، **والد کا نام:** عمرو، **والدہ کا نام:** دریمکہ بن رویم۔
نسب نامہ: جارود بن عمرو بن معلی عبدی۔
ان کی ولادت کی تاریخ مجھے نہ مل سکی۔
ان کے لقب کے بارے میں دو قول ہیں: قول اول یہ ہے کہ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا اور انھیں گرفتار کر کے مجرد (برہنہ) کر دیا تھا اس لیے ان کا لقب جارود ہو گیا۔ اسی واقعہ کو شاعر نے بطور نمونہ اس طرح بیان کیا ہے۔

قدسناهم بالخيل من كل جانب كما جرد الجارود بكر بن وائل

ہم نے ہر طرف سے دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعہ روند ڈالا جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کیا تھا۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۱، ص:۵۵۲، حافظ احمد بن علی حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طباعت ثانیہ ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۲ء)

قول ثانی یہ ہے کہ عبد قیس کے شہر میں ایک مرتبہ قحط سالی آگئی تو جارود اپنے اونٹوں کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں یعنی قبیلۂ قدید بن شیبان چلے گئے۔ اس وقت ان کے ماموں کے اونٹ خارش زدہ تھے، تو لوگوں نے کہا: "جر دھم بشبر" انھیں ایک بالشت دور رکھو۔ اس لیے ان کا لقب جارود پڑ گیا۔ (الاصابہ، ج:۱، ص:۵۵۳)

خاندان: آپ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں شرافت کا سرچشمہ اور عبد قیس کا سردار تھا، اس لیے تمام لوگوں کے نزدیک مکرم و معزز خاندان شمار ہوتا تھا۔

اسلام: جارود مذہباً عیسائی تھے اور ان کا شمار قبیلے کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ ایمان سے شرف یاب ہونے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ قبیلۂ عبد قیس کے ساتھ ۱۰ھ میں حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگر میں اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین میں داخل ہو جاؤں تو کیا آپ یا س بات کی ضمانت لیتے ہیں کہ اللہ مجھے عذاب نہیں دے گا؟ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "نعم أنا ضامن أن قد هداك الله إلى ما هو خير منه" ہاں، میں تمھارا ضامن ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھارے دین سے بہتر

دین کی طرف ہدایت دی۔ اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود نے اسلام قبول کیا اور ان کے ساتھی بھی مشرف باسلام ہوئے۔ نبی کریم ﷺ ان کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے اور ان کی بڑی عزت و تکریم کی۔ قبول اسلام کے بعد اپنے وطن لوٹنے کا قصد کیا اور حضور ﷺ سے سواری طلب کی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "و الله ! ما عندی ما أحملك علیه" میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر تم لوگ سوار ہو سکو۔ پھر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! راستے میں ہمیں بہت سی سواریاں ملیں گی تو کیا اس پر سوار ہو سکتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا إیّاك و إیّاها، فإنما تلك النار" نہیں! اس سے بچو بے شک وہ جہنم کی آگ ہے۔ غرض کہ جارود خلعت اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۳، ص:۵۷۶، ۵۷۵، علامہ ابو محمد عبد الملک بن ہشام، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض)

علم و فضل: حضرت جارود رضی اللہ عنہ کا دامن علم و فضل کے رنگارنگ پھولوں سے مالا مال تھا، مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ میدان علم میں بلند مقام پر فائز تھے۔ تفسیر، ادب و طب وغیرہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

شاعر: عرب مجموعی حیثیت سے علم و فن سے بے گانہ تھے، لیکن بعض فطری اور کسبی علوم سے وہ واقفیت رکھتے تھے۔ شاعری اور خطابت کا ان میں فطری ملکہ تھا۔ لیکن ان کا اصل فن شاعری تھا۔ عرب کی اصل شاعری جاہلیت ہی کے دور کی تھی اور وہی زمانے میں شعر و سخن کا معیار مانی گئی۔ حضرت جارود رضی اللہ عنہ انھیں شعرائے ادب میں سے ایک تھے۔ قبول اسلام کے بعد انھوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اظہار عقیدت کے لیے یہ اشعار پیش کیے:

شهدت بأن الله حق و سامعت　　　بنات فوادی الشهادة و النهض

میں نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا۔

فأبلغ رسول الله أنی رسالة　　　بأنی حنیف حیث کنت من الأرض

میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصہ پر بھی رہوں گا موحد رہوں گا۔

فإن لم تکن داری یثرب فیکم　　　فإنی لکم عند الأقامة و الخفض

تو اگر آپ کے شہر مدینہ میں میرا گھر نہ ہو سکے پھر بھی میں عارضی اقامت و سکونت کے وقت آپ کے لیے ہوں۔

(الاصابہ، ج:۱، ص:۵۵۳)

فتنۂ ارتداد: فتنۂ ارتداد میں ان کے قبیلے کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے تھے، لیکن ان کی استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا، چوں کہ سردار قبیلہ تھے، اس لیے انھوں نے حق کی گواہی دی اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور کہا: "أیّها النّاس! إنی أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمدا عبده و رسوله و أکفی من لم یشهد"۔ اے لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور میں اس کے لیے کافی ہوں جو اس کی گواہی نہ دیں۔ اور یہ بھی کہا: "رضینا بدین الله من کل حادث و بالله و الرحمن نرضی به ربا"۔ ہم تمام مصیبت مین بھی دین خدا پر خوش ہیں اور اللہ و رحمن کے رب ہونے پر راضی ہیں۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۳/۴، ص:۵۷۶/۵۷۵)

حق گوئی و بے باکی: حضرت جارود رضی اللہ عنہ کے صحیفہ کمال میں آزادی، جرأت اور اظہار حق میں بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا، اس بارے میں وہ بڑے بڑے خطرات کی بھی پرواہ نہ کرتے اور دنیاوی سود وزیاں کا مطلق خیال نہ فرماتے۔ جس بات کو حق سمجھ لیتے تھے پھر اس کے اظہار میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا۔ حضرت جارود کو اس کا علم ہوا تو وہ وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین! قدامہ شراب پی کر نشے میں مست ہوگئے، میں نے چوں کہ دیکھا کہ ایک حد خدا کی حدود سے معطل ہوتی ہے، لہذا میرے اوپر حق تھا کہ میں آپ کو اس کی اطلاع دوں۔ حضرت عمر نے فرمایا: کوئی گواہ بھی تمھارے ساتھ ہے؟ جارود نے کہا: ابوہریرہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا: میں نے شراب پیتے نہیں دیکھا، ہاں یہ دیکھا کہ نشے کی حالت میں وہ قے کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا: تم نے صاف شہادت نہ دی پھر قدامہ کو لکھا کہ تم بحرین سے چلے آؤ چنانچہ وہ آئے، حضرت جارود نے پھر حضرت عمر سے کہا کہ اس شخص پر حد جاری کیجیے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اب اپنی زبان بند کرو، ورنہ میں تمھیں سزادوں گا، حضرت جارود نے کہا: اے عمر! خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ آپ کے چچا کا بیٹا شراب پیے اور سزا مجھے دیں۔ حضرت ابوہریرہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا: اگر آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو ولید کی بیٹی سے آپ پوچھیے جو قدامہ کی بیوی ہے۔ حضرت عمر نے اس کو بلوا بھیجا اور اس سے پوچھا، اس نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی۔ حضرت عمر نے قدامہ سے کہا کہ اب میں تم پر حد جاری کروں گا۔ قدامہ نے کہا: بالفرض اگر میں پیتا بھی تو جیسا کہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں، تب بھی آپ لوگوں کو میرے اوپر حد جاری کرنے کا اختیار نہ تھا۔ حضرت عمر نے کہا: کیوں؟ قدامہ نے کہا: دیکھیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.

''لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصّالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات۔''

(سورہ مائدہ آیت: ۹۳)

حضرت عمر نے فرمایا: تم نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا اگر تم تقوی کرتے تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیز سے پرہیز رکھتے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگ قدامہ پر حد جاری کرنے کی بابت کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہماری رائے یہ ہے کہ اگر وہ مریض نہیں ہیں تو آپ ان کو سزا دیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کا دروں کے نیچے خدا سے ملنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کی حد میری گردن پر رہ جائے، اچھا ایک پورا درہ میرے پاس لاؤ۔ اس کے بعد حکم دیا کہ قدامہ پر حد جاری کرو۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۳۸۶)

روایت: آپ چوں کہ متاخر الاسلام صحابہ میں سے تھے اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ ایک روایت یہ ہے۔ روی یزید بن عبد اللہ بن الشخیر عن أبی مسلم الذمی عن الجارود قال: قلت أو قال رجل یا رسول اللہ! أللقطة نجدھا؟ قال: أنشدھا و لا تکتم و لا تغیب فإن وجدت ربھا فادفعھا إلیہ و إلا فھو مال اللہ یو تیہ من یشاء. یزید بن عبد اللہ بن شخیر نے ابو مسلم جذمی سے انھوں نے جارود سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

میں نے یا کسی اور شخص نے عرض کی کہ یارسول اللہ !اگر کوئی پڑی ہوئی چیز پائیں تو کیا کریں ؟آپ نے فرمایا:اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرو،اور اس کو نہ چھپاؤ،نہ پوشیدہ رکھو پھر اگر تمھیں اس کا مالک مل جائے تو اس کے حوالہ کر دو ورنہ وہ خدا کا مال ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔اس حدیث کو بشر بن مفضل نے اور ابن علیہ نے اور عبدالوارث نے بھی روایت کیا ہے۔

(اسد الغابہ،ج:۱،ص:۳۹۱/ ۳۹۲)

آپ سے صحابۂ کرام میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابومسلم جذامی و مطرف ابن عبداللہ بن شخیر و زید بن علی وابوالقموص بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے روایت کی۔

شہادت: آپ نے بصرہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سرزمین فارس میں شہادت پائی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ نہاوند میں نعمان بن مقرن کے ہمراہ شہید ہوئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عثمان بن ابی العاص نے جارود کو ایک لشکر کے ہمراہ سرحد فارس پر بھیجا تھا وہیں کسی مقام پر شہید ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلافت عثمان تک باحیات رہے۔(اسد الغابہ،ج:۱،ص:۴۹۹)

من أهل الفتوى

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔ وفات:۔۔۔۔

محمد شبیر رضوی، گڑھوا، جماعت: رابعہ Mob.7607430391

اسم گرامی: آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض "اوس" بتاتے ہیں، بعض سمرہ اور ابن معین سے ایک قول یہ ہے کہ آپ کا نام معیر بن نفیر ہے، ایسے ہی ابن شاہین نے نقل کیا ہے۔

کنیت: ابو محذورہ۔ **لقب:** موذن رسول۔

سلسلۂ نسب: اوس بن معیر بن لوذان بن ربیعہ بن عُریج بن سعد بن جمح القرشی الجمحی۔ فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موذن ہوئے

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۳۲۹، مصنف: عزالدین ابن الاثیر الجزری، طباعت: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ولادت: آپ کی ولادت کے متعلق میں نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا لیکن تاریخ ولادت نہ پائی۔

قبول اسلام: ۸ھ میں آپ مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ کے قبول اسلام کا واقعہ بڑا دل چسپ ہے، آپ کی آواز بڑی دلکش و سریلی تھی، آپ مکہ کے رہنے والے تھے مکہ کے چند مشرکین کے ہمراہ بکریاں چراتے ہوئے ایک وادی سے گزرے۔ ٹھیک اسی وقت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی غزوۂ حنین سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر قافلۂ اسلام نے پڑاو ڈالا نماز ظہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال نے اذان دی، ابو محذورہ کے ساتھیوں نے اذان کی آواز سنی۔ مسلمان تو نہ ہوئے تھے، بس بطور مضحکہ نقل اتارنے لگے۔ ابو محذورہ نے بھی نقل اتاری، آپ کی آواز بے انتہا دلکش تھی آپ کے دوسرے ساتھی خاموشی سے آپ کی آواز سن رہے تھے۔ انداز میں اگرچہ تمسخر تھا مگر آواز میں حلاوت و شیرینی باقی تھی اس لیے غیر سنجیدگی اور مذاق کے باوجود حسن صوت آشکار ہو رہا تھا۔ پھر کیا تھا آپ کی قسمت ہی جاگ اٹھی آپ کی خوبصورت آواز سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سماعت فرمائی آواز پسند آگئی اس لیے حضور نے حضرت علی، حضرت زبیر کو حکم دیا کہ اس اذان دینے والے کو لے کر آئیں وہ پہاڑ کے پیچھے گئے، نوجوانوں کو پکڑا اور انھیں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے کر آگئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان نوجوانوں سے پوچھا: "تم میں سے ابھی ابھی کس نے اذان دی ہے"؟ اب انھیں ندامت و خجالت کا احساس ہوا، ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے کہ وہ تو محض بطور دل لگی اذان کی نقل کر رہے تھے ان تینوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نوجوان سے فرمایا: "تم اذان دو"۔ اس نے اذان شروع کی لیکن وہ آواز نہ تھی جو آپ نے سماعت

فرمائی تھی اب دوسرے کو اشارہ ہوا لیکن یہ آواز بھی خوبصورت نہیں تھی اس کے بعد تیسرے نوجوان کو اشارہ ہوا اور اس کی آواز دلوں میں اتر جانے والی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے ابھی ابھی اذان دی ہے؟ کہنے لگے: "جی ہاں" اب آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ آگے بڑھائے، ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور دعا فرمائی: "اے اللہ! اس بچے میں برکت دے اور اسے اسلام کی ہدایت فرما" اس وقت کا عالم کیا ہوگا جب رسول اللہ ﷺ ان کے سر پر دست مبارک پھیرے ہوں گے اور پھر ان کا نصیبہ بیدار ہو گیا اور وہ کلمہ توحید پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ خوش نصیب نوجوان ابو محذورہ تھے۔

روایت میں ہے کہ وہ اپنے انتقال تک اذان دیتے رہے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی ابن محریز نے یہ خدمت سنبھالی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے موذن منتخب ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں کم و بیش تیس سال تک ان کی اولاد موذن کے فرائض انجام دیتی رہی۔

وفات: ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں ہی وفات پائی وہ مدت العمر مکہ میں سکونت پذیر رہے۔ انھوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔

محبت رسول کا ایک بے مثال نمونہ: ابن محریز نے کہا: میں نے صحابیٔ رسول ابو محذورہ کو دیکھا کہ ان کے سر پر لمبے لمبے بال تھے میں نے پوچھا اے چچا! کیا آپ اپنے بال نہیں کاٹتے؟ تو ابو محذورہ نے کہا اسے ہرگز نہ کاٹوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے مس کیا ہو اور اس میں برکت کی دعا فرمائی ہو۔ (اسد الغابہ، ج:۱، ص:۳۳۰)

مزار مبارک: مزار مبارک کے بارے میں میں نے بہت سی کتابوں میں جانکاری حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔

من أهل الفتوى

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔ وفات:۶۸ھ

محمد کوثر رضا قادری، شراوستی، جماعت: سادسہ Mob. 9984769974

اسم گرامی: آپ کے اسم گرامی میں شدید اختلاف ہے، کہا گیا کہ آپ کا نام خویلد بن عمر یا عمر بن خویلد یا کعب بن عمرو یا ہانی بن عمر ہے۔ (اسد الغابہ، ج:۶، ص:۱۶۱)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، ذی ہوش اور سلیم الطبع انسان تھے، احادیث کریم سے شغف تھا چنانچہ آپ نے حضرت عمرو بن سعید سے کہا: کیا میں آپ کو وہ بات نہ بتاؤں جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کی صبح ارشاد فرمائی پھر یہ حدیث بیان کی "ان مكة حرمها الله و لم يحرمها الناس و لا يحل لإمرئٍ يومن بالله و اليوم الاخر ان يسفك بها دما او يعضل بها شجرة، فان ترخص بقتال رسول الله صلى الله عليه و سلم فيها، فقولوا له: ان الله اذن لرسوله و لم ياذن لك، و انما اذن لى فيها ساعة من النهار. و قد اعادت حرمتها اليوم كحرمتها بالامس وليبلغ الشاهد الغائب". (ایضا، ج:۶، ص:۱۶۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا بنایا اور لوگوں نے اس کو حرمت والا نہیں بنایا، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ مکہ میں خوں ریزیاں کرے یا کوئی درخت توڑے، اب اگر کوئی رسول اعظم کے اس میں قتال کرنے کو رخصت پر محمول کرے تو اس سے کہہ دو، یہ رخصت واجازت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی، تمھارے لیے اس کی اجازت نہیں ہے، حق تو یہ ہے کہ ساعت بھر کے لیے مجھے بھی وہاں قتال کرنے کی اجازت دی گئی مگر پھر اس کی حرمت ویسے لوٹ آئی جیسے کل تھی۔ تو ابو شریح سے کہا گیا کہ عمرو بن سعید نے کیا کہا؟ انھوں جواب دیا کہ انھوں نے کہا: میں اس معاملے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں کہ حرم کسی عاصی یا خوں ریز یا تخریب کار کو پناہ نہیں دیتا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زندگی کے قیمتی لمحات گذار کر ۶۸ھ میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ (ملخصًا ایضًا، ج:۶، ص:۱۶۱)

من أهل الفتوى

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۶۰ ھ

محمد روشن رضا مصباحی، گڑھوا، جماعت: اختصاص فی الفقہ Mob. 8960912180

اسم گرامی: آپ کا اسم گرامی ''نضلہ بن عبید'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

کنیت: آپ کی کنیت ابوبرزہ اسلمی ہے، آپ کی کنیت آپ کے نام پر غالب رہی، آپ کے اسم گرامی سے بہت کم لوگوں کو واقفیت ہے سارے لوگ آپ کو کنیت سے ہی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

سلسلۂ نسب: آپ کے والد گرامی کا نام عبید اللہ بن حارث ہے، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے ''نضلہ بن عبید اللہ بن حارث بن حبال بن ربیعہ بن دِعبل بن انس بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم بن افصی''

ولادت: سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کے سلسلے میں کوئی صراحت نہیں ملتی ہے اور نہ ہی آپ کے ابتدائی حالات اور مکہ شریف میں آپ کی آمد کا تعین کیا جا سکتا ہے، تاہم علامہ ابن سعد نے طبقات الکبری میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ آپ بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں ہی مکہ مکرمہ تشریف لائے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اخلاق، وعادات واطوار سے متاثر ہو کر دست نبوت پر بیعت کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (الطبقات الکبری ج:۴، ص:۴۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

غزوات و سرایا میں شرکت: ہجرت نبوی کے بعد غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ تقریباً تمام غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے (۱) فتح مکہ (۲) غزوہ خیبر (۳) جنگ صفین (۴) خراسان کی فتوحات میں آپ مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ اور غزوات میں بھی آپ کی شرکت ہوئی جن میں آپ نے دشمنان اسلام و باغیان پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف شجاعت مندی و دلیری کا ثبوت دیا چناں چہ ۸ھ میں فتح مکہ کا جو واقعہ پیش آیا، آپ اس میں پیش پیش رہے، اس دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کے بہت لوگوں کو امان کا پروانہ عطا فرمایا لیکن چند معاندین اس سے مستثنیٰ تھے، آپ نے ان کو واجب القتل قرار دیا تھا جن میں ایک عبد اللہ بن خطل تھا، یہ ایسا بد باطن اور خبیث ذہن شخص تھا جس کی عداوت سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی، دین حق اور ہادی برحق علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کی دشمنی اور عداوت کا یہ عالم تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی شان اقدس میں ہجو کے اشعار کہنے کے لیے دو کنیزوں کو مقرر کر رکھا تھا اور انھیں ہجو کے اشعار حفظ کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، وہ بے حیا وفاحشہ عورتیں سر تال کے ساتھ گایا اور بجایا کرتی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد عبد اللہ بن خطل کعبہ شریف کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا کہ اسے بھی امان مل جائے گا لیکن اس کا عناد اور سرکشی اس قدر حد سے

بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی صورت میں پروانۂ امان کا مستحق نہ تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی ہے جو اس ظالم کا سر تن سے جدا کرے؟ اتنا سننا تھا کہ حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی غیرت ایمانی وحمیت دینی کے سبب فوراً آگے بڑھے اور اس ظالم وسرکش کا سر تن سے جدا کر کے واصل نار کر دیا۔

(معرفۃ الصحابۃ ج:۴، ص:۳۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

محمد بن عمرو نے بیان فرمایا: حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے حتی کہ جب حضور علیہ السلام اس دار فانی سے کوچ کر گئے تو حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ چند سالوں تک مدینہ منورہ میں رہے پھر سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ بصرہ کی طرف ہجرت کر گئے اور ان مسلمانوں کے پاس جا کر قیام فرمایا جو وہاں پہلے سے اقامت پذیر تھے، پھر آپ نے وہاں ایک چھوٹے سے گھر کی تعمیر فرمائی، اور ایک زمانے تک وہیں مقیم رہے پھر جب خراسان کی فتوحات شروع ہوئیں تو آپ ان فتوحات میں بھی ایک عظیم مجاہد اور جاں باز سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ جب بصرہ کے حالات سازگار نہ رہے تو آپ کو مجبوراً بصرہ چھوڑ کر مقام ''مرو'' کی طرف ہجرت کرنا پڑی، آپ نے وہاں بھی کچھ دن قیام فرمایا پھر جب بصرہ کے حالات موافق وسازگار ہو گئے تو آپ دوبارہ بصرہ آگئے اور تادم حیات وہیں پر قیام پذیر رہے۔

(اسد الغابہ: ج:۶، ص:۲۹، دار احیاء التراث العربی بیروت)

فضل وکمال: سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو فیضان نبوت سے بہرہ یاب ہونے کا کافی موقع ملا، عرصۂ دراز تک بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اکتساب فیض کی سعادت سے شادکام ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں آپ سے چھیالیس احادیث مروی ہیں، جن میں ۲۷/ احادیث متفق علیہ ہیں۔ ۲/ میں امام بخاری رضی اللہ عنہ اور ۴/ میں امام مسلم رضی اللہ عنہ منفرد ہیں۔ ۱۳/ احادیث دیگر کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

مشاہیر تلامذہ: آپ کو اللہ رب العزت نے ایسے ایسے علوم وفنون سے سرفراز فرمایا تھا جس کا دور حاضر میں تصور ہی نہیں ہے۔ آپ کی بارگاہ عالیہ سے کثیر حضرات نے اکتساب فیض کی سعادت حاصل کی، اور اپنے دور کے امام بن گئے۔ جن میں سرفہرست (۱) ابو عثمان نہدی (۲) ابو منہال ریاحی (۳) ارزق بن قیس (۴) ابوطالوت (۵) ابو العالیہ ریاحی (۶) کنانہ بن نعیم (۷) ابو الوزاع راسبی (۸) ابو السوار عدوی (۹) شریک بن شہاب (۱۰) مغیرہ بن ابی برزہ اسلمی (۱۱) نفیع ابوداؤد الاعمیٰ (۱۲) ابو البختری الطائی (۱۳) عبد اللہ بن مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر (۱۴) ابو الوضئ (۱۵) سعید بن عبد اللہ بن جریر (۱۶) عبد السلام ابن ابی حازم وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے شب وروز کو دیکھا اور ان کی بارگاہ عالیہ سے اکتساب فیض کر کے اپنے مقدر کے ستارے کو عروج بخشا اور اپنے علم سے بے شمار لوگوں کو جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر دین اسلام کی نوری شاہراہ پر لا کر کھڑا کیا۔ اللہ ان کے فیضان سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۱۰، ص:۳۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے متعدّد احادیث مروی ہیں چناں چہ ان میں سے ایک حدیث بطور تبرک یہاں نقل کررہا ہوں۔

قال: أخبرنا حجاج بن نصير، قال حدثنا شداد بن سعيد الراسبي، عن أبي الوزاع و هو جابر بن عمرو عن أبي برزه الأسلمي قال: قلت يا رسول الله مرني بعمل أعمله، قال: أمط الأذى عن الطريق فإنه لك صدقة.

سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیا جائے جس پر میں عمل کرکے اجر و ثواب کا مستحق ہو جاؤں تو آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "أمط الأذى عن الطريق فإنه لك صدقة" یعنی اے ابوبرزہ! تم راستے سے تکلیف دہ شے کو ہٹادیا کرو یہ تمھارے لیے صدقہ ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج:۴، ص:۴۶۷، دار احیاء التراث العربی)

زہد و تقویٰ: حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے ایسے مقام و مرتبہ سے سرفراز فرمایا تھا جس کے سامنے بڑے بڑے رؤسائے عرب اپنی پیشانی ٹیکنا باعث فخر سمجھتے تھے مگر آپ اس منزل پر فائز ہونے کے باوجود زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے اور آپ نے کبھی پر تکلف لباس نہیں پہنا، دنیا و مافیہا سے اس قدر بے نیاز تھے کہ نہ تو خوبصورت کپڑے پسند فرماتے تھے اور نہ ہی کوئی آرائش و زیبائش آپ کو محبوب تھی۔ آپ کس قدر زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عائذ بن عمرو اور آپ کے مابین بہت اچھے تعلقات تھے، دونوں ایک دوسرے سے رضائے الٰہی کے لیے محبت کرتے تھے، مگر ایک ایسا شخص تھا جس کو ان کی دوستی محبوب نہیں تھی، وہ ان کے مابین قطع تعلق کرانے کی غرض سے حضرت عائذ بن عمرو کے پاس گیا اور کہا: کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ لباس، وضع قطع اور سواری میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں؟ آپ ریشمی کپڑے پہنتے ہیں اور گھوڑے کی سواری آپ کو پسند ہے جب کہ ابوبرزہ اسلمی دو گیروے رنگ کے پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں اور گھوڑے کی سواری ان کو قطعاً پسند نہیں ہے، اس نے اپنا زہر اگل دیا مگر عائذ بن عمرو اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے حصول کے لیے محبت کرتے تھے۔ اس لیے آپ اپنا تیور بدل کر فرماتے ہیں: اے وہ شخص! ابوبرزہ اسلمی پر اللہ تعالیٰ رحم و کرم کے پھول برسائے۔ ہم میں کوئی بھی ایسا شخص ہے جو ابوبرزہ کی طرح ہو یعنی ان کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ وہ شخص ان کی بارگاہ سے ناامید ہو کر حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں جاتا ہے اور جانے کے بعد کہتا ہے، آپ کو اس بات کی خبر ہے کہ عائذ بن عمرو ہر معاملے میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ مثلاً آپ گیروے رنگ کے کپڑے زیب تن فرماتے ہیں، اور وہ ریشمی کپڑا پہنتے ہیں، اور آپ گھوڑے کی سواری کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے نزدیک گھوڑے کی سواری سے زیادہ محبوب کوئی سواری نہیں ہے۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ غضب و جلال میں آکر فرماتے ہیں: اے دو دوستوں کے دوستی میں زہر گھولنے والے! اللہ رب العزت عائذ بن عمرو پر رحمت و غفران کی بارش برسائے۔ کیا اس دور میں کوئی ایسا ہے جو عائذ بن عمرو کے ہم پلّہ ہو، دور حاضر میں ان کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ آپ کے باہمی تعلقات اس قدر مضبوط و دیرینہ تھے کہ جب ان

میں سے ایک کی وفات ہوئی تو یہ وصیت کر گئے کہ میری نماز جنازہ میرے دوست کے سوا کوئی دوسرا نہ پڑھائے۔

(الطبقات الکبری، ج:۴، ص:۴۶۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری حیات زاہدانہ و دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر بسر فرمائی، خوف خداوندی آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا، آپ جو فعل بھی انجام دیتے تھے اس کا واحد اور بنیادی مقصد رضائے الہی کا حصول ہوا کرتا، آپ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرتے تھے جس سے حب دنیا کی بو آتی ہو۔

عبادات الہیہ میں انہماک: عبادات خداوندی مثلاً نماز، روزہ، تہجد وغیرہ کے آپ اتنے سخت پابند تھے کہ جتنے بھی مصروفیات و مشاغل ہوں آپ اول وقت میں نماز ادا کرتے اور پوری توجہ و انہماک ذات باری تعالیٰ کی طرف مبذول کر دیتے۔ چناں چہ ارزق بن قیس سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ مقام ''اہواز'' میں دریا کے کنارے پر تھے کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اتنے میں سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو ہانکتے ہوئے تشریف لائے اور نماز عصر میں شامل ہو گئے، آپ کو دیکھ کر ایک شخص نے طنزاً کہا: اس بوڑھے شخص کو دیکھو، اس کا گھوڑا بھاگ چکا تھا، اس نے نماز کی تکمیل فرمائی پھر ایک جانب گھوڑے کو تلاش کرنے کے لیے نکل گیا، کچھ دور جانے کے بعد اس نے گھوڑے کو پالیا۔ پھر واپس تشریف لائے اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر نماز ادا فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے اس شخص کی بات سن کر فرمایا: بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدا ہونے کے بعد اس کے سوا کسی نے مجھے عار نہیں دلائی اور نہ ہی طعنہ دیا، میں عمر دراز آدمی ہوں، میری منزل بہت دور ہے اگر میں گھوڑے کو چھوڑ کر نماز پڑھتا اور دوبارہ اس کو ڈھونڈنے نہ جاتا تو اپنے اہل و عیال کے پاس رات کے تاریک ہونے سے پہلے نہیں پہنچ پاتا، اس لیے گھوڑے کو پکڑ کر نماز پڑھنا میری مجبوری تھی اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا، اور سنو! مجھے بارگاہ رسالت مآب علیہ التحیۃ والثنا میں رہنے کا شرف حاصل ہے میں نے بہت سی آسانیاں اور سہولیات دیکھی ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج:۴، ص:۲۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

آپ فرائض و واجبات کے ساتھ سنن و مستحبات پر بھی کما حقہ عمل پیرا تھے، دن میں فرائض و واجبات کی ادائگی کے ساتھ ضروری و ذاتی مسائل کی گتھیاں سلجھاتے مثلاً اہل و عیال کی ذمہ داری سنبھالتے اور شب کے اخیر حصے میں اٹھ کر اپنی تمام تر توجہات مالک حقیقی کی طرف مبذول کر کے عبادت خداوندی کے لیے کھڑے ہو جاتے، اور آپ کا یہ معمول تھا کہ حتی الامکان اپنا کام خود سے انجام دیتے خصوصاً عبادت کے معاملات میں حتیٰ کہ آپ نے کبھی وضو کے لیے کسی سے پانی مانگنا بھی گوارا نہیں کیا۔ چناں چہ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں ہے:

امام ابن مبارک کا ارشاد ہے وہ حسن بن حکیم ثقفی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنی والدہ سے جو ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خادمہ تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کبر سنی و ضعیف العمری کے باوجود رات کے تہائی حصے میں بیدار ہو کر خود سے پانی لے کر وضو فرماتے اور نماز ادا کرتے، اپنے کسی خادم کو اس رات کی تاریکی میں بیدار کرنا گوارا نہیں کرتے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۱۰، ص:۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مسکین نوازی: اللہ رب العزت نے آپ کو مال و دولت سے بھی سرفراز فرمایا تھا مگر آپ اس نعمت خداوندی سے صرف خود ہی استفادہ نہیں کرتے بلکہ اگر کسی مجبور و فریادرس کی آواز آپ کے کان تک پہنچ جاتی تو آپ مضطرب اور بے چین ہو جاتے جب تک اس مجبور و ناتواں کی فریادرسی و دل جوئی نہ فرمالیتے اس وقت تک آپ کو سکون قلبی حاصل نہ ہوتا۔

آپ کے جود و نوال کا یہ عالم تھا کہ آپ کی بارگاہ میں جو بھی ضرورت مند اپنی ضروریات کی تکمیل کی درخواست کرتا اور کوئی فریاد کرنے والا فریاد کرتا تو آپ بلا توقف بہ قدر استطاعت اس مظلوم کی مدد کرتے پھر وہ غم کا مارا شخص اس قدر فرحت و مسرت سے جھومتا ہوا آپ کے دربار سے واپس جاتا جیسے کہ اسے غم والم کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نور کی شعائیں بکھیرنے والا آفتاب مل گیا ہو۔

الغرض- آپ فیاضی، ایثار و کرم اور جود و سخا کے سیل رواں تھے جس سے آڑے وقتوں میں امت مسلمہ آسودہ ہوئی، اس معاملے میں آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کی ہمسری نہ کر سکا، بے پناہ دولت و ثروت کے باوجود حد درجہ نرم خو، خدا ترس اور حسن خلق کا مظہر اتم تھے۔ آپ سبقت فی الاسلام، شوق علم، جذبۂ جہاد اور فیاضی و ایثار کے عظیم اوصاف سے متّصف تھے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک میں ہے :قال:أخبرنا أحمد بن عبد الله بن یونس، قال:حدثنا معافى بن عمران، قال:حدثنا الحسن إبن حكيم، قال:حدثتنی أمی أنها كانت لأبی برزة جفنة من ثريد غدوة و جفنة عشية للأرامل و اليتامى و المساكين.

حسن بن حکیم کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بڑا پیالہ تھا جس سے آپ ہر صبح و شام یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کو ثرید "عرب کا ایک مرغوب کھانا" تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

(الطبقات الکبری ج:۴، ص:۴۶۸، در الکتب العلمیہ، بیروت)

احترام نبوت: سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصاحبت میں گزاری۔ آپ کی زندگی کا اصل سرمایۂ ناز عشق نبوی کی دولت لازوال تھا، حب رسول کا جذبہ سوز دروں بن کر آپ کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا۔ ذات رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق آپ کا سرمایۂ افتخار تھا، تحفظ ناموس رسالت کی خاطر اپنے وقت کے بڑے بڑے ظالم و جابر حکمرانوں سے آپ مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اس کے اعتراضات کا مسکت و دندان شکن جواب دے کر اس کا پنجۂ استبداد مروڑ دیا۔

ایک دفعہ بصرہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد کو حوض کوثر کے وجود کے بارے میں اشتباہ ہوا تو اس نے لوگوں سے استفسار کیا کہ کوئی شخص حوض کوثر کے تعلق سے میرے ذہن میں وارد ہونے والے اعتراضات کو دفع کر سکتا ہے؟ تو لوگوں نے بصرہ میں مقیم ایک سن رسیدہ، ضعیف العمر صحابی رسول (حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ) کا پتہ بتایا، ابن زیاد نے ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا، وہ صحابی رسول تشریف لائے، ابن زیاد نے تمسخراً کہا: "یہ ہیں تمھارے محمدی" جب صحابی رسول نے اس گستاخ کی بات سنی تو ان کو بڑا قلق ہوا، پر جلال لہجے میں فرمایا: "میں نہیں سمجھتا تھا کہ کبھی ان لوگوں کو دیکھوں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرف صحبت پر عار دلائیں گے" اس کے بعد وہ صحابی رسول عالمانہ جاہ و جلال کے ساتھ ابن زیاد کی مسند پر اس کے برابر

میں بیٹھ گئے، ابن زیاد نے کہا: کیا آپ نے حضور علیہ السلام کو حوض کوثر کے بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: " نعم فمن كذب به فلا أورده الله إياه و لا سقاه الله إياه ثم انطلق مغضبا " ہاں! متعدّد بار میں نے سنا ہے کہ جو شخص حوض کوثر کا انکار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو نہ اس کے قریب پھٹکنے دے گا اور نہ اس سے اس کو سیراب کرے گا، اتنا کہہ کر وہ غصے کی حالت میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

وفات: سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی سنہ وفات کے سلسلے میں چند اقوال ہیں، اسد الغابۃ میں ہے: و مات بالبصرة سنة ستين قبل موت معاوية: و قيل مات سنة أربع و ستين، أخرجه أبو نعيم، و أبو عمر و أبو موسى.

(اسد الغابۃ، ج:۶، ص:۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۰ھ میں سرزمین بصرہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے قبل ہوئی اور ایک قول کے مطابق آپ کی وفات ۶۴ھ میں ہوئی۔ ابو نعیم، ابو عمر و ابو موسی نے اس کی تخریج فرمائی ہے۔

من أهل الفتوى

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت.....وفات ۷۳ ھ

محمد جواہر اشرف، کشن گنج، جماعت: سابعہ ۹۴۷۲۹۰۶۳۳۵

نام: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کنیت: ام عبد اللہ

لقب: ذات النطاقین، اور بعض روایتوں سے ذات النطاق کا لفظ بھی منقول ہے۔

والد گرامی: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ذات النطاقین کی وجہ تسمیہ: اس کے متعلق دو اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ جس رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے لیے روانہ ہو رہے تھے، میں نے ان دونوں کے لیے عمدہ زاد راہ تیار کیا۔ پانی کے لیے ایک مشکیزہ مہیا کیا، جب مجھے تھیلی اور مشکیزہ کو باندھنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مجھے میری نطاق کے سوا کوئی چیز نہیں مل رہی ہے۔ آپ نے مجھے اسی نطاق کو پھاڑ کر کے تھیلی اور مشکیزہ کو باندھنے کا حکم دیا۔ تو میں نے ازار بند کے دو حصے کیے۔ ایک سے تھیلی اور مشکیزہ باندھا اور دوسرے کو نطاق بنایا۔ راوی کا بیان ہے کہ اسی وجہ سے آپ کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔

(سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۷۵، علامہ شمس الدین محمد ذہبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، پہلا ایڈیشن ۱۴۲۵ھ - ۲۰۰۴ء)

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے تازہ اور عمدہ کھانا تیار کر کے غار ثور میں بھیجتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے کھانا تیار کر کے تھیلی میں ڈال دیا۔ اس کو باندھنے کے لیے آپ کو کوئی رسی نہ ملی تو آپ نے اپنا نطاق پھاڑ کر اس سے تھیلی کو باندھا، اسی بنا پر آپ کو ذات النطاقین کا مبارک لقب بارگاہ رسالت سے ملا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۳، علامہ محمد بن سعد ہاشمی بصری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء)

پہلی روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے لیے نکلتے وقت پیش آیا تھا جب کہ دوسری روایت سے یہ بات اجاگر ہوتی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار ثور میں قیام فرما چکے تھے۔ لیکن کتب تواریخ و سیر کے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلی روایت راجح ہے، کیوں کہ اکثر مؤرخین نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال واقعہ کی صورت جو بھی ہو لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بارگاہ رسالت سے جو لقب مرحمت ہوا وہ ان کے عز و شرف پر مہر ثبت تصدیق کر رہا

ہے۔

ولادت باسعادت: ہجرت سے ۲۷/سال قبل مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:، ص:، علامہ عزالدین بن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

پدری نسب نامہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق عبد اللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۸ص:۱۹۶)

مادری نسب نامہ: اس بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے: **قتیلہ بنت عبد العزی بن عبد اسعد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔** دوسری روایت میں نصر بن مالک کی جگہ جابر بن مالک ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۴، ص:۳۴۵، علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

خاندانی پس منظر: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والد شریک بہن، جنتی صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہیں، معزز صحابیہ اور رضائے الٰہی حاصل کرنے والی خاتون سلمٰی بنت اصخر کی پوتی، مشہور وجلیل القدر صحابی عبد اللہ بن زبیر کی ماں، مشہور تیر انداز اور بہادر صحابی عبد الرحمن بن ابی بکر کی باپ شریک بہن اور ابو قحافہ عثمان کی پوتی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کی تین پھوپھیاں ام فروہ، قریبہ اور ام عامر بنات ابی قحافہ صحابیات ہیں۔

قبول اسلام: قبول اسلام کے لحاظ سے حضرت اسماء کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ آپ اسی وقت ایمان لے آئی تھیں جب صرف سترہ نفوس قدسیہ مخفی طور پر ایمان لائے تھے۔ اس طرح آپ کا شمار سابقین اولین میں اٹھارویں نمبر پر ہوتا ہے۔ (ایضًا ج:۴، ص:۳۴۶)

رشتۂ ازدواج: آپ کا نکاح ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں ہی صحابیِ رسول زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔

(ایضًا ج:۴، ص:۳۴۵)

ہجرت: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کیا تھا۔ ہجرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر والوں کو بھی مدینہ منورہ بلوا لیا تھا۔ اسی وقت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کیا اور اس وقت حضرت عبد اللہ بن زبیر آپ کے شکم میں پرورش پارہے تھے۔ مدینہ آنے کے بعد قبا میں آپ کے بطن سے حضرت عبد اللہ بن زبیر کی پیدائش ہوئی، آپ کے پیدا ہوتے ہی مہاجرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کیوں کہ ہجرت کے بعد کچھ دنوں تک مہاجرین کے یہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، تو یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی بلکہ بعض یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ ہم لوگوں نے ایسا جادو کر دیا ہے کہ کسی مہاجر کے گھر بچہ ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اس لیے حضرت عبد اللہ بن زبیر کی

پیدائش پر مسلمانوں نے یہودیوں کے دعوے کی تکذیب کا خوب نعرہ لگایا۔(سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۷۵)

اولاد: مؤرخین کی کتابوں میں آپ کی کئی اولاد کا ذکر ملتا ہے جو حسب ذیل ہیں: عبد اللہ، عروہ، منذر، عاصم، مہاجر، خدیجۃ الکبری، ام الحسن اور عائشہ۔(الطبقات الکبری، ج:۸، ص:۱۹۶)

طلاق: حضرت زبیر بن عوام نے حضرت اسماء کو طلاق دے دی تھی۔ طلاق دینے کے اسباب وعلل کے حوالے سے دو روایتیں ملتی ہیں، جس کو علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے: "قد إختلفوا في سبب طلاقها فقيل: إنّ عبد الله قال لأبيه: مثلي لا تؤطأ أمه، فطلّقها. وقيل: إن الزبير ضربها فصاحت بإبنها عبد الله فأقبل إليها، فلما راه أبوه قال: أمك طالق ان دخلتَ. فقال عبد الله: أ تجعل أمي عرضة ليمينك؟ فدخل، فخلصها منه، فبانت منه" مؤرخین کا طلاق دینے کے اسباب کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت عبد اللہ بن زبیر نے اپنے والد حضرت زبیر بن عوام سے کہا: "میرے جیسے کی ماں سے وطی نہیں کی جاتی ہے"۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوام نے حضرت اسماء کو طلاق دے دیا۔

جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت زبیر بن عوام نے حضرت اسماء کو مارا تو آپ نے اپنے فرزند عبد اللہ کو پکارا۔ وہ اپنی ماں کی طرف آیا۔ جب ان کے والد حضرت زبیر بن عوام نے انھیں دیکھا تو کہا: اگر تو اندر داخل ہوا تو تیری ماں کو طلاق۔ عبد اللہ نے کہا: آپ میری ماں کو اپنی قسم کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور وہ داخل ہو گیا تو حضرت زبیر بن عوام نے حضرت اسماء کو اپنے سے جدا کر دیا اور حضرت اسماء ان سے جدا ہو گئیں۔(اسد الغابہ، ج:۷، ص:۸)

اوصاف وکمالات: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام اوصاف وکمالات کی جامع تھیں، نیز صحابہ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جن کی چار پشتیں صحابی ہوں مگر صرف گھرانہ صدیق اکبر کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر خود، ان کے والد ابو بکر، ان کے دادا ابی قحافہ اور ان کے بیٹے زبیر سب کے سب صحابی ہیں۔(سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۷۵)

سخاوت: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت اس درجہ بلند تھی کہ سخاوت میں ضرب المثل سمجھی جاتی تھیں۔ مروی ہے کہ جب وہ بیمار ہو جاتیں تو اپنے تمام غلام کو آزاد کر دیتیں۔ ان کی سخاوت بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کوئی سخی خاتون نہیں دیکھی۔ ان دونوں کی سخاوت کا انداز الگ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک چیز کو جمع کرتیں اور دوسری چیز کے ساتھ صدقہ کر دیتیں اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب کوئی چیز بھی میسر آتی اسی وقت صدقہ کر دیتیں، آنے والے کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتیں"۔(سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۷۷)

شجاعت: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت ہی بہادر تھیں، ان کی بہادری کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کے دوران غار ثور میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھانا پہنچانے جاتی تھیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جن کی انجام دہی کے لیے بڑے سے بڑا بہادر بھی اس میں درپیش خطرات اور دہشت کے باعث آمادہ نہ ہوتا، ان کی شجاعت اتنی ہی نہیں تھی بلکہ ان کی مشقت جھیلنے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اس وقت حاملہ بھی تھیں اور رات کی

تاریکی میں کھانے کی اشیا اٹھائے ہوئے پر خطر اور دشوار گزار سفر طے کر کے پہاڑ پر چڑھتی تھیں اور مشرکین کی نظروں سے بچ کر غار ثور تک پہنچ جاتی تھیں۔(ملخصًا سیرت خواتین، ص:۲۵۸، محمد صدیق عطاری قادری، مدنی بکڈپو دہلی، ۲۰۱۳ء)

حق گوئی: حق گوئی آپ کا خاص شعار تھا۔ حجاج بن یوسف جیسے ظالم و جابر کے سامنے وہ جس حقیقت بیانی سے کام لیتی تھیں وہ بجائے خود اپنے آپ ہی نظیر ہے۔ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف حضرت اسماء کے پاس آیا اور آپ کو دیکھتے ہی اس نے کہا: ”تمھارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا۔ اس لیے اللہ تعالی نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا“۔ حضرت اسماء نے بر جستہ جواب دیا کہ تو جھوٹا ہے۔ وہ ملحد نہ تھا بلکہ صائم، پارسا اور شب بیدار تھا۔ اور کہا کہ میں نے سرکار علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ ثقیف میں دو جھوٹا ظاہر ہوگا: ایک ہم دیکھ چکے ہیں اور دوسرا تو ہے۔ (ملخصًا سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۷۸)

متفرق اوصاف: حضرت اسماء کو محنت و مشقت میں بالکل عار نہ تھا۔ چناں چہ جب آپ کا نکاح حضرت زبیر سے ہوا تھا، اس وقت حضرت زبیر کے پاس ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا، اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں خود ہی ان کا خیال کرتی اور چارہ وغیرہ دیتی تھی اور ان کے چارہ کے لیے تین فرلانگ دور سے سر پر گٹھلیاں اٹھا کر لاتی تھیں۔ (ایضًا ج:۳، ص:۳۷۶)

حضرت اسماء فصاحت و بلاغت کے اعلی مرتبہ پر فائز تھیں۔ جس کے ذریعے قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ حضرت اسماء کی شخصیت کا عظیم پہلو یہ بھی تھا کہ آپ خواب کی تعبیر بتانے میں ماہر تھیں۔ (ایضًا ص:۳۷۷)

اہم خدمات: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کئی عظیم خدمات انجام دیں۔ جنھیں تا قیامت فراموش نہیں کیا جائے گا۔ ان کی خدمات کا مختصر تجزیہ حسب ذیل ہے۔

روایت حدیث: حضرت اسماء قادر الکلام تھیں، مختلف علوم و فنون پر مہارت رکھتی تھیں بالخصوص آپ نے علم حدیث میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے ۵۸/ احادیث روایت کیں۔ ان میں سے تیرہ احادیث متفق علیہ ہیں۔ اس کے علاوہ امام بخاری نے ۵/ اور امام مسلم نے ۴/ احادیث انفرادًا روایت کی ہیں۔ باقی احادیث کریمہ کتب سنن میں موجود ہیں۔

(ایضًا ج:۳، ص:۳۷۸)

آپ سے حسب ذیل رُوات نے احادیث روایت کیں۔

عبد اللہ، عروہ، عباد بن عبد اللہ، ابن عباس، محمد بن منکدر، فاطمہ بنت منذر، مطلب بن عبد اللہ بن حنطب، عبد اللہ بن کیسان، ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، عبادہ بن حمزہ بن عبد اللہ، صفیہ بنت شیبہ اور ابونوفل معاویہ بن ابی عقرب وغیرہ۔

جنگ میں شرکت: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے ہمہ تن ہمیشہ کوشاں رہیں۔ آپ نے اپنے فرزند عبد اللہ اور اپنے شوہر زبیر کے ساتھ جنگ یرموک میں شرکت کی۔ آپ جنگ یرموک میں مجاہدین اسلام کو پانی پلاتی تھیں۔

(ایضًا ج:۳، ص:۳۷۵)

تاریخی واقعہ: اگر چہ تاریخ نے حضرت اسماء کے بیشتر واقعات کو بھلا دیا، لیکن ان کی دانشمندی، محتاط طبیعت اور ایمانی

قوت کا وہ مظاہرہ جو انھوں نے اپنے بیٹے سے آخری ملاقات میں کیا تھا وہ آب زر سے ضبط تحریر کرنے کے قابل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنی والدہ حضرت اسماء کی خدمت میں سلام عرض کیا، ماں نے بیٹے کے سلام کا جواب دیا اور کہا: اس نازک گھڑی میں کیسے آنا ہوا؟ بیٹے نے عرض کیا: سب لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور صرف چند جاں نثار میرے ساتھ ہیں وہ بھی تھوڑی ہی دیر ٹھہر سکیں گے۔ اس نازک گھڑی میں بنو امیہ نے یہ پیش کش کی ہے کہ تمھاری ہر خواہش پوری کی جائے گی اس شرط پر کہ عبدالملک بن مروان کی بیعت قبول کر لو۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ ماں نے گرجدار آواز میں کہا: اگر تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہو تو اسی طرح صبر و تحمل سے کام لو جس طرح تمھارے ساتھیوں نے صبر و تحمل کا پیکر بن کر جام شہادت نوش کیا ہے اور اگر تم نے دنیا کو اپنا مقصد بنا لیا تو تم برباد ہو جاؤ گے۔ حضرت عبد اللہ نے جواب دیا: میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مجھے صرف خوف اس بات کا ہے کہ وہ میری لاش کا حلیہ بگاڑ دیں گے۔ والدہ نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا: بیٹا! بکری کو ذبح کرکے اس کے گوشت کو آگ میں ڈالنے سے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ ماں کی یہ جرأت مندانہ باتیں سن کر بیٹے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور کہا کہ آپ سے بالکل یہی توقع تھی۔

وفات: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سو برس کی عمر پائی، آپ نے جمادی الاولی ۷۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ نور اللہ مرقدہ. (اسد الغابہ، ج:۷، ص:۸)

حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت.....وفات ھ

محمد مقبول، چھترپور، جماعت: سابعہ ۸۹۵۳۹۲۹۷۹۵

نام و نسب: ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام غزیلہ تھا، اور ایک قول کے مطابق غزیہ بھی مذکور ہے، آپ کی کنیت ام شریک ہے، آپ کے نسب میں کافی اختلاف ہے، چنانچہ امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ابن کلبی کے مطابق ان کا نسب غزیہ بنت دودان بن عوف بن عمرو بن خالد بن ضباب بن حجیر بن معیص بن عامر ہے، ان کے علاوہ نے عوف بن عمرو کے بعد عامر بن رواحہ بن حجیر نے بیان کیا اور ابن سعد فرماتے ہیں کہ وہ غزیہ بنت جابر بن حکیم ہیں۔
(الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج:۸، ص:۴۱۷، دار الکتب العلمیہ)

وطن و قبول اسلام: آپ کی پیدائش مکہ شریف قبیلہ قریش میں ہوئی اور وہیں آپ نے نشو نما پائی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو جہاں دوسرے خوش نصیبوں نے اسلام قبول کیا وہیں ام شریک بھی اسلام کے دامن سے وابستہ ہوئیں۔(حوالہ مذکورہ)

دعوت و تبلیغ اور اس راہ کی مشقتیں: اکثر اہل ایمان کے مدینہ شریف ہجرت کر جانے کے بعد آپ کے دل میں تبلیغ دین کا شوق پیدا ہوا چنانچہ آپ نے قریش کی عورتوں میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی لیکن ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ'' (پارہ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۳۱) کے تحت اللہ رب العزت نے آپ کا امتحان لینا چاہا چنانچہ قبیلہ قریش کو آپ کے اس معاملے کی خبر لگ گئی۔ انھوں نے آپ کو پکڑ لیا اور مرتد ہونے پر مجبور کرنے لگے، آپ نے بھی ہار نہ مانی اور اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ ان لوگوں نے مجھے ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کر دیا اور تین دن تک چھوڑ دیا، نہ کھانا دیا نہ پانی، تین دن اسی کس مپرسی کے عالم میں گزرنے کے بعد انھوں نے ایک منزل پر پڑاؤ ڈالا، مجھے دھوپ میں کھڑا کر کے خود سائے میں ہوگئے اور یہاں بھی انھوں نے کھانا پانی نہ دیا یہاں تک کہ دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ میں اسی حالت میں تھی کہ مجھے ٹھنڈک محسوس ہوئی پھر وہ مجھ سے دور ہوگئی۔ میں نے آنکھ کھول کے دیکھا تو وہ ایک پانی کا ڈول تھا جو آسمان اور زمین کے درمیان لٹک رہا تھا پھر وہ مجھ سے قریب ہوا تو میں نے اس سے پیا پھر وہ مجھ سے دور ہو گیا پھر دوبارہ مجھ سے قریب ہوا اور میں نے دوبارہ پیا، اسی طرح بار بار قریب ہوتا گیا اور میں بار بار پیتی گئی یہاں تک کہ سیراب ہوگئی، پھر اس کا پانی اپنے اوپر ڈال لیا اور میری حالت اچھی ہوگئی، پھر جب ان لوگوں نے میری یہ حالت دیکھی تو کہنے لگے تو

نے ہمارے مشکیزوں سے پانی لیا، آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے ایسا نہ کیا بلکہ میرے ساتھ ایسا ایسا ہوا اور پوا واقعہ سنا دیا، ان لوگوں نے کہا اگر تو سچی ہے تو تیرا دین ہمارے دین سے اچھا ہے پھر انھوں نے مشکیزوں پر نظر کی تو وہ سب کے سب جوں کے توں تھے پھر کیا تھا تمام لوگ ایمان لے آئے۔ اور اس طرح ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے امتحان میں کامیاب ہوگئیں۔ اس پورے واقعہ کو ابونعیم نے بطریق محمد بن مروان السدی اور ابوموسیٰ نے بطریق ابراہیم بن یونس نقل کیا انھوں نے زیاد سے، زیاد نے اپنے بعض ساتھیوں سے انھوں نے ابن کلبی سے انھوں نے ابوصالح سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کی۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، ج:۸، ص:۴۱۷، ۴۱۸، دار الکتب العلمیہ)

چند حدیثیں: ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں:

(۱) عن أم شريك قالت قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم "يتفرق الناس من الدجال" قالت أم شريك يا رسول الله فأين العرب يومئذ؟ قال "هم قليل" اسے مسلم نے فتن اور ترمذی نے مناقب میں نقل کیا ہے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج:۸، ص:۴۱۹، دار الکتب العلمیۃ)

(۲) عن أم شريك أن النبي صلى الله عليه و سلم أمرها بقتل الأوزاغ. اسے شیخین نے سعید بن مسیب کی روایت سے نقل کیا۔ (حوالہ مذکورہ)

ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر عسقلانی نے فرمایا ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند حدیثیں ان حضرات سے بھی مروی ہیں: جابر بن عبداللہ، سعید بن المسیب، عروۃ بن زبیر اور شہر بن حوسب۔ (تہذیب التہذیب ج:۱۰، ص:۵۲۴)

زوجیت کا شرف: نسائی نے ہشام بن عروہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ یہی ام شریک ہیں جنھیں زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس عورت نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا وہ ام شریک انصاریہ تھیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ ام شریک دوسیہ تھیں۔

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ ام شریک ایک ہی ہیں ہاں نسبت میں اختلاف ہے کہ انصاریہ ہیں، دوسیہ ہیں یا قریشیہ، اور ان تینوں نسبتوں کا اجتماع ممکن ہے وہ اس طرح کہ حقیقت میں وہ قریشیہ ہوں، پھر قبیلہ دوس میں نکاح کر لیا ہو تو دوسیہ ہوگئی ہوں اور اس کے بعد انصار میں نکاح کر لیا ہو تو انصاریہ ہوگئی ہوں یا قبیلہ انصار میں نکاح نہ کیا ہو بلکہ عمومی معنیٰ کے سبب انصاریہ ہوئی ہوں۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج:۸، ص:۴۱۹، ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ)

مذکورہ تین صورتوں میں سے سب سے آخر والی صورت میں کچھ ضعف ہے اس لیے کہ ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ شریف کی تھیں اس لیے نکاح کے ذریعہ تو انصاریہ ہوسکتی ہیں عمومی معنیٰ سے انصاریہ نہ ہوں گی۔ بلکہ عمومی معنیٰ سے تو وہ مہاجر ہوں گی۔

وفات: ہجرت کے چند دن بعد ہی ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دار فانی سے رخصت ہوگئیں۔ إنا لله و إنا اليه راجعون. اللہ رب العزت ان کی قبر پر رحمت و نور کی بارش فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

من أهل الفتوى

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔وفات:۲۰ھ

محمد رضا نوری، مدھوبنی، جماعت: سادسہ Mob.9473096220

اسم گرامی: اسید
والد گرامی: حضیر بن سماک
کنیت: ابو یحییٰ، ابو عتیک، ابو حضیر، ابو عمر
سلسلۂ نسب: اسید بن حضیر بن سماک بن عتیک بن امرء القیس بن زید بن عبد الاشہل انصاری اشہلی۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، مصنف: امام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، ج: اول، ص: ۲۳۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۳ء/ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مصنف: عز الدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، ج: اول، ص: ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۳ء)

ولادت: کافی تلاش وجستجو کے بعد بھی آپ کی تاریخ ولادت نہ مل سکی۔

خاندانی پس منظر: حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضیر قبیلۂ اوس کے سردار تھے، ایام جاہلیت میں اوس و خزرج کے مابین جو لڑائیاں ہوئیں وہ حضیر ہی کے قیادت میں ہوئیں۔ جنگ بعاث (جو تمام لڑائیوں کا نچوڑ تھی) سپہ سالاری کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: اول، ص: ۲۴۰)

قبول اسلام: جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشاعت اسلام کے لیے مدینہ طیبہ بھیجا، تو انھوں نے نہایت جاں فشانی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا اور لوگوں کو قرآن وفقہ کی تعلیم دینے لگے، جس کی وجہ سے انصار کے بیشتر افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انھیں میں سے تھے، آپ نے جنگ احد کے دن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔

(الطبقات الکبریٰ، مصنف: محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری، ج: ثالث، ص: ۴۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء)

غزوات ودیگر حالات: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو مہاجر اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا اسلامی بھائی بنایا۔ غزوۂ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق اور ابن الکلبی نے بدر کی شرکت سے انکار کیا ہے، دیگر حضرات نے ان کی بدر کی شرکت کو تسلیم کیا ہے، احد میں شریک تھے اور سات زخم کھائے تھے، لڑائی کی شدت کے

وقت جب اکثر لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ گئے اور لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت بھی یہ ثابت قدم تھے۔(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:اول، ص:۲۳۵)

غزوۂ خندق میں بھی آپ نے شرکت کیا ہے۔(الطبقات الکبریٰ، ج:اول، ص:۴۵۴)

جب غطفانیوں نے لوٹ مار میں زیادہ سرگرمی دکھائی، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سردار عامر بن طفیل اور زید کو بلا بھیجا، ان دونوں نے بالاتفاق کہا کہ مدینہ کے پھلوں میں حصہ دلوائیے، تو اس کی تدبیر کی جاسکتی ہے، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے تھے، نیزہ سے دونوں کے سر کو ٹھونک کر کہا، لومڑی، راہ فرار اختیار کرلے، عامر کو یہ الفاظ ناگوار گزرے، پوچھا تم کون ہو؟ کہا اسید بن حضیر، سوال کیا، حضیر کتائب کے بیٹے؟ کہا: ہاں! بولا کہ تمھارے باپ تم سے اچھے تھے، آپ نے جواب دیا کبھی نہیں، میں تم سے اور اپنے باپ دونوں سے اچھا ہوں، کیوں کہ وہ کافر تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مصنف: ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی، ج:اول، ص۱۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی:۱۴۲۲ھ ــ ۲۰۰۲ء)

بیعت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بیعت سقیفہ میں نمایاں حصہ لیا، قبیلۂ اوس سے کہا کہ خزرج حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنا کر سیادت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو تم پر ہمیشہ کے لیے تفوق حاصل کرلیں گے اور تم کو خلافت میں کبھی حصہ نہ دیں گے، میرے خیال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کرلینا بہتر ہے، اور مشورہ دے کر سب کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کرلیں، اس کی آمادگی کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت ٹوٹ گئی۔

(الکامل فی التاریخ، مصنف: المؤرخ عزالدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر، ج:ثانی، ص:۱۹۲، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، طبع ثالث:۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۱ء)

وصیت: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کی تھی کہ ان کی جائیداد اپنے ہاتھ میں لے کر ان کا قرض ادا کردیں، حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چار ہزار دینار قرض تھا، آسان صورت تو یہی تھی کہ جائیداد کو فروخت کرکے قرضہ ادا کردیا جاتا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا نہیں کیا، قرض خواہوں کو بلا کر ایک ہزار دینار سالانہ پر راضی کرلیا، اس طرح چار سال میں پھل فروخت کرکے ان کا کل قرضہ ادا کردیا، اور جائیداد صحیح وسالم رہی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو محتاج دیکھنا نہیں چاہتا۔

(تہذیب التہذیب، مصنف: حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی، ج:اول، ص:۳۵۸، دارالفکر، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵ء)

اہل وعیال: آپ کی زوجہ کا وصال عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہی ہو گیا تھا، چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ حج یا عمرہ سے لوگ واپس ہو رہے تھے، ذوالحلیفہ میں انصار کے چند لڑکوں نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان

کی بیوی کے انتقال کی خبر سنائی، انہوں نے رونا شروع کردیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ ایک جلیل القدر صحابی ہو کر ایک عورت کے لیے آنسو بہارہے ہیں، آپ نے رونا بند کردیا، اور کہا آپ سچ کہتی ہیں، ہم کو صرف حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رونا چاہیے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان باتوں کو سنتے رہے۔

(معرفۃ الصحابۃ، ج: ۱، ص: ۲۴۷، مصنف: ابو نعیم الاصبہانی احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن مہران، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۲ء)

لڑکا غالباً ایک ہی تھا، جن کا نام یحیٰ تھا، صحیح بخاری "باب نزول السکینہ عند قراءۃ القرآن" میں ان کا تذکرہ آیا ہے۔

فضل وکمال: آپ کامل العقل اور اہل الرائے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا اکرام فرمایا کرتے تھے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج: اول، ص: ۲۳۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں، حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے بہترین اور برگزیدہ افراد میں شامل تھے۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: اول، ص: ۲۴۱)

آپ کی عظیم الشان خدمات کے سبب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نعم الرجل ابو عبیدۃ بن الجراح، نعم الرجل معاذ بن جبل، نعم الرجل أسید بن حضیر، نعم الرجل معاذ بن جموح"۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل، اسید بن حضیر اور معاذ بن جموح یہ سب بہت اچھے لوگ ہیں۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: اول، ص: ۲۴۳)

فرشتوں کا قراءت سننا: ایک شب قرآن مقدس کی تلاوت فرمارہے تھے، گھوڑا قریب بندھا تھا، وہ بدک گیا، آپ نے پڑھنا بند کردیا، تو گھوڑا بدکنے سے باز آگیا، دوبارہ قرآن کی تلاوت شروع کی تو پھر وہ بدک گیا، آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں پاس لیٹا ہوا بچہ کچل نہ جائے، تیسری مرتبہ باہر نکل کر دیکھا تو آسمان میں ایک سائبان نظر آیا، جس میں چراغ سی روشنی تھی، چوں کہ قراءت ختم ہوچکی تھی اس لیے وہ اوپر چڑھتا ہوا نظروں سے اوجھل ہوگیا، صبح تڑکے اٹھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ ناز میں سارا واقعہ بیان کردیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے تمہاری قراءت سننے آئے تھے، اگر تم صبح تک قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تو لوگ فرشتوں کی جماعت کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: اول، ص: ۲۴۱)

ایک رات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ سے گھر جانے کا قصد کیا، گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی، آپ کے ہاتھ میں عصا تھا، ایک اور صحابی آپ کے ہمراہ تھے، آگے ایک روشنی ساتھ ساتھ چلتی تھی، جب راستہ جدا ہوگیا تو وہ روشنی بھی دونوں کے ساتھ جدا جدا ہوگئی۔ (صحیح بخاری، ج: اول، ص: ۵۳۷، مصنف: امام محمد بن اسمٰعیل بخاری، رضا اکیڈمی، ممبئی)

وفات: ماہ شعبان المعظم ۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آپ کے مکان سے جنازہ اٹھایا، اور جنت البقیع میں لاکر نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: اول، ص: ۲۴۳)

من أهل الفتوى

حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔ وفات:۶۴ھ

محمد ساجد رضا، ایم پی، جماعت: سابعہ Mob. 950699986

اللہ کے رسول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم"۔ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں؛ ان میں سے جس کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد آپ کے اصحاب اس امت مرحومہ کے لیے منارۂ ہدایت ہیں۔ صحابۂ کرام کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی کا نام حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اسم گرامی و سلسلۂ نسب: آپ کا اسم گرامی ضحاک بن قیس، کنیت ابوانیس اور ابوعبدالرحمن ہے اور والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ کنانیہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے:

ضحاک بن قیس بن خالد بن وہب بن ثعلبہ بن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر۔

(تہذیب الکمال، ج:۵، ص:۱۳۰، جمال الدین بن یوسف)

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً ۷ر یا ۸ سال قبل ہوئی۔

(الاصابۃ، ج:۳، ص:۳۸۸، علامہ امام ابن حجر عسقلانی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کے دو گروہ تھے۔ ایک کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔ جیسے: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق وغیرہ۔ اور ایک کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔ جیسے: حضرت انس، حضرت حسنین کریمین وغیرہ۔ علامہ ذہبی نے حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار صغار صحابہ میں کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۴۷۳، شمس الدین محمد بن احمد الذہبی)

صحابیت میں اختلاف: بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت میں اختلاف کیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی سماعت کو بعید جانا ہے۔ حالاں کہ اس میں کوئی بعد نہیں۔ کیوں کہ آپ کی عمر کے سلسلے میں سب سے کم کا جو قول ہے وہ سات سال ہے اور یہ عمر سماعت سے مانع نہیں۔ حضرت امام بخاری نے ان کی صحابیت کا قول کیا ہے۔ اور اپنی کتاب تاریخ کبیر میں ان کے بارے میں فرمایا:"له صحبة" یعنی انھیں آقا کی صحبت حاصل تھی۔

(تاریخ کبیر، ج:۴، ص:۲۷۹، امام بخاری محمد بن اسماعیل)

ذیل میں ہم ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انھیں آقا کی صحبت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت جریر بن حازم سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ ایوب کی دکان میں ہمارے پاس ایک شیخ بیٹھے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو گفتگو کرتے ہوئے سنا، توانھوں نے فرمایا کہ مجھ سے میرے مولیٰ نے حضور ﷺ سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی۔ میں نے پوچھا اس مولیٰ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے کہا قرہ بن دعموص نمیری۔ قرہ بن دعموص نمیری نے کہا میں مدینہ میں حضور ﷺ کے پاس گیا آقاے کریم ﷺ کے ارد گرد لوگ تھے۔ میں نے ان سے قریب ہونے کی کوشش کی لیکن ہو نہیں سکا۔ تو میں نے ندا دی یا رسول اللہ ﷺ! اس نمیری غلام کے لیے دعاے مغفرت فرمائیں۔ آقا نے ارشاد فرمایا: اللہ تیری مغفرت فرمائے۔ قرۃ بن دعموص نمیری کہتے ہیں کہ آقا نے ضحاک بن قیس کو عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ لوٹے، تو عمدہ بڑے بڑے اونٹوں کو لے کر لوٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ہلال بن عامر، نمیر بن عامر اور عامر بن ربیعہ کے پاس گئے اور ان کے مال کا عمدہ اور اچھا حصہ لے آئے۔ حضرت ضحاک نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے سنا، تو میں نے چاہا کہ آپ کے پاس عمدہ اونٹ لے کر آؤں تاکہ آپ اس پر سواری کریں اور اس پر اپنا سامان رکھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بخدا تم جس مال کو چھوڑ آئے ہو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے جو تم لے کر آئے ہو، اسے لوٹا دو اور ان کے دوسرے مال سے لے آؤ۔

(مجمع الزوائد، ج:۳، ص:۲۳۳، باب التعدی فی الصدقہ، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ھیثمی)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ضحاک بن قیس کو آقا کی صحبت حاصل تھی۔

حضرت ضحاک بن قیس نے رسول اللہ ﷺ، حضرت عمر اور حضرت حبیب بن مسلمہ سے روایت کی ہے۔ اور ضحاک سے حضرت امیر معاویہ، تمیم بن طرفہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، سماک بن حرب اور عبد الملک بن عمیر نے روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۴۴۹، علامہ ابن حجر عسقلانی) آپ جنگ صفین میں حاضر تھے اور حضرت امیر معاویہ کی طرف سے تھے۔ حضرت امیر معاویہ نے زیاد کے انتقال کے بعد ۵۳ھ میں کوفہ کا والی مقرر کیا۔ پھر ۵۷ھ میں کوفہ کی ولایت سے معزول کر کے دمشق کا والی بنایا۔ اس کے بعد آپ تاحیات دمشق میں ہی قیام پذیر رہے۔ حضرت امیر معاویہ کے وصال کے بعد یزید پھر اس کے بیٹے معاویہ کے ساتھ رہے۔ معاویہ کے انتقال کے بعد دمشق میں حضرت عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کی۔

حضرت ضحاک بن قیس کا تصلب فی الدین: آپ تصلب فی الدین کی اعلیٰ مثال تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ دمشق میں جلوہ افروز تھے کہ مؤذن نے آکر آپ کو سلام کیا اور کہا میں اللہ کے لیے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کے لیے تم سے نفرت کرتا ہوں۔ اس نے پوچھا ایسا کیوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تم بچوں کو تعلیم دینے پر اجرت لیتے ہو۔

(تاریخ مدینہ دمشق، ج:۲۴، ص:۲۹۰، علامہ ابن عساکر)

آپ کی سخاوت: آپ وصفِ سخاوت سے بھی متّصف تھے۔ ایک مرتبہ آپ ایک چادر زیب تن کیے ہوئے تھے، جس کی قیمت تقریباً ۳۰۰ سو دینار تھی۔ ایک شخص نے آپ سے اس چادر کا مول بھاؤ کیا تو آپ نے اسے وہ چادر ہبہ ہی کر دی۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۳۷۵، شمس الدین محمد بن احمد الذھبی)

وفات: معاویہ بن یزید کے انتقال کے بعد خلافت کے سلسلے میں اختلاف رونما ہوا۔ نعمان بن بشیر والی حمص نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کی طرف لوگوں کو بلایا۔ زفر بن حارث جو قنسرین میں تھے، انھوں نے اور ضحاک بن قیس والیِ دمشق نے بھی عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کی دعوت دی۔

چناں چہ مسلمانوں نے حضرت ابن زبیر کی بیعت کرلی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے حرمین شریفین سے تمام بنی امیہ کو نکلوادیا۔ جب مروان نے یہ صورت حال دیکھی تو عبداللہ ابن زبیر کی بیعت اور بنی امیہ کے لیے ضمان لینے کے ارادے سے چلا، راستے میں عبیداللہ ابن زیاد سے ملاقات ہوئی۔ اس سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ تو عبیداللہ بن زیاد نے کہا: کیا ہی تعجب کی بات ہے۔ آپ قریش کے سردار اور بنی عبد مناف کے شیخ ہیں۔ آپ اس شخص کی بیعت کریں گے۔ بخدا آپ اس سے بہتر ہیں" یہ سن کر مروان نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔ پھر ابن زیاد دمشق آیا اور ایک دن حضرت ضحاک بن قیس سے کہا کہ "اے ابوانیس! مجھے تم پر تعجب ہوتا، تم قریش کے بزرگ لوگوں میں سے ہو اور ابن زبیر کی بیعت کی دعوت دیتے ہو۔ آپ، لوگوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہیں۔ لہذا اپنی طرف لوگوں کو بلاؤ"۔ آپ نے تین دن تک لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف بلایا۔ اس چیز سے سبھی لوگ متنفر ہوئے اور کہنے لگے کہ کل آپ ہمیں اس شخص کی طرف بلاتے تھے اور آج اس کی بیعت توڑنے کو کہتے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ مرج چلے گئے ادھر ابن زیاد نے لوگوں سے مروان کی بیعت لی۔ اور مروان نے بنی امیہ کو اپنی بیعت پر جمع کرلیا۔ اس کے بعد ابن زیاد مرج پہنچا اور مروان کو مع لشکر آنے کی دعوت دی۔ حضرت ضحاک کو جب اس کی خبر لگی تو آپ نے بھی لشکر جمع کیا یہاں تک کہ آپ کے پاس ۳۰ ہزار کا لشکر جمع ہوگیا۔ اور مروان کے لشکر کی تعداد ۱۳ ہزار تھی۔ دونوں فریق میں جنگ شروع ہوگئی۔ ابن زیاد نے یہ محسوس کیا کہ طاقت کے زور سے انھیں ہرایا نہیں جاسکتا۔ اس نے مروان سے کہا: "تلوار کے دم پہ یہ جنگ سر نہیں ہوسکتی اس لیے ہمیں دھوکے سے کام لینا ہوگا اور اللہ نے اہل حق کے لیے اسے حلال کیا ہے اور ویسے بھی جنگ ایک دھوکا ہی تو ہے"۔ چناں چہ مروان نے مصالحت کا پیغام بھیج دیا۔ اور کہا غور وفکر کی مدت تک جنگ روک دی جائے۔ حضرت ضحاک کو امید تھی کہ یہ لوگ حضرت عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کرلیں گے اس لیے جنگ روک دی۔ ادھر مروان نے اپنے لشکر کو ایک جگہ جمع کیا اور موقع پاتے ہی دفعتاً ان پہ حملہ کردیا۔ اس غیر توقعانہ حملے کی ان کے لشکر تاب نہ لاسکے اور اسی گھماسان میں حضرت ضحاک بھی شہید کردیے گئے۔ یہ واقعہ مقام مرج راہط میں ۶۴ھ میں واقع ہوا۔

(تاریخ مدینہ دمشق، ج:۲۴، ص:۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۶، علامہ ابن عساکر ملخصاً منہ)

ولادت:۔۔۔وفات:۔۔۔

صدام حسین رضوی، مشرقی چمپارن، جماعت: رابعہ Mob. 7394042056

اسم گرامی: حبیب

کنیت: ابوعبد الرحمن، لقب: حبیب الروم

حبیب الروم کی وجہ تسمیہ: ان کو بکثرت روم جانے کی وجہ سے حبیب الروم کہا جاتا تھا۔

اور حضرت اسماعیل بن عباس نے کہا: وہ روایت کرتے ہیں صفوان بن عمرو سے کہ ابوالیمان عامر بن عبد اللہ نے کہا کہ حضرت ابوذر اور لوگ حبیب کو ان کے روم میں مجاہدہ و کوشش صرف کرنے کی وجہ سے حبیب الروم کہتے تھے۔

سلسلہ نسب: حبیب بن مسلمہ بن مالک بن وہب بن ثعلبہ بن واثلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر القرشی الفہری۔

ولادت: حضرت ابن سعید امام واقدی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس دن نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس دن حبیب بارہ سال کے بچے تھے۔ اس لحاظ سے گویا ہجرت سے ایک سال قبل آپ کی پیدائش ہوئی ہے۔

(تھذیب التھذیب، ج:۲، ص۱۶۵/۱۶۶، مصنف: حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار الفکر، طبع اول: ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵ء)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے فقہائے کرام سے دریافت کیا کہ کیا حبیب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا؟ تو انھوں نے اس بات سے لاعلمی ظاہر کی اور میں نے ان کی قوم سے پوچھا تو انھوں نے مجھے خبر دی کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔

حضرت امام ابن معین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اہل شام کہتے تھے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے اور اہل مدینہ کہتے تھے کہ نہیں سنی ہے اور امام بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ان کو شرف صحبت حاصل ہے۔ (مرجع سابق)

آپ کی مرویات و تلامذہ: آپ نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں اور حضرت سعید بن زید بن عمرو بن زید بن نفیل اور اپنے والد مسلمہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایتیں کی ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک جماعت نے روایت کی، ان روایت کرنے والوں میں سے چند یہ ہیں:

زیاد بن جاریہ، ضحاک بن قیس فہری، عوف بن مالک اشجعی، ابن ابی ملیکہ اور قزعہ بن یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت مصعب زبیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: وہ شرف و عزت والے تھے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (حدیث) سنی ہے۔

حدیث: حدثنا محمد بن کثیر، قال: اخبرنا سفیان، عن یزید بن یزید بن جابر الشامی، عن مکحول، عن زیاد بن جاریة التمیمی، عن حبیب بن مسلمة الفهری، أنه قال: کان رسول الله صلی الله علیه و سلم: ینفل الثلث، بعد الخمس.

(سنن ابوداؤد، باب فی من قال الخمس قبل النفل، ص:۳۷۷، نسخہ ہندوستانی)

رسول اللہ ﷺ (مال غنیمت میں سے) پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک تہائی بطور نفل (انعام) دیتے تھے۔

حدیث: حدثنا عبید الله بن عمر بن میسرة الجُشمیُّ، قال: حدثنا عبد الرحمن بن مهدی، عن معاویة بن صالح، عن العلاء بن الحارث، عن مکحول، عن ابن جاریه، عن حبیب بن مسلمه، ان رسول الله صلی الله علیه و سلم: کان ینفل الربع، بعدخمس، و الثلث بعد الخمس إذا قفل.

(سنن ابوداؤد، مرجع سابق)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ خمس نکالنے کے بعد ایک چوتھائی بطور نفل دیتے تھے (ابتداء جہاد میں) اور جب جہاد سے لوٹ آتے (اور پھر ان میں سے کوئی گروہ کفار سے لڑتا) تو خمس نکالنے کے بعد ایک تہائی بطور نفل دیتے۔

حدیث: حدثنا ابو بکر بن أبی شیبة، و علی بن محمد، قالا: حدثنا وکیع، عن سفیان، عن یزید بن یزید بن جابر، عن مکحول عن زید بن جاریة، عن حبیب بن مسلمة أنّ النبی صلی الله علیه و سلم نفل الثلث بعد الخمس.

(سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۸۵۱، ص:۹۵۱، ج:۲، کتاب الجهاد، مطبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

نبی اکرم ﷺ مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ جو اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے) نکال لینے کے بعد مال غنیمت کا ایک تہائی بطور نفل ہبہ اور عطیہ دیتے۔

غزوات و سرایا میں شرکت: اسلام کے ابتدائی غزوات و سرایا میں آپ کی شرکت کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے وقت آپ بہت چھوٹے یعنی بارہ سال کے تھے۔ جیسا کہ امام واقدی نے اس کی صراحت کی ہے۔

ہاں! ابن سعد کی تحقیق کے مطابق امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت قریبی اصحاب میں آپ کا شمار ہوا کرتا تھا اور ان کے ساتھ کئی معرکے بھی سر کیے ہیں۔ اسی قربت و بہادری کا نتیجہ تھا کہ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو ارمینیہ کا والی بنا دیا تھا۔

(تهذیب التهذیب، ج:۲، ص:۱۶۶۔ الاصابہ: ج: ۲، ص:۲۲، مصنف: امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی: ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء)

صاحب فقہ و افتا: ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تدبیر و سیاست اور فقہ و شریعت کی زبردست خو بو آپ کے اندر پائی جاتی تھی تبھی تو "ولایت" جیسے اہم منصب کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا انتخاب فرمایا۔ ان کی فقہی خدمات

تک تو ہم نہ پہنچ سکے۔ البتہ ان کے منصب ولایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کس قدر دقیقہ سنج اور نکتہ رس تھے کہ اسلامی سلطنت کے حدود میں ان کے والی بننے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر دیگر سیاسی فکر و تدبر کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ اور کتاب و سنت پر گہری نظر بھی تھی، جبھی تو حضرت زیاد بن جاریہ، حضرت ضحاک بن قیس، عوف بن مالک جیسے عظیم فقہاے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شمار آپ کے تلامذہ میں ہوا کرتا ہے۔ شاید اسی کے پیش نظر ارباب سیر و تواریخ نے آپ کا ذکر مفتیان صحابہ میں کیا ہے اور اصحاب فقہ و افتا کے آخری درجے میں آپ کا ذکر رکھا ہے۔ و اللہ تعالی أعلم

وصال: ارمینیہ میں بحیثیت والی آپ خدمات انجام دے رہے تھے اور وہیں عہد معاویہ میں آپ کا وصال ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر بیالیس سال کی تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کی وفات دمشق میں ہوئی۔ (مرجع سابق)

من أهل الفتوى

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۳۶ھ

محمد فیضان عالم، کٹیہار، جماعت: سابعہ Mob. 8953305563

نام و نسب اور کنیت: آپ کا نام حذیفہ، نسب اس طرح ہے حذیفہ بن یمان بن جابر بن اسید العبسی الیمانی اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔

لقب: آپ کا سب سے مشہور و معروف لقب رازدار رسول ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص: ۴۰۸، شمس الدین احمد عثمان ذہبی، پہلی ایڈیشن ۲۰۰۴ء ۱۴۲۵ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔۔الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۳۹، ابن حجر عسقلانی دوسری ایڈیشن ۲۰۰۲ء ۱۴۲۳ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

والد گرامی: آپ کے والد کا نام اصل میں حسیل ہے لیکن حسیل بن جابر چوں کہ یمنی الاصل تھا، لہذا اہل مدینہ نے ان کا نام یمان رکھ دیا اور یہ پھر اسی نام کے ساتھ مشہور و معروف ہوئے اصل نام دب کر رہ گیا۔

خاندانی پس منظر: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد مکہ معظمہ کے بنی عبس قبیلے میں پیدا ہوئے۔ اپنے ہی قبیلے کے ایک شخص کو قتل کر دیا مجبوراً یہ مکہ مکرمہ سے یثرب کوچ کر گئے، وہاں جا کر بنی عبد الاشہل سے اتنے گہرے روابط ہو گئے کہ انھوں نے اپنے قبیلے کی ایک خاتون سے ان کی شادی کر دی جس کے بطن سے حضرت حذیفہ پیدا ہوئے اس کے بعد کچھ ایسی رکاوٹیں حائل ہوئیں کہ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار نہ کر سکے مکہ مکرمہ میں آمد و رفت تو رہی لیکن مستقل طور پر مدینہ منورہ میں ہی سکونت پذیر رہے۔

جب اسلام کا نور جزیرہ نمائے عرب میں پھیلنے لگا تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بنی عبس کے ان دس خوش قسمت افراد میں سے ایک تھے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے روبرو اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خاندانی اعتبار سے مکی اور پیدائشی اعتبار سے مدنی تھے۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۲، ص:۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

ولادت اور قبول اسلام: آپ کی تاریخ ولادت کا ذکر واضح طور پر تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتا ہے ہاں تاریخ کی کتابوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

آپ کی پرورش و پرداخت ایک مسلم گھرانے میں ایسے مسلمان والدین کے آغوش میں ہوئی تھی جو ابتدا ہی میں اسلام کے

ٹھنڈے اور خوش گوار سائے میں آ گئے تھے۔ رسول اقدس ﷺ کے دیدار کا سرمہ اپنی آنکھوں میں لگانے سے پہلے ہی مسلمان بن چکے تھے۔

ذات رسول ﷺ سے وابستگی: اسلام لانے کے بعد سے آپ رسول کریم ﷺ کے حالات اور اوصاف کے متعلق لوگوں سے برابر پوچھتے رہتے اور آپ کے دل میں آتش شوق دیدار اور زیارت ہمیشہ بھڑکتی رہتی تھی۔ آخر کار سمندر شوق پر سوار ہو کر آپ نبی کریم ﷺ کی ملاقات کے لیے مدینہ جا پہنچے اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہی دریافت کیا: ”اللہ کے رسول میں مہاجر ہوں یا انصاری؟“۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم چاہو تو مہاجرین مین شامل ہو جاؤ اگر چاہو تو انصاری میں شمولیت اختیار کر لو تمھیں اختیار ہے کہ دونوں میں سے جو بھی پسند ہو اپنا لو“۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ میں انصاری ہوں۔

(معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۲۶ ابو نعیم اصبہانی پہلی ایڈیشن ۲۰۰۲ء ۱۴۲۲ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔۔اسد الغابہ۔ ج:۲، ص:۶۰۷، عزیز الدین ابن الاثیر جزری، دوسری ایڈیشن ۲۰۰۳ء ۱۴۲۴ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو جناب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی صحبت اختیار کر لی۔ وہ سائے کی طرح آپ کے ساتھ لگے رہتے تھے۔

غزوۂ خندق کی رات جب آپ مشرکین کی خبر لائے تو نبی کریم ﷺ نے آپ کو اپنا کمبل اڑھایا اور صبح قم یا نومان !کہہ کر اٹھایا۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج:۵، ص:۳۹۳، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ، دار الفکر، بیروت لبنان)

ایک مرتبہ راستہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جنبی ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”مومن نجس نہیں ہوتا“۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج:۵، ص:۳۸۳۔ دار الفکر، بیروت لبنان)

ایک روز آپ کی والدہ محترمہ نے آپ سے کہا کہ تم حضور ﷺ کی خدمت میں کب سے نہیں گئے، انھوں نے مدت بیان کی تو آپ کی والدہ بہت خفا ہوئیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: ”آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں میں رسول اقدس ﷺ کی بارگاہ میں جاتا ہوں اور آپ کے لیے دعاے مغفرت کرا آتا ہوں“۔ یہ کہہ کر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھی، جب حضور ﷺ عشا کی نماز کے بعد اپنے حجرہ کی جانب جانے لگے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہو لیے، حضور ﷺ کسی سے بات چیت میں مشغول تھے۔ جب فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا تم کون ہو؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بولے کہ ”میں حذیفہ ہوں“۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اپنے اور اپنی والدہ کے لیے دعاے مغفرت کی درخواست کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”غفر اللہ لك یا حذیفہ و لأمك“ اللہ تعالی تمھاری اور تمھاری والدہ کی مغفرت کرے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج:۵، ص:۳۹۲۔ دار الفکر، بیروت لبنان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سونے کے لیے لیٹتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اسکے بعد یہ دعا پڑھتے: اللھم باسمك أموت و أحیا اور جب سو کر اٹھتے تو پڑھتے: الحمد اللہ الذی أحیانی بعد أماتنی و إلیه النشور. (مسند امام احمد بن حنبل ج:۵،ص:۳۸۷ دار الفکر، بیروت لبنان)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتنا وابستہ تھے کہ آپ سونے کے انداز سے بھی واقف تھے، یہ ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت۔

رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو بہت سے اہم کام سپرد فرمائے چناں چہ عہد رسالت کی پہلی مردم شماری آپ ہی کے ذریعے کروائی تھی، اس وقت مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ (مسلم شریف کتاب الایمان)

آپ وہ صحابی ہیں جنھیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آنے والے فتنوں کی تفصیل اور منافقین کے نام اور ان کی شناخت بتا رکھی تھی، اس لیے آپ کو صاحب سر رسول اللہ (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رازدار) کہا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی آپ سے پوچھتے تھے "کیا میں منافقین میں سے تو نہیں"؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آپ کے بعد میں کسی کی صفائی نہیں کروں گا۔

(سیر اعلام النبلاء۔ ج:۳،ص:۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے غرض کہ ہر عادت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔ حضور کو طہارت کے لیے پانی مہیا کرتے۔ باقاعدگی سے دربار رسالت میں حاضر ہوتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ان سے بے پناہ محبت تھی۔ بعض اوقات ان سے تخلیہ میں گفتگو فرماتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے آپ کے سینے سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۲،ص:۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

غزوات و سرایا میں شرکت: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان ممتاز صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں جنھیں میدان جہاد میں حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کا اعزاز حاصل ہے۔

آپ جنگ بدر کے علاوہ تمام جنگوں میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ داد شجاعت دیتے رہے۔ جنگ بدر میں شرکت کے لیے دونوں باپ بیٹے (حذیفہ اور ان کے والد یمان رضی اللہ عنہما) گھر سے نکلے لیکن قریش کے نرغے میں آ گئے۔ دشمنوں نے انھیں اس شرط پر رہا کیا کہ تم دونوں یہ حلف اٹھاؤ کہ معرکۂ بدر میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ساتھ نہیں دو گے اس طرح دونوں حضرات اپنی قسم کی وجہ سے جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

غزوۂ احد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سخت آزمائش سے صحیح اور سالم واپس لوٹ آئے لیکن آپ کے والد محترم نے میدان جنگ میں لاعلمی کی بنا پر ایک مجاہد اسلام کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمالیا۔ (معرفۃ الصحابہ، ج:۲،ص:۱۵۷ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

ایک دفعہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بغور جائزہ لیا تو آپ پر ان کے تین اوصاف واضح ہوئے۔

☆ذکاوت وبیداریٔ مغز، جو مشکلات حل کرنے میں معاون ومددگار ثابت ہوتی ہے۔
☆سرعت ادراک پہلے ہی مرحلے میں معاملہ کی تہ تک پہنچ جاتے۔
☆رازداری، اسرار ورموز کو سینے میں محفوظ کرنے کا ایسا ملکہ کہ کسی کو بھی خبر ہی نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرز سیاست کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خوبیاں دیکھ کر مناسب حال فرائض ان کے سپرد کرتے، آپ کا یہ طرز عمل بہت ہی کامیاب ثابت ہوا۔

رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خداداد صلاحیتوں سے نازک ترین مواقع پر بھرپور فائدہ اٹھایا، ان کی ذہانت، ذکاوت، سرعت ادراک اور معاملہ فہمی جیسے اعلیٰ اوصاف نے کئی مواقع پر نہایت مفید کارنامے سرانجام دیے۔ چناں چہ آپ نے غزوۂ احزاب میں ایک عظیم کارنامہ انجام دیا، جس کا مختصر ذکر یہ ہے کہ اس جنگ میں سخت محنت ومشقت کے بعد خندق کھودی گئی تھی اور دشمنوں کے محاصرہ کو ۲۴/ دن ہوگئے تھے، ان کے محاصرہ کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کھانے پینے کا سامان مدینہ طیبہ میں نہیں آسکتا تھا، جس کی وجہ سے سخت پریشانی کا سامنا تھا انہی سخت ایام میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر آپ دشمن کی باتیں معلوم کرنے کے لیے کفار کے لشکر میں گئے جب کہ ان ایام میں کسی نے جانے کی ہمت نہ کی۔ چناں چہ آپ لشکر کفار میں گئے اور ابو سفیان کی راز و نیاز کی باتیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتائے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک عظیم کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی۔ (ملخصا، تاریخ طبری، ج:۳، ص:۹۶تا۱۰۵، محمد بن جریر طبری دوسری ایڈیشن ۲۰۰۲ء ۱۴۲۳ھ، دار الفکر بیروت لبنان) **نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد:** حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے راشدین کے دور خلافت میں بہت سے نمایاں کارنامے انجام دیے۔

خاص کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ نہاوند کی جنگ میں بھی شریک رہے اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو امیر جیش تھے) ان کی شہادت کے بعد آپ امیر جیش مقرر ہوئے اور نہاوند، رے، ہمدان، دینور یہ سب پھر آپ کے ہی ہاتھ ۲۲/ھ میں فتح ہوئے، اسی طرح آپ الجزیرہ کی فتح میں بھی شریک رہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۱۱، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایران کے دار الحکومت مدائن کا گورنر بنا کر بھیجا۔ (اسد الغابہ، ج:۱، ص:۷۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ خلاصہ تذھیب تھذیب الکمال فی اسماء الرجال ج:۱، ص:۲۲۲، حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی، پہلی ایڈیشن ۲۰۰۱ء ۱۴۲۲ھ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

آپ حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں کچھ عرصہ مدائن کے گورنر رہے پھر ۳۰/ھ میں جہادی لشکر میں شامل ہو کر خراسان، رے اور آرمینیہ کے معرکوں میں حصہ لیا۔ ۳۱/ھ میں خاقان، خزرز کے خلاف مہم میں شریک ہوئے اور باب کی تسخیر کے لیے ۳/ مرتبہ فوج کشی میں حصہ لیا۔ عہد عثمانی کے آخری دور میں مدائن کی گورنری پر واپس آگئے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ پوری زندگی منافقین کے اسرار ورموز سے آگاہ رہے، خلفائے راشدین ہمیشہ منافقین کے

معاملات میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے رجوع کیا کرتے۔

فضل وکمال: آپ کا سب سے بڑا اجتہادی کارنامہ یہ ہے کہ جب آپ کے دور میں مسلمانوں میں قرآن مجید کے مختلف نسخے پڑھے جانے لگے تو آپ نے تمام مسلمانوں کو ایک متفقہ نسخے پر اکٹھے کر دیا۔

ان تمام تر خوبیوں کے علاوہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ تعالی کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر بے انتہا پایا جاتا تھا۔

جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی تیمار داری کے لیے رات کے آخری حصے میں تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا کیا وقت ہے؟

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بتایا صبح ہونے والی ہے۔ یہ سن کر فوراً پکار اٹھے، میں اس صبح سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو جہنم رسید کرنے والی ہو۔ آپ اس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ڈر اور خشیت الٰہی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کیا تم نے میرا کفن تیار کیا ہے؟

صحابہ نے جواب دیا، ہاں۔ آپ نے فرمایا زیادہ قیمتی کفن نہ پہنانا۔ اگر اللہ تعالی کی بارگاہ میں میرے لیے خیر و بھلائی کا فیصلہ ہوا تو اس کفن کو بہترین پوشاک میں بدل دیا جائے گا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو یہ کفن گل سڑ جائے گا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

وصال پر ملال اور مزار پاک: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس (۴۰) روز بعد ۳۶/ھ مدائن میں انتقال کر گئے۔ آپ کا مزار مبارک پہلے دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کسی جگہ واقع تھا۔ لیکن ۱۹۲۹/ء میں عراق کے بادشاہ اور مختلف علما کی خواب کی وجہ سے آپ کی نعش مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قریب جامع مسجد سلمان کے احاطے میں منتقل کیا گیا اب آپ کا مزار مبارک وہیں ہے۔

اولاد: آپ کی وفات کے وقت آپ کے چار بیٹے تھے، ابو عبد اللہ، بلال، صفوان، اور سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات حدیث: آپ سے احادیث روایت کرنے والے حضرات مندرجہ ذیل ہیں:۔ ابو وائل، زر بن حبیش، زید بن وہب، ربعی بن حراش، صلہ بن زفر، ثعلبہ بن زہدمہ، ابو العالیۃ الریاحی، عبد الرحمٰن بن ابی لیلی، مسلم بن نذیر، ابو ادریس الخولانی وغیرہم۔

آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں، صاحب خلاصہ نے آپ کی احادیث سو(۱۰۰) سے اوپر شمار کی ہیں، جن میں سے بارہ حدیثیں صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں مذکور ہیں۔ آٹھ صرف بخاری میں مروی ہیں اور سترہ صرف مسلم شریف میں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۱۰ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متبع شریعت، متوکل، قانع، مجسمہ سادگی، انصاف پسند، عادل لوگوں میں بے حد مقبول، مستجاب الدعاء، زاہد، عابد، شجاع اور جود و سخا کے نمایاں ابواب تھے رضی اللہ عنہ۔

من أهل الفتوى

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۔۔۔۔۔

محمد کوثر رضا قادری، شراوستی، جماعت: سادسہ Mob. 9984769974

اسم گرامی: ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (اسد الغابہ، ج:۱ص:۴۷۷)

سلسلہ نسب: ثمامہ بن اثال بن نعمان بن مسلم بن عبید بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن الدول بن حنفیہ بن لجیم (ایضًا، ج:۱، ص:۴۷۷)

ثمامہ بن اثال حنفی کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا عجیب وغریب اور نہایت مفصل ہے۔ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

ثمامہ بن اثال حالت شرک میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ لے کر مدینہ میں داخل ہوئے، لیکن قسمت کی ارجمندی نے صحابہ کرام کی قید میں ڈال دیا اور وہ انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ سرکار نے ان کے متعلق حکم صادر فرمایا کہ انھیں مسجد کے پائے سے باندھ دیا جائے۔ چنانچہ وہ مسجد کے پائے سے باندھ دیے گئے۔ پھر حضور نے فرمایا ”مالك یا ثمام هل امكن الله منك)“ اے ثمام کیا اللہ نے تیرے لیے اسلام کو آسان کر دیا؟ تو ثمامہ نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کو میرے ساتھ جو کرنا ہے وہ کر لیجیے اگر چاہو تو قتل کر دو یا جتنا چاہو مال وزر لے لو، لیکن بلاوجہ کی باتیں نہ کرو۔ اس طرح کی گفتگو دو دن تک ہوئی اور وہ یوں ہی بندھے رہے۔ اور تیسرے دن وہاں سے کسی طرح فرار ہو گئے اور مدینہ کے کنارے ایک چشمہ پر غسل کیا، اس کے بعد کچھ غور وفکر کر کے رسول اللہ علیہ افضل التحیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ (مترجما وملخصا ایضا ۱/ ۴۷۷، ۴۷۸)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد دین میں بڑے کامل اور متصلب ہو گئے۔ چنانچہ جب رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور کچھ ہی دنوں بعد عرب کے باشندے دین سے پھرنے لگے، مسیلمہ کذاب بنی حنفیہ میں پہونچ گیا، انھیں اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دی، ایسے نازک حالات میں آپ نے لوگوں کو کلمہ حق سے آگاہ کیا اور ارتداد سے بچانے کی بھرپور کوشش کی اور تادم حیات اعلائے کلمہ حق کی خاطر برسرپیکار رہے۔

(صور من حیاۃ الصحابہ، مکتبہ احسان لکھنو: ص ۶۴، ۶۵)

رب العزت ان بزرگان دین کے نقوش پا پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ اشرف انبیاء والمرسلین۔

من
أهل الفتوى

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

ولادت ۵۷ ق ھ.....وفات ۳۷ ھ

ابوالحسن خرقانی، سنت کبیر نگر، جماعت: رابعہ ۹۱۶۱۲۹۸۴۰۲

نام ونسب: نام عمار، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔
آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے:
عمار بن یاسر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن عنس بن مالک بن ادد بن زید بن یشجب المذحجی ثم العنسی۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، اڈیشن:۲، ۲۰۰۳)

ولادت: آپ کی ولادت ہجرت نبوی سے ۵۷/ سال قبل مطابق ۵۶۷ء کو مکہ میں ہوئی۔

(الاعلام، ج:۵، ص:۱۹۱، اڈیشن:۳)

والدین: حضرت عمار کے والد حضرت یاسر قحطانی نسل کے تھے، ان کے مکہ آنے کا سبب یہ تھا کہ ان کا ایک بھائی مکہ آیا تھا اور واپس نہیں لوٹا تو حضرت یاسر اپنے دو دوسرے بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے گم شدہ بھائی کی تلاش میں مکہ آئے لیکن وہ نہ ملا، تو دونوں بھائی یمن لوٹ گئے لیکن حضرت یاسر نے مکہ ہی کو اپنا وطن بنالیا اور ابو حذیفہ بن مغیرہ کے حلیف ہو گئے اور ابو حذیفہ کی ایک باندی سمیہ بنت خباط سے نکاح کر لیا جن کے بطن سے حضرت عمار پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے انھیں آزاد کر دیا۔ حضرت یاسر اور حضرت عمار ابو حذیفہ کے ساتھ ہی رہتے تھے کچھ دنوں کے بعد ابو حذیفہ کا انتقال ہو گیا، اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اسلام کا ظہور ہوا تو حضرت یاسر حضرت سمیہ اور حضرت عمار مشرف باسلام ہوئے۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۲۳، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۸۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، اڈیشن:۲، ۱۹۹۷ء)

اسلام: حضرت عمار اور حضرت صہیب بن سنان دونوں ایک ساتھ ایک ہی وقت میں مشرف باسلام ہوئے۔
حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں: میں دار ارقم کے دروازے پر صہیب بن سنان سے ملا جب کہ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے، تو میں نے صہیب بن سنان سے کہا آپ کس ارادہ سے آئے ہیں؟ تو انھوں نے کہا پہلے آپ اپنا ارادہ بتائیں، تو میں نے کہا کہ میں محمد ﷺ سے ملاقات کرنے اور ان کا کلام سننے کی غرض سے آیا ہوں، پھر ہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ نے ہم پر اسلام پیش کیا تو ہم نے اسلام قبول کر لیا۔

(اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۲۳۔ طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۸۷)

جب کفار قریش کو حضرت عمار اور ان کے والدین کے اسلام کی خبر ہوئی تو ان ظالموں نے ان حضرات کو بڑی اذیتیں پہنچائیں اور اسلام سے منحرف کرنے کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور لات وعزی کی پرستش کے لیے مجبور کرتے مگر کوئی چیز ان حضرات کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکی حتی کہ ان ظالموں نے حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ کو شہید کر دیا۔

کفار حضرت عمار کو پانی میں غوطہ دیتے یہاں تک کہ آپ ہوش وحواس کھو بیٹھے تو کفار قریش نے اسی حالت میں ان سے کلمہ کفر اور حضور کی شان میں نازیبا کلمات کہلوائے جب حضرت عمار کو ہوش آیا تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہوے اور سارا واقعہ عرض کیا تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: کیف تجد قلبك؟ (تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟) عرض کیا: مطمئناً بالایمان (ایمان سے مطمئن ہے) فرمایا: فإن عادو الك فعد لهم (اگر دوبارہ وہ تمھارے ساتھ ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کرنا) مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ " إلا من أكره و قلبه مطمئن بالایمان [النحل/۱۰۶] حضرت عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی۔ (اسد الغابہ، ج،۴، ص،۱۲۳۔ الاصابہ، ج،۴، ص:۴۷۴، دار الکتب العلمیہ)

یوں ہی جب نبی رحمت ﷺ خاندان یاسر کے پاس سے گزرتے اور انھیں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا دیکھتے تو فرماتے: صبرا آل یاسر فإن موعدكم الجنة (اے آل یاسر صبر کرو کیوں کہ تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔

(اسد الغابہ، ج،۴، ص،۱۲۴)

ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمار کو دہکتی ہوئی آگ پر لٹا دیا اسی دوران نبی رحمت ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو حضرت عمار کے سر پر دست مبارک پھیرا اور فرمایا: "یانار کونی برداوسلاما علی عمار کما کنت علی ابراهیم، تقتلك الفئة الباغية" (اے آگ تو عمار پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہوجا جیسے ابراہم علیہ السلام پر ہوئی تھی، تمھیں تو باغی جماعت قتل کرے گی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص،۱۸۸)

ہجرت: حضرت عمار بن یاسر کی ہجرت حبشہ کے تعلق سے کثیر اختلاف ہے کہ آپ نے حبشہ ہجرت کی یا نہیں مگر "الاستیعاب" میں ابو یوسف بن عبد اللہ نے لکھا کہ آپ نے حبشہ ہجرت کی (ج:۳، ص:۲۲۸) اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ حبشہ کی دوسری ہجرت میں آپ شریک تھے (ص:۱۸۹) اس کے بعد جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت تک مبشر بن عبد المنذر کے مہمان رہے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں حضرت حذیفہ بن یمان سے ان کا رشتہ اخوت قائم کرا دیا (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۲۴۔ طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۹، ۱۸۹)

غزوات: آپ نے غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات ومشاہد میں شرکت کی اور اپنی شجاعت وبسالت کے جوہر دکھائے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۹۰)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب سے یمامہ میں جو خوں ریز جنگ ہوئی اس میں بھی شریک ہوئے اور اپنی شجاعت و بہادری سے باطل کی سرکوبی کی اور پرچم اسلام کو بلند کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رأيت عمار بن ياسر يوم اليمامة على صخرة، قد أشرف يصيح:

یامعشر المسلمین،أمن الجنة تفرون،إلی،إلی،أنا عمار بن یاسر ، ھلموا إلی.قال: وأنا وأنظر إلیٰ أذنه قد قطعت، فھی تذبذب وھو یقاتل أشد القتال (اسد الغابہ،ج:۴،ص:۱۲۶۔طبقات ابن سعد،ج:۳،ص:۱۹۲)

میں نے یمامہ کے دن عمار کو ایک چٹان پر دیکھا، وہ بلند آواز سے کہہ رہے تھے، اے مسلمانو! کیا تم جنت سے بھاگتے ہو؟ میری طرف آو میری طرف آو میں عمار بن یاسر ہوں آو میری طرف۔ راوی کہتے ہیں، اور میں نے ان کے کان کو دیکھا جو کٹ چکا تھا اور سامنے زمین پر پھڑک رہا تھا اور وہ دشمنوں پر سخت ترین حملے کر رہے تھے۔

منصب: ۲۱ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر مقرر کیا اور اہل کوفہ کو ایک خط لکھا:

أما بعد، فإنی قد بعثت إلیکم عماراً أمیراً وعبداللہ بن مسعود وزیراً ومعلماً وھما من نجباء محمد واقتدوا بھما (اسد الغابہ،ج:۴،ص:۱۲۶)

میں نے تمھاری طرف عمار کو امیر اور عبد اللہ بن مسعود کو وزیر اور معلم بنا کر بھیجا اور یہ دونوں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نجبا میں سے ہیں ان کی اتباع کرو۔

چند مہینوں تک آپ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، اس کے بعد اہل کوفہ کی شکایت کی وجہ سے آپ نے اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔ (تاریخ طبری،ج:۴،ص:۱۴۴، دار المعارف)

شہادت: جنگ صفین میں حضرت عمار کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، کئی دنوں تک جنگ جاری رہی، ایک روز آپ نے دودھ کا ایک پیالہ منگوایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: آخر شربة تشربھا من الدنیا شربة لبن (تمھارا دنیا کا آخری جام دودھ ہوگا) پھر اسے نوش فرمایا اور شوق شہادت میں صف میں گھس گئے یہاں تک کہ کسی نے آپ کو نیزہ مارا جس سے زخمی ہو کر زمین پر گر گئے اور جام شہادت نوش کیا جب کہ ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر ۳۷ھ کی کوئی تاریخ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اہل کوفہ نے نماز پڑھی اور آپ بغیر غسل کے اپنے کپڑوں میں دفن کر دیئے گئے۔

(اسد الغابہ،ج:۴،ص:۱۲۷)

فضائل ومناقب: حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان اجلہ صحابہ کرام میں سے ہیں جنھیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انھیں اسلام لانے پر طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار دیکھا تو فرمایا: أبشر آل عمار فإن موعدکم الجنة (اے آل عمار تمھیں بشارت ہو کیوں کہ جنت تمھارا ٹھکانا ہے۔

(طبقات ابن سعد،ج،۳،ص:۱۸۸)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عمار سے بہت محبت فرماتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: جاء عمار یستاذن علی النبی، فقال: ائذنوا له، مرحبا بالطیب المطیب (عمار آئے اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، تو حضور نے فرمایا اسے آنے دو، طیب و مطیب کا خیر مقدم ہے۔) (اسد الغابہ،ج،۴،ص:۱۲۵)

ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمار کے درمیان کچھ تلخی ہو گئی، حضرت خالد نے کچھ سخت بات کہہ دی تو

حضرت عمار نبی کریم ﷺ کی بار گاہ میں شکایت لے کر پہنچے، تو حضرت خالد بھی ان کے پیچھے نبی کریم ﷺ کی بار گاہ میں پہنچ گئے اور حضرت عمار سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کر رہے تھے، لیکن حضور خاموش رہے تو حضرت عمار رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ دیکھتے نہیں؟ تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا سر اقدس اٹھایا اور فرمایا: من عادی عماراً عاداه الله و من أبغض عمار اً أبغضه الله . (جس نے عمار سے عداوت رکھی اللہ اس سے عداوت رکھے گا اور جس نے عمار سے بغض رکھا اللہ اس سے بغض رکھے گا) حضرت خالد کہتے ہیں: اس وقت سے مجھے عمار کی رضا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔ پھر میں نے ان سے ملاقات کی اور وہ راضی ہو گئے۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۱۲۵)

تواضع: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نہایت متواضع شخص تھے، آپ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات زمین ہی کو اپنا بستر بنا لیتے تھے، غزوہ ذات العشیر کے موقع پر بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علی نے ان سے فرمایا: " ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں"۔ غرض وہاں پہنچ کر دیکھتے رہے یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرش زمین پر بے تکلفی کے ساتھ سو گئے۔

(مسند احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۲۶۳، دار الفکر بیروت)

اسی طرح سے امیر کوفہ ہونے کے باوجود اپنا کام خود کیا کرتے تھے، اور بازار سے اپنا سامان خود اٹھا کر لاتے تھے۔ ابن ابوہذیل کہتے ہیں: " رأیت عمار بن یاسر إشتری قتا بدرهم وحمله علی ظهره وهو أمیر الکوفه"۔ (میں نے عمار بن یاسر کو دیکھا کہ ایک درہم کا قت (ایک جنگلی دانہ) خریدا اور اسے اپنی پشت پر اٹھایا جب کہ وہ امیر کوفہ تھے)

(سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۴۲۳، موسسۃ الرسالہ بیروت، ایڈیشن: ۱۱، ۱۹۹۶)

فقیہانہ شان: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ابتدائے اسلام ہی سے نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا، اور اسی وقت سے بارگاہ نبوی ﷺ سے اکتساب فیض کرتے رہے، اسی لیے آپ کا شمار اس دور کے اکابر علما میں ہوتا تھا، آپ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کی سماعت کرتے رہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد آپ نے کتاب و سنت سے بہت سارے مسائل کا استخراج واستنباط کیا جس سے آپ کی فقہی بصیرت اور شان افتا نمایاں طور پر نظر آتی ہے، یہاں ان کے استخراج کردہ چند مسائل کو بطور نمونہ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) تیمم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ صرف ایک ضرب زمین پر لگائی جائے جس سے چہرہ اور ہاتھ دونوں کا مسح کرے یا اس کے لیے دو ضرب لگانا ضروری ہے، پہلی ضرب سے چہرے کا مسح کرے، اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا مسح کرے۔ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درمیان مختلف فیہ تھا، اکثر صحابہ کرام کا قول یہ تھا کہ تیمم کے لیے زمین پر دو ضرب لگائے پہلی ضرب سے چہرے کا مسح کرے اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے۔

ان کے پیش نظر وہ حدیث شریف تھی جو متعدّد صحابہ کرام حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”ألتیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الیٰ المرفقین.“
تیمم کی دوضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔
(تقریرات الالمعی، ص:۱۱۵، مجلس برکات، ۲۰۱۳ء)

اسی کے مطابق سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ تیمم کی دوضربیں ہیں۔
مگر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ تیمم کی صرف ایک ضرب ہے، ایک بار ہاتھ زمین پر مارے اور اس سے چہرے کا بھی مسح کرے اور دونوں ہاتھوں کا بھی مسح کرے اور صرف گٹوں تک ہی مسح کرے۔ چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں:
والدلیل علی ذلك ما افتی به عمار بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی التیمم أنه قال الوجه والکفین.
اس پر دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا وہ فتوی ہے جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دیا کہ تیمم میں چہرے کا مسح ہے اور دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک۔
ان کے پیش نظر وہ حدیث شریف ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں چہرہ اور کفین کے مسح کا حکم دیا۔
امام ترمذی اسی سند سے روایت کرتے ہیں:
عن عمار بن یاسر أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم امره بالتیمم بالوجه والکفین.
(جامع ترمذی، باب ماجاء فی التیمم، ج:۱، ص:۲۱)
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں چہرے اور گٹوں تک دونوں ہاتھوں کے مسح کا حکم دیا۔
(۲) مس ذکر یعنی شرمگاہ چھونے سے کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ مسئلہ بھی عہد صحابہ میں مختلف فیہ تھا، حضرت عمار بن یاسر اور جمہور صحابہ کا قول یہ تھا کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔
امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہوتا۔
لیکن بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوہریرہ، حضرت سعد، اور بعض تابعین مثلاً فقہاے سبعہ میں حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن اور ان کے بعد کے ائمہ مثلاً سفیان ثوری، حضرت حسن بن صالح بن حیی مس ذکر کو ناقض وضو قرار دیتے تھے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب بھی یہی ہے۔
یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
إذا أفضی أحدکم بیده إلیٰ ذکره لیس بینه و بینها شیئ فلیتوضا
(مشکوۃ المصابیح، باب مایوجب الوضو، الفصل الثانی)
جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ پر لے جائے اور دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو وضو کرے۔
نیز ان کے پیش نظر وہ حدیث بھی تھی جو صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت ام حبیبہ، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن

عمر، حضرت بسرہ، حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مس ذکر فلیتوضا (ایضا) جواپنی شرمگاہ چھولے تووہ وضوکرے۔

مگر حضرت عمار فرماتے ہیں کہ مس ذکر سے وضوواجب نہیں ہوتا، چنانچہ امام محمد اپنی موطا میں فرماتے ہیں

أخبرنا مسعر بن کدام عن عمیر بن سعد النخعی قال: کنت فی مجلس فیه عمار بن یاسر فذکر مس الذکر فقال: إنما هو بضعة منك و إن لکفك لموضعا غیره

ہمیں خبردی مسعر بن کدام نے وہ روایت کرتے ہیں عمیر بن سعد نخعی سے انھوں نے کہا: میں ایک مجلس میں تھا جس میں عمار بن یاسر موجود تھے۔ مس ذکر کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا: وہ تمھارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، اور تمھارے ہاتھ کے لیے اس کے علاوہ بھی جگہ ہے۔

حضرت عمار کے پیش نظر وہ حدیث شریف تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تو تمھارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

نسائی شریف کی روایت ہے:

عن قیس بن طلق بن علی عن أبیه قال: خرجنا وفدا حتی قد منا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فبایعنا و صلینا معه، فلما قضی الصلوة جاء رجل کانه بدوی فقال: یارسول الله ماتری فی رجل مس ذکره فی الصلوٰة، قال: هل هو إلا مضغة منك أو بضعة منك (السنن الکبری للنسائی، ج:۱، ص،۹۹)

قیس بن طلق بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم وفد کی صورت میں نکلے یہاں تک کہ بارگاہ رسالت میں پہنچ گئے، تو ہم نے بیعت کی اور سرکار علیہ السلام کے ساتھ نماز ادا کی، نماز ختم ہونے کے بعد ایک شخص آیا دیکھنے میں وہ بدوی لگ رہا تھا آتے ہی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے نماز میں اپنی شرمگاہ چھولی، فرمایا: وہ تو تمھارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

نیز حضرت عمار نے اسے جسم کے باقی اعضا پر قیاس کیا کہ جس طرح جسم کے باقی اعضا کو چھونے سے وضو نہیں جاتا اسی طرح شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو نہیں جائے گا، لیکن کیا ضرورت ہے کہ ہاتھ کو بار بار شرمگاہ ہی پر لے جائے بلکہ کسی اور جگہ لے جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے جلیل القدر فقیہ تھے اور ان کے اندر مسائل شرعیہ کے استخراج و استنباط کی زبردست صلاحیت موجود تھی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔ وفات:۴۳ھ

عبدالصمد ضیائی، جماعت: فضیلت Mob.7237919349

نام: عمرو، کنیت: ابو عبداللہ۔

والد کا نام: عاص بن وائل بن ھشام بن عمرو۔

والدہ کا نام: نابغہ بنت حرملہ۔

سلسلۂ نسب: عمرو بن عاص بن وائل بن ہشام بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی بن غالب القرشی السہمی۔

(اسد الغابۃ، ج:۴، ص:۲۳۲)

ولادت با سعادت: صاحب مشکوۃ نے "اکمال فی اسماء الرجال" میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کی وفات ۴۳ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال کی تھی، اس کے لحاظ سے آپ کی ولادت باسعادت عام الفیل کے چھ سال بعد ہوئی تھی۔ (شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب، ص:۶۰۷، مطبع: مجلس برکات مبارک پور)

واقعۂ اسلام: جب مٹھی بھر فرزندان اسلام کا مکہ شریف میں رہنا دشوار ہوا تو وہ حبشہ ہجرت کر گئے جہاں کا بادشاہ نہایت ہی رحم دل اور شفیق تھا، مذہباً وہ عیسائی تھا، اس کی مملکت میں مسلمان چین و سکون سے تھے۔ لیکن جب اس کی اطلاع کفارِ قریش کو ہوئی تو وہ دشمنان اسلام بھلا سکونِ مسلم سے سکون کہاں پاتے۔ فوراً بیش بہا تحائف کے ساتھ اپنے دو ماہر آدمیوں کو یہ کہہ کر حبشہ روانہ کیا کہ جیسے بھی ہو حبشہ سے مسلمانوں کو مکہ لے آئیں۔ ان منتخب اشخاص میں سے ایک عمرو بن عاص تھے اور دوسرے شخص کا نام عمارہ بن ولید ہے۔ یہ لوگ بادشاہ کے پاس جاکر آداب دربار بجالائے اور تحائف پیش کرنے کے بعد گویا ہوئے کہ بادشاہ سلامت! ہمارے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے یہاں سکونت اختیار کر چکے ہیں، یہ لوگ اپنے آبائی دین سے منحرف ہو چکے ہیں اور ایک نئے دین کے پیرو کار بن گئے ہیں۔ بادشاہ سلامت! ان لوگوں کو آپ ہمارے حوالے کر دیجیے پھر بادشاہ نے مسلمانوں کو بلایا جن کی قیادت جعفر بن ابی طالب کر رہے تھے، انھوں نے صراحت کر دی کہ ہم بھاگے نہیں بھگائے گئے ہیں، ہم کفر و شرک میں مبتلا تھے، ہمیں حقیقی رب کی تلاش تھی، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں رب کی معرفت کرائی، حق و باطل میں واضح فرق بتایا، ہم نے اپنے حقیقی مالک کی عبادت شروع کی تو یہ لوگ ہمارے دشمن ہو گئے اور ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ یہاں تک کہ مکہ کی زمین ہم پر تنگ ہو گئی اور ہم آپ کی مملکت میں پناہ گزیں ہوئے۔

نجاشی اس تقریر سے بے حد متاثر ہوا۔ جب عمرو بن عاص نے دیکھا کہ ہمارا یہ نشانہ چوک گیا تو فوراً دوسرا نشانہ سادھا اور کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ مختلف اعتقاد رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمھارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفر نے کہا کہ وہ اللہ کے سچے بندے اور رسول ہیں نیز سورۂ مریم کی تلاوت کی جسے سن کر بادشاہ نے فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ بالکل حق پر ہیں اور یہ حکم صادر کر دیا کہ تم لوگ میرے یہاں بالکل مامون ہو، تمھارا یہاں کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس واقعہ کے بعد عمرو بن عاص کے دل میں اسلام کی خاطر ایک گونہ محبت پیدا ہو گئی، وہ خود کہتے ہیں کہ یہ صورت حال دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچا مذہب ہے اور یہ ضرور غالب آئے گا۔ کچھ دنوں بعد میں، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ مدینہ جا کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۳۹۰، احمد بن عبد اللہ بن احمد)

شان قیادت: آغوش اسلام میں آنے کے بعد اپنے وقت کا یہ عظیم سیاست داں ماہر تجربہ کار، نمایاں فہم و فراست کا مالک اور آشنائے فن حرب و ضرب مذہب اسلام کے لیے ایسا بطل جلیل اور قائد لشکر اسلام ثابت ہوا جس نے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے وقت کے بڑے بڑے ظالموں سے پنجہ آزمائی کی، کفر کی وادیوں میں علم اسلام لہرایا۔ ان کی ذہانت و فطانت کا شہرہ زمانہ کفر میں ہی کافی عروج پر تھا، لیکن اسلام میں داخل ہوتے ہی ان کی یہ خوبی دوبالا ہو گئی، یہی وجہ ہے کہ انھیں ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالم اسلام کی ایک عظیم جنگ، ذات السلاسل کے لشکر کا امیر نامزد فرمایا۔ اس کے علاوہ عہد صدیقی، عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں واقع ہونے والی جنگوں میں بھی انھیں قیادت سونپی گئی۔

حضرت عمرو بن عاص کی جنگی مہارت کا اندازہ ان کی اس جنگی تدبیر سے ہوتا ہے جو انھوں نے جنگ ذات السلاسل میں کی تھی۔ اسماعیل بن ابی خالد قیس کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جنگ ذات السلاسل سخت سردی میں واقع ہوئی تھی۔ سپاہیوں کو سخت سردی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ لوگ ٹھنڈی سے بچنے کے لیے آگ کا سہارا لینے والے تھے کہ اتنے میں امیر لشکر عمرو بن عاص کا حکم آ گیا "کوئی آگ نہ جلائے" پھر کسی کو ایسا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جنگ سے واپس آکر کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی تو آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وجہ دریافت کی۔ انھوں نے جواباً عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری تعداد کم تھی۔ ایسے میں اگر ہم آگ جلاتے تو دشمنوں کو ہماری قلت کا پتہ چل جاتا۔ اس لیے میں نے آگ جلانے سے منع کر دیا اور اندھیرے کو مسلمانوں کے حق میں مفید خیال کیا یہ رائے سماعت فرمانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ (تاریخ الاسلام، ج:۲، ص:۵۱۶، شمس الدین ذہبی، دار الکتاب العربی)

اسی طرح حضرت عمرو بن عاص کی ذہانت کا پتہ جنگ صفین کے اس حیلے سے ہوتا ہے جو انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں اس وقت اپنایا تھا جب کہ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لشکر باہم جنگ میں مصروف تھے۔ جنگ گھمسان کی تھی، دونوں طرف کے مجاہدین جام شہادت نوش فرما رہے تھے، اچانک جنگ کا نقشہ بدل گیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی قیادت کرنے والے اشتر نامی مجاہد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر پر ایسا شدید حملہ کیا کہ شامیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ شامی لشکر شکست کھانے کو تھا، اتنے میں حضرت عمرو بن عاص نے جنگ کے نتیجہ کو بھانپ لیا کہ اگر یہی حال رہا تو ہماری

شکست یقینی ہے۔ انھوں نے فوراً حضرت امیر معاویہ کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ آپ لشکر کو حکم دیجیے کہ وہ قرآن کو نیزوں پر بلند کریں اور یہ آواز لگائیں: ”ھذا الکتاب بیننا و بینکم“ اگر لوگ منظور کرلیں گے تو جنگ بند ہو جائے گی اور اگر اختلاف کرتے ہیں تو بھی ہمارا فائدہ ہوگا۔ اس مشورے کو قبول کیا گیا اور فوراً اس پر عمل ہوا۔ جس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ امیر معاویہ کا لشکر مات کھاتے کھاتے بچ گیا اور علوی لشکر جیت حاصل کرتے رہ گیا۔

دیکھیے! عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خداداد ذہانت و فطانت کو جس کے بل بوتے پر ہاری ہوئی جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔

(تذکرۃ الخفاء الراشدین، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

اجتہادی شان: اللہ رب العزت نے جہاں آپ کو دنیاوی امور میں بے پناہ کمال عطا کیا تھا وہیں دینی امور میں بھی بے انتہا کمال عطا کیا تھا۔ آپ واقف شریعت تھے، احکام قرآنی سے بخوبی آشنا تھے، آپ اجتہاد کے مقام پر فائز تھے۔ آپ کی شان مجتہدانہ مختلف تھی۔ آپ نو پید مسائل کو قران کی آیات کی روشنی میں حل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ چنانچہ جنگ ذات السلاسل کے ایک واقعہ سے آپ کی اجتہادی شان ظاہر ہوتی ہے:

بخاری شریف میں حضرت عبد الرحمن بن جبیر حضرت عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جنگ ذات السلاسل میں ایک سرد رات میں میں محتلم ہو گیا، میں نے تیمم کیا اور نماز پڑھادی، جب ہم جنگ سے واپس مدینہ آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، آپ نے مجھے بلا کر کہا تم نے حالت جنابت میں نماز پڑھادی؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! سخت سردی تھی، میں جنبی ہو گیا تھا اور مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر میں نہالوں تو مر جاؤں گا اس لیے میں نے اجتہاد کرتے ہوئے تیمم کر کے نماز پڑھادی اور اللہ کا یہ فرمان میرے پیش نظر تھا: و لا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما. (سورہ: نساء، پارہ: ۵) رسول اللہ ﷺ نے آپ کی زبان سے یہ استدلال سن کر مسکرا دیا اور کچھ نہ کہا۔ (مسند امام احمد ابن حنبل، ج: ۴، ص: ۲۰۳)

آپ کی روایت کردہ احادیث: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت حدیث میں اچھا خاصا حصہ لیا۔ آپ سے بہت ساری روایتیں مروی ہیں لیکن ہم یہاں اختصاراً ان کی روایت کردہ دو حدیثیں قلم بند کرتے ہیں:

(۱) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے رویت ہے انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب حاکم فیصلہ کرے اور وہ اجتہاد سے کام لے تو اگر وہ حق کو پا لیا تو اس کے لیے دو نہ اجر ہے اور اگر فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کیا اور خطا کر گیا تو ایک اجر ملے گا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج: ۴، ص: ۲۰۴)

(۲) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سات طرح کی موت سے پناہ مانگی (۱) ناگہانی موت سے (۲) سانپ کے ڈسنے سے ہونے والی موت سے (۳) درندے کے ذریعے واقع ہونے والی موت سے (۴) ڈوبنے سے (۵) جلنے سے (۶) کسی چیز پر گرنے کی صورت میں واقع ہونے والی موت سے یا کسی چیز کا ان پر گرنے کی صورت میں (۷) جنگ سے بھاگنے کے وقت قتل کیے جانے کی صورت میں ہونے والی موت سے۔ (ایضًا)

فضائل: حضرت ابراہیم نخعی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو جنگ ذات السلاسل میں امیر لشکر نامزد کیا جب کہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ (تاریخ اسلام، ج:۲، ص:۵۱۶، حافظ شمس الدین ذہبی، مطبع: دار الکتاب العربی)

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: "أسلم الناس و اٰمن عمرو" یعنی لوگ اسلام لائے اور عمرو بن عاص ایمان لائے یعنی لوگ ڈر کر ایمان لائے اور عمرو بن عاص نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔

(مشکوۃ، صفحہ:۔۔، ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، ناشر: مجلس برکات مبارک پور، ایڈیشن: ۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶ء)

محمد بن سلام جمحی بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی کو فصیح و بلیغ گفتگو کرتے ہوئے دیکھتے تو ارشاد فرماتے کہ اس شخص اور عمرو بن عاص کا خالق ایک ہے یعنی دونوں کمال درجہ کے فصیح و بلیغ ہیں۔ (اسد الغابۃ، ج:۶، ص:۱۶۵)

وصال پر ملال: آپ کی وفات کب واقع ہوئی؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ عمر بن شعیب کے مطابق آپ کی وفات مصر میں عید الفطر کے دن ۹۹ سال کی عمر میں ہوئی اور آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید سے پہلے پڑھائی، اور محمد بن عمر نے ۴۳ھ بتائی ہے جب کہ محمد بن سعد نے ۵۱ھ بتائی ہے، لیکن تحقیق کے مطابق دوسرا قول راجح معلوم ہو رہا ہے۔ (الطبقات الکبری، ج:۴، ص:۱۹۷،۱۹۶)

من أهل الفتوى

حضرت ام درداالکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت.....وفات ۳۰ ھ

محمد شوکت علی مصباحی، پورنیہ، جماعت: مشق افتا ۸۵۷۳۰۶۹۳۰۵

نام: حضرت ام درداالکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام خیرہ ہے ایک قول میں ہجیمہ ہے، راجح قول میں خیرہ ہے۔

کنیت: ام درداالکبری

والد گرامی: آپ کے والد گرامی کا نام ابوحدرد ہے۔آپ عرب کے مشہور قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے آپ کواسلمی کہاجاتا ہے۔

سلسلۂ نسب: خیرہ بنت ابی حدرد بن عمیر بن ابی سلمۃ اسلمی۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۷، ص:۳۱۶، ابن الاثیر علی جزری، دارالکتب العلمیہ بیروت)

ولادت: کافی جدو جہد کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ ولادت نہ مل سکی۔

قبول اسلام: حضرت ام درداالکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا درست رائے کی مالک اور اسلام کی صحیح سمجھ رکھنے والی تھیں، آپ ۲ھ کو دولت اسلام سے سرفراز ہوئیں، آپ اپنے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں: ”ایک دن ان کے شوہر حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ اپنے تجارتی مرکز پہنچے اور مسند پر بیٹھ کر تجارتی امور میں مشغول ہوگئے، ملازمین کی مختلف ذمہ داریاں سرانجام دینے کے لیے حکم صادر کرنے لگے۔ عین اسی وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ خیر سگالی کے جذبے سے سرشار ہوکر اپنے دوست ابو درداء کے گھر تشریف لائے۔کیا دیکھتے ہیں کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور میں صحن خانہ میں بیٹھی اپنے سر پر کنگھی کررہی ہوں، وہ آئے اور پوچھا ابودرداء کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا: وہ دکان پر گئے ہیں، تھوڑی ہی دیر میں آجائیں گے۔آپ نے پوچھا کہ مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟ میں نے کہا بڑی خوشی سے تشریف لائیے۔اتنا کہ کر میں اپنے کمرے میں چلی گئی، گھر کے انتظامات اور بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگئی، حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سیدھے اس کمرے میں پہنچے جس میں ابودرداء نے پوجا پاٹ کے لیے بت نصب کر رکھے تھے، بغل سے کلہاڑی نکالی، بت پر زوردار وار کیا اور اس کے حصے بکھیرنے شروع کردئے، کلہاڑی سے وار کرتے اور ساتھ ساتھ یہ الفاظ کہتے جاتے ”جس کو بھی اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے وہ باطل ہے“ جب ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے تو گھر سے نکلے اور اپنی راہ لی۔ان کے چلے جانے کے بعد میں کمرے میں داخل ہوئی، کیا دیکھتی ہوں کہ بت کے ٹکڑے چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں، یہ عجیب وغریب حالت دیکھ کر حواس باختہ ہوگئی، غم کے مارے زارو

قطار رونے لگی نوحہ کرتے کرتے کہنے لگی "اے ابن رواحہ تونے مجھے ہلاک کر دیا، اے ابن رواحہ تونے مجھے ہلاک کر دیا"۔ ادھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اپنے تجارتی امور میں مصروف تھے اور انھیں اس بات کا بالکل علم نہ تھا کہ ان کے گھر آج ایک ایسا واقعہ رونما ہو چکا ہے جو ان کے دل کی دنیا بدلنے والا ہے، جو اسے کفر و شرک اور بت پرستی کی ضلالت سے نکال کر ایمان و عرفان کی شاہراہ پر لانے والا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب میرے شریک حیات گھر پہنچتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ میں کمرے کی دہلیز پر بیٹھی رو رہی ہوں۔ آپ نے وجہ دریافت کی تو میں نے کہا کہ "آپ کے بھائی عبداللہ ابن رواحہ نے بت کے ساتھ کیا کیا، آپ خود دیکھ لیں۔ دیکھتے ہی وہ غضب ناک ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو ایمان کی طرف مائل کر دیا تو تھوڑی دیر بعد کہا "اگر اس بت میں کوئی خوبی ہوتی تو آج یہ ضرور اپنا دفاع کرتا۔ اور ہم کس قدر بے شعور ہیں کہ جو اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہم اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں"۔ اس خیال کا آنا تھا کہ دل کی دنیا بدل گئی، فوراً مجھے اپنے ساتھ لے کر حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھیں اپنے ہمراہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم دونوں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۵۱، علامہ محمد بن سعد بن منیع الزہری، مکتبۃ الخانجی بالقاہرہ)

فضل و کمال: حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا علوم قرآن و حدیث کی زبردست عالمہ، فضل و کمال کی جامع فاضلہ، دور اندیشی اور درایت رائے میں ید طولیٰ رکھنے والی عاقلہ، زہد و ورع اور عرفان و حقیقت کے چشمۂ حیات کی غوطہ خور زاہدہ اور باکمال فقیہہ تھیں۔ باریک سے باریک نو پید مسائل کو فقہی فراست سے دیکھتے ہی دیکھتے لمحوں میں حل کر دیتیں معاصرین میں آپ کے فضائل و کمالات کی طوطی بولتی تھی۔ حضرت ام درداء الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اصابت رائے، عقل کی پختگی، فضائل و کمالات کی جامعیت، زہد و ورع میں بلند مقام اور فقہ و افتا میں امتیازی خصوصیات کا اندازہ ذیل کے اقتباسات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

علامہ تقی الدین احمد لکھتے ہیں: كانت من فضلاء النساء و عقلائهن وذوات الرای فيهن "وہ بڑی عاقلہ، فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں۔ (امتناع الاسماع، ج:۲، ص:۳۰۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو الحسن علی بن محمد جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: كانت أم الدرداء من فضلاء النساء و عقلائهن و من ذوات العبادة. وہ عورتوں میں بڑی فاضلہ، عاقلہ اور عبادت گذار تھیں۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷، ص:۳۱۷)

حضرت امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: كانت أم الدرداء يعني هذه فقيهة و اتفقوا على وصفها بالفقه و العقل و الفهم و الجلالة. "حضرت ام درداء الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقہ، عقل و دانش، فہم و فراست اور جلالت شان کی جامع تھیں"۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۲، ص:۲۳۷، حافظ ابو ذکریا، الطبعۃ الاولی ۲۰۰۷ء ـ ۱۴۲۸ھ)

حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كانت أم الدرداء من فضلاء النساء و عقلائهن و ذوات الرای فيهن مع العبادة و النسك. وہ عبادت و ریاضت کے ساتھ طبقۂ نسواں میں عاقلہ، فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۸، ص:۹۹، حافظ شہاب الدین)

روایات احادیث : حضرت ام درداء الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منصب فقہ کے بلند مقام پر فائز تھیں تادم حیات مسند درس وتدریس اور منصب اجتہاد پر جلوہ گر ہوکر احکام فقہیہ اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کرتی رہیں۔ اس دوران متعدّد صحابہ کرام اور تابعین نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا، اورآپ سے متعدّد احادیث روایت کیں۔ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ام درداء کبری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے شوہر ابو درداء سے روایت کرتی ہیں اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، جس میں صفوان بن عبداللہ صفوانی، میمون بن مہران، زید بن اسلم اور ام درداء صغری شامل ہیں۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۸، ص:۹۹ شہاب الدین، دارالفکر بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱ء)

حدیث : عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبيه أنه سمع أم الدرداء تقول خرجت من الحمام فليقيني رسول الله ﷺ فقال : من أين أقبلت يا أم الدرداء قلت : من الحمام قال : منكن إمراة تضع ثيابها فى غير بيت احدى أمهاتها أو زوج إلا كانت هاتكه كل ستر بينها و بين الله.

(امتاع الاسماع، ج:۲، ص:۳۰۰، تقی الدین احمد، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء)

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حمام سے نکلی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا: اے ام درداء کہاں سے آئی؟ تومیں نے جواب دیا کہ حمام سے۔ حضور نے فرمایا اگر کوئی عورت اپنا کپڑا اپنے ماؤں یا شوہر کے گھر کے علاوہ میں اتارتی ہے تووہ اپنے اور اللہ رب العزت کے درمیان حجاب کو چاک کرنے والی ہوتی ہے۔

حديث: عن أم الدرداءعن أبي الدرداء رضى الله عنها قال: قال رسو الله ﷺ إنَّ اللهَ أنزل الداء والدواء ٠ وجعل لكل داءٍدواءً فتداوو ا ولا تداوو ابحرامٍ. (مرجع السابق، ج:۸، ص:۳،۴)

ترجمہ: حضرت ام درداء حضرت ابودرداء سے روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوا اور بیماری دونوں نازل فرمائی اور ہر بیماری کی دوا بھی نازل فرمائی توتم علاج کرو اور حرام اشیا سے علاج کرنے سے بچو۔

حديث: عن أم الدرداءعن أبى الدرداء رضى الله عنها قال: قال رسول الله ﷺ فضل الصلاة فى المسجدالحرام علىٰ غيرہٖ مائة الف صلاةوفى مسجدبيت المقدس خمس مائة صلاة (ایضًا، ج:۱۰، ص:۳۵۸)

ترجمہ: حضرت ام درداء حضرت ابودرداء سے رویت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور بیت المقدس میں پانچ سو نمازوں کے برابر۔

حديث: قال سمعت طلحةبن عبيدالله بن كريز قال: سمعت أم الدرداء(تقول)سمعت رسول الله ﷺ يقول إنه يستجاب للمرء بظهر الغيب لأخيه، فما دعا لأخيه بدعوة إلا قال الملك: ولك بمثل.

(معرفۃ الصحابۃ، ج:۱، ص:۳۴۹۵)

ترجمہ: حضرت ام درداء بیان فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا جو بندہ اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرتا ہے وہ دعا قبول ہوتی ہے توجب بندہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے توفرشتے بھی اس کے لیے ایسی ہی دعا کرتے ہیں۔

حدیث: عن میمون بن مهران قال: قلت لأم الدرداء: سمعت عن النبي ﷺ شيئاً؟ قالت: نعم، دخلت علیه وهو جالس فی المسجد فسمعته یقول: اول مایوضع فی المیزان الخلق الحسن. (ایضًا)

ترجمہ: حضرت ام درداء بیان فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، آپ فرمارہے تھے کہ حسن اخلاق سب سے پہلے میزان پر رکھا جائے گا۔

اوصاف وکردار: حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا گوناگوں اوصاف وکمالات کی جامع تھیں۔ آپ کی ذات میں جہاں اخلاق حسنہ، بلند کردار، شائستہ خصلتوں کا تلاطم نظر آتا ہے وہیں زہد وورع، فکر آخرت، عشق الٰہی ومحبت رسول ﷺ کا جذبہ، احکام شرعیہ میں اجتہادی شان، دعوت وتبلیغ اوراعلائے کلمۃ الحق کے لیے مرمٹنے کا جذبۂ صادق کی جلوہ گری بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ چناں چہ حضرت عوف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ام درداء کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اوران سے دریافت کیا کہ ہم لوگوں نے آپ کی مصروفیات میں خلل تونہیں ڈالا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے ہر چیز میں عبادت طلب کی توعلما کی مجالس اور گفتگو سے زیادہ شافی یاشفابخش اپنے نفس پر کسی چیز کو نہیں پایا اور ایک شخص کو تلاوت کا حکم دے کر ہمارے درمیان سے چلی گئیں تو اس نے تلاوت کی "ولقدوصلنالهم القول" اور دوسری جگہ فرماتی ہیں کہ "افضل العلم المعرفة" علم میں افضل معرفت ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۲، ص:۲۳۸، حافظ ابوبکر ذکریا، الطبعۃ الاولی ۲۰۰۷ء-۱۴۲۸ھ)

حضرت عبدربہ بن سلمان ابن عمر فرماتے ہیں: "حضرت ام درداکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میری تختی پروہ نصیحت لکھی جو مجھے سکھائی تھی "چھوٹوں کو وہ حکمت سکھاؤ جو تم نے بڑوں سے سیکھا ہے"۔ (ایضًا)

حضرت میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اوقات صلاۃ میں حضرت ام دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دربار میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی تو میں آپ کو نماز ہی کی حالت میں پاتا"۔

حضرت میمون رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ جب میں حضرت ام درداکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو وہ مجھے کوئی نہ کوئی اچھی نصیحت ضرور کرتیں، ایک دن مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرماتیں ہیں "ولذکر الله أکبر" اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اگر میں نماز پڑھتی ہوں تو اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے اور اگر میں خاموش رہتی ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور ہر بھلائی جو تم جانتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے اور ہر برائی جس سے تم بچتے ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے اور سب سے افضل ذکر اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے" (مرجع السابق، ص:۲۳۹)

وفات: حضرت ام دردا کبریٰ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات کے تعلق سے صریح قول تو مذکور نہیں البتہ روایتوں میں ہے کہ حضرت ام دردا رضی اللہ عنہا نے حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسال قبل ملک شام میں وفات پائی۔ یہ خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷، ص:۳۱۷، دارالکتب العلمیہ)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا اس اعتبار سے حضرت ام درداکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وصال ۳۰ھ ہوئی۔

(مشاہیر حدیث، ص:۱۶۹، ڈاکٹر عاصم اعظمی)

من
أهل الفتوى

حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۵۰ھ

محمد صدام حسین رضوی، سیتامڑھی، جماعت: سابعہ ۹۵۹۸۳۱۵۱۳۰

اسم گرامی: حضرت حکم

کنیت: ابو عمرو غفاری (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۲،ص:۹۳،علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

والد گرامی: عمرو۔

سلسلۂ نسب: حضرت حکم بن عمرو بن مُجَدَّع بن حِذیم بن حارث بن نعیلہ بن مُلَیل بن ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: ۲،ص:۵۱،ابن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۳ء ۱۴۲۴ھ)

ولادت: تلاش بسیار کے باوجود ان کی تاریخ پیدائش اور جائے ولادت نہیں ملی۔

خاندانی پس منظر:۔ حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ یہ حضرت رافع بن عمرو کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں بھائی قبیلۂ غفار کی نسبت سے مشہور ہیں۔ مگر علمائے انساب اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں نَعیلہ بن مُلَیل کے خاندان سے ہیں۔ جو غفار بن ملیل کے بھائی تھے۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ یعنی حکم بیٹے ہیں۔ عمرو بن مجدع غفاری کے اور اسی قبیلۂ غفار سے یہ مشہور و معروف بھی ہیں۔ (حوالۂ سابق)

قبولِ اسلام: حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا زمانہ متعیّن نہیں ہے۔ البتہ کسی وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے۔ اور اسلام لانے کے بعد آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوگئے۔ پھر بصرہ گئے اور وہیں بود و باش اختیار کرلی۔

(الطبقات الکبریٰ ج: ۷،ص: ۲۱، محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، ان کی وفات کے بعد بصرہ کی سکونت اختیار کرلی۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد:۲،ص:۵۱)

سریہ میں شرکت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زیاد نے ان کو خراسان کا گورنر بنانا چاہا تو انھوں نے قبول کر لیا اور نہایت ایمان داری اور سچائی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے لگے۔ لیکن جب کبھی اسلامی اصول اور حکومت کے اصول میں تعارض ہو جاتا تو حضرت حکم حکومت کے اصول کو ٹھکرا دیتے، خراسان کی گورنری کے زمانہ میں کسی جنگ میں بہت

ساما ل غنیمت ہاتھ آیا، زیاد نے لکھ بھیجا کہ امیر المؤمنین کا فرمان آیا ہے کہ سونا، چاندی ان کے لیے محفوظ کر لیا جائے۔ اس لیے سونا اور چاندی لوگوں کے درمیان تقسیم نہ کرنا۔ چوں کہ یہ حکم اسلامی اصول کے خلاف تھا۔ اس لیے انھوں نے نہایت صاف جواب لکھا:

السلام علیکم، امابعد، تمھارا خط جس میں تم نے امیر المؤمنین کے حکم کا حوالہ دیا ہے، ملا ہے۔ لیکن امیر المؤمنین کے مکتوب سے قبل مجھ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مل چکی ہے۔ (یعنی مال غنیمت میں عام مجاہدین کا بھی حصہ ہے۔) خدا کی قسم اگر کسی بندے کو آسمان و زمین گھیر لیں اور وہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہو تو وہ اس کی رہائی کا ضرور کوئی نہ کوئی سامان کرے گا۔ (یعنی اس حکم عدولی پر جو عین حکم خدا کے مطابق ہے کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ جواب لکھ کر مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنا حصہ لے لو۔

(الطبقات الکبری، جلد:۷، ص:۲۱)

گو انھوں نے خراسان کی گورنری قبول کر لی تھی۔ لیکن اس زمانہ کے محدثات سے کبھی متاثر نہ ہوئے۔ بلکہ نالاں رہے۔ خدائے تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ "اے اللہ عزوجل! اگر تیرے یہاں میرے لیے بھلائی ہے تو تو مجھ کو بلا لے۔"

(اِستیعاب، ج:۱۰، ص:۴۱۲، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ قرطبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۲ء)

ایک مرتبہ کہہ رہے تھے کہ اے طاعون! مجھ کو اٹھا لے، کسی نے کہا ایسی دعا کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ ہم لوگوں کو کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرنی چاہیے، جو کچھ تم نے سنا ہے، وہ میں نے بھی سنا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ چھ چیزوں کے دیکھنے سے پہلے دنیا سے اٹھ جاؤں (۱) حکم (فیصہ) کی تجارت (۲) پولیس کی کثرت (۳) نو عمر لڑکوں کی حکومت (۴) خون ریزی (۵) قطع رحم (۶) اور ایسی نسل جو قرآن کو مزامیر بنائے گی

(المستدرک علی الصحیحین، ج: ۳، ص:۴۴۳، امام حافظ ابو عبد اللہ حاکم، نیسا پوری، مکتب: المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

جنگ صفین سے کنارہ کشی: شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد مسلمانوں میں بڑی خانہ جنگیاں ہوئیں۔ لیکن حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ نے کسی جنگ میں حصہ نہ لیا، جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ اس جنگ میں تم پر ہماری امداد کا زیادہ حق ہے، حضرت حکم نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دوست اور آپ کے چچازاد بھائی سے سنا ہے کہ جب ایسا اور اس قسم کا کوئی معاملہ پیش آئے تو لکڑی کی تلوار بنا لینا۔

(المستدرک علی الصحیحین جلد:۳، ص:۴۴۲)

ان سے روایت کرنے والے: حضرت ابو الشعثا، حضرت حسن بصری، ابن سیرین، ابو حاجب، حضرت عبد اللہ بن صامت، ابو تمیمہ ہجیمی، وغیر ہم نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔

(تہذیب التہذیب، ج: ۲، ص:۳۹۷، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دار الفکر، پہلا ایڈیشن ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ء)

ان کی روایت کردہ احادیث: (۱) عن رجل من بنی غفار قال: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن فضل طهور المرأة.

(جامع الترمذی فی السنن، ج:۱، ص:۱۰، کتاب الطہارۃ، باب فی کراھیۃ فضل طھور المرأۃ، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

ترجمہ: قبیلۂ بنی غفار کے ایک شخص سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔

(۲) عن الحکم بن عمرو : أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نھی أن یتوضأ الرجل من سؤر المرأۃ .

(مسند احمد بن حنبل، ص:۱۲۹۷، حدیث:۱۸۰۱۸، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، بیت الافکار الدولیۃ ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸ء)

ترجمہ: حضرت حکم بن عمرو سے مروی ہے: کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔

(۳) عن دلجۃ بن قیس :أن رجلا قال للحکم الغفاری ،أو قال الحکم لرجل :أتذکر یوم نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن النقیر و المقیر أو أحدھما و عن الدبّاء و الحنتم. فقال :نعم و أنا أشھد علی ذلک .

(مسند احمد بن حنبل، ص:۱۲۹۷، حدیث:۱۸۰۱۷)

ترجمہ: دلجہ بن قیس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت حکم غفاری سے پوچھا یا خود حضرت حکم نے ایک شخص سے پوچھا: کیا تمھیں وہ دن یاد ہے کہ جس دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نقیر (کھجور کا گھڑا) اور مقیر سے یا ان دونوں میں سے ایک سے اور دباء (کدو کا برتن) اور حنتم (ہرے رنگ کا گھڑا) سے منع فرمایا تو اس نے جواب دیا: ہاں مجھے یاد ہے اور میں اس پر گواہ ہوں۔

وفات: حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی وفات خراسان کے مضافات مقام ''مرو'' میں ہوئی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب ہو گیا انھوں نے انس بن ابی ایاس کو اپنا قائم مقام بنایا۔ (استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۴۱۲)

آپ کی تاریخ وصال کے متعلق مؤرخین کا قدرے اختلاف ہے:

(۱) بعض محققین کا خیال ہے کہ آپ کا وصال ۴۵ھ میں ہوا (۲) بعض علما فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی (۳) حضرت ابن ماکول کا کہنا ہے کہ آپ ۵۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور یہی قول راجح بھی ہے، جیسا کہ اسی قول کی تائید دوسری کتابوں میں بھی ملتی ہے۔ (تہذیب التہذیب، جلد: ۲، ص:۳۹۸)

من أهل الفتوى

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۔۔۔۔

محمد احمد رضا، گڈا، جماعت: فضیلت 7850998803

نام: آپ کا اسم گرامی وابصہ بن معبد اور **کنیت:** ابوسالم ہے۔ آپ قبیلۂ بنواسد سے تعلق رکھتے ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: وابصہ بن معبد بن عتبہ بن الحارث بن مالک بن الحارث بن قیس بن کعب بن سعید بن الحارث بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

(اصابہ ۶/۴۶۱، حافظ احمد بن علی حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ایڈیشن: دوم ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

کثیر تلاش وجستجو کے باوجود راقم کو ان کی ولادت ووصال کے متعلق کوئی صراحت نہ مل سکی، البتہ صاحب اسد الغابہ نے ان کے مزار مقدس کے متعلق یہ صراحت فرمائی ہے کہ وصال مقام رقہ میں ہوئی اور مزار مقدس رافقہ کی جامع مسجد کے پاس ہے۔ (اسد الغابہ، ج: ۵ ص: ۳۹۸، عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد جزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ایڈیشن: دوم، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء)

قبول اسلام: رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اپنے وطن، گھربار اور اہل وعیال کو خیرآباد کہہ کر مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو گلشن اسلام میں بہار آگئی۔ چند سال پہلے وادئ بطحا سے جو صدائے حق بلند ہوئی تھی وہ اب روز بروز بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ یمن، بحرین اور حضر موت سے حدود شام وعراق تک پھیلے ہوئے لاکھوں مربع میل علاقے میں گھر گھر تک پہنچ گئی۔ معبودان باطل کے پجاریوں نے جب دیکھا کہ شمع رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروانوں میں دن بہ دن اضافہ ہوتا ہی چلا جارہا ہے تو ان پر ہیبت حق طاری ہوگئی اور وہ دنیائے عرب کے کونے کونے سے اپنے علاقوں اور قبیلوں کے نمائندۂ وفد بن کر جوق در جوق بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے، کچھ اسلام قبول کرنے کے لیے، اور کچھ دعوت اسلام قبول کرنے کے بعد احکام دین سیکھنے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت وبیعت سے مشرف ہونے اور کچھ صلح وامن کا معاہدہ کرنے کے لیے۔ چوں کہ اس طرح کے وفود اکثر وبیشتر فتح مکہ کے بعد ۹/ ہجری میں مدینہ منورہ آئے اس لیے ۹/ ہجری کو عام الوفود کہا جانے لگا۔

انھیں میں سے ایک وفد بنواسد کا تھا جو ۹/ ہجری کے اوائل میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا جن میں حضرمی بن عامر، ضرار بن الازور، وابصہ بن معبد، قتادہ بن القایف، مسلمہ بنت جیش، طلحہ بن خویلد اور نقادہ بن عبد اللہ بن خلف جیسے افراد شامل تھے۔ یہ حضرات بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر نہایت خوش دلی سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر حضرمی بن عامر نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فخریہ لہجے میں کہا کہ: آپ نے کوئی جماعت ہماری طرف نہیں بھیجی، بلکہ

ہم خود اس ادھیڑ عمر میں سخت تاریک راتوں میں دور دراز کی مسافت طے کرکے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ان کے احسان جتانے پر خداوند قدوس نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ (الحجرات:۱۷)

ذات رسول سے وابستگی: آپ کا شمار ان معزز صحابہ میں ہوتا ہے جو شب و روز دربار رسول میں رہ کر آپ ﷺ سے بلاواسطہ فیض حاصل کیا کرتے تھے، جنھیں اصحاب صفہ سے جانا جاتا ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اصحاب صفہ کی مجلس میں بیٹھتے اور کہتے کہ: یہ ہمارے بھائی ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۲، ص:۲۳، حافظ ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی، دار الفکر ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء۔)

زہد و تقویٰ: قبول اسلام کے بعد "ادخلوا في السلم كافة" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آپ کامل طور پر اسلام میں داخل ہوگئے اور سنت نبوی کو اپنا شعار بناتے ہوئے خلاف شرع امور سے اجتناب کرنے کا عزم مصمم کرلیا۔ چناں چہ اس سلسلہ میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی جسے وہ خود اپنی زبانی یوں بیان فرماتے ہیں: "أتيت رسول الله و أنا ار يد ان لا ادع شيئا من البر و الاثم الا سألته عنه و اذا عند جمع فذهبت اتخطى الناس فقالوا اليك يا وابصة عن رسول الله ﷺ اليك يا وابصة فقلت انا وابصة دعوني ادنو منه فانه من احب الناس الى ان ادنو منه فقال لى ادن يا وابصة ادن يا وابصة فدنوت منه حتى مست ركبتى ركبته فقال يا وابصة اخبرك ماجئت تسألنى عنه او تسألنى؟ فقلت يا رسول الله ﷺ فاخبرنى قال:

جئت تسألنى عن البر و الاثم فقلت نعم فجمعل اصابعه الثالث فجع ينكت بهافى صدرى و يقول يا وابصة استفت نفسك البر ما اطمأن اليه القلب و اطمأنت اليه النفس و الاچم ماحاك فى القلب و ترددفى الصدر وإن افتاك الناس." (مسند امام احمد بن حنبل، ج: ۴، ص:۲۲۷۔ ۲۲۸، دار الفکر)

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس ارادے کے ساتھ حاضر ہوا کہ ہر نیکی اور بدی کے متعلق آپ سے پوچھ لوں۔ اس وقت صحابۂ کرام کا مجمع لگا ہوا تھا، میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آپ کی جانب بڑھا، لوگوں نے کہا: اے وابصہ! رسول اللہ ﷺ سے دور رہو تو میں نے کہا: مجھے ان سے قریب ہونے دو کیوں کہ یہ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے وابصہ! قریب آجاؤ تو میں آپ سے اتنا قریب ہوکر بیٹھا کہ میرے گھٹنے آپکے مبارک گھٹنوں کو مس کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: اے وابصہ! کیا میں تمھیں اس امر کے متعلق خبر دوں جسے تم پوچھنے آئے ہو، یا تم خود پوچھ لو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ خبر دے دیں، آپ نے فرمایا: تو مجھ سے ہر قسم کی نیکی اور بدی کے متعلق پوچھنے آیا ہے۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں تو آپ نے اپنی تین انگلیاں جمع فرمائی اور اس سے میرا سینہ ٹٹولنے لگے اور فرمایا: اپنے نفس سے اس کا فتویٰ پوچھ لے، نیکی وہ ہے جس فعل پر تیرا دل اور تیرا نفس مطمئن ہو،

اور جو تیرے دل میں کھٹکے اور نفس میں تردد پیدا کرے وہ بدی ہے۔ اگرچہ لوگ تجھے جو بھی فتوی دیں۔

آپ کے زہد و تقویٰ اور خوف خدا کا عالم یہ تھا کہ خدا کی بارگاہ میں کثرت سے گریہ و زاری کرتے۔ آپ کے آنسوؤں پر آپ کا قبضہ نہیں تھا۔ خوف خدا دل میں اس قدر جاگزیں تھا کہ دنیا سے کنارہ کش ہوکر ہمیشہ اللہ رب العزت کی عبادت و ریاضت کرتے رہتے۔ بشر بن لاحق رقی آپ کے اندر خوف خدا اور آپ کی گریہ و زاری کو اس انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ میں آپ کی بارگاہ میں آیا کرتا تھا اور جب بھی میں آتا عموماً قرآن مجید آپ کے سامنے رکھا ہوا پاتا پھر آپ خدا کی بارگاہ میں اس قدر گریہ و زاری کرتے کہ آنسوؤں سے مصحف شریف کا ورق بھیگ جاتا۔

شیوخ: آپ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، حضرت عبد اللہ ابن مسعود، خریم بن فاتک اسدی اور ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی۔

تلامذہ: آپ سے آپ کے بیٹے عمرو اور سالم کے علاوہ زر بن حبیش، بلال بن یساف، عمرو بن راشد اشجعی، راشد بن سعد، زیاد بن ابو الجعد اور شداد مولیٰ عیاض وغیرھم نے روایت کی۔

(تہذیب التہذیب، ج: ۹ ص: ۱۱۱، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الفکر، ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۰ء، ایڈیشن: دوم)

من
أهل الفتوى

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔ وفات:۷۳ھ

محمد کلیم اشرف رضوی، مظفرپور، Mob. 7236940314

اسم گرامی: عوف بن مالک اشجعی غطفانی، **کنیت:** ابو عبدالرحمٰن، ابو عبداللہ، ابو محمد، ابو عمرو اور ابو حماد۔

(اسد الغابہ، ج: ۴، ص: ۳۰۰)

آپ قبیلۂ غطفان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ ہی وہ شخص ہیں جنھیں غزوۂ خیبر میں سب سے پہلے شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور فتح مکہ کے روز آپ کا بڑا دلیرانہ کردار تھا۔ آپ عالی ظرف صحابۂ کرام میں سے تھے اور آپ کی ذات مکارم اخلاق کا آئینہ تھی۔

قبول اسلام: جب عرب کا ہر خطہ دھیرے دھیرے اسلام کی روشنی سے منور ہو رہا تھا اور لوگوں کے دل اسلام کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ ایسے وقت میں اللہ رب العزت نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آغوش اسلام میں جگہ دی اور آپ غزوۂ خیبر کے سال ۷ھ میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۴، ص:۷۱۱، مرجع سابق)

غزوات میں شرکت: آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں آپ خیبر، موتہ، فتح مکہ، حنین اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ بہت سے کافروں کو واصل جہنم کیا اور دلیری و جواں مردی کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۶۷)

آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کو اپنی تشریف آوری کا شرف بخشا تو اس وقت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب جو مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر آپ کے ساتھ تشریف لائے تھے، وہ بڑی بے کسی کی حالت سے دوچار تھے، تو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار مدینہ اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتۂ مواخات امام ربانی اور مدینے کے جلیل القدر صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم فرمایا۔

(تہذیب التہذیب، ج:۶، ص:۱۶۸)

آپ کی زندگی کا ایک واقعہ درج ذیل ہے جو آپ کی شریعت کی پاسداری اور تقویٰ پر دلالت کرتا ہے: ایک مرتبہ آپ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ پر ہاتھ مار کر تنبیہ کی اور فرمایا: کیا تم سونے کی انگوٹھی پہنتے ہو؟ جب کہ یہ شریعت میں مردوں کے لیے حرام ہے۔ تو حضرت عوف بن مالک نے سونے کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی تو حضرت عمر نے ان سے فرمایا: ”ہمارا خیال ہے کہ ہم نے تجھے تکلیف میں ڈال دیا

اور تیری انگوٹھی ہلاک کردی''۔ تووہ دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''یہ جہنمیوں کا زیور ہے''۔ پھر اگلے دن آپ چاندی کی انگوٹھی پہن کر تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۱۱)

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے احکام شریعت کی بجاآوری میں اپنے مال کی پرواہ نہ کی اور اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا اور آپ کو کوئی غم بھی نہیں ہوا۔

خدمت حدیث: آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قرب حاصل تھا۔ اسی قرب کی وجہ سے آپ کے سینے میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کا ذخیرہ محفوظ ہو گیا تھا۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد متعیّن تو نہیں ہے، البتہ آپ سے روایت کرنے والے حضرات کی تعداد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اس میدان میں کافی آگے نظر آتے ہیں۔ پیش ہیں ان راویان حضرات کے اسمائے گرامی: حضرت ابوہریرہ، ابومسلم خولانی، حضرت جبیر ابن نفیر، حضرت ابوادریس خولانی، راشد بن سعد، یزید بن اصم، شریح بن عبید، مشعی، سالم ابوالنضر، سلیم بن عامر، شدّاد ابوعمّار رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(الاستیعاب، ج:۳، ص، ۲۹۸)

آپ سے روایت کردہ احادیث میں سے دو احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے ساتھ آرام فرما ہوئے تو ہم میں سے ہر شخص نے اپنی سواری کے ذراع کو تکیہ بنالیا۔ جب میں رات کے ایک حصے میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی سواری کے پاس موجود نہیں ہیں۔ اس چیز نے مجھے گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ اس لیے میں آپ کی تلاش میں نکل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت معاذ اور ابوموسیٰ بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اسی درمیان اچانک ہم نے وادی کے بالائی سطح سے ایک آواز سنی جو چکی کی آواز کے مانند تھی۔ حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے معاملے کی خبر دی تو آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کو من جانب اللہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے شفاعت اور نصف امت کو جنت میں داخل کرنے کے درمیان اختیار دیا تو میں نے شفاعت اختیار کی۔ تو حضرت عوف بن مالک نے فرمایا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کو اللہ اور اس کی دوستی کا واسطہ، آپ نے ہمیں اہل شفاعت سے کیوں قرار دیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں کہ تم اہل شفاعت سے ہو۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۶۸)

حدیث (۲) کثیر بن مرہ نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد حمص میں وعظ کہتے ہوئے دیکھا تو کہا: ہائے افسوس! کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ لوگوں کے سامنے امیر ہی وعظ کہے یا امیر جس کو وعظ کا حکم دے یا جو اس پر مقرر ہو۔

وصال: آپ عہد صدیقی میں ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور حمص میں قیام پذیر ہوئے آپ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور خلافت تک بقید حیات رہے اور آپ نے ۷۳ھ میں وصال فرمایا۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۴، ص:۶۱۷)

من أهل الفتوى

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۴۳ھ

محمد عبدالسلام، مدناپور، جماعت: سابعہ 9648570377

تعارف: آپ کا اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو یوسف اور والد کا نام سلام تھا۔ آپ بنی قینقاع قبیلے کے چشم و چراغ تھے، یہ بنی خزرج کا حلیف قبیلہ تھا۔ دور جاہلیت میں آپ کا نام حصین تھا، پھر جب آپ اسلام کے دامن سے وابستہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۴، ص:۱۰۲، امام ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سلسلۂ نسب: عبداللہ بن سلام بن الحارث الاسرائیلی۔ آپ یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

(الاعلام، ج:۴، ص:۲۲۳)

قبول اسلام: آپ کے قبول اسلام کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ آپ نے توراۃ میں یہ پڑھا تھا کہ مکہ میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ دل میں ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ نئے نبی کی زیارت کا شرف کب حاصل ہو گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ اس نبیٔ موعود کی مدینہ میں تشریف آوری ہو چکی ہے اور وادی قباء میں قیام پذیر ہیں۔ استیعاب میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لما قدم النبی صلی اللہ علیه و سلم انحفل الناس علیه و کنت فیمن انحفلوا فلما رأیته أن وجهه لیس بوجه کذاب. (الاستیعاب ج:۳، ص:۳۸۴، علامہ ابن عبداللہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

"جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی تو لوگ بہ صد شوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حاضری کا شرف پانے والوں میں میں بھی تھا۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ چہرا کسی جھوٹے کا چہرا نہیں ہو سکتا۔"

مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ خبر سنی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قباء میں عمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، اس وقت میں درخت پر بیٹھا کھجوریں توڑ رہا تھا اور میری پھوپھی خالدہ بنت الحارث درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے یہ خبر سنتے ہی زور سے اللہ اکبر کہا۔ میری پھوپھی نے جب مجھ سے نعرہ تکبیر سنا تو اس نے کہا حصین تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اتنی خوشی تو تجھے اس وقت بھی نہ ہوتی کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام تشریف لے آتے۔ میں نے کہا پھوپھی یہ بھی اللہ کے سچے نبی ہیں جس طرح موسی علیہ السلام اللہ کے سچے نبی تھے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے گیا۔ میں نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ قبول اسلام کے بعد سب سے پہلی بات جو میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سنی وہ یہ تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

افشوا السلام و أطعموا الطعام و صلوا الارحام و صلوا باللیل و الناس نیام تدخلوا الجنة بسلام . (مشکوۃ المصابیح، ج:۱، ص:۱۶۸، باب: فضل الصدقۃ، ناشر: مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

"سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز پڑھو اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔"

اسلام کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر گھر واپس ہوئے، اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی، سب نے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کرنے کی عزت حاصل کر لی۔

(صور من حیاۃ الصحابہ، ڈاکٹر عبد الرحمن رافت الباشا، ص:۴۴۲)

ذات رسول ﷺ سے وابستگی: حضرت عبد اللہ بن سلام ایک سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کے عشقِ فراواں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قبول اسلام سے پہلے ہی جب آپ توراۃ شریف کی تلاوت فرماتے تو ان مقامات پر طویل وقفہ کرتے تھے جہاں مکہ میں حضور ﷺ کے ظہور کی بشارت دی گئی تھی اور آپ کے اوصاف و علامات کو جاننے کے لیے بے چین ہو جاتے تھے۔ ذات رسول ﷺ سے اسی لگاؤ کی وجہ سے دولت ایمان آپ کے ہاتھ آئی اور دنیا ہی میں آپ کو جنت کی بشارت سنادی گئی۔ چنانچہ علامہ ابن عبد اللہ نقل فرماتے ہیں:

و شهد رسول الله صلى الله علیه و سلم بعبد الله بن سلام بالجنة .

(الاستیعاب، ج:۳، ص:۳۸۴، علامہ ابن عبد اللہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن سلام کے جنتی ہونے کی گواہی دی۔"

فضائل و مناقب: آپ کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے امام ترمذی نے ارشاد فرمایا: جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ سے سوال کیا گیا کہ اے ابو عبد الرحمن! ہمیں وصیت کیجیے، آپ نے فرمایا: میرے پاس بیٹھو پھر فرمایا کہ یقیناً علم و ایمان اپنی جگہ پر ہیں، جس نے انھیں تلاشا اس نے پایا، علم چار لوگوں کے پاس سے سیکھو، عُویمر ابو الدرداء کے پاس، سلمان فارسی کے پاس عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن سلام کے پاس جو پہلے یہودی تھے پھر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ انه عاشر عشرة فی الجنة .

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۲۶۶، ابن الاثیر الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی ایسے شخص کے بارے میں جو زمین پر چلتا ہو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے مگر عبد اللہ بن سلام۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۴، ص:۱۰۲۔ مشکوۃ، باب جامع المناقب، ج:۲، ص:۵۷۵، ناشر: مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ شان عطا کی کہ آپ کے بارے میں قرآن کی دو آیتیں نازل ہوئیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "و شهد شاهد من بنی اسرائیل علی مثله" (سورہ: احقاف، آیت:۱۰) اور "قل کفی بالله شهیدا بینی و

بینکم و من عندہ علم الکتاب"(سورہ:رعد،آیت:۴۳) (الاصابہ،ج:۴،ص:۱۰۴)

فقہ سے دل چسپی: علوم دینیہ میں علم فقہ کا مقام و مرتبہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین"(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بناتا ہے) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں رہتے تھے۔ آپ کے اقوال و افعال کو ملاحظہ کرتے تھے اور ان سے مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ یعنی ان نفوس قدسیہ کے اندر دیگر گوناگوں خصوصیات کے علاوہ مجتہدانہ شان بھی موجود تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام بھی انھیں مجتہدین صحابہ میں سے ایک تھے بلکہ یہ فقہی بصیرت تو آپ کے اندر قبول اسلام سے پہلے ہی موجود تھی۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے:"حضرت عبداللہ بن سلام یہود کے متبحر علما میں سے تھے۔ اہل مدینہ اختلاف مذہب و ملت کے باوجود آپ کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ اور صدق و صفا آپ کے اوصاف تھے۔ آپ وقت کے پابند تھے۔ آپ نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ پہلا حصہ عبادت گاہ میں وعظ و نصیحت اور عبادت کے لیے، دوسرا حصہ اپنے باغ میں کھیتی باڑی اور درختوں کی کاٹ چھانٹ کے لیے اور تیسرا حصہ علم فقہ حاصل کرنے کی غرض سے توراۃ کی تلاوت کے لیے مختص کر رکھا تھا۔"

(صور من حیاۃ الصحابہ،ص:۴۴۱، مصنف:ڈاکٹر عبدالرحمن رأفت الباشا)

وفات: امام طبری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن سلام کی وفات ۴۳ھ مطابق ۶۶۳ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ،ج:۳،ص:۲۶۵،ابن الاثیر الجزری،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

من أهل الفتوى

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۔۔۔۔

محمد تاجور منصور، بانکا، جماعت: فضیلت Mob. 9044870931

نام: آپ کا نام عمرو، کنیت: ابو نجیح بعض نے ابو شعیب بھی کہا ہے، والد گرامی: والد کا نام عبسہ بن عامر ہے۔

(اسد الغابہ، ج:۴، ص:۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، مطبوعہ:۲۰۰۳، طبع ثانی)

والدہ محترمہ: ماں کا نام رملہ بنت وقیعہ تھا، ان کا تعلق مشہور قبیلہ بنو حزام سے تھا، عمرو جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔

(الاصابہ، ج:۴، ص:۵۴۵، ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، مطبوعہ:۲۰۰۲، طبع ثانی)

سلسلۂ نسب: آپ کے نسب نامہ کے تعلق سے محدثین کے مختلف اقوال ہیں: ابو عمرو نے عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد بن غاضرۃ بن عتاب بن امرء القیس بن بہثہ بن سلیم لکھا ہے جب کہ ابن کلبی نے آپ کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا ہے: عمرو بن عبسہ بن خالد بن حذیفہ بن عمرو بن خالد بن مازن بن مالک بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم السلمی۔

(اسد الغابہ، ج:۴، ص:۲۳۹)

صاحب اصابہ بھی اول الذکر سلسلۂ نسب کے قائل ہیں مگر غاضرۃ بن عتاب کی جگہ "غاضرۃ بن خفاف" کہتے ہیں یہی قول بذریعۂ قرائن درست معلوم ہوتا ہے۔

قبول اسلام کا واقعہ: حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ شروع ہی سے بت اور بت پرستی سے بے زار تھے زمانۂ جاہلیت میں جب عرب کے کفار و مشرکین بت پرستی میں دیگر اقوام عالم سے بڑھے ہوئے اور بتوں پر کامل ایمان وایقان رکھنے والے تھے آپ اس امر پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے: یہ بت نہ تمھیں نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی نفع دینے کے اہل ہیں سنو! تم لوگ کھلی گمراہی میں بھٹک رہے ہو اور حق شناسی سے کوسوں دور ہو اسی اعلیٰ خصوصیت اور عمدہ خوبی کی وجہ سے خداوند عزوجل نے آپ کے دل میں افضل دین کی جستجو کی خواہش ڈال دی آپ نے ایک کتابی سے ملاقات کر کے اس سے افضل دین کے متعلق سوال کیا کتابی نے کہا: ایک شخص مکہ سے ظاہر ہو گا جو لوگوں کے معبودان باطلہ سے اعراض کر کے ایک خدا کی پرستش کرے گا وہی افضل دین والا ہو گا چند ہی دنوں کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا بعثت نبوی کی خبر سنتے ہی عمرو فوراً مکہ آئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکین مکہ کے حاسدانہ سلوک اور معاندانہ رویہ کے

باعث اعلانیہ طور پر احکام خداوندی کی تشہیر نہیں کیا کرتے تھے اس لیے عمرو بن عبسہ رات کے وقت خانۂ کعبہ کے صحن میں رسول کریم ﷺ کے شرف دیدار سے مشرف ہوئے زیارت نبوی کے بعد عمرو نے پوچھا آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا: نبی ہوں پوچھا آپ کو کس نے بھیجا ہے؟ فرمایا خدا نے سوال کیا: کن تعلیمات کے ساتھ؟ ارشاد فرمایا: صلہ رحمی، بت شکنی اور پیغام توحید کے ساتھ آخری سوال کیا؛ آپ کی اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: ایک غلام ایک آزاد اس وقت عاشق بے مثال حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور یار غار حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ تھے اتنا سنتے ہی آپ کا دل نور ایمانی سے منور ہو گیا بارگاہ نبوت میں عرض کیا: مجھے بھی دائرہ اسلام میں داخل فرما کر ان چیزوں کی تعلیم دیں جو اللہ رب العزت نے آپ کو سکھایا تو حضور ﷺ نے انہیں امور صلاۃ کے متعلق چند باتیں سکھائی۔ (مصدر سابق، ص:۵۴۶)

بارگاہ رسالت سے جذبۂ وابستگی اور حکم رسول کی تعمیل: مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد آپ نے حضور سے التجا کی مجھے مکہ ہی میں قیام پذیر ہونے کی اجازت دیں اب میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا ارشاد فرمایا: ایسے پر آشوب ماحول میں تمھارا یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں حالات پر امن ہونے اور میرے ظہور کے بعد پھر آجانا آپ حسب ارشاد نبوی اپنے وطن لوٹ کر اس لمحے کا شدت سے انتظار کرنے لگے اتفاق سے ایک مرتبہ مدینہ کی جانب سے چند افراد پر مشتمل ایک قافلہ آیا آپ نے ان سے مدینہ کے حالات معلوم کیے تو انھوں نے بہ یک زبان جواب دیا محمد ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے ہیں اس خبر کے بعد آپ مدینہ روانہ ہو گئے اور سرکار اقدس ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر بعد سلام عرض کیا آپ نے مجھے پہچانا؟ ارشاد فرمایا: ہاں! تم ہی وہ شخص ہو جو مکہ میں مجھ سے ملے تھے۔

(مصدر سابق، واخرجہ احمد فی المسند ج:۴، ص:۱۱۱، ملخصًا)

غزوات و سرایا میں شرکت: آپ تدبیر و سیاست، عقل و دانش، فہم و فراست، حلم و عفو، سادگی و تواضع جملہ اوصاف میں کامل تھے ان خصائل کے باوجود آپ کا دل ہمیشہ جذبۂ جہاد سے معمور رہتا تھا۔ کیوں نہ رہتا جب کہ فضائل جہاد کی وہ حدیثیں آپ کے پیش نظر تھیں جو آپ نے خود اللہ کے رسول سے روایت کی ہیں:

"عن كثير بن مرّة الحضرمی عن عمرو ن عبسة ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: من شاب شيبة فی سبيل الله كانت له نوراً يوم القيامة."

ترجمہ: کثیر بن مرۃ حضرمی حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اپنے بال سفید کرے گا قیامت کے دن اس کے لیے نور ہو گا۔

(ترمذی شریف، کتاب فضائل الجہاد، ج:۱، ص:۱۹۷، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ اعظم گڑھ)

"عن معدان بن طلحة عن ابی نجيح السلمی قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول: "من رمیٰ بسهم فی سبيل الله فهو له عدل محرر."

ترجمہ: حضرت معدان بن طلحۃ ابونجیح سلمی (عمرو بن عبسہ) سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کو

فرماتے ہوئے سنا جو شخص راہ خدا میں ایک تیر چلائے گا اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔(مصدر سابق)

حضرت عمرو کے پہلی جنگ میں حاضر ہونے کے تعلق سے علما کے درمیان اختلاف ہے: علامہ ان اثیر کی تحریر کے مطابق آپ کا مدینہ تشریف لانا بدر، احد، خندق وغیرہ کے بعد ہے سب سے پہلے جس جنگ میں آپ نے شرکت فرمائی وہ فتح مکہ ہے البتہ ایک روایت سے آپ کے غزوۂ طائف میں بھی شریک ہونے کا پتہ چلتا ہے جس کا واقعہ آپ خود بیان کرتے ہیں کہ طائف کے محاصرہ میں حضور نے فرمایا: جو شخص راہ خدا میں ایک تیر چلائے گا اس کے لیے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا یہ بشارت سن کر میں نے ۱۶ تیر چلائے۔(مسند احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۱۱۳، دار الفکر)

احمد بن محمد بن عیسیٰ بغدادی نے فرمایا: عمرو بن عبسہ مہاجرین اولین میں سے ہیں اور وہ جنگ بدر میں حاضر تھے۔

(الاصابۃ، ج:۴، ص:۵۴۵، ملخصًا)

آپ سے اخذ حدیث کرنے والے حضرات، جماعت صحابہ میں: عبد اللہ بن مسعود، ابو امامہ باہلی اور سہل بن سعد ساعدی وغیرہ آپ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔

تابعین میں: ابو ادریس خولانی، سلیم بن عامر، کثیر بن مرہ، عدی بن ارطاۃ، جبیر بن نفیر اور معدان بن ابی طلحۃ وغیرہ آپ کے خوشہ چین ہیں۔(مصدر سابق)

علمی مقام اور کمال و دانائی: آپ نے اگرچہ صحبت نبوی کا طویل زمانہ نہیں پایا تاہم جو موقع بھی میسر آیا ان میں مشکوٰۃ نبوت سے مستفید ہونے سے غافل نہ رہے چنانچہ ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضور سے یہی کہا تھا کہ اللہ رب العزت نے جو آپ کو سکھایا وہ تھوڑا مجھے بھی سکھائیں اس لیے اس قلیل مدت کے باوجود آپ کی درجنوں روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں لیکن ان تمام خوبیوں کے پائے جانے کے بعد بھی تاریخ و سیر کی کتابوں میں آپ کے فقہی صلاحیت کا تذکرہ نہیں ملتا ہے اس لیے یہ اندازہ نہ لگایا جائے کہ آپ اس صلاحیت کے متحمل نہیں تھے بلکہ محدثین اولین کا طریقہ رہا ہے وہ ضبط کتاب سے زیادہ ضبط صدر کیا کرتے تھے البتہ راقم کے نزدیک دو روایتیں ایسی ہیں جس سے آپ کی اجتہادی صلاحیت اور فقہی قابلیت طشت از بام ہو جاتی ہے سلیم بن عامر سے ایک روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور رومیوں کے مابین ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی رو سے حضرت امیر معاویہ ایک مدت معینہ تک ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اس معاملہ میں اجتہاد سے کام لیتے ہوئے یہ حکمت اپنائی کہ پوری فوج سرحد روم کی طرف کوچ کرے اور اس طور پر سفر کرے کہ پہنچتے پہنچتے میعاد ختم ہو جائے معاہدہ کی مدت پورا ہوتے ہی حملہ کر دیا جائے اس سے ہمیں یقینی کامیابی ملے گی ساتھ نقض معاہدہ کے عیب سے متہم بھی نہ ہوں گے لیکن عمرو بن عبسہ نے فرمان رسول کے ہر پہلو ظاہر، خفی، صریح و کنایہ غیرہ میں غور و فکر کرنے بعد ارشاد فرمایا: اللہ اکبر اللہ اکبر وعدۂ وفا کرو دھوکا نہ دو ہمیں غدر کرنے سے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اتنا سننا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔(مسند احمد بن حنبل ج:۴، ص:۱۱۳، ملخصًا، دار الفکر)

ایک مشہور روایت جس کا تذکرہ راقم نے ماقبل میں کر دیا ہے کہ حضرت عمرو بن عبسہ نے اپنی اعلیٰ ذہانت و زیرکی کی بنیاد پر

زمانۂ جاہلیت ہی میں بت پرستون کو اس وجہ سے گمراہ قرار دیا تھا کہ تم پتھروں کی پرتش کرتے ہو اور پتھر نفع و نقصان پہنچانے کے قابل نہیں حلانکہ معبود برحق کے اندر یہ دونوں خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہونی چاہیے۔

وفات: آپ نے اخیر عمر میں ملک شام میں سکونت اختیار کرلی تھی اور آپ کا وصال پر ملال بھی سرزمین شام کے مقام حمص میں ہوا، کثیر تلاش و جستجو کے بعد تاریخ ولادت کی طرح تاریخ وفات بھی راقم کو نہ مل سکی ارباب سیر قیاساً آخر عہد عثمانی بتاتے ہیں چنانچہ صاحب اصابہ نے اس قیاس پر کہ یہ عہد عثمانی کے فتنوں اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت کے زمانے میں کہیں نظر نہیں آتے ان کا زمانۂ وفات آخر عہد عثمانی لکھا ہے لیکن مسند احمد بن حنبل کی مذکورہ روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ تھے اس تعارض کو اس طور پر دور کیا جاسکتا ہے یہ واقعہ اس عہد کا ہوگا جب معاویہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے کیونکہ اس زمانے میں بھی ان کے اور رومیوں کے درمیان نبرد آزمائی ہوتی رہتی تھی۔

من
أهل الفتوى

حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۔۔۔وفات:۔۔۔

محمد آزاد قادری، گجرات، جماعت: رابعہ Mob. 7524944359

نام: عثمان بن ابوالعاص، **کنیت:** ابوعبداللہ۔

(موسوعۃ حیاۃ الصحابۃ من کتب تعراب، ج:۵، ص:۳۹، طبع اول:۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰ء مکتبہ دارالفتح قطر)

سلسلۂ نسب: عثمان بن ابوالعاص بن بشر بن عبد دہمان بن عبداللہ بن ہمام اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلۂ نسب کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ عبد دہمان ابن عبداللہ بن ہمام بن ایان بن یسار بن مالک بن حطیط بن جشم بن ثقیف الثقفی۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۵۷۳، عزالدین بن اثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری، طبع ثانی:۱۴۲۴ھ۔۲۰۱۳ء)

ولادت: کثیر تلاش وجستجو کے بعد بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سن ولادت کا تذکرہ نہ مل سکا۔ مگر کتب تواریخ میں جہاں مؤرخین نے یہ بیان کیا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۰/سال تک بقید حیات رہے اور آپ کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی اس لیے تخمینہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت مدینہ سے ۷۰/سال قبل پیدا ہوئے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۷، ص:۹۶، حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، طبع اول:۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۸ء، قاہرہ)

اسلام: حضرت عثمان بن ابوالعاص قبیلہ ثقیف کے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ وفد میں آپ سب میں کم سن تھے۔ اس لیے آپ کو کجاوہ کے پیچھے بیٹھا کر اس کی نگرانی کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی پھر جب وہ لوگ بارگاہ رسالت سے واپس ہو کر سو گئے۔ اس وقت حضرت عثمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چھپ کر آئے اور اسلام قبول کرلیا۔ اب یہ ہر دن اپنے قبیلہ سے چھپ کر بارگاہ رسالت میں آکر دین اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم لیتے۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیدار نہ پاتے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بارگاہ میں حاضر ہو کر قرآن کریم سیکھتے۔ اس طرح انھوں نے متعدّد سورتیں حفظ کرلیں۔ جب آپ کے قبیلہ کے لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر اپنے شہر کا قصد کرنے لگے تو ان لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم میں سے کسی ایسے کو ہمارے درمیان امیر مقرر فرمادیں جو ہمیں دین اسلام کی تعلیم دے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابوالعاص کو اس قبیلہ کا امیر بنادیا۔

(موسوعۃ حیاۃ الصحابۃ من کتب تعراب، ج:۵، ص:۳۹، طبع اول:۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰ء، مکتبہ دارالفتح قطر)

علمی مقام: حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ عہد رسالت کے آخری ایام میں حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے تھے

لیکن آپ کا شمار عقلا اور دانشوروں میں ہوتا تھا اور حکمائے صحابہ میں آپ گنے جاتے تھے۔ چناں چہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب آپ کو ثقیف کی اجازت سے سرفراز کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو دانا ہونے کی سند عطا فرمائی۔ ارشاد رسالت مآب ہے:

"انہ کیس" آپ زیرک آدمی ہیں۔ (ابن سعد، ج:۷، ص:۲۶۷)

آپ اپنی فطری استعداد اور لیاقت و قابلیت کے باوجود تحصیل علم دین کا بہت شوق رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے بعد ہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے علمی شوق کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ لڑکا تفقہ فی الاسلام اور علم بالقرآن کا بڑا شائق ہے۔ اسی وجہ سے عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کم سن اور دیر سے اسلام لانے کے باوجود بھی علمی حیثیت سے اپنے قبیلہ میں اعلیٰ اور ممتاز تھے یہی سبب ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو بنی ثقیف کا امام بنایا۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت بہت کم نصیب ہونے کے باوجود آپ کی روایت حدیث کی تعداد ۲۹ر تک پہنچتی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے عثمان بن ابوالعاص سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

(خلاصۃ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۲، ص:۲۶ تا ۲۷، حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی، طبع اول:۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱ء، دارالکتب العلمیہ)

بصرہ کی عمارت: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بصرہ آباد کرایا تو وہاں کے لیے ایک صاحب علم و فہم امیر کی ضرورت پیش آئی۔ چوں کہ عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد رسالت سے ہی اس کام کو کرتے ہی چلے آئے تھے اس لیے لوگوں نے ان کا نام لیا۔ حضرت عمر فارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف پر مقرر فرمایا تھا اس لیے میں انھیں معزول نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ انھیں معزول نہ کیجیے بلکہ حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہئے کہ وہاں کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر چلے آئیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ ہوسکتا ہے۔ چناں چہ آپ نے عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص طائف میں اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام بنا کر حاضر ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حکم کو ان کی جگہ ان کا قائم مقام بنایا اور عثمان کو بصرہ بھیج دیا۔ بصرہ آنے کے بعد عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۱۵۲، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدابرار طوی، دارالکتب العلمیہ، بیروت-لبنان)

بحرین اور عمان کی ولایت اور فارس پر فوج کشی: بصرہ کی ولایت کے زمانے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین اور عمان کی حکومت بھی حضرت عثمان بن ابوالعاص کے متعلق کردی۔ انھوں نے ان دونوں مقامات کو مطیع بنانے کے بعد اپنے بھائی حکم کو ایک فوج کے ساتھ بحری راستہ سے فارس روانہ کیا۔ انھوں نے جزیرہ "ابر کاروان" اور "توج" فتح کیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان بن ابوالعاص نے خود فوج کشی کی اور توج فتح کرکے وہاں ایک مسجد تعمیر کردی اور مسلمانوں کی نوآبادی قائم کی بہر حال فارس کے "مرزبان شہرک" نے جب دیکھا کہ مسلمان اس کے حدود میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو ایک لشکر جرار لے کر انھیں روکنے کے لیے راشہر پہنچا حضرت عثمان بن ابوالعاص کے بھائی حکم اور سواد بن ہمام نے ان کا مقابلہ کیا اور شہرک مارا گیا۔ اسی کے بعد جب ایران پر فوج کشی ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت

عثمان بن ابوالعاص کو فارس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوموسیٰ اشعری کو جو بصرہ میں تھے ان کی مدد کے لیے لکھا اس حکم پر عثمان بن ابوعاص اپنے بھائی مغیرہ کو بحرین میں اپنا قائم مقام بناکر بھیجا تو وہ آئے اور اسے مرکز قرار دے کر فارس کے مختلف حصہ میں فوج کشی شروع کردی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقتاً فوقتاً ان کی مدد کرنے کے لیے بصرہ آتے رہتے تھے اور توج آنے کے بعد حضرت عثمان بن ابوالعاص نے ہرحر بن حیان عبدی کو قلعہ شہر پر مامور کیا۔ انھوں نے اس کو فتح کیا اور حضرت عثمان بن ابوالعاص نے جزیرہ کارزاروں وغیرہ پر قبضہ کیا اس کے بعد تنہا حصن جنایا کو فتح کیا جنایا کے بعد دارابجرد آئے، یہاں کے والی نے صلح کرلیا، دارابجرد کے بعد جبر پر قبضہ کرلیا اجبرد کے بعد نسیا پہنچے یہاں کے حکمران نے بھی دارابجرد کے شرائط پر صلح کرلی اس کے بعد بااختلاف ۲۳ھ یا ۲۴ھ فارس کے پایہ تخت سابور پہنچے مقتول شہرک کا بھائی یہاں حاکم تھا اس نے ایک خواب دیکھا کہ ایک عرب نے اس کا کرتا اتار لیا تھا۔ اس خواب کو اس نے بدفعلی پر محمول کیا اور مسلمانوں سے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور عثمان بن ابوالعاص سے چند شرائط پر صلح کرلی اسی طرح فارس کا علاقہ کچھ صلح اور کچھ بزور شمشیر فتح ہوگیا اس صلح کے بعد پھر اہل سابور باغی ہوگئے ۲۶ ھ میں حضرت عثمان بن ابوالعاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں پھر مطیع بنایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی حضرت عثمان بن ابوالعاص کی فوجی سرگرمیاں جاری رہیں اصطخر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتح ہوچکا تھا لیکن آپ کی وفات کے بعد ایرانیوں نے بغاوت کرکے پھر اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ ۲۷ھ میں عثمان بن ابوالعاص نے دوبارہ اسی پر قبضہ کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے صلہ میں بارہ ہزار جریب زمین مرحمت فرمائی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۱۵۳، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدابرار طویٰ، دارالکتب العلمیہ، بیروت-لبنان)

دعوت و تبلیغ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر ہمیشہ ارشادات وفرامین پر رہتی تھی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کلاب بن امیہ عشروصول کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھے تھے حضرت عثمان بن ابوالعاص کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے کلاب سے پوچھا یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ کلاب نے جواب دیا زیاد نے عشر پر مقرر کیا ہے یہ سن کر عثمان بن ابوالعاص نے کہا کیا میں آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا سکتا ہوں کلاب نے کہا سنایئے تو حضرت عثمان بن ابوالعاص نے یہ حدیث سنائی کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ داؤد علیہ السلام رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے تھے کہ اے آل داؤد اٹھو نماز پڑھو اس وقت ساحر وعشر اصول کرنے والوں کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ سب کی دعائیں قبول فرماتا ہے کلاب یہ حدیث سن کر اسی وقت ابن زیاد کے پاس جاکر اپنی خدمت سے استعفادے دیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ص:۱۱۲۷، بیت الافکار الدولیہ)

وفات: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سن وفات کے بارے میں بہت اختلاف ہے چناں چہ الاصابہ میں ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات خلافت معاویہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ہوئی۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ص:۹۶، حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، طبع اول:۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸ء، قاہرہ) اور موسوعۃ حیاۃ الصحابۃ میں مذکورہ تاریخ وفات یہی مذکور ہے (موسوعۃ صحابۃ من کتب تعراب، ج:۵، ص:۳۹، طبع اول:۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء، مکتبہ دارالفتح قطر) مگر تہذیب التہذیب میں علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ نے آپ کی وفات خلافت معاویہ ۵۵ھ بیان کیا۔ (تہذیب التہذیب، ج:۲، ص:۱۲۹، حضرت علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ)

من
أهل الفتوى

حضرت ابویزید عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۵۸۱ء۔وفات:۔۔۔۔

محمد شہباز انور برکاتی، اتر دیناج پور، جماعت: خامسہ Mob. 7607572001

نام ونسب: آپ کا نام: عقیل، **کنیت:** ابویزید اور **سلسلۂ نسب** کچھ اس طرح ہے:
عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی۔
والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔(اسد الغابہ، ج:۴،ص:۶۱)

ولادت: آپ عمر میں جعفر طیار سے دس سال اور علی مرتضی سے بیس سال بڑے تھے (اسد الغابہ، ج:۴ص:۶۱) چوں کہ حضرت علی کی پیدائش بعثت نبوی سے دس سال قبل ہوئی (اصابہ، ج:۴ص:۴۶۴) لہذا اس اعتبار سے آپ (عقیل) کی ولادت، بعثت نبوی سے تیس سال قبل ثابت ہوتی ہے جو سن عیسوی کے لحاظ سے ۵۸۱ء ہے۔

پرورش اور ابوطالب کی محبت: آپ ابوطالب کے سب سے چہیتے فرزند تھے۔ چناں چہ جب سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چچا ابوطالب کی تنگ دستی کو ملاحظہ فرمایا تو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ چچا ابوطالب کثیر العیال ہیں اور ان کے حالات بھی ساز گار نہیں لہذا ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ چناں چہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عباس ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا: ان نامساعد حالات میں ہماری خواہش ہے کہ آپ کی مدد کریں اور آپ کے ایک ایک فرزند کی کفالت اپنے ذمے لے لیں، تو ابوطالب نے کہا مجھے اپنے بیٹے عقیل سے بہت محبت ہے میں اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتا لہذا اسے میرے پاس چھوڑ دو اور دوسروں کے بارے میں خود فیصلہ کر لو، چناں چہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی اور جناب عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت اپنے ذمے لی اور عقیل کو ابوطالب کے پاس ہی چھوڑ دیا۔
(سیرت رسول پاک بروایت ابن اسحاق، اردو ترجمہ، مترجم: محمد اطہر نعیمی، پاکستان، ج:۱ص:۱۹۰، مکتبہ نبویہ لاہور)

حضرت عقیل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت: ابوطالب کی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آپ سے محبت فرماتے۔ چناں چہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”یا أبا یز ید إن أحبك حبین حبا لقرابتك منی و حبا لما کنت أعلم من حب عمی إیاك“.
(اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک، ج:۳،ص:۵۷۶،عامہ کتب تراجم)
یعنی اے ابویزید (عقیل) میں تم سے دوہری محبت کرتا ہوں ایک تو مجھ سے تمھاری قرابت کی وجہ سے اور دوسری اس لیے

کہ میرے چچا ابوطالب تم سے محبت کرتے تھے۔

غزوۂ بدر میں کفار کے ساتھ شرکت اور گرفتاری: حضرت عقیل غزوۂ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ تھے لیکن وہ حضرت عباس کی طرح مکرھاً آئے تھے یعنی کفار مکہ نے انھیں لعن وطعن کے ذریعے زبردستی آنے پر مجبور کیا تھا۔ بہر حال جب بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفار قریش قتل وحبس سے دوچار ہوئے تو عقیل بھی گرفتار کر لیے گئے۔ چناں چہ حضرت معاویہ بن عمار ذہبی سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبد اللہ جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا: دیکھو بنوہاشم میں سے بھی یہاں کوئی ہے؟ تو حضرت علی آئے اور عباس، نوفل اور عقیل کو دیکھا۔ پھر پلٹے، اتنے میں عقیل نے علی کو ندا دی: اے میرے ابنِ ام علی! یقیناً تم نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ حضرت علی سیدھے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں نے عباس، نوفل اور عقیل کو دیکھا تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عقیل کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے ابویزید! ابوجہل قتل کر دیا گیا، عقیل نے کہا تب تو وادی تہامہ میں آپ سے کوئی نزاع کرنے والا نہیں، خواہ آپ پوری قوم کو زخموں سے چور کر دیں یا پھر ان کے سردار بن جائیں۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عقیل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ نے اشراف قریش میں سے کن کو قتل کیا؟ تو سرکار علیہ السلام نے فرمایا: ابوجہل قتل کیا گیا، عقیل نے کہا: ''الاٰن صفا لك الوادی'' یعنی اب آپ کے لیے وادی مکہ بالکل صاف ہو گئی۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۲)

قبول اسلام، ہجرت اور غزوات میں شرکت: بدر کی اسیری سے رہائی کے لیے آپ کے پاس فدیہ کا مال نہ تھا تو آپ کے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا فدیہ ادا کیا، رہائی کے بعد مکہ واپس آئے پھر کچھ عرصہ کے بعد ایمان لاکر ہجرت کی۔ (استیعاب، ج:۳، ص:۱۸۷)

آپ کے قبول اسلام سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ صاحب اصابہ نے عام الفتح تک آپ کے اسلام کے مؤخر ہونے کو ترجیح دی۔

لیکن اسد الغابہ میں ہے کہ آپ نے قبل حدیبیہ اسلام قبول کیا اور آٹھویں ہجری میں ہجرت مدینہ کی اور غزوۂ موتہ میں حاضر ہوئے۔ نیز استیعاب میں بھی قبل حدیبیہ ہی کا ذکر ہے۔

بہر حال غزوۂ موتہ میں شرکت کے بعد مکہ واپس چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اسی وجہ سے فتح مکہ اور غزوۂ حنین وطائف میں شرکت کا تذکرہ نہیں ملتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے حنین میں شرکت کی تھی بلکہ جب حنین میں مسلمانوں کو ابتداءً پسپائی کا سامنا کرنا پڑا اور مہاجرین وانصار کے پاؤں اکھڑ گئے تو ایسے نازک وقت میں بھی حضرت عقیل، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۶۱۔ اصابہ، ج:۴، ص:۴۳۸)

آپ کی ایک بیوی فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ تھیں۔ جب آپ غزوۂ حنین کے دن ان کے پاس پہنچے تو آپ کی تلوار مشرکین کے خون سے آلودہ تھی۔ بیوی نے کہا کہ آپ کو مشرکین کے مال سے کیا ملا؟ تو آپ نے انھیں ایک سوئی دی اور فرمایا اس سے اپنے کپڑے سلو، اتنے میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منادی کی آواز سنی ''ادّوا الخیاط و المخیط'' تو آپ نے سوئی لی اور اسے لاکر

غنیمتوں کے ڈھیر میں ڈال دیا۔ (اسد الغابہ، ج:۷،ص:۲۲۲)

فتح خیبر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار سے ایک سو چالیس وسق سالانہ حضرت عقیل کے لیے مقرر فرمایا، اور یہی ان کا ذریعۂ معاش رہا۔ (اسد الغابہ، ج:۴،ص:۶۱)

حضرت عقیل خلفاے راشدین کے زمانے میں: حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات رسول کے بعد خلفاے ثلاثہ کے عہد میں کیا کیا، کہاں زندگی گزاری اس کی تفصیل ہمیں نہ مل سکی۔ البتہ وفات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ نے بصرہ، کوفہ اور شام میں مختلف اوقات میں رہائش اختیار کی۔

ہاں! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ان کے دار الخلافہ کوفہ تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافی پذیرائی کی اور اپنے صاحب زادے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تو انھوں نے اچھے کپڑے پہنائے پھر جب رات کا وقت آیا اور دستر خوان بچھا تو صرف روٹی، نمک اور ترکاری لائی گئی، عقیل نے کہا: کیا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: نہیں۔

پھر اس کے بعد اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور کہا کہ آپ میرا قرض ادا کردیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کا قرض کتنا ہے؟ کہا: چالیس ہزار، حضرت علی نے کہا اتنی رقم تو میرے پاس نہیں، البتہ آپ انتظار کریں، یہاں تک کہ میرا وظیفہ جو کہ چار ہزار ہے مجھے مل جائے تو میں تمھیں پورے چار ہزار دے دوں گا۔ اس پر عقیل نے کہا: بیت المال آپ کے زیر تصرف ہے پھر بھی آپ مجھے اپنے وظیفے کا انتظار کروائیں گے۔ حضرت علی نے فرمایا: کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے مال سے آپ کو کچھ دے دوں حالاں کہ آپ نے (اور دیگر مسلمانوں نے) مجھے ان اموال پر امین مقرر کیا ہے۔

(اسد الغابہ، ج:۴،ص:۶۲)

پھر عقیل، امیر معاویہ کے پاس ملک شام چلے گئے، عقیل نے علی کی مفارقت اور امیر معاویہ کی رفاقت کیوں اختیار کی اس باب میں دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ امیر معاویہ بھی آپ کے قریبی رشتہ دار یعنی آپ کے خالو تھے۔ دوسری یہ کہ عقیل معاشی اعتبار سے کمزور تھے اور جیسا کہ معلوم ہوا کہ وہ پہلے علی کے پاس گئے تاکہ اپنے قرض کی ادائیگی اور اپنی محتاجی دور کریں، لیکن چوں کہ حضرت علی بیت المال سے ایک حبہ بھی ادھر ادھر نہ ہونے دیتے اور اپنی ذاتی رقم بھی اس مقدار نہ تھی کہ عقیل کی حاجت برآری ہو بہر حال اپنی تنگ دستی کے پیش نظر عقیل امیر معاویہ کے پاس ملک شام گئے کیوں کہ امیر کا خزانہ سب کے لیے کھلا ہوا تھا۔

چناں چہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے آپ کو پچاس ہزار کی نقد دے دی جسے لے کر آپ واپس ہوئے۔ (ایضًا)

جرأت و بے باکی: حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہادر اور عالی ہمت شخص تھے جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ حنین کے اس نازک مرحلے میں بھی ثابت قدم رہے، ساتھ ہی آپ حق گوئی اور بے باکی میں بھی نمایاں کردار رکھتے تھے۔ چناں چہ ملک شام میں رہائش کے دوران جب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی موجودگی میں مجمع عام سے کہا کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو علی کو ان کے بھائی

عقیل چھوڑ کر ہمارے پاس نہ آتے۔ اس پر عقیل نے برجستہ کہا: میرا بھائی علی میرے دین کے معاملے میں میرے لیے بہتر ہے، اور آپ میری دنیا کے معاملے میں۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے اپنی دنیا کو ترجیح دی ہے، رہی بات خاتمے کی تو میں اللہ سے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۶۲)

یونہی جب حضرت عقیل ملک شام پہنچے تو امیر معاویہ نے فرمایا: اے ابویزید! آپ نے علی اور ان کے اصحاب کو کس حال میں چھوڑا یعنی جب آپ ان کے پاس سے آئے تو ان کی حالت کیسی تھی؟ عقیل نے کہا: گویا کہ وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رفقا ہیں مگر یہ کہ ان کے درمیان، میں نے سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، اور اے امیر آپ کی اور آپ کے اصحاب کی مثال ایسی ہے گویا کہ ابوسفیان اور ان کے حواری۔ مگر یہ کہ میں آپ لوگوں کے مابین ابوسفیان کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۶۲)

ان واقعات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عقیل اپنے بھائی خلیفۃ المسلمین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالف نہ تھے بلکہ آپ نے اپنی ضروریات کے پیش نظر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت اختیار کی تھی اور دل سے حضرت علی کے ساتھ تھے۔

علمی استعداد اور حاضر جوابی: حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ذہین وفطین اور عظیم قوت حافظہ کے مالک تھے۔ اصحاب سیر و تراجم نے آپ کی حاضر جوابی سے متعلق بیان کیا ہے: "كان أسرع الناس جوابا و أحضرهم مراجعة فی القول و أبلغهم فی ذلك". (استیعاب، ج:۳، ص:۱۸۷) كان سريع الجواب المسكت للخصم. (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۶۲) یعنی عقیل بڑے حاضر جواب تھے کہ مدمقابل کو فوراً مسکت جواب دیتے اور بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ حاضر جوابی سے متعلق آپ کے کئی ایک واقعات بڑے عجیب و غریب ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مسجد نبوی میں آپ کے لیے ایک طنفسہ یعنی ایک نمایاں فرش بچھتی (استیعاب، ج:۳، ص:۱۸۷) جس پر آپ جلوہ فرما ہوتے اور لوگ آپ سے اکتساب فیض کے لیے آپ کے ارد گرد جمع ہوجاتے۔ علم الانساب اور ایام عرب میں آپ ان چار افراد میں سے ایک تھے جنھیں اس باب میں ید طولی حاصل تھا۔ بقیہ تینوں کے نام یہ ہیں (۱) مخرمہ بن نوفل زہری (۲) ابوجہم بن حذیفہ عدوی (۳) حویطب بن عبد العزی عامری۔ قریش علم الانساب اور ایام عرب کے معاملات میں انھی کی جانب رجوع کرتے ان میں بھی عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ (اعلام، ج:۵، ص:۴۰)

آپ سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں، آپ سے آپ کے صاحب زادے محمد اور حضرت حسن بصری وغیرہما نے روایت کی ہے۔ (اسد الغابہ، ج:۴، ص:۶۳)

آپ سے مروی احادیث کو ابن ماجہ، امام نسائی، امام احمد، ابن ابی شیبہ، ابن خزیمہ، امام حاکم اور امام بیہقی وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے لیکن آپ قلیل الحدیث تھے۔ (ایضًا)

اب رہی بات فقہ و اجتہاد کی تو چوں کہ آپ نے آٹھویں ہجری میں اسلام قبول کر کے ہجرت کی تھی پھر جنگ موتہ میں شرکت کے بعد مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔ اسی وجہ سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی قرابت کے باوجود آپ کو اوروں کے مقابلے میں زیادہ اکتساب فیض کا موقع نہ مل سکا۔ تاہم بعض حضرات نے آپ کو فقہاے صحابہ کے تیسرے درجے یعنی مقلین کی

فہرست میں شامل رکھا ہے۔ تلاش و تتبع اور غور و خوض کے بعد بھی ہمیں ان کا کوئی اجتہادی کارنامہ نہ مل سکا، اس لیے ہم اس پہلو پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں۔

پابندی شرع: حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات پر بہت سختی سے عمل پیرا اور کاربند تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے شادی کی پھر جب احباب کے پاس آئے توانھوں نے ایام جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ''بالرقاء و البنین'' کے الفاظ سے آپ کو تہنیت پیش کی۔ حالاں کہ یہ خوشی کا موقع تھا، ایسے مواقع سے انسان تساہلی کا شکار ہوجاتا ہے، لیکن آپ نے فوراً سختی سے انھیں منع کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کہنے سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ان دعائیہ الفاظ میں مبارک بادی پیش کریں: ''بارك الله لك و بارك عليك و بارك لك فيها''.

(اسد الغابہ، ج:۴، ص: ۶۲)

ذریعہ معاش: جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے لیے خیبر کی پیداوار سے ایک سو چالیس وسق (ایک پیمانہ) متعیّن فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ معاش تھا یا نہیں، اس کی صراحت نہ مل سکی۔

وفات: حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی سال سے زیادہ عمر پائی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ اور بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یزید کے دور حکومت کی ابتدا یعنی ۶۰ھ میں وفات پائی۔

(اعلام، ج:۵، ص:۴۰)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے دونوں روایتیں ذکر کرنے کے بعد بہ سند صحیح قول ثانی یعنی یزید کے دور میں وفات کو راجح قرار دیا۔ (اصابہ، ج: ۴، ص:۴۳۹)

اہل و عیال: حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدّد شادیاں کیں اور اولاد بھی ہوئیں۔ تفصیل ملاحظہ کریں:

بیویاں	**اولاد**
(۱) ام سعید:-	یزید، سعید
(۲) ام بنین:-	جعفر اکبر، ابوسعید احول
(۳) خلیلہ ام ولد:-	مسلم، عبد اللہ، عبد الرحمٰن، عبد اللہ اصغر (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۲)

بعض لوگوں نے کہا ان سے علی، محمد اور رملہ پیدا ہوئے

(۴) اسماء بنت سفیان:- بعض لوگوں نے خلیلہ ام ولد کے اول الذکر چار فرزندوں کو ان (اسماء بنت سفیان) کی اولاد بتایا۔ و اللہ اعلم

(۵) فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ:- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (اسد الغابہ، ج:۷، ص:۲۲۲)

ان کے علاوہ مختلف باندیوں سے جعفر اصغر، حمزہ، عثمان، ام ہانی، اسماء، فاطمہ، ام قاسم، زینب اور ام نعمان متولد ہوئے۔

حلب میں ایک جماعت خود کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کر کے بنی عقیل کہتی ہے۔ (اعلام، ج:۵، ص:۴۰)

من أهل الفتوى

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ھ

محمد آفتاب عالم، سیتامڑھی، جماعت: سادسہ ۸۲۹۸۵۰۳۰۵۰

نام: عائذ، **کنیت:** ابوہبیرہ۔

سلسلۂ نسب: عائذ بن عمرو بن بلال بن عبید بن یزید بن رواحہ بن زینبہ بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن اوبن طانجہ بن الیاس بن مضر مزنی۔

خاندانی حالت: آپ قبیلہ مزنیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ مزنیہ عثمان داوس فرزندان عمرو کی اولاد کو کہتے ہیں۔ عثمان داوس کی والدہ ماجدہ کا نام مزنیہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد کو ان کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے۔

ولادت باسعادت: کافی تلاش وجستجو کے بعد بھی آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔

قبول اسلام: حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں ہی شرف اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

غزوات میں شرکت: آپ ان خوش نصیب صحابہ کرام میں سے ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اور ان لوگوں میں بھی آپ شریک تھے جن لوگوں نے ایک درخت کے نیچے بیعت رضوان کیے تھے یعنی آپ بیعت رضوان کے شرف سے بھی مشرف ہوئے۔ لیکن صلح حدیبیہ کے بعد آپ کا کسی غزوہ میں پتہ نہیں چلتا۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۱۴۶، عزالدین ابن الاثیر جزری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

بصرہ کا قیام: بصرہ آباد ہونے کے بعد آپ یہاں تشریف لے آئے یہی اپنا قیام گاہ بنا لیے اور گوشہ عزلت میں اپنی زندگی کے شب و روز گزارنے لگے، آپ بلاضرورت کہیں آتے جاتے نہ تھے اور بغیر کسی مجبوری اور خاص ضرورت کے کسی سے ملتے جلتے بھی نہ تھے، مگر جب حاکم بصرہ عبید اللہ ابن زیاد کی سخت گیریوں سے تمام اہل بصرہ گھبرا گئے تو اس وقت آپ کو مجبوراً اسے فرمان رسول خدا سنانے کے لیے اور اہل بصرہ کو عبید اللہ کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے نکلنا پڑا۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۳، ص:۱۳۳، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱ء)

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "بدترین گلہ بان وہ شخص ہے جو گلہ کے لیے بے درد اور درشت ہو اس لیے تم کو ان سے نہ ہونا چاہیے"۔

(مسلم، کتاب الاماءۃ، باب فضیلۃ الامام العادل و عقوبۃ الجائر)

فضل و کمال: حضرت عائذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلی و ممتاز صحابہ میں سے تھے، آپ فکر بلند، وسعت نظر، جذبہ تحمل، گرمی قلب اور زور بیان کے مالک تھے، علمی و دعوتی حلقوں میں آپ یکساں وقعت رکھتے تھے۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں "و کان من صالحی الصحابہ"۔ آپ سے سات حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے ایک متفق علیہ ہے، جو مندرجہ ذیل ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۳۴۸، ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ مانگا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے سوال کو پورا فرما دیا۔ پس جب اس شخص نے اپنے قدم کو دروازہ کی دہلیز سے باہر کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر سائل سوال کی خرابی جانتا تو وہ شخص جس کے پاس (اس حدیث سے بے ضرورت سوال کرنے کی قباحت ثابت ہوتی ہے) کچھ ہوتا (کبھی) سوال نہ کرتا۔ یہ حدیث رسول متفق علیہ ہے۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۵، ص:۱۷۱)

پھر اس کے بعد یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کے رواۃ میں معاویہ ابن قرہ، ابو عمران جونی، عامر الاحول، ابو جمرہ صنبعی، حشرج وغیرہ جیسی عظیم شخصیت بھی شامل ہیں۔

آپ کے دور کے لوگ آپ کی بارگاہ میں آکر آپ سے مذہبی معلومات بھی حاصل کرتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو جمرہ رضی اللہ عنہ کو وتر کے متعلق کچھ پوچھنے کی حاجت در پیش آئی تو انہوں نے آپ سے سوال کیا آپ نے ان کے اُس سوال کا تشفی بخش اور عمدہ جواب دیا۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۵، ص:۱۴۴، جمال الدین بن یوسف مزی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴ء)

وفات: یزید کے دور حکومت میں بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا اور علم و فضل کا وہ عظیم آفتاب غروب ہو گیا جس کے علم و فضل کی روشنی سے بے شمار عوام و خواص اپنے دل و دماغ کو منور کیا کرتے تھے۔

آپ کی وفات کے زمانہ میں عبید اللہ بصرہ کا حکمراں تھا، اور اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ جو کوئی ممتاز اشخاص کی وفات ہو جاتی تو اس کی نماز جنازہ وہاں کا حکمراں پڑھاتا، مگر آپ کو اس کا نماز جنازہ پڑھانا منظور نہ تھا۔ اس لیے آپ نے قبل وفات ایک صحابی جن کا نام حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہے ان کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کر گئے تھے۔ لہذا جب آپ کا وصال ہو گیا تو حسب دستور عبید اللہ نماز پڑھانے کے لیے نکلا مگر راستہ میں اس کو آپ کی وصیت کردہ بات یاد آگئی، اس لیے کچھ دور جنازہ کی مشایعت کر کے واپس آگیا اور آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائی۔ (ابن سعد، ج:۷، اول، ص:۲۲)

من أهل الفتوى

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۴۰ ھ

محمد سلیم الدین، بھاگل پور، جماعت: خامسہ Mob. ۷۷۵۳۹۸۶۱۷۳

نام: حارث، **کنیت:** ابوقتادہ، **لقب:** فارس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نسب: حارث بن ربعی بن بلدمۃ بن خناس بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ الانصاری السلمی۔

(الاستیعاب، ج:۴، ص:۲۹۵، ۲۹۴، لابن عمر یوسف، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی:۲۰۰۲ء)

ولادت باسعادت: مدینہ منورہ کی دل کش، شاداب اور جاذب فضامیں ہجرت سے تقریبا۱۰؍سال پیشتر آپ نے آنکھ کھولی۔ آپ کے چہرے پر نورانی جلوؤں کے آثار سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آفتاب و ماہتاب کی رعنائیاں سمٹ آئی ہوں۔ بچپن ہی سے اقبال مندی کے آثار نمایاں تھے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر ایک جہانِ تمنا کو اپنی خنک پاش کرنوں سے منور کرنے والا ہے۔

روایت حدیث: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ روایت حدیث میں نہایت محتاط تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ فرماتے سنا: "من كذب عليّ فيُشهِّد لجنبه مضجعا من النار"

(سیر اعلام النبلاء للامام شمس الدین الذہبی، ج:۴، ص:۸۷، دار الفکر، بیروت، طبع اول:۱۹۹۷ء)

اسی وقت سے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حدیث کے باب میں نہایت محتاط رہنے لگے۔

تابعین کی ایک مجلس میں حدیث کا دور چل رہا تھا ہر شخص قال رسول اللہ کذا، قال رسول اللہ کذا، کہہ رہا تھا، حضرت ابوقتادہ نے سن کر فرمایا: بدبختو! منہ سے کیا نکال رہے ہو؟ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جھوٹی حدیث بیان کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۲۹۹، دار الفکر)

لیکن اس حزم و احتیاط کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد ۱۷۰؍ ہے، آپ سے روایت کرنے والوں میں صحابہ کرام اور تابعین عظام داخل ہیں۔

راویوں کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں: ۱- حضرت انس بن مالک ۲- سعیب بن المسیب ۳- حضرت جابر بن عبد اللہ۔ ۴- علی بن رباح۔ ۵- ابو محمد نافع بن الاقرع ۶- کعب بن مالک۔ ۷- کبشہ بنت کعب بن مالک، ۸- عطاء بن یسار ۹- ابو سلمہ بن عبد الرحمن ۱۰- عمرو بن سلیم زرقی ۱۱- عبد اللہ بن معبد زمانی ۱۲- معبد بن کعب بن مالک۔ ۱۳- عبد اللہ بن أبي قتادہ

۱۴- محمد بن سیرین ۱۵- نافع۔ (تاریخ الاسلام للحافظ شمس الدین الذہبی ص:۳۴۰، بیروت)

آپ کی چند مشہور مرویات درج ذیل ہیں:

(۱) "لا تسبوا الدهر فإن الله هو الدهر" (مسند احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۲۹۹، دار الفکر)

ترجمہ: زمانے کو برا نہ کہو، کیوں کہ زمانہ اللہ ہی (کے زیر قدرت) ہے۔

(۲) من قال عليّ ما لم أقل فليتبوأ مقعدهٗ من النار. (ایضاح:۵، ص:۳۱۰)

ترجمہ: جس نے میری جانب ایسی بات منسوب کی جسے میں نے نہیں کہا تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

خصائل و شمائل: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بچپن ہی سے حد درجہ متواضع اور قناعت پسند تھے۔ دوست تو دوست دشمن بھی آپ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ارباب حاجات اور مصیبت زدوں کے لیے ہر وقت آپ کے کرم کا دروازہ کھلا رہتا تھا، غربا اور مساکین کو ہمیشہ سینے سے لگائے رہتے تھے۔ سادگی اور تواضع و انکساری جسم کے پیراہن کی طرح زندگی کے ساتھ رہی۔ آپ کی حیات مبارکہ میں اخلاقیات کے وہ تابندہ آفتاب و ماہتاب ملتے ہیں جن سے نگاہیں خیرہ رہ جائیں، ایک مسلم معاشرہ میں ادب و احترام، تعظیم و توقیر، احسان، کرم نوازی اور اخلاق و حسن عمل کی جن ضرورتوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ موج مارتے ہوئے سمندر کی طرح ان کی حیات کے شب و روز میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

گلۂ تنگ دامنی اور شکوۂ کثرت حسن کے پیش نظر چند مثالیں پیش کرنے کی سعی کر رہے ہیں:

اخوت اسلامی: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی کرم نوازی اور اخوت اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایک انصاری کا جنازہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس نماز کے لیے لایا گیا، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے پوچھا اس پر قرض تو نہیں ہے لوگوں نے عرض کیا، دو دینار ہیں، فرمایا کچھ چھوڑا بھی ہے؟ جواب ملا کہ کچھ نہیں، ارشاد ہوا کہ تم لوگ نماز پڑھ لو، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگر میں قرض ادا کردوں تو آپ نماز پڑھائیں گے۔ فرمایا: ہاں! چناں چہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے قرض ادا کر کے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو خبر دی تو اس وقت آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (ایضاح:۵، ص:۲۹۷)

عفو و درگزر: ایک مسلمان پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا کچھ قرض تھا۔ جب آپ تقاضا کرنے جاتے تو وہ چھپ جاتا، ایک روز گئے تو اس شخص کے لڑکے سے معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، پکار کر کہا: نکلو، مجھے معلوم ہو گیا ہے، اب چھپنا بیکار ہے، جب وہ آیا تو چھپ رہنے کی وجہ پوچھی، اس شخص نے کہا: بات یہ ہے کہ میں تنگ دست ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے، اس کے ساتھ عیال دار بھی ہوں، پوچھا: واقعی تمھارا حال ایسا ہی ہے؟ بولا: ہاں، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے اور اس کا قرض معاف کر دیا، پھر ارشاد فرمایا: میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جو قرض خواہ کا قرض معاف کر دے وہ بروز قیامت عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (ایضاح:۵، ص:۳۰۸)

اخلاقی اقدار میں یہ بھی ہے کہ عفو درگزر اور حلم و تواضع سے کام لیا جائے، مکارہ پر حزن و غم کا اظہار نہ کیا جائے اور نہ ہی جُزبُز ہوا جائے۔ جس کی زندہ مثال حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ ہے؛ اسی لیے تو حضرت ابوقتادہ نے مذکورہ بالا حدیث

کی روشنی میں نہ صرف اپنے قرض خواہ کے حالت زار پر آبدیدہ ہوئے بلکہ اس پر ترس کھاکر قرض کو بھی معاف کر دیا۔ یہ واقعہ آپ کے حسن اخلاق کا شاہ کار نمونہ ہے، ساتھ ہی یہ واقعہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ حضرت ابوقتادہ حسن اخلاق، عفوو درگزر اور کرم نوازی کے ذروۂ کمال پر فائز تھے۔ مدار شرع پر گردش کرتی آپ کی حیات کے مخفی گوشوں کو اگر تحریر کا لباس پہنایا جائے تو آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اخلاقی سرگرمیوں سے مملو نظر آئے گا۔

خدمت رسول: حضرت ابوقتادہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت سے بارہا شاد کام ہوئے۔

ایک سفر میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے صحابہ سے فرمایا کہ پانی کی خبر لو، ورنہ صبح پیاسے اٹھوگے، لوگ پانی ڈھونڈنے نکل گئے، لیکن حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ہی رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اونٹ پر آرام فرمارہے تھے، جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام اونگھ میں کسی طرف جھکتے تو حضرت اوقتادہ بڑھ کر ٹیک لگادیتے، ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گرنے کے قریب تھے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ٹیک لگائی، آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشم مبارک واہوئیں فرمایا، کون؟ عرض کیا، ابوقتادہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کب سے میرے ساتھ ہو، حضرت ابوقتادہ نے عرض کیا شام سے، اس وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے خوش ہوکر یہ دعا دی "حفظك الله كما حفظت رسولهٗ" (جس طرح تم نے میری نگہبانی کی، خدا تمھارا نگہبان رہے) (ایضاج:۵،ص:۲۹۸)

شکار کا شوق: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ شکار کے بے حد شوقین تھے، ایک مرتبہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ہمراہ مکہ جا رہے تھے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ راستہ سے کچھ ساتھیوں کو لے کر نکل گئے، علاقہ پہاڑی تھا، ان کو پہاڑ پر تیزی سے چڑھنے کی مشق تھی، ابھی دوستوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھے کہ ایک جانور نظر آیا، انھوں نے بڑھ کر دیکھا اور پوچھا بتاؤ کون سا جانور ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم صحیح نہیں بتاسکتے، پھر خود بتایا کہ یہ گورخر ہے، پہاڑ پر چڑھتے وقت کوڑا بھول آئے تھے، ساتھیوں سے کہا میرا کوڑا لاؤ، یہ لوگ چوں کہ احرام باندھ چکے تھے، اس بنا پر شکار میں شریک نہیں ہوسکتے تھے؛ اس لیے خود ہی تنہا نیزہ لے کر گورخر کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کو شکار کرکے ساتھیوں کو آواز دی کہ اس کے اٹھانے میں ہاتھ بٹاؤ، لیکن اس میں بھی کسی نے مدد نہ کی۔ آخر خود اٹھاکر لائے اور گوشت پکاکر ساتھیوں کو کھانے کی دعوت دی لیکن ان لوگوں کو کھانے میں بھی تامل ہوا۔

بعضوں نے کھایا اور بعض محترز رہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا، تھوڑی دیر میں بتاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھتا ہوں، چناں چہ جب آپ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو اس واقعہ کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے! خدا نے تمھارے ہی لیے بھیجا تھا، اگر کچھ باقی ہو تو میرے لیے بھی لاؤ، لوگوں نے پیش کیا، آپ نے صحابہ سے فرمایا: اسے کھاؤ۔ (ایضاج:۵،ص:۳۰۸)

خوش طبعی: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نہایت ہی ملنسار اور بہت خوش طبع تھے، جب صلح حدیبیہ میں حضور علیہ الصلاۃ و السلام کے ساتھ مکہ جارہے تھے تو راستہ میں دوست واحباب سے خوش طبعی اور مزاح کرتے جاتے تھے۔

(ایضاج:۵،ص:۳۰۱)

غزوات: آپ نے سوائے غزوۂ بدر کے احد، خندق وغیرہ تمام غزوات میں شرکت کی۔
(اسد الغابۃ لابن اثیر الجزری، ج:۶، ص:۲۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع ثانی:۲۰۰۳ء)

غزوۂ ذی قرد میں بہادری: ربیع الاول ۶ھ میں غزوۂ ذی قرد پیش آیا، اس میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے نمایاں طور پر شرکت کی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنیاں ذی قرد نامی ایک گاؤں میں چرا کرتی تھیں، آپ کے غلام جن کا نام "رباح" تھا، ان کے نگراں تھے، چند غطفانی چرواہوں کو قتل کرکے اونٹنیوں کو ہانک لے گئے، سلمہ بن اکوع جو مشہور صحابی ہیں انھوں نے جب یہ قصہ سنا تو عرب کے قاعدہ کے موافق مدینہ کی سمت رخ کرکے "یا صباحاہ" کے تین نعرے لگائے، اور رباح کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اور خود غطفانیوں کے تعاقب میں رہے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے مدد کے لیے تین سوار بھیجے اور پیچھے سے خود بھی روانہ ہوئے، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جو پہلے ہی سے منتظر تھے۔ نظر اٹھی تو حضرت احرم ان کے پیچھے حضرت ابوقتادہ انصاری اور ان کے پیچھے حضرت مقداد کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہم گھوڑا اڑاتے چلے آرہے تھے، غطفانی حواس باختہ ہوگئے اور نکل بھاگے، لیکن حضرت احرم کو شوق شہادت دامن گیر تھا، غطفانیوں کے پیچھے ہولیے، آگے بڑھ کر ان میں اور عبد الرحمن غطفانی میں معرکہ آرائی ہوئی اور احرم نے جام شہادت نوش کیا، عبد الرحمن غطفانی ان کا گھوڑا لے جانا چاہتا تھا کہ یکایک حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور بڑھ کر عبد الرحمن غطفانی پر وار کرکے اس کا کام تمام کردیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جب یہاں سے لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پورا واقعہ سن کر ارشاد فرمایا: "خير فرساننا: أبو قتادة"۔ (صحیح مسلم، ج:۲، ص:۱۰۱)

غزوۂ حنین میں جاں نثاری: فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین واقع ہوا، لڑائی اتنی سخت تھی کہ بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، لیکن حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اس میں نہایت شجاعت دکھائی، ایک مسلمان اور ایک مشرک باہم دست وگریباں تھے، دوسرا مشرک پیچھے سے حملہ کی تاک میں تھا، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان کو تنہا دیکھ کر اس مشرک پر پیچھے سے حملہ کیا، تلوار کندھے پر پڑی جو زرہ کاٹتی ہوئی ہاتھ تک پہنچی اور ہاتھ صاف ہوگیا، وہ دوسرے ہاتھ سے لڑنے لگا، وہ طاقت ور اور عظیم الجثہ تھا اس نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو اس زور سے دبایا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ گھبرا گئے، لیکن خون زیادہ نکل چکا تھا، اس لیے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے موقع پاکر قتل کردیا، خود فرماتے ہیں کہ مجھے جان کے لالے پڑ گئے تھے لیکن قضا اس کی آئی تھی۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اعلان کیا کہ جس نے جس کافر کو مارا ہو اس کا مال ومتاع ثبوت کے بعد اس کو دلایا جائے گا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا میری نسبت کون شہادت دیتا ہے؟ کسی طرف سے آواز نہ آئی، ۳ر مرتبہ حضرت ابوقتادہ نے ایسے ہی ندا لگائی تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ابوقتادہ! کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے سارا قصہ گوش گزار کیا، ایک شخص بولا: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سچ کہہ رہے ہیں، ان کا سامان میرے پاس ہے، لیکن ان کو راضی کر کے مجھے دلوا دیجیے، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بے انصافی ہے کہ خدا کا شیر امارت اور مال سے محروم رہے اور قریش

کی چڑیا مفت میں مزے اڑائے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: حقیقت یہی ہے، بہتر ہے کہ ان کا مال انہی کو دے دو۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فروخت کر کے بنوسلمہ میں ایک باغ خریدا، قبول اسلام کے بعد جائیداد خریدنے کی یہ پہلی بسم اللہ تھی۔ (بخاری شریف، ج:۲،ص:۲۱۸)

خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں خدمات: ۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد فتنۂ ارتداد اٹھ کھڑا ہوا، مختلف علاقوں کو گیارہ لشکر بھیجے گئے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے۔

(فتوح البلدان للامام ابوالحسن البلاذری، ص:۱۰۳، بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ مکہ کے امیر رہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴،ص:۹۰)

جنگ جمل اور جنگ صفین میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، نہروان کے مقام پر خوارج سے جنگ کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں پیدل فوج کا افسر بنایا۔ (تاریخ یعقوبی، ج:۲،ص:۱۴۸)

امر بالمعروف کے آئینے میں: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی امر بالمعروف کا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ چھت پر کھڑے تھے کہ ستارہ ٹوٹا، لوگ دیکھنے لگے، فرمایا: اس کا زیادہ دیکھنا منع ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، ج: ۵،ص:۲۹۹، دار الفکر)

وصال: سن وفات میں سخت اختلاف ہے بعض کے نزدیک بمقام کوفہ ۴۰ھ میں آپ کا وصال ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں ۶ یا ۷ تکبیریں کہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ ۵۰ھ اور ۶۰ھ کے درمیان آپ نے وفات پائی۔ (الاستیعاب، ج: ۴،ص:۲۹۵)

اولاد امجاد: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

صاحبزادوں کے اسمائے گرامی:

۱-عبداللہ، ۲-عبدالرحمن، ۳-عبید، ۴-ثابت (سیر اعلام النبلاء، ج:۴،ص:۹۱)

صاحبزادیوں کے اسمائے گرامی:

۱-ام البنین، ۲-ام ابان۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴،ص:۹۱)

فقہی مقام: فقہا اللہ کی زمین میں اس کے احکام نافذ کرتے ہیں، تشریعی احکام کے نفاذ کی ذمہ داری انھیں کے سر ہے اس لیے ان کو ذروۂ کمال کا درجہ بخشا جاتا ہے۔

"من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" (ابن ماجۃ، ص:۲۰، اصح المطابع، دہلی)

ترجمہ: اللہ جس سے نیکی چاہتا ہے اس کو دین کا علم عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ آپ نے فقہ میں موشگافیاں بھی کی ہیں۔ حضرت ابوقتادہ نے علم رسالت سے فیض پایا تھا:

"إن العلماء ورثة الأنبياء ورثوا العلم"(صحیح البخاری، ج: ۱، ص:۶۱)

ترجمہ: علما انبیا کے وارث ہیں وہ علم کے مورث ٹھہرائے گئے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ وارث نبوت تھے اس لیے حکمت و دانائی، حزم و احتیاط اور اصابت فکری کی امنگیں شباب پر نظر آتی ہیں۔ آپ علم و فضل، معاملہ فہمی، تعمق نظری، وسعت ذہنی، جودت طبع اور فقہی ژرف نگاہی وغیرہ میں طاق ہیں اور اپنی ہمہ جہت خوبیوں کے سبب ہر جگہ قدر کی نگاہ سے دیکھے اور عزت کی مسند پر بٹھائے جاتے تھے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی فقہی ژرف نگاہی کی واضح مثال:

عن كبشة إبنة كعب بن مالك و كانت عند إبن أبي قتادة أن أبا قتادة دخل عليها قالت فسكبت لهٔ وضوء قالت:فجاء هرة تشرب فأصغى لها الإناء حتى شربت قالت كبشة:فرأني أنظر إليه فقال: أتعجبين يا ابنة أخي، فقلت: نعم، فقال أن رسول الله –صلى الله عليه و سلم– قال: إنها ليست بنجس إنما هي من الطوافين عليكم و الطوافات.

(جامع الترمذی، ص:۱۴، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، سن طباعت: ۲۰۰۲ء)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے گھر گئے، بہو نے وضو کے لیے پانی رکھا، بلی آئی اور منہ ڈال کر پانی پینے لگی، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بھگانے کے بجائے برتن اس کی طرف جھکا دیا کہ خوب اچھی طرح پی لے، بہو کھڑی ہوئی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ کہا بیٹی اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نجس نہیں، وہ تمھارے پاس چکر لگانے والوں میں سے ہے۔

قارئین کرام! حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے "إنها ليست بنجس إنما هي من الطوافين عليكم و الطوافات"اس حدیث کی روشنی میں یہ فرمایا کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، بلکہ اس سے وضو کر سکتے ہیں۔ اور یہی حضرت عباس، علی، ابن عباس، ابن عمر، عائشہ، حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی موقف ہے۔

(حاشیہ مؤطا الامام محمد، ص:۸۴، مجلس برکات، سن طباعت:۲۰۰۶ء)

من أهل الفتوى

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔وفات:۔۔۔

محمد افضل خاں، جون پور، جماعت: سابعہ Mob:9506099074

نام ونسب: آپ کا نام ”عمیر“ ہے آپ کا لقب ”نسیج وحدہ“ (یکتا و یگانہ) ہے۔

آپ کے نسب میں مورخین کی مختلف روایتیں ملتی ہیں:

اول: ”عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف“ یہ روایت ابونعیم نے واقدی سے لی ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ اکثر مورخین نے اسی کو ذکر کیا ہے۔ (۱)

دوم: ”عمیر بن سعد بن شہید بن عمرو بن زید بن امیہ بن زید انصاری“ اس کو ابن مندہ نے بیان کیا ہے اور مزید کہا: انہیں ”نسیج وحدہ“ (یکتا و یگانہ) کہا جاتا تھا۔ آپ فلسطین آئے اور یہیں شہید ہوئے۔ ابونعیم نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ (۲) لیکن صاحب تہذیب الکمال نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

آپ کے نسب کے تعلق سے جو روایتیں تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان تمام کا خلاصہ، مذکورہ دونوں روایتیں ہیں، بقیہ تمام روایتیں کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ انہیں دونوں روایتوں کی مؤید کہی جا سکتی ہیں، ذیل میں ان پر بھی طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

ابن مندہ کی روایت کی تائیدات:

(۱) ابن کلبی کی روایت ابن مندہ کی روایت کی تائید کرتی ہے مزید لکھتے ہیں کہ ”سعد بن عبید“ بدری صحابی ہیں اور یہ ”سعد“ ”عمیر“ کے والد نہیں ہیں بلکہ ان کے والد ”سعد بن شہید“ ہیں اور دونوں ”سعد“ کے نسب کو یوں بیان کیا:

اول: سعد بن عبید بن قیس بن عمرو بن زید بن امیہ۔

دوم: عمیر بن سعد بن شہید بن عمرو بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن زید بن مالک بن اوس انصاری اوسی۔ یعنی دونوں نسب ”عمرو بن زید“ پر مل جاتے ہیں۔ (۳)

(۲) ”سیر اعلام النبلاء“ کی روایت سے بھی ”ابن مندہ“ کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ (۴)

(۳) ”ابن ابی حاتم“ کی روایت سے بھی ”ابن مندہ“ کی روایت کی تائید ہوتی ہے (۵)

(۴) حضرت عمارہ کے بارے میں جو نسب صاحب ”الاصابۃ“ نے بیان کیا اس میں ”عمارہ بن عبد اللہ بن محمد بن عمیر بن

سعد" کے بعد ابن کلبی کے نسب کو بیان کیا اور مزید کہا کہ یہ صحابیِ رسول ﷺ ہیں اور انھوں نے ہی جلاس بن سوید کی وہ بات جو انھوں نے رسول ﷺ کی شان میں گستاخانہ طور پر کہی تھی حضور ﷺ کی بارگاہ تک پہنچائی اور اس وقت آپ ان کی پرورش میں تھے۔ فتوحات شام میں بھی آپ کی شرکت ہوئی اور حضرت عمر نے آپ کو حمص کا والی مقرر کیا۔[6]

ابونعیم کی روایت کی تائیدات: (۱) "موسوعۃ حیاۃ الصحابۃ" میں "طبقات الکبریٰ" کے حوالے سے ابونعیم کی روایت کو ترجیح دی گئی لیکن انھوں نے قیس اور عمرو بن عوف کے درمیان "عمرو بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف" کا اضافہ کیا ہے اور حضرت سعد کو بدری صحابی بتایا۔[7]

(۲) ابوعمر ولکھتے ہیں کہ یہ عمیر وہی ہیں جن کے ماں کے شوہر جلاس بن سوید تھے اور ابونعیم کے نسب کو بیان کیا ہے اور بارگاہ نبوی میں جلاس کے جھوٹ اور عمیر کی صداقت کی شہادت میں آیت "یحلفون باللہ ما قالوا" (الخ سورۃ توبۃ) نازل ہوئی۔[8]

(۳) حضرت عبداللہ بن محمد بن قداح بھی اسی کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمیر زہاد صحابہ میں سے تھے اور حضرت عمر کے زمانے میں حمص کے والی تھے۔[9]

(۴) "موسوعۃ حیاۃ الصحابۃ" میں "الاصابۃ" کے حوالے سے ابونعیم کی روایت کو ذکر کیا ہے ساتھ ہی ساتھ واقدی اور ابن عبدالبر کی تائیدات بھی پیش کی۔[10]

ان تمام روایات اور تائیدات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب کے بارے میں اگرچہ مورخین مختلف ہیں لیکن بیان اوصاف میں تقریباً سب متفق ہیں۔

خاندانی حالات: آپ کے والد گرامی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابیِ رسول تھے اور اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنی جان راہ خدا میں قربان کر دی۔ ابھی حضرت عمیر کم سن ہی تھے کہ آپ کے والد اس دار فانی سے کوچ کر کے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اپنے بعد آپ نے ترکہ میں کچھ بھی مال نہ چھوڑا، جس کی وجہ سے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی بڑی تنگی اور غربت میں گزرنے لگی اور اتنا مال نہ تھا، جس سے آپ کی والدہ آپ کی ضرورتیں پوری کرپاتیں۔ اس لیے کچھ عرصے بعد آپ نے جلاس بن سوید سے، جو کہ بڑے دولت مند تھے، نکاح فرمالیا۔ انھوں نے حضرت عمیر کو اپنی پرورش میں لے لیا اور اس کام کو اتنی خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں حضرت عمیر اپنی یتیمی کو بھولنے لگے۔ جس طرح جلاس حضرت عمیر کے ساتھ شفقت و مہربانی فرماتے تھے، حضرت عمیر بھی آپ کی اتنی ہی عزت کیا کرتے تھے۔

ذاتی خصوصیات: آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی صحبت سے شرف یاب ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ نے اسلام کی صاف و شفاف ماحول میں پرورش پائی تھی، جس کی وجہ سے اسلام آپ کے دل میں رچ بس گیا تھا، بچپن کے ایام ہی سے آپ کی پیشانی سے بلندی کے آثار ہویدا تھے، آپ ایک ماہر جنگ جو اور تجربہ کار شہسوار بھی تھے اور فتوحات شام میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے ساتھ شانہ بہ شانہ شریک رہے۔ آپ ایک ماہر اور نباض رہ نما بھی

تھے، حکومت کے تمام پیچ وخم سے پوری طرح واقف تھے اس کی واضح مثال ''حمص''کی ولایت ہے، جہاں چند دنوں سے زیادہ کوئی امیر وہاں کے لوگوں کی شکایتوں اور مطلوبات کی بنیاد پر ٹک نہ پاتا تھا۔ حضرت عمر نے وہاں کی باگ ڈور آپ کے سپرد کر دی، جہاں آپ نے کئی سال حکومت کی اور بعض روایتوں میں پوری زندگی حکومت کرنے کا بیان آیا ہے، اوراس درمیان کسی شکایت کا موقع نہ آنے دیا۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ نہایت ہی متقی پرہیزگاراور صوفی صفت انسان تھے ۔حمص کی ولایت آپ کے ہاتھ میں تھی، اس کے باوجود آپ نے نہایت تنگ دستی اور عاجزی بھری زندگی کو ترجیح دی، کئی کئی روز سوکھی روٹیوں سے گذارا کرتے بسااوقات فاقہ کشی کی بھی نوبت آجاتی تھی، آپ کا شمار زہاد صحابہ میں سے ہوتا ہے۔

عشق رسول ﷺ: آپ نے سن صغری ہی میں حزم واحتیاط اور قوت فیصلہ کی ایسی مثال پیش کی تھی کہ اس چھوٹی عمر میں اس کا تصور بہت ہی مشکل ہے۔ جب آپ تقریباً دس سال کے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ''غزوۂ تبوک''کی روانگی کا ارادہ فرمایا، بعد مسافت اور موسم گرما کی دشواریوں کے مد نظر خلاف معمول آپ نے '' تبوک ''کی طرف جانے کی صراحت بھی فرمادی؛ اس لیے صحابہ کرام نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ اس کی تیاری شروع کر دی۔ اک روز حضرت عمیر جب نماز کی خاطر مسجد میں آئے تو صحابہ کی تیاریوں اور ان کی جوش عزم کو دیکھ کر بڑے متأثر ہوئے اور گھر آکر یہ واقعہ سنانے لگے تاکہ حضرت جلاس بھی ان تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، لیکن اس کے برخلاف جب جلاس نے یہ باتیں سنی تو کہنے لگے ؛'' محمد نے جو کچھ کہا ہے اگر سچ ہے تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں''۔ جیسے ہی عمیر نے یہ سنا ان کے پیروں تلے زمین ہل گئی اور دم بخود رہ گئے ؛کیوں کہ انھیں تصور بھی نہ تھا کہ جلاس ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔

آپ بہت پریشان ہوئے کہ اگر ہم نے یہ بات حضور ﷺ تک نہ پہنچائی تو یہ دین میں خیانت ہوگی اور اگر ظاہر کرتے ہیں تو اس شخص کو رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا جس کے ہم پر بہت احسانات ہیں۔ یک لخت آپ جلاس سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے :'' میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گدھے سے بدتر ہو۔ اس روے زمین پر رسول کریم ﷺ کے بعد آپ سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہیں؛ اس لیے یہ بات میں حضور تک ضرور پہنچاؤں گا، آپ اپنا انجام سوچ لیں''۔ پھر آپ نے سارا معاملہ حضور ﷺ تک پہنچا دیا۔ حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر جلاس نے حلفیہ انکار کر دیا، اس سے عمیر بڑے شرمندہ ہوئے اور روتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا: مولیٰ! پوری سچائی اپنے محبوب پر واضح فرما دے۔ اس کے بعد اللہ عزوجل نے ''یحلفون باللہ ما قالوا، الخ''(سورہ: توبہ، آیت:۷۴) نازل کر کے آپ کی تصدیق فرمائی اور جلاس کے جھوٹ کو واضح کر دیا۔[۱۱]

استحضار حدیث: مسند ابي يعلى میں ہے: حدثنا ابراهيم بن الحجاج حدثنا حمادبن سلمة عن أبي سنان،عن أبي طلحة الخولاني ،قال:أتينا عمير بن سعد في نفر من أهل فلسطين ، و كان يقال له:نسيج وحده ، فقعدنا له على دكان له عظيم في داره ، فقال:يا غلام ، أورد الخيل (و في الدار تور من حجارة) قال :فأوردها ،فقال اين فلانة ؟ قال :هي جربة ، تقطر دما ، قال :أوردها ،فقال أحد القوم :أذا تجرب

الخیل کلھا! قال فإننی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : لا عدوی ، ولا طیرۃ ، ولا ھامۃ ، ألم تر إلی البعیر یکون بالصحراء ، ثم یصبح وفی کرکرتہ أو فی مراقہ نکتۃ لم تکن ، فمن أعدی الأوّل۔

ترجمہ: مسند ابی یعلی میں ہے کہتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم بن حجاج نے بیان کیا: یہ کہتے ہیں ہم سے حماد بن سلمی نے بیان کیا، یہ ابوسنان سے اور یہ ابوطلحہ خولانی سے روایت کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عمیر بن سعد فلسطین کے ایک قافلے میں آئے، جب کہ آپ کو ''نسیج وحدہ'' کہا جاتا تھا، ہم ان کے پاس ان کے گھر کی دکان پر بیٹھ گئے، پھر کہا: اے بچے گھوڑا لاؤ، [گھر میں پتھر کا ایک برتن تھا] راوئ حدیث نے کہا: گھوڑا لایا گیا، ''عمیر بن سعد'' نے کہا: فلاں گھوڑی کہاں ہے؟ بچے نے کہا اس کو خارش ہو گئی ہے، خون ٹپک رہا ہے آپ نے کہا کہ: اسے لاؤ، ایک شخص نے کہا کہ: جب تو تمام گھوڑوں کو خارش ہو جائے گی، فورا اُنھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا نہ کوئی مرض متعدّی ہے، بدفالی وبدشگونی کی بھی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی الو کے بولنے سے کچھ ہے۔ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اونٹ جنگل میں صحیح وسالم ہوتا ہے، پھر صبح اس کے سینے میں یا اس کی جلد میں ایک ایسا نشان ہوتا ہے جو پہلے نہ تھا تو بتاؤ ابتداءً اس میں یہ داغ کہاں سے آگیا۔[۱۲]

اس حدیث پر آپ توجہ دیں تو آپ کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آپ برجستہ استحضار حدیث پر کس قدر قادر تھے کیوں کہ جیسے ہی اس شخص نے کہا: ''جب تو تمام گھوڑوں کو خارش ہو جائے گی''، آپ نے حدیث شریف سنا کر اس کے شبہ کا ازالہ فرمایا۔

سیاسی بصیرت: یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقبوضہ علاقوں میں والیان کی تقرری میں بڑی احتیاط سے کام لیتے اور اسی کو مقرر فرماتے جو نظام حکومت سے واقف اور اسلامی تعلیمات سے لیس ہو، آپ بھی حضرت عمر کے والیوں میں سے ایک ہیں اور ان کی حکومت میں سپہ سالاری کے فرائض بھی انجام دیے۔

دمشق کے علاقہ ''حمص'' کے باشندے بڑے شکایتی ثابت ہوئے تھے۔ کسی بھی والی کو وہ حمص پر ولایت نہ کرنے دیتے اور خطوط کے ذریعے شکایتوں کا انبار لگا کر خلیفہ سے اس کی معزولی کا مطالبہ کر دیتے۔ چنانچہ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عمر نے کہا: اب ایک ایسے شخص کو منتخب کروں گا جس پر وہ انگشت نمائی نہ کر سکیں گے۔ پھر اس کے بعد آپ کی نظر انتخاب حضرت عمیر بن سعد کی طرف گئی، جو اس وقت فتوحات شام میں مشغول تھے اور بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے انھیں فورا ولایت حمص سنبھالنے کا حکم دیا اور فورا آپ وہاں گئے اور سب سے پہلے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا، پھر نماز کے بعد یہ خطبہ دیا:

سنو! اسلام ایک مضبوط دیوار اور پختہ دروازہ کی طرح ہے، اس کی دیوار عدل ہے اور اس کا دروازہ حق ہے، اسلام کا قلعہ عدل وانصاف اور اس کا دروازہ حق وصداقت کا پیغام ہے۔

اسلام کا قلعہ اس وقت تک ناقابل تسخیر ہے، جب تک تمھارا سلطان طاقت ور رہے گا۔ بلا شبہ سلطان کی طاقت کوڑے مارنے اور قتل وغارت کرنے میں نہیں، بلکہ اس کی طاقت کا راز عدل وانصاف اور حق وصداقت اختیار کرنے میں ہے۔

اس کے بعد اس دستور العمل کو نافذ کرنے کے لیے کوشاں ہوگئے، اس طرح اہل حمص کی شکایتوں کے سلسلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور خلیفۃ المسلمین کے خیال کو درست کر دکھایا۔ (۱۳)

اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کس قدر موقع شناس، صائب الرائے اور متحمل تھے آپ کے اندر اسلام اور اس کے قوانین کو سمجھنے اور نافذ کرنے کا پورا ملکہ تھا، ورنہ حضرت عمر ایسے نازک صوبے کی ولایت آپ کے سپرد کبھی نہ کرتے۔

عرب سوس جنگ: ایک مرتبہ حضرت عمر نے آپ کو شام کی طرف لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، تو آپ نے وہاں سے امیر المومنین کے پاس قاصد بھیجا، اس قاصد نے آکر کہا: اے امیر المومنین! ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان ایک شہر ہے جس کا نام "عرب سوس" ہے، جو ہمارے دشمنوں کو ہماری عورتوں اور ہم پر مطلع کر دیتے ہیں اور ایسا ایسا کرتے ہیں۔ تو حضرت عمر نے جواب دیا: آپ کو اختیار ہے چاہے آپ انھیں ان کے شہر سے نکال کر انہیں ایک بکری کے بدلے دو بکری یا ایک گائے کے بدلے دو گائے اور ہر شے کے بدلے دو شے دے دیں، اگر وہ اس پر راضی ہوں تو ایسا ہی کریں ورنہ انکار کرنے پر ان کا عہد اسی طرح ان پر لوٹا دیں اور ایک سال کی انہیں مہلت دے دیں۔

حضرت عمیر نے اس حکم پر توثیقی عہد مانگا، اس کے بعد حضرت عمیر نے اہل عرب سوس کے سامنے یہ پیش کش رکھی، تو انھوں نے انکار کر دیا، پھر ایک سال تک ان کے ساتھ کوئی کاروائی نہ کی، اس مدت کے بعد ان سے جنگ کی۔

حضرت عمر کو جنگ کے بعد خبر ملی کہ حضرت عمیر نے عرب سوس کو اجاڑ کر رکھ دیا، ان کے ساتھ ایسا ایسا کیا، حضرت عمر یہ سن کر طیش میں آگئے اور فوراً حضرت عمیر کو مدینہ آنے کے لیے کہا، چنانچہ جب حضرت عمیر آئے تو حضرت عمر نے دُرّہ بلند کر لیا اور کہا: تم نے عرب سوس کو برباد کر دیا آپ خاموش رہے جب حضرت عمر گھر میں داخل ہوئے تو حضرت عمیر بھی اجازت لے کر اندر گئے اور ان کا توثیقی عہد نامہ سنایا، تو حضرت عمر نے کہا: اللہ تعالی تمھاری مغفرت فرمائے! (۱۴)

صحابہ و معاصرین کی نظر میں: کسی بھی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے ہم پلہ اور معاصرین ان کے بارے میں کیسا خیال رکھتے ہیں اس لیے اس پر بھی کچھ روشنی ڈالتا ہوں:

(۱) صفوان بن عمر کہتے ہیں: جب حضرت معاویہ پورے شام کے والی ہوئے اور اپنا پہلا خطبہ دیا تو کہا: حمص والو! جہاں تک میں جانتا ہوں بخدا اللہ نے تمہیں بہت ہی نیک والیوں سے سعادت بخشی: سب سے پہلے عیاض بن غنم، جو کہ مجھ سے بہت بہتر تھے، پھر سعید بن عامر، وہ بھی مجھ سے بہتر تھے، اس کے بعد عمیر بن سعد والی ہوئے اور وہ کیا ہی بہتر انسان تھے! اللہ خوب جانتا ہے اور اب میں تمھارا والی ہوں جلد ہی جان جاؤ گے۔ (۱۶)

(۲) ابن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کی، وہ عبد الرحمٰن بن عمیر بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: مجھ سے ابن عمر نے کہا کہ بخدا اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تمھارے والد سے بہتر مسلمانوں میں کوئی نہ تھا۔ (۱۷)

(۳) ہشام نے ابن سیرین سے روایت کی: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خوبیوں کو دیکھ کر آپ پر تعجب کیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپ کو "نسیج وحدہ" (یکتا و یگانہ) کہتے تھے۔ (۱۸)

آپ کی عظمت آپ کے معاصرین کے نزدیک کیا ہے، یہ جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کبار صحابہ جب آپ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتے تھے، تو باقیوں کا کیا کہنا!

آپ کی مرویات: آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کبار صحابہ موجود تھے اور حضرت عمر روایات حدیث میں بڑے سخت قیود لگادیے تھے، اس کے علاوہ آپ کا اکثر وقت جہاد میں صرف ہوا۔ آپ سے مروی حدیث گذر چکی ہے، جس کے راوی ابو طلحہ خولانی، راشد بن سعد، حبیب بن عبید ہیں۔ (۱۹)

اسلام کا یہ مہر تاباں قادسیہ کی جنگ میں اسلام کی سربلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا اور ہمیشہ کے لیے اپنی نوری زندگی کو ہمارے لیے مشعل راہ بنا گئے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

ماخذ و مراجع

(۱) اسد الغابۃ، ج:۴، ۲۸، ناشر دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان۔

(۲) مرجع سابق۔

(۳) مرجع سابق۔

(۴) اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۵۵۸، ناشر: موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۰۱ھ، طبع دوم: ۱۴۰۲ھ۔

(۵) مرجع سابق۔

(۶) موسوعۃ حیاۃ الصحابۃ، ج:۵، ص:۵۹۰، ناشر: مکتبۃ غزالی ارلب سوریا، سن اشاعت: ۲۰۰۰ء۔

(۷) مرجع سابق و طبقات الکبری ج:۷، ص:۲۸۲، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

(۸) اسد العابہ، ج:۴، ص:۲۸۰، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

(۹) اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۵۵۸، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

(۱۰) موسوعۃ حیاۃ الصحابۃ، ج:۵، ص:۵۹۰، ناشر: مکتبۃ غزالی ارلب سوریا، سن اشاعت: ۲۰۰۱ء۔

(۱۱) مرجع سابق۔

(۱۲) اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۵۵۸، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

(۱۳) مرجع سابق۔

(۱۴) اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۵۶۰، ناشر: موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔

(۱۵) مرجع سابق، ص:۵۸۹۔

(۱۶/۱۷/۱۸) حوالہ سابق۔

(۱۹) اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۵۵۷، ناشر: موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔

من أهل الفتوى

حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۱۱ھ

عبیدالرحمٰن، کٹیہار، جماعت: سابعہ ۹۵۵۹۵۰۷۹۲۶

آپ کا نام: عبداللہ، **والد محترم کا نام:** ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور **والدہ کا نام:** قتیلہ بنت عبدالعزیٰ ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج:۳،ص:۱۱، ابوعمر یوسف قرطبی، ارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، الطبعۃ ثانیہ ۲۰۰۲ء)

آپ کا پورا سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی قرشی تیمی۔ آپ کے والد گرامی کا نسب چھٹے پشت میں جاکر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۴، ص:۲۴، علامہ ابن حجر عسقلانی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طبعۂ ثانیہ ۲۰۰۲ء)

ولادت باسعادت: مؤرخین کی کتابوں میں آپ کی ولادت کے تعلق سے کوئی تاریخ صراحتا نہیں ملتی۔

قبول اسلام: کتب تاریخ میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ آپ نے بعثت کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ چناں چہ امام نووی لکھتے ہیں: "و أسلم قديما" یعنی آپ قدیم الاسلام تھے۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۲۸۷، ابوزکریا یحییٰ نووی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طبعۂ اولیٰ ۲۰۰۷ء)

مذکورہ عبارت "و أسلم قديما" میں "قدیما" کے حوالے سے محققین کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ لفظ "قدیما" سے اس بات کی جانب اشارہ ملتا ہے کہ آپ کا شمار ان مسلمانوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے دعوت وتبلیغ کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔

اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ: آپ جہاں عمدہ گوناگوں اخلاق کے جامع تھے، وہیں آپ انتہائی ذہین وفطین بھی تھے۔ آپ کے اندر ایثار وقربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی صحیح میں حدیث ہجرت تخریج فرمائی تو آپ کے تعلق سے ایسی صفتوں کا ذکر فرمایا، جو آپ کی ذہانت وفطانت اور جذبۂ قربانی پر دلالت کرتی ہیں۔

(صحیح بخاری، ج:۱، ص:۵۵۴، ۵۵۳، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۲۰۰۷ء)

اسی طرح کئی اور بھی صفتوں کے آپ جامع رہے، مگر سر فہرست قدر تفصیل سے دو کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) آپ انتہائی فرماں بردار تھے۔ فرماں برداری ہی کا نتیجہ تھا کہ جب آپ نے اپنی اہلیہ حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انتہائی محبت ہونے کی خاطر بعض جہاد میں جانے سے خود کو روکے رکھا، تو والد گرامی کے کہنے پر اسے طلاق دیدی۔

(۲) آپ اپنی جانب سے ہونے والی کوتاہیوں اور لغزشوں کا بخوبی اعتراف کیا کرتے تھے۔ اس دعوے کی صداقت کے

لیے یہی کہنا کافی ہے کہ جب آپ نے اپنی اہلیہ سے انتہائی درجہ محبت اور لگن ہونے پر جہاد ترک کردیا، تو بعد میں آپ کو اس کا بہت دکھ ہوا اور بارگاہ ایزدی میں شرمندہ ہوکر مغفرت کی التجا کی۔(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۴، ص:۲۵، علامہ ابن حجر عسقلانی)

ہجرت مدینہ: محمد عربی ﷺ کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرجانے کے بعد فوراً حضرت عبداللہ اپنی سوتیلی ماں حضرت ام رومان بنت عامر، حضرت اسما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مدینہ پہنچے اور بنو حارث بن خزرج کے محلے میں حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے مکان میں قیام فرمایا۔(ایضاً، ص:۲۴)

رشتۂ ازدواج سے منسلک: آپ کی شادی حضرت عاتکہ بنت زید سے ہوئی تھی۔ وہ ایک صحابیہ ہونے کے ساتھ ایک مہاجرہ بھی تھیں۔ آپ کو اپنی اہلیہ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ نے بعض دفعہ جہاد ترک کردیا اور آپ کی اہلیہ نے بھی اصرار نہیں کیا۔ اپنے والد گرامی کے کہنے پر اسے طلاق دینے کے بعد پریشان اور آزردہ دل رہنے لگے، پھر رجعت کی اجازت ملنے پر آپ نے رجعت کیا۔(مصدر سابق، ص:۲۵)

اہم کارنامے:

غزوات میں شرکت: دین اسلام کی حفاظت کے لیے جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں اور کفار و مشرکین کا قلع قمع کرنے کے لیے جتنے بھی عاشقان رسول ﷺ نے خود کو راہ خدا میں قربان کردیا، ایسے مجاہدین کی صف میں حضرت عبداللہ کا بھی شمار ہوتا ہے، جنھوں نے فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں شرکت کرکے گستاخان رسول ﷺ کو واصل جہنم کیا اور غزوۂ طائف میں کفار کی صف کے مقابلے میں اس طرح ڈٹ کر کھڑے رہے کہ بدن پر تیر لگنے کی وجہ سے کچھ دنوں کے بعد شہید ہوگئے۔ اسی بنا پر شہداے طائف میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔(تھذیب الاسماو اللغات، ج:۱، ص:۲۸۷، ابوزکریا یحیٰ نووی)

جس کے تیر سے زخمی ہوکر آپ شہید ہوگئے، اس تعلق سے دو قول ذکر کیے گئے ہیں:

(۱)ابو محجن ثقفی کے تیر سے (۲)سعید بن عبید کے تیر سے

اول الذکر قول کے تعلق سے صاحب استیعاب علامہ قرطبی لکھتے ہیں:"فرمی بسهم رماه به أبو محجن الثقفی فدمل جرمه حتیٰ إنتقض به فمات منه فی خلافة ابیه"

حضرت ابو عبداللہ تیر سے زخمی ہوگئے، ابو محجن ثقفی نے آپ پر تیر چلایا تھا پھر وہ زخم مندمل ہوگیا، یہاں تک کہ پھر وہی زخم عود کرآیا اور آپ اپنے والد محترم کی خلافت میں شہید ہوگئے۔(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج:۳، ص:۱۱)

جب کہ متاخر الذکر قول کے تعلق سے صاحب اصابہ علامہ ابن حجر عسقلانی اور دیگر مؤرخین لکھتے ہیں:

"ثم قدم وفد ثقیف فسألهم ابو بکر هل فیکم من یعرف هذا السهم، فقال :سعید إبن عبید أنا بریته وأنا رمیته به"

پھر وفد ثقیف کی آمد پر ان سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تم میں سے کوئی اس تیر کو جانتا ہے؟ تو سعید بن عبید نے کہا: میں نے اسے تراشا تھا اور اسے میں نے چلایا تھا۔(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۴، ص:۲۵، علامہ ابن حجر عسقلانی)

مندرجہ ذیل ان کی اس عظیم خدمت کو بیان کیے بغیر آگے بڑھنا فائدہ سے خالی ہوگا۔

ہجرت کے موقع سے آپ کی ایک اہم قربانی: جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر ہجرت کے دوران غار ثور میں مسلسل تین روز تک قیام پذیر رہے، تو حضرت عبداللہ کو ان نفوس قدسیہ کی میزبانی کا شرف ملا۔ آپ اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اور بڑی شجاعت و دلیری سے ان کے پاس کھانا لے کر جاتے اور پھر ان کو قریش مکہ کے دن بھر کی کاروائیوں سے انھیں آگاہ کرتے (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۲۸۷، ابوزکریا یحییٰ نووی)

جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اپنی صحیح میں حدیث ہجرت تخریج کرتے وقت اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ثم لحق رسول الله صلى الله عليه وسلم و أبو بكر بغار في جبل ثور فكمنا فيه ثلث ليالٍ يبيت عندهما عبد الله بن أبي بكر وهو غلام شاب ثقف لقن فيدلج من عندهما بسحر فيصبح مع قريش بمكة كبائت فلا يسمع أمراً يكتادان به ألا وعاه حتى ياتيهما بخبر ذلك حين يختلط الظلام“

پھر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جبل ثور کے ایک غار میں جا پہنچے، وہاں تین رات ٹھہرے، ان کے پاس حضرت عبداللہ بن ابی بکر رات گزارتے، جو کہ نوجوان اور انتہائی زود فہم و زیرک شخص تھے۔ آپ وقت سحر ان کے پاس سے نکل جاتے اور مکہ میں رات گزارنے والے کی طرح مکہ میں قریش کے ساتھ صبح کرتے۔ اور قریش مکہ ان کے ساتھ مکر و فریب کے جو بھی ناپاک منصوبے بناتے انھیں محفوظ کرتے پھر رات طاری ہونے کے بعد ان کے پاس جاکر ان کی خبر دیتے۔
(صحیح بخاری، ج:۱، ص:۵۵۴، ۵۵۳)

حدیث پاک کی روایت: مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ سے احادیث کریمہ زیادہ مروی نہیں ہیں۔ صرف ایک حدیث پاک ملتی ہے جس کی روایت انھوں نے کی ہے۔ وہ حدیث پاک یہ ہے:

”عن عبد الله بن عمرو بن عثمان بن عفان عن عبد الله بن أبي بكر الصديق رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا بلغ المرء المسلم خمسين سنة صرف الله عنه ثلاثة أنواع من البلاء: ألجنون والجذام والبرص فإذا ستين سنة رزقه الله الإنابة إليه فاذا بلغ سبعين سنة محيت سيئاته وكتبت حسناته فإذا بلغ تسعين سنة غفر الله ذنبه ما تقدم وما تأخر“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے روایت ہے، وہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جب کوئی مسلمان شخص پچاس سال کا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ تین طرح کی آفتوں سے اس کی حفاظت فرماتا ہے: دیوانگی، جذام یعنی کوڑھ اور برص (ایک قسم کی بیماری جو سفید و سیاہ دونوں طرح کی ہوتی ہے) سے، پھر جب ساٹھ سال کا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں متوجہ ہونے اور توبہ و استغفار کرنے کی توفیق دیتا ہے، پھر جب ستر سال کا ہوجائے تو اس کے گناہ مٹا کر نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور پھر جب نوے سال کا ہوجائے تو اس کے اگلے اور پچھلے گناہ کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتا ہے۔ (المعجم الکبیر، ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، ۱۳/۱۳۰)

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مذکورہ حدیث کے تعلق سے فرماتے ہیں: ”لا أعرف عبد الله أسند غيره وفي إسناده ضعف وإرسال“ اس حدیث پاک کو صرف حضرت عبداللہ ہی روایت کرتے ہیں۔ کوئی اور روایت کرنے میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہے اور ان کی سند میں ضعف وارسال ہے۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وأما عبد الله بن أبي بكر فأسند عنه حديث في إسناده نظر“ جس حدیث پاک کی روایت حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں اس کی سند میں کلام ہے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۴، ص:۲۴)

زیادہ مرویات نہ ہونے کے اسباب وعلل:

(۱) اس بات کے خوف سے کہ کہیں حدیث پاک بھول نہ جائیں۔

(۲) اور اس لیے بھی کہ کہیں کلام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی تحریف وتبدیل واقع نہ ہو جائے۔

انھیں مذکورہ اسباب کی بنا پر آپ کی مرویات ایک سے زیادہ نہ ہو سکیں۔

وصال پر ملال و تدفین: جنگ طائف کے محاصرے میں بدن پر تیر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے۔ ظاہراً تو زخم مندمل ہو گیا تھا، مگر ماہ شوال ۱۱ھ میں وہی زخم عود کر آیا اور اس بنا پر آپ شہید ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مؤرخین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم قدس کو کوچ کرنے کے چالیس دن بعد اور اپنے والد محترم کی خلافت کے ابتدائی دور میں آپ کا انتقال ہوا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد مدینہ منورہ میں بعد ظہر آپ کو دفن کیا گیا۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۲۸۷)

من
أهل الفتوى

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۵۳ ھ

محمد معین الدین، ہگلی، جماعت: فضیلت ۹۵۰۶۲۰۲۶۰۶

نام: عبد الرحمٰن، **کنیت:** ابو عبد اللہ ہے زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبد الکعبہ یا عبد العزی تھا۔

والد کا نام: یار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور **والدہ کا نام:** ام الخیر سلمی بنت عامر بنت کعب تھا۔

سلسلۂ نسب: اس طرح ہے: عبد الرحمٰن بن ابو بکر عبد اللہ بن قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن قریش (تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۱۴۶، علامہ ابن حجر عسقلانی۔ نسخہ قدیم۔ تاریخ الخلفا)

دور جاہلیت کی زندگی: دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل آپ اسلام اور بانی اسلام کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے۔ یہاں تک کہ تاریخ اسلامی کی سب سے پہلی جنگ، بدر میں مسلمانوں کے مقابلے میں آئے تھے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ جماعت مسلمین کی جانب سے جس سورمانے آپ کو دعوت مبارزت دی تھی وہ آپ ہی کے والد گرامی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے آپ سے مقابلہ کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے منع فرمادیا۔ اسی طرح جنگ احد میں بھی آپ قریش کے تیار کردہ تیر اندازوں میں سرفہرست تھے۔ اس جنگ میں دونوں فوجوں کے درمیان مڈبھیڑ ہونے سے پہلے ہی آپ مسلمانوں کو چیلنج کر رہے تھے کہ کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے گا؟ یہاں بھی آپ کے والد حضرت صدیق اکبر نے آپ کے مقابلہ میں آنے کا ارادہ کیا لیکن سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے پھر منع فرمادیا۔

دولت اسلام سے شرفیابی: آپ جب تک شرف اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے تب تک ہر اسلام مخالف محاذ پر پیش پیش رہے اور اسلام دشمنی کا ثبوت دے کر قریش کی جانب سے خوب خوب داد و تحسین حاصل کی لیکن جب دین اسلام کا آفاقی پیغام آپ کے دل میں گھر کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمت اسلام سے سرفراز اور صلح حدیبیہ کے زمانے میں آپ نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد پوری زندگی اسلام کے دفاع اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی الفت و محبت میں گزاری اور ہر موقع پر دین اسلام کی نصرت و حمایت میں پیش پیش رہے۔

اعلائے کلمہ حق کی خاطر جاں بازی و جاں نثاری: سرکار دو جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی میں آجانے کے بعد کفر و شرک کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف لڑی جانے والی ہر جنگ میں آپ نے نمایاں رول ادا کیا اور ہر معرکہ میں جاں بازی اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ کا شمار تو قریش کے بہادر تیر اندازوں اور گھوڑ سواروں میں ہوتا تھا۔

جنگ یمامہ اور فتح شام وغیرہ میں اہم کردار رہا۔ خاص طور سے جنگ یمامہ میں کہ کفار کے سات بڑے بہادروں اور تیر اندازوں کو قتل کیا۔ ان مقتولین میں سے ایک محکم بن طفیل بھی تھا، جو مسیلمہ کذاب کا مشیر خاص تھا اور اسی کے قتل ہی کے بعد مسیلمہ کے قتل کا راستہ صاف ہوا۔

واقعہ یوں ہے کہ محکم دیوار کے ایک شگاف میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عبدالرحمن نے اس پر اس طرح تیر چلائی کہ تیر گردن میں پیوست ہوگئی اور وہ مردود جہنم رسید ہوگیا۔ پھر مسلمانوں نے اسی راستے سے اندر داخل ہوکر مسیلمہ کو قتل کرڈالا۔

غرض کہ آپ نے طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں لڑی جانے والی ہر جنگ میں حصہ لیا اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاکر مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ (استیعاب، ج:۲، ص۳۶۸، العلمیہ بیروت، لبنان)

حق گوئی و جرأت و بے باکی: ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر یزید پلید کی بیعت کی دعوت دی، تو اس پر حاضرین میں سے حضرت امام حسین، حضرت ابن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سخت برہم ہوگئے۔ چناں چہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا یہ بادشاہت ہے کہ جب کوئی بادشاہ مرجائے تو دوسرا اس کے خاندان ہی کا جانشیں ہو؟ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ دراہم آپ کے گھر بھجوادیے تاکہ آپ یزید کی بیعت منظور فرمالیں۔ لیکن جب یہ دراہم آپ کو موصول ہوئے تو آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: یہ تو دنیا ہے۔ کیا میں دنیا کے بدلے اپنے دین کو بیچ ڈالوں؟ پھر آپ نے ان تمام دراہم کو واپس کردیا اور مکہ مکرمہ لوٹ گئے۔

(استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص ۳۶۸، ابوعمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

آپ کی چند مرویات: حدثنا سفيان بن عيينة عن عمر يعني ابن دينار اخبره عمر بن اوس الثقفي اخبرني عبد الرحمٰن بن ابی بكر قال امرنی رسول الله صلى الله عليه و سلم ان اردف عائشة الى التنعيم فَاَعْمِرها.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مقام تنعیم لے جاؤں اور انھیں عمرہ کراؤں۔ تو میں انھیں لے گیا۔

(مسند الامام الحافظ ابی عبداللہ احمد بن حنبل۔ ص۱۷۵/ حدیث نمبر: ۱۷۰۵، بیت الافکار الدولیہ للنشر والتوزیع الریاض)

حدثناأبو معاو ية عن عبد الرحمٰن بن أبی بکر عن إبن أبی مليكه قال: أوصى عبد الرحمٰن بن بكر إذا مت فانفضی أو نفضتين.

ترجمہ: حضرت ملیکہ نے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے وصیت کی کہ جب میری وفات ہوجائے تو میرے جسم کو ایک یا دو مرتبہ حرکت دے دینا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲، ص:۴۵۳، باب: من کان یقول انفضی المیت و لا تکیہ)

یز يد بن هارون قال حدثنا يحيى بن سعيد عن القاسم بن محمد أن عائشة أنكحت حفصة بنت عبد الرحمٰن بن أبی بكر 'المنذر' و عبد الرحمٰن غائب فلما قدم عبد الرحمٰن غضب و قال: اَىْ عبادى الله

اَمثلی یفتات علیه فی بناته فغضب عائشة و قالت: أترغب عن المنذر ؟

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حفصہ بنت عبد الرحمٰن کا نکاح ان کی غیر موجودگی میں منذر سے کر دیا۔ جب حضرت عبد الرحمٰن تشریف لائے تو انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا اور فرمایا: "اے اللہ کے بندو! کیا مجھ جیسے شخص پر بھی اس کی بیٹی کے سلسلے میں فیصلہ صادر کر دیا گیا" یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناگوار معلوم ہوئی فرمانے لگیں کیا تم منذر سے بے رغبتی کا مظاہرہ کر رہے ہو؟ (مصنف ابن ابی شیبہ، باب: من اجازۃ بغیر ولی و لم یفرق ،ج:۳، ص:۴۵۷۱)

وفات: آسمان فقہ کے اس آفتاب عالم نے اپنی پوری حیات مستعار کو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی الفت و محبت میں گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا انتقال باختلاف روایات ۵۳ھ یا ۵۶ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مکہ مکرمہ پہنچ کر جب آپ کی قبر کی زیارت کی تو حسرت و یاس کے عالم میں یہ اشعار پڑھیں۔ ؎

و کنا کند ما نی جزیمة حقبه　　من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقن کانی و مالکا　　لطول اجتماع لم نبِتْ لَیْلَة معا

(اسد الغابہ، ج:۳، ص:۴۶۲، عز الدین ابن الاثیر جزری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۱۴۶، علامہ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۳۲۲، ابوزکریا یحییٰ بن اشرف نووی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، طبع اولیٰ:۱۴۲۸ھ)۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۴۵۸، امام حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

من أهل الفتوى

حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت:۔۔۔۔وفات:۴۱ھ

عدیل احمد قادری، جماعت: فضیلت Mob. 9918691015

اسم گرامی: آپ کا نام ''عاتکہ'' (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہے۔(الطبقات الکبری، ج:۸، ص:۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

والدین: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام ''زید بن عمرو بن نفیل'' ہے۔(مرجع سابق)

جب کہ والدہ کا نام ''ام کریز بنت عبد اللہ بن عمار بن مالک'' ہے۔(الاصابہ، ج:۸، ص:۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

خاندانی پس منظر: آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا، جس کے بہت سارے خوش نصیب افراد اسلام قبول کر کے وفاداروں میں شامل ہو گئے، مثلاً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے والد محترم کے چچازاد بھائی ہیں۔ مشہور صحابیہ حضرت ام طلحہ بنت عبید اللہ آپ کی خالہ، فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی چچازاد بہن ہیں۔ جلیل القدر صحابی حضرت سعید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے حقیقی بھائی اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے، یہ دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

نیز آپ کے والد محترم مکہ کے ان خوش نصیب حضرات میں سے تھے جو کفر و شرک کے ماحول میں بھی اپنے سینوں میں توحید کا چراغ جلائے ہوئے تھے اور شرک و بت پرستی سے بیزار تھے، چناں چہ آپ کے والد محترم علی الاعلان بت پرستی سے انکار اور کفار کے درمیان ببانگ دہل اپنی توحید پرستی کا پرچار کرتے تھے۔

ان کا چچا ''خطاب بن نفیل'' ان کی حق پسندی پر انھیں بہت تکلیفیں دیا کرتا تھا، یہاں تک کہ انھیں شہر بدر کر دیا، مگر یہ ہزاروں ظلم و ستم کے باوجود توحید پر ڈٹے رہے، اس سلسلے میں آپ کے یہ دو شعر بہت مشہور ہیں:

أربّا واحدا أم الف ربّ   أدين إذا انقسمت الأمور

ترجمہ: کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں یا ایک ہزار کی؟
جب کہ لوگوں میں دینی معاملات تقسیم ہو چکے ہیں۔

تركت اللّات و العزّى جيعا   كذلك يفعل الرجل البصير

میں نے لات و عزیٰ کو چھوڑ دیا ہے۔ اور ہر صاحب بصیرت ایسا ہی کرے گا۔

آپ دین حق کی تلاش میں ملک شام چلے گئے، جہاں ایک یہودی عالم سے ملے، پھر ایک نصرانی عالم سے ملاقات کی، مگر ان دونوں کے دین کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو ان دونوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف آپ کی رہنمائی

کی، تو آپ نے دین حنیف کو قبول کر لیا اور مکہ واپس تشریف لے گئے۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۲۲۵/۲۲۶)

ولادت: آپ کی ولادت کی تاریخ کتب سیر میں نہیں مل سکی۔

قبول اسلام: آپ ان لوگوں میں سے تھیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۲۰۸)

ہجرت: جب مسلمانوں کو ہجرت عامہ کی اجازت حاصل ہوئی، تو اس امر عظیم کے لیے آپ کا بھی دل مچلنے لگا تو اللہ رب العزت نے آپ کی اس آرزو کو بھی پورا فرمایا اور آپ ہجرت کے عظیم شرف سے سرفراز ہوئیں۔ (ایضاً، ج:۸، ص:۲۰۸)

نکاح: حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمدہ اخلاق کی مالک تھیں، اللہ رب العزت نے آپ کو حسن و جمال سے خوب نوازا تھا، انھیں خصوصیات کی بنا پر حضرت عبد اللہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل میں آپ کی محبت رچ بس گئی، تو دونوں حضرات رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر پر جان نچھاور کرتی تھیں۔ چونکہ آپ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوات سے پھیر دیا تھا، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ تو انھوں نے حکم کی تعمیل کی، لیکن ان کی طبیعت حضرت عاتکہ کی طرف مائل رہی، بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں دوبارہ رجعت کی اجازت دے دی۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طائف کے معرکے میں زخمی ہو گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے ۴۰ روز بعد اسی زخم کے صدمے سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون) (الاصابہ، ج:۸، ص:۲۲۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح: حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حبالۂ عقد میں آگئیں، آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم و زہد سے بہت فائدہ حاصل ہوا، آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں بلند مقام حاصل تھا، آپ ان کے سر مبارک کو محبت سے بوسہ دیا کرتی تھیں، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان سے حد درجہ محبت فرماتے تھے۔ (۱) مگر یہ محبت امور خلافت میں مخل نہیں تھی، چناں چہ کتاب الزہد میں اسماعیل محمد بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ دربار خلافت میں بحرین سے مشک و عنبر آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوئی عورت اچھی طرح وزن کر دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں، تو حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لے تیار ہو گئیں۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اس کا وزن کرو گی، پھر ہاتھوں پر لگی ہوئی مقدار تم اپنے جسم پر مل لو گی، اس طرح کچھ زائد حصہ مسلمانوں سے ہمارے یہاں آجائے گا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۲۰۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت نے آپ کو زہد و عبادت، عدل و اطاعت شعاری کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا تھا، آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت لے کر جماعت میں شریک ہوتیں، چناں چہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو یہ بھی اس وقت مسجد ہی میں تھیں۔ آپ نے اس وقت ایک رقت انگیز مرثیہ کہا، جس کے دو شعر یہ ہیں:

من نفس عادها أحزانها　　　و لعين شفها طول السمد

کون سمجھائے اس نفس کو جس کے غموں نے پھر اعادہ کیا ہے اور اس آنکھ کو جس کو بیداری کی کثرت نے تکلیف دی۔

و فجعنی فیروز لا در درہ بابیض قال الکتاب منیب

اور مجھ کو قیمتی ہیرا (فیروز قاتل عمر) تکلیف دے گیا، جو خوب تلاوت کرنے والا رونے والا تھا۔

(اسد الغابہ، ج:۷، ص:۱۸۲)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو پیغام نکاح بھیجا، چونکہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم تھا کہ حضرت زبیر عورتوں کے معاملے میں سختی برتتے ہیں؛ اس لیے آپ نے شرط لگائی کہ وہ ان کو ماریں گے نہیں، اور نہ ہی مسجد میں جانے سے منع کریں گے، مگر نکاح کے بعد جب حضرت زبیر نے مسجد کے لیے نکلنے سے روکنا چاہا تو حضرت عاتکہ نے فرمایا: ”آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کی وجہ سے میں وہ نماز کی جگہ چھوڑ دوں جہاں میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ان کی موجودگی میں نماز پڑھی تھی، تو حضرت زبیر نے کچھ تعرض نہ کیا۔ مگر جب ایک روز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز فجر کے لیے گھر سے نکلیں، قبل اس کے کہ نکلتیں حضرت ابن العوام بنی ساعدہ کی ایک خفیہ جگہ میں آپ کے انتظار میں ہوگئے، جب وہ قریب سے گزریں تو حضرت ابن العوام نے ان کی سرین پر اپنا ہاتھ مارا، جب کہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم نہ تھا کہ یہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کیا ہوا تجھے؟ اللہ تیرے ہاتھ کاٹ دے، اور ”انا للہ و انا إلیہ راجعون“ پڑھ کر گھر واپس آگئیں۔ جب حضرت ابن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر واپس آئے تو فرمایا: ”کیا بات ہے میں نے تمھیں نماز میں نہیں دیکھا؟“ تو آپ نے فرمایا: ”اے ابو عبد اللہ! اللہ آپ پر رحم فرمائے اب مسجد میں جانے کا وقت نہ رہا، اور پھر گھر میں ہی نماز کے لیے ایک اندرونی جگہ مخصوص کرلی۔ (الاصابہ، ج:۸، ص:۲۲۸)

جنگ جمل میں جب حضرت ابن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن جرموز کے ہاتھوں شہادت پائی، تو حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ کے ساتھ ہی تھیں، فرط غم سے نڈھال ہوگئیں اور بے اختیار ان کی زبان پر مرثیہ کے اشعار جاری ہوگئے، چند یہ ہیں:

غدر ابن جرموز نفارس بھمۃ یوم اللقاء و کان خیر معدد

”ابن جرموز نے لڑائی کے دن ایک عالی ہمت شہسوار سے غداری کی اور غداری بھی ایسی حالت میں کہ وہ انتہا اور بے سر و سامان تھا“

و اللہ ربك ان قتلت المسلما حلت علیك عقوبۃ المتعمد

”خدا کی قسم تو نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا تجھ پر ضرور اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا“۔ (اسد الغابہ، ج:۷، ص:۱۸۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام نکاح: حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میں نے جس مرد سے بھی شادی کی ہے وہ شہید ہوا اور اسی وجہ سے اہل مدینہ کہنے لگے ہیں کہ جو بھی شہادت کا ارادہ رکھتا ہو وہ عاتکہ بنت زید سے نکاح کرلے، اس لیے آپ کے قتل کا خوف کرتی ہوں، حالاں کہ آپ امیر المؤمنین ہیں اور مسلمانوں کے سردار اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ (الاصابہ، ج:۸، ص:۲۲۸)

حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مصائب پر صبر کرنے والی اور متحمل مزاج تھیں، حق شناسی اور حق گوئی میں اپنی مثال آپ تھیں، اور یہ سب آپ کے والد مکرم کی تربیت کا نتیجہ تھا، آپ نے اپنے والد سے قوت فصاحت، شعر و شاعری، شدت احساس، طبیعت کی صفائی اور ایمان و صدق کی استعداد و لیاقت ورثہ میں پائی تھی۔ شاعری کی مشہور صنف مرثیہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، جیسا کہ اس کی کچھ جھلکیاں گزریں، آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصال مبارک پر بھی آپ نے ایک پر درد مرثیہ کہا تھا، چند شعر یہ ہیں:

أمسست مراكبه أوحشت　　　و قد كان يركبها زينها

و امست نساء ما نستفيق　　　من الهو يعتاد بها دينها

وفات: آپ کی وفات ہجرت کے چالیسویں سال ہوئی اور امام ابن اثیر کے مطابق سال وفات ۴۱ھ ہے۔

من
أهل الفتوى

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:.....وفات:۵ھ

محمد شاکر، مدھوبنی، جماعت: فضیلت ۷۸۳۹۲۱۶۰۱۰

نام و نسب: سعد بن معاذ بن نعمان بن امرء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عوف بن مالک بن اوس۔ (معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۳۹۳، ابونعیم اصبہانی م ۴۳۰ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

کنیت: ابو عمر۔ (مرجع سابق)

والدہ: کبشہ بنت رافع بن معاویہ بن عبید بن ابجر خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج۔

(الطبقات الکبری لابن سعد ہاشمی، ج:۳، ص:۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷)

حلیہ مبارک: حضرت حصین بن عبد الرحمٰن بن عمرو بن سعد بن معاذ کے بیان کے مطابق آپ نہایت خوب رو، حسین وجمیل، بڑی آنکھیں والے، سفید رنگت اور آپ کا ریش مبارک بھی نہایت دیدہ زیب تھا۔ (ایضًا، ص:۳۳۱)

قبول اسلام: بیعت عقبہ آخرہ میں ستر افراد نے مکہ آکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، اس سے قبل حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ مدینہ شریف میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق انھیں قرآنی تعلیمات سے روشناش کراتے تھے۔ آپ کی دعوت کے زیر اثر جنھوں نے اسلام قبول کی تھی ان میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، تو آپ کا یہ اثر ہوا کہ آپ کے قبیلے "بنو اشہل" کے تمام مرد و زن مسلمان ہوگئے۔ اور اس وقت انصار مدینہ میں آپ ہی کا ایسا پہلا قبیلہ تھا جس کا ہر ہر فرد آغوش اسلام میں آچکا تھا۔ اب حضرت سعد بن معاذ نے حضرت مصعب بن عمیر اور اپنے خالہ زاد بھائی ابوامامہ اسعد بن زرارہ کو اپنے گھر میں منتقل کر لیا، چناں چہ یہ دونوں بزرگ اب انھیں کے گھر میں رہ کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ جبکہ قبیلہ بنو اشہل کے بتوں کے توڑنے کا کام حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر انجام دیتے تھے۔ (ایضًا، ص:۳۲۱)

غزوات میں حاضری: عمر بن حصین سے مروی ہے کہ آپ نے جنگ بدر میں شرکت کی اور اس جنگ میں قبیلہ اوس کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ (ایضًا)

جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آپ حاضر تھے، یہاں تک کہ جب احد کے روز لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اس وقت بھی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا اور آپ نے ثبات قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔ (ایضًا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں غزوہ خندق کے دن لوگوں کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی، ادھر متوجہ ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے حارث بن اوس رضی اللہ عنہ ڈھال اٹھائے ہوئے ہیں۔ پھر میں زمین پر بیٹھ گئی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ رجزیہ اشعار گنگنا رہے تھے

لبّث قليلا يدرك الهيجاء حمل　　　ما أحسن الموت إذا حان الأجل

ترجمہ: ذرا ٹھہرو کہ لڑائی زوروں پر آجائے　　　کتنی اچھی موت ہوگی جب مقررہ وقت آجائے۔

آپ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ کے بدن پر ایک زرہ تھا جس سے آپ کے بدن کا ایک حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے اس پر خوف لاحق ہوا حضرت سعد لوگوں میں لمبے قد و قامت والے تھے۔ مشرکین قریش کا ابن عرفہ نامی ایک شخص نے آپ کی جانب یہ کہتے ہوئے تیر مارا "حذها و أنا إبن عرفة" یہ تیر آپ کے بازو کے اس رگ میں جاکر پیوست ہوگیا جس سے بدن کا خون تیزی سے نکلتا ہے اور آدمی کمزور ہو جاتا ہے۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی: اے اللہ! ہمیں موت نہ دے یہاں تک کہ میں قریظہ سے نجات پا جاؤں۔ (ایضاً، ص: ۳۲۲)

صاحب بدایہ نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے: اللہ تعالیٰ موت نہ دے حتیٰ کہ میری آنکھ بنو قریظہ سے ٹھنڈی ہو جائے۔ یہ دعا انھوں نے اس وقت کی جب بنو قریظہ نے عہد شکنی کی اور اس عقد ذمہ کو توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین ہوئے تھے اور پھر مشرکین احزاب سے مل گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:۳، ص:۲۸۱، علامہ ابن کثیر دمشقی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ پھر آپ کے زخم کا خون بند ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ایک سخت آندھی بھیجی اور مومنین قتال سے محفوظ رہے۔ ابو سفیان نے اپنے لشکر کے ساتھ تہامہ میں اور عتبہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مقام نجد میں پناہ لی، جب کہ بنو قریظہ واپس ہو کر اپنے قلعے میں محصو ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ واپسی کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد نبوی میں خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ہاشمی، ج:۳، ص:۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی، ۱۴۱۸ھ ۱۹۷۷ء)

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود خیمہ نصب کیا تاکہ قریب سے عیادت کر سکیں۔
(صحیح بخاری، ج:۲، ص:۵۹۱، محمد بن اسماعیل بخاری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے۔ بولے آپ نے ہتھیار اتار دی ہے۔ واللہ ملائکہ نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھا ہے۔ بنو قریظہ کے طرف چلیے ان سے قتال کرنا ہے۔ (طبقات، مرجع سابق)

بنو قریظہ کا فیصلہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بنو قریظہ کے طرف کوچ کرنے کا اعلان کر دیا۔ پھر آپ ان کے طرف تشریف لائے اور مسلسل پندرہ دنوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا جس سے ان کی زندگی تنگ آگئی۔ ان سے کہا گیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر قلع سے اترو۔ اس پر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو گردن کی طرف کرکے اشارہ کیا کہ اتر رہے ہو! ذبح ہونا پڑے گا اشارہ پاکر یہ لوگ اس حکم سے مکر گئے اور بولے ہم سعد بن معاذ کے فیصلے پر اتریں گے تو آپ نے فرمایا چلو سعد کے فیصلے پر اترو۔ پھر وہ لوگ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کرکے نیچے اترے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

حضرت سعد کو بلوایا وہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لائے جب آپ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا "قوموا إلى سيدكم" اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ (مرجع سابق، ص:۳۲۳، ۳۴۴)

صاحب بدایہ نے لکھا ہے کہ قیام کا حکم شدت مرض کی وجہ سے تھا تا کہ آپ اترے اور ایک قول کے مطابق یہ قیام آپ کی تعظیم کی خاطر تھا تا کہ حکم نافذ کرنے میں اثر انگیز ہو۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص:۲۸۱، علامہ ابن کثیر دمشقی، دار الفکر بیروت)

اہل بنو قریظہ کہنے لگے۔ اے ابو عمرو! یہ تمھارے حلیف، ہم نوا، محافظ اور آشنا ہیں، ذرا ہوش مندی کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ آپ نے ان کی باتوں پر کچھ بھی توجہ نہ دیا۔ ان کے قریب جا کر اپنے قوم سے کہا "میں خدا کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کا پرواہ نہیں کرتا" پھر سعد رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سعد! ان کا فیصلہ سنا!" آپ نے حکم سنایا کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے، عورت، بچے کو غلام و باندی بنالیا جائے اور ان کے مالوں کو تقسیم کر لیا جائے" یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے سعد! تو نے اللہ اور اس کے رسول کے مطابق فیصلہ سنایا" (مرجع سابق، ص:۳۲۳)

صاحب بدایہ نے ذکر کیا ہے: پھر آپ مسجد نبوی کے اس خیمے میں واپس تشریف لے گئے جو آپ کے لیے حضور ﷺ نے بنایا تھا۔ (البدایۃ والنھایۃ، ص:۲۸۲)

شہادت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سعد نے دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک تمھاری راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں جنھوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور نکالنے کی کوشش کی۔ اور دعا کی اے اللہ! مجھے معلوم ہے کہ یقینا تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو اگر کوئی اور جنگ باقی ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ تا کہ تیری راہ میں ان سے جہاد کروں۔ اگر جنگ ان کے درمیان بند ہو چکی ہے تو میری زخم کو بہا دے اور اسے موت کا سبب بنا، تو خون آپ کے سینے سے جاری ہو گیا ور تھم نہ سکا۔ مسجد نبوی میں "بنو غفار" کا خیمہ تھا۔ وہاں تک خون جا پہنچا، انھوں نے کہا اے خیمہ والے یہ تمھاری جانب سے ہماری طرف کیسا خون آرہا ہے، انھوں نے دیکھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون نکل رہا ہے پھر اسی سے آپ کی شہادت ہو گئی۔

(صحیح البخاری، ج:۲، ص:۵۹۱، محمد بن اسماعیل بخاری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

صاحب طبقات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کا زخم درست ہو گیا تھا، صرف اس کا نشان دکھائی دیتا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ہاشمی، ج:۳، ص:۳۲۳، طبع ثانی ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

صاحب استیعاب کے مطابق آپ کا وصال ۵ھ میں جنگ خندق کے ایک مہینے اور واقعہ بنو قریظہ کے چند دنوں بعد ہوا۔

(استیعاب، ج:۲، ص:۱۶۸، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ قرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

فضائل و کمالات: صاحب بدایہ نے بیان کیا ہے۔ حضرت معاذ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح قبض ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام ریشمی عمامہ باندھے ہوئے رات کے وقت حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوئے اور عرض گزار ہوئے اے محمد! ﷺ کس شخص کی موت واقع ہوئی ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے

کھول دیے گئے ہیں اور خوشی سے عرش الٰہی جھوم رہا ہے، راوی فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ ان کی طرف تیزی سے بڑھے تو آپ نے انھیں اس حال میں پایا کہ ان کی روح قفص عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

(البدایۃ والنھایۃ، ص:۲۸۲، ج:۳، علامہ ابن کثیر دمشقی، دار الفکر، بیروت)

صاحب طبقات کچھ اس طرح ذکر کرتے ہیں: حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے: رسول کائنات ﷺ آرام فرما رہے تھے اتنے میں حضرت جبرئیل امین آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو عرض کیا: آپ کی امت میں کس شخص کا انتقال ہو گیا ہے، جس کی موت پر آسمان میں فرشتے خوشی میں جھوم رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ سعد سخت بیماری میں مبتلا ہے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا کہ سعد کی کیا حالت ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ان کی روح قبض کر لی گئی ہے آپ ان کے پاس تشریف لائے۔ پھر صحابہ کرام انھیں ان کے گھر لے گئے آپ نے صبح کی نماز ادا کی پھر حضرت سعد کی طرف نکل پڑے آپ کے ہمراہ کچھ لوگ بھی چل پڑے۔ تیزی کے سبب ان کے جوتوں کے تسمے پیروں سے الگ ہو گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے لوگوں کو تھکا دیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ملائکہ ہم پر سبقت نہ کر جائیں جیسا کہ حضرت حنظلہ پر سبقت کر گئے۔ (الطبقات الکبریٰ مرجع سابق)

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول کریم ﷺ ان کے گھر پہنچے تو انھیں غسل دیا گیا، آپ کی ماں رو رو کر یہ کہتی:۔ و یل أم سعد سعدا جلادۃ و جدا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ام سعد! سعد کا تذکرہ چھوڑ دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! ام سعد کو اپنی حالت پر رہنے دے، کیوں کہ ہر رونے والی جھوٹی ہوتی ہے سوائے ام سعد کے جو درست بات کہتی ہے اس میں وہ جھوٹی نہیں ہے۔ (الطبقات الکبریٰ، مرجع سابق، ص:۳۲۷)

حضرت سعد بن ابراہیم سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد کا جنازہ نکالا گیا تو کچھ منافقین کہہ رہے تھے کہ کتنا گھٹیا جنازہ ہے۔ ان کا جواب دیتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک حضرت سعد کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے حاضر ہیں حالاں کہ اس سے پہلے زمین پر اتنے کثرت سے ملائکہ کا ورود نہیں ہوا تھا۔ (مرجع سابق)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ایک ریشمی حلے ہدیے میں پیش کیا گیا صحابہ اس کی نرم و نازکی کی وجہ سے چھو کر تعجب کر رہے تھے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کی نرمی پر حیرت کرتے ہو۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا رومال جنت میں اس سے بہتر ہوگا۔ (البدایہ والنھایہ ج:۳، ص ۲۸۴، ابن کثیر دمشقی، دار الفکر بیروت)

وصال و مزار پاک: آپ نے ۳۷ سال کی زندگی گزار کر اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی آپ کی نماز جنازہ حضور ﷺ نے پڑھائی پھر آپ کو جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ہاشمی ج:۳، ص:۳۳۱، طبع اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت ابو سعید کا بیان ہے کہ میں ان شخصوں میں سے ہوں جنھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی تھی، جب تک آپ کی قبر کھودی جارتی رہی قبر کے غبار و مٹی سے مشک کی خوشبو پھوٹتی رہی۔ (ایضاً، ص:۳۲۹)

من أهل الفتوى

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۱۵ھ

محمد زبیر سلامی مصطفائی، سنبھل، جماعت: رابعہ 8869868326

نام و نسب: نام سعد، کنیت ابو ثابت اور ایک روایت کے مطابق ابو قیس ہے، **سلسلۂ نسب** یہ ہے سعد بن عبادہ بن دلیم بن حارثہ بن حرام بن حزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔ آپ کی والدہ کا نام عمرہ بنت مسعود ہے جو صحابیہ تھیں اور ۵ھ میں فوت ہوئیں۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر العسقلانی، ج:۳، ص:۵۵، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت سعد کے دادا قبیلۂ خزرج کے سردار اعظم تھے اور مدینہ کے مشہور مخیر تھے خاندان ساعدہ کی عظمت و جلالت کا سکہ ان ہی نے بٹھایا، مذہباً بت پرست تھے اور منات کی پوجا کرتے تھے، ہر سال دس اونٹ اس کو نذر چڑھاتے تھے، اس کے بعد حضرت سعد تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر القربی، ج:۲، ص:۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

تعلیم و تربیت: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عربوں کے رسم و رواج کے مطابق تیراکی و تیراندازی سیکھی، اس زمانے میں انصار مدینہ میں کوئی بھی پڑھنے لکھنے سے واقف نہ تھا، ایسے ماحول میں حضرت سعد کی تعلیم و تربیت کا جو اہتمام ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ایام جاہلیت میں بھی عربی زبان کے ماہر تھے اور آپ کا شمار فصیح و بلیغ عربی بولنے والوں میں کیا جاتا تھا۔ بلکہ عربی زبان کے ساتھ فن تیراکی و تیراندازی میں اس قدر مہارت حاصل کرلی کہ لوگوں نے آپ کو کامل کے لقب کے ساتھ ملقب کردیا۔

(الطبقات الکبری لابن سعد، ج-۳، ص-۴۶۰، ۴۶۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

قبول اسلام: عقبۂ ثانیہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(المواھب اللدنیہ، لأحمد القسطلانی، ج-۱، ص-ج ۲۸۲، مطبوعہ، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات)۔

اور آپ کا شمار بلند پایہ صحابہ میں ہوا، چناں چہ بخاری شریف میں ہے: "و کان ذا قدمٍ فی الإسلام، یعنی بڑے پائے کے مسلمان تھے۔ (فتح الباقی شرح صحیح البخاری، ج-۷، ص-۱۲۶، مطبوعہ موسسۃ مناھل العرفان، بیروت)

غزوات میں شرکت: عقبۂ ثانیہ کے کچھ دنوں بعد حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے آپ کی تشریف

آوری ہوتے ہی مدینہ کی ہر گلی، ہر کوچہ فرحت و شادمانی کی جلوہ گاہ بن گیا، حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم نے حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرمایا، آپ کے ہاں قیام فرماتے ہی ہدایا وتحائف کا سلسلہ شروع ہوگیا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے ایک بڑا پیالہ ثرید اور عراق سے بھرا ہوا پہونچا۔

(ملخصًا الطبقات الکبری، لِابن سعد، ج-۳، ص:۴۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ہجرت سے چند دنوں کے بعد دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور تحریک اسلام نشو ونما کی راہ پر گام زن ہوگئی، صفر ۲ھ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کی طرف واقع ایک بستی ابواء میں قریش کی فکر میں تشریف لے گئے، اس لشکر میں انصار مدینہ سے کوئی نہ تھا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت سعد کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

(ملخصا، تاریخ الاسلام لابن عثمان الذہبی، ج:۲، ص-۴۵، دار الکتب العربی)

۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا جس میں مجاہدین اسلام کی تعداد ۳۱۳ تھی اس جنگ میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے تعلق سے مختلف اقوال ملتے ہیں، چناں چہ امام بخاری ومسلم رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضرت سعد غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ جب کہ صاحبِ طبقات (ابن سعد) کو اس سے انکار ہے، تاہم ایک صحیح روایت کے مطابق آپ جنگ بدر میں شریک نہ تھے، علامہ ابن حجر عسقلانی بھی اسی کے قائل ہیں۔

(ملخصًا، الطبقات الکبری لِابن سعد، ج:۳، ص:۴۶۱، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

بلکہ ابن سعد نے آپ کا ذکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت میں کیا ہے جو بدر میں شریک نہ تھی، اور آپ کی عدم شرکت کی وجہ بھی لکھی ہے کہ آپ نے غزوۂ بدر کے لیے ساز وسامان تیار کرلیا تھا بلکہ لوگوں کو جنگ کے لیے ابھارتے بھی تھے، لیکن کتے کے کاٹنے کے سبب آپ شریک جنگ نہ ہوسکے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے افسوس کا اظہار فرمایا اور کہا: سعد کو شرکت کی بڑی حرص تھی، اور آپ کو مال غنیمت سے حصہ بھی دیا اور آپ کا شمار اصحاب بدر میں کیا۔ (ایضًا، ص:۴۶۲)

عہد نبوت کے غزوات میں غزوۂ بدر سب سے مشہور غزوہ ہے اگرچہ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چار غزوے اور چار سرایا پیش آچکے تھے، لیکن ان میں سے کسی میں بھی انصار مدینہ نے شرکت نہ کی تھی۔ اس کا ظاہری سبب یہی تھا کہ انصار نے بیعت میں صرف اتنا وعدہ کیا تھا کہ جو مدینہ پر چڑھائی کرے گا، ہم اس کو روکیں گے۔ مدینہ کے باہر ہونے والے معرکوں کا اس میں کوئی ذکر نہ تھا۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اس عظیم مہم کا قصد وارادہ فرمایا تو انصار کو شریک کرنے کے لیے رائے ومشورہ ضروری سمجھا، چناں چہ ایک مجلس میں جنگ کا مسئلہ پیش ہوا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی رائے پیش کی، لیکن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کچھ التفات نہ فرمایا، حضرت سعد سمجھ گئے، کھڑے ہوئے اور کہا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد شاید ہم ہیں، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو ہم اسے پامال کرڈالیں، اور اگر خشکی کا حکم ہو تو برک غماد (یمن کی ایک جگہ کا نام ہے) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلادیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ

سن کر بہت خوش ہوئے اور تیاری کا حکم دے دیا۔

(سیر اعلام النبلاء لابن عثمان الذھبی، ج:۳، ص:۱۹، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

غزوۂ خندق: ۵ھ میں غزوۂ خندق واقع ہوا، جس میں کفار مکہ کے ۲۴؍ ہزار لشکر جرار نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا تھا، جس کے سبب مسلمانوں کو سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیا گیا تھا، گھبراہٹ و بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی ایسے عالم میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر قبیلۂ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن سے صلح کرنی چاہی اس کے لیے آپ نے انصار کے دونوں سردار حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو بلاکر مشورہ فرمایا اور کہا کہ میں عیینہ بن حصن کو اس شرط کے ساتھ مدینہ کی پیداوار کا ثلث دینا چاہتا ہوں کہ وہ قریش کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلا جائے، لیکن وہ نصف مانگتا ہے، اس بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے، دونوں حضرات نے کہا: یارسول اللہ ﷺ: اگر یہ وحی ہے تو آپ اسی کے مطابق عمل فرمائیں، ورنہ ہماری طرف سے اس کے لیے تلوار ہے، ہم اسے پیداوار نہیں بلکہ تلوار دیں گے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: یہ وحی نہیں ہے، بلکہ تمھاری خیر خواہی سے متعلق میری اپنی رائے ہے،، اگر وحی ہوتی تو تم سے پوچھنے کی کیا حاجت تھی، اس پر انھوں نے کہا: تو پھر ہماری طرف سے ان کے لیے تلوار کا پھل ہے، ہم نے زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی ایسی ذلت و رسوائی برداشت نہیں کی، اب تو اللہ تعالے نے ہمیں آپ کے صدقے اسلام کی دولت سے نوازا ہے، دنیا میں معزز و مکرم کیا ہے، تو اب دَبنے کی کیا وجہ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ان کی گفتگو سن کر اظہار مسرت فرمایا اور ان کے لیے دعاے خیر و عافیت کی۔ (الاستیعاب لابن عبد البر القرطبی، ج:۲، ص:۱۶۳، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

فتح مکہ: ۸ھ میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا، جب نبی کریم ﷺ نے دس ہزار مجاہدین اسلام کی فوج کے ساتھ مکہ میں داخلہ کا ارادہ فرمایا تو آپ نے اپنے لشکر کو کئی ٹکڑیوں میں بانٹ دیا، ان میں ایک دستہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں تھا جسے وادی کداء سے داخل ہونے کا حکم ملا تھا۔

(السیرۃ النبوۃ لابن ھشام، ج:۳-۴، ص:۴۰۶، مطبوعہ: مکتبہ الریاض الحدیثیہ، الریاض) اس موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز ملا کہ نبی کریم ﷺ کا علم مبارک آپ کے پاس تھا۔ (الاستیعاب لابن عبد البر القرطبی، ج:۲، ص:۱۶۳، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

جس دن مکہ فتح ہوا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے علم مبارک کو اپنے ساتھ لیے حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے، قریب پہنچے تو ابوسفیان کو پکارا اور کہا: دیکھنا، آج کیسی لڑائی ہوگی، آج کعبہ حلال ہوجائے گا، آج اللہ قریش کو ذلیل کردے گا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد نبی کریم ﷺ کا دستہ سامنے سے گزرا، تو ابوسفیان نے پکارا یارسول اللہ! اپنی قوم پر رحم کیجیے آپ کو خدا نے رحیم اور نیکوکار بنایا ہے، سعد مجھ کو دھمکا گئے ہیں کہ وہ ہمیں قتل کردیں گے قریش کا خاتمہ ہوجائے گا، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں خوف ہے کہ کہیں حضرت سعد کا جوش انتقام تازہ نہ ہوجائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، ابوسفیان آج رحم کا دن ہے، اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا، اس کے بعد حضرت علی کو حکم دیا کہ سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دو، حضرت سعد

رضی اللہ عنہ نے جھنڈا دینے سے انکار کیا اور کہا: کیا ثبوت ہے کہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ شریف بھیجا تو انھوں نے اپنے بیٹے کے ہاتھ میں جھنڈا دیا اور ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام کو دیا۔ (ایضاً، ج:۲، ص:۱۶۳)

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اس غزوہ میں قبیلۂ خزرج کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا، ان غزوات کے علاوہ زمانہ رسالت میں جتنی جنگیں پیش آئیں ان سب میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا، معرکۂ کارزار میں انصار کے علم بردار حضرت سعد ہی ہوتے تھے۔

سقیفۂ بنی ساعدہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے اہم مسئلہ خلافت کا تھا، انصار مدینہ خود کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے، چناں چہ تمام انصار حضرت سعد کو لے کر سقیفۂ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہوئے اور ان کی بیعت کرنے کا مشورہ کیا، اس کی خبر حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو وہ دونوں حضرات وہاں پہنچ گئے، ان کے ہمراہ کچھ مہاجرین بھی تھے، انصار و مہاجرین کے درمیان حضرت سعد کی ایک بیعت کے متعلق گفتگو ہوئی، انصار میں سے ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہا: میں انصار کا ایک تجربہ کار انسان ہوں، میری رائے یہ ہے کہ اے گروہ قریش! ہم میں ایک امیر ہو اور تم ایک امیر ہو، حتیٰ کہ بات بڑھ گئی آوازیں بلند ہونے لگیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے، حضرت ابوبکر نے ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اور دیگر مہاجرین و انصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی، ہم بھیڑ کی وجہ سے سعد بن عبادہ کے اوپر گر پڑے، وہ چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، میں نے کہا: انہیں کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ بیمار ہیں، ان میں سے ایک نے کہا: دیکھنا! سعد کچل نہ جائیں، میں نے کہا: اس کو خدا کچلے۔ بے شک اس وقت ہمیں سب سے سنگین مسئلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کا درپیش تھا، اگر ان کی بیعت عمل میں نہ آتی اور ہم قوم سے الگ ہوگئے ہوتے تو ہمیں اندیشہ تھا کہ وہ ہمارے چلے جانے کے بعد سعد کی بیعت کرلیتے پھر یا تو نہ چاہتے ہوئے ہمیں بھی بیعت کرنی پڑتی یا مخالفت کی صورت میں امت میں فساد رونما ہو جاتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ دنوں تک بالکل تعرض نہ فرمایا، بعد میں ان کے پاس ایک آدمی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ جاؤ اور ان سے کہو: بیعت کرلو کیوں کہ تمھاری قوم اور دیگر لوگوں نے بیعت کرلی ہے، اس پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: خدا کی قسم میں اس وقت تک بیعت نہ کروں گا جب تک اپنے ترکش کے تیر سے تمھارے سینوں کو نہ چھید دوں اور اپنے خاندان اور قوم کو ساتھ لے کر تمھیں قتل نہ کردوں، جب یہ خبر حضرت صدیق اکبر کے پاس پہنچی تو حضرت بشیر بن سعد نے کہا: اے خلیفۂ برحق، سعد نے انکار کردیا، وہ قتل کردیے جائیں گے لیکن آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے اور جب تک قبیلۂ اوس زندہ ہے وہ ہرگز قتل نہ کیے جائیں گے اس لیے سوئے ہوئے فتنے کو جگانا مناسب نہیں، میرا خیال ہے کہ ان کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے تنہا ہو کر کیا کریں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بشیر کی رائے پسند فرمائی اور ان کو چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ اکیلے رہ گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں شام ہجرت کرگئے اور وہیں بقیہ زندگی گزاری۔

(ملخصًا، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳، ص:۴۶۲، ۴۶۳، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فضل و کمال: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پناہ فضل و کمال کے مالک تھے، آپ نے احادیث رسول کے ساتھ غیر معمولی اعتنا برتا۔ کتابت اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں عام ہوگئی تھی اور قرآن کریم لکھا جا چکا تھا، لیکن حدیث لکھنے کا رواج ابھی نہ ہوا تھا، ایسے دور میں حضرت سعد بن عبادہ نے حدیث رسول لکھی، چناں چہ اس سے متعلق مسند احمد بن حنبل میں ہے: عن اسمعیل بن عمرو بن قیس بن سعد بن عبادة عن ابیه انهم وجدوا فی کتب او فی کتاب سعد بن عبادة أن رسول الله صلی الله علیه و سلم قضی بالیمین مع الشاهد.

(مسند أحمد بن حنبل، ج:۵، ص:۲۸۵، مطبوعہ، دار الفکر، بیروت)

ترجمہ: اسماعیل بن عمرو بن قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ لوگوں کو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں یا کتاب میں یہ حدیث ملی کہ ”اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ فرمایا۔

اخلاق و عادات: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاق و عادات میں جود و سخاوت ایک نمایاں وصف ہے، حضرت سعد اپنے وقت میں مشہور فیاض شخصیت کے مالک تھے، تمام عرب میں صرف ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ کی چار پشتیں جود و سخات میں نام ور ہوئیں، آپ کے دادا دلیم، باپ عبادہ، خود آپ اور آپ کے بیٹے حضرت قیس اپنے زمانے کے مشہور مخیر تھے۔ (الاستیعاب لابن عبد البر القرطبی، ج:۲، ص:۱۶۱، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دلیم کے زمانے میں خوانِ جود و سخا کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ روزانہ قلعہ سے ایک منادی پکارتا تھا کہ: جس کو گوشت، روغن اور اچھا کھانا مطلوب ہو تو وہ ہمارے ہاں قیام کرے۔ اس سخاوت عامہ نے آل ساعدہ کو مدینہ کا حاتم بنا دیا تھا، دلیم کے بعد حضرت سعد تک یہی رسم جاری رہی اور ان کے بعد قیس نے اس کو اسی طرز پر باقی رکھا۔

(ایضًا، ج:۲، ص:۱۶۱)

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو حضرت سعد کے ہاں سے برابر کھانا آتا تھا، چناں چہ اصابہ میں ہے: کانت جفنة تدور مع النبی صلی الله علیه و سلم فی بیوت ازواجه.

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر العسقلانی، ج:۳، ص۵۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صحابہ میں صفہ کی ایک جماعت تھی، جو دور دراز ملکوں سے ہجرت کرکے مدینہ آئی تھی، یہاں اس کا منشا صرف تحصیل علم اور تکمیل مذہب ہوتا تھا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لوگوں کو صاحب حیثیت صحابہ کے متعلق کر دیتے تھے، چناں چہ اور لوگ ایک دو آدمی یا ایک جماعت کو اپنے ہاں لے جاتے تھے، لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ ۸۰ آدمیوں کو برابر شام کے کھانے پر مدعو کرتے تھے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، ج:۳، ص:۵۶، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطری سخاوت ہر جگہ نمایاں رہی، جب آپ کی والدہ کا انتقال ہوا، تو حاضر بارگاہ رسالت مآب ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں مگر کیا صورت ہو؟ حضور نے فرمایا: پانی پلاؤ، سقایہ آل سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو

مدینہ میں ہے اسی صدقہ کا نتیجہ ہے۔ (مسند أحمد بن حنبل، ج:۵، ص:۲۸۴، مطبوعہ، دار الفکر، بیروت)

حُب رسول: حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے گھر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہوکر سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی تو میرے والد سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلکی آواز میں سلام کا جواب دیا تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سلام کثرت سے سننا چاہتا ہوں، پھر حضور دوبارہ سلام کرکے واپس ہونے لگے تو میرے والد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے دوڑے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کا سلام سنتا تھا اور ہلکی آواز میں جواب دیتا تھا تاکہ میں آپ کے کثرت سلام سے نوازا جاؤں، تو حضور ان کے ساتھ واپس گھر آئے اور میرے والد نے آپ کے لیے غسل کا انتظام فرمایا تو آپ نے غسل فرمایا، پھر زعفران یا ورس میں نگی ہوئی چادر پیش کی، حضور نے اسے زیب تن فرمایا اور ہاتھوں کو بلند کرکے یہ دعا فرمائی: "اللھم اجعل صلواتک و رحمتک علی اٰل سعد بن عبادۃ"۔ اے اللہ اپنی رحمتیں آل سعد پر نازل فرما۔ (أسد الغابۃ فی تمیز الصحابۃ لعلی بن محمد الجزری، ج:۲، ص:۴۴۲، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حُب رسول کا یہ عالم تھا کہ اپنے قبیلہ کی پوشیدہ باتیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہوتیں، پہونچا دیتے تھے، غزوۂ ہوازن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش اور سرداران قریش کو غنیمت کی بڑی بڑی رقمیں دی تھیں اور انصار کو کچھ نہ دیا تھا، بعض نوجوانوں کو اس ترجیحی عمل پر رنج ہوا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہم قوموں کو دیتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں، حالاں کہ قریش کا خون ہماری تلواروں سے اب تک ٹپک رہا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے خیالات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کردیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد تم کیا کہتے ہو، عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگرچہ میں انصار سے ہوں لیکن میرا خیال ایسا نہیں ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جاؤ اور لوگوں کو فلاں خیمہ میں جمع کرو، اعلان ہونے پر انصار و مہاجرین سب جمع ہوگئے، حضرت سعد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہاجرین کو الگ کردیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا، جس کا ایک جملہ یہ تھا: کیا تم لوگ راضی نہیں کہ تمام لوگ مال و دولت لے جائیں اور تم خود مجھ کو اپنے ہاں لے چلو، تمام لوگوں کی آنکھیں نم ہوگئیں اور یک زبان ہوکر کہا: کیوں نہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے۔

(ملخصًا، صحیح المسلم، ج:۱، ص:۳۳۸، باب اعطاء المؤلفۃ و من یخاف علیٰ ایمانہ ان لم یعط و احتمال من سال بجفاء لجھلہ و بیان الخوارج و احکامھم، مطبوعہ، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، أعظم گڑھ)

وفات: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۵ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے، آپ کا جسد مبارک غسل خانہ میں پڑا ملا، کسی نے آپ کو قتل کردیا تھا، جسم نیلا پڑ گیا تھا، قاتل کی بہت تلاش ہوئی لیکن نہ ملا، ایک غیر معلوم سمت سے آواز آئی۔

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادۃ و رمیناہ بسھمٍ فلم یخط فؤادہ.

ترجمہ: ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کردیا، ایک ہی تیر سے ان کا کام تمام کردیا۔

چوں کہ قاتل نہیں ملا اور آواز سنی گئی، اس لیے بعضوں کا خیال یہ ہوا کہ کسی جن نے قتل کیا ہے۔

(ملخصاً الاستیعاب لابن عبد البر القرطبی، ج:۲، ص ۱۶۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ازواج و اولاد: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شادیاں کیں، پہلی عزیہ بنت سعد سے، ان کے بطن سے سعید، محمد اور عبد الرحمٰن پیدا ہوئے، دوسری فکیہہ بنت عبید سے ان کے بطن سے قیس (جو بہت بڑے صحابی ہیں)، امامہ اور سدوس پیدا ہوئے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد، ج:۳، ص:۴۶، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جائیداد: حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائداد کی کثرت تھی، آپ نے جب مدینہ چھوڑا تو اس وقت جائداد اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم فرمادی، ایک بیٹا بیوی کے بطن میں تھا، حضرت سعد نے اس کا حصہ نہیں لگایا تھا، جب وہ پیدا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ والد صاحب کی تقسیم فسخ کر دو کہ ان کے فوت ہونے کے بعد تمھارا ایک بھائی پیدا ہوا ہے، حضرت قیس نے جواباً کہا: والد صاحب کی تقسیم فسخ نہ کروں گا بلکہ بدستور قائم رکھوں گا، ہاں میرا حصہ موجود ہے، اس کو وہ لے سکتا ہے۔

من
أهل الفتوى

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۶۰ھ

محمد وقار احمد، پورنیہ، جماعت: سابعہ 9598158791

نام: قیس بن سعد، **والد:** سعد بن عبادہ، **کنیت:** ابوالفضل، ابو عبداللہ اور ابو عبدالملک

سلسلۂ نسب: قیس بن سعد بن عبادہ بن دلیم بن حارثہ بن ابی حزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن الخزرج (سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۲۷۲، علامہ ابن ذہبی، دارالفکر)

ولادت: تلاش بسیار کے باوجود آپ کی تاریخ ولادت نہیں مل سکی۔

قبول اسلام: آپ ہجرت نبوی سے قبل دولت اسلام سے مالامال ہوئے۔ (سیر الصحابہ، ج:۳، ص:۱۱۷)

ذات رسول سے وابستگی: آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بحیثیت خادم ایک مدت تک رہے جیساکہ حضرت یریم بن ابی العلار ضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "میں دس سال تک سرکار کی خدمت میں رہا"

(سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۲۷۳، علامہ ابن ذہبی، دارالفکر)

دربار رسالت میں آپ پولس کے افسر اعلیٰ کے مقام پر فائز رہے جیساکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کا وہی مرتبہ تھا جو پولس کے افسر اعلیٰ کا ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف، ج:۲، ص:۲۲۵، محمد ابن عیسیٰ، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو صدقہ کا عامل مقرر کیا تھا جیساکہ حضرت عمر بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار نے حضرت قیس بن سعد کو صدقہ کا عامل مقرر فرمایا۔ (تاریخ دمشق، ج:۲۱، ص:۱۰۴، ابن عساکر)

آپ کا دل احترام رسول سے معمور تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے:

ایک بار سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے، بعد سلام و مصافحہ بات چیت ہوئی، جب آپ واپس تشریف لانے لگے تو حضرت سعد بن عبادہ نے اپنا گدھا منگایا، اس پر چادر بچھائی اور حضرت قیس سے کہا: "سرکار کے ساتھ جاؤ" حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلے تو سرکار نے فرمایا سوار ہو جاؤ" ان کو تامل ہوا تو ارشاد فرمایا "سوار ہو جاؤ، یا واپس چلے جاؤ" حضرت قیس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر بیٹھنا خلاف ادب تصور کرتے تھے، اس لئے وہیں سے لوٹ گئے۔ (مسند امام احمد، ج:۳، ص:۴۲۲، امام احمد بن حنبل۔ دارالفکر)

خدمت حدیث: آپ نے کوفہ، شام اور مصر میں حدیث شریف کا درس دیا۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۲۷۲)
آپ سے ۱۶ حدیثیں مروی ہیں۔ (اعلام، ج:۶، ص:۵۶، خیر الدین زرکلی)
آپ سے حدیث روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات کا نام ملتا ہے:۔ (۱) عبداللہ بن مالک جیشانی (۲) عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ (۳) ابو عمار ہمدانی (۴) عروہ بن زبیر (۵) عامر شعبی (۶) میمون ابن ابی شبیب (۷) عریب بن حمید ہمدانی (۸) ولید بن عبدہ (۹) انس بن مالک (۱۰) ثعلبہ بن مالک (سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۲۷۳، ۲۷۲)
(۱۱) ابو تمیم جیشانی (۱۲) محمد بن عبد الرحمٰن (۱۳) عمر بن شرحبیل

(تہذیب التہذیب، ج:۸، ص:۳۹۶، ابن حجر عسقلانی، دار الفکر)

غزوات میں شرکت: آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور قربانیاں پیش کیں مگر کچھ غزوات میں آپ کی قربانیاں زیادہ قابل ذکر ہیں۔ سطور زیریں میں ان کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:
غزوۂ جیش الخبط ۸ھ میں واقع ہوا اور یہ مسلمانوں کے لئے مشکل امتحان تھا، اس تعلق سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابو عبیدہ ابن الجراح کی امارت میں تین سو سواروں کے ساتھ سرکار نے ہمیں روانہ فرمایا، ہم کو قافلۂ قریش کا انتظار تھا، ہم نے ساحل سمندر پر پندرہ دن قیام کیا، ہمیں سخت بھوک لگی یہاں تک کہ ہم نے پتے جھاڑ کر کھائے، اسی لئے اس لشکر کا نام جیش الخبط پڑ گیا، پھر ہمارا قیام طول اختیار کر گیا، سمندر سے ایک بڑی مچھلی ہمارے سامنے آئی تو ہم نے اس کو پندرہ دن تک کھایا اور اس کی چربی کو تیل کی شکل میں استعمال کیا یہاں تک کہ ہمارے جسم میں قوت لوٹ آئی، پھر ہمیں سخت بھوک لگی، اس پر لوگوں نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سخاوت کا مطالبہ کیا تو آپ نے تین بار تین تین اونٹ قرض لے کر قوم کے لئے ذبح کیے اور ان کو کھلائے اور چوتھی بار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدغن لگا دی۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۶۲۵، ۶۲۶، محمد بن اسمٰعیل بخاری، رضا اکیڈمی ممبئی)
جب اس غزوہ سے صحابۂ کرام واپس ہوئے اور بارگاہ رسالت میں حضرت قیس بن سعد کی سخاوت کا تذکرہ ہوا تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "الجود من شيمة ذلك أهل البيت"
ترجمہ: سخاوت اس گھرانے کا خاصہ ہے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۵، ص:۳۶۰، علامہ احمد ابن حجر عسقلانی دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، استیعاب، ج:۳، ص:۳۵۱، ابو عمر یوسف بن عبداللہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)
آپ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پہلے سرکار نے علم حضرت سعد بن عبادہ کو عطا کیا، پھر حضرت قیس بن سعد کو اور ان کے بعد حضرت زبیر بن العوام کو عطا کیا۔ (استیعاب، ج:۳، ص:۳۵۵)
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں آپ نہایت مقبول تھے، جب حضرت علی تخت خلافت پر جلوہ بار ہوئے تو آپ نے حضرت قیس بن سعد کو مصر کی ولایت عطا کی، امیر معاویہ نے ان کے خلاف ہر چند کوشش کی مگر ناکام رہے، پھر کوفیوں کو آپ کے خلاف ابھارا، انھوں نے معزولی کا مطالبہ کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو برطرف کرنے کے بعد محمد بن ابی بکر کو ان کی جگہ بھیجا

۔(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۵، ص:۲۵۵، احمد بن حجر عسقلانی، دارالفکر۔ استیعاب، ج:۳، ص:۳۵، ابو عمر یوسف بن عبداللہ)

حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ نہروان میں اپنی تمام قوم کے ساتھ شریک ہوئے، ابتداءً حضرت علی نے اتمام حجت کے لیے حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو خوارج کے لشکر میں بھیجا، عبداللہ ابن سنجر خارجی سے حضرت قیس بن سعد کی بات چیت ہوئی اس نے کہا: "آپ کی اطاعت و فرمانبرداری ہمیں قبول نہیں ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا اگر کوئی خلیفہ ہو تو ہم بے چوں چرا ان کو خلیفہ مان لیں گے"۔

حضرت قیس بن سعد نے کہا: "ہمارے درمیان علی ابن ابی طالب تشریف فرما ہیں، تم میں کوئی اس مرتبہ کا ہو تو بتلاؤ!" اس نے کہا: "ہم میں کوئی اس درجہ کا نہیں"۔ آپ نے فرمایا: "اب تم لوگ اپنا انجام کار سوچ لو، اس لیے کہ تمھاری فتنہ انگیزی حد سے تجاوز کر رہی ہے۔

لڑائی کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے ۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، تو حضرت قیس بن سعد ان کے بھی مددگار رہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت پا کر ایک لشکر جرار روانہ کیا، حضرت قیس ۵؍ ہزار لوگوں کو لے کر شامی لشکر کو روکنے کے لیے انبار پہنچے، امیر معاویہ نے انبار کا محاصرہ کر لیا، اسی دوران حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مصالحت ہوگئی اور امام حسن نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا "شہر امیر معاویہ کے سپرد کر دو اور تم میرے پاس آجاؤ" خط پہنچا تو نہایت برہم ہوے اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت وسست کہا، پھر سب کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور کہا: دو باتوں میں سے ایک قبول کرو، قتال اجازتِ امام کے بغیر یا اطاعت امیر معاویہ؟"

سارے لوگوں نے متحد ہو کر کہا: "جنگ کے بجائے امن و امان اچھا ہے ہم سب امیر معاویہ کی بیعت میں داخل ہوتے ہیں" حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کے لیے امان طلب کی اور سب کو لے کر مدائن چلے آئے، یہاں سے آپ نے مدینہ کا رخ کیا، ساتھیوں کے لیے خود اپنے اونٹ ذبح کراتے آئے، مدینہ پہنچنے تک ایک اونٹ روزانہ ذبح کراتے تھے۔(سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۸۷۲۔ استیعاب، ج:۳، ص:۳۵۱)

مسائل میں غور وفکر: آپ کا زمانہ علم و فضل کے بول بالا کا زمانہ تھا، کبار صحابہ باحیات تھے، اس لئے آپ کو زیادہ فقہی کارنامہ انجام دینے کا موقع میسر نہیں ہوا، چند مقامات ہیں جہاں آپ کو اپنی صلاحیت ظاہر کرنے اور غور وفکر سے کام لینے کی ضرورت پڑی، ان میں سے دو تین واقعات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ابو عمار ہمدانی نے صدقۂ فطر کی بابت آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: زکوٰۃ سے پیش تر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا، لیکن جب زکوٰۃ مقرر ہوگئی تو نہ حکم دیا اور نہ منع فرمایا۔(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۶، ص:۶، نسخۂ قدیم)

(۲) اور انھوں نے صوم عاشوراء کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رمضان کے نزول سے قبل ہمیں اسی کا حکم دیا تھا۔ پھر جب رمضان کا نزول ہوا تو ہمیں نہ اس کا حکم دیا گیا اور نہ اس سے روکا گیا، اور ہم اس

کو ادا کرتے ہیں۔(مرجع سابق)

(۳) ایک بار آپ قادسیہ میں سہل بن حنیف کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران ایک ذمی کا جنازہ گزرا، مسلمانوں کے معمول کے مطابق آپ کھڑے ہوگئے، لوگوں نے کہا: "آپ ناحق کھڑے ہوگئے، وہ تو ایک ذمی کا جنازہ تھا" حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جنازہ کے لیے کھڑے ہوگئے تھے۔(مصدرِ سابق)

وفات: آپ کی وفات کے تعلق سے چند روایات ملتی ہیں: ۵۹ھ (تہذب التہذیب، ج:۸، ص:۳۹۵، علامہ ابن حجر عسقلانی)

۶۰ھ اور ۵۹ھ (استیعاب، ج:۳، ص:۳۵۱، دارالکتب العلمیہ)

تاریخ وفات کے سلسلے میں قدرے اختلاف ہے مگر اتنا تو مسلم ہے کہ یہ امیر معاویہ کی حکومت کا آخری دور تھا، اہل مدینہ بکثرت آپ کے قرض دار تھے، اس لئے وفات سے قبل عیادت کو آتے ہوئے شرم محسوس کرتے تھے، جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اعلان فرمادیا: میرا جس پر قرض ہے میں اسے معاف کرتا ہوں" اس خبر کے مشہور ہوتے ہی عیادت کے لیے پورا شہر امنڈ آیا، حضرت قیس بالاخانہ پر تھے، لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ آمد و رفت کی وجہ سے کوٹھے کا زینہ ٹوٹ گیا۔
(تاریخ دمشق، ج:۲۱، ص:۱۱۰، ابن عساکر، دارالفکر العلمیہ)

من أهل الفتوى

حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۔۔۔ وفات:۹۱ھ

محمد سفیر الدین اشرفی، اتر دیناج پور، ، جماعت: فضیلت Mob. 9984104609

نام ونسب: والد صاحب نے آپ کا نام حزن رکھا تھا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر سہل کر دیا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اور مثبت ناموں کو پسند فرماتے تھے اور برے نام، بالخصوص جو شرک باللہ پر مشتمل ہوں جیسے عبد شمس وغیرہ، انھیں بدل دیا کرتے تھے۔ (معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۴۴۴، ابونعیم اصبہانی، دار الکتب العلمیہ، طبع اول: ۲۰۰۲ء۔ ۱۴۲۲ھ)

آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن الخزرج بن ساعدہ بن کعب بن الخزرج الانصاری الساعدی۔ (مصدر سابق)

کنیت: ابو العباس، ابو یحیی۔ (مصدر سابق)

تاریخ ولادت: تاریخ ولادت کے تعلق سے کوئی صریح قول نہیں ملتا، البتہ صاحب تہذیب التہذیب نے حضرت شعیب کی روایت نقل کی ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت نبوی سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو معتمد قرار دیا اور اسی پر جزم بھی فرمایا۔

(تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۲۵۲، علامہ ابن حجر عسقلانی، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، ج:۴، ص:۲۵۲، طبع اول: ۲۰۰۱ء۔ ۱۴۲۱ھ)

خاندانی پس منظر: آپ کے والد بزرگ وار سعد بن مالک سعدی انصاری ہیں، آپ ان صحابہ کرام میں تھے جن کی وفات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں ہو گئی تھی۔

(سیر الاعلام النبلاء، ج:۴، ص:۵۰۲، امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، دار الفکر، بیروت، طبع اول: ۲۰۰۴ء۔ ۱۴۲۵ھ)

آپ کی والدہ ماجدہ ابیہ بنت الحارث بن عبد اللہ بن کعب بن مالک، قبیلہ خثعم کی معزز خاتون تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، قاہرہ، ج:۵، ص:۳۵۷، طبع اول: ۲۰۰۱ء۔ ۱۴۲۱ھ)

اولاد: حضرت سہل بن سعد نے ۱۵ شادیاں کیں، روایت ہے کہ آپ ایک مرتبہ ایک ولیمہ میں حاضر ہوئے تو وہاں آپ کی ۹ مطلقہ بیویاں تھیں، جب آپ جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو سب کھڑی ہو گئیں اور خیریت پوچھی: کیف أنت یا ابا العباس؟ ابو العباس آپ کیسے ہیں؟

(سیر الاعلام النبلاء، امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، دار الفکر بیروت، لبنان، ج:۴، ص:۵۰۲، طبع اول: ۲۰۰۴ء۔ ۱۴۲۵ھ)

ان کے بطن سے چار لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، (۱) حضرت عباس (۲) مصعب (۳) عائشہ: ان تینوں کی والدہ عائشہ بنت خزیمہ ہیں۔ (۴) عمر: ان کی ماں ایک کندی عورت ہے۔ (۵) اشعث (۶) خدیجہ (۷) ام کلثوم: ان تینوں کی ماں ابیہ بن محصن ہیں۔ (۸) ام کلثوم صغریٰ: ان کی ماں ام ولد ہے۔ (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، ج:۵، ص:۵۷۳، طبع اول:۲۰۰۱ء۔۱۴۲۱ھ)

حضرت سہل بن سعد کی دو بہنیں نائلہ اور عمیرہ ان مسلم خواتین میں سے تھیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدینہ مقدسہ میں بیعت کی تھی۔ (الطبقات الکبریٰ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج:۸، ص۲۷۸، طبع ثانی:۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء)

فضل وکمال: حضرت سہل بن سعد مشاہیر صحابہ میں سے تھے، اکابر صحابہ کے انتقال فرمانے کے بعد آپ کی ذات مرجع انام بن گئی تھی، لوگ انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں حدیث سننے آتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگرچہ صغیر السن تھے تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی تھی، بعد میں ابی بن کعب، عاصم بن عدی، عمرو بن عبسہ جیسے جلیل القدر محدثین سے اس فن کی تکمیل فرمائی۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دارالفکر بیروت، ج:۳، ص:۱۶۸، طبع ثانی:۲۰۰۲ء۔۱۴۲۳ھ)

آپ سے حدیث روایت کرنے والے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد تھی جن میں سے چند یہ ہیں:

حضرت ابوہریرہ، سعید ابن مسیب، امام زہری، ابو حازم، یحیی بن میمون حضرمی، ابوزاعہ، عمرو بن جابر حضرمی، بکر بن سواد، عمران بن ابی انس جمیل اسلمی اور آپ کے بیٹے عباس بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(معرفۃ الصحابہ، ابونعیم اصبہانی، دارالکتب العلمیہ، ج:۲، ص:۴۴۴، طبع اول:۲۰۰۲ء۔۱۴۲۲ھ)

آپ کی مرویات کی تعداد ۱۸۸ ہے جن میں ۲۸ متفق علیہ ہیں۔ جن کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے کی ہے۔

حق گوئی اور جرأت مندی جیسے اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے، اہل بیت اطہار سے گہرا دلی لگاؤ تھا؛ یہی وجہ تھی کہ آپ کو کئی بار آزمائش اور مصیبت میں ڈالا گیا۔ ایک مرتبہ آل مروان میں سے ایک شخص مدینے کا امیر ہو کر آیا، حضرت سہل کو بلا کر کہا: علی کو سب وشتم کرو! حضرت سھل بن سعد نے انکار کر دیا، امیر نے کہا: اگر تم پر علی کا نام لے کر سب وشتم کرنا شاق گزر رہا ہے تو تمھارے لیے اجازت ہے کہ علی کی بجائے ان کی کنیت ابو تراب سے ہی برا بھلا کہو، ایسے موقع پر حضرت سہل بن سعد نے امیر مدینہ کو مسکت جواب دیا کہ حضرت علی کو ابو تراب سے زیادہ کوئی نام پسند ہی نہیں تھا اس لیے مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں ان کو کسی طرح بھی برا بھلا کہوں، اس پر وہ لاجواب ہو گیا۔ (العمدہ، علامہ ابن بطریق یحیی بن حسن، جامعہ مدرسین، ص:۲۶، سن اشاعت:۱۴۰۷ھ)

امام زہری روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۵/سال کے تھے، پھر اس کے بعد آپ نے طویل زندگی گزاری، یہاں تک کہ حجاج بن یوسف کا زمانہ بھی آپ نے پایا اور اس کے ظلم و ستم کے شکار بھی ہوئے۔ ۷۴ھ کی بات ہے، حجاج نے آپ کو ذلیل کرنے کے ارادے سے اپنے پاس بلوایا اور پوچھا: ما منعك من نصرة امير المؤ منين عثمان؟ امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حمایت سے کس چیز نے آپ کو روکا؟ آپ نے جواب دیا: میں نے ان کی نصرت وحمایت کی تھی، حجاج نے سرزنش کرتے ہوئے کہا: نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو پھر آپ

کی اور حضرت سہل بن مالک کی گردن پر اور حضرت جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ہاتھ پر رصاص سے مہر لگانے کا حکم دیا۔
اس عمل سے حجاج کا مقصد یہ تھا کہ ان حضرات کا عوام پر جو اثر و رسوخ ہے وہ ختم ہو، لوگ ان سے بچیں اور ان کی باتیں نہ سنیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف القرطبی، دار الکتب العلمیہ، ج:۲، ص:۲۲۴، سن اشاعت:۲۰۰۲ء۔۱۴۲۲)

حضرت سہل کے اندر بچپن سے ہی جذبۂ ایثار موجزن تھا، آپ نے کئی غزوات میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تھی، لیکن لڑکپن کی وجہ سے اجازت نہیں ملی، بچپن ہی میں ایک مرتبہ آپ نے جنگ تبوک میں شرکت کی تھی، خود فرماتے ہیں: کنت اصغر اصحابی فی تبوك فکنت شفر تھم ای خادمھم۔ ترجمہ: میں جنگ تبوک میں اپنے ساتھیوں میں سب سے چھوٹا تھا، میں ان کی مدد کرتا تھا۔

(معجم الصحابہ، عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز البغوی، مکتبہ دار البیان، کویت، ج:۳، ص۹۲، سن اشاعت:۲۰۰۸ء)

امام حسین کے سر مبارک کی زیارت: حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں: میں بیت المقدس کی طرف نکلا یہاں تک کہ دمشق آپہنچا، میں نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے خوشیاں منا رہے ہیں اور ڈھولک بجا رہے ہیں، میں نے اپنے آپ سے کہا: کیا اہل شام کے لیے آج عید کا دن ہے جسے ہم نہیں جانتے؟ پھر حضرت سہل ایسے لوگوں سے ملے جو باہم گفتگو کر رہے تھے، آپ نے ان سے پوچھا: کیا آج تمھارے یہاں عید ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا: لگتا ہے آپ اس شہر میں اجنبی ہیں حضرت سہل نے کہا: ہاں میں اجنبی ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور میں محدث بھی ہوں، تو ان لوگوں نے حضرت سہل کو جواب دیا: ما اعجب السماء لم لم تمطر دما و الأرض لم تخسف، آسمان خون کیوں نہیں برسا تا اور زمیں دھنس کیوں نہیں جاتی، حضرت سہل نے کہا: آپ لوگ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں جواب دیا: یہاں کوئی عید نہیں ہے، یہ تو حسین کا سر مبارک ہے جو عراق سے بھیجا گیا ہے؛ جس کی وجہ سے یہ لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔

(العمدہ، علامہ ابن بطریق یحیی بن حسن، جامعہ مدرسین، ص:۲۶، سن اشاعت:۱۴۰۷ھ)

وفات: آپ کی عمر شریف ۹۶ برس کی ہو چکی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے مدینہ بالکل خالی ہو چکا تھا، دیگر صوبے بھی عموما صحابہ کے سایہ سے محروم ہو چکے تھے، ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل خود فرمایا کرتے تھے: لو مت لم تسمعوا من احد یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں مرجاؤں گا تو کوئی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے والا باقی نہ رہے گا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، عز الدین ابن اثیر جزری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ج:۲، ص:۵۷۶، سن اشاعت:۲۰۰۳ء۔۱۴۲۴ھ)

بالآخر ۹۱ھ میں بزم قدس نبوی کی یہ شمع بھی بجھ گئی۔

(سیر الاعلام النبلاء، امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی، دار الفکر بیروت، ج:۴، ص:۵۰۲، طبع اول:۲۰۰۴ء۔۱۴۲۵ھ)

نوٹ: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری صحابی تھے جنھوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الفکر بیروت، ج:۳، ص:۱۶۸، سن اشاعت:۲۰۰۱ء۔۱۴۲۱ھ)

من أهل الفتوى

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۵۹ھ

محمد عارف رضا برکاتی، کشی نگر، جماعت: سابعہ 7753964190

نام: سمرہ، **کنیت:** ابوسعید، ابو عبد الرحمن، ابو عبد اللہ اور ابو سلیمان۔ (اسد الغابہ، عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد جزری، ج:۲، ص:۵۵۵-۵۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان سن طباعت: ۲۰۰۳ء-۱۴۲۴ھ، ایڈیشن-۲)

والد گرامی: جندب (جیم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ)

سلسلۂ نسب: سمرہ بن جندب بن ہلال بن حریج بن مرہ بن حزن بن عمرو بن جابر بن خشین بن لای بن عصم بن شمخ بن فزارہ بن ذبیان بن بغیص بن ریث بن غطفان الفزازی۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۵۵۴)

نوٹ: بیشتر کتابوں کی ورق گردانی کے باوجود تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔

خاندانی پس منظر: والد کے انتقال ہونے کے بعد آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ طیبہ تشریف لائیں اور انصار مدینہ میں نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن شرط یہ رکھی کہ شوہر پر میری اور سمرہ کی کفالت لازم ہوگی۔ ایک انصاری شخص مری بن شیبان نے آپ کا پیغام منظور کرلیا اور عقد ہوگیا۔ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی اور ہجرت کے بعد بارہ سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (الاستیعاب، ج:۲، ص:۲۱۵)

غزوات میں شرکت: آپ کم سنی کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکے۔ غزوۂ احد میں شرکت کے متعلق ایک واقعہ کتابوں میں ملتا ہے کہ احد کے زمانہ میں جنگی صلاحیت کی جانچ پڑتال کی غرض سے انصار کے لڑکے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیے گئے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ انصار کے حلیف تھے اس لیے آپ بھی بارگاہ نبوی میں لائے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک انصاری لڑکے (حضرت رافع بن خدیج جو سمرہ سے عمر میں بڑے تھے) کو جنگ کے لائق سمجھ کر میدان میں جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا گیا تو سرکار نے واپس کردیا۔ اس پر آپ نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ انھیں اجازت دیتے ہیں حالاں کہ میں ان سے زیادہ طاقت ور ہوں اور اگر ہم دونوں کے درمیان کشتی ہو تو میں انھیں پچھاڑ دوں گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کشتی کا حکم دیا تو سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مقابل صحابی کو ہرادیا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً تمام غزوات میں سرکار علیہ السلام کے ساتھ شریک رہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۲۱۵، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۵۵۴)

زندگی کے دوسرے اہم حالات: تاحیات نبوی مدینہ میں رہے۔ اس کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ ۵۰ھ میں جب والی کوفہ مغیرہ بن شعبہ کا انتقال ہوگیا اور زیاد بن سمیہ بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی والی ہوگیا تو حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ چوں کہ وہ بصرہ اور کوفہ میں چھ۔ چھ مہینہ رہتا تھا، اس لیے جب وہ بصرہ میں ہوتا تو حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نیابت کی حیثیت سے کوفہ میں قیام پذیر ہوتے، جب وہ کوفہ آتا تو آپ بصرہ چلے جاتے۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۵۵۴، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۴۰-۲۱۳، تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۲۵۸)

۵۳ھ میں زیاد کے انتقال کے بعد بصرہ اور کوفہ دو الگ الگ صوبہ قرار پائے، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا گورنر ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ عنہ اور بصرہ کا گورنر حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ تقریبًا ایک سال تک اس منصب پر فائز رہے۔ (تاریخ الاسلام ووفیات مشاھیر والاعلام، عہد معاویہ بن ابی سفیان حوادث ووفیات الاعیان، حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ص:۱۵۵، سن طباعت:۲۰۰۳ء۔۱۴۲۳)

پھر ۵۴ھ میں حضرت امیر معاویہ نے آپ کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا۔ (ایضا، ص:۱۵۸)

وفات: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے متعلق متعدّد اقوال ہیں۔ تاریخ وفات کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی رقم طراز ہیں: "توفی سمرۃ سنۃ تسع و خمسین و یقال: في اول سنۃ ستین". حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کا انتقال ۶۰ھ کے اوائل میں ہوا۔

(تاریخ الاسلام ووفیات مشاھیر والاعلام، ج:۴، ص:۲۳۴)

امام یحی بن شرف نووی لکھتے ہیں۔ "توفی بالبصرہ سنۃ تسع و قیل: ثمان و خمسین. و قال البخاری: توفی سمرۃ بعد أبي ھریرۃ، یقال: آخر سنۃ تسع و خمسین، و یقال سنۃ ستین" یعنی آپ کی وفات بصرہ میں ۵۹ھ میں ہوئی اور کہا گیا کہ ۵۸ھ میں ہوئی۔ امام محمد بن اسمعیل بخاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد ۵۹ھ کے آخر یا ۶۰ھ کے شروع میں ہوا۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان طبع اول، سن طباعت ۲۰۰۷ء ۱۴۲۸ھ از: فقیہ حافظ ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف النووی)

تقریب التہذیب میں ہے "مات بالبصرہ سنۃ ثمان و خمسین" یعنی آپ کا انتقال بصرہ میں ۵۸ھ میں ہوا۔

(تقریب التہذیب، ج:۱، ص:۲۳۰، دار الفکر، طبع اول ۱۹۹۰، از حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی)

الاعلام میں ہے۔ "مات بالکوفۃ و قیل بالبصرۃ" یعنی آپ کا انتقال کوفہ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ بصرہ میں ہوا۔

(الاعلام، ج:۳، ص:۲۰۳۔۲۰۴، از: خیر الدین زرکلی، طبع ثالث)

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں ہے "کانت وفاتہ بالبصرۃ فی خلافۃ معاویۃ سنۃ ثمانی و خمسین" یعنی آپ کا انتقال بصرہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ۵۸ھ کو ہوا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲/ ص:۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۴ء۔ از: ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی)

وفات کے متعلق ایک واقعہ روایتوں میں ملتا ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردی کے مرض میں مبتلا ہو گئے جو آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک دن آپ کو بہت تیز سردی محسوس ہوئی تو لوگوں نے آپ کے چاروں طرف آگ جلادی لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جو مرض میرے جسم میں ہے وہ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔

(تاریخ الاسلام ووفیات مشاہیر والاعلام، ص:۲۳۴)

پھر لوگوں نے آپ کو کھولتے ہوئے پانی کی دیگ پر بٹھادیا۔ لیکن اس سے بھی کچھ افاقہ نہ ہوا اور بالآخر کچھ دیر بعد اسی پانی میں گر کر انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا إلیہ راجعون (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ج:۲، ص:۲۱۴، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۵۵۵)

اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہوتی ہے، جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اصحاب کے بارے میں ارشاد فرمایا: "آخرکم موتاً فی النار" یعنی تم میں سب سے اخیر میں مرنے والا آگ میں مرے گا۔

(تاریخ الاسلام ووفیات مشاہیر والاعلام، ج:۴، ص:۲۳۲، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۲۱۴)

مرجح تاریخ وفات: مذکورہ بالا روایات میں اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اکثر رواۃ نے ۵۹ھ کو قال کے ساتھ اور بقیہ تاریخ وفات کو قیل یا یقال سے تعبیر فرمایا ہے جو اکثر و بیشتر "قال" کے مقابل مرجوح یا ضعیف قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ ۵۹ھ سن وفات کے سلسلے میں راجح ہے۔ علاوہ ازیں حضرت امام بخاری کی روایت "مات بعد أبی ھریرۃ و مات ابوھریرۃ سنۃ ثمان و خمسین، یقال مات آخر سنۃ تسع و خمسین و قال بعضھم سنۃ ستین" کے مطابق آپ کا انتقال حضرت ابوہریرہ کے بعد ہوا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔ یہاں سے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن وفات ۵۹ھ ہونا بالکل صاف اور بے غبار ہو جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ۵۹ھ کے اوائل یا اواخر کے سلسلے میں اختلاف بیان فرمایا ہے۔

فضل و کمال: حضرت سمرہ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ اور عہد رسالت میں صغیر السن ہونے کے باوجود سیکڑوں حدیثیں یاد تھیں۔ چناں چہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ قرطبی اسی سلسلے میں فرماتے ہیں: "کان سمرۃ من الحفاظ المکثرین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کثیر روایت کرنے والے حفاظ میں سے تھے۔

(الااستیعاب، ج:۲، ص:۲۱۴)

اور امام نووی شافعی فرماتے ہیں: "کان الحسن و ابن سیرین و فضلاء البصرہ یثنون علیہ، قال ابن سیرین فی رسالۃ سمرۃ الی بنیہ علم کثیر" یعنی حضرت حسن بصری، ابن سیرین اور فضلائے بصرہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ ابن سیرین مزید فرماتے ہیں کہ آپ کا وہ رسالہ جو آپ کے صاحبزادے کے پاس تھا، اس میں علم کا بحر بیکراں موجود ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرامین رسول علیہ السلام یاد کرنے پر خاص توجہ دیتے تھے۔ حافظہ غیر معمولی تھا۔ جس بات کا ارادہ فرماتے یاد

کر ہی لیتے۔ اس امر کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے نماز میں دو جگہ سکتہ منقول ہے، ایک تکبیر تحریمہ کے بعد، دوسرا "و الا الضالین" کے بعد۔ یہ بات حضرت سمرہ کو یاد تھی اور اس پر عامل بھی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمران بن حصین (جو آپ سے عمر دراز تھے) کو یہ بات یاد نہ رہی، جب آپ نے اس پر عمل کیا تو بعد نماز حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعتراض کر بیٹھے تو اس سلسلے میں تصحیح کے لیے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا گیا تو انھوں نے جواب میں حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر ٹھہرایا۔

(مسند امام احمد بن حنبل مع حاشیہ منتخب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، دار الفکر، ج:۵، ص:۱۵، از: سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

کبھی کبھی حدیث بیان کرنے میں کسی کو شبہہ ہوتا تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا ازالہ بھی فرماتے۔

(ایضاً، ج:۵، ص:۱۹۔۱۸)

اخلاق کریمہ: آپ کے اندر بہت سی اخلاقی خوبیاں موجود تھیں۔ چناں چہ حافظ شمس الدین ذہبی اس حوالے سے فرماتے ہیں "عظیم الأمانة صدوقا یحب الاسلام و أهله" یعنی آپ نہایت امانت دار، راست گو اور اسلام و مسلمانوں کو محبوب رکھتے۔ (تاریخ الاسلام ووفیات مشاہیر والاعلام، ص:۲۳۴)

لیکن خوارج کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ چناں چہ اسد الغابہ میں ہے، "کان شدیداً علی الخارج و کان اذا أتی بواحد منهم قتله و یقول شر قتلی تحت أدیم السماء یکفرون المسلمین و یسفکون الدماء" یعنی آپ خوارج کے معاملے میں اس قدر سخت تھے کہ جب کوئی خارجی آپ کے پاس آتا تو اسے قتل کر دیتے اور فرماتے آسمان کے نیچے یہ بدترین مقتول ہیں جو مسلمانوں کی تکفیر کرتے اور زمین میں قتل وغارت گری کرتے ہیں۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۵۵۴)

مذکورہ بالا روایات سے آپ کی ذات فضل وکمال، اخلاق و عادات کے حوالے سے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" (پ۲۶، سورۂ فتح، آیت:۲۹) کی مکمل تفسیر اور مسلمانوں کے لیے قابل تقلید نظر آتی ہے۔

من
أهل الفتوى

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:٦٨ھ

محمد رستم علی، بنارس، جماعت: رابعہ، 9170087531

نام و نسب: نام زید کنیت ابو عمر آپ قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کا نسب کچھ اس طرح ہے: زید بن ارقم بن زید بن قیس بن نعمان بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج بن ثعلبہ انصاری خزرجی۔ (اسد الغابہ، مصنف: علی بن محمد جزری، ج:۲، ص:۳۴۲)

بچپن کے زمانے میں والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا والد گرامی کی وفات کے بعد حضرت رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنی کفالت میں لے کر آپ کی پرورش و پرداخت کی۔

حضرت زید بن ارقم اپنے چچا حضرت رواحہ ہی کی وجہ سے اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور انہی کی وجہ سے حضرت زید کو اسلام میں سرخروئی حاصل ہوئی۔

غزوات میں شرکت: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کل ۱۹ رغزوات کیے، جن میں سے ۱۷ رغزوات میں حضرت زید بن ارقم شریک رہے، غزوۂ احد میں کم سنی کے باعث شریک نہ ہوسکے اور باقی تمام غزوات میں آپ نے شرکت کی۔ (ایضا)

جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے اور جنگ موتہ میں حضرت رواحہ کے ساتھ گئے انھوں نے چند اشعار کہے جن میں شہادت کی تمنا تھی دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے حضرت زید نے اشعار سن کر رونا شروع کر دیا حضرت رواحہ نے درہ اٹھایا کہ تمھارا کیا حرج ہے؟ مجھے شہادت نصیب ہوگی۔ (الاستیعاب، ج:۲، ص:۱۱۰)

فضل و کمال: حضرت زید کا شمار اپنے زمانے کے علما فضلا میں کیا جاتا تھا لوگ دور دور سے آپ سے استفادہ کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، لوگ طلب حدیث میں آپ کی طرف رجوع کرتے ایک مرتبہ آپ بصرہ یا کوفہ گئے ہوئے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے گزارش کی کہ فلاں حدیث جس کو آپ نے روایت کیا تھا اس کو میں پھر سے سننے کا مشتاق ہوں۔ (مسند احمد ج:۴، ص:۳۶۷)

ان کی درخواست پر وہ حدیث ان کے گوش گذار کر دی، اتنا ہی نہیں بلکہ احادیث کے علاوہ جو دعائیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنیں تھی اور یاد تھی وہ لوگوں کو سناتے تھے ایک مرتبہ فرمایا: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا و نحن نعلمکم یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو سکھاتے تھے اور ہم تم کو سکھاتے ہیں۔ (مسند احمد، ص:۳۷۱)

روایت کرنے میں بے پناہ محتاط تھے حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی فرماتے ہیں:

كنا إذا أجناه قلنا حدثنا عن رسول الله ﷺ قال إنا قد كبرنا و نبينا والحديث عن رسول الله ﷺ شديدا.

ہم (زید بن ارقم) سے حدیث کی درخواست کرتے تو جواب ملتا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنا بہت بڑا کام ہے۔ (ایضا، ص:۳۷۰)

ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تاکہ حدیث سنیں ان حضرات نے پہلے آپ کے اوصاف وکمالات بیان کیے اور کہا کہ بلا شبہ اللہ تعالی نے آپ کو بے پناہ علم وفضل سے نوازا ہے، آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کی رخ انور کی زیارت کی ہے اور حضور سے براہ راست احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت زید نے فرمایا: میں بوڑھا ہو چکا ہوں وہ زمانہ گذر چکا، بہت سی باتیں خواب وخیال ہوگئیں۔

احادیث کا بڑا سرمایہ نسیان وسہو کے نظر ہو گیا، اس لیے جو حدیث خود بیان کردوں وہ سن لیا کرو، رہی بات روایات کی تو وہ تکلف کا باعث ہے، اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت کم ہے اور آپ سے مروی احادیث کی تعداد تقریبا ۹۰ / ہیں آپ وہی حدیثیں بیان کرتے جن کی صحت پر آپ کو کامل اعتماد ہوتا۔

ایک مرتبہ کوفہ کے گورنر عبداللہ بن زیاد نے آپ کی بعض روایت کی تکذیب کرتے ہوئے کہا: كذبت و لكنك شيخ قد خرقت تو اس کے جواب میں حضرت زید نے فرمایا: ألا إنه سمعت أذناى و وعاه قلبي من رسول الله ﷺ و هو يقول: من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار، ما كذبت على رسول الله ﷺ.

سن لو یقینا میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اور میرے قلب نے اس کو محفوظ کر لیا کہ جو کوئی دیدہ دانستہ میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی غلط بات کا انتساب نہیں کیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۹، ص:۱۸۶)

صحابہ و تابعین کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے احادیث روایت کی جن کے اسماء درج ذیل ہیں:

حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، ابوطفیل، ابوعثمان نہدی، عبدالرحمن بن ابی لیلی، عبد خیر ہمدانی، طاؤس، نصر بن انس، ابو عمر شیبانی، ابو مہنال، عبدالرحمن بن مطعم، ابواسحاق سبیعی، محمد بن کعب، ابو حمزہ طلحہ، ابن یزید، عبداللہ بن حارث بصری، قاسم بن عوف اور برید بن جان رضی اللہ عنہم۔ ان میں برید بن جان سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق وعادات: اسلام کے روحانی اثرات کی وجہ سے آپ کی زندگی تمام شعبوں میں نمایاں تھی سورۂ منافقون کی بعض آیات کریمہ آپ کی دینی حمیت کی گواہی دیتی ہے۔

واقعہ کچھ اس طرح تھا کی غزوۂ مریسیع سے فارغ ہو کر جب نبی کریم ﷺ نے چاہ کے قریب قیام فرمایا، تو وہاں حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجیر جہجہاہ غفاری اور ابن ابی کے حلیف سنان بن دبر جہنی کے درمیان جنگ ہوگئی، جہجاہ نے مہاجرین کو اور سنان نے انصار کو پکارا، اس وقت ابن ابی منافق نے حضور ﷺ کی شان میں بہت گستاخانہ اور بے ہودہ باتیں بکیں، اور یہ کہا کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر ہم میں سے عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اگر تم انھیں اپنا جوٹھا کھانا نہ دو، تو یہ تمھاری گردنوں پر سوار نہ ہوں، اب ان پر کچھ خرچ نہ کرو، تاکہ یہ مدینے سے بھاگ جائیں، اس کی یہ ناشائستہ گفتگو سن کر زید بن ارقم کو تاب نہ رہی، انھوں نے اس سے فرمایا کہ خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے اپنی قوم میں بغض ڈالنے والا۔ حضور ﷺ کے سر مبارک پر معراج کا تاج ہے، اللہ رب العزت نے انھیں عزت و قوت دی ہے، ابن ابی کہنے لگا چپ میں تو ہنسی کر رہا تھا، زید بن ارقم نے یہ خبر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچائی، حضور نے ابن ابی کو دریافت کیا کہ تو نے یہ بات کہی تھی، وہ مکر گیا اور قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا، ابن ابی کے ساتھیوں نے جو مجلس میں حاضر تھے اس کی تصدیق کی، اور کہنے لگے شاید زید بن ارقم کو دھوکا ہوا ہو، اور بات یاد نہ رہی ہو اس پر انصار ابن ارقم کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے حضور سے جھوٹ بیان کیا، اس پر حضرت زید کو دلی تکلیف ہوئی اور گھر میں جاکر بیٹھ گئے اور انھیں نیند آگئی ابھی نیند سے بیدار نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر سورۂ منافقون کی آیتیں نازل ہوئیں آپ نے زید بن ارقم کو بلوایا جب حضرت زید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ان الله صدقك يا زيد .

آپ کی پوری زندگی سنت نبی کا پیکر تھی اور آپ ہر کام سنت کے مطابق کیا کرتے تھے۔

آپ عام طور پر نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے، لیکن ایک مرتبہ آپ نے پانچ تکبیریں کہیں تو ایک شخص نے پوچھا کہیں غلطی تو نہیں ہوگئی تو آپ نے فرمایا یہ بھی حضور ﷺ کی سنت ہے اس کو کیوں چھوڑوں۔ (مسند احمد، ج:۱، ص:۳۶۹)

بارگاہ رسالت میں آپ کو بڑا اعزاز حاصل تھا جب بھی آپ بیمار پڑتے حضور ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے آپ کے قریب بیٹھتے، تسلی دیتے اور آپ کے لیے دعائے خیر فرماتے۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری آنکھ میں درد اٹھا، تو حضور ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، جب مجھے شفایابی ہوئی تو میں گھر کے باہر نکلا تو حضور نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ ابن ارقم اگر یہ درد باقی رہ جاتا تو کیا کرتے؟ عرض کہ یا رسول اللہ صبر کرتا اور ثواب کی امید کرتا، فرمایا اگر ایسا کرتے تو خدا کے سامنے بے گناہ جاتے۔ (معرفۃ الاصحابہ، ج:۲، ص:۳۴۳)

اپنے ہم عصر کے کمالات کا اعتراف بڑے خوش دلی سے کرتے تھے، اگر کوئی شخص آپ کے پاس کوئی سوال لے کر آتا تو آپ اسے اجلۂ صحابہ کے پاس بھیج دیتے، ایک مرتبہ ابوالمہنال بیع صرف کے تعلق سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آئے تو انھوں نے کہا براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھو وہ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، جب وہ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے مسئلہ بتاکر کہا کہ اس کی تصدیق زید سے کرالینا وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ جانتے ہیں۔

وفات: علم و ہنر کا یہ پیکر ۶۸ھ ہجری میں کوفہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

من أهل الفتوى

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت..... وفات ۵۱ ھ

محمد کونین رضا، سیتامڑھی، جماعت: خامسہ ۸۸۰۸۴۷۰۳۵

آپ کا نام: جریر بن عبد اللہ بجلی اور **آپ کی کنیت:** باختلافِ روایت ابو عمرو یا ابو عبد اللہ الیمانی ہے۔

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح مذکور ہے: جریر بن عبد اللہ بن جابر بن مالک بن نضر بن ثعلبہ بن جُعشم بن عوف بن خزیمہ بن حرب بن علی البجلی۔ (مصدر سابق، ص:۵۸۱)

اُسد الغابہ میں آگے مزید درج ہے: بن مالک بن سعد بن نذیر بن قسر بن عبقر بن أنمار بن إراش۔

بَجَلی، بنو بجیلہ کی طرف منسوب ہے، اور بجیلہ کے بارے میں اہلِ نسب کا اختلاف ہے، بعض اسے یمن سے قرار دیتے ہیں، اور ان کا قول یہ ہے کہ وہ اراش بن عمرو بن الغوث بن نبت ہیں، عمرو ازد کے بھائی ہیں، یہ قول کلبی اور اکثر اہلِ نسب کا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ نزار سے ہیں، اور وہ انمار بن نزار بن معد بن عدنان ہیں، یہ ابن اسحاق اور مصعب کا قول ہے۔ بعضوں نے ان کے ماں کی طرف نسبت کی ہے: بجلیہ بنت صعب بن علی بن سعد العشیرۃ۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، جلد:۱، ص:۵۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

آپ کے آباؤ اجداد کسی زمانے میں یمن کے فرماں روا اور حکمراں تھے، بنو بجیلہ یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا، آپ کے قبیلہ کی شجاعت و بہادری ضرب المثل تھی، اور قبائل یمن پر تفوق و برتری حاصل تھی۔

قبول اسلام کا زمانہ: آپ کے قبول اسلام کے وقت میں اختلاف ہے۔ طبرانی اوسط میں بہ طریق حصین بن عمر الاحمسی ہے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لمّا بُعِثَ النبیّ صلی اللہ علیہ و سلم أتیتُه فقال: ما جاء بك، قلتُ: جئتُ لاسلم، فألقیٰ إلیّ کساءہ، و قال: إذا أتاکم کریمُ قومٍ فأکرموه.

حصین اس میں ضعیف ہے، اگر صحیح مانا جائے تو مجاز پر محمول ہوگا، یعنی جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعثت کی خبر ہمارے پاس پہنچی۔ یا حذف پر محمول ہوگا، یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، پھر اللہ کے دین کی دعوت دی، پھر مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے، کفار سے معرکے ہوئے، فتح مکہ ہوا، اور خانۂ خدا کو بتوں سے پاک کیا گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس وفود آئے، اور میں بھی حاضر ہوا۔

ابن عبد البرؒ کا جزم یہ ہے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، حالاں کہ یہ غلط ہے۔ صحیحین میں ہے کہ نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے کہا: إستنصت الناسَ فی حَجّة الوداع.

واقدی کا قول یہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ ماہ رمضان دس ہجری میں وفد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس کے بعد ذوالخلصہ کی طرف بھیجے گئے، اور اسی سال حجۃ الوداع میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ شامل رہے۔

صاحب اصابہ کا بیان ہے کہ میرے نزدیک اس میں بھی نظر ہے، اس لیے کہ شریک نے شیبانی سے اور انھوں نے شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: اِنّ أخاكم النّجّاشي قَدْ مَاتَ، طبرانی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ لہذا یہ حدیث دس ہجری سے قبل حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے اسلام پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ نجاشی اس سے قبل دار فانی کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

(یہ اختلافات، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، جلد: ۱، ص: ۵۸۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت سے ماخوذ ہیں)

واقعۂ قبول اسلام: حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں: جب میں اسلام کی نعمت سے جھولی بھرنے مدینہ منورہ پہنچا تو میرے ساتھ میرے قبیلے کے خوش وضع اور خوش پوشاک لوگوں کی ایک بڑی جماعت تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبۂ جمعہ پڑھ رہے تھے، ہم باادب انداز میں پچھلی صفوں میں بیٹھ گئے۔ میں نے ایک قریب بیٹھے ساتھی سے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے متعلق کچھ ارشاد فرمایا ہے؟ اس نے کہا کہ ابھی ابھی سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دلآویز انداز میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "يطلع عليكم خيرُ ذي يمنٍ، كأنّ علىٰ وَجْهِهِ مَسْحَة ملك" یعنی ابھی اس دروازہ سے یمن کا ایک سردار آئے گا، جس کے چہرے پر شاہانہ رعب و دبدبہ کی دلکش علامت نمایاں طور پر چمکتی ہوں گی۔ یہ سن کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور پورا وفد حلقہ بگوش اسلام ہو کر نعمت عظمیٰ حاصل کرنے کی سعادت اپنے دامن میں سمیٹ لی۔

(ملخصاً الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد: ۱، ص: ۳۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم کارنامہ: دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے جو پہلا بڑا کارنامہ سر انجام دیا وہ ذوالخلصۃ نامی بت کدہ کو زمیں بوس کرنے کا تھا یمنی باشندوں کے نزدیک یہ بڑا مقدس و معزز مقام تھا، اس میں نصب کیے گئے بتوں کی پرستش ان کے مذہبی فرائض میں شامل تھی۔

سلطان دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جریر سے فرمایا کہ اے جریر! کیا تم یمن کے سب سے بڑے بت کدہ کو گرا کر مجھے خوش نہیں کرو گے (ألا تكفيني ذَا الْخَلَصَة)۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ اس مہم کو سر کرنے کے لیے آپ کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی۔ لیکن میری ایک التجا یہ ہے کہ میں گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا، لہذا آپ دعا فرما دیں کہ میری یہ کمزوری دور ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا کی: اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَ اجْعَلْهُ هَادِياً مُهْدِيًا" یعنی یا الٰہی جریر بن عبد اللہ کو گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھنے کی صلاحیت عطا کر اور اسے ہدایت یافتہ رہنما بنا۔

دربار رسالت سے دعاؤں اور نیک تمناؤں کا سہارا لے کر ایک سو پچاس افراد پر مشتمل لشکر کی قیادت کرتے ہوئے یمن کا رخ کیا، وہاں پہنچتے ہی یمن کے بت کدہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو آپ کا چہرہ مسرت

سے کھل اٹھا اور آپ نے پورے لشکر کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد:۱، ص:۵۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بنو بجیلہ کا اجتماع اور حضرت جریر کی قیادت: عہد فاروقی ۱۳ھ میں باختلاف روایت "جسر" یا "حیرۃ" کا معرکہ پیش آیا، جس میں ایرانیوں کے ہاتھوں اسلامی سپہ سالار حضرت ابو عبید ثقفی سمیت ہزاروں مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت عمر نے تمام قبائل عرب کو بیدار کیا، اور حضرت جریر کی درخواست پر حضرت عمر نے بنو بجلیہ کو یکجا کر کے حضرت جریر کو امیر مقرر کیا۔ حضرت جریر مع قبائل کے حضرت مثنی بن حارثہ کی مدد کے لیے عراق میں مقام بویب پر پہنچے، حضرت مثنی اور حضرت جریر کی تلقین سے تمام مجاہدین نے ایرانی فوج پر یک لخت زوردار حملہ کر دیا جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، ایرانی فوج کا مشہور جرنیل مہران مارا گیا، جس کے سبب ایرانیوں نے چشم زدن میں میدان خالی کر دیا۔ اس معرکے میں حضرت جریر نے ایسا جنگی کردار ادا کیا کہ ان کی جرأت، شجاعت اور شمشیر زنی کو دیکھ کر دشمن دنگ رہ گئے۔ (مصدر سابق ص:۵۲۹)

اس معرکہ کے بعد قادسیہ کے مقام پر ایرانی سپہ سالار رستم کی فوجوں سے مقابلہ ہوا، جس میں حضرت سعد بن وقاص اور حضرت جریر کے ساتھ جان کی بازی لگا کر مسلمانوں نے فتح و کامرانی حاصل کی۔

پھر حضرت جریر نے حلوان پر حملہ کر کے ایرانیوں کے خطرناک گروہ کو شکست دی۔ اسی طرح انھوں نے اہوز، تستر اور نہاوند کے معرکوں میں بہادری کے جوہر دکھائے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۱۴۵، للامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، دار الفکر بیروت)

عہد عثمانی اور حیدری میں حضرت جریر کی خدمات: حضرت عثمان نے دینی و ملی خدمات کی وجہ سے حضرت جریر کو ہمدان کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت علی کی بیعت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے والیِ شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت کا خط حضرت جریر کے ہاتھوں بھجوایا تھا۔ (مصدر سابق)

مرویات: حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم، حضرت عمر فاروق اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی سے منذر، عبید اللہ، ایوب، ابراہیم، ابو زرعہ بن عمرو، انس بن مالک، ابو وائل، زید بن وہب، زیاد بن علاقہ، شعبی، قیس بن ابی حازم، ہمام بن حارث اور ابو ظبیان حصین بن جندب وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(تہذیب التہذیب، ج:۲، ص:۴۰، للامام الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الفکر)

سفر آخرت: حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ قبول اسلام کے بعد ایک عرصہ تک کوفہ کی سرزمین پر مقیم رہے اور خلق خدا کی اصلاح و راہنمائی کرتے رہے، پھر قرقیسا منتقل ہو گئے، جنگ جمل اور جنگ صفین سے کنارہ کش رہے۔ اور قرقیسا کے مقام پر باختلافِ روایت ۵۴ ھ یا ۵۱ ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۳۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

من أهل الفتوی

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۷۴ھ

محمد محتشم، کولکاتا، جماعت: سابعہ 8795255751

اسم گرامی: جابر، **کنیت:** ابوعبداللہ، ابوخالد

والد گرامی: سمرہ بن جندب

سلسلۂ نسب: حضرت جابر بن سمرہ بن جُندَب بن حجیر بن ریاب بن حبیب بن سواءہ اور بقول دیگر جابر بن سمرہ بن جنادہ بن جندب بن عمرو بن جندب بن حجیر بن ریاب بن سوائی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۲۹۷، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد القرطبی، دارالکتب العلمیہ، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۲ء)

مختصر سوانح: آپ قبیلۂ بنی سواءہ بن عامر بن صَعصَعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد گرامی سمرہ بن جندب مشہور صحابیِ رسول اور بنو زہرہ بن کلاب کے حلیف تھے۔ لہذا آپ بھی اس قبیلہ کے حلیف رہے۔ آپ کی والدہ خالدہ بنت ابی وقاص صحابیِ رسول حضرت سعد بن ابی وقاص کی بہن ہیں۔ آپ فتح مدائن میں شریک رہے اور پرچم اسلام کی سربلندی، کلمۂ حق کی تعلی اور دشمنان اسلام کی پستی کے لیے خوب خوب داد شجاعت کا اظہار کیا اور جب تک باحیات رہے خدمت اسلام کے لیے کمربستہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوفہ تشریف لے گئے اور ہمیشہ کے لیے وہیں آباد ہو گئے۔ بقول ابن سعد، عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت اور بسر بن مروان کی گورنری میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے ہمیشہ کے لیے حیات جاوداں سے جاملی۔ آپ کی نماز جنازہ عمرو بن حریث مخزومی نے پڑھائی۔ انتقال کے وقت آپ نے تین صاحبزادے خالد، طلحہ اور سالم اور بقول دیگر چار صاحبزادے خالد، ابوثور مسلم، ابوجعفر اور جبیر چھوڑے۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۱، ص:۵۴۳، حافظ ابن حجر عسقلانی، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۲ء)

تاریخ وفات: آپ کی تاریخ وفات کے سلسلے میں کافی اختلاف ہے۔ ابن سکن کے مطابق بسر بن مروان کی گورنری میں ۷۴ر سال اور بقول دیگر ۶۶ر سال کی عمر میں مختار ثقفی کی گورنری میں وفات ہوئی۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مصدر سابق)

خلیفہ نے ۷۳ اور ۷۴، ابن منجویہ نے ۷۴، ابوعبید القاسم بن سلام نے ۶۶، ابوقاسم بغوی اور ابن حبان نے ۷۴ اور امام ذہبی نے کاشف میں ۷۲ھ نقل کی ہے۔ مصنف تہذیب رقم کرتے ہیں کہ ۷۴ھ ہی صحیح روایت ہے، کیوں کہ بسر بن مروان ۷۲ھ میں کوفہ کے والی مقرر ہوئے تھے اور ۷۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(تہذیب التہذیب، ج:۲،ص:۶،ابن حجر عسقلانی، دارالفکر بیروت، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء)

خدمت حدیث: آپ سے کل ۱۴۶ احادیث مروی ہیں، دو حدیثوں پر صاحبین کا اتفاق اور ۲۳ احادیث میں امام مسلم منفرد نظر آتے ہیں اور آپ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک کثیر تعداد نے احادیث روایت کی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: امام شعبی، تمیم بن طرفہ طائی، سماک بن حرب، عبدالملک بن عمیر، ابوخالد والبی، زیادۃ بن علاقہ، حصین بن عبدالرحمن، ابواسحق سبیعی، ابوعون محمد بن عبیداللہ ثقفی، ابوبکر بن ابی موسی اور ان کے ماموں زاد بھائی عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ۔

لب ہائے تبسم سے گرنے والے پھولوں کا حسین گلدستہ قارئین کے ذوق طبع کے لیے پیش خدمت ہیں۔

رأيت رسول الله صلى الله عليه و أله و سلم في ليلة مقمرة و عليه حلة حمراء، فجعلت أنظر إليه و إلى القمر، فلهو عندي أحسن من القمر، و منها قوله عليه السلام: ''ألمستشار مؤتمن''.

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور کو چاندنی رات میں سرخ چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو میں پیکر نور کے جسد اطہر کو دیکھتا اور کبھی چاند کو دیکھتا۔ تو بخدا! آپ مجھے چاند سے بھی زیادہ حسین و جمیل نظر آئے۔

اور مرویات جابر سے یہ بھی ہے کہ سرکار نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جس سے مشورہ لیا جائے وہ اس مشورہ میں امین ہوتا ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الصحابۃ، ص:۲۹۷)

قال: خطبنا عمر بالجابية -قرية من أعمال دمشق- فقال: قام فينا رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال: ''أكرموا أصحابي، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يفشو الكذب، حتى يشهد الرجل و ما يستشهد، و حتى يحلف الرجل و ان لم يستحلف، فمن أراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة، فإن الشيطان مع الواحد، و هو من الإثنين أبعد، ألا لا يخلو رجل بامرة فان ثالثهما الشيطان، ألا فمن سرته حسنته و ساءته سيئته فهو مؤمن.''

حضرت جابر بن سمرہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے مقام جابیہ (جو دمشق کا ایک گاؤں ہے) میں خطبہ دیا کہ حضور نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا کہ تم میرے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی تعظیم کرو۔ پھر جھوٹ بولنا عام ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ایسے شخص سے گواہی لی جائے گی جو گواہی کے اہل بھی نہ ہوگا اور وہ شخص قسم کھائے گا جس سے قسم کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے گا۔ تو جسے جنت کی خواہش ہو وہ جماعت کے ساتھ رہا کرے۔ کیوں کہ شیطان فرد واحد سے قریب اور دو سے دور و نفور رہتا ہے۔ خبر دار! کوئی بھی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو کیوں کہ (اس وقت) ان کا تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ سنو! جسے اپنی اچھائی اچھی اور برائی بری لگے تو وہ مومن ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج:۵، ص:۳۵۶)

جالست رسول الله صلى الله عليه و سلم أكثر من مائة مرة: كان يخطب خطبته الأولى ثم يقعد قعدة ثم يقوم فيخطب خطبته الأخرى. (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر عسقلانی، ج:۶، ص:۴۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سو سے زائد مرتبہ حضور کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ پہلا خطبہ دے کر بیٹھتے اور پھر دوسرے خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

عن جابر بن سمرة أن النبی صلی الله علیه و سلم قال:"ان بمكة حجرا كان يسلم علی ليالی بعثت"

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مصدر سابق)

جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک مکہ میں ایک ایسا پتھر ہے جو شب و روز مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے جب سے میری بعثت ہوئی ہے۔

وروی عنه عبد الملك بن عمير أن النبی صلی الله علیه و سلم قال:"إذا هلك قيصر فلا قيصر بعده، و إذا هلك كسری فلا كسری بعده، و الذی نفسی بيده لتنفقن كنوزهما فی سيل الله.

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مصدر سابق)

عبد الملک بن عمیر نے ان سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب قیصر و کسریٰ ہلاک ہو جائیں گے تو ان کے بعد کوئی قیصر و کسریٰ پیدا نہ ہوگا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ضرور ان کے خزانے راہ خدا میں صرف کیے جائیں گے۔

أن النبی صلی الله علیه و سلم مر يوما أمام صحابته الكرام، فأخذ يمسح علی وجوههم و خدودهم بكفه الشريفة الطاهرة، و مسح علی خد جابر بن سمرة يومئذ، فيقول جابر عن هذا:"لقد كان خدی الذی مسح عليه، أفضل و أحسن من الآخر طوال حياتی."

(حدیث میں ہے) کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن اپنے صحابہ کرام کے پاس سے گزرے تو ان کے چہروں اور رخساروں پر اپنے فیض رساں دست اقدس پھیرنے لگے اور اسی وقت حضرت جابر بن سمرہ کے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا تو جابر بن سمرہ (فرط خوشی سے مچل کر) اس تعلق سے کہتے ہیں: کہ میرا وہ رخسار جس پر سرکار نے دست اقدس پھیرا دوسرے رخسار سے پوری زندگی حسین و بہتر رہا۔ (سیر اعلام النبلاء للحافظ الذہبی، ج:۴، ص:۳۳۳، دار الفکر بیروت، لبنان)

من أهل الفتوى

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت :۔۔۔وفات:۵۰ھ

محمد معین الدین، سیتامڑھی، جماعت: فضیلت Mob:9631320032

نام: شروع میں آپ کا نام "برہ" تھا، جسے بدل کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "جویریہ" کردیا۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

كانت جو يرية بنت حارث اسمها "برة"، فحوّل رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمها، فسمها "جو يرية." كره أن يقال: "خرج من عند برة".

یعنی ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام "برہ" تھا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر "جویریہ" رکھ دیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ "برہ" (یعنی بھلائی) سے نکل گیا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۸، ص:۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

لقب: ام المؤمنین، **والد کا نام:** حارث۔

نسب نامہ: جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ یہ مصطلق کے نام سے مشہور ہیں سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر جزری، ج:۷، ص:۵۷)

خاندانی پس منظر: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبیلۂ بنو خزاعہ کی شاخ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہیں؛ جس قبیلہ کے بانی آپ کے آباء واجداد میں سے جذیمہ بن سعد ہیں۔ (مصدر سابق)

نکاح کی تفصیل: شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی تفصیل کتاب "مدارج النبوۃ" میں ان الفاظ میں سپرد قرطاس کیا ہے:

واضح رہنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خواستگاری فرمانا غزوۂ مریسیع میں تھا۔ جو ماہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ اس غزوہ سے واپسی کے وقت خواستگاری فرمائی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ سیدہ جویریہ بنت حارث بڑی شیریں بیان، ملیح اور صاحب حسن وجمال عورت تھیں۔ جو کوئی انھیں دیکھتا فریفتہ ہوجاتا تھا۔ جنگ اور تقسیم غنائم وسبایا کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ساتھ ایک چشمہ کے کنارے میرے پاس تشریف فرما تھے کہ اچانک حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نمودا

رہوئیں۔ مجھ پر میری آتش غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ مبادا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی طرف توجۂ خاص مبذول فرمائیں اور اپنے حبالۂ عقد میں لے آئیں۔ جب جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں تو انھوں نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مسلمان ہوکر حاضر ہوئی ہوں:

اشهد أن لا إله إلا الله و أنك رسوله.

اور میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، جو اس قبیلہ کا سردار اور پیشوا تھا اب لشکر اسلام کے ہاتھوں میں قید ہوں اور ثابت بن قیس بن شماس کے حصے میں آگئی ہوں اور اس نے مجھے اتنے مال پر مکاتب بنایا ہے کہ میں اسے ادا نہیں کرسکتی، میں امید کرتی ہوں کہ آپ میری اعانت فرمائیں گے تاکہ کتابت کی رقم ادا کرسکوں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ادا کردوں گا اور اس سے بہتر تمھارے ساتھ میں سلوک کروں گا۔ انھوں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا؟ فرمایا: کتابت کی رقم ادا کرکے تمہیں حبالۂ عقد میں لاکر زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو ثابت بن قیس کے پاس بھیجا کہ وہ کتابت کی رقم ادا کرے، پھر اس کو آزاد کرکے اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے۔ شادی کے وقت حضرت جویریہ کی عمر بیس سال تھی۔ (مدارج النبوۃ، حصہ: دوم، ص: ۸۲۵، المجمع المصباحی، مبارک پور)

مہر کیا تھا؟: ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کے سلسلے میں مختلف اقوال ملتے ہیں:

(۱) ان کا مہر چار سو درہم تھا۔ (مصدر سابق)

(۲) طبقات کبریٰ میں ہے: جعل صداقها عتق كل مملوك من بني المصطلق.

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ کا مہر بنی مصطلق کے تمام قیدی کی آزادی کو بنایا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج: ۸، ص: ۹۴)

(۳) ایک قول یہ ہے کہ مہر چالیس قیدیوں کی آزادی تھی۔ جیساکہ طبقات کبریٰ کی ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے جو کہ خود حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے: "قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، الم اعظم صداقك ،الم اعتق اربعين من قومك؟" (مصدر سابق)

شادی کا اثر: صحابہ عظام جب اس حقیقت حال سے باخبر ہوئے تو باہم کہنے لگے کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ مصاہرت والے احبا و اقربا والے اسیری، قید اور غلامی میں رکھیں۔ اس کے بعد سارے صحابہ نے بنی مصطلق کے امیروں کو آزاد کردیا۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ بنی مصطلق کے قیدی کی مجموعی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ اور اس قید سے رہائی پائی۔ (مدارج النبوۃ، حصہ دوم، ص: ۸۲۶)

والد کا قبول اسلام: حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد گرامی حارث بن ابو ضرار اپنی لڑکی کی آزادی کے واسطے بطور فدیہ کچھ مال لے کر مدینہ شریف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لا رہے تھے، تو جب وہ مقام "عقیق" پہنچے تو اپنے ان اونٹوں پر نگاہ ڈالی جسے وہ بطور فدیہ لے کر جارہے تھے، تو ان میں سے دو اونٹ بہت اچھے لگے۔ جس کی وجہ سے انھوں نے ان دونوں اونٹوں کو وادی عقیق کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں چھپادیا۔ پھر بارگاہ نبوی میں آئے اور یوں عرض گزار ہوئے:

یا محمد ! صلی اللہ علیہ وسلم اخذتم ابنتی و ھذا فداؤ ھا.
اے محمد ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے میری بیٹی کو قید کر کے باندی بنالیا ہے تو لیجیے یہ ان کا فدیہ ہے۔ (یہ فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیجئے)

یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"فأين البعير ان اللذان غيبت بالعقيق فی شعب کذا و کذا"
وہ دونوں اونٹ کہاں ہیں جسے آپ نے وادیٔ عقیق کی فلاں فلاں گھاٹی میں چھپا کر رکھا ہے۔
اتنا سننا تھا کہ حارث بن ابوضرار بے ساختہ بول پڑے:
أشهدان لا إله إلا الله، و أنك رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) ما اطلع علیٰ ذلك إلا الله.
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ بخدا! اللہ کے سوا کسی نے آپ کو اس خبر سے آگاہ نہیں کیا ہے۔
ان کے ساتھ ان کے دو لڑکے اور قوم کے چند دیگر افراد بھی آئے تھے، سب کے سب مسلمان ہو گئے۔
(اسد الغابہ، ج:۱، ص:۶۱۷، ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

نزول احکام: جس طرح دیگر امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کچھ شرعی قوانین اور اسلامی احکام کے نزول و نفاذ کا سبب بنیں اسی طرح حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے بھی امت مسلمہ کو کچھ قوانین اور زندگی بخش تعلیمات عطا ہوئیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس جمعہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ وہ روزے سے تھیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "أصمت أمس؟" یعنی کیا تم نے کل (جمعرات کو) روزہ رکھا تھا؟ انھوں نے عرض کیا "نہیں" پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "فأفطری" آج بھی روزہ نہ رکھو۔ (بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۶۶۔۲۶۷، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصیام، ج:۱، ص:۳۳۹، مسند امام احمد بن حنبل، ج:، ص:۳۲۴)

الطبقات الکبریٰ میں بروایت عبد اللہ بن عمرو مذکورہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دخل علیٰ جو یر یة بنت الحارث یوم الجمعة و هی صائمة فقال لها: أصمت أمس؟ قالت: لا. قال: أفترید ین الصوم غداً؟ قالت: لا. قال: فافطری إذاً. (الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۹۴)

اس واقعہ کے ذریعہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے صدقے میں ہمیں شریعت کا ایک حکم ملا جس کی وضاحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو بخاری شریف میں مذکور ہے، وہ فرماتے ہیں: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا یصوم من أحدکم یوم الجمعة إلا یو ماً قبله أو بعده. یعنی تم میں سے کوئی صرف تنہا جمعہ ہی کے دن روزہ نہ رکھے مگر جب

کہ اس سے پہلے (جمعرات کو) یا روز جمعہ کے بعد (سنیچر کو) روزہ رکھ لے۔ (تو جمعہ کے دن روزہ رکھ سکتا ہے)

(بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۶۶)

جذبۂ عبادت الٰہی: ام المومنین جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی عبادت گذار، پارسا، نیک اور تقوی شعار خاتون تھیں، ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہنا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا؛ چناں چہ جب وہ عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتیں تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ وقت کتنا گزرا۔ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ صبح سویرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں تسبیح وتحمید میں مشغول تھی، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے باہر تشریف لے گئے، اور تقریباً دوپہر کو واپس لوٹے تو فرمایا: کیا تم صبح سے اسی طرح عبادت میں مشغول ہو؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمھیں چند ایسے کلمات نہ سکھادوں کہ اگر تم ان کا معادلہ کرنا چاہو تو کروگی یعنی اگر ان کلمات کا موازنہ ان تسبیحات سے کرنا چاہو جو تم نے پڑھی، تو ہو جائے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان الله عدلخلقه.ــــ ثلاث مرات.ــــ سبحان الله زنة عرشه. ــــ ثلاث مرات.ــــ

سبحان الله رضا نفسه. ــــ ثلاث مرات.ــــ سبحان الله مداد کلماته. ــــ ثلاث مرات.ــــ.

(مسند احمد بن حنبل، ج:ص:۳۲۴)

لیکن صاحب اسد الغابہ نے "سبحن الله رضیٰ نفسه." کو صرف دو مرتبہ اور بقیہ کو تین مرتبہ ذکر کیا۔

(اسد الغابہ، ج:۷، ص:۵۹)

اور شیخ محقق نے المدارج میں تمام کلمات کو ایک ایک مرتبہ ذکر کیا ہے۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۸۲۵)

ایک مبارک خواب: ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہونے سے پہلے میں نے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا کہ "یثرب" کی جانب سے چاند چلتا آرہا ہے، یہاں تک کہ وہ میرے آغوش میں اتر آیا۔ میں نے اس خواب کو کسی سے بیان نہ کیا، جب میں بیدار ہوئی تو میں نے خود ہی یہ تعبیر لی جو الحمد للہ آج پوری ہوئی۔ (مدارج النبوۃ، حصہ: دوم، ص:۲۲۶)

فضل وکمال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے ان میں الفاظ گویا ہیں:

"فلا أعلم امرأة أعظم بركة علىٰ قومها." (طبقات لابن سعد، ج:۸، ص:۹۳۔ سنن ابوداؤد، ج:۲، ص:۵۴۸)

یعنی میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی ہوں جو اپنی قوم کے حق میں جویریہ (رضی اللہ عنہا) سے بھی بڑھ کے برکت والی ہو۔

آپ کی مرویات: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کل سات حدیثیں روایت کیں۔ جن میں سے دو صحیح بخاری میں، دو صحیح مسلم میں اور بقیہ تین دیگر کتب احادیث کی زینت ہیں۔

آپ سے روایت کرنے والے حضرات: آپ سے اخذ حدیث کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات کا شمار ہوتا ہے:

عبداللہ بن عباس، عبید بن سابق، ابوایوب مراغی، مجاہد بن جبیر، کریب، کلثوم بن مصطلق اور عبداللہ بن شداد بن ہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

وفات: ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وصال کے تعلق سے دو قول ملتے ہیں:

(۱) صاحب تہذیب التہذیب نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے:

توفیت (جویریة) فی ربیع الاول من سنة ست وخمسین. وصلیٰ علیھا المروان بن حکم.

یعنی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا. اور مروان بن حکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

صاحب طبقات نے اسی کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

توفیت جویریة بنت الحارث زوج النبی ﷺ فی شھر ربیع الاول سنة ست وخمسین فی خلافة معاویة بن أبی سفیان، وصلیٰ علیھا مروان بن الحکم وھو یومئذٍ والی المدینة.

(۲) صاحب تہذیب التہذیب نے کہا ہے کہ واقدی کے علاوہ دیگر اصحاب سیر نے یہ قول کیا ہے: ماتت سنة خمسین وخمس وستون سنة.

یعنی حضرت جویریہ کا انتقال پچاس ہجری میں ہوا، وہ اس وقت ۶۵/ سال کی تھیں۔

صاحب الطبقات الکبریٰ کا قول آخر اور حسب ذیل تحقیق ہی کو اصحاب سیر نے ترجیح دیا ہے، اسی کو شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "مدارج النبوۃ" میں اختیار کیا ہے اور اسی کو صاحب "ضیاء النبی" علامہ پیر کرم شاہ ازہری نے بھی اختیار کیا ہے۔

وہ عبارت یہ ہے:

عن محمد بن یزید عن جدته، وکانت مولاة جویریة بنت الحارث، عن جویریة قالت:

تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا بنت عشرین سنة. قالت (ای مولاة جویریہ) وتوفیت جویریة سنة خمسین وھی یومئذ ابنة خمسین. وستین سنة، وصلیٰ علیھا مروان بن حکم.

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۸، ص:۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ترجمہ: محمد بن یزید اپنی جدہ سے روایت کرتے ہیں [جو کہ حضرت جویریہ کی آزاد کردہ باندی ہیں] وہ فرماتی ہیں: ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ حضور ﷺ مجھے اس وقت شرف زوجیت سے مشرف فرمایا جب کہ میں بیس سال کی تھی۔

اور مولیٰ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (محمد بن یزید کی جدہ) فرماتی ہیں کہ حضرت جویریہ کا ۵۰ھ میں انتقال ہوا جس وقت وہ ۵۶/ سال کی تھیں اور مروان بن حکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

من
أهل الفتوى

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۔۔۔وفات:۔۔۔

محمد وقار احمد، گڈا، جماعت: خامسہ Mob. 7786936492

نام: حسان، **کنیت:** ابو ولید، ابو عبد الرحمن، ابو المضرب، ابو الحسام۔ **لقب:** شاعر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

والد کا نام: ثابت بن منذر۔ **والدہ کا نام:** فریعہ بنت خالد۔

شجرۂ پدری: حسان بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمر بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار انصاری۔

ابن اثیر نے مالک بن نجار کے آگے، ابن ثعلبہ بن عمر بن خزرج انصاری کا بھی ذکر کیا ہے۔

(استیعاب، ابن عبد البر قرطبی، ج:۱، ص:۴۰۰، دار الکتب العلمیہ۔ اسد الغابہ، ابن اثیر، ج:۲، ص:۶، دار الکتب العلمیہ۔ اصابہ، ابن حجر عسقلانی، ج:۲، ص:۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

شجرۂ مادری: فریعہ بنت خالد بن خنیس بن لوذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن کعب بن ساعدہ۔ آپ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کی بنت عم تھیں۔ (استیعاب، ج:۱، ص:۴۰۰)

تاریخ پیدائش: تاریخ پیدائش کے تعلق سے کوئی متعیّن تاریخ نہ مل سکی، سیرت نگاروں نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ حضرت حسان بن ثابت نے ایک سو بیس سال کی زندگی پائی، ساٹھ سال قبل اسلام اور ساٹھ سال بعد اسلام زندہ رہے۔

(معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۱۲۹، ابن نعیم اصبہانی، دار الکتب، العلمیہ، بیروت، لبنان۔ اسد الغابہ، ج:۲۰، ص:۹، ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی:۲۰۰۳ء)

خاندانی پس منظر: آپ عرب کے مشہور قبیلہ بنو خزرج کی باوقار اور معزز شاخ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے آپ کو خزرجی کہا جاتا ہے، آپ ایک رئیس اور امیر گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، اور مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل بھی آپ کا خاندان بہت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، آپ کے خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے باپ، دادا، پردادا بھی شاعر تھے اور بیٹے، پوتے بھی۔ اس کے علاوہ طویل العمری کی وجہ سے بھی آپ کے خاندان کو منفرد مقام حاصل تھا۔ سلسلۂ اجداد کی چار پشتوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی تھی، عرب میں کسی خاندان نے مسلسل چار پشتوں تک اتنی طویل عمر نہیں پائی تھی۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۹، معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۱۳۰-۱۲۹)

قبول اسلام: جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا تو

ہر چہار جانب سے لوگ داخل اسلام ہونے لگے، انھیں فیروز مندوں کی صف میں آپ بھی شامل ہوئے اور نہایت ذوق وشوق سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۲، ص:۵۵) آپ اسلام کی حقانیت کے بچپن ہی سے قائل تھے خود بیان فرماتے ہیں:

"میں آٹھ برس کا تھا کہ ایک دن علی الصبح ایک یہودی نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو پکار کر جمع کیا۔ جب سب آئے تو بولا: وہ ستارہ طلوع ہوگیا ہے، آج ہی کی شب رسول کریم ﷺ کی ولادت ہوگی۔ اس کے بعد جب آپ مبعوث ہوئے اور مدینہ تشریف لائے تو اگرچہ وہ یہودی اس وقت زندہ تھا مگر بدنصیب ایمان نہ لایا"۔

(تہذیب التھذیب، ابن حجر عسقلانی، ج:۲۰، ص:۱۳۲-۱۳۱، دار الفکر التوزیع)

قبل اسلام: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاعری دور جاہلیت میں بھی ایک الگ شناخت رکھتی تھی، زمانہ جاہلیت میں آپ اپنے قبیلہ بنونجار اور بلاط کی نمائندگی اور دفاع کیا کرتے تھے، ان کی قوم کے لوگ آپ کے اشعار کو رغبت سے یاد کرتے اور انھیں اہم مقام دیا کرتے تھے، اہل عرب میں آپ کے اشعار کے پھیلاؤ اور رغبت نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ بنومنذر اور آل غسان کے غسانی بادشاہوں تک آپ کو رسائی حاصل ہوئی۔ اور ان کے درباروں میں اشعار کہنے اور عطایا حاصل کرنے کا موقع ایک طویل عرصہ تک حاصل رہا۔ حیرہ کے بادشاہ ابوقابوس نے جسے نعمان ثالث کہا جاتا ہے اس سے آپ کا تعلق اور آپ کی ملاقاتیں اشعار اور تاریخی روایات سے ثابت ہیں۔ (دیوان حسان بن ثابت، ص:۱۶-۱۵)

زمانہ جاہلیت میں دوسرے شعرا کی طرح آپ بھی شراب پیتے تھے، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ترک کردی۔ ایک مرتبہ آپ کے قبیلہ کے چند نوجوان مے نوشی میں مصروف تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو بہت لعنت و ملامت کی جواب ملا یہ آپ ہی کا فیض ہے۔ آپ کا شعر ہے۔

و نشر بھا تمتر کنا ملوکا　　　و اسد امااینھنھنا اللقاء

ہم اسی کی موجب پیتے ہیں، فرمایا: یہ جاہلیت کا شعر ہے، خدا کی قسم! جب سے مسلمان ہوا، شراب نہیں پیا۔

(الاستیعاب، ص:۴۰۲، ج:۱)

حضرت حسان کی شاعری: حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کی دلکش، شاداب اور خوشگوار فضا میں اس وقت آنکھیں کھولی تھیں جس وقت اہل عرب کی فصاحت و بلاغت کا طوطی پوری دنیا میں بول رہا تھا، عرب کی زرخیز زمین پر ایسے ایسے شعرا پیدا ہوئے کہ آج بھی دنیا ان کی مثالیں پیش کرتی ہے۔ آپ کا خاندان بھی شعر و شاعری سے کافی لگاؤ رکھتا تھا اس لیے آپ کی زبان بھی فصاحت و بلاغت سے لبریز ہوگئی، زبان کی چاشنی، لطافت اور شعری مذاق طبع خود گھر کا لسانی اثاثہ تھا اس پر عصری شعرا کی نازک خیالیاں، محاورات، ضرب الامثال، اور چست بندشوں نے آپ کی شاعری کو ایسا نکھارا کہ بڑے بڑے شعرا آپ کی قدر کرتے۔ نابغہ زبیائی اور حطیہ جیسے ممتاز شعرا نے آپ کی بلیغ شاعری کا اعتراف کیا ہے۔

نابغہ نے جب آپ کے اشعار کو سنا تو بے خودی میں کہہ اٹھا، "إنك لشاعر" (یقیناً تم ہی عظیم شاعر ہو) حطیہ نے آپ

کے بارے میں ایک موقع پر کہا تھا "آپ اشعر العرب ہیں" (الاستیعاب، ج:۱، ص:۴۰۴) خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر گوئی کا ایسا ملکہ راسخہ عطا فرمایا تھا کہ عہد جاہلی میں بھی ایک قدر آور شاعر تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور اسلامی تاریخ میں تو فن شاعری کے مہر منیر ہیں۔

آپ اس قدر برمحل اور برجستہ اشعار کہتے کہ لوگ ششدر رہ جاتے، جب جس بحر میں چاہتے فی البدیہ اشعار کہہ دیتے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں بنی تمیم کا ایک وفد آیا اس کے ساتھ قبیلے کا سب سے بڑا شاعر اور ایک بہترین خطیب بھی تھا۔ اتفاق سے جس وقت وہ سب آئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیلولہ کا وقت تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے دروازہ پر کھڑے ہوکر زور زور سے آواز دینا شروع کردیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی وقت سورہ حجرات کی یہ آیت "إن الذين ينادونك من وراء الحجرات أكثرهم لا يعقلون. ولو أنهم صبروا حتى تخرج إليهم لكان خيرًا لهم" نازل ہوئی اور انھیں آداب بارگاہ رسالت سکھادیا گیا کہ نبی کی تعظیم اور ان کا ادب و احترام لازم و ضروری ہے۔ وفد بنی تمیم نے دیکھا کہ ازواج مطہرات کے دروازوں پر اخلاق و نصائح کے بلیغ اشعار عر۔ عر کی لکڑی پر لٹکے ہوئے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرۂ انور سے باہر تشریف لائے تو حضور کے سامنے اپنی مفاخرت جتانے کے لیے اپنے خطیب عطارد بن حاجب سے بڑی پرجوش تقریر کروائی، اس کے خطیب نے اپنا پورا زور صرف کردیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموشی سے سنتے رہے، جب چپ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس سے فرمایا: اٹھو اور جس نہج اور طرز پر اس نے خطبہ دیا ہے، تم بھی خطاب کرو، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر فصیح و بلیغ خطاب فرمایا کہ بنو تمیم کا خطیب منھ تکتا رہ گیا۔ پھر ان کے شاعر زبرقان بن بدر نے اپنے اشعار سنائے جس میں بلا کی روانی اور برجستگی و شعریت تھی، جب زبرقان نے اپنا قصیدہ ختم کیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ حسان اپنے اشعار سنائیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برجستہ فی البدیہ اسی ردیف اور قافیہ میں اشعار کہے، جس میں فصاحت و بلاغت کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ لفظ لفظ سے شعریت، ادب اور اسلامی مفاخرت پھوٹ رہی تھی۔ (الاستیعاب، ج:۱، ص:۴۰۵)

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اشعار سنا چکے تو اقرع بن حابس نے برجستہ کہا کہ میرے باپ کی قسم! آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا ہے، پھر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں انعامات سے نوازا۔ (دیوان حسان بن ثابت، ص:۱۲۹، دار ابن خلدون)

بارگاہ رسالت سے وابستگی: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو بہت محبوب رکھتے اور بے پناہ نوازش فرماتے اس سلسلے میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو مصر کے والی مقوقس کے پاس اسلام کی دعوت کے لیے اپنا نامۂ مبارک دے کر بھیجا تو واپسی پر مقوقس نے بہت سارے ہدایا و تحائف خدمت رسالت میں نذر کیا تھا، جس میں دو باندیاں تھیں اور وہ سگی بہنیں تھیں، ایک کا نام سیرین اور ایک کا نام ماریہ تھا، جب یہ تحائف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیے گئے تو حضور نے "ماریہ" کو اپنے حرم میں داخل فرما کر ام المومنین کا درجہ عطا فرمایا، اور سیرین کو حضرت

حسان بن ثابت کو عطا فرمادیا۔ اس طرح ماریہ قبطیہ کے بطن اقدس سے حضور ﷺ کے صاحبزادے سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت سیرین کے بطن اقدس سے حضرت حسان بن ثابت کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن پیدا ہوئے۔ یوں حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم اور حضرت حسان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن دونوں خالہ زاد بھائی ہوئے۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۹، ابن اثیر جزری)

عشق رسول: اصابہ میں ابن حجر عسقلانی اور استیعاب میں ابن عبد البر قرطبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد مسجد نبوی شریف میں اشعار سنایا کرتے تھے، اسی طرح عشق رسول کی شمع روشن رکھنا ان کا مشغلہ بن گیا تھا۔ لوگ الفت رسول میں ان کے گرد جمع ہو کر عالم فرح وانبساط میں ان سے نعت پاک مصطفے سنا کرتے، اس طرح ایک روز آپ مسجد نبوی میں نعت پاک پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر مسجد نبوی کے پاس سے ہوا دیکھا کہ حضرت حسان عالم وجد وکیف میں ڈوب کر نعت مصطفے ﷺ پڑھ رہے ہیں، آپ نے ان کو منع کیا "أفي مسجد الرسول تنشد الشعر" کیا تم مسجد نبوی میں شعر خوانی کر رہے ہو؟ یہ سن کر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال میں آگئے اور بڑے جذباتی انداز میں ارشاد فرمایا: "قد كنت انشد و فيه من هو خير منك" میں تو آپ سے بہتر ہستی کے سامنے اسی مسند میں اشعار سنایا کرتا تھا۔ (اصابہ، ج:۲، ص:۵۶۔ استیعاب، ج:۱، ص:۴۰۳)

مطلب یہ تھا کہ جب میں بارگاہ رسول میں نعت خوانی کرتا تھا، وہ مجھ کو منع نہیں فرماتے تھے تو اے عمر! آپ منع کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ یہ جواب سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموشی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

جہاد باللسان: زمانہ جاہلیت کے شعرا کا حال یہ تھا کہ اگر کسی کو شہرت وناموری کے ذروۂ کمال تک پہنچانا چاہتے تو اس کا مدحیہ قصیدہ لکھ کر عام کر دیا جاتا اور کسی کو قعر مذلت میں گرانا ہوتا تو اس کے خلاف ہجو کے اشعار لکھ کر جاری کر دیا جاتا، غرض یہ کہ معاشرے میں ترقی وتنزلی کا ڈور اس عہد کے شعرا کے ہاتھ میں ہوتا، وہ جس کی تعریف کرتے، وہی عزیز رہتا اور جس کی توہین کرتے وہ ذلیل ورسوا ہوتا۔

مشرکین مکہ نے رسول اکرم ﷺ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، مکہ کے بڑے بڑے شعرا نبی رحمت کی شان اقدس میں ہجو کے اشعار لکھتے اور اسے گلی کوچوں میں باندیوں کے ذریعے پڑھوایا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن خطل، ابوسفیان بن حارث، عبد اللہ بن زبعری، عمرو بن العاص اور ضرار بن خطاب جیسے لوگوں کا مشغلہ ہی یہی تھا کہ وہ ہر گھڑی حضور ﷺ کے خلاف اشعار تیار کرتے رہتے اگرچہ بعد میں ان میں سے بعض مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مشرکین کی ان حرکتوں سے مسلمان بہت دل گرفتہ تھے، ایک روز لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ مشرکین کے جواب میں ہجو لکھیں، حضرت علی نے جواب دیا: "ان أذن لي رسول الله ﷺ فقلت" حضور ﷺ کا ارشاد ہو تو میں آمادہ ہوں۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: "علی اس کام کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اس کام کو انصار کریں گے جنھوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے، حضرت حسان بن ثابت نے اپنی زبان پکڑ کر کہا "والله ما يسرني به مقول بين بصرى و

صنعاء" قسم ہے اللہ کی کہ مجھے بصریٰ اور صنعا کے درمیان اس بات (مشرکین کی ہجو کے جواب) سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی بات نہیں"۔ (الاستیعاب، ج:۱، ص:۴۰-۴۱۔ اسد الغابہ، ج:۲، ص:۶)

پھر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کے خلاف ایسے اشعار پیش کیے کہ ان کے دانت کھٹے ہوگئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے "استأذن حسان بن ثابت رسول الله صلی الله علیه و سلم فی هجاء المشرکین، فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم فکیف بنسبی؟ فقال حسان لاسلّنك منهم کما تسل الشعرة من العجین." (بخاری شریف، ج:۲، ص:۹۰۸-۹۰۹، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے مشرکوں کی ہجو کا جواب دینے کے لیے اجازت مانگی، حضور نے فرمایا: تم میرے نسب کو کیسے بچاؤ گے؟ (جن کی تم ہجو کرو گے میں اور وہ دونوں ایک خاندان کے ہیں تو تم کس طرح سے ان کی ہجو کرو گے کہ اس کی ضرب صرف انھیں پر پڑ سکے) حضرت حسان عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! میں آپ کو ان کے درمیان سے اس طرح بچاؤں گا جیسے گندھے آٹا سے بال کھینچ لیا جائے۔

اسلام قبول کرنے سے قبل ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو کی تو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا منہ توڑ جواب دیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسبی محاسن وفضائل کو بڑے ہی اچھوتے انداز میں اجاگر کیا۔ اسکے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) هجوت محمدا فاجبت عنه — و عند الله فی ذلك الجزاء
(۲) اتهجوه و لست له بكفءٍ — فشر کما لخیر کما الفداء
(۳) فان ابی و والده و عرضی — لعرض محمد منکم وقاءٍ
(٤) لسانی صارم لا عیب فیه — و بحری لا تکدره الدلاء

ترجمہ: (۱) تونے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا، اس کا بدلہ اللہ ہی کے پاس ہے۔

(۲) تم لوگ ان کی ہجو کرتے ہو حالاں کہ تم ان کے کفو نہیں ہو۔ تو تم میں اکا بر اس پر فدا ہو جائے جو تم میں سے بہتر ہے۔

(۳) بے شک میرے باپ دادا اور میری عزت، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت کے تحفظ کے لیے ہیں۔ تمھارے مقابلے میں ڈھال ہے۔

(۴) میری زبان کھینچی ہوئی تلوار ہے کہ جس میں کوئی عیب نہیں اور میرا سمندر وہ سمندر ہے جس کو کوئی ڈول گدلا نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جزاك الله، علی الله الجنة (اللہ اس کا بدلہ تجھے جنت عطا فرمائے) (پچاس صحابہ، ص:۵۶۷)

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دل کے اعتبار سے فطرۃً کمزور تھے اس لیے کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئے۔ ابن اثیر "اسد الغابہ" میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ "غزوہ خندق میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عورتوں کے ساتھ قلعہ میں تھے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب بھی اسی قلعہ میں تھیں، ایک یہودی نے قلعہ کے گرد چکر لگایا، حضرت صفیہ کو اندیشہ ہوا

کہ اگر یہودیوں کو اطلاع ہوگئی تو بڑی مشکل پیش آئے گی (کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد میں مشغول تھے) انھوں نے حضرت حسان سے کہا کہ اس کو مارو، ورنہ یہود کو جاکر خبر کر دے گا۔ حضرت حسان نے جواب دیا تمھیں معلوم ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ حضرت صفیہ نے یہ جواب سن کر خود خیمہ کی چوپ اٹھائی اور مردانہ وار نکل کر مقابلہ کیا۔ اس یہودی کو قتل کرنے کے بعد حضرت حسان سے بولی: اب جاکر اس کا سامان اتار لاؤ! بولے مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

(اسد الغابہ، ج:۱، ص:۹۰۸)

فضائل و کمالات: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، آپ کی دینی و علمی خدمات تاریخ اسلام کا ایک اہم باب ہے۔ آپ کے بہت سے فضائل کتب و تاریخ میں درج ہیں ان میں سے کچھ سپرد قرطاس کر رہا ہوں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرف و کرامت کے لیے اتنا کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا تھا جس پر آپ کھڑے ہوکر مدح مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رطب اللسان رہتے۔ ابوداؤد شریف میں ہے۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يضع لحسان منبرا فى المسجد فيقوم عليه يهجو من قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و سلم إن روح القدس مع حسان ما نافع عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم.

(ابوداؤد شریف، ج:۲، ص:۶۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر کھڑے ہوکر ان لوگوں کے ہجو کا جواب دیا کرتے جن لوگوں نے حضور کی شان میں نازیبا الفاظ کہے ہوتے۔ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ جب تک حسان رسول اکرم کی مدافعت کرتے رہیں گے حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہیں۔

حضرت براء بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسان کو ان الفاظ میں دعا دی "اهجم أو هاجهم و جبريل معك" (مشرکین کو ان کی ہجو کا جواب دو، جبرئیل تمھارے ساتھ ہیں)

(بخاری شریف، ج:۲، ص:۹۰۹)

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند حدیثیں بھی روایت کی ہیں ان کے راویوں میں حضرت براء بن عازب، سعید بن مسیب، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، عروہ بن زبیر، ابوالحسن مولی بنو نوفل، خارجہ بن زید بن ثابت، یحیٰ بن عبد الرحمن بن حاطب اور دیگر حضرات ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی، ج:۲، ص:۲۳۱، دار الفکر، بیروت)

وفات: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے سلسلہ میں تین اقوال ہیں۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ۴۰ھ سے پہلے وفات ہوئی (۲) ۵۰ھ میں وفات ہوئی۔ (۳) ۵۴ھ میں وفات ہوئی۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۹۔ استیعاب، ج:۱، ص:۴۰۶۔ اصابہ، ج:۲، ص:۵۶)

من أهل الفتوى

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت ۵۹۳ء.....وفات ۶۷۲ء

احمد رضا نورانی، سیتامڑھی، جماعت: فضیلت ۹۷۹۵۲۳۷۸۷۱

اسم گرامی: ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

والد کا نام: حارث بن حزن

لقب: ام حفید، ام عتیق

سلسلۂ نسب: میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہرم بن روبیہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عامر ابن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر۔

والدہ کا نام: ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ تھا اور وہ قبیلہ بنی حمیر سے تعلق رکھتی تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قبیلہ کنانہ سے تھیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۱۲۰، فقیہ ابن عبد البر النمری، مکتبہ شاملہ سافٹ ویر)

ولادت: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سن ولادت ۲۹/ قبل ہجرت ۵۹۳ء ہے۔ آپ کا اصلی نام "برہ" تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام "میمونہ" رکھ دیا۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نکاح میں آنے سے قبل کس کے نکاح میں تھیں؟ اس سے سلسلے میں کئی اقوال ملتے ہیں: حضرت زہری ابن اسحاق اور حضرت ابو عبیدہ معمر بن مثنی علیہم الرحمۃ والرضوان کا قول ہے کہ وہ پہلے ابو رہم بن عبد لعزی بن عبدود بن مالک بن حسل، بن عامر، بن لوی قرشی عامری زوجیت میں تھیں۔ جبکہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ پہلے فروہ بن عبد العزی بن اسد بن غنم بن دودان کے نکاح میں تھیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ سنجرہ بن ابو رہم کی زوجہ تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حویطب بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ (امہات المومنین، ص:۲۴۰، ممتاز عالم مصباحی، ۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲ء)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کی تفصیل: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۷/ھ میں غزوۂ خیبر سے فراغت کے بعد ماہ ذیقعدہ میں عمرۂ قضا کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اسی موقع پر ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مقام "سرف" میں (جو کہ مکہ مکرمہ سے محض دو میل کے فاصلے پر ہے) نکاح فرمایا۔ یہ نکاح کس طرح عمل میں آیا اس سلسلے میں دو طرح کے اقوال ملتے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جعفر بن ابو طالب کے ذریعے جن کے نکاح میں حضرت میمونہ □ کی بہن اسما بنت عمیس تھیں، ان کے پاس نکاح کا پیام بھیجا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ معاملہ حضرت عباس بن عبد المطلب کے سپرد کر

دیا،اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کا پیام نہیں بھیجا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی:

"أن ميمونة بنت الحارث قد تأيمت من أبو رهم بن عبد العزى،هل لك أن تزوجها؟ فتزوجها رسول الله ﷺ" (اسد الغابۃ، ج:۷، ص:۲۶۳، عزالدین ابن الاثیر ابوحسن علی بن محمد جوزی، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: میمونہ بنت حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ابورہم بن عبد العزی سے بیوہ ہو چکی ہیں۔کیا آپ ان سے شادی کریں گے؟تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرلی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیام پہنچا تو انہوں نے اپنے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔منقول ہے کہ وہ اونٹ پر سوار تھیں، انہوں نے کہا:"ألبعير وما عليه لله و لرسوله" اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

"وامرأة مومنة إن وهبت نفسها للنبي" (قران کریم، پارہ:۲۲، سورہ:احزاب، آیت:۵۰)

اجتہادی شان: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت بڑی فقیہہ تھیں۔مندرجہ ذیل احادیث کریمہ سے ان کی شان عیاں ہیں۔

"عن إبن عباس عن ميمونة زوج النبي ﷺ قالت توضأ رسول الله ﷺ وضوءه للصلاة غير رجليه و غسل فرجه وما أصابه من الأذى ثم أفاض عليه الماء ثم نحى رجليه فغسلهما هذه غسله من الجنابة"

ترجمہ: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہ فرماتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جیسا وضو فرمایا سوائے پاؤں دھونے کے اور اپنے شرمگاہ کو دھویا اور جہاں کہیں نجاست لگی تھی اس کو دھویا، پھر اس پر پانی بہایا، غسل سے فراغت کے بعد اس جگہ سے الگ ہو گئے پھر دونوں پاؤں کو دھویا اور یہ غسل جنابت تھا۔

(بخاری شریف، ج:۱، ص:۳۹، محمد ابن اسمٰعیل بخاری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

اس حدیث سے ان کی اجتہادی شان اس طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ جب کوئی شخص ایسی جگہ غسل کر رہا ہو جہاں ماء مستعمل جمع ہوتا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نماز جیسا وضو کرے اور پاؤں نہ دھوئے بلکہ اس جگہ سے الگ ہو کر بعد میں دھولے۔

"حدثنا مسدد عن خالد قال حدثنا سليمان الشيباني عن عبد الله بن شداد عن ميمونة قالت كان رسول الله ﷺ يصلي وأنا حذاءه وأنا حائض وربما أصابني ثوبه إذا سجد .قالت وكان يصلي على الخمرة"

ترجمہ: عبد اللہ بن شداد نے میمونہ سے روایت کی وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے، میں آپ کے مقابل ہوتی اور میں حائضہ ہوتی۔بسا اوقات سجدہ کی حالت میں آپ کا کپڑا مجھ پر پہنچ جاتا۔وہ فرماتی ہیں کہ آپ چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔(بخاری شریف، ج:۱، ص:۵۵، محمد بن اسمٰعیل بخاری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

مذکورہ حدیث سے حضرت میمونہ کی اجتہادی شان اس طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ جب کسی نمازی کا کپڑا کسی حائضہ کے بدن سے لگ جائے تو اس سے نہ تو نماز فاسد ہوگی اور نہ ہی کپڑا نجس ہوگا۔

"حدثنا أبو النعمان قال حدثنا الشيباني قال حدثنا عبد الله بن شداد قال سمعت ميمونة كان رسول الله ﷺ إذا أراد أن يباشر أمرأة من نسائه أمرها فاتزرت وهي حائض".

ترجمہ: عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ میں نے میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی عورتوں میں سے کسی حائضہ زوجہ محترمہ سے مباشرت کا ارادہ فرماتے تو ان کو حکم دیتے کہ وہ اپنا ازار باندھ لیں۔

(بخاری شریف، ج:۱، ص:۴۴، محمد بن اسمٰعیل بخاری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

اس حدیث پاک سے حائضہ عورت سے مباشرت کے جواز پر آپ نے استدلال فرمایا کہ حیض کی حالت میں بھی ازار کے اوپر سے استمتاع جائز ہے۔

ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں اس حال میں آئے کہ سر کے بال بکھرے ہوئے تھے پوچھا: بیٹا پراگندہ چہرہ کیوں ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عباس نے کہا: میری بیوی ایام کی حالت میں ہے، وہی میرے سر میں کنگھا کرتی تھی، لیکن اب اس حالت میں ہونے کی وجہ سے میں نے اپنا یہ کام اس سے مناسب نہ سمجھا۔ حضرت میمونہ نے فرمایا واہ بیٹے کبھی ہاتھ بھی ناپاک ہوتے ہیں؟ میں اس حالت میں ہوتی تھی اور رسول کریم ﷺ میری گود میں سر رکھ کر لیٹتے اور قران پڑھتے اور میں ایسی حالت میں مصلیٰ اٹھا کر مسجد میں رکھ دیا کرتی تھی۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۶، ص:۳۳۱، مکتبہ دار الفکر)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں جو احادیث کی مختلف کتابوں کی زینت ہیں۔

حضرت ام المومنین اور میدان جنگ:

"حضرت شیخ محمد محمود صوّاف لکھتے ہیں کہ حضرت میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) غزوہ تبوک میں شریک ہوئی تھیں اور وہاں زخمیوں کی مرہم پٹی اور پانی پلانے کی خدمت انجام دے رہی تھیں۔ علامہ موصوف مزید آگے لکھتے ہیں: حضرت میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے میدان جنگ میں زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے لیے خواتین کی ایک جماعت تیار کی تھیں۔ دوران جہاد ان کو ایک تیر بھی لگا تھا جس سے وہ شدید طور زخمی ہوگئی تھیں۔ (ضیاء النبی، ج:۷، ص:۵۱۷، پیر محمد کرم شاہ ازہری، المجمع المصباحی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

وفات: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی آخری زوجہ ہیں ان کے بعد حضور ﷺ نے کسی دوسری عورت سے عقد نہ فرمایا، آپ کے سال وفات کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین نے سن وفات ۶۶ھ لکھا، بعض مؤرخین نے ۶۳ھ کو ترجیح دی ہے۔ مگر قول مشہور یہ ہے کہ ۵۱ھ مطابق ۶۷۲ء میں مقام "سرف" میں آپ نے وفات پائی، جہاں حضور نے شب زفاف فرمایا تھا۔ (ازواج مطہرات، ص:۱۰۶، ۲۰۰۰ء)

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کی وفات ۸۱ یا ۸۸ء میں ہوئی۔

(الطبقات الکبری، ج:۳، ص:۱۱۱، محمد بن سعد ہاشمی بصری، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتارا۔

من أهل الفتوى

حضرت ابوامامہ باہلی صدی بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۶۰۵ء۔وفات:۷۱۱ء۔۸۶ھ

محمد شفاء المصطفیٰ شفا، سیتامڑھی، جماعت: سادسہ ۸۶۸۷۲۴۸۲۳۰

اسم گرامی: صُدَیّ، **کنیت:** ابوامامہ۔ **والدِ گرامی:** عجلان۔

سلسلۂ نسب: صدی بن عجلان بن وہب بن عریب بن ریاح بن حارث بن معن بن اعصر الباھلی۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۳، ص:۳۳۹، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۲۰۰۲ء)

اسم مبارک سے متعلق ایک فروگذاشت کا تدارک:

اس مقام پر یہ وضاحت کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نام ''صدی'' ہے۔ (صاد پر ضمہ، دال پر فتحہ اور یاے مشدد کے ساتھ)۔ لیکن زیادہ تر لوگ غلطی سے ''صُدَیّ'' کے بجائے ''صُدِّی'' (صاد پر ضمہ، دال پر تشدید اور کسرہ، اور یاے ساکن کے ساتھ) لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بلکہ بہت سے ارباب سیر و تواریخ سے بھی یہ فروگذاشت ہوگئی ہے۔ اور انھوں نے بھی آپ کا نام بجائے ''صُدَیّ'' کے ''صُدِّیْ'' لکھ دیا ہے، جب کہ یہ مبنی بر تسامح ہے۔ کیوں کہ آپ کا نام دراصل ''صُدَیّ'' ہی ہے نہ کہ ''صُدِّی''۔ اس کے لیے ذیل میں چند شواہد پیش کیے جارہے ہیں، جن سے قارئین پر یہ حقیقت پورے طور سے منکشف ہوجائے گی کہ آپ کا اسم مبارک ''صُدَیّ'' ہے نہ کہ ''صُدِّی''۔

(۱) سب سے پہلی بات جو اس بارے میں عرض کرنی ہے وہ یہ کہ لفظ ''صدی'' کی حقیقت کیا ہے؟ تو سنیے! لفظ ''صُدَیّ'' یہ تصغیر کا صیغہ ہے، جو کہ ''فُعَیْلٌ'' کے وزن پر ہے۔ کیوں کہ لفظ ''صدی'' یہ ''صَادٍ'' (بمعنی سخت پیاسا) اسم فاعل کی تصغیر ہے۔ اور ''صَادٍ'' یہ تین حرفی اسم ہے۔ اور تین حرفی اسم کی تصغیر ''فُعَیل'' کے وزن پر آتی ہے۔

(قواعد الصرف، حصہ دوم، ص:۶۸، مولانا نظام الدین مصباحی، مطبوعہ مجلس برکات، اشاعت: اول ۲۰۱۲ء)

لہٰذا معلوم ہوا کہ ''صدی'' بھی فُعَیل'' کے وزن پر ہے۔ کیوں کہ یہ بھی تین حرفی اسم کی تصغیر ہے۔ جب اتنی بات ثابت ہوگئی، تو اس سے یہ بھی مسئلہ حل ہوگیا کہ آپ کا اسم مبارک ''صُدَیّ'' ہی ہے نہ کہ 'صُدِّیْ''۔

پھر یہ بھی کہ لفظ ''صُدَیٌّ'' ہی ''فُعَیْل'' کے وزن پر بالکل کھرا اترتا ہے، برخلاف ''صُدِّیْ کے، کہ یہ ''فُعَیل'' کے وزن پر بالکل کھرا نہیں اترتا۔ اس لیے کہ ''فُعَیل'' کے وزن پر آنے کے لیے چند شرائط ہیں، جو لفظ ''صُدِّیْ'' میں نہیں پائے جاتے۔ ''فُعَیل'' کے وزن پر آنے کے لیے درج ذیل تین شرائط ہیں:

(۱) پہلے حرف پر ضمہ ہو۔ (۲) دوسرے حرف پر فتحہ (۳) اور تیسرا حرف یاے ساکن ہو۔ (قواعد الصرف ایضًا)

اور لفظ ''صُدِّیْ'' میں مذکورہ بالا شرائط میں سے صرف ایک ہی شرط پائی جاتی ہے کہ اس کے پہلے حرف پر ضمہ ہے۔ رہی بات دوسری اور تیسری شرط کی تو یہ دونوں شرطیں یہاں مفقود ہیں۔ اس لیے کہ اس کے دوسرے حرف پر سکون اور تیسرے حرف پر کسرہ ہے، جب کہ دوسرے حرف پر فتحہ اور تیسرا حرف یاے ساکن ہونا چاہیے تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کا نام ''صُدِّیْ'' نہیں بلکہ ''صُدَیّ'' ہے، کیوں کہ اس میں تمام شرائط پائے جاتے ہیں۔ کما لا یخفی۔

(۲) دوسری بات یہ کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں اعراب کے ساتھ آپ کا نام ''صُدَیّ'' ہی لکھا ہے۔ اسی طرح ''تقریب التہذیب'' میں بھی انھوں نے اعراب کے ساتھ ''صُدَیّ'' لکھا ہے۔ اور دونوں جگہوں پر انھوں نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ لفظ ''صدی'' یہ تصغیر کا صیغہ ہے۔ اور آپ نے گذشتہ سطور میں بالتفصیل پڑھ لیا کہ تصغیر کی صورت میں ''صُدَیّ'' ہی ہوگا نہ کہ ''صُدِّیْ''۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج:۳، ص:۳۳۹، مطبع سابق۔ تقریب التھذیب، علامہ ابن حجر عسقلانی القسم الاول۔ ص:۲۵۴، دار الفکر للطباعۃ والنشر، طبع اول: ۱۴۱۵ھ)

اس پر سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ صاحب مشکات شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب نے ''الاکمال فی أسماء الرجال'' میں آپ کا نام ''صدی'' لکھ کر اس کا اعراب بھی بیان کر دیا ہے۔ چناں چہ لفظ ''صدی'' کا اعراب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''(صدی) بضم الصاد و فتح الدال المھملة و تشدید الیاء'' یعنی لفظ ''صدی'' یہ صاد پر ضمہ، دال پر فتحہ اور یاے مشدد کے ساتھ ''صُدَیّ'' ہے۔

(الاکمال فی أسماء الرجال، مشمولہ مشکات المصابیح، ص:۵۸۶، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، سن طباعت: ۲۰۰۶ء)

مذکورہ بالا سطور سے قارئین پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہوگئی کہ آپ کا اسم مبارک ''صُدَیّ'' ہی ہے نہ کہ ''صُدِّیْ''۔ لہذا ''صُدِّیْ'' لکھنے پڑھنے والوں کو اپنے اس تسامح پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

ھذا ما ظھر لی، و اللہ أعلم بالصواب، و إلیه الملجأ و المآب، و لا علم لنا إلا ما وھبه الوھاب.

تاریخ و سیر اور طبقات کی معتبر و مستند کتابوں میں ہمیں اس نام کے کوئی اور صحابی نہ مل سکے۔ شاید آپ تن تنہا ''صدی'' نام کے صحابی گزرے ہیں۔ اگر حقیقت اس کے برعکس ہے تو مجھے اس سے مطلع کیا جائے، میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔ البتہ آپ کے ہم کنیت بہت سے صحابہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ انصاری، ابوامامہ أسعد بن زُرَارہ بن عدس، ابوامامہ اسعد بن سہل انصاری اور ابوامامہ فزاری وغیرہ۔ لیکن آپ ''ابوامامہ باہلی'' سے مشہور تھے، اس طرح سے آپ میں اور ان لوگوں میں کوئی التباس بھی نہیں رہ جاتا، کہ آپ اپنی کنیت سے اتنے متعارف تھے کہ آپ کا اصل نام پردۂ خفا میں چلا گیا۔

(ملخصًا الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، ج:۴، ص:۱۶۳-۱۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعة الثانیة: ۲۰۰۲ء)

خاندانی پس منظر: آپ رضی اللہ عنہ مضری قبیلہ ''باہلہ'' کے تھے۔ ''باہلہ'' اصل میں ایک عورت کا نام ہے، جو ہمدان کی

تھی۔ اس کے شوہر کا نام "معن بن مالک بن اعصر" تھا۔ لیکن اس کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہونے کے بجائے، اسی کی طرف منسوب ہوئی اور "باہلی" کہلائی۔ آپ بھی اسی قبیلے کے تھے، اس لیے آپ بھی "باہلی" کہلائے۔

شروع شروع میں یہ قبیلہ نہایت گھٹیا اور خسیس سمجھا جاتا تھا۔ خساست و رذالت میں یہ قبیلہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا۔ شرافت و انسانیت اور تہذیب و ثقافت کی اسے ہوا تک نہ لگی تھی۔ دیگر قبائل کے لوگ اس سے لین دین کو بھی عار سمجھتے تھے۔ تمام قبائلِ عرب نے اسے اپنا "کُفُو" تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اسی قبیلے میں ایک ایسے فرد نے جنم لیا، جس نے اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت سے پورے قبیلے کی کایا پلٹ دی، اور ایسے حکیمانہ اسلوب سے پورے قبیلے کی اصلاح کی کہ بہت جلد اس قبیلے کی بھی اپنی ایک الگ شناخت ہوگئی اور یہ ہر طرف عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اس انقلاب آفریں، تاریخ ساز اور شاہین صفت شخصیت کو دنیا "ابوامامہ باہلی" کہتی ہے۔

اس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و کمال کی ایک انوکھی جہت بھی اُجاگر ہوتی ہے۔ کیوں کہ عہد قدیم میں زیادہ تر ایسا ہی ہوتا تھا کہ انسان اپنے قبیلے کی وجہ سے کسی شرف و منزلت کا مستحق ہوتا تھا۔ لیکن آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ خود آپ کی وجہ سے آپ کے قبیلے کو شرف و منزلت اور عزت و شہرت ملی ہے۔ ذلك فضل الله يو تيه من يشاء.

(حاشیہ ہدایہ اولین، ص:۳۰۰، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور ۲۰۰۱ء)

ولادت باسعادت: آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کس سن میں ہوئی، اس سے متعلق کوئی واضح اور صریح قول نہیں مل سکا، البتہ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت آپ تقریباً پچیس سال کے کڑیل جوان تھے۔

تو گویا آپ کی ولادت صلح حدیبیہ سے پچیس سال قبل ہو چکی تھی، اور صلح حدیبیہ کا واقعہ ۶ھ مطابق ۶۳۰ء میں پیش آیا تھا۔ تو اس لحاظ سے آپ کی سنِ ولادت ۶۰۵ء نکلتی ہے۔

نیز مذکورہ سن ولادت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کی وفات ۸۶ھ مطابق ۷۱۱ء میں ہوئی ہے۔ اور روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے ایک سو چھ سال کی طویل عمر پائی تھی۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک سو چھ سال کی عمر طویل پائی تھی۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج:۳، ص:۳۴۰، مطبع سابق)

چناں چہ اس سے بھی صاف یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کی سن ولادت ۶۰۵ء ہے۔ کیوں کہ ۶۰۵ء کو سن ولادت ماننے میں ایک سو چھ سال بآسانی پورے ہو جاتے ہیں۔

آپ کی سن ولادت ۶۰۵ء ہونے پر سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اور آپ خود فرماتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع کے دن تیس سال کا تھا۔

(تہذیب التہذیب ج:۴، ص:۴۲۰، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار صادر بیروت، الطبعۃ الاولی: ۱۳۲۵ھ)

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۱۰ھ مطابق ۶۳۵ء میں حجۃ الوداع ادا کیا تھا۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی ولادت ۶۰۵ء میں ہوئی تبھی تو آپ حجۃ الوداع ۶۳۵ء میں تیس سال کے تھے۔ و الله تعالیٰ اعلم و علمه أكمل و أتم.

قبولِ اسلام: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس سن میں اسلام قبول کیا، اس سے متعلق روایتوں میں کچھ صراحت نہیں ملتی۔ البتہ اتنا تو ضرور ہے کہ آپ ۶ھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ اس لیے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ بھی حاضر تھے اور آپ کو بھی ''بیعت رضوان'' کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ دونوں واقعہ ۶ھ میں پیش آیا تھا۔ تو اس موقع پر آپ کی حاضری اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اس سے پہلے ہی آپ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم.

غزوۂ احد میں شرکت: ۳ھ میں غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا تھا۔ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ ''اُحد'' نامی ایک پہاڑ کے درمیان درپیش ہوا، اسی لیے اسے اسی پہاڑ کی طرف منسوب کرکے ''غزوۂ اُحد'' کہا جانے لگا۔ حضرت ابوامامہ باہلی بھی اس غزوہ میں شریک تھے۔ اس روایت کو امام طبرانی نے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ احد میں شریک تھے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۳، ص:۳۳۹)

لیکن بعض لوگوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، اگر یہ روایت کسی حد تک صحیح ہے، تو اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ۳ھ ہی میں دامنِ اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے۔ تبھی تو آپ نے غزوۂ احد میں شرکت فرمائی تھی۔ و اللہ تعالیٰ اعلم. (تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۴۲۰، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار صادر بیروت، الطبعۃ الاولی:۱۳۲۵ھ)

بیعتِ رضوان کی سعادت سے سرفرازی: تاریخِ اسلام میں ''بیعت رضوان'' کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ''بیعت رضواں'' کے موقع پر جاں نثار صحابۂ کرام کا ایک جم غفیر تھا۔ انھیں جاں نثاروں اور وفاداروں میں ایک نام ''حضرت ابوامامہ باہلی'' کا بھی ہے۔ آپ نے بھی اپنی عقیدت و محبت، جاں بازی و سرفروشی کا ثبوت دیا، اور ''بیعت رضواں'' کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنا نام ابدی سعادت مندوں اور فیروز بختوں کی فہرست میں لکھوالیا۔

خدائے غافر و قدیر کو صحابۂ کرام کی اس جاں بازی و سرفروشی کا جذبہ اس قدر پسند آیا کہ اس نے اس بیعت کے تمام شرکا کو اپنی رضا و خوش نودی کا پروانہ عطا کر دیا۔ اور ان کو خوش خبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: (لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة) کہ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے والے تمام مسلمانوں سے راضی ہو گیا۔ اسی لیے اس بیعت کو ''بیعت رضواں'' یعنی رضا و خوش نودی کی بیعت کہا جاتا ہے۔

جب مذکورہ بالا آیت کریمہ کا نزول ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یارسول اللہ! میں بھی ''بیعت رضوان'' کی سعادت سے شرف یاب ہوا ہوں، کیا رضائے الٰہی کی خوش خبری میرے لیے بھی ہے؟ اس استفسار پر آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں اے ابوامامہ! ''أنت مني و أنا منك'' کہ اے ابوامامہ! یہ خوش خبری تمھارے لیے بھی ہے۔ بھلا ہو بھی کیوں نا! کہ تم تو مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس جواب سے حضرت ابوامامہ باہلی کے فضل و کمال میں چار چاند لگا دیا ہے۔ کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے۔ لیکن اگر دقتِ نظر سے کام لیا جائے، تو اسی چھوٹے سے جملے میں سب کچھ موجود ہے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج:۳، ص:۳۴۰، مطبع سابق)

فضل و کمال: حضرت سلیم بن عامر راوی ہیں کہ ایک شخص حضرت ابوامامہ باہلی کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوامامہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فرشتے داخل ہوتے، خارج ہوتے اور اٹھتے، بیٹھتے ہر وقت آپ کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے اگر چاہو تو وہ تمھارے لیے بھی استغفار کریں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: یٰا أیّھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً وسبحوہ بکرۃً و أصیلاً ○ ھو الذي یصلي علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات إلی النور وکان بالمؤمنین رحیما۔ (سورۃ الاحزاب پارہ:۲۲)

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۴، ص:۲۰۶، جمال الدین یوسف بن عبداللہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طبع اول:۲۰۰۴ء)

دعوت و تبلیغ: تاریخ کی ورق گردانی کریں تو بہت سے صحابہ کرام ایسے ملیں گے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی دعوت و تبلیغ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انھیں میں ایک صحابی "حضرت ابوامامہ باہلی" بھی ہیں۔ آپ نے بھی اپنی حیاتِ مستعار کو اسی مشغلہ عظیم کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے ایسے مبلغ وداعی تھے کہ خود سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے آپ کو دعوت و تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ جس دن آپ دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئے، اسی دن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو آپ ہی کے قبیلے میں دعوت و تبلیغ کے لیے مقرر کر دیا، چنانچہ آپ فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعمیل کے لیے اپنے قبیلے کی طرف چل پڑے۔ اہل قبیلہ کو آپ کے اسلام کی خبر ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ جیسے ہی وہاں پہنچے، سب نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ابھی یہ لوگ آپ پر لعن طعن کر ہی رہے تھے کہ ایک شخص ایک بڑے کاسے میں خون لے کر آیا، اور تمام حاضرین بڑے شوق سے کھانے لگے۔ انھوں نے آپ کو بھی بلایا، لیکن آپ نے انکار کر دیا، اور اہل قبیلہ کو بھی روکنے کی کوشش کی، اور باضابطہ اسی وقت سے آپ نے اسلام کی دعوت شروع کر دی۔ لیکن آپ کے قبیلے والے سخت گنوار تھے، اس لیے انھیں اسلام کی دعوت راس نہ آئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ آپ کے سخت مخالف ہو گئے، آپ کو ہر طرح سے ستانا شروع کر دیا، اور جور و جفا کی تمام حدیں پار کر دیں۔ آپ کے تئیں ان کی نفرت و عداوت اور قساوتِ قلبی اس حد تک بڑھ گئی کہ ایک مرتبہ آپ نے ان لوگوں سے پانی طلب کیا، تو سب نے دینے سے انکار کر دیا، اور یہ تلخ جواب دیا کہ تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ، مگر تم کو پانی کا ایک قطرہ نہیں مل سکتا، قوم کا یہ خشک جواب سن کر آپ سخت کبیدہ خاطر ہو گئے اور پیاس ہی کی حالت میں تپتی ہوئی ریت پر سو گئے۔ خواب میں ایک حسین و جمیل شخص نے آپ کو انتہائی لذیذ مشروب سے سیراب کر دیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ اس لذیذ مشروب کو پینے کے بعد مجھے کبھی پیاس کا احساس نہ ہوا۔

اس طرح سے آپ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ڈھائے گئے، پھر بھی آپ کا عزم و استقلال ذرہ برابر مضمحل نہ ہوا اور نہ ہی آپ نے اپنا مشن بند کیا۔ بلکہ ظلم و ستم پر صبر کر کے چٹان کی طرح اس میدان میں ڈٹے رہے۔ پھر ایک وہ دن بھی آگیا کہ آپ کی یہ تمام تر جد و جہد اور کاوشیں بارآور ہوئیں، اور اہل قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (مستدرکِ حاکم، ج:۴، ص:۸۴۶، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، طبع اول:۱۴۱۸ھ)

روایتِ حدیث: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابۂ کرام میں سے ہیں، جنھوں نے بکثرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ نیز آپ کو حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت ابو عبیدہ، حضرت معاذ، حضرت ابودرداا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایتِ حدیث کا شرف حاصل ہے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج:۳، ص:۳۳۹، مطبع سابق)

آپ کے مرویات کی مجموعی تعداد دو سو پچاس ہے۔ ان میں سے پانچ روایتیں بخاری میں اور تین روایتیں مسلم میں ہیں۔ اور کچھ روایتیں مشکات شریف میں بھی ہیں۔

(خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۱، ص:۵۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ:۲۰۰۱ء)

آپ سے تابعین عظام کی ایک جماعت نے بھی روایت حدیث کی ہے۔ آپ کے رُوات و تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن میں سے چند کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:

سلیم بن عامر خبایری، قاسم بن عبد الرحمٰن، ابوغالب حزوّر، محمد بن زیاد، شہر بن حَوشَب، خالد بن معدان اور سالم بن ابی الجعد وغیرہ۔ آپ کی زیادہ تر مرویات شامیوں کے پاس ہیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۲۸۹، یوسف بن عبد اللہ قرطبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، سن طباعت:۲۰۰۲ء)

شوقِ شہادت: حضرت رجا بن حیات راوی ہیں کہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گئے جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوے کی تیاری فرمارہے تھے، اور آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے حق میں شہادت کی دعا فرمادیجیے، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے لیے شہادت کی دعا نہ کی، بلکہ فرمایا: ”اللھم سلّمھم و غنّمھم...“ کہ اے اللہ! انھیں جنگ میں دشمنوں سے محفوظ رکھ اور مالِ غنیمت سے نواز۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج:۳، ص:۳۴۰ مطبع سابق)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت سے آپ رضی اللہ عنہ ایک سو چھ سال تک بقیدِ حیات رہے۔

حجۃ الوداع میں شرکت: ۱۰ھ میں آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری حج کے لیے روانہ ہوئے، یہ حج صفحۂ تاریخ پر ”حجۃ الوداع“ کے نام سے ثبت ہے۔ اس موقع پر تمام عرب شرفِ ہم رکابی کے لیے امنڈ پڑا تھا۔ عقیدت مندوں کا ایسا ہجوم تھا کہ ان کی اک صدائے بازگشت سے دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔ انھیں عقیدت مندوں کی قطار میں حضرت ابوامامہ باہلی بھی تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع میں شریک تھا اور اس وقت میری عمر تیس سال تھی۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج:۴، ص:۲۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ:۲۰۰۴ء)

حدیث پاک کی نشر و اشاعت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابِ زندگی کا سب سے جلی عنوان حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت ہے۔ آپ کو حدیث پاک کی ترویج و اشاعت سے خاص دلچسپی تھی۔ جہاں آپ چند لوگوں کو اکٹھا دیکھتے، موقع کو غنیمت جانتے ہوئے، وہاں حدیث پاک سنانے کے لیے پہنچ جاتے۔ آپ جس مجلس میں بھی تشریف فرما ہوتے، اسے حدیث پاک کی خوشبوؤں سے معطر کردیتے، حضرت سلیم بن عامر راوی ہیں کہ جب ہم لوگ حضرت ابوامامہ کے پاس بیٹھتے، تو وہ ہم کو حدیث

کی اہم باتیں سناتے اور کہتے: ان کو سنو، سمجھو اور جو سنتے ہو دوسروں تک پہنچاؤ۔

(مسندِ دارمی، ج:۱، ص:۴۵۶، الامام الحافظ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی، دار المغنی للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولی:۲۰۰۰ء)

صرف اتنا ہی نہیں کہ آپ حدیث پاک کی نشر و اشاعت کیا کرتے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی حدیث پاک کی ترویج و اشاعت پر برانگیختہ کیا کرتے۔ جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ آپ حاضرینِ مجلس سے فرمایا کرتے تھے کہ جتنا سنتے ہو دوسروں تک پہنچا دو۔ یوں ہی علامہ ابن سعد نے بھی "الطبقات الکبری" میں لکھا ہے کہ آپ حاضرینِ مجلس سے فرمایا کرتے تھے کہ ہماری یہ مجلسیں تمھارے لیے خدائی تبلیغ گاہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے جو احکام ہمارے لیے بھیجے گئے ان کو آپ نے ہم تک پہنچا دیا، اب تم لوگ ہم سے جو اچھی باتیں سنو، ان کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ (الطبقات الکبری، ج:۷، ص:۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی:۱۴۱۸ھ)

اسی طرح حضرت سلیمان بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مکحول اور ابوزکریا کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سننے کے لیے گیا۔ حدیث پاک سنانے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے یہ بات تم تک پہنچانے کا حکم دیا تھا تو میں نے تم تک پہنچا دیا۔ اور اب تم دوسروں تک پہنچاؤ۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۱۶، عزالدین علی بن محمد جزری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ:۲۰۰۳ء)

جنگ صفین میں شرکت: ۳۷ھ میں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ وہ جنگ تاریخ اسلام میں "جنگِ صفین" کے نام سے مشہور ہے۔ کیوں کہ یہ جنگ "میدانِ صفین" میں واقع ہوئی تھی۔ لہٰذا اسے "جنگ صفین" کہا جانے لگا۔ حضرت ابوامامہ باہلی بھی اس جنگ میں شریک تھے۔ اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

(الطبقات الکبری ج:۷، ص:۲۸۸، مطبع سابق)

وصال پر ملال: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شروع شروع میں مصر میں رہا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں آپ نے شام کے شہر "حِمص" میں مستقل اقامت اختیار کر لی تھی۔ اور ۸۶ھ مطابق ۷۱۱ء میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں آپ کا یہیں وصال ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کا وصال قریہ "دنوہ" میں ہوا۔ "دنوہ" یہ "حمص" سے دس میل کی دوری پر واقع ایک گاؤں ہے۔

عبدالصمد بن سعید قاضی فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "حِمص" میں ہی رہتے تھے۔ لیکن آخری عمر میں آپ کو سلسلِ بول کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ والیِ شہر سے اجازت لے کر "دنوہ" چلے گئے، اور وہیں آپ کا وصال ہو گیا۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج:۴، ص:۲۰۷، مطبع سابق)

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ملک شام میں آپ آخری صحابی رہ گئے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد ملکِ شام صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے محروم ہو گیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج:۲، ص:۲۹۰، مطبع سابق)

اس مقام پر یہ بھی واضح رہے کہ آپ کی سن وفات سے متعلق روایتوں میں دو قول ملتے ہیں۔ ایک ۸۶ھ اور دوسرا قول ۸۱ھ کا۔ لیکن ان دونوں میں سے پہلا قول صحیح اور حق سے قریب معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ "مستدرک حاکم" میں خلیفہ شباب بن

خیاط نے آپ کی سن وفات ۸۶ھ بیان کیا ہے۔ خلیفہ شباب کے اس قول پر امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ نگاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و قول خلیفة فی وفاته هو الراجح، و قیل: توفی سنة إحدیٰ و ثمانین، و الأول أثبت“

یعنی آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سے متعلق خلیفہ شباب ہی کا قول راجح ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ۸۱ھ میں وفات پائی، لیکن پہلا ہی قول زیادہ صحیح اور اثبت وارجح ہے۔ (حاشیہ مستدرکِ حاکم ج:۴، ص:۸۴۶، دار المعرفۃ، بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی:۱۴۱۸ء)

نیز اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ زیادہ تر روایتوں میں آپ کی سنِ وفات ۸۶ھ ہی ملتی ہے۔ کچھ ہی روایتوں میں آپ کی سن وفات سے متعلق ۸۱ھ کا قول کیا گیا ہے۔ اور جہاں بھی ۸۱ھ قول ہے، ہر جگہ اسے کلمۂ تمریض ”قِیْلَ“ کے ذریعے بیان کیا گیا ہے؛ جس سے یک گونہ اس قول کے ضعف کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک سو چھ سال کی عمرِ طویل پائی تھی۔ مگر علامہ ابن سعد نے ”الطبقات الکبریٰ“ میں لکھا ہے کہ آپ کی عمر ۶۱/ برس تھی۔ (الطبقات الکبری ج:۷، ص:۲۸۸، مطبع سابق)

حالاں کہ یہ واقع کے سراسر خلاف ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ آپ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ آپ کی ولادت عہدِ رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ اور آپ کو صحابیت کا بھی شرف حاصل تھا۔ لہٰذا علامہ ابن سعد کا قول مبنی بر تسامح اور ناقابل اعتنا ہے۔ اس لیے کہ اگر ان کے قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بہت ساری خرابیاں لازم آئیں گی۔ اور سب سے بڑی خرابی یہ لازم آئے گی کہ آپ کا صحابی نہ ہونا ثابت ہوگا، جب کہ اہل علم و تحقیق کے نزدیک آپ کی صحابیت مسلم ہے، جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اسی طرح بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی کل عمر ۹۱/ سال تھی۔ جیسا کہ ”الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب“ اور ”معرفۃ الصحابہ“ میں ہے کہ آپ نے ۹۱/ سال کی عمر پائی تھی۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج:۲، ص:۲۹ مطبع سابق۔ کمعرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۱۵۵ ابونعیم اصبہانی، طبع اول:۲۰۰۲ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

مگر یہ بھی قول تسامح سے خالی نہیں ہے۔ چناں چہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”قلت: لا یستقیم هذا القدر من سنه مع قوله أنه کان یوم حجة الوداع ابن ثلاثین سنة، بل مقتضاه أن یکون جاوز المائة بست أو اکثر“

یعنی علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کل عمر شریف سے متعلق ۹۱/ سال کا قول کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ آپ نے خود فرمایا تھا کہ حجۃ الوداع کے دن میں تیس سال کا تھا، تو آپ کا یہ قول اس بات کا مقتضی ہے کہ آپ کی کل عمر ایک سو چھ سال یا اس سے زیادہ ہو۔ (تہذیب التہذیب ج:۴، ص:۴۲۰، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار صادر بیروت، الطبعۃ الاولی:۱۳۲۵ھ)

محمد سلمان رضا غوثی، شیوہر، جماعت: رابعہ ۷۳۷۶۲۸۰۸۶

نام: محمد، **کنیت:** ابو عبداللہ، ابو سعید

سلسلۂ نسب: آپ کا نسب پدری یہ ہے: محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن الخزرج بن عمرو بن مالک الاوسی الانصاری الحارثی ابو عبد الرحمن المدنی حلیف بنی عبد الاشہل۔

(اصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج:۲، ص:۲۸، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طبعۂ ثانیہ ۲۰۰۲ء)

ولادت: آپ ۲۲/ سال قبل بعثت نبوی پیدا ہوئے اور حضرت مصعب بن جبیر کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ آپ کی ولادت کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

ولد قبل البعثة باثنتين و عشرين سنه. (ایضا)

غزوات میں شرکت: آپ ان خوش نصیب صحابہ میں سے تھے جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور بڑی دلیری و پامردی کے ساتھ دشمن سے لڑتے رہے اور انھیں کیفر کردار تک پہنچایا۔

چناں چہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: حدثنا سليمان بن الأشعث: انه شهد بدر أو صحب النبي صلى الله عليه و سلم و هو أو لاده

آپ کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے کعب بن اشرف یہودی کو واصل جہنم۔ کیا کعب بن اشرف وہ شخص تھا جس نے جنگ بدر کے بعد کفار مکہ کو اپنے اشعار کے ذریعے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا۔

(تاریخ طبری، ج:۲، ص:۴۸۷، علامہ ابن جریر، دار الفکر)

چناں چہ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: و كان ممن ذهب الى قتل كعب بن الاشرف.

(الاصابہ، ج:۲، ص:۲۸، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

غزوہ قینقاع میں یہود کا مال وصول کرنے کی ذمہ داری آپ ہی کو دی گئی۔ غزوہ احد میں لشکر اسلام کی حفاظت کے لیے بھی آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ اور آپ پچاس آدمی کے مختصر قافلہ کے ساتھ تمام رات چکر لگاتے رہے اور قائدین اسلام کی حفاظت میں جان تک کی بازی لگادی۔ واقعہ نضیر جو کہ ۴ھ میں پیش آیا اس میں آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے پاس بھیجا

کہ وہاں جاکر یہ اعلان کر دو کہ وہ ہمارے شہر سے نکل کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ تم نے اللہ اور اس کے رسول سے دغا کی ہے لیکن وہ لوگ نہ مانے اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ بالآخر مسلمانوں نے انھیں شکست فاش دی، اس شکست کے بعد حضور نے محمد بن مسلمہ کو انھیں جلاوطن کرنے کا معاملہ سونپا اور آپ نے اس کام کو بخوبی انجام دیا۔

(استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۴۳۳، علامہ قرطبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

فضل و کمال: آپ کا شمار فضلا صحابہ میں ہوتا ہے چناں چہ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قال ابن عبد البر کان من فضلاء الصحابة: استخلفه النبی صی الله علیه و سلم علی المدینة فی بعض غزواته.

(اصابہ ج:۲، ص:۲۸، ۲۹)

ترجمہ: ابن عبد البر نے کہا: آپ فضلا صحابہ میں سے تھے آپ کو حضور ﷺ نے بعض غزوات میں مدینہ پر اپنا خلیفہ بنایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ ہی صدقات وصول کرتے اور گاہے بگاہے عمال اور حکام وغیرہ کی تحقیق و تفتیش کے لیے آپ کو رکھا گیا۔ چناں چہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: و هو کان صاحب العمال ایام عمر اذا شکی الیه عامل ارسل محمدا یکشف الحال و هو الذی ارسله عمر الی عماله لیاخذ شطر اموالهم.

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ جلد:۲، ص:۳۳، علامہ ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ترجمہ: آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں عمال کے نگراں تھے جب کسی عامل کی شکایت کی جاتی تو تحقیق حال کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ ہی بھیجے جاتے انھیں کو حضرت عمر نے عمال کے پاس بھیجا تھا کہ ان کے مال کا چوتھائی حصہ وصول کریں۔

حضرت محمد بن مسلمہ کے فضل و کمال کے حوالے سے مندرجہ ذیل عبارت بیان کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

چناں چہ علامہ ابن سعد فرماتے ہیں: عن الحسن ان رسول الله صلی الله علیه و سلم اعطی محمد بن مسلمة سیفا فقال: قاتل به المشرکین ما قوتلوا فاذا رایت المسلمین قد اقبل بعضهم علی بعض فات به احدا فاضرب حتی تقطعه ثم اجلس فی یاتیك ید حاطیه او منیه قاضیة.

ترجمہ: حسن سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو ایک تلوار عطا کی اور ارشاد فرمایا کہ اس کے ذریعے مشرکین سے قتال کرو۔ جب تک وہ قتال کریں پھر جب تم میری امت کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھو تو اس تلوار کو احد پہاڑ پر لاؤ اور اس پر مار دو یہاں تک کہ ٹوٹ جائے پھر اپنے گھر کو اختیار کرو حتی کہ شہید کیے جاؤ، یا تمہیں موت آجائے تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۳۳۸، علامہ ابن سعد، دار المعرفۃ بیروت، لبنان)

اسی طرح ایک جگہ اور علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: عن ضبیعة بن حصین الثعلبی قال: کنا جلوسا مع حذیفة فقال: انی لاعلم رجلا لاتنقصه الفتنة شیئا فقلنا: من هو؟ قال: محمد بن مسلمة الانصاری فلما مات حذیفة و کانت الفتنة خرجت فیمن خرج من الناس فاتیت أهل ماء فإذا أنا فسطاط مضروب متنجی تجر به الریاح فقلت لمن هذا الفسطاط؟ قالوا: لمحمد بن مسلمة فاتیته فاذا هو شیخ فقلت له: یرحمك الله

اراك رجلا من خيار المسلمين تركت بلدك و دارك و اهلك و جيرتك قال: تركته كراهية الشر.

ترجمہ: حضرت ضبیعہ بن حصین ثعلبی سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ہم حذیفہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حذیفہ نے کہا میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جسے فتنہ کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گا ہم نے پوچھا وہ شخص کون ہے؟ تو انھوں نے کہا وہ محمد بن مسلمہ انصاری ہیں (راوی فرماتے ہیں) جب حضرت حذیفہ کا انتقال ہوا تو لوگوں میں فتنہ ظاہر ہو چکا تھا۔ میں پانی پلانے والے لوگوں کے پاس آیا تو میں ایک ایسے خیمے کے پاس سے گزرا جسے ہوا تھپیڑے مار رہی تھی میں نے پوچھا یہ خیمہ کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا محمد بن مسلمہ کا ہے میں ان کے پاس آیا وہ ایک بزرگ آدمی تھے۔ میں نے ان سے کہا اللہ آپ پر رحم کرے۔ میں آپ کو مسلمانوں میں سب سے بہتر سمجھتا ہوں آپ نے اپنا شہر، گھربار، اہل و عیال اور پڑوسیوں کو چھوڑ دیا تو آپ نے کہا میں نے انھیں برائی کے خوف سے چھوڑ دیا۔ (الطبقات الکبری، ج:۲، ص:۳۳۹، علامہ ابن سعد، دار المعرفۃ بیروت، لبنان)

چنانچہ تاریخ میں آیا ہے کہ آپ نے جنگ جمل، صفین اور وہ تمام معرکے جو مسلمانوں کے درمیان ہوئے ان میں کسی بھی فریق کا آپ نے ساتھ نہ دیا۔

خدمات: آپ کے لیے یہ بہت بڑی سعادت مندی تھی کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت میں کئی برس رہے اور سیکڑوں حدیثیں بھی سنی لیکن آپ کی مرویات حدیثوں میں صرف ۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں اور آپ سے جن مشاہیر تابعین نے حدیثیں روایت کی ان کے اسمایہ ہیں:

حضرت ذویت، حضرت مسور بن مخرمہ، حضرت سہیل بن ابی حشمہ، حضرت ابوبردہ بن ابی موسی عروہ، حضرت اعرج، حضرت قبیصہ، حضرت ابن حصن (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص۴۵۵، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر)

اخلاق: آپ کے اخلاق میں دو چیزیں بہت نمایاں تھیں حب رسول اور فتنہ سے کنارہ کشی۔

احادیث کریمہ میں درک: حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ احادیث رسول کا بہت حد تک اہتمام فرماتے تھے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کی دادی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور میت میراث میں سے حصہ طلب کیا اس موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ کھڑے ہوئے اور بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صورت میں دادی کو چھٹے حصے کا مستحق بنایا ہے، حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ تمھارے علاوہ اور کون اس میراث سے واقف ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا میں اس معاملے کا گواہ ہوں۔

اسی طرح ایک موقع پر جب حضرت عمر نے عورت کے اسقاط حمل کی دیت کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اور آپ کے سامنے حدیث بیان کی گئ تو محمد بن مسلمہ نے اس کی توثیق کی۔

(السنۃ قبل التدوین، ص ۳۴۲، محمد عجاج الخطیب، مکتبۃ الوقفیہ)

حلیہ مبارک: قد دراز، بدن دہرا، رنگ گندم گوں، صحت مند اور سر کے بال آگے سے اڑے ہوئے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۳، ص:۴۳۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

اولاد: آپ کے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔

وفات: آپ کی وفات کے متعلق مؤرخین میں کافی اختلاف ہے۔ چنانچہ واقدی نے کہا محمد بن مسلمہ کی وفات شہر مدینہ میں ماہ صفر ۴۶ھ میں ہوئی اور مدائنی نے ۴۳ھ کا قول پیش کیا ہے اور ایک روایت میں ۴۷ھ کا ذکر ہے۔

لیکن راجح قول کے مطابق آپ نے ماہ صفر ۴۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ وقت وصال آپ کی عمر شریف ۷۷ر سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن حکم نے پڑھائی۔ جو مدینہ کا حاکم تھا۔

(طبقات ابن سعد ج:۲، ص:۳۱)

آپ کا مدفن: آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۲، ص:۴۳۰، علامہ ابو محمد عبد المالک، دار المعرفۃ بیروت، لبنان)

من أهل الفتوى

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۔۔۔وفات:۳۷ھ

محمد ریحان رضا تیغی، مظفر پور، جماعت: سابعہ Mob. 9936986188

نام و نسب : آپ کا نام: خبّاب، **والد گرامی کا نام :** ارت ہے۔ اور آپ کی کنیت کے حوالے سے کتابوں میں تین اقوال ہیں:

(۱) ابو عبداللہ (۲) ابو یحییٰ (۳) ابو محمد

سلسلۂ نسب: آپ کے نسب نامہ میں مورخین کا اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ وہ خزاعی ہیں، بعض نے کہا کہ وہ تمیمی ہیں اور راجح ترین قول یہ ہے کہ وہ تمیمی ہیں۔ ابو عمر یوسف قرطبی اپنی کتاب "الاستیعاب" میں رقم طراز ہیں: إختلف فی نسبه، فقیل: هو خزاعی، وقیل: هو تمیمی، ولم یختلف انه حلیف لبني زهره، والصحیح انه تمیمی النسب. یعنی ان کے نسب میں اختلاف کیا گیا ہے تو کہا گیا کہ وہ خزاعی ہیں اور کہا گیا کہ وہ تمیمی ہیں اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ بنی زہرہ کے حلیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے تمیمی ہیں۔

آپ کا نسب نامہ یہ ہے: خبّاب بن ارت بن جندلہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۲۱، ابو عمر یوسف بن عبداللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی:۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۲ء)

ولادت: تاریخ میں آپ کی ولادت کے تعلق سے کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

قبول اسلام: دور جاہلیت میں آپ کو قید کر کے مکہ مکرمہ لایا گیا اور ظالم و جابر ام انمار کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ آپ وہیں مشرف بہ اسلام ہوئے آپ سے پہلے انیس لوگ اسلام قبول کر چکے تھے آپ نے اسلام لا کر بیس کی تعداد پوری کری۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۲، ص:۲۲۱، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی:۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۹۱، حافظ شمس الدین ذہبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول:۱۴۲۵ھ۔۲۰۰۴ء)

امام مجاہد فرماتے ہیں: آپ ان چھ حضرات میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا (۱) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۲) حضرت ابو بکر صدیق (۳) حضرت خباب بن ارت (۴) حضرت صہیب رومی (۵) حضرت بلال حبشی (۶) سمیہ بن ام عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس طرح آپ کا شمار سابقین اولین میں بھی ہوتا ہے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۱۴۷، عزالدین ابن الاثیر علی بن محمد الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی:۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳ء)

حضرت خبّاب کا ذکر ان مقدس صحابہ کرام کی فہرست میں ہوتا ہے جنھیں اسلام لانے پر بے حد ستایا گیا۔ آپ کو برہنہ جسم کر کے دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جاتا اور آپ کے سینہ پر بھاری بھرکم پتھر رکھ دیا جاتا یا کوئی قوی ہیکل آدمی آپ کے سینہ مبارک پر بیٹھ جاتا، خود ام انمار بھی آپ کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹا دیتی اور تپتے ہوئے لوہے سے آپ کے سر کو داغا کرتی۔ اسلام لانے کی وجہ سے جن مصائب وآلام سے ان کو نبرد آزما ہونا پڑا ان کا اظہار کرتے ہوئے حضرت خبّاب فرماتے ہیں: اگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موت کی دعا مانگنے سے منع نہ فرماتے تو ضرور میں ایسی حالت میں بارگاہ ایزدی میں موت کی دعا مانگتا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص: ۱۴۸)

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھے، تلوار وغیرہ بنا کر فروخت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاص بن وائل کے لیے ایک تلوار بنائی، جب آپ نے اس سے اجرت طلب کی تو اس نے کہا کہ میں تمہیں اس کی اجرت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے کے بعد ہی ادا کروں گا۔ آپ نے جواباً کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا یہاں تک کہ تم مرجاؤ اور دوبارہ زندہ اٹھائے جاؤ، تو اس نے کہا اگر ایسا ہوا تو میرے پاس مال واولاد ہوں گے تب میں تمہیں اس وقت ادا کردوں گا، جب آپ نے اس کی خبر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی " اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ؕ"

(سورہ: مریم، آیت :۷۷)(الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۱۲۲، محمد بن سعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانی: ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء)

ہجرت مدینہ: حضرت خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مقداد بن عمر کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور دونوں حضرت کلثوم بن الہدم کے پاس اترے اور بنی قریظہ کے فتح ہونے تک انھیں کے مکان میں قیام پذیر رہے۔ جب حضرت خبّاب نے ہجرت کی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت تمیم (جو خراش بن صمّہ کے آزاد کردہ غلام تھے) کے درمیان عقد مواخاۃ قائم کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جبر بن عتیک کے ساتھ عقد مواخاۃ قائم کیا۔

(ایضاً، ص:۱۲۳۔ الاستیعاب، ج:۲، ص:۲۱)

غزوات میں شرکت: آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر، احد اور خندق وغیرہ بہت سے غزوات میں شریک ہوئے، بڑی جاں فشانی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا۔ ان میں سے کئی ایک کو جہنم رسید بھی کیا، اس طرح آپ دین اسلام کی ترویج واشاعت میں بھی اہم حصہ بنے رہے۔ (ایضاً)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام میں حضرت خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اہم کردار: حضرت خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے خاوند حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے گھر قرآن پڑھانے جایا کرتے تھے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو آگ بگولہ ہو گئے اور آپ کے ہاتھوں آپ کی بہن کو شدید زخموں سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ کا دل نرم پڑ گیا اور اپنی بہن سے قرآن کی چند آیتیں سنانے کو کہا، سورہ طٰہٰ کی چند آیتیں سننے کے بعد فوراً آپ کے دل کی دنیا بدل گئی اور کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے کر چلو، تب حضرت خبّاب جو چھپے ہوئے تھے باہر نکلے اور خوشی سے جھوم

کر کہا! اے عمر میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ کل شب پنج شنبہ میں سرکار دوعالم ﷺ نے دعا مانگی: الٰہی عمر اور ابو جہل میں جو تجھے پسند ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما، تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا آپ کے حق میں قبول ہوگئی۔ (ایضاً، ص: ۲۰۲، ۲۰۳)

مذکورہ واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے تعلق سے حضرت خباب کا اہم کردار یہ واضح ہوتا ہے کہ جن آیتوں کی بنا پر آپ کے دل کی دنیا بدلی ان آیتوں کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سکھانے والے آپ ہی تھے۔

احادیث کریمہ کی روایت: حضرت خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کل بتیس احادیث کریمہ مروی ہیں جن میں سے امام بخاری اور امام مسلم نے اجماعی طور پہ تین احادیث نقل کی ہیں اور انفرادی طور پر امام بخاری نے دو اور امام مسلم نے ایک روایت کی۔

(خلاصہ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج: ۱، ص: ۳۱۳، حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی، طبع اول: ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱ء)

درجہ ذیل محدثین کرام نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔

(۱) حضرت مسروق (۲) حضرت ابو وائل (۳) حضرت ابو معمر (۴) حضرت قیس بن حازم (۵) حضرت علقمہ بن قیس (۶) آپ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ (۷) حضرت شعبی (۸) حضرت ابو نوفل (۹) حضرت ابو میسرہ اور بھی دیگر محدثین کرام نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج: ۳، ص: ۳۰۲، حافظ ابو الحجاج جمال الدین یوسف بن عبد الرحمٰن، طبع اول: ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء۔ سیر اعلام النبلاء، ج: ۳، ص: ۳۹۱)

آپ سے مروی حدیثوں میں سے دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

عن خبّاب قال مصعب بن عمیر قتل یوم احد ولم یکن له الا نمرة کنا اذا غطینا رأسه خرجت رجلاه و اذا غطینا رجلیه خرج رأسه فقال رسول الله ﷺ غطوا بها رأسه و اجعلوا علی رجلیه من الاذخر.

(ابوداؤد، باب: ماجاء فی الدلیل علی ان الکفن من جمیع المال، ص: ۳۹۷، ہندوستانی نسخہ)

ترجمہ: حضرت خبّاب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مصعب بن عمیر جنگ احد میں شہید کر دیے گئے اور ان کے پاس صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی، جب ہم ان کے سر کو ڈھکتے تو ان کے پاؤں باہر نکل جاتے اور جب ان کے پاؤں کو ڈھکتے تو ان کے سر کھل جاتے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کے سر کو چادر سے ڈھک دو اور ان کے پاؤں پہ اذخر گھاس ڈال دو۔

عن خبّاب قال اتینا رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو متوسد بردة فی ظل الکعبة فشکونا الیه فقلنا الا تستنصرنا لنا الا تدعو الله لنا فجلس محمرا وجهه فقال قد کان من کان قبلکم یؤخذ الرجل فیحفر له فی الارض ثم یؤتی بالمنشار فیجعل علیٰ رأسه فیجعل فرقتین ما یصرفه ذلك عن دینه و یمشط بامشاط الحدید مادون عظمه من لحم و عصب ما یصرفه ذلك عن دینه والله لیتمن الله هذا الامر حتیٰ یسیر الراکب ما بین صنعاء و حضر موت ما یخاف الا الله والذئب علیٰ غنمه ولٰکنکم تعجلون.

(ابوداؤد، باب: فی الاسیر یکره علی الکفر، ص: ۳۵۸، ہندوستانی نسخہ)

ترجمہ: حضرت خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت مین حاضر ہوئے جب کہ آپ کعبے کے سائے میں چادر سے ٹیک لگائے ہوئے تھے ۔ ہم شکایت کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے ۔ آپ ہمارے لیے کیوں مدد طلب نہیں کرتے آپ اللہ سے ہمارے لیے کیوں دعا نہیں کرتے آپ بیٹھ گئے ، چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا۔ تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا ، پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے لیکن یہ چیز بھی اسے دین سے نہ پھیرتی اور لوہے کی کنگھیاں اس کی ہڈی ، گوشت اور پٹھے سے پار لے جاتے مگر یہ سلوک بھی اسے دین سے نہ پھیر سکتا ۔ خدا کی قسم ، اللہ تعالیٰ اس کام کو مکمل کر کے رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء اور حضر موت کے درمیان سفر کرے گا تو اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا اور بھیڑیئے کا اپنی بکریوں کے متعلق لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔

وصال پر ملال: آپ کی تاریخ وصال کے حوالے سے دو قول ذکر کیے گئے ہیں ، ایک قول یہ ہے کہ آپ کا انتقال ۳۷ھ میں اس وقت ہوا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین سے لوٹ رہے تھے ۔ جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کا وصال ۳۹ھ میں ہوا۔ اور آپ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ موجود تھے ۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی ۔

(سیر اعلام النبلاء ، ج: ۳، ص:۳۹۱ ۔ اسد الغابہ ، ج:۲، ص:۱۴۸)

بہ وقت وصال آپ کی عمر ۷۳ سال تھی ، لیکن ایک دوسرے قول کے مطابق آپ کی عمر ۶۳ سال بتائی جاتی ہے ۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ، ج: ۳، ص:۳۰۲)

تاریخ وصال کے تعلق سے ایک ضعیف قول یہ ملتا ہے کہ آپ کا وصال حضرت عمر کے دور خلافت میں ۱۹ھ میں ہوا۔ اور آپ کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی ۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے ، علامہ ذہبی لکھتے ہیں "مات فی خلافة عمر و صلیٰ علیه عمر و لیس هٰذا بشئی ". (سیر اعلام النبلاء ، ج:۳، ص:۳۹۱)

درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خباب جن کا انتقال حضرت عمر کے دور خلافت میں ہوا وہ خباب حضرت عتبہ بن غزوان کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا وصال ۳۷ھ میں ہوا۔ اور آپ جنگ صفین میں حاضر نہ ہوئے ، کیوں کہ طول مرض نے آپ کو اس جنگ میں حاضر ہونے سے روک دیا۔ (اسد الغابہ ، ج:۲، ص:۱۵۰)

حضرت خباب کی وصیت: حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی آخری عمر میں کوفہ کا رخ کیا اور وہیں مقیم ہو گئے ۔ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے اپنے فرزندوں کو وصیت کی کہ مجھے اونچی زمین میں دفن کرنا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کسی صحابیِ رسول ﷺ کو سپرد خاک کیا گیا ہے ۔ آپ کو بعد وصال کوفہ کی اونچی زمین میں دفن کیا گیا اس کے بعد اور لوگوں نے بھی اپنی میتوں کو اونچی زمین میں دفن کرنا شروع کر دیا۔ (الطبقات الکبریٰ ، ج:۳، ص:۱۲۴)

من أهل الفتوى

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ

ولادت.....وفات ۸۲ھ

مرشد عالم، گھوسی، جماعت: سادسہ ۹۱۹۸۵۵۲۷۰۵

اسم گرامی: طارق، **کنیت:** ابو عبداللہ ہے۔

والد گرامی: شہاب بن عبد شمس

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: طارق بن شہاب بن عبد شمس بن سلمہ بن ہلال بن عوف بن نصر بن عمرو بن لؤی بن دلہم یا رُہم بن معاویہ بن اسلم بن احمس بجلی احمسی۔ امام ابن حجر عسقلانی نے عوف کے بعد جُشم کا اضافہ کیا ہے۔ چوں کہ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے اس لیے "کوفی" بھی کہا جاتا ہے۔

(معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۹۷، ابو نعیم اصبہانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبعہ اولی، سن طباعت ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

قبول اسلام: آپ نے زمانۂ جاہلیت و اسلام دونوں کو پایا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی ایمان کی دولت سے سرفراز ہو گئے تھے۔

(تہذیب الکمال، ج:۵، ص:۳۹، حافظ جمال الدین المزی، دار لکتب العلمیہ، طباعت اولی ۲۰۰۴ء-۱۴۲۵ھ)

غزوات و سرایا میں شرکت: حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور خلافت میں تقریباً تیس یا چالیس یا تینتالیس غزوے میں آپ نے شرکت کی۔ آپ ایک عظیم مجاہد اسلام تھے۔ ابن جعفر فرماتے ہیں: تینتیس یا تینتالیس غزوے میں آپ کی شرکت رہی، آپ کا کثرت جہاد کرنے کے باوجود اپنے دور کے نامور علما میں شمار ہوتا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ج:۵، ص:۱۲، حافظ شمس الدین ذہبی، دار الفکر، طباعت اولی ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷ء)

شیوخ: بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے آپ نے روایت حدیث کیا جن میں خلفاے راشدین، حضرت بلال، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت خالد بن ولید، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو موسی اشعری، حضرت ابو سعید خدری، حضرت کعب بن عجرہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۴۰، دائرۃ المعارف النظامیہ دکن)

ثقہ راویوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ کئی احادیث آپ سے مروی ہیں جن میں سے چند درجہ ذیل ہیں۔

(۱)عن طارق بن شهاب ،قال:أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم،وقد وضع رجله فی الغرز:أیّ

الجهادأفضل ؟قال:كلمة حق عند سلطان جائر.

(۲) عن طارق بن شهاب قال :قال النبي ﷺ،عليكم بألبان الأبل والبقر فإنها ترم من الشجر كله، وهو دواء من كل داء

ترجمہ: حضرت طارق بن شہاب سے مروی ہے فرماتے : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، اونٹ اور گائے کے دودھ کو اپناؤ، کیوں کہ وہ ہر قسم کی گھاس چرتے ہیں اور اس میں ہر بیماری کی شفا ہے۔(تاریخ مدینہ دمشق، ج:۲۴، ص:۴۲۱)

(۳) عن طارق بن شهاب أن اليهود سألت رسول الله ﷺ:ما أول ما يأكل أهل الجنة؟ قال:كبد حوت.

ترجمہ: حضرت طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ پہلی چیز جس کو جنتی کھائے گا وہ کیا ہے ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مچھلی کا جگر۔

(٤) عن بن شهاب قال:سئل رسول الله ﷺفيما يختصم الملأ الأعلى قال:فى الدرجات والكفارات، فأما الدرجات:فإطعام الطعام،وإفشاء السلام ،والصلوة بالليل والناس نيام ،وأما الكفارات:فإسباغ الوضو فى السبرات، ونقل الاقدام إلى الجمعات ،وإنتظار الصلوة بعد الصلوة.(معجم الصحابہ، ج:۷، ص:۲۷۸۸، ابن قانع، دارالفکر بیروت۔ طبعۂ اولیٰ ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۴ء)

ترجمہ: حضرت طارق بن شہاب سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کس بات میں ملائکہ مقربین جھگڑتے ہیں ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درجات اور کفارات میں (جو گناہ مٹاتے ہیں) رہا درجات وہ مسکینوں کو کھانا کھلانا، سلام عام کرنا اور رات میں نوافل پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں اور رہا کفارات تو وہ ٹھنڈی صبح میں کامل وضو کرنا، جماعتوں کی پیروی کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

تلامذہ: آپ سے تابعین کی ایک بڑی جماعت نے روایت حدیث کی جن میں سے قیس بن مسلم، مخارق بن عبد اللہ، اسماعیل بن ابو خالد، سلیمان بن میسرہ، مغیرہ بن شبیل احمصی، ابو قبیصہ، علقمہ بن مُرثد، ابراہیم بن مہاجر، امی بن ربیعہ صیرفی، سلیمان بن ابو مسلم احول، سماک بن حرب، سیار ابوالحکم یا سیار ابو حمزہ، یحییٰ بن حصین احمسی وغیرہ جیسے محدثین ہیں۔

(تاریخ مدینہ دمشق، ج:۲۴، ص:۴۲۱۔ تہذیب الکمال، ج:۵، ص:۴۰)

وصال پر ملال: آپ کے انتقال کے تعلق سے راویوں میں بہت اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح قول کے مطابق آپ کا ۸۲/ھ میں انتقال ہوا ہے۔ عمرو بن علی نے فرمایا کہ آپ کا انتقال ۸۳/ھ میں ہوا اور محمد بن عبد اللہ بن نمیر کے قول کے مطابق ۸۴/ھ میں ہوا۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ آپ کا وصال ۱۲۳/ھ میں ہوا لیکن یہ ان کا وہم ہے یا سبقت قلم ہے۔(حوالۂ سابق)

من أهل الفتوى

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

ولادت.....وفات ۷۴ھ

احمد رضا، چھپرا، جماعت: سابعہ ۷۸۵۰۹۶۳۳۸۳

اسم گرامی: آپ کا نام رافع اور **کنیت:** ابو عبداللہ ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ ان کی کنیت ابو خدیج ہے۔
سلسلۂ نسب: رافع بن خدیج بن رافع بن عدی بن زید جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس انصاری۔ والدہ کا نام حلیمہ بنت عروہ بن مسعود بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضۃ ہے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۲۳۲، عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری ۶۳۰ھ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۳ء)

خاندانی حالت: حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے آبا و اجداد قبیلۂ بنو حارثہ کے رئیس اور سردار تھے، باپ اور چچا کے بعد یہ مسند حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی، اور وہ تمام عمر اس پر متمکّن رہے۔

غزوات میں شرکت: حضرت رافع کے اندر اسلام پر مر مٹنے کا جذبہ اس قدر تھا کہ کم سنی کے باوجود غزوۂ بدر کے دن سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اجازت جہاد کے لیے حاضر ہوئے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت نہ دی۔ پھر جب غزوۂ احد کا دن آیا تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اس میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ غزوۂ خندق اور اس کے علاوہ اکثر معرکوں میں شامل رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عہد خلافت میں جنگ صفین میں شریک ہوئے اور حضرت علی کے پر جوش حامیوں میں شمار ہوتے تھے۔ (مرجع سابق)

علمی کمال: خلافت راشدہ کے دور میں اپنا زیادہ تر وقت دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تعلم میں صرف کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث خود یاد کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے۔ چناں چہ ان سے کل ۷۸؍احادیث مروی ہیں۔ اور راویوں میں جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔ جیسے عبد اللہ بن عمر، محمود بن لبید، سائب بن زید، اسید بن ظہیر، حضرت مجاہد، عطا، شعبی عمرہ بنت عبد الرحمٰن، ابو النجاشی، عثمان بن سہل، ہریرین بن عبد الرحمٰن، یحی بن اسحاق، ثابت بن انس بن ظہیر، حنظلہ بن قیس، نافع واسع بن حبان، یحی بن حبان، عبید اللہ بن عمرو بن عثمان (مرجع سابق)

فقہی ژرف نگاہی: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ جہاں ایک محدث تھے، وہیں ایک جلیل القدر، اور باکمال فقیہ بھی تھے، قرآن و احادیث کی روشنی میں عوام الناس کو مسئلہ بتاتے، اور زندگی کی ہر موڑ پر ان کی رہنمائی فرماتے۔ جیسا کہ کتب سیر میں مذکور ہے، "كان رافع بن خديج ممن يفتي بالمدينة في زمن معاوية و بعده"

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۳۳۰، شمس الدین محمد بن احمد الذھبی ۷۴۸ھ، دار الفکر، بیروت)

ترجمہ: رافع بن خدیج ان لوگوں میں سے تھے جو امیر معاویہ اور ان کے بعد کے زمانے میں فتویٰ دیتے تھے۔ زیادہ تر لوگ ان سے مزارعت اور مساقات کے مسائل دریافت کرتے تھے، کیوں کہ وہ مزارعت اور کاشتکاری کے تمام مسائل بہت باریکی سے جانتے تھے۔ (مرجع سابق)

فقہی ژرف نگاہی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے نقل کیا ہے کہ نعمان انصاری کے غلام نے کھجور کا چھوٹا سا درخت کسی باغ سے اکھیڑ دیا، مروان کے پاس مقدمہ پیش کیا گیا، اس نے سرقہ کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر کر دیا، حضرت رافع نے کہا: حضور ﷺ نے فرمایا ہے ''پھل میں قطع ید نہیں۔''

(مسند امام احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۴۶۴)

وفات: غزوۂ احد میں ایک تیر ان کے جسم میں پیوست ہو گیا، بروقت تیر کو جسم سے باہر نکال دیا گیا، مگر اس کی نوک جسم ہی کے اندر رہ گئی تھی، ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اس نے زخم پیدا کر دیا اور اسی صدمہ سے داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت بشر بن حرب کہتے ہیں کہ ''میں رافع بن خدیج کے جنازہ میں موجود تھا، دیکھا کہ جنازہ کے ساتھ آدمیوں کی بڑی کثرت ہے، عورتیں ان پر نوحہ خوانی اور ماتم کر رہی ہیں۔ اس پر عبد اللہ بن عمر نے کہا: خدا کے لیے ان کے حال پر رحم کرو، وہ ایک ضعیف اور بوڑھے آدمی ہیں، عذاب الٰہی برداشت نہ کر سکیں گے کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ''المیت یعذب ببکاء أھله علیه'' (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۳۳۰)

وفات کس ''سن'' میں ہوئی، اس کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے تاریخ اوسط میں لکھا ہے کہ ''امیر معاویہ کے زمانہ میں انتقال کیا۔ جب کہ باقی مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ ۷۴ھ کی ابتدا تھی، اور عبد الملک بن مروان سریر خلافت پر تھا۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۲، ص:۳۶۴، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت)

وفات کے وقت ان کی عمر ۸۶ سال تھی، جنازہ کی نماز حضرت عبد اللہ بن عمر نے پڑھائی۔

من
أهل الفتوى

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت:۔۔۔۔۔۔۔وفات:۱۱ھ

محمد مشاہد رضا، سیتامڑھی، جماعت: فضیلت Mob. 9452384296

نام ونسب: نام فاطمہ، لقب زہرا اور بتول ہے۔ آپ رسول کریم ﷺ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام خدیجہ ہے۔ ماں کی طرف سے شجرۂ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد عبد العزیٰ بن قصی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام فاطمہ اس بنا پر رکھا گیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے محبین کو آتش دوزخ سے محفوظ کر دیا ہے۔ زہرا اس بنا پر ہے کہ زہرت بہجت اور حسن وجمال میں کمال مرتبہ میں ہیں۔ اور بتول اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے فضل وکمال، جود ونوال اور حسن وجمال میں جدا ہیں اور ماسویٰ اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہیں۔

(مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۴۵۹، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مرکز اہلسنت برکات رضا، پوربندر، گجرات)

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت کے سلسلے میں مورخین کے درمیان قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ مدارج النبوۃ میں امام رازی سے منقول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس کی ہوئی تو آپ پیدا ہوئیں۔ نیز ابن جوزی کہتے ہیں کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی اور یہی مشہور تر روایت ہے۔ جس کی تائید ''الطبقات الکبریٰ'' میں محمد بن سعد زہری کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ جس وقت خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی۔

(مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۴۵۹/ الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۲۵۲، محمد بن زہری، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حلیۂ مبارک: تاریخ کی متعدّد اور معتبر کتابوں میں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حلیۂ مبارک رسول کریم ﷺ سے ملتا جلتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لب ولہجہ، رفتار وگفتار اور نشست وبرخاست اللہ کے نبی ﷺ کے مشابہ تھی۔

صاحب استیعاب علامہ ابن عبد البر قرطبی لکھتے ہیں: ''عن عائشة قالت: ما رأيت أحدا كان أصدق لهجة من فاطمة إلا أن يكون الذى ولدها ﷺ''. (الاستیعاب، ج:۴، ص:۴۵۱، ابن عبد البر قرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں دیکھا مگر یہ کہ وہ ہو جس کی آپ بیٹی

ہیں، یعنی رسول اللہ ﷺ ۔

نکاح: سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح، ۲ھ میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، نکاح کس مہینے میں ہوا، اس میں اہل سیر اختلاف رائے رکھتے ہیں، یہاں چند اقوال ذکر کیے جاتے ہیں: (۱) ماہ رمضان میں ہوا۔ (۲) ماہ ذی الحجہ میں ہوا۔ (۳) ماہ رجب میں۔ (۴) ماہ صفر میں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ غزوۂ احد کے بعد ہوا۔

نکاح کے وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال یہی روایت زیادہ مشہور ہے اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔

مختلف روایتوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ سیدہ فاطمہ کے لیے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام دیا تو سرکار کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس سلسلے میں ابھی وحی کا انتظار ہے، یا یہ فرمایا کہ ابھی چھوٹی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام دیا تو ان کو بھی اسی طرح جواب دیا، پھر حضرت ام ایمن یا بعض صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی کہ وہ فاطمہ کے لیے بارگاہ رسول ﷺ میں اپنا پیغام پیش کریں۔ حضرت علی نے کہا کہ جب ابوبکر و عمر کا پیغام رد فرما دیا گیا تو میرا پیغام کیوں کر قبول فرمایا جائے گا۔ صحابہ نے کہا کہ آپ نبی کریم ﷺ کے بہت زیادہ قریبی ہیں ان کے چچا ابوطالب کے بیٹے ہیں، جائیے، شرم نہ کیجئے، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی کچھ ہمت بڑھی اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، سلام عرض کیا، حضور نے جواب عنایت کیا اور کہا: ابوطالب کے بیٹے کیا بات ہے، کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اپنے لیے فاطمہ کا پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آقا ﷺ نے خوش آمدید کہا اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں بارگاہ نبوت میں حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت طاری ہوتی ہے، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: انس! اللہ رب العزت کی بارگاہ سے میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ حق تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہ کا نکاح علی کے ساتھ کردو، تو اے انس! جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور جماعت انصار کو بلاؤ جب یہ حضرات حاضر ہوگئے تو آپ نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کی، اس کے بعد چار سو مثقال چاندی مہر پر حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی کے ساتھ کر دیا اور فرمایا: اے علی! تم قبول کرتے ہو اور راضی ہو؟ حضرت علی نے عرض کیا: قبول کرتا ہوں اور راضی ہوں۔ اس کے بعد سرکار نے کھجوروں کا ایک طباق لیا اور صحابہ پر بکھیر دیا، اس لیے فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عقد نکاح کی ضیافت میں کھجور، بادام وغیرہ لٹانا مستحب ہے۔

جب سرکار دوعالم ﷺ نے سیدہ کا نکاح حضرت علی سے کر دیا تو اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے اور سیدہ فاطمہ سے فرمایا: تھوڑا پانی لاؤ، آپ لکڑی کے ایک پیالے میں پانی لے کر حاضر ہوئیں، حضور نے ان کے ہاتھ سے پانی لے کر اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا اور حضرت فاطمہ سے فرمایا: قریب آؤ، وہ قریب ہوئیں تو آپ نے وہ پانی ان کے سینے کے درمیان اور سر پر چھڑکا اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں ان کو اور ان کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: فاطمہ! میری جانب پشت کرو، حضور نے ان کے شانوں کے درمیان پانی کے چھینٹے دیے اور دعا فرمائی کہ پروردگار! ان کو، ان کی اولاد کو

شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر فرمایا: پانی لاؤ، حضرت علی کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اب حضور کیا کریں گے، یعنی اب میری باری ہے۔ میں کھڑا ہوا اور پانی بھر کر لایا، حضور نے وہ پانی لیا، اس میں اپنا لعابِ دہن ملایا اور فرمایا کہ میرے سامنے آؤ، میں حضور کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرے سر اور چہرے پر پانی کے چھینٹے دیے اور دعا فرمائی۔ اے اللہ! ان کو اور ان کی اولاد کو شیطان لعین سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: "بسم اللہ و البرکۃ" کہہ کر اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکاح کے روز فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بعد عشا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر لائے، پانی منگایا، اس میں لعابِ دہن ملا کر دونوں کے بدن پر چھڑکا اور دعائیں فرمائیں۔ (جیسا کہ پہلی روایت میں گزرا) اخیر میں فرمایا اب اپنی خواب گاہ میں جاؤ اور یہ دعا کی۔ اے اللہ! ان کے درمیان محبت و الفت پیدا فرما، ان میں اور ان کی اولاد میں برکت دے، ان سے پریشانیاں دور فرما، ان کا نصیبہ نیک کر، ان پر برکات کی بارش فرما اور ان سے کثیر پاک اور نیک اولاد عطا فرما۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ جب نکاح ہو گیا تو سیدہ فاطمہ رونے لگیں، اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: میری لختِ جگر! کس بات نے تمھیں رونے پر مجبور کیا؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسے شخص کے ساتھ میرا نکاح کر دیا ہے، جس کے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ برتنے کی کوئی چیز، بیٹی کی یہ گفتگو سن کر مالکِ کل جہاں نے ارشاد فرمایا: اے بیٹی! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ حق تعالیٰ نے روئے زمین پر دو شخصوں کو باعظمت اور برگزیدہ بنایا ہے، جن میں سے ایک تمھارا والد اور دوسرا تمھارا شوہر ہے۔

امام حاکم اپنی مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ میں نے ایسے شخص سے تمھارا نکاح کیا ہے جو اسلام کے اعتبار سے سب سے پہلا مسلمان ہے اور عمل کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر داناتر۔ اور سنو! تم میری امت کی عورتوں میں سب سے بہتر ہو جس طرح حضرت مریم اپنی قوم میں سب سے افضل تھیں۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے ایسے شخص کے ساتھ تمھارا نکاح کیا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۷۴، ۷۵، شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

مہر اور جہیز: جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر حضرت فاطمہ کے لیے نکاح کا پیغام دیا تو سید عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ سے دریافت کیا کہ تمھارے پاس کچھ ہے؟ حضرت علی نے عرض کیا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ حضور نے فرمایا کہ گھوڑا تمھارے کام کی چیز ہے، زرہ فروخت کر دو اور اس کی قیمت میرے پاس لے آؤ، انھوں نے زرہ چار سو اسّی درہم میں فروخت کر دی اور اس کی قیمت لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور نے اسے بلال کو دے دیا کہ وہ عطر خرید لائیں اور باقی رقم اُمِ سلیم کے حوالے کی تاکہ اس سے سیدہ فاطمہ کے لیے جہیز اور امور خانہ داری کے سامان مہیّا کریں، آپ نے اس رقم سے جن چیزوں کا انتظام کیا ان کی فہرست یہ ہے: (۱) چادر (۲) دو کتان کی نہالی (۳) چار بالشت کپڑا (۴) دو چاندی کے بازو بند (۵) گدا (۶) تکیہ (۷) ایک پیالہ (۸) ایک چکی (۹) ایک مشکیزہ (۱۰) کچھ مشروبات۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۷۶، ۷۷، شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ولیمہ: نکاح سے فراغت کے بعد سید عالم ﷺ نے فرمایا: اے علی! شادی کے لیے ولیمہ بھی ضروری ہے۔ حضرت سعد نے کہا: کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس ایک بھیڑ ہے، میں اسے پیش کرتا ہوں، اس سے ولیمہ کر دیا جائے، اسی طرح انصار کی ایک جماعت نے جوار کے کچھ صاع کا انتظام کر دیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۳۵۳)

خانگی زندگی: رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد آقائے دو جہاں ﷺ نے گھر کے کام بیٹی اور داماد پر تقسیم کر دیے، وہ اس طرح کہ اندرونِ خانہ کی ذمہ داری سیدہ فاطمہ سنبھالیں، مثلاً روٹی پکانا، جھاڑو دینا، چکی پیسنا وغیرہ اور باہر کے کام علی مرتضیٰ انجام دیں، مثلاً اونٹ کو پانی، چارہ دینا، بازار سے سودا وغیرہ لانا۔ اس تقسیم پر دونوں بڑی مضبوطی سے کاربند تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود آگ کے سامنے بیٹھ کر روٹی پکاتیں، جھاڑو دیتیں اور چکی پیستی تھیں، جس کی وجہ سے ان کا رنگ متغیّر ہو گیا تھا، ہاتھوں پر گھٹے پڑ گئے تھے اور کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے۔

ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شریکِ حیات سیدہ فاطمہ سے کہا کہ اب تو کنویں سے پانی کھینچتے کھینچتے سینے میں درد محسوس ہو رہا ہے، اس وقت دربار نبوی میں بہت سے قیدی آئے ہیں اور سرکار لوگوں کو غلام تقسیم کر رہے ہیں، تم بھی جاؤ اور ابا جان سے ایک خادم مانگ لاؤ، شوہر نامدار کے حکم پر وفا شعار بیوی بار گاہ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ آقا نے پوچھا بیٹی! کیا بات ہے؟ کیسے اور کس لیے آنا ہوا؟ آپ نے خادم مانگنے میں شرم محسوس کی اور عرض کیا: بس سلام کرنے حاضر ہو گئی تھی اور خادم کے تعلق سے سوال کیے بغیر واپس آگئیں۔ حضرت علی نے پوچھا: کیا ہوا؟ آپ نے صاف صاف بتا دیا کہ مجھے شرم دامن گیر ہوئی اس لیے سوال ہی نہیں کیا، پھر دونوں میاں بیوی بار گاہ میں حاضر ہوئے۔ علی مرتضیٰ نے عرض کیا: یارسول اللہ! پانی کھینچتے کھینچتے سینے میں تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں، یارسول اللہ! قسم خدا کی چکی پیستے پیستے میرے ہاتھ گھس گئے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے قیدی عطا فرمائے ہیں، آپ ان میں سے ہمیں بھی کوئی خادم عطا فرما دیں۔ آقا ﷺ نے فرمایا: بخدا میں تمھیں کوئی خادم نہیں دوں گا۔ کیا میں اہل صفہ کا حق چھوڑ دوں؟ وہ رات کو بھوکے سوتے ہیں اور میرے پاس ان کے لیے کچھ نہیں ہے، یہ غلام بیچ کر اس کی قیمت سے میں ان کی ضرورتیں پوری کروں گا۔ یہ جواب سن کر دونوں میاں بیوی صبر و شکر کا دامن سمیٹے واپس ہو گئے۔ رات میں رسول کریم ﷺ ان کے گھر آئے جب کہ دونوں اپنی خواب گاہ میں پہنچ چکے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں میرے پاس کچھ لینے پہنچے تھے۔ کیا میں تمھیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ انھوں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمایا جائے، آپ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کا ورد کرو، یہی تمھارے لیے بہترین خادم ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۲۵۵)

داغ رحلت پدری: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریف مشہور روایت کے مطابق ۲۹ر سال کی تھی کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے داعی اجل کو لبیک کہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں، اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں، اس لیے کہ ان کو صدمہ کچھ زیادہ ہی ہوا۔ وفات سے ایک دن پہلے حضور ﷺ نے آپ کو بلا کر کان میں کچھ کہا، تو آپ رونے لگیں، پھر بلا کر کچھ کہا تو ہنس دیں۔ جیسا کہ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ: "عن عائشة

قالت :دعا النبی ﷺ فاطمة فی شکواہ الذی قبض فیه فسارّھا بشیئٍ فبکت ثم دعاھا فسارّھا بشیئٍ فضحکت فسألنا عن ذلك فقالت سارّنی النبی ﷺ أنه یقبض فی وجعه الذی توفي فیه فبکت ثم سارّنی فأخبرنی أنی أوّل أھله یتبعه فضحکت". (بخاری شریف، ج:٢، ص:٦٣٨، رضا اکیڈمی ممبئی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کے نبی ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی، حضرت فاطمہ کو بلایا، تشریف لائیں تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر ان سے کچھ کہا تو وہ ہنس دیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا تو فرمایا: پہلی مرتبہ حضور نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی آکر مجھ سے ملوگی، تو میں ہنسنے لگی۔

وفات سے پہلے جب بار بار آپ پر غشی طاری ہوئی، حضرت فاطمہ آپ کی حالت کو دیکھ کر بولیں "وأکرب أباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ نے فرمایا: تمھارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔ (بخاری شریف، ج:٢، ص:٦٤١)

جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک ایسی مصیبت ٹوٹ پڑی، کہ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ: "جب تک باحیات رہیں کبھی تبسم بھی نہیں فرمایا"۔ (اسد الغابہ ج:٧، ص:٢١٩، ابن اثیر جزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب صحابہ کرام نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "قالت فاطمة یا أنس أطابت أنفسکم أن تحثوا علیٰ رسول اللہ ﷺ التراب".
(بخاری شریف، ج:٢، ص:٦٤١)

(حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اے انس کیا تم کو رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالتے ہوئے اچھا معلوم ہوا؟) اس سوال سے حضرت انس ایسے وحشت زدہ ہوئے کہ کچھ جواب نہ دیا ورنہ ضرور منقول ہوتا، لیکن دوسری بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جواب دیا ہاں ہمارا جی تو نہیں چاہتا تھا مگر کیا کرتے سرکار ہی کا حکم تھا جس کی وجہ سے ایسا کرنا پڑا۔

فضل و کمال: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ جیسا کہ اللہ کے نبی کا ارشاد گرامی ہے:
"فاطمة بضعة منی من أذاھا فقد أذانی و أبغضھا فقد أبغضنی". (بخاری شریف، ج:١، ص:٥٣٢)

ترجمہ: فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے اور جو اس کو تکلیف دے گا وہ مجھے تکلیف دے گا اور جو اس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ بارگاہ نبوت میں اطلاع ہوئی تو حضور ﷺ منبر شریف پر حسب ذیل خطبہ دیا:

"آل ہشام، علی ابن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہے لیکن میں اجازت نہ دوں گا۔ اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، جس نے اس کو اذیت دی مجھ کو اذیت دی۔ پھر آگے فرمایا: خدا کی قسم! ایک دشمن خدا کی بیٹی رسول خدا کی بیٹی کے

ساتھ جمع نہیں ہو سکتی"۔(بخاری شریف، ج:۱، ص:۴۳۸)

اس ارشاد کا اثر یہ ہوا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں کی۔

آپ کا شمار اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان چند مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:"حسبك من نساء العالمين مريم بنت عمران وخديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد و آسية إمرأة فرعون".(ترمذی شریف، ج:۲، ص:۲۲۹، مجلس برکات)

ترجمہ: تمھاری تقلید کے لیے پوری دنیا کی عورتوں میں حضرت مریم، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن کافی ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں۔ جب آپ چھوٹی تھیں اور مکہ معظمہ میں حضور مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کی گردن مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لاکر رکھ دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جاکر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر کی، وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھڑی ہٹاکر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ (بخاری شریف، ج:۱، ص:۳۸)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آپ سے نہایت محبت کرتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جس سے سب سے پہلے ملتے وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہوتیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بیٹھاتے۔(ترمذی، جلد:۲، ص:۲۲۷، مجلس برکات)

خدمت حدیث: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کتب احادیث میں اٹھارہ روایتیں منقول ہیں۔ جن کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ، حضرت ام کلثوم، حضرت ام سلمہ، حضرت ام رافع رضی اللہ تعالیٰ عنھن اور حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ ان سے روایت احادیث کرتے ہیں۔ (مسند امام احمد ج:۴۴، ص:۱۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

تفقہ فی الدین: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی سفر میں گئے تھے، واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قربانی کا گوشت پیش کیا، ان کو عذر ہوا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اس کو کھانے میں کچھ حرج نہیں اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی ہے۔(مسند امام احمد، ج:۴۴ ص:۱۲)

ایک مرتبہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں گوشت تناول فرمارہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا، اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، چوں کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے، ارشاد ہوا، بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔(مسند امام احمد، ج:۴۴ ص:۱۶)

اولاد امجاد: حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم مبارک سے چھ اولاد ہوئیں، تین لڑکے اور تین لڑکیاں، لڑکوں کے نام یہ ہیں: حسن، حسین اور محسن۔ لڑکیاں یہ ہیں: زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ تعالی عنھن۔ حضرت محسن اور رقیہ بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، حضرت زینب، عبد اللہ ابن جعفر سے منسوب ہوئیں اور ام کلثوم حضرت عمر بن خطاب کی زوجیت میں آئیں، ان کی اولاد باقی رہی، اگر چہ ام کلثوم کے بطن اقدس سے عمر فاروق کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام زید تھا۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۴۶۰، شیخ عبد الحق محدث دہلوی)

وفات: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت غمگین رہنے لگیں، اس کے بعد انہیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ صحیح روایت کے مطابق وفاتِ رسول کے چھ ماہ کے بعد ۳؍ رمضان المبارک ۱۱ھ منگل کے روز تقریباً ۲۹؍ سال کی عمر میں بہ وقت شب داعی اجل کو لبیک کہا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت رسول اللہ بیمار ہوئیں۔ وفات والے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں موجود نہیں تھے، فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے کہا: امی جان! مجھے غسل کروا دیجیے، چناں چہ میں نے پانی ڈالا اور آپ نے خوب مل کر اچھی طرح غسل کیا، پھر کہا میرے نئے کپڑے لے آیئے، میں لے آئی تو آپ نے کپڑے بدلے اور فرمایا چار پائی بیچ گھر میں بچھا دیجیے، میں نے حکم کی تعمیل کی، آپ چار پائی پر قبلہ رو لیٹ گئیں اور بولیں۔ امی جان! اب جدائی کا وقت قریب ہے، میں غسل کر چکی ہوں دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں، اب کوئی میرا بدن نہ کھولے، اس کے بعد آپ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب حضرت علی تشریف لائے تو میں نے انہیں سارا واقعہ سنا دیا، انہوں نے اسی غسل پر اکتفا کیا اور نمازِ جنازہ کے بعد دفن کر دیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۲۵۶)

استیعاب اور اسد الغابہ میں ہے کہ حضرت علی اور اسما بنت عمیس نے غسل دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں انتہا درجے کی شرم و حیا تھی۔ وفات سے قبل آپ نے حضرت اسما بنت عمیس سے کہا کہ عورتوں کا جنازہ جس طرح کھلا ہوا لے جایا جاتا ہے، وہ مجھے پسند نہیں، اس طرح مرد و عورت کے جنازے میں کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ حضرت اسما نے عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں ایک بہترین طریقہ دیکھا ہے، اگر اجازت ہو تو عرض کروں، فرمایا: بتاؤ، حضرت اسما نے کھجور کی چند شاخیں منگائیں، انھیں چار پائی کے بازؤں سے باندھ دیا اور اوپر سے کپڑا تان دیا۔ یہ شکل دیکھ کر فاطمہ زہرا نے فرمایا کہ یہ کیا ہی بہترین پردہ ہے! اس سے مرد اور عورت کے جنازے میں امتیاز ہوگا، یعنی اسی طرح پردے کے ساتھ میرا جنازہ لے جایا جائے۔ اور فرمایا: اے اسما! تو اور علی مجھے غسل دیں۔ یہ اسلام کی پہلی خاتون ہیں۔ جن کا جنازہ اس انداز سے پردے کے ساتھ اٹھا، اس کے بعد حضرت زینب بنت جحش کا۔ (الاستیعاب، ج:۴، ص:۴۵۱، ابن عبد البر قرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت—اسد الغابہ، ج:۷، ص:۲۲۱، ابن اثیر جزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

آپ کی نماز جنازہ بہ اختلاف روایت حضرت صدیق اکبر، حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پڑھائی، صحیح قول کے مطابق آپ جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۲۵۶)

من أهل الفتوى

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت.....وفات:۵۰ھ

شاہد رضا برکاتی، ناگپور، جماعت: سابعہ 9580488095

نام: فاطمہ

والد کا نام: قیس بن خالد ابو حبیش اور **والدہ کا نام:** امیمہ بنت ربیعہ۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۸، ص:۲۰۷، امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ، مکتبہ شاملہ سافٹ ویر)

سلسلۂ نسب: والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

فاطمہ بنت قیس بن خالد الاکبر بن وہب بن ثعلبہ بن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر بن مالک بن النظر بن کنانۃ۔

(الاستیعاب، ج:۴، ص:۴۵۴، ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ القرطبی ۴۶۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، اڈیشن: دوسرا ۲۰۰۲ء)

والدہ کی جانب سے سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

فاطمہ بنت امیمہ بنت ربیعہ بنت حزیم بن عامر بن مبذول بن الاحمر بن الحارث بن عبد مناۃ بن کنانۃ۔

(الاستیعاب، ج:۴، ص:۴۵۴، ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ القرطبی ۴۶۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دوسرا اڈیشن ۲۰۰۲ء)

خاندانی پس منظر: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشہور صحابیہ ہیں۔ آپ کا تعلق قبیلہ قریش کی ایک مشہور شاخ بنو کنانۃ سے تھا، بنو کنانہ کے بانی "کنانہ" سے آپ کا نسب والد کی طرف سے گیارہویں پشت پر اور والدہ کی جانب سے نویں پشت پر جاملتا ہے۔ آپ مشہور صحابی رسول حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن تھیں، آپ کی بہن حزمہ بنت قیس کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت کی کوئی متعیّن تاریخ صراحت کے ساتھ مذکور تو نہیں، لیکن کتب سیر و تواریخ میں حضرت ضحاک بن قیس کی ولادت کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ کی ولادت سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً سات سال پہلی ہوئی۔

(اسد الغابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۳، ص:۵۰ عز الدین ابن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد الجزری ۶۳۰ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۲۰۰۳ء)

حضرت فاطمہ اپنے برادر صغیر سے بیس سال بڑی تھیں۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۲، ص:۲۳۰، حافظ محی الدین یحیی بن شرف نووی ۶۷۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۱۹۹۷ء)

اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے ستائیس سال پہلے آپ کی ولادت ہوئی ہے۔

قبول اسلام: اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایمان لائیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کیں، آپ اسلام کی اولین ہجرت فرمانے والی خواتین میں سے ایک ہیں۔

(تہذیب التہذیب، ج:۱۰، ص:۴۹۸، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۴ھ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء)

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی اور حکم نبوی کی فرمانبرداری: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ کرام کی وابستگی دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ صحابہ کرام کے عشق رسول کے سینکڑوں واقعات کتب سیر و تواریخ کے اوراق پر جابجا موجود ہیں۔ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر سرفروشانہ انداز میں گھر سے نکل جانا، اہل و عیال کو سپرد خدا کر کے اسلام کی آبیاری اور اعلاے کلمۃ الحق کی خاطر سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک آواز پر لبّیک کہتے ہوئے راہ خدا میں تن من دھن قربان کرنے کے لیے تیار ہو جانا یہ صرف اور صرف حضرات صحابہ ہی کا خاصہ ہے۔

اپنے دینی و دنیوی تمام امور میں پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حاکم تسلیم کر لینا اور بہر صورت خوش دلی کے ساتھ حکم نبی کو دل و جان سے قبول کر لینا حضرات صحابہ کا مقصد حیات رہا اور اللہ کے فرمان ''وما کان لمومن ولامومنة اذا قضي اللّٰه و رسوله أمراًان یکون لهم الخیرة من أمرهم'' الآیة کا ایک صحیح نمونہ عمل ہے۔

اسی نمونۂ عمل کو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی صدق دل سے اپنایا، جب ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ مخزومی نے انہیں تین طلاق دے دی تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو عدت گزارنے کا حکم دیا، عدت کے ختم ہونے کے بعد حضرت سفیان اور ابو جہم رضی اللہ عنہما نے آپ کے پاس پیام نکاح بھیجا، حضرت فاطمہ نے اس کا ذکر بارگاہ نبوی میں کیا۔

''فقال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ''أما معاویة فعائل لا مال له، وأما أبو جهم فلا یضع عصاه عن عاتقه .أین أنتم من اسامة؟ قال: کان أهلها کرهوا ذلك فقالت: لا أنكح إلا الذی قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معاویہ عیالدار ہیں اور ان کے پاس مال نہیں اور ابو جہم بیویوں کے ساتھ تند مزاج ہیں، اسامہ بن زید کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟

حضرت فاطمہ کے اہل خانہ نے حضرت اسامہ کے ساتھ نکاح کو پسند نہ کیا، لیکن حضرت فاطمہ نے کہا: میں اسی سے نکاح کروں گی جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کا حکم دیا ہے۔ خود فرماتی ہیں:

''فنکحته فجعل الله فیه خیرا و اغتبطت به''

حکم نبوی کی تابعداری کا ثمرہ ظاہر ہوا، اللہ نے نکاح میں برکت رکھی کہ حضرت اسامہ سے اللہ نے نیک اور صالح اولاد عطا فرمائی۔ (الطبقات الکبری، ج:۸، ص:۲۱۴، احمد بن سعد منیع الہاشمی البصری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طبع ثانی ۱۹۹۷ء)

نکاح: پہلا نکاح ابو عمرو بن حفص مغیرہ مخزومی سے ہوا، چونکہ دو طلاق پہلے سے دے رکھی تھی، ان کے طلاق کا سبب یہ تھا کہ ان کے اور ان کے خاوند کے عزیزوں کے درمیان آئے دن جھگڑا رہتا تھا، پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حضرت علی کے ساتھ یمن ایک غزوہ کے لیے بھیجا تو غائبانہ انہوں نے تیسری طلاق بھی بھجوا دی اور عیاش بن ابی ربیعہ اور حارث بن ہشام

کو اپنا وکیل بنایا اور بطور نفقہ پانچ صاع کھجور اور پانچ صاع جو دے کر حضرت فاطمہ بنت قیس کے پاس بھیجا، حضرت فاطمہ بنت قیس نے باضابطہ معتدہ کے نان و نفقہ اور سکنیٰ کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا: ''و اللہ ما لك علينا'' بخدا ہمارے ذمہ تمھاری کوئی چیز نہیں، حضرت فاطمہ بارگاہ رسالت ماب میں حاضر ہوئیں اور اپنا مطالبہ پیش کیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ: میں آل خالد کی بیٹی ہوں، میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی، میں نے ان کے اہل خاندان سے نان و نفقہ کا مطالبہ کیا تو وہ انکار کرنے لگے رحمت عالم ﷺ نے فیصلہ فرمایا: ''انما النفقة و السكنى للمرأة إذا كان لزوجها عليها رجعة'' نفقہ اور سکنیٰ اس عورت کے لیے ہوتا ہے جس کے شوہر کے پاس اس پر رجعت کرنے کا اختیار باقی ہو۔

حضرت فاطمہ نے فیصلۂ نبوی کو قبول کیا اور ابن ام مکتوم کے گھر اپنی عدت گزاری، عدت کے بعد فرمان نبوی ہی کے مطابق دوسرا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کیا۔

(الطبقات الکبری، ج:۸، ص:۲۱۵ احمد بن سعد منیع الہاشمی البصری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان طبع ثانی ۱۹۹۷ء)

اولاد: حضرت اسامہ بن زید سے آپ کی تین اولاد ہوئیں:

(۱) جبیر (۲) زید (۳) عائشہ (الطبقات الکبری، جزء ۴، ص:۷۴، احمد بن سعد منیع الہاشمی البصری، مکتبہ شاملہ سافٹ ویر)

ذاتی زندگی: آپ بہت خوبصورت اور عقلمند تھیں، علم و فہم میں ممتاز تھیں، صحابہ کرام کے مفتیوں کی جماعت میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ نہایت زیرک اور بالغ نظر تھیں، حصول علم میں حریص تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ارا کین شوری آپ ہی کے گھر جمع ہوتے اور آپ ہی کے گھر پر امور خلافت سے متعلق صحابہ کرام کی مجلس مشاورت قائم ہوتی۔

(حوالۂ سابق)

علم و فضل: آپ سے تقریبا چالیس احادیث مروی ہیں، جن میں سے تین متفق علیہ ہیں اور بقیہ دیگر کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ (حوالۂ سابق)

آپ سے کئی اجلہ صحابہ و تابعین نے روایت حدیث کی ہیں۔

جن میں سے بعض صحابہ و تابعین کے اسما یہ ہیں:

قاسم بن محمد بن ابو بکر، ابو بکر بن ابی ملجم، ابو مسلم بن عبد الرحمن، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عبید بن مسعود، اسود بن یزید، سلیمان بن یسار، عبد اللہ البہی، محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، عامر الشعبی، عبد الرحمن بن عاصم بن ثابت اور تمیم (حضرت فاطمہ بنت قیس کے غلام)۔ (حوالۂ سابق)

وصال: خلافت امیر معاویہ کے دور میں جب آپ کے بھائی حضرت ضحاک بن قیس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا والی مقرر کیا تو آپ بھی اپنے بھائی حضرت ضحاک کے ساتھ کوفہ چلی گئیں اور اخیر عمر تک وہیں قیام کیا، پھر دور خلافت معاویہ ہی میں کوفہ میں قیام کے دوران آپ کی وفات ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ ۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(تہذیب التہذیب، ج:۱۰، ص:۴۹۹، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۴ھ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء)

من أهل الفتوى

حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ھ

محمد مناظر حسین، بانکا، جماعت: سادسہ 8423663370

نام ونسب: ہشام بن حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی القرشی الاسدی۔

(اسد الغابۃ، ج:۵، ص ۳۷۲، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

والد گرامی: آپ کے والد حضرت حکیم بن حزام مشہور صحابی ہیں۔ جو فتح مکہ کے دن اپنے چاروں بیٹوں کے ہمراہ ایمان لائے۔ جس میں حضرت ہشام بھی تھے۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دن اعلان عام فرما دیا کہ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہوا اسے امان ہے۔ ۱۲۰ر سال عمر پائی، ساٹھ سال کفر میں گزرے اور ساٹھ سال اسلام میں۔ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی پھوپھی تھیں۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج:۳، ص:۶۷، جمال الدین بن یوسف مزنی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

والدۂ ماجدہ: آپ کی والدہ زینب بنت عوام بن خویلد بن اسد ہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق ملیکہ بنت مالک بن سعد ہیں جو بنی حارث بن فہر سے تھے۔ (الطبقات الکبری، ج:۸، ص:۵۰۶، محمد بن سعد بن منیع الزہری، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

خاندانی حالات: قریش میں آپ کا خاندان معزز و مکرم تھا۔ چناں چہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی خاندان سے تھیں۔ دار الندوہ (جس میں کفار، اسلام کے خلاف سازشیں کرتے) کے مالک حکیم بن حزام تھے، بعد اسلام آپ نے اس مکان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

ولادت: آپ کی تاریخ ولادت مجھے نہ مل سکی۔

قبول اسلام: آپ نے فتح مکہ کے دن اپنے والد گرامی اور تینوں بھائیوں (عبد اللہ، یحیٰ، خالد) کے ہمراہ اسلام قبول کیا۔

تلاوت قران پر استقلال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہشام بن حکیم کے پاس سے گزرا۔ وہ نماز میں سورۂ فرقان کی تلاوت کر رہے تھے، لیکن ان کی قرأت اس قرأت سے مختلف تھی جو میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھی تھی۔ تو اس اختلاف کی وجہ سے میں نماز کے دوران ہی ان پر چھپٹنا چاہتا تھا لیکن میں نے نماز ختم ہونے کا انتظار کیا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے ان کی چادر کھینچی اور دریافت کیا کہ تمھیں ان آیات کی تعلیم کس نے دی؟ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لیا تو میں نے کہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم! جس سورہ کی تم تلاوت کر رہے ہو وہ سورہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھایا ہے تو میں انھیں حضور

ﷺ کے پاس لے گیا اور میں نے عرض کیا کہ آپ کی تعلیم کے خلاف میں نے اسے سورۂ فرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ تو آقا ﷺ نے فرمایا کہ عمر! انھیں چھوڑ دو، اور انھیں پڑھنے کا حکم دیا۔ تو میں نے پھر اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا، تو حضور ﷺ نے فرمایا، اسی طرح نازل ہوئی۔ پھر حضور نے مجھے پڑھنے کا حکم دیا، تو میں نے حضور کی تعلیم کے مطاق پڑھا، تو حضور نے فرمایا۔ هٰكذا أنزلت. پھر حضور نے فرمایا:"إن هذا القران أنزل على سبعة أحرف فاقرأ ما تيسر منه".

بے شک قران سات زبانوں میں نازل ہوا تو جس طرح ممکن ہو پڑھو۔ (اسد الغابۃ، ج:۵، ص:۳۷۳)

جرأت و بے باکی: حضرت ہشام رضی اللہ عنہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سختی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ناپسندیدہ امر کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میں اور ہشام زندہ ہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔

حضرت ہشام کی جرأت سے متعلق ایک واقعہ ذیل میں مذکور ہے:

ایک مرتبہ والی حمص عیاض بن غنم جزیہ ادا کرنے کے سلسلے میں کچھ لوگوں کو دھوپ میں سزا دے رہے تھے، اس پر حضرت ہشام نے ان سے سخت کلامی کرتے ہوئے کہا کہ عیاض! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے حضور ﷺ کا ارشاد نہیں سنا ہے؟ حضور نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جو دنیا میں لوگوں کو سب سے زیادہ ستاتا ہو۔ عیاض نے کہا کہ ہم نے سنا ہے جو کچھ تم نے سنا ہے اور ہم نے دیکھا ہے جو کچھ تم نے دیکھا ہے؛ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جو شخص کسی بادشاہ کو نصیحت کرنا چاہے اسے چاہیے کہ تنہائی میں کرے، اگر قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔ مگر تم اے ہشام! بادشاہوں پر جرأت کرتے ہو۔ (ایضًا، ج:۴، ص:۳۱۶، ۳۱۵)

وصال: آپ کی تاریخ ولادت تو میرے مطالعے اور کوشش میں نہ آسکی لیکن وفات کے بارے میں مذکور ہے کہ اپنے والد گرامی حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے آپ کی وفات ہوئی۔ یہ ابو عمر کا قول ہے اور یہی صحت سے قریب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ واقعۂ اجنادین میں آپ کی شہادت ہوئی، لیکن یہ درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اجنادین میں ہشام بن العاص ۱۳ھ میں وفات پائے۔ اور عیاض بن غنم کے ساتھ آپ کا واقعہ بھی اس پر دلیل ہے کہ اجنادین میں آپ کی شہادت نہ ہوئی ہو، کیوں کہ حمص اجنادین کے بعد فتح ہوا۔ (ایضا، ص:۳۷۳)

مولیٰ تعالیٰ آپ کی قبر انور پر رحمت و نور کی بارش نازل فرمائے اور ہم سب پر آپ کا فیضان جاری فرمائے۔ آمین۔

من أهل الفتوى

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ۶۰ ھ

محب اللہ، سیوان، جماعت: فضیلت ۹۰۲۶۸۵۴۰۳۶

اسم گرامی: آپ کا نام حکیم، والد کا نام حزام اور کنیت ابو خالد ہے۔ آپ کا شمار سرداران قریش میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی ہیں۔

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: حکیم بن حزام بن اسد بن عبد العزی بن قصی اسدی۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۲،ص:۹۷ ،دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ولادت: ابوحبیبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکیم ابن حزام کو کہتے سنا کہ میں واقعۂ فیل کے تیرہ سال پہلے پیدا ہوا، اور وہ وقت مجھے اچھی طرح یاد ہے جب حضرت عبد المطلب نے اپنے فرزند حضرت عبد اللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ (ایضًا، ص۹۸)

آپ کی والدہ کعبہ شریف میں داخل ہوئیں تو وہیں درد زہ ہو گیا، جب تکلیف زیادہ ہوئی تو وہیں ایک چمڑے کے فرش کا انتظام کیا گیا، اس طرح حضرت حکیم ابن حزام کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج:۴، ص:۲۳۴، للامام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

قبول اسلام: آپ اعلان نبوت سے پہلے بھی حضور سے بڑی محبت رکھتے تھے اور بعد میں بھی حضور سے آپ کی وابستگی قائم رہی، مگر اسلام قبول کرنے میں پیچھے رہے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(الاصابۃ ایضا، ج:۲، ص:۹۸)

آپ کا گھر دار الامن بن گیا: فتح مکہ کے دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے گھر کو "دار الامن" بنا دیا، چنانچہ فرمایا: "من دخل دار حكيم بن حزام فهو أمن." یعنی جو حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اور ایسا حضور نے ان کی تالیف قلب کے لیے کیا۔ (الاصابہ ایضا، ج:۲، ص:۹۸)

قبول اسلام سے پہلے شرک سے کنارہ کشی: اللہ نے آپ کے دامن کو ہر وقت شرک کی گندگی سے پاک رکھا۔ چنانچہ حضرت عطا فرماتے ہیں، جب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ سے قریب ہوئے تو فرمایا: أربعة أربابهم عن الشرك: عتاب بن اسيد، و جبير بن مطعم و حكيم بن حزام، و سهيل بن عمر." یعنی چار لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ شرک سے دور رہے:- (۱) عتاب بن اسید، (۲) جبیر ابن مطعم، (۳) حکیم ابن حزام اور (۴) سہیل ابن عمر۔

(سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۲۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

خصوصیات: آپ عالم انساب تھے، قریش کی نسبوں کا بخوبی علم رکھتے تھے اور ان کے گذشتہ حالات سے بھی خوب واقف تھے۔ آپ کے اندر صدقہ و خیرات کرنے کا بڑا جذبہ تھا۔ اسلام لانے سے پہلے بھی آپ بہت سخی تھے، زمانۂ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے اور زمانۂ اسلام میں بھی اتنے غلاموں کو آزاد کیا۔ بلکہ زمانۂ اسلام میں آپ کا جذبۂ تصدق اور زور پر تھا۔

ایک بار عرفہ کے دن آپ حاضر ہوئے اس وقت آپ کے ساتھ سو غلام، سو اونٹ، سو گائے اور سو بکریاں تھیں، آپ نے فرمایا: "یہ سب اللہ کے لیے ہے" اس طرح آپ نے ایک عظیم صدقہ اللہ کے راستے میں پیش کر دیا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۲۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

آپ بہت بڑے تاجر بھی تھے، تجارت کی غرض سے شام اور یمن آیا جایا کرتے تھے، اور نفع بھی کماتے اور واپس آنے کے بعد اپنے قوم کے فقرا پر خرچ کرتے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۲۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

آپ اعلیٰ ذہنیت کے مالک تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی رائے بہت پختہ ہوتی تھی، دار الندوہ میں چالیس سال سے کم عمر کے لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی، مگر آپ صرف پندرہ سال کی عمر سے دار الندوہ حاضر ہوتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۲۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا، حکیم ابن حزام کے ہاتھوں میں خانۂ کعبہ کی ضیافت تھی، وہ خوب بھلائی اور صلہ رحمی کرتے تھے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ایضاً، ج:۲، ص:۹۸)

اخیر میں آپ ہی دار الندوہ کے مالک رہے اور پھر آپ نے ہی اسے حضرت امیر معاویہ کے ہاتھوں ایک لاکھ درہم کے بدلے فروخت کر دیا۔ اس بیع پر ابن زبیر نے آپ کی ملامت کی تو آپ نے جواب دیا، بھتیجے! تم مجھے ملامت نہ کرو کیوں کہ اس کو بیچ کر میں نے جنت میں ایک محل خرید لیا ہے، پھر آپ نے اتنی موٹی رقم اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۲، ص:۹۸)

آپ کی بڑی شان تھی، آپ عالم انساب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم فقیہ بھی تھے۔ كان حكيماً علّامة النسب، فقيه النفس، كبير الشان. (سیر اعلام النبلا، ج۴، ص:۲۳۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

غزوات میں شرکت: فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ مسلمانوں کی فتح و نصرت کے بعد سرکار نے انھیں مال غنیمت سے سو اونٹ عطا کیا۔ پھر اسلام سے آپ کی وابستگی اور بہتر ہو گئی۔

حضرت حکیم ابن حزام فرماتے ہیں: میں نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مال طلب کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر طلب کیا تو آپ نے اور عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا: "يا حكيم! إن هذا المال خضرة حلوة، من أخذه بسخاوة نفس بورك له فيه و من أخذه باشراف نفس لم يبارك له فيه، و كان كالذى يأكل و لا يشبع، و اليد

العلیا خیر من الید السفلیٰ" قال حکیم: "یا رسول اللہ! و الذی بعثك بالحق لا أرزأ أحداً بعدك شیئًا حتی أفارق الدنیا"

ترجمہ: "اے حکیم! یہ دولت بڑی سرسبز اور شیریں ہے، لیکن جو اسے دریادلی کے ساتھ لیتا ہے تو اس کی دولت میں برکت دی جاتی ہے۔ اور جو لالچ کے ساتھ لیتا ہے، اس کی دولت میں برکت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا حال اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا تو ہے مگر آسودہ نہیں ہوتا، اور (سنو) اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔"

حضرت حکیم نے عرض کیا: "یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، جب تک میں دنیا میں جیوں گا کوئی بھی چیز کسی سے نہیں لوں گا، حضور کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا، حضرت ابوبکر نے آپ کو مال دینے کے لیے بلایا مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب بھی حضرت ابوبکر آپ کو بلاتے آپ مال نہ لیتے۔ حضرت ابوبکر کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت آیا تو حضرت عمر نے بھی آپ کو مال میں سے آپ کا حصہ دینے کے لیے طلب کیا مگر اس بار بھی آپ مال لینے پر راضی نہ ہوئے۔ اس پر فاروق اعظم نے فرمایا: مسلمانو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں حکیم کو مال دینے کے لیے بلاتا ہوں مگر وہ لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور کے بعد پوری زندگی آپ نے کسی سے کسی چیز کا نہ تو مطالبہ کیا اور نہ ہی دینے پر لیا۔

(بخاری شریف بحوالہ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج:۲: ص:۵۹، بیروت لبنان)

حضرت حکیم ابن حزام کا حضور سے طلب مال کا واقعہ غزوۂ حنین کے موقع پر واقع ہوا۔

قسم کھانے کا انوکھا انداز: قبول اسلام سے پہلے حضرت حکیم ابن حزام بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ آئے تھے لیکن شکست کھانے کے بعد بچ نکلنے میں کامیاب رہے۔ یہ بچ کر نکل جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی، بلکہ گویا انھیں ایک نئی زندگی مل گئی۔ لہٰذا زمانۂ اسلام میں جب انھیں قسم کھانا ہوتا تو کچھ اس طرح ارشاد فرماتے "و الذی نجانی یوم بدر" یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے بدر کے دن مجھے قتل ہونے سے بچا لیا۔" (الاصابۃ ایضًا، ج:۲، ص:۹۸)

ذات رسول سے وابستگی: آپ خود فرماتے ہیں: "زمانۂ جاہلیت میں بھی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ عزیز تھے۔" (سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۴۶)

اعلان نبوت کے بعد ایک بار آپ ایک میلہ میں گئے جہاں یمنی بادشاہ کا عمدہ جوڑا فروخت ہو رہا تھا۔ آپ نے حضور کو ہدیے میں پیش کرنے کے لیے پچاس دینار میں اسے خرید لیا۔ (سیر اعلام النبلاء ایضا)

ایک مرتبہ آپ عکاظ کے میلے میں گئے، وہاں چھ سو درہم میں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے زید بن حارثہ کو خریدا۔ جب حضرت خدیجہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو آپ نے بطور ہدیہ زید بن حارثہ کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا، جسے حضور نے بعد میں آزاد کر دیا۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۴، ص:۲۳۵)

محاصرۂ قریش کے زمانے میں اعانت: جس وقت کفار قریش نے بنی ہاشم کا بشمول حضور کے شعب ابی طالب میں

محاصرہ کرر کھا تھا، حضرت حکیم ابن حزام نے آپ کی بڑی مدد کی۔ آپ گیہوں سے لدا جانور لیکر گھاٹی میں جاتے اور حضور و دیگر محصورین حضرات کو پیش کر دیتے۔ (سیر اعلام النبلاء ایضًا)

ان حضرات نے آپ سے احادیث روایت کی: آپ کے فرزند صحابیِٔ رسول حضرت ہشام، حزام، عبداللہ بن حارث بن نوفل، سعید ابن مسیب، عروہ، موسیٰ بن طلحہ، یوسف بن ماہک، صفوان بن محرز، عراک بن مالک، محمد ابن سیرین، عطا بن یسار۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۵۹)

آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد چالیس تک پہونچی ہے۔ ان میں سے چار حدیثیں متفق علیہ ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۲۳۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

سفر آخرت: آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا: ”حضرت حکیم ابن حزام کی وفات ۶۰ھ میں ۱۲۰/ سال کی عمر میں ہوئی۔“ امام بخاری نے اسے ابراہیم بن منذر کے حوالے سے بیان کیا۔ امام بخاری نے یہ بھی کہا کہ آپ نے ۶۰/ سال زمانۂ جاہلیت میں گذارا اور ۶۰/ سال زمانۂ اسلام میں بھی۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۲، ص:۹۸)

ایک قول یہ ہے کہ آپ کا انتقال حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں ۵۴ھ میں ہوا۔ آپ وفات سے پہلے نابینا ہو گئے تھے۔ رضی اللہ عنہ و رضی عنہ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۶۰)

اولاد: آپ کے پانچ فرزند اور تین صاحب زادیوں کے نام ہمیں ملتے ہیں۔ فرزندان یہ ہیں: ہشام، حزام، خالد، عبداللہ، یحییٰ۔ آپ کی صاحب زادیاں یہ ہیں: ام سمیہ، ام عمرو اور ام ہشام۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۲۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ولادت.....وفات:۸۰ھ

محمد فیاض، عظیم آباد (پٹنہ)، جماعت: سابعہ موبائیل نمبر ۷۴۹۳۰۴۰۷۲۱

نام: غُمیصاء اور رمیصاء ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص:۵۵۷، مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء۔۱۴۲۷ھ)

کنیت: آپ کی کنیت ام سلیم ہے۔ آپ اپنی کنیت ہی سے مشہور تھیں۔

(اسد الغابہ، عزالدین ابن اثیر الجزری، ج:۷، ص:۲۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ء۔۱۴۲۴ھ)

نسب نامہ: ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حزام بن جندب بن غنم بن عدی بن نجار۔ (ایضًا، ج:۶، ص:۳۷۶)

قبول اسلام: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی صالح اور پاکیزہ فطرت سے نوازا تھا، بیعت عقبۂ اولیٰ میں جب چند سعادت مند حضرات نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کیا اور مدینہ میں آکر اسلام کی دعوت و تبلیغ کی تو اس وقت حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے دین حق کے قبول کرنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہ کیا بلکہ دین اسلام کا چرچا سن کر فوراً شجر اسلام کے چھاؤں میں آگئیں۔ اسی اولیت کی بنیاد پر آپ کا شمار گروہ انصار میں "سابقین اولین" میں ہوتا ہے۔

ابوطلحہ کا قبول اسلام اور ام سلیم کا ان کے ساتھ نکاح:

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے شوہر مالک بن نضر ان پر ناراض ہوکر ملک شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا تو ام سلیم نے کہا اے ابوطلحہ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم ایک لکڑی کے سامان کی پرستش کرتے ہو؛ جو زمین سے پیدا ہوتی ہے اور جسے فلاں قبیلے کے ایک حبشی نے بنایا ہے؟ ابوطلحہ نے کہا: ہاں! جب ابوطلحہ نے اس بات کو قبول کرلی کہ میں لکڑی کی عبادت کرتا ہوں تو ام سلیم نے ان کو عار دلایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ تم لکڑی کی عبادت کرتے ہو؟ اگر تم اسلام لے آؤگے تو میں تم سے شادی کرلوں گی، اور میرا مہر وہی ہوگا اس کے علاوہ میں کسی چیز کا سوال نہیں کروں گی، ابوطلحہ نے کچھ دن تک غور و فکر کیا پھر ام سلیم کے سامنے آکر کلمۂ شہادت پڑھ لی ام سلیم نے انس بن مالک سے کہا کہ میرا نکاح ابوطلحہ سے کردو اس طرح دونوں ازدواج کے بندھن میں بندھ گئے۔ (مسند امام احمد بن حنبل مع حاشیہ منتخب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج:۶، ص:۳۷۶، دار الفکر)

ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ام سلیم رضی اللہ عنہا کی دو اولاد ہوئیں، ایک ابو عمر جن کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا، اور دوسرے عبداللہ جن سے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل چلی۔

ثابت نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کی مہر کے متعلق سے فرمایا ہے کہ میں نے ام سلیم کی مہر سے بہتر کسی کا مہر نہیں سنا ہے۔
(اسد الغابہ، عزالدین ابن اثیر الجزری، ج:۲، ص:۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳ء۔ ۱۴۲۴ھ)

ام سلیم کا غزوات میں شرکت: ام سلیم رضی اللہ عنہا غزوات میں بہت ہی جوش خروش کے ساتھ شریک ہوتی تھیں، لشکر اسلام اور خصوصًا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے پایاں خدمت کرتی تھیں۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ غزوۂ حنین کے موقع پر اپنے ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے تھیں، ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ام سلیم تلور لیے ہوئی ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام سلیم سے پوچھا کیا کروگی؟ بولیں اگر کوئی مشرک قریب آئے گا اس کے پیٹ پر وار کردوں گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرانے لگے۔ اس کے بعد ام سلیم نے عرض کیا "مکہ کے جو لوگ میدان جنگ سے بھاگے ہیں انہیں قتل کردیں" رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا نے خود ان کا انتظام فرمادیا ہے"

اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہا نے متعدّد غزوات وسرایا مین شرکت کیں۔

چناں چہ ۳ھ میں جب جنگ احد کا موقع آیا تو اس میں ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی شریک تھیں جب جنگ میں ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا جس میں کئی حضرات زخمی بھی ہوگئے تو اس موقع پر ام سلیم رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ میدان جنگ میں مشک بھر بھر کر پانی لاتیں اور زخمیوں کو پلاتیں اور ان کے زخموں پر مرہم لگاتیں۔ (صحیح بخاری، ج:۲، ص:۵۸۱، مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی، ہند)

فقہی شان: ام سلیم رضی اللہ عنہا سے چند حدیثیں مروی ہیں، اور ان سے روایت کرنے والے حضرات میں حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، مزید بن ثابت، ابوسلمہ اور ابوعمر بن عاصم رضی اللہ عنہم ہیں۔

بہت سارے لوگ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرتے تھے اور آپ خوش دلی سے ان کا جواب دیتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور زید بن ثابت کے درمیان ایک مسئلہ کو لے کر اختلاف ہوگیا تو ان دونوں بزرگوں نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ہی کو حکم مانا۔

(مسند امام احمد بن حنبل مع حاشیہ منتخب کنز العمال فی سنن اقوال والافعال ص:۴۳۰ اور ۴۳۱ دار الفکر)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے عادات حسنہ میں سے یہ بھی تھا کہ وہ مسائل کے پوچھنے میں کبھی عار محسوس نہیں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور پوچھنے لگی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر خواب میں احتلام کی وجہ سے غسل واجب ہے؟ امیر المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ سن رہی تھیں، بے ساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کو رسوا کردیا بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں ورنہ بچے اپنے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں؟ (ایضًا، ص:۳۷۷)

ام سلیم رضی اللہ عنہا کا عشق رسول اور ذات رسول سے وابستگی اور لگاؤ: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اس کا اندازہ بخوبی اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثروبیشتر ان کے گھر تشریف لے جاتے اور دو

پہر کو ان کے گھر آرام فرماتے، جب حضور ﷺ بستر استراحت سے اٹھتے تو جو کچھ بھی پسینۂ مبارک اور موئے مبارک گرتا تو اس کو ام سلیم ایک شیشی میں بطور تبرک جمع کر لیتی تھیں۔

(صحیح بخاری، ج ۲/۲۹۹ مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ہند)

اسی طرح ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کے مشک سے منہ لگا کر پانی پی لیا تو وہ اٹھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر بطور تبرک رکھ لیا کہ اس سے حضور ﷺ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل مع حاشیہ منتخب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال۔ ج ۶/ص: ۳۷۶ دار الفکر)

ان دونوں واقعات سے یہ واضح اور عیاں ہو جاتا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ سے حد درجہ لگاؤ اور محبت تھی، وہ سرکار ﷺ کی خدمت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیتی تھیں اور آپ کی عزت واحترام کا مکمل خیال رکھتی تھیں۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا صبر وتحمل: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا صبر حضور ﷺ کے ارشاد الصبر عند الصدمة الاولی کے عین مطابق تھا، جیسا کہ اس کی شہادت مندرجہ ذیل واقعہ سے مکمل طور پر مل جاتی ہے

واقعہ یہ ہے کہ ان کے بیٹے ابو عمیر کا انتقال ہو گیا اس وقت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر کسی کام کے لیے گئے ہوئے تھے، لیکن جب وہ شب میں گھر آئے تو حضرت ام سلیم نے انہیں اول وہلہ میں بیٹے کے موت کی خبر نہ سنائی بلکہ انتہائی صبر وضبط سے کام لیا اور انہیں پتہ تک چلنے نہیں دیا، اس کے بعد انہوں نے اپنے شوہر کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور دونوں نے رات ویسے ہی گزاری جس طرح میاں بیوی رات گزارتے ہیں۔ یہ سب حکم خدا کی تعمیل اور حقوق زوج کی رعایت کی وجہ سے تھا، پھر ام سلیم نے اپنے بیٹے کا واقعہ بتایا، جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور پورا واقعہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے ان کی اولاد میں برکت کی دعا فرمائی۔

(اسد الغابہ، عزالدین بن الاثیر الجرری۔ ج ۳/۲۵۸۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان ۲۰۰۳م۔ ۱۴۲۴ھ)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام سلیم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے آج حضور ﷺ کی آواز کو بھوک کی وجہ سے کمزور پایا ہے، تمھارے پاس کچھ ہے؟ ام سلیم نے کہا ہاں! پھر ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو کی روٹی نکال کر اسے انس بن مالک کے ہاتھوں حضور ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا۔ انس بن مالک فرماتے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضور ﷺ کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہیں میں وہاں کھڑا ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کھڑے ہو جاؤ، پھر حضور ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ ابو طلحہ کے پاس پہنچے تو ابو طلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ اے ام سلیم! رسول اللہ ﷺ بہت سے لوگوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں، اور ہمارے پاس کھلانے کے لیے اتنا انتظام نہیں، ام سلیم نے جواب دیا کہ اللہ و رسول خوب جانتے ہیں۔

پھر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے ملے اور ان کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اے ام سلیم تمھارے پاس جو کچھ بھی ہو لے آؤ تو وہ انھیں روٹیوں کو لے آئیں، پھر حضور ﷺ نے انہیں ڈھک کر رکھنے کا حکم

دیا اور فرمایا کہ دس آدمیوں کو لے آؤ وہ آگئے اور ان دسوں پیٹ بھر کھایا اور چلے گئے حضور ﷺ نے پھر فرمایا مزید دس آدمیوں کو لے آؤ وہ آگئے اور انہوں نے بھی بھر پیٹ کھایا حتیٰ کہ ان سب لوگوں نے پیٹ بھر کھانا کھالیا وہ ستر یا اسی آدمی تھے۔
(صحیح البخاری ج ۲/ ۸۱۰۔ مجلس برکات۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ہند)

یہ دونوں واقعات حضرت ام سلیم کے صبر وتحمل اور قوت ضبط کی بین دلیل ہیں کہ انہوں نے اتنے مشکل وقت میں بھی اپنے آپ کو سنبھالا اور حکم خدا کی تعمیل کی، اگر کوئی اور ہوتا تو شاید اس مقام میں صبر وضبط سے کام نہ لے پاتا۔

فضل وکمال: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی فضیلتیں بے شمار ہیں خیر وصلاح کی ہر شاخ پر آپ نے اپنا آشیانہ بنایا۔ چنانچہ آپ نے بارگاہ نبی کریم ﷺ سے ایک عظیم خوشخبری پائی ہے جو آپ کی عظمت و رفعت اور بلندی شان پر پورے طور سے دلالت کرتی ہے اسد الغابہ میں ہے: قال النبی ﷺ دخلت الجنة فسموت خشفة فقلت: ما هذا ؟ فقالوا: العميصاء بن ملحان۔ (اسد الغابہ، عزالدین بن الاثیر الجزری ج ۷/ ۲۰۷۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔ ۲۰۰۳م ۱۴۲۴ھ)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو ایک آہٹ محسوس ہوئی میں نے کہا کون ہے ؟ تو لوگوں نے کہا کہ غمیصا بنت ملحان۔

اولاد: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی دو شادیاں ہوئی تھیں، ایک مالک بن نضر سے اور دوسرے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے، پہلے شوہر مالک بن نضر سے انس پیدا ہوئے، جب کہ دوسرے شوہر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو لڑکے پیدا ہوئے، ابو عمیر اور ابو عبداللہ۔ ابو عمیر بچپن میں ہی فوت ہوگئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

ولادت:۔۔۔۔وفات:۴۵ھ

محمد التمش انصاری، پرتاب گڑھ، جماعت: فضیلت Mob. 9616970035

نام: حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نسب: دحیہ بن خلیفہ بن فروۃ بن فضالہ بن زید بن امری القیس بن خزرج بن عامر بن بکر بن عامر اکبر بن عوف بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

(اسد الغابہ، عزالدین ابن الاثیر الجزری، ج:۲، ص:۱۹۷، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دوسرا ایڈیشن: ۲۰۰۳ء)

علامہ ابن سعد نے کچھ اضافہ کے ساتھ نسب بیان کیا ہے:

دحیہ بن خلیفہ بن فروہ بن فضالہ بن زید بن امرالقیس بن خزرج وھو زید مناۃ بن عامر بن بکر بن عامر اکبر بن عوف بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن حاف بن قضاعہ۔

(الطبقات الکبریٰ، علامہ محمد بن سعد بن منیع زہری، ج:۴، ص:۴۴۴، دار التراث العربی، بیروت، پہلا ایڈیشن: ۱۹۹۶ء)

تاریخ ولادت کا ذکر ایک اہم مقام رکھتا ہے لیکن حضرت دحیہ کلبی کی تاریخ ولادت کا ذکر تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں ملا۔

قبول اسلام: علامہ ابن سعد فرماتے ہیں: حضرت دحیہ کلبی جنگ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (ایضاً، ص:۴۴۴)

آپ کے قبول اسلام کا واقعہ بڑا ہی حیرت انگیز ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت دحیہ کلبی عرب کے کافر بادشاہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے اسلام لانے کے بڑے متمنّی تھے، کیوں کہ ان کے زیر اثر ان کے قبیلے اور خاندان کے سات سو افراد ایسے تھے جو ان کے اسلام لاتے ہی دامن اسلام سے وابستہ ہو جاتے۔

ادھر نبی کریم نے ان کے ایمان کی تمنا کی ادھر دحیہ کلبی کا مقدر بیدار ہوا اور اسلام لانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی آگاہ کیا گیا کہ دحیہ کے قلب کو نور ایمان سے منور کر دیا گیا ہے وہ حاضر ہونے والا ہے۔ فجر کے بعد دحیہ کلبی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، نبی پاک نے دحیہ کو دیکھتے ہی اپنی نورانی چادر بچھا دی اور اس پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ دحیہ کلبی آپ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر گرویدہ ہو گئے، لرزتے ہاتھوں سے چادر کو اٹھایا، بوسہ دیا اور سر پر رکھ کر پکار اٹھے "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ". دامن اسلام سے وابستہ ہوتے ہی آپ کے تن بدن میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی، دفعۃً کسی خیال کی وجہ سے دحیہ کلبی آزردہ خاطر ہو گئے، آنکھیں اشک بار ہو گئیں، آپ کی کیفیت کو دیکھ کر حضور

ﷺ نے فرمایا: دحیہ یہ رونے کا مقام نہیں ہے بلکہ مسرت و شادمانی کا وقت ہے۔ حضرت دحیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے گناہوں کا کفارہ کیا ہے؟ اگر کفارہ جان کی قربانی ہو تو بھی دریغ نہ کروں گا۔ حضور نے پوچھا: آخر وجہ کیا ہے؟ دحیہ کلبی نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک بادشاہ تھا، میری کئی بیویاں تھیں۔ میں اپنے لیے معیوب سمجھتا تھا کہ میرے گھر میں بچیوں کی پرورش ہو اور مجھے ان کی شادی کر کے کسی کو اپنا داماد بنانا پڑے اس لیے میں نے اپنے ہاتھوں سے ستر بیٹیوں کو قتل کیا ہے۔ یہ سن کر حضور متحیر ہو گئے، ابھی آپ نے کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ حضرت جبریل وحی لے کر تشریف لائے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ دحیہ سے کہہ دیجیے کہ میرے رب نے فرمایا ہے کہ میری عظمت و جلال کی قسم! تیرے ایمان لانے کی وجہ سے میں نے تیرے ساٹھ سال کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے تو کیسے تیرے اس گناہ کو معاف نہ کروں گا۔

(ملخصاً خطبات اسلام، عبدالمالک مصباحی، ص:۱۲۸، رضوی کتاب گھر دہلی)

حالات: آپ حسن و جمال کے پیکر تھے، خوب رو، دل کش اور نہایت حسین و جمیل تھے۔ آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، آپ کے حسن و جمال کی مثال دی جاتی تھی، آپ حضرت جبریل کے مشابہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میں نے دحیہ کو سب سے زیادہ حضرت جبریل کے مشابہ دیکھا ہے۔ (طبقات لابن سعد، ص:۴۴۴)

حضرت جبریل کبھی کبھی آپ کی صورت میں حضور کی بارگاہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ حضور فرماتے ہیں: میرے سامنے انبیائے کرام علیہم السلام کو پیش کیا گیا، میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا تو دحیہ کو آپ کے مشابہ پایا۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج:۱، ص:۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پہلا ایڈیشن: ۲۰۱۱ء)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں اور نبی کریم ﷺ گھر میں موجود تھے، دحیہ کلبی نے آکر سلام کیا، تو حضور نے فرمایا: یہ جبریل ہیں اور مجھے بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ اسی حدیث میں ایک مقام پر نبی کریم نے صحابہ سے پوچھا: "کیا تمھارے پاس سے ابھی کوئی گزرا ہے؟" صحابہ بولے ہاں ابھی دحیہ کلبی سیاہ مائل سفید رنگ کے خچر پر جس کے نیچے ریشم کی چادر بچھی ہوئی تھی سوار ہو کر گزرے ہیں۔ حضور نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ (ایضا، ج:۴، ص:۱۲۸)

ذات رسول ﷺ سے وابستگی: حضرت دحیہ کلبی نبی کریم ﷺ کے رفیق اور کبار صحابہ میں سے تھے، حضور کو آپ سے بے پناہ الفت و محبت تھی، اگر حضور کے پاس کوئی تحفہ آتا تو اس میں دحیہ کو ضرور شریک فرماتے اور دحیہ کلبی آپ کی بارگاہ میں کوئی ہدیہ پیش کرتے تو ضرور قبول فرماتے۔

جنگ خیبر کے بعد جب باندیاں جمع کی گئیں تو حضرت دحیہ کلبی نے حضور سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ایک باندی عطا ہو تو آپ نے فرمایا: جا کر لے لو۔ دحیہ کلبی نے حضرت صفیہ کا انتخاب کیا۔ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! صفیہ سیدہ ہیں، بنو قریظہ و نضیر سے ان کا تعلق ہے، وہ صرف آپ کے مناسب ہیں۔ آپ نے دحیہ کو بلا کر کہا کہ تم دوسری باندی کا انتخاب کر لو اور خود حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۴، ص:۲۱۴)

ایک دفعہ حضرت دحیہ نے حضور کی خدمت میں خفین (چمڑے کا موزہ) پیش کیا، حضور نے قبول فرماکر زیب تن فرمایا۔
(اسد الغابہ، ص:۱۹۸)

صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے امراو سلاطین کو دعوت اسلام کا پیغام بھیجا، ہرقل قیصر روم کے پاس خط لے جانے کے لیے حضرت دحیہ کا انتخاب کیا۔ جب حضرت دحیہ خط لے کر ہرقل کے پاس پہنچے تو اس نے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ خط کا مضمون تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی اعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم واسلم یوتك اللہ اجرك مرتین وان تولیت فان علیك اثم الاریسیین. (صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، ج:۲، ص:۹۸، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے یہ خط محمد رسول اللہ کی جانب سے ہرقل بادشاہ روم کو ہے۔ جس نے ہدایت کی پیروی کی وہ سلامت رہا۔ میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اللہ تمھیں دونا اجر عطا فرمائے گا اور اگر انکار کروگے تو تمھاری رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔

ہرقل نے حضور کی رسالت کا اقرار کیا اور ایمان لے آیا۔ حضرت دحیہ کلبی نے اس کی خبر حضور کو دی تو آپ نے ہرقل کے لیے دعا فرمائی "ثبت اللہ ملکه" (اللہ اس کی سرداری کو قائم رکھے)۔ (اسد الغابہ، ص:۱۹۸)

اسد الغابہ میں ہرقل کے ایمان کا قول کیا گیا ہے جب کہ تواریخ حبیب الہ میں ہے کہ ہرقل بادشاہت کی لالچ کی وجہ سے سعادت ایمان سے محروم رہا۔ (تواریخ حبیب الہ، ص:۱۰۲، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

غزوات و سرایا: نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ نے بہت سے غزوات میں شرکت کی، جنگ بدر سے پہلے ایمان لائے لیکن جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے، البتہ اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ (طبقات لابن سعد، ص:۴۴۵)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دحیہ کو صرف ایک سریہ میں روانہ کیا۔ (سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی تشریف نہ لے جاکر کسی دوسرے کو امیر لشکر بناکر روانہ کریں)

(الاصابہ، ابن حجر عسقلانی، ج:۲، ص:۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، دوسرا ایڈیشن: ۲۰۰۳ء)

حدیث: آپ کی مرویات بہت کم ہیں۔ تہذیب الاسماء واللغات میں ہے کہ آپ نے نبی کریم ﷺ سے صرف تین حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ کی مرویات میں سے چند ایک یہاں ذکر کی جارہی ہیں:

عن دحیه الکلبی: قلت یا رسول اللہ! الا احمل لك حمارا علی فرس، فینتج لك بغلة ترکبها؟ قال: انما یفعل ذلك الذین لا یعلمون.

(سیر اعلام النبلا، علامہ ذہبی، ج:۴، ص:۱۵۷، دار الفکر، بیروت، پہلا ایڈیشن: ۱۹۹۷ء)

ترجمہ: دحیہ کلبی سے مروی ہے، میں نے کہا؛ یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کے لیے گدھے اور گھوڑی کی جفتی نہ کرادوں جس سے خچر پیدا ہو اور آپ اس کی سواری کریں؟ آپ نے فرمایا: ایسا ناسمجھ لوگ کرتے ہیں۔

عن دحیه الکلبی انه قال: اتی رسول الله صلی الله علیه و سلم بقباطی فاعطانی منها قبطیة.

(اسد الغابہ، ص:۱۹۸)

ترجمہ: حضرت دحیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو باندیاں پیش کی گئیں تو آپ نے مجھے ایک باندی عنایت فرمائی۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ جنھوں نے آپ سے حدیثیں روایت کیں وہ یہ ہیں:

منصور بن سعید الکلبی۔ محمد بن کعب القرظی۔ عبداللہ بن شداد بن الہاد۔ عامر الشعبی۔ خالد بن یزید بن معاویہ وغیرہم۔

(سیر اعلام النبلا، ص:۱۵۷)

وفات: جنگ یرموک میں شریک ہونے کے بعد دمشق کے نواح میں ''مزہ'' نامی ایک بستی میں سکونت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ''مزہ'' ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ (الاصابہ، ص:۳۲۳)

علامہ زرکلی نے آپ کا سن وفات ۴۵ھ مطابق ۶۶۵ء بیان کیا ہے۔

(اعلام، خیر الدین الزرکلی، ج:۲، ص:۳۳۷، دار العلم للملایین، بیروت، چودھواں ایڈیشن: ۱۹۹۹ء)

من
أهل الفتوى

ولادت:۔۔۔۔وفات:۱۲ھ

غلام احمد رضا، سمستی پور، جماعت: فضیلت Mob. 9009094216

اسم گرامی: ثابت، کنیت: ابو محمد، لقب: خطیب رسول اللہ، والد کا نام: قیس بن شماس۔

سلسلۂ نسب: ثابت بن قیس بن شماس بن ثعلبہ بن زہیر بن امرء القیس بن مالک بن حارث بن خزرج۔

(معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۳۹۵، ابونعیم اصبہانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اولیٰ ۲۰۰۲-۱۴۲۲ھ)

آپ کی والدہ کے نام کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ صاحبِ تھذیب الاسماء واللغات نے ہند بنت رہم لکھا ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۵۰، ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اولیٰ، ۲۰۰۷ء-۱۴۲۸ھ)

اور صاحبِ سیر أعلام النبلاء نے ہند الطائیہ لکھا ہے۔ (سیر أعلام النبلاء ج:۳، ص:۳۴۰، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع اولیٰ، ۱۹۹۷ء-۱۴۱۷ھ)

خاندانی پس منظر: آپ انصاری صحابہ میں سے ہیں، آپ کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا صاحبِ استیعاب فی معرفۃ الاصحاب نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ کا تعلق قبیلۂ طے سے تھا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج:۱، ص:۲۷۶، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع ثانی، ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)

ولادت: آپ کی ولادت کی تاریخ معلوم نہیں۔

قبول اسلام: ہجرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ پہلے اسلام لائے۔

ذات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: آپ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت قریب رہا کرتے تھے کیوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطیب تھے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "نعم الرجل ثابت بن قیس" ثابت بن قیس کتنا اچھا شخص ہے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۴۵۱، عزالدین ابن الأثیر الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن اشاعت: ۲۰۰۳ء ۱۴۲۴ھ)

غزوات اور دیگر حالات: آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو تمام شہر آپ کا استقبال اور خیر مقدم کرنے کے لیے امنڈ پڑا اس وقت حضرت ثابت نے جو خطبہ دیا اس کا فقرہ یہ تھا "نمنعك مما نمنع منه انفسنا و اولادنا! فما لنا؟" قال "الجنة!" قالوا "رضينا"، یعنی ہم آپ کی ہر اس چیز کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی جان اور اولاد کی

حفاظت کرتے ہیں، لیکن ہم کو اس کا صلہ کیا ملے گا، حضور ﷺ نے فرمایا "جنت" تو پورا مجمع پکار اٹھا کہ "ہم سب راضی ہیں"۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۱، ص:۲۰۳، امام ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع ثانی، ۲۰۰۲ء۔ ۱۴۲۳ھ)

۹ھ میں بنو تمیم کا وفد جس میں تقریباً ستر یا اسی لوگ تھے آقا ﷺ کے در دولت پر آپڑا اور بدویانہ طریقے سے آواز بلند کرنے لگا کہ باہر نکلو، حضور ﷺ تشریف لائے بات چیت کے بعد عطارد بن حاجب سے لوگوں نے کہا کہ تمیم کے بارے میں حضور ﷺ کو بتاؤ، عطارد اس قبیلہ کا مشہور خطیب تھا، اس کی تقریر ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت کو حکم دیا کہ تم اس کا جواب دو، حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے اس فصاحت و بلاغت سے جواب دیا کہ اقرع بن حابس بول اٹھا کہ اپنے باپ کی قسم ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۱، ص:۲۶۵، عز الدین ابن الاثیر الجزری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، سن اشاعت:۲۰۰۳ء۔ ۱۴۲۴ھ)

۵ھ میں غزوۂ مریسیع میں آپ نے شرکت کی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور مال غنیمت حاصل ہوا اور بہت سے لونڈی اور غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرارہ کی صاحبزادی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئیں، ذی وجاہت خاندان کی خاتون تھیں، غلامی کی زندگی بسر کرنا ان کی غیرت و پاک دامنی نے گوارا نہ کیا چناں چہ ۹/۱ اوقیہ سونے پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رہائی کی شرط قرار پائی، لیکن پاس کچھ نہ تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی گزشتہ عظمت اور موجودہ پریشانی بیان کر کے مدد کی طالب ہوئیں، چنانچہ آپ نے زر مکاتبت ادا کر کے انہیں آزاد کرایا اور پھر ان کی خوشی سے نکاح کرلیا۔ اس طرح انہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوگیا۔

(الکامل فی التاریخ، ج:۲، ص:۷۶، المؤرخ عز الدین أبی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد أبی عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الأثیر، لدار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، طبع ثالث، ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱ء)

فضائل: آیت: یٰاَیھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا أصواتکم.... الخ. نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے عہد کیا کہ اپنی آواز کو پست رکھیں گے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کافی بلند تھی اس لیے وہ اس آیت کے نزول کے بعد خوف سے گھر میں بیٹھ گئے اور استغفار میں مشغول ہوگئے۔ کئی دن مجلس رسول میں حاضر نہ ہوئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من یعلم لی علمہ" کون مجھے اس کی خبر دے گا؟ تو ایک شخص نے عرض کیا "میں یا رسول اللہ!" تو وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گیا اس نے انہیں گھر میں موجود پایا تو اس نے ان کی حالت دریافت کی حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا "برا" میری آواز رسول اللہ کی آواز سے بلند تھی تو میرے اعمال برباد ہوگئے اور میں دوزخی ہوگیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا "إذهب فقل لهٗ: لست من أهل النار، و لكنك من أهل الجنة" جاؤ ان سے کہو: تو اہل جہنم سے نہیں بلکہ جنتیوں میں سے ہے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۱، ص:۴۵۱، عز الدین ابن الاثیر الجزری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، سن اشاعت:۲۰۰۳ء۔ ۱۴۲۴ھ)

آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وفات کے بعد آپ نے وصیت کی اور آپ کی وصیت نافذ ہوئی واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں جب آپ کی شہادت ہوئی تو اس وقت آپ کے جسم مبارک پر ایک عمدہ، نفیس اور قیمتی چادر پڑی ہوئی تھی جسے ایک شخص نے لے لیا تو آپ نے ایک دوسرے شخص سے خواب میں فرمایا "فلاں شخص نے میری چادر لے لی ہے اور آپ نے اس کی نشان دہی فرمائی اور اس خواب دیکھنے والے شخص سے فرمایا کہ وہ خالد کے پاس جائے اور انہیں حکم دیں کہ وہ اس سے چادر کو لے لیں اور وہ (یعنی خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر دے کہ میرے اوپر فلاں فلاں کا قرض ہے" تو جب وہ شخص بیدار ہوا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور انھیں اس کی خبر دی تو انھوں نے چادر منگوائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے خواب کو بیان کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی وصیت نافذ فرمائی۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۵۰، ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع اولیٰ ۲۰۰۷ء۔ ۱۴۲۸ھ)

شہادت: دور صدیقی ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۵۵۵، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع اولیٰ، ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵ء)

من أهل الفتوى

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔وفات:۵۴ھ

محمد کوثر رضا قادری، شراوستی، جماعت: سادسہ Mob. 9984769974

اسم گرامی: آپ کا نام ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، آپ کے والد کے نام میں اختلاف ہے، ایک روایت میں بجد داور دوسری میں جحدر ہے، آپ کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو عبد الرحمن ہے۔ لیکن اصح پہلا قول ہے، آپ کا تعلق یمن کے قبیلہ حمیر سے ہے۔

آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال پر ملال کے بعد ملک شام کی طرف کوچ کر گئے اور وہیں تا دم حیات اقامت گزیں رہے، ۵۴ھ میں وفات پائی۔ (ملخصًا ایضًا، ج:۱، ص:۴۸۰)

آپ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی میں رہ کر کئی احادیث روایت کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ان اللہ زوی لی الارض فدأیت مشارقها و مغاربها و ان امتی سیبلغ ملکها مازوی لی منها.

(مشکاۃ المصابیح، ص:۵۱۲، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، یہاں تک کہ میں نے اس کے مغرب و مشرق کو دیکھ لیا اور مجھ کو دو خزانے عطا ہوئے، ایک سرخ اور دوسرا سفید اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہونچ جائے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی۔

من أهل الفتوى

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۶۳ھ

عبد القادر خان، جماعت: رابعہ 9307809013

نام: بریدہ عامر۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ص:۳۱۸، ج: ۱، طبع اول ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، دار الفکر بیروت)

لقب: بریدہ۔ (ایضًا)

کنیت: ابو عبد اللہ (تہذیب التہذیب، ج:۱، ص: ۴۵۲، طبع اول ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء مکتبہ دار الفکر، بیروت)

سلسلۂ نسب: بریدہ بن حصیب بن عبد اللہ بن حارث بن اعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن سہم بن مازن بن حارث بن سلامان بن اسلم بن افصی الاسلمی۔ (الاصابۃ، ص:۳۱۸، ج:۱، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء مکتبہ دار الفکر، بیروت)

قبول اسلام: جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام غمیم پہونچے تو حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سامنا ہوا تو آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ انور پر، نورِ نبوت نظر آیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے استفسار فرمایا: تمھارا نام کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: "بریدہ" نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حروف سے اچھا معنی مراد لینے والی اپنی عادت کریمہ کے مطابق "بُرَیدہ" کی اصل "بَرْودۃ" یعنی ٹھنڈک سے سلامتی و سکون مراد لیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "قَدْبَرَدَأَمْرُنَاوَصَلَحَ یعنی ہمارا معاملہ ٹھنڈا اور صالح ہوگیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: "کس قبیلے سے ہو؟" عرض کیا: قبیلہ بنی اسلم سے۔ فرمایا: سَلِمْنَا یعنی ہمارے لیے سلامتی ہے۔" پھر پوچھا: "بنی اسلم کے کون سی شاخ سے؟ عرض کیا: "بنی سہم سے۔ فرمایا: اصبتَ سَهْمَكَ یعنی تونے اپنا حصہ پالیا۔" مراد یہ تھی کہ تونے اسلام میں اپنا حصہ پالیا۔ اس کے بعد سیدنا بُرَیدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: "آپ کون ہیں"؟ فرمایا: "نبی محمد بن عبد اللہ، اللہ کا رسول ہوں"۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گفتگو سے سیدنا بُرَیدہ اسلمی بہت متاثر ہوئے۔ آپ اور آپ کی قوم کے جتنے افراد آپ کے ہمراہ تھے تمام مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ (فیضان صدیق اکبر، ص۲۳۵، مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی)

ہجرت مدینہ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد تقریباً ۵ھ تک اپنے وطن میں ہی مقیم رہے اور ۶ھ میں ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئے۔ (ملخصًا مشاہیر حدیث، ص:۱۶۷۔ ڈاکٹر عاصم اعظمی)

غزوات وسرایا میں شرکت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے اور جاں بازی کے جوہر دکھائے، فتح مکہ ۸ھ میں پیش آیا جس میں آپ کو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں یمن کے لیے جو سریہ بھیجا گیا تھا حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں شامل

تھے۔عہد رسالت کے ابتدائی غزوات کے علاوہ تمام غزوات میں حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرکت کی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں جو لشکر شام کی طرف بھیجا گیا تھا اس میں آپ علم بردار تھے۔(تھذیب التھذیب، ج:۱، ص:۴۵۲، طبع اول، مکتبہ دار الفکر بیروت)

سفر بصرہ اور جذبۂ جہاد: حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں مدینہ ہی میں قیام فرمایا اور عہد فاروقی میں جب بصرہ آباد ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لے آئے۔(ایضا۔ملخصا)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا جزبہ خون بن کر گردش کرتا تھا، حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد میں بڑے شوق سے شرکت فرمایا کرتے تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''زندگی کا مزہ (راہ خدا میں) گھوڑا دوڑانے میں ہے'' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب خراسان پر فوج کشی ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے جس سے دشمن تھرّا گئے۔مگر خانہ جنگی کے دوران آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ہمیشہ نیام میں ہی رہی۔ (مصدر سابق)

ذات رسول سے وابستگی: حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات رسول سے اس قدر قرب حاصل تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے تکلفانہ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ راستہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے بڑھے۔

بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس تقرب کا یہ اثر تھا کہ رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کا ذخیرہ آپ کے سینے میں محفوظ ہو گیا تھا اور آپ اسے طالبان علم نبوت کو سناتے تھے۔(ملخصا مشاہیر حدیث، ص:۱۷۷)

آپ کی مرویات: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات کی تعداد ۱۶۴ ہے جن میں ایک متفق علیہ دو میں بخاری اور گیارہ میں مسلم منفرد ہے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام حدیثیں مرفوع ہیں۔

آپ کے تلامذہ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ حسب ذیل ہیں: عبداللہ، سلیمان، عبداللہ بن اوس خزائی، شعبی، ملیح بن اسامہ، وغیرھم۔(ایضا)

مکارم اخلاق: حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامنِ اخلاق محامد ومحاسن کے سدا بہار پھولوں سے مالامال، اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پوری عمر کاربند رہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوہ، حق گوئی اور بے باکی تھا اور حکومت واقتدار کے دبدبہ سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔ آپ سچی بات فرمادیا کرتے تھے اگرچہ وہ کتنی ہی کڑوی کیوں نہ ہو۔ایک بار آپ امیر معاویہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت وہاں ایک شخص موجود تھا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شوق سے کہیے۔ فرمایا میں نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں روئے زمین کے کنکر، پتھر اور درختوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: معاویہ! کیا اس عام شفاعت کے تم مستحق ہو اور علی نہیں ہیں؟۔(ایضا)

وفات: حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی کی آخری عمر میں مرو میں قیام فرمایا اور وہیں ۶۳ھ میں وفات پائی۔

اور ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے یزید بن معاویہ کی خلافت میں ۶۳ھ میں وفات پائی۔(تھذیب التھذیب، ج:۱، ص:۴۵۲، طبع اول۔مکتبہ دار الفکر، بیروت)

من
أهل الفتوى

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت..... وفات ۵۶ھ

مجیب احمد، رام پور، جماعت: فضیلت ۹۶۹۰۷۴۷۴۶۶

نام ونسب: رویفع۔ **والد کا نام:** ثابت بن سکن۔
سلسلۂ نسب یوں ہے: رویفع بن ثابت بن سکن بن عدی بن حارثہ۔

(اسد الغابۃ، ج:۲، ص:۲۹۸، دار الکتب العلمیہ بروت، طبع ثانی ۲۰۰۳ء)

خاندانی پس منظر: مدینہ میں دو مشہور قبیلے تھے، اسلام سے پہلے ان کی دشمنی ضرب المثل تھی، لیکن جب اسلام آیا تو ان کی دشمنی، دوستی میں تبدیل ہوگئی، مکہ مکرمہ سے آنے والی مظلوم مہاجروں کی جماعت کو انہوں نے پناہ دی اور نسبی رشتہ سے بڑھ کر اپنے مہاجر بھائیوں کے حقوق ادا کیے، یہ دو قبیلے اوس وخزرج کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ حضرت رویفع بن ثابت کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بنو مالک بن نجار سے ہے، جو بنو نجار کے نام سے مشہور ہے۔

ولادت: تاریخ میں صرف اس کی صراحت ملتی ہے کہ آپ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، آپ کی تاریخ ولادت اور بچپن کے حالات تلاش بسیار کے باوجود بھی نہ مل سکے۔

اسلام: غالباً ہجرت کے کئی سال بعد آپ نے اسلام قبول کیا، کیوں کہ صرف غزوہ حنین میں آپ کی شرکت کا تذکرہ ملتا ہے حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں مگر کسی میں آپ کی شمولیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دینی خدمات: یہ بات ظاہر ہے کہ پوری دنیا میں اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے صحابہ کرام نے مختلف ممالک کا رخ کیا، انہی کی بدولت ان ممالک میں اسلام کی روشنی پہونچی، اس غرض سے بعض صحابہ نے مغرب کا رخ کیا اور وہاں جاکر اسلام کی نشر اشاعت میں تادم حیات مصروف رہے، ان میں سے کچھ تو بعض علاقے اسلام کے زیر نگیں کر کے واپس آگئے، بعض نے ان کو اپنا مسکن بنا لیا اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان صحابہ میں عمرو بن عاص، عبد اللہ بن سعد بن سریح، المنیدر اور حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

صدارت طرابلس: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت رویفع بن ثابت انصاری کو طرابلس کا حاکم مقرر کیا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۸۳، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ قرطبی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، طبع ثانی ۲۰۰۲ء)

ایک سال بعد حضرت مسلمہ بن مخلد نے افریقہ (تونس، الجزائر، مراکش) پر فوج کشی کی۔ اس مہم پر انھوں نے حضرت رویفع بن ثابت کو مقرر کیا۔ آپ نے اپنی جنگی مہارت اور عسکری قوت کے بدولت بہت سی فتوحات حاصل کیں اور کئی علاقے اسلامی سلطنت کے ماتحت آئے۔ افریقہ میں آپ ۴۷ھ میں داخل ہوئے۔ موجودہ جغرافیہ کی رو سے حدود تونس کے اندر پہنچ کر قابس کے قریب جربہ نامی ایک مقام کو فتح کیا اور قیروان تک کا پورا علاقہ زیر نگیں کرلیا۔ یہاں آپ نے ایک مسجد بنوائی جس کا نام مسجد انصار یا مسجد رویفع بن ثابت ہے۔ پھر برقہ (جگہ کا نام) کے شہر بیضا کی طرف منتقل ہوگئے جو لیبیا کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اسی شہر کو آپ نے اپنا مسکن بنایا اور تادم حیات وہیں مقیم رہے۔ آخری عمر میں برقہ کے حاکم بنادیے گئے تھے۔ (یہ ساری معلومات www.tureess.com پر موجود کتاب "صحابة زار و اتونس" سے لی گئی ہیں)

علم و فضل: علوم قرآن و حدیث سے آپ کو وافر حصہ ملا تھا، لیکن بیان حدیث میں غایت درجہ محتاط تھے، مبادا کہیں سوئے ادبی یا کذب کا شائبہ ہو۔ کیوں کہ اس کا انجام بڑا بھیانک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كذب عليّ متعمّدا فليتبوأ مقعده من النار". (بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۱، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۲۰۰۷ء)

ایک مرتبہ مجمع عام میں حدیث بیان کی تو فرمایا: "يأيّها النّاس! إنى لا أقول فيكم إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول. (مسند احمد، ج:۲۸، ص:۲۰۷، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اول ۲۰۰۲ء)

آپ سے ۱۸/ حدیثیں مروی ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں مکررات کو لے کر کل بارہ احادیث مذکور ہیں۔

فن خطاطی اور آبادکاری میں آپ ماہر تھے۔ جب افریقہ میں آپ داخل ہوئے تو وہاں کے باشندوں کو خطاطی اور تقسیم آبادی کی تعلیم دی، مال غنیمت سے فائدہ حاصل کرنے کے آداب سکھائے۔ (صحابۃ زار وا تونس www.tureess.com)

تلامذہ: حنش، وفا بن شریح، شییم بن بیتان، شیبان قتابی، ابوالخیر مرثد، بشیر بن عبداللہ حضرمی اور ابو مرزوق وغیرہم آپ کے تلامذہ ہیں۔ انہوں نے آپ سے حدیثیں بھی لیں اور برقہ و افریقہ کی جنگ میں آپ کے ساتھ شریک بھی رہے۔

اخلاق و کردار: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں خود کو اس طرح رچا بسا لیا تھا کہ ہر جگہ صحبت رسول کا اثر نمایاں رہتا تھا۔ غزوۂ مغرب میں متعدّد مقامات پر خطبہ دینے کا اتفاق ہوا۔ ان سب میں لوگوں کو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی اور خود بھی زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے۔ اوامر و نواہی کے امتثال و اجتناب کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور شریعت کے خلاف کوئی بھی قدم برداشت نہیں کرتے تھے۔ حاکم اسلام کے لیے یہ بہت ضروری ہے، ورنہ متبعین میں اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ آپ حقیقی توکل کے قائل تھے، یعنی اسباب مہیا کیے بغیر سب کچھ اللہ کی مرضی پر چھوڑ دینا۔ یہ توکل کا ایسا اعلیٰ مرتبہ ہے، جہاں تک بڑے بڑوں کی رسائی نہیں ہو پاتی، آپ کے پاس اگر ایک درہم بھی ہوتا تو باب توکل میں کلام کرنے سے اللہ سے حیا فرماتے، طبعاً شور و غل ناپسند کرتے تھے۔ آپ کے ہم نشیں اس کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن اگر کوئی خلاف ورزی کر جاتا تو درگزر فرمادیتے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوہ اور حکم کی پیروی سچے دل سے کرتے تھے، اور دل و جان سے اسے محبوب رکھتے تھے، آپ لوگوں میں سب سے زیادہ نرم دل، تواضع پسند اور مختلف ممالک کی آب و ہوا کو پہچاننے والے تھے۔ جس شہر

میں بھی جاتے وہاں کی آب و ہوا کو فوراً پہچان لیتے کہ یہ ہمارے موافق ہے یا مخالف۔

(صحابة زاروا تونس www.tureess.com)

وفات: ۵۶ھ میں مقام بیضاء میں پیغام اجل آپہنچا۔ وہیں مدفون ہوئے اور "سیدی رویفع" کے نام سے وہیں قبر کے پاس ایک مسجد بنائی گئی جو اس شہر میں سب سے مشہور دینی عمارت ہے۔

(اسد الغابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۲، ص:۲۹۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع ثانی ۲۰۰۳ء)

فقہ: جب آپ نے مغرب میں حربہ نامی شہر فتح کیا، اس کے بعد ایک تقریر کی جس میں لونڈیوں، مال غنیمت، سواری اور دیگر ضروری باتوں کے متعلق شرعی احکام بڑی تفصیل سے بیان کیے۔

مغرب کی فتوحات میں آپ نے کئی حدیثیں بیان کیں جو بصورت دیگر آپ کے فتاوے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

اول: استبراء رحم سے پہلے باندی سے جماع کرنا حرام ہے: فتح جربہ میں کافی مال غنیمت ہاتھ آیا تھا چونکہ آپ کے لشکر میں اس وقت اکثر نومسلم تھے جو شرعی احکام سے نابلد تھے، اس لیے مال غنیمت میں سے جو کچھ ان کے حصہ میں آیا، انہوں نے استعمال کرنا شروع کر دیا، آپ نے حکم دیا کہ مال کو استعمال میں لا سکتے ہو مگر باندی سے جماع تین حیض آنے سے پہلے نہیں کر سکتے اور پھر حدیث رسول پیش کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی سیراب کرے یا اپنی باندی سے جماع کرے، یہاں تک کہ اس کو حیض آجائے یا اس کا حمل ظاہر ہو جائے"۔

(مسند امام احمد ابن حنبل ج:۲۸، ص:۲۰۳، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۲۰۰۱ء)

دوم: تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے کچھ لینا ناجائز ہے: حضرت رویفع بن ثابت انصاری کہتے ہیں: جس وقت جنگ حنین شروع ہوئی تو میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی سیراب کرے، مال غنیمت کو تقسیم سے پہلے بیچے یا مال غنیمت سے کوئی کپڑا لے اور بوسیدہ کر کے واپس کرے یا کسی چوپائے پر سوار ہو اور اسے کمزور کر کے واپس کرے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج:۲۸، ص:۲۰۷)

سوم: ربا حرام ہے: حضرت رویفع بن ثابت سے مروی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ سونے کو سونے کے بدلہ میں نہ بیچے مگر برابر- برابر۔ (مسند احمد بن حنبل ج:۲۸، ص:۲۰۹) حدیث رسول میں مذکورہ صورت کے علاوہ سونے کو سونے کے بدلے جتنی بھی صورتیں ہیں سب میں ربا یا شبہ ربا لازم آتا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، قرآن میں ہے: أحلّ اللّٰہ البیع و حرّم الرّبٰوا (البقرہ، آیت:۲۷۵) اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: أتقوا الربوا و الریبة، ربا اور شبہ ربا دونوں سے بچو۔

چہارم: اوامر و نواہی کے امتثال و اجتناب کا خاص خیال رکھتے تھے، حتیٰ کہ تہدیدی احکام کو بھی اپنے لیے مبنی بر حقیقت مانتے تھے، اجتناب عن المنہیات کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت مسلمہ بن مخلد نے آپ کو خراج کا محکمہ سپرد کرنا

چاہا تو آپ نے انکار کر دیا محض اس وجہ سے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”حاکم خراج جنت میں داخل نہیں ہوگا“۔ دوسری حدیث میں ہے: ٹیکس وصول کرنے والا جہنمی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ج:۲۸،ص:۲۱۱) حالانکہ یہ حدیث تہدیدی ہے یا ناحق مال لینے والے کے حق میں ہے مگر حضرت رویفع نے اس حدیث کو خاص اپنے لیے ظاہر پر برقرار رکھا اور ٹیکس کا عہدہ قبول نہ کیا۔

مذکورہ مسائل احادیث نبویہ سے اگرچہ صراحتًا ثابت ہورہے ہیں مگر کسی مسئلہ میں کوئی صحابی جب حدیث پیش کر دے تو وہی اس کا مذہب اور فتوی بھی شمار ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ احادیث آپ کے فتاوی بھی ہیں اور اسی اعتبار سے انہیں مقالے میں جگہ دی گئی ہے۔

حضرت ابو حمید عبد الرحمٰن ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ھ

مجیب احمد، رام پور، جماعت: فضیلت ۹۶۹۰۷۴۷۴۶۶

نام ونسب: آپ کا نام عبد الرحمن اور **کنیت،** ابو حمید ہے۔ **والد کا نام:** سعد بن منذر ہے۔
سلسلۂ نسب یہ ہے: عبد الرحمن بن سعد بن منذر بن سعد بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ
(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج:۷، ص:۸۰، علامہ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۲ء)

خاندانی حالات: مدینہ منورہ میں دو مشہور قبیلے تھے، اوس و خزرج۔ آپ کا تعلق قبیلۂ خزرج کے ایک خاندان ''ساعدہ'' سے ہے، اسی لحاظ سے آپ ساعدی کہلاتے ہیں، مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت ہوئی تلاش بسیار کے باوجود تاریخ ولادت نہیں ملی، آپ کی والدہ بھی اسی خاندان سے تھیں، جن کا نام امامہ بنت ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن الخزرج بن ساعدہ ہے، بیوی کا نام کبشہ بنت عبد عمرو ہے وہ بھی قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھیں، آپ کی اولاد میں منذر، سعد اور عمرۃ ہیں۔

اسلام: ہجرت کے بعد آپ نے اسلام قبول کیا۔

ذات رسول سے وابستگی: اسلام قبول کرنے کے بعد پوری زندگی ذات رسول ﷺ سے وابستہ رہے اور پوری زندگی اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمت میں گزار دی، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں خالص دودھ جس کو خوب سرد کیا تھا، لے کر حاضر ہوئے لیکن اسے کھلا لائے تھے کسی چیز سے ڈھانپا نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو ڈھانپ کر لاتے، خواہ لکڑی ہی سے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج:۳۹، ص:۲۱، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، طبع اول ۲۰۰۱ء)

غزوات و سرایا: جنگ احد اور مابعد کے تمام غزوات میں آپ شریک ہوئے، وادی قری اور جنگ تبوک میں شرکت تو خود آپ کی روایت سے ثابت ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ہم جنگ کے لیے سرکار ﷺ کے ساتھ نکلے، وادی القری میں ہم نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے باغ میں بیٹھی تھی تو سرکار نے صحابہ سے فرمایا: اندازہ لگاؤ، اس باغ میں کتنی کھجور ہیں۔ صحابہ نے دس وسق کا اندازہ لگایا، سرکار نے عورت سے کہا: اس باغ سے جو کچھ برآمد ہو اس کو شمار کر لینا۔ پھر واپس آکر اس عورت سے پوچھا تو اس نے کہا: دس وسق، جس کا صحابہ نے اندازہ لگایا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل ج:۳۹، ص:۷، ۱۶)

علم و فضل: فقہ و حدیث دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا لیکن روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے، ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی تو فرمایا: سمع اذنی، بصر عینی، و سلوا زید بن ثابت. اس حدیث کو میرے کانوں نے سنا، آنکھوں نے

دیکھا، اس کو زید بن ثابت سے پوچھ سکتے ہو(مسند احمد، ج:۳۹،ص:۷) حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں آپ کی گیارہ حدیثیں بیان کی ہیں اور مسند بقی بن مخلد میں ۱۶/ احادیث آپ سے مروی ہیں جنہیں آپ نے بلاواسطہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے اس طرح کل ملا کر آپ سے ۲۶ / یا ۲۷/ احادیث مروی ہیں قلت روایت کا سبب دراصل یہ حدیثیں ہیں:
من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (بخاری ج:۱، ص:۲۱، مجلس برکات مبارک پور، ۲۰۰۷ء)
(۲) و قال عليه السلام: لا تكونوا على ما فاته من يكذب على يلج النار (ایضا)
ترجمہ: مجھ پر جھوٹ مت باندھو، کیوں کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

(۳) اور ایک حدیث تو خود ابوحمید ساعدی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا سمعتم الحديث عني، تعرفه قلوبكم، وتلين له أشعاركم و أبشاركم و ترون أنه منكم قريب، فإنا أولكم به، وإذا سمعتم الحديث عني تنكره قلوبكم، وتنفر منه أشعاركم و أبشاركم، وترون أنه منكم بعيد فإنا أبعدكم منه.
(مسند احمد بن حنبل ج:۳۹، ص:۲۰)

ترجمہ: جب تم کسی سے میری کوئی حدیث سنو تو یہ دیکھو کہ تمھارا دل کیا گواہی دیتا ہے؟ اگر دل بول اٹھے، نفس نرم پڑ جائے اور وہ بات عقل سے قریب ہو تو میرا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن اگر دل ناپسند کرے، طبیعت متنفر ہو اور وہ حدیث بعید از قیاس ہو تو میرا قول ہرگز نہیں ہو سکتا۔

یہ حدیث دراصل احادیث کو جانچنے، پرکھنے اور صحیح کو موضوع سے الگ کرنے کے لیے عمدہ کسوٹی اور میزان ہے، اسی کی بنیاد پر علماے جرح و تعدیل نے اصول و قوانین مقرر کیے اور حدیث رسول کی حفاظت کی۔

تلامذہ: درج ذیل جلیل القدر صحابہ و تابعین کا شمار آپ کے تلامذہ میں ہوتا ہے جس سے آپ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے: حضرت جابر بن عبد اللہ، عروہ بن زبیر، عباس بن سہل، محمد بن عمرو بن عطاء، خارجہ بنت ثابت، عبد الملک بن سوید، عمرو بن سلیم زرقی، اسحاق بن عبد اللہ بن عمرو، سعید بن منذر۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۷، ص:۸۱)

فقہ: قرآن و حدیث پر بھی گہری نظر تھی، اسی بنیاد پر آپ کا شمار فقہاے صحابہ میں ہوتا ہے البتہ غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے روایت حدیث میں پہلو تہی کرتے تھے اور کثرت روایت سے بچتے تھے، آپ قلیل الفتاوی فقہا میں سے ہیں جن کے صرف چند فتاوے ہیں، اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت جلیل القدر صحابہ موجود تھے، ان کے ہوتے ہوئے ہر شخص فتوی دینے کا مجاز نہ تھا، البتہ حضرت ابوحمید ساعدی کی وہ مرویات جو احکام سے متعلق ہیں انہیں آپ کے فتاوے میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ عموماً کسی صحابی سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر انھوں نے اس کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہوتا تو وہی بیان کر دیتے اور وہی ان کا فتوی بھی ہوتا تھا، اس طرح کی کئی حدیثیں حضرت ابوحمید ساعدی سے بھی مروی ہیں کہ مسئلہ بیان کرتے وقت حدیث رسول بیان کر دی، اس سے حکم اور دلیل دونوں کام ایک ساتھ ہو جاتے۔ چند مسائل و فتاوی بصورت حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ ہوں:

(۱) مسلمانوں کا مال ناحق لے لینا حرام ہے: حضرت ابوحمید ساعدی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کسی آدمی کے لیے اپنے بھائی کا عصا بغیر اس کی مرضی کے لینا حلال نہیں ہے، دوسری روایت میں مال کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ حضرت ابوحمید نے یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لیے حرام قرار دیا ہے، اس لیے بغیر اس کی رضا کے لینا جائز نہیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج:۳۹، ص:۱۹، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اول ۲۰۰۱ء)

(۲) شادی سے پہلے لڑکی دیکھنا جائز ہے: ابوحمید ساعدی نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اس پیغام کی وجہ سے، عورت کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر پہلے سے نہ جانتا ہو۔ (ایضاج:۳۹، ص:۱۶)

(۳) نبی کریم ﷺ پر کیسے درود پڑھا جائے: قرآن مجید میں ہے ”إن اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النبي یا أیھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ و سلّموا تسلیما“ (الاحزاب) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والوں تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ صحابہ کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ سرکار پر کیسے درود بھیجیں تو صحابہ نے خود بارگاہ مصطفی علیہ التحیۃ و الثنا میں عرض کی کہ ہم آپ پر کیسے درود پڑھیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کہو ”أللّٰھم صل علی محمد و علی اٰل محمد کما صلیت علی إبراھیم و علی آل ابراھیم إنك حمید مجید، أللّٰھم بارك علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی إبراھیم و علی آل إبراھیم إنك حمید مجید“
(مسند احمد بن حنبل، ج:۵ ص:۴۲۵)

(۴) عاملین کے ہدیے خیانت ہیں: ابوحمید ساعدی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قبیلہ ازد کے ابن لتبیہ نامی شخص کو صدقہ پر عامل بنایا، جب وہ واپس آپ ﷺ کے پاس آیا تو عرض کیا: یہ حصہ آپ کے لیے ہے اور یہ مجھ کو ہدیہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ ممبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: صدقہ وصول کرنے والوں کو کیا ہو گیا! جب ہم انہیں صدقہ پر عامل بنا کر بھیجتے ہیں تو وہ واپس آکر کہتے ہیں کہ یہ آپ کے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے، اگر وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہتا تو کیا اسے ہدیہ کیا جاتا (ہرگز نہیں) اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے تم میں سے کوئی شخص صدقہ کے مال میں سے نہیں لیتا مگر قیامت کے دن اس کو اپنی گردن پر لاد کر لائے گا خواہ وہ اونٹ ہو یا گائے ہو یا بکری، پھر آپ نے تین مرتبہ ”أللّٰھم ھل بلغت“ فرمایا۔ (مسند ج:۵، ص:۴۲۳)

اس حدیث کو بیان کر کے ابوحمید ساعدی نے کہا: سمع إذني، و بصر عیني، و سلوا زید إبن ثابت. میرے کانوں نے سنا، آنکھوں نے دیکھا، تم زید ابن ثابت سے پوچھ سکتے ہو۔

(۵) کیفیت صلوۃ: مدینہ منورہ میں ایک جگہ چند لوگ جمع تھے جن میں حضرت ابوقتادہ کے علاوہ دس صحابہ کرام موجود تھے، حضرت ابوحمید ساعدی نے اس محفل میں کہا: اللہ کے رسول ﷺ کس طرح نماز پڑھتا کرتے تھے، میں تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں، وہاں موجود صحابہ کرام اس پر معترض ہوئے کہ ہم سے زیادہ تمہیں سرکار کی صحبت بھی نہیں ملی اور نہ

ہی تمھارا اٹھنا بیٹھنا ہم سے زیادہ سرکار کے ساتھ تھا پھر سرکار کی نماز کی کیفیت ہم سے زیادہ تم کیسے جانتے ہو؟ حضرت ابوحمید ساعدی نے کہا: کیوں نہیں (مجھے صحبت اور مجالست دونوں کثیر مقدار میں حاصل ہیں) پھر آپ نے نماز کی پوری کیفیت بیان کی، کہ سرکار نے پورے سکون واطمینان سے نماز ادا کی اور رفع یدین بھی کیا۔(مسندج:۳۹،ص:۹،۱۰)

(۶)رات میں برتن ڈھکنے کا حکم: حضرت ابوحمید ساعدی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: رات کو مشکیزوں کو ڈھک دو اور دروازے بند کردو۔(مسند احمد ج:۳۹،ص:۲۲)

(۷)مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا: حضرت ابوحمید ساعدی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو پڑھے: "أللّٰهم افتح لی أبواب رحمتك" اور جب نکلے تو کہے "أللّٰهم إنّی أسئلك من فضلك." (مسند احمد، ج:۳۹،ص:۲۱)

وصال پر ملال واقدی نے کہا: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت یا یزید کے ابتدائی دور حکومت میں آپ کا وصال ہوا۔(الاصابہ ج:۷،ص:۸۱،دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طبع ثانی ۲۰۰۲ء)

ولادت کی طرح وفات کی بھی کوئی متعیّن تاریخ نہ مل سکی آپ کی حیات مبارکہ کے دیگر پہلو بھی پردۂ خفا میں ہیں، اخلاق و کردار، زہد وتقوی، ملکی وسماجی خدمات اور قبر مبارک کا مقام وغیرہ نہ ملنے کی وجہ سے مضمون اگرچہ ادھورا ہے مگر جتنا دستیاب ہوا ہے، اس سے آپ کی حیات وخدمات کا اجمالی خاکہ ضرور ذہن نشین ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تربت پر رحمت وانوار کی بارش برسائے۔

من
أهل الفتوى

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات ھ

خوش محمد، دیوریا، جماعت: سادسہ ۹۸۳۸۲۷۷۸۶۷

نام و نسب: آپ کا اسم گرامی فضالہ اور کنیت ابو محمد تھی، والد کا نام عبید بن ناقد تھا، ایک روایت کے مطابق عبید بن نافذ تھا اور والدہ عقبہ بنت محمد بن عقبہ صحابیہ تھیں۔ آپ انصاری قبیلے اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے: فضالہ بن عبید بن ناقد بن قیس بن صہیب بن اضرم بن جَحجَبیٰ بن کلفۃ بن عوف بن عمرو بن عون مالک بن اوس انصاری اوسی عمری (۱)

خاندانی پس منظر: آپ کے والد عبید بن ناقد اپنے قبیلے کے معزز افراد تھے، اوس و خزرج کی لڑائی میں نمایاں رہے، نہایت شجاع و بہادر تھے، گھوڑ دوڑ کراتے اور اس میں سب سے بازی لے جاتے، زور و قوت کا یہ حال تھا کہ ایک پتھر دوسرے پر دے مارتے تو آگ نکلنے لگتی، سپہ گری کے فن کے ساتھ شاعری کا بھی کافی ذوق رکھتے تھے۔

ولادت و قبول اسلام: آپ کی ولادت کب ہوئی اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی اور نہ ہی آپ کے قبول اسلام کے متعلق صراحتاً کوئی روایت ملتی ہے کہ کس سنہ میں آپ آغوش اسلام میں آئے۔ ہاں اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اسلام کے طلوع ہوتے ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

بعض روایتوں میں آپ کے قبول اسلام کا زمانہ ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ قبل بیان کیا گیا ہے۔

قبول اسلام کی روایتوں میں غور کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ غالباً آپ اعلان نبوت سے ۷، ۸ سال قبل پیدا ہوئے۔

غزوات و سرایا میں شرکت: حضرت فضالہ بن عبید نے اسلام تو مدینہ میں اسلام کے قدم رکھتے ہی قبول کیا لیکن کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے، غزوہ بدر کے علاوہ غزوہ احد اور باقی تمام غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور بیعت رضوان میں بھی شرکت کا شرف حاصل کیا۔ (۲)

عہد نبوی کے بعد ۱۳ھ میں جب دور فاروقی میں شام کی جنگوں کا آغاز ہوا اور فتوحات اسلام کا سلسلہ چل پڑا تو رومیوں کے خلاف معرکوں میں حصہ لیا اور تسخیر مصر میں بھی شامل رہے۔ پھر شام آکر مستقل سکونت اختیار کر لی اور دمشق میں اپنے رہنے کے لیے مکان بنایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنوا دیا۔

منصب قضا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور اخیر میں دمشق کے قاضی حضرت ابودرداء تھے۔ آپ کی وفات کے بعد ۳۲ھ میں فضالہ بن عبید وہاں کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپ کے اندر فقہ و قضا کی صلاحیت موجود تھی کیوں کہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت عمر اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما جیسے اساطین امت سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان جیسے اساطین امت سے مستفیض ہونے والے کے فضل و کمال کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابودرداء مرض موت میں تھے اور حضرت معاویہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد کس کو قاضی بنایا جائے تو حضرت ابودرداء کی نگاہ انتخاب حضرت فضالہ ہی کی ذات اقدس پر رکی اور اپنے بعد فضالہ بن عبید کو قاضی بنانے کی رائے دی۔ چناں چہ حضرت ابودرداء کی وفات کے بعد سیدنا امیر معاویہ نے حضرت فضالہ کو بلا کر دار الامارۃ کا محکمہ قضا سپرد کر دیا۔(۳)

عہد معاویہ میں آپ کے حالات: ۳۷ھ میں جنگ صفین کے موقع پر وہ دمشق میں امیر معاویہ کے جانشین تھے۔ اس موقع پر انھوں نے جو الفاظ کہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں: "لم احبك بها و لكن استترت بك من الند" میں نے تم کو اپنا جانشین نہیں بلکہ جہنم کے مقابلے سپر بنایا ہے۔(۴)

۴۹ھ میں اسلامی لشکر کی قیادت میں فتح حرہ میں حصہ لیا، روم کے خلاف مہم میں امیر معاویہ نے انھیں اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنادیا۔ انھوں نے بہت سے قیدی پکڑے، اسی ضمن میں جزیرہ قبرص پر بھی حملہ کیا۔ امیر معاویہ کی طرف سے درب (طرسوس اور بلاد روم کے درمیانی علاقہ کا نام) کے عامل بھی مقرر ہوئے۔

وصال پر ملال اور مزار مبارک: فضالہ بن عبید نے ۵۳ھ میں وفات پائی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسند حکومت پر تھے، بعض نے ۵۹ھ کا ذکر کیا لیکن ۵۳ھ کا قول اصح ہے۔(۵)

امیر معاویہ نے خود جنازہ اٹھایا اور ان کے بیٹے عبداللہ سے کہا: میری مدد کرو کیوں کہ اب ایسے شخص کے جنازہ اٹھانے کا موقع نہ ملے گا۔ دمشق میں دفن ہوئے، مزار مبارک اب تک زیارت گاہِ خلائق ہے۔(۶)

اولاد: آپ کی اولاد میں صرف ایک فرزند عبداللہ کا ذکر آتا ہے۔

فضل و کمال: ایوان حکومت کے ساتھ مجلس علم میں بھی مرجع انام تھے دور دراز سے لوگ حدیث سننے آتے تھے، ایک شخص اسی غرض سے آپ کے پاس مصر آیا تھا۔ آپ نے حضرت عمر، ابودرداء اور ایک جماعت صحابہ سے روایت کی۔ اور آپ سے بھی ایک جماعت نے روایت کی جیسے ابوعلی ثمامہ بن شفی، حنش بن عبد اللہ صنعانی، عبداللہ بن محیریز، سلمان بن سمیر، عبد الرحمن بن محیریز وغیرہم۔

آپ سے پچاس حدیثیں مروی ہیں۔

اخلاق: جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری حیات کے ساتھ رہے غزوہ بدر کے سوا جملہ غزوات میں آپ کے شانہ بہ شانہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور آپ کے بعد بھی تاحیات معرکوں میں نشر اسلام و اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ ہر کام میں احکام رسالت کی تعمیل اور پابندی سنت کا خیال رکھتے تھے، غزوۂ روم میں ایک مسلمان کا انتقال ہوا تو حضرت

فضالہ نے حکم دیا کہ ان کی قبر زمین کے برابر بنائی جائے کیوں کہ ہم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کا حکم دیتے تھے۔ان کے علاوہ بھی جو مسلمان روم میں شہید ہوئے سب کی قبر اسی طرح بنوائی۔(۷)

اسی طرح ایک شخص مصر آیا اور حدیث سننے کے لیے ملاقات کی تو دیکھا کہ پراگندہ سر اور برہنہ پا ہیں، بڑا تعجب ہوا اور بولا کہ امیر شہر ہو کر یہ حالت؟ آپ نے سنجیدگی سے جواب دیا: ہم کو حضور علیہ السلام نے زیادہ تن آسانی اور بناؤ سنگار سے ممانعت فرمائی ہے اور کبھی کبھی ننگے پاؤں رہنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔

-مراجع و مصادر-

(۱)اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج: ۴ ،ص:۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔لبنان۔

(۲)تہذیب التہذیب، جز:۶، ص:۳۹۳

(۳)الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ ص: ۳۲۸

(۴)اسد الغابہ صفحہ ۳۴۷، جلد

(۵)تہذیب التہذیب ص:۳۹۴

(۶)الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ ص:۳۲۸

(۷)الاستیعاب جلد ۳، ص: ۳۲۸

من أهل الفتوى

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت:۔۔۔۔وفات:۷۳ھ

محمد غضنفر حسین، اتر دیناج پور، Mob. ۸۷۶۵۳۱۵۷۶۲

امت محمدیہ میں سے جو مقدس جماعت مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت، تبلیغ و توسیع اور فروغ و ارتقا میں ہمہ وقت کوشاں رہی اور جہد مسلسل وسعی پیہم جس کا شیوہ رہا، حضرت زینب بنت ابی سلمہ کا تذکرہ اسی مقدس جماعت میں ہوتا ہے۔ آپ کو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ربیبہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

نام اور سلسلہ نسب: زینب بنت ابی سلمہ عبداللہ بن الاسد بن عمر بن مخزوم۔

ماں کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت ام سلمہ بنت امیہ۔

آپ کا نام پہلے "برہ" تھا، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۸، ص:۱۵۹۔۱۶۰، امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت:۲۰۰۵ء۔ ۱۴۲۶ھ۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۷، ص:۱۴۲۔۱۴۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سن طباعت:۱۹۹۲ء۔ ۱۴۱۷ھ)

ولادت و نشوونما: کتب سیر وتواریخ آپ کی ولادت کا ذکر صراحۃً کہیں نہیں ملتا، البتہ سیرت نگاروں نے جائے پیدائش کا تذکرہ مع اختلاف کیا ہے۔ اکثر مورخین نے حبشہ کو آپ کی جائے پیدائش قرار دیا، مگر صاحب اصابہ نے مدینہ منورہ کو ترجیح دی اور مسند بزار کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جنھیں تربیت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بڑے ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چناں چہ ۴ھ میں جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا تو قسمت کا ستارہ اس طرح سے چمکا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار علیہ السلام کے عقد زوجیت سے سرفراز ہوگئیں۔ اس وقت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی زینب چھوٹی اور شیر خوار تھیں، اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کاشانہ نبوت میں آئیں اور آغوش مصطفےٰ میں تربیت پائی۔ اسی اثنا میں آپ کو حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضاعی بیٹی ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

حضرت عطاف بن خالد مخزومی نے اپنی ماں سے روایت کیا ہے: حضرت زینب فرماتی تھیں کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کاشانہ نبوت میں تھی۔ ایک دن سرکار دوعام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل خانہ میں غسل کے لیے تشریف لے گئے، میری ماں نے مجھ سے کہا: اس میں داخل ہو جاؤ، میں داخل ہوگئی تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر پانی چھڑکا۔ اس کے بعد حضرت

عطاف بن خالد کہتے ہیں کہ میری ماں نے فرمایا: اس پانی چھڑکنے کی برکت سے حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے سے شباب کی مشابہت کبھی ختم نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ بوڑھی ہوگئی۔ (مصدر سابق)

مناکحت: حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عہد شباب کو پہنچی تو ان کا نکاح حضرت عبد اللہ بن زمعہ بن اسود اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا اور ان سے آپ کے دو لڑکے ہوئے۔ (اسد الغابہ، ص:۱۴۵)

ملال: زندگی میں عموماً ہر شخص کو کچھ نہ کچھ حزن وغم لاحق ہوتا ہے اور مصائب و آلام سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ آپ بھی اس سے بچ نہ سکے اور پریشانی نے آپ کو گھیر لیا، جیسا کہ اس کی تائید ۶۳ھ کی واقع جنگ ”حرہ“ سے ہوتی ہے، جس میں آپ کے دونوں بیٹوں کی شہادت نے آپ کی کمر توڑ دی اور غم کا پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑا۔ چنانچہ اس حزن وغم کا اظہار آپ اس طرح کرتی ہیں: مجھ پر مصائب و آلام کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، میرے دونوں لڑکے شہید کر دیے گئے، ایک تو میدان جنگ میں اور دوسرے کو گھر میں گھس کر شہید کر دیا گیا۔ (مصدر سابق)

فقاہت: فقہ ایک ایسی صفت ہے جس سے آراستہ صرف اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین. آپ فقہ میں بھی ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ سیرت و تراجم کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے وقت کی زبردست فقیہہ تھیں۔

صاحب اسد الغابہ آپ کے متعلق بیان فرماتے ہیں: کانت من افقہ نساء زمانھا. (مصدر سابق)

بکر بن عبد اللہ مزنی نے ابو رافع سے روایت کی: وہ فرماتے ہیں کہ میں جب مدینہ کی کسی فقیہہ عورت کا تذکرہ کرتا تو زینب بنت ابی سلمہ کا تذکرہ کرتا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ص:۱۶۰)

سلیمان تیمی نے حضرت ابو رافع سے روایت کیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنی عورت سے ناراض ہو گیا پھر اس کا تذکرہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے کیا۔ ان دنوں ان کا شمار مدینہ کی فقیہہ عورتوں میں ہوتا تھا۔ (مصدر سابق)

علم حدیث: حدیث رسول بھی قرآن کریم کی طرح شریعت اسلام کا ایک اہم اساس اور ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تفسیر و توضیح ہے۔ اس دور میں حدیث کی تعلیم و ترویج عروج پر تھی، چنانچہ آپ نے بھی اس میں حصہ لیا اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے کچھ احادیث براہ راست رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں اور کچھ درج ذیل شخصیات سے بالواسطہ روایت کی ہیں۔

(۱) حضرت ام سلمہ (۲) حضرت عائشہ (۳) حضرت ام حبیبہ (۴) حضرت زینب بنت جحش۔ (مصدر سابق)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث کی روایت کرنے والے حضرات کے اسما درج ذیل ہیں:

(۱) امام زین العابدین (۲) ابو عبیدہ (۳) محمد بن عطا (۴) عراک بن مالک (۵) حمید بن نافع (۴) عروہ بن زبیر (۵) ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن۔ (مصدر سابق)

وفات: ۶۳ھ کی جنگ ”واقعہ“ کے حادثے کا حزن وغم آپ کو برابر رہا، یہاں تک کہ اسی حزن وغم میں نڈھال ہو کر ۷۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے جنازہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شرکت کی۔

احمد رضا قادری، رام گڑھ، جماعت: خامسہ 7256022171

نام: بلال بن رباح قرشی تیمی۔
آپ کے والد کا نام رباح تھا اور والدہ کا نام حمامہ، آپ حبشی نژاد غلام تھے۔ آپ کی ولادت مکہ ہی میں ہوئی۔
کنیت: آپ کی کنیت میں چار اقوال ہیں: ابوعبداللہ، ابوعبدالکریم، ابوعمرو اور عبدالرحمٰن۔
اسلام: آپ گو سیاہ فام حبشی تھے، لیکن آپ کا آئینہ دل صاف وشفاف تھا، ایمان کی چکا چوند کر دینے والی روشنی نے آپ کے دل کی دنیا کو منور کر دیا تھا، جس کی وجہ سے سخت مصائب وآلام کا سامنہ کرنا پڑا، ڈھیر ساری مشقتیں برداشت کرنی پڑیں، آپ کا آقا امیہ بن خلف اپنے غلاموں کے ذریعہ آپ کو تپتے ہوئے ریگزاروں میں اور جلتے سنگریزوں پہ لٹا دیتا۔ کفار کے اوباش لڑکے گردن مبارک میں رسیاں ڈال کر گھسیٹتے، ابوجہل آپ کو سر کے بل پتھروں پہ لٹا دیتا اور اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا، جب سورج کی تمازت سے آپ بے چین ہو جاتے تو ابوجہل کہتا اب بھی وقت ہے محمد (ﷺ) کے رب کو بھلا دے لیکن اس کے باوجود اس عاشق کی زبان سے احد احد کی صدائیں بلند ہوتیں۔ (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، ج: اول، ص: ۲۱۸،۲۱۷، شمس الدین وھبی، متوفی: ۷۴۸ھ، الطبعۃ الرابعۃ: ۱۴۲۲ھ ۔ ۲۰۰۱ء، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان)

بقول ڈاکٹر اقبال
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں

آزادی: ایک دفعہ کہیں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ نہایت ہی بے دردی کے ساتھ بلال کو مشق ستم بنایا جا رہا ہے، اس سے پہلے رحمۃ اللعالمین ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے: "لو کان عندنا شیء لاشترینا بلالاً". اگر ہمارے پاس کچھ مال ہوتا تو ہم بلال کو خرید لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا کہ وہ بلال کو ان کے آقا سے خرید لیں حضرت عباس حضرت بلال کے آقا امیہ بن خلف کے پاس گئے اور کہا: کیا تو چاہتا ہے کہ اس کی منفعت ختم ہونے سے پہلے مجھ سے فروخت کرتے؟ امیہ بن خلف نے کہا: اسے خرید کر کیا کرو گے یہ خبیث ہے، ایسا ہے، ویسا ہے۔ حضرت عباس واپس آگئے اور دوبارہ گئے، اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ لیکن اس بار اس نے بلال کو آپ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر

ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا، سرکار نے فرمایا: اے ابوبکر! مجھے بھی اس نیک کام میں شریک کرلو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں انھیں آزاد کرچکا ہوں۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۱، ص:۴۱۶، ابن اثیر جزری، متوفی: ۶۳۰ھ، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

فضائل: حضرت ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے بلال! میں جنت میں داخل ہوا تو تمھارے قدموں کی آہٹ سنی، میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو جواب ملا: بلال۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس حدیث کو ذکر کرتے تو خوشی سے آپ کی آنکھیں چھلک پڑتیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۲۶۰، ابن عبد البر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا کون سا عمل کیا ہے جس کے متعلق دوسرے اعمال سے زیادہ امید رکھتے ہو کیوں کی میں نے جنت میں تمھارے قدموں کی آہٹ سنی، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں نے تو کوئی کام ایسا نہیں کیا جو اور باقی تمام اعمال سے زیادہ امید دلانے والا ہو۔ (البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ) بے شک رات میں یا دن میں جب کبھی بھی میں نے وضو کیا تو اس سے اپنے مقدر کی نماز ضرور پڑھی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بھذا۔ اسی عمل کی وجہ سے تم کو یہ رتبہ ملا۔ (مسند الامام احمد بن حنبل، ج:۵، ص:۳۵۴، دار الفکر)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے: ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کیا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۱۸۶، ابن سعد، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

ایک مرتبہ صبح کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: بلال! کھانے میں شریک ہو جاؤ، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں روزے سے ہوں، یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال کا رزق جنت میں محفوظ ہے۔ پھر فرمایا: بلال! کیا تم کو معلوم ہے کہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح میں مشغول رہتی ہیں اور اس کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں جب تک کہ وہ افطار نہ کرے۔

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ قبیلۂ بنو ابوبکر کے چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ ہماری فلاں بہن کو حبالۂ عقد میں قبول فرمالیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد دوبارہ آئے اور انھوں نے دوبارہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی بہن کی نکاح کی درخواست کی، اس کے جواب میں آپ نے پھر وہی کلمہ دہرایا اور کہا کہ بلال کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ اور جب وہ لوگ اسی درخواست کے ساتھ تیسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے جواب دیا کہ آخر اس جنتی شخص کے بارے میں تم لوگ کیوں نہیں سوچتے ہو؟ اس سے اپنی بہن کا نکاح کردو۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۱۷۹)

اذان: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ اذان کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کرنا ہے جس کی بدولت آپ کو دوسروں میں امتیازی شان حاصل تھی۔

آپ کی آواز نہایت دلکش اور لطیف تھی، آپ جب اذان دیتے تو سارے لوگ ہمہ تن گوش ہوجاتے، مدینے کی گلیوں میں سناٹا چھا جاتا اور اطراف واکناف توحید ورسالت کی فرحت بخش آوازوں سے گونج اٹھتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو وقت کا اندازہ کرکے نماز کے لیے اکھٹا ہوجاتے تھے، نماز کے لیے ندا نہیں کی جاتی تھی۔ تو صحابہ نے آپس میں اس بارے میں ایک دن گفتگو کی تو بعض نے کہا: نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ایک ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا: یہودیوں کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالو۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کیوں نہیں کسی آدمی کو بھیج دیتے جو نماز کے لیے ندا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! اٹھ اور نماز کے لیے ندا دے۔
(بخاری شریف، ج:۱، ص:۸۵، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو موذن تھے: بلال اور ام مکتوم اعمی۔
(جمع الفوائد، ص:۱۹۵، للامام محمد بن سلیمان المغربی، مکتبہ ابن کثیر کویت)

حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین موذن تھے: بلال، ابو محذورہ اور عمرو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہم، جب بلال مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت عمرو ابن ام مکتوم اذان دیتے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۱۷۷)

مسجد نبوی کی جب تعمیر ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مسجد میں پہلی اذان دینے کا شرف ملا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب وہ اذان سے فارغ ہوجاتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر حاضر ہوکر حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کی صدا لگاتے اور جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھتے تو اقامت کہنا شروع کردیتے تھے۔ حضرت بلال کے اذان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ سورج ڈھلتے ہی اذان دیتے تھے مگر اقامت میں تھوڑی بہت تاخیر کرتے تھے البتہ وہ اذان کا صحیح وقت کبھی نکلنے نہیں دیتے۔ جب وہ اذان دینے کے لیے چبوترہ پر چڑھتے تو بعض اشعار گنگناکر پڑھتے تھے جن سے آپ بالعموم اپنی حالت زار، استغفار اور طلب رحمت کا اظہار کرتے تھے۔

رفاقت رسول: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر وحضر ہر وقت رسول کریم کی مصاحبت میں رہتے۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، رات ہوگئی تو صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم یہیں پڑاؤ ڈال دیتے تو بہتر ہوتا، آقا نے ارشاد فرمایا! مجھے خوف ہے کہ تمہیں نیند غافل کردے گی، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر ذمہ داری لی کیوں کہ انھیں اپنی شب بیداری پر یقین تھا۔ سارے لوگ آرام کرنے لگے، حضرت بلال کجاوے پر ٹیک لگاکر بیٹھے رہے۔ لیکن اتفاق سے انھیں بھی نیند آگئی، صبح کا اجالا جب کافی پھیل چکا تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھ کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ اے بلال! تمھاری ذمہ داری کیا ہوئی، حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوئے اتفاق مجھ پر غفلت طاری ہوگئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک خدا جب چاہتا ہے تمھاری روحوں پر قبضہ کرلیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں

واپس کر دیتا ہے، اچھا اٹھو، اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معمولات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک نیزہ لیے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ اور جہاں اور جس وقت نماز کی جماعت کھڑی ہوتی تو وہ نیزہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے گاڑ دیتے تھے۔ یہ نیزہ ان نیزوں میں سے ایک تھا جو نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجے تھے، نیز حضرت بلال اس نیزہ کو عیدین اور نماز استسقا کے موقع پر ساتھ لے کر چلتے تھے اور جب جماعت کھڑی ہو جاتی تو اس کو آگے زمین میں نصب کر دیتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۳، ص:۱۷۷)

اعلان عام کی خدمت: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان تو دیتے ہی تھے اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے دیگر امور کا اعلان فرماتے تھے، جہاد کے موقع پر جب دشمن ہار جاتے اور ان کا مال غنیمت بن جاتا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر میں زور زور سے آواز دیتے کہ جو مال جس کے ہاتھ لگا ہو لے آئے چناں چہ سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سارا مال حاضر کر دیتے جس میں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچواں نکال لیتے تھے اور اس کے بعد باقی مال کو مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ (جمع الفوائد، ج:۲، ص:۱۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلال! منادی کر دو کہ لوگ کل سے روزہ رکھیں۔

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی، ج:۱، ص:۱۷۴، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک فور)

غزوات و دیگر مہمات میں شرکت: حضرت بلال رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، جنگ بدر میں جب آپ کی نظر امیہ بن خلف پر پڑی تو وہ ظلم وستم یاد آ گئے جو اس نے آپ پر ڈھایا تھا، آپ نے چلا کر کہا اے لوگو: یہ اللہ کا دشمن بچ کر جانے نہ پائے، اتنا سنتے ہی صحابۂ کرام اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے واصل جہنم کر دیا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب امیہ بن خلف کو قتل کر چکے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر کہا ؎

هنيئًا زادك الرحمٰن خيراً   فقد أدركت ثأرك يا بلال

ترجمہ: مبارک ہو بلال! اللہ نے تم پر فضل کیا کہ تم نے اپنا انتقام لے لیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۲۶۱)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ نے مجھے اللہ کے لیے آزاد کیا ہے یا اپنے لیے؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا: اللہ کے لیے، حضرت بلال نے فرمایا تو پھر مجھے جنگ میں جانے کی اجازت دیجیے، کیوں کہ میں نے آقا علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”أفضل اعمال المومن الجهاد فی سبيل الله“ حضرت ابو بکر نے فرمایا: اے بلال اس عالم پیری میں داغ مفارقت نہ دو، چناں چہ آپ رک گئے، جب حضرت ابو بکر کا وصال

ہوا تو آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے پاس آئے اور اپنی بات دہرائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے بھی روکنا چاہا لیکن صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی اور شامی مہم میں شریک ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کے سفر میں ہم رکاب رہے۔(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۱، ص:۴۱۶)

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے: میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا تاہم میں آج آپ کی خواہش پوری کروں گا۔ یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے جب خدائے ذوالجلال کی عظمت و شوکت کا نغمہ سنایا تو پورا مجمع بے تاب ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ اس قدر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئی، حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض کہ سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھینچ گیا تھا۔

جنگ کے بعد آپ کو شام کی آب و ہوا راس آگئی تھی، وہیں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر وہیں قیام پزیر ہو گئے، کچھ عرصہ ہی گذرا تھا کہ خواب میں محبوب دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اے بلال! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تم میری زیارت کو نہ آؤ گے؟ اتنا سننا تھا کہ آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو گیا۔ سیدھا مدینے کی راہ لی۔ جب سرکار کے قبر انور پہ پہنچے تو مرغ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر رونے لگے۔ جب حسنین کریمین سے ملاقات ہوئی تو انہیں بوسہ دیا اور سینے سے لگایا، دونوں شہزادوں نے فرمایا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ اذان دیں۔ آپ مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور جوں ہی ''اللہ أکبر'' کہا تو پورا مدینہ بے چین ہو گیا۔ فرط محبت میں مرد و عورت بچے بچیاں سب اپنے گھروں سے باہر نکل آئے سب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس دن مدینہ کا چپہ چپہ فرط غم میں ہلکان ہوتا جا رہا تھا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اس سے پہلے مدینہ اتنا سوگوار نہ دیکھا گیا۔

وفات: حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ ۲۰/ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، دوسرا قول ہے کہ ۲۱/ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور ایک روایت ۱۸/ کی بھی ملتی ہے۔ وقت وصال آپ کی عمر ۶۳/ سال تھی جب کہ بعض نے کہا کہ ۷۰/ سال تھی۔ دمشق کے باب الصغیر میں آپ کی تدفین ہوئی۔(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۴۶-۱۴۷، امام یحیٰ بن شرف نووی، الطبعۃ الاولیٰ: ۲۰۰۷ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

ازواج: حضرت بلال بن رباح نے متعدّد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کرایا تھا، بنی زہرہ اور ابو درداء کے خاندان میں بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تھا لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

بلا شبہ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے اپنا کوئی صلبی جانشیں نہیں چھوڑا لیکن انھوں نے اپنے بعد اذان کی صورت میں ایسی لازوال روحانی میراث چھوڑی ہے جو دن رات میں پانچ بار ہر مقام پر سنی جا سکتی ہے۔ اذان سننے والا کبھی کوئی شخص حق کے اس داعی و منادی اور مؤذن اوّل کو فراموش نہیں کر سکتا۔

من
أهل الفتوى

حضرت غرفہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت.....وفات:۔۔۔ھ

محمد نعمت اللہ حسن قادری، سیتامڑھی، جماعت: سادسہ 8931041512

اسم گرامی: غَرفہ، بقول بعض عرفہ، **کنیت:** ابو حارث یمانی۔ **والد گرامی:** حارث کندی ۔

حضرت غرفہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ جاہلیت میں شریف خاندان سے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر میں بود و باش اختیار کی تھی۔اسی وجہ سے مورخین نے آپ کو سکنِ مصر اور نزیل مصر کہا ہے۔آپ قبیلۂ کندہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت و خدمت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوئی۔ چناں چہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب فتنۂ ارتداد رونما ہوا تو حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوش بدوش آپ نے نہایت ہی شجاعت و بہادری کے ساتھ مرتدین اور منکرین زکوۃ سے جہاد کر کے اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔(۱)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ووفات بسیار جستجو کے باوجود نہ مل سکی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشاہیر تلامذہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عبداللہ بن حارث ازدی (۲) کعب ابن علقمہ (۳) عبدالرحمن بن شماسہ

آپ سے مروی احادیث: (١) حدثنا محمد بن حاتم، حدثنا عبد الرحمن بن مهدی، عن ابن مبارك، عن حرملة بن عمران، عن عبد الله بن الحارث الأزدی، عن غَرَفة بن الحارث قال: شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم فی حجة الوداع، و أتي بالبُدن، فقال: أدعوا إليّ أبا حسن، فدعى له عَليّ، فقال: خذ بأسفل الحَرْبةِ" وأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بأعلاها، ثم طعنا بها البدن، فلما ركب بغلته أردف عليا.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حارث ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غرفہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا اور بدن نامی جانور کو لایا گیا (بدن سے مراد قربانی کا جانور ہے) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پاس ابوحَسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بلایا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: برچھی کے نچلے حصے کو پکڑو اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے اوپری حصہ کو پکڑا۔ غرفہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے اس کے ذریعہ قربانی کا جانور ذبح کیا،

پھر نبی اکرم ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھ گئے۔

(۲)روی حرمة بن عمران، عن كعب ابن علقمة، عن غرفة بن الحارث الكندی، و كان له صحبة من النبی صلی الله عليه و سلم انه سمع نصرانياً يشتم النبی صلی الله عليه و سلم بمصرَ و كان غرفة يسكنها فضرب النصرانی فوق أنفه. فرُفع الی عمرو بن العاص، فقال له:إنّا قد أعطيناهم العهد فقال غرفة:معاذ الله ان نعطيهم العهد علی ان يظهروا شتم النبی ﷺ و انما اعطيناهم العهد علی أن نخلی بينهم و بين كنائسهم، يقولون فيها ما بدا لهم، و ان لا نحملهم ما لا يطيقون، إن أرادهم عدوّ قاتلنا دونهم علی أن نخلی بينهم و بين أحكامهم إلّاأن يأتونا راضين بأحكامنا فنحكم بينهم، و إن غيبوا عنا لهم فتعرض لهم. فقال عمرو صدقت.(۳)

ترجمہ: جب حضرت غرفہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کے کسی نصرانی کو نبی اکرم ﷺ کی شان میں گالی دیتے ہوئے سنا توآپ نے نصرانی کی ناک پر مارا۔ پھر مقدمہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا توآپ نے فرمایا ہم نے ان سے امان کا عہد کیا ہے۔ تو حضرت غرفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا معاذ اللہ کہ ہم ان سے عہد کریں باوجود یکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیں بلکہ ہم نے ان سے اس بات پر عہد کیا ہے کہ ہم ان کے اور ان کے کنیساؤں کا راستہ چھوڑ دیں۔ وہ کنیساؤں میں جو چاہیں کہیں، اور یہ کہ ہم ان پر بوجھ نہ ڈالیں گے ان کی طاقت سے زیادہ۔ اور اگر ان کا دشمن ان کا ارادہ کرلے تو ہم ان سے جہاد کریں گے، نہ اس بات پر کہ ان کے اور ان کے احکام میں خلل اندازی کریں مگر یہ کہ ہمارے پاس ہمارے احکام سے راضی ہوکر آئیں تو ہم ان کے مابین فیصلہ کریں گے اور اگر وہ ہم سے غائب رہیں تو ہم ان سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تو نے سچ کہا۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ ہم تمام مسلمانان اہل سنت کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطافرمائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

مراجع ومصادر:

(۱) اسد الغابۃ، ج:۴، ص:۳۲۲، ۳۲۳، عزالدین ابن اثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان طباعت ثانیہ۔

(۲) مرجع سابق،

(۳) الاصابۃ ج،۵، ص:۲۴۵، امام الحافظ ابن حجر العسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

من أهل الفتوى

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۳ سال قبل فیل۔ وفات: ۳۲ھ

محمد عارف رضا قادری، در بھنگہ، جماعت: خامسہ Mob. 9795542122

اسم گرامی: عباس، **کنیت:** ابوالفضل، **لقب:** ساقی الحرمین، آپ کے والد عبد المطلب اور والدہ فتیلہ بنت خباب تھیں.

سلسلۂ نسب: عباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن سعد بن عدنان ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج:۴، ص:۳، محمد بن سعد بن منیع بن ہاشمی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن اشاعت: ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷ء)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم میں سے ایک ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایام طفولیت ہی میں گم ہو گئے تھے، آپ کی والدہ فتیلہ بنت خباب نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا مل گیا تو خانۂ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھاؤں گی آپ کی والدہ عرب کی وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ایفائے نذر کے لیے خانۂ کعبہ پر ریشم کا قیمتی غلاف چڑھایا۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، جلد:۳، ص:۵۱۱، ملخصاً، مصنف: ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن اشاعت، ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء)

ولادت: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت بعض کے نزدیک واقعۂ فیل سے تین سال پہلے ہوئی آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمر میں تقریباً دو یا تین سال بڑے تھے۔ (طبقات لابن سعد، ج:۴، ص:۳)

قبول اسلام: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر میں جانے سے پہلے اپنی زوجہ حضرت ام الفضل کو کثیر مقدار میں سونا دے کر کہا تھا کہ اسے خوب سنبھال کر رکھنا، کسی کو اس کے بارے میں پتہ نہ چلے، اگر میں جنگ سے واپس آگیا تو فبہا ورنہ یہ دولت تمھاری زندگی بھر کے لیے کافی ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے فرزندوں کا حصہ متعیّن کرنے کے بعد بیس اوقیہ سونا ساتھ لے لیا تاکہ دوران سفر خرچ میں کام آسکے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ بدر کے قیدیوں سے (جن میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے) رہائی کے بدلے فدیہ طلب فرمایا، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "میرے پاس ۲۰/ اوقیہ سونا تھا جو آپ کے اصحاب نے لے لیا ہے، وہی مال میرے فدیہ میں رکھ لیں" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ مال غنیمت ہے، فدیہ الگ سے دینا ہوگا"۔ بلکہ تم اپنا اور اپنے دونوں بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمر کا فدیہ بھی ادا کرو۔ عتبہ کا ۱۰۰، اور باقی کا ۴۰/ ۴۰/ فی کس ہے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے پاس تو اس کے علاوہ کوئی بھی مال نہیں ہے، آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ

سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا: "تو چچا وہ سونا کہاں گیا جو جنگ پہ روانہ ہوتے وقت آپ نے چچی ام الفضل کو دیا تھا اور کہا تھا کہ میں نے تم کو دولت مند بنادیا ہے، یہ سنتے ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: اللہ کی قسم! یہ میرے اور ام الفضل کے درمیان ایسا راز تھا کہ جس کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔" اور کہا: أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أنك رسول الله ﷺ.

(الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۱۰، محمد بن سعد، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ذات رسول ﷺ سے وابستگی: ابتداے اسلام میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام نہ تھے مگر پھر بھی حضور ﷺ سے محبت و شفقت اور نرمی و بردباری فرمایا کرتے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر جب بعض اہل مدینہ قبیلہ قریش سے چھپ کر حضور اکرم ﷺ سے بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ہم راہ تھے اور جب حاضر ہونے والے یہ اہل مدینہ حضور کے دست اقدس پر شرف بیعت سے مشرف ہوگئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا: اے مدینہ والو! تمہیں یہ بخوبی معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ ہم لوگوں میں حد درجہ عزت و عظمت شان و شوکت اور شرافت و عجائب کے مالک ہیں اب اگر تم لوگ ان کو ساتھ رکھتے ہو اور اپنی جاں نثاری کا پختہ وعدہ کرتے ہو، خواہ حالات جیسے بھی ہوجائیں تم لوگ ان کے ساتھ وفا کروگے، ان کے ساتھ رہوگے اور مرتے دم تک ان کا دامن کبھی نہ چھوڑوگے اور ان سے کبھی پہلوتہی نہیں کروگے تو ٹھیک ہے ورنہ بہتر ہے کہ اسی وقت صاف جواب دے دو تاکہ آئندہ کبھی پریشانی نہ اٹھانی پڑے اور تمھیں دشمنی کا نشانہ نہ بننا پڑے۔

انصار مدینہ نے بیک زبان ہوکر کہا: "ہم حاضر ہیں یارسول اللہ ﷺ! ہمیں حکم دیجیے، ہم آپ کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔" پھر رسول اللہ ﷺ اور انصار مدینہ کے درمیان کچھ عہد و پیمان ہوئے اور اس کے کچھ عرصہ بعد حضور ﷺ مدینہ شریف رحلت فرماگئے۔ (مرجع سابق، ص:۱۱)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور ظاہری طور پر قبول اسلام نہ کرنا درحقیقت یہ ایک مصلحت پر مبنی تھا۔ یہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور اس کے رازہائے سربستہ سے مطلع فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کرتے تو آپ فرماتے کہ مکہ میں مقیم رہنا آپ کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم فرمائے گا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص۱۶۵، عزالدین ابن الاثیر أبی الحسن علی بن محمد الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن اشاعت:۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳ء)

حضور ﷺ اپنے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہایت تعظیم و توقیر اور عزت و اکرام فرمایا کرتے تھے، ان کے متعلق آپ نے فرمایا: "من اٰذی العباس فقد اٰذانی؟ فإنما عم الرجل صنو أبيه" میرے چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بمنزلہ والد کے ہیں جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۳، ص:۵۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

"مدارج النبوۃ" میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عم محترم! کل آپ اپنے گھر میں ہی اپنے بچوں کے ساتھ تشریف رکھیں۔ میں کل آپ کے یہاں آؤں گا۔ مجھے آپ سے کام ہے۔ پھر دوسرے روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف فرما ہوئے اور ان سب کو اپنی چادر مبارکہ میں ڈھانپ لیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی یااللہ! یہ میرے چچا ہیں جو میرے والد کے قائم مقام ہیں یہ ان کے فرزند میرے اہل بیت ہیں، ان کو آتش دوزخ سے ایسے ہی چھپالے، جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔ اس پر سب نے آمین کہا حتیٰ کہ گھر کے در و دیوار نے بھی آمین کہا۔ (مدارج النبوہ، ج:۲، ص:۴۹۲، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

ایک دفعہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و بشاشت ہوتی ہے لیکن ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا: قال و الذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبك اللہ و لرسولہ "قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن نہ ہوگی۔ (جامع ترمذی، ج:۲، ص:۲۱۷، مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، سن اشاعت: ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء)

غزوات میں شرکت: آپ نے مکہ کی فوج کشی میں حصہ لیا، حنین کی جنگ میں حضرت خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی، فرماتے ہیں کہ درمیان جنگ جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے چہروں پر شکن نظر آنے لگے، تو ارشاد ہوا "عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نیزہ برداروں کو آواز دو" فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی، میں نے أین اصحاب السمرۃ کی صدا بلند کی تو سب کے سب یکایک پلٹ پڑے جواں مردی اور جفاکشی کے ساتھ جنگ لڑی فتح و کامرانی کی خوشیوں پر مسلمانوں کا اترا ہوا چہرہ کھل اٹھا اور کفار پر غلبہ حاصل کی، جنگ حنین کے علاوہ محاصرہ طائف، غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع وغیرہ میں بھی آپ شریک تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۳۵۸، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، طبع ثانی: ۱۴۳۱ھ۔ ۲۰۰۲ء، دارالکتب العلمیہ)

خدمات: ایام جاہلیت میں آپ سرداران قریش میں سے تھے، مسجد حرام کی تولیت، اس کی تعمیر و ترقی نیز حاجیوں کو زم زم شریف سے سیراب کرنے کا کام ان کے ہی ذمے سپرد تھا، اسی وجہ سے آپ ساقی الحرمین جیسے معزز لقب سے نوازے گئے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حلیہ: آپ حسن و جمال کے پیکر، دراز دو گیسو والے اور طویل القامت تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ عام لوگوں کا قد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں تک پہنچتا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن اشاعت، ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷ء)

اوصاف: آپ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحم دل انسان تھے، قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست اور اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کا حد درجہ بہی خواہ تھے، آپ کی رقت قلبی کا عالم یہ تھا کہ جب دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے تو آنکھیں اشکبار ہو

جاتیں، دل میں ایک عجیب سی تڑپ ہوتی بایں سبب آپ کی دعاؤں میں ایک خاص اثر پایا جاتا تھا۔

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے معزز تھے،، سبھی آپ کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور آپ سے مشورہ کیا کرتے اور ساتھ ہی آپ کی رایوں اور مشوروں پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج:۳، ص:۵۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عام الرمادہ کے موقع پر آپ کے توسل سے بارگاہ رب العزت میں بارش کے لیے دعا فرمائی (استسقا فرمائی) تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے کی برکت سے حضرت عمر فاروق کی دعا مقبول ہوئی اور اس قدر موسلا دھار بارش ہوئی کہ قحط کی پریشانی دور ہوگئی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے چناں چہ جنگ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ سے ۲۰/ اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا، جو دوسرے قیدیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔ آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

وفات: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھاسی سال کی عمر پاکر ماہ رجب المرجب اور ایک روایت ک مطابق رمضان المبارک ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں دار بقا کی طرف کوچ کرگئے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع مدینہ شریف میں مدفون ہوئے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۳، ص:۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

من أهل الفتوى

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۵۹۱ء۔ وفات:۳۸ھ

محمد قمر رضا، دربھنگہ، Mob. 7275238675

نام و کنیت : ابو یحییٰ آپ کی کنیت تھی، ایک دوسری کنیت ابو غسان بتائی گئی ہے۔ نام سے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے، ابن حجر کی نقل کردہ ایک روایت کے مطابق ان کا اصل نام عمیرہ تھا، لیکن رومیوں نے بدل کر صہیب کر دیا۔ تیسری روایت میں نام عبد الملک ہے۔ ممکن ہے صہیب ان کا صفاتی نام ہو کیوں کہ ''صہیب'' یا''صہوبہ'' کا مطلب ہے گہرا سرخ یا زرد رنگ ہونا اور ان کا رنگ گہرا سرخ تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: صہیب بن سنان بن مالک عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن حذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمری بن قاسط بن ہنب اوصی بن دعمی بن حدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار النمری۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۰)

ولادت: حضرت صہیب بن سنان رومی کی ولادت ۵۸۷ء میں عرب کے ایک قبیلہ نمر بن قاسط میں ہوئی۔

ابتدائی زندگی ۵۹۱ء میں جب آپ کی عمر ۵ سال کی تھی اس وقت آپ کے والد گرامی سنان بن مالک کو شاہ ایران خسرو نے ابلہ کا عامل مقرر کیا۔ دریائے فرات کے کنارے آباد یہ شہر اب بصرہ میں ضم ہو چکا ہے۔ ان کی جائے قیام دجلہ کے کنارے واقع شہر موصل میں تھی، یہ شہر قدیم سلطنت نینوئی کا دار الخلافہ رہ چکا تھا۔ ایک روز حضرت صہیب کی والدہ سلمٰی بنت قعید تمیمی اپنے بیٹے کو سیر کرانے قریبی گاؤں میں لے گئیں۔ اتفاق سے اسی روز روم کی بازنطینی سلطنت کی فوج اس گاؤں پر حملہ آور ہوئی، اس کے سپاہی بے شمار لوگوں کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گئے، نوعمر صہیب بن سنان بھی انھیں میں شامل تھے۔ اس زمانے کا چلن تھا کہ جنگی قیدیوں کو بازار غلاماں میں فروخت کر دیا جاتا۔ حضرت صہیب بھی اسی بازار میں فروخت کر دیے گئے۔ ایک آقا سے دوسرے مالک کے ہاتھ جاتے جاتے ان کے بیس برس بازنطینی سلطنت میں گزر گئے۔ اس اثنا میں آپ اپنی مادری زبان عربی بھول گئے اور یونانی بولنے لگے۔ آخر اس طویل عرصے کے بعد ایک دن آپ کو بھاگنے کا موقع مل گیا اور بھاگ کر آپ نے مکہ میں پناہ لی اور قبیلۂ بنو جدعان کے حلیف بن گئے۔ یہاں انھوں نے کاروبار کیا اور خوب مال دار ہو گئے۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ وہ خالی ہاتھ آئے تھے، تاہم مصعب بن زبیر کہتے ہیں: صہیب اپنا راس المال روم سے لائے تھے۔ خیر دونوں میں سے جو بات بھی درست ہو۔ حضرت صہیب آخری دم تک بنو جدعان میں ہی رہے۔ (مستدرک حاکم، ص:۵۷۰۶)

قبول اسلام: حضرت صہیب بتاتے ہیں، میں اس وقت بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہا ہوں جب آپ پر وحی کے

نزول کی ابتدا نہ ہوئی تھی۔

حضرت صہیب اور عمار بن یاسر ایک ہی دن نعمت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ عمار بیان کرتے ہیں، دار ارقم کے دروازے پر میری حضرت صہیب بن سنان سے ملاقات ہوئی، رسول کریم ﷺ اندر تشریف فرما تھے۔ میں نے پوچھا، کیسے آئے ہو؟ انھوں نے مجھ سے سوال کر دیا کیا ارادہ ہے؟ بتایا میں محمد ﷺ سے مل کر ان کا کلام سننا چاہتا ہوں۔ حضرت صہیب نے کہا، میرا منشا بھی یہی ہے۔ دونوں اندر داخل ہوئے، آپ ﷺ سے ملاقات کی دیر تھی کہ اسلام کی حقانیت پر یقین آگیا۔ عمار مزید کہتے ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ دن ہم نے وہیں گزارا اور رات کے وقت چھپتے چھپاتے واپس لوٹے۔ اس وقت تک ایمان کی طرف سبقت کرنے والے اہل ایمان کی تعداد تیس سے کچھ اوپر ہو چکی تھی۔ (مسند احمد، ص: ۳۸۳۲)

دین پر استقامت: حضرت صہیب بھی ان کمزور مسلمانوں میں شامل تھے جنھیں مشرکین نے قبول ایمان کے جرم میں ایذائیں پہنچائیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں، اپنے اسلام کا اعلانیہ اظہار کرنے والے پہلے سات اہل ایمان یہ تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر، عمار بن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ، صہیب بن سنان، بلال اور مقداد (یا خباب) آپ ﷺ کی حفاظت اللہ نے آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعے کی، سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفاع کا ذریعہ ان کی قوم بنی، باقی پانچوں کو مشرکین لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ کی تپش دیتے۔ حضرت صہیب اسلام قبول کرنے کی وجہ سے کفار مکہ کے ہاتھوں عتاب و قہر کے شکار ہوئے لیکن ہر حال میں دین پر ثابت قدم رہے۔ (مقدمہ ابن ماجہ، ص: ۱۵۰)

مدینہ کی جانب ہجرت ۶۲۲ء میں حضور ﷺ نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت صہیب نے بھی مکہ چھوڑنے کا ارادہ کیا اور کئی بار مکہ سے نکلنے کی کوشش کی، لیکن قریش کے مقررہ نگاہ بانوں کی وجہ سے نہ نکل سکے۔ اصل میں کفار مکہ ان کی دولت ہتھیانا چاہتے تھے جو انھوں نے تجارت کر کے کمائی تھی۔ ایک شب حضرت صہیب نے یوں ظاہر کیا کہ ان کا پیٹ خراب ہے، بار بار باہر نکلتے جیسے رفع حاجت کے لیے جارہے ہیں۔ ان کی چوکسی کرنے والے مشرک بے دھیان ہوئے تو اسلحہ بند ہو کر مدینہ کو چل پڑے۔ کچھ ہی دیر میں ان کفار کو علم ہوا تو وہ حضرت صہیب کے پیچھے بھاگے۔ وہ مکہ سے نکل رہے تھے کہ مشرکین نے انھیں پکڑنے کی کوشش کی۔ حضرت صہیب ایک ٹیلے پر چڑھ گئے، کمان کھینچ لی اور قریش کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: تم جانتے ہو کہ میں بہترین تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ خطا نہیں جاتا۔ اللہ کی مہربانی سے تم مجھ پر قابو نہیں پا سکتے حتیٰ کہ میں اپنے ترکش کے تمام تیر خالی نہ کر دوں اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے گی تم مجھ پر قابو نہ پا سکو گے۔ پیچھا کرنے والوں نے کہا تم غربت کی حالت میں مکہ آئے تھے اور یہاں رہ کر بے شمار دولت کمائی، ہم اسے تمھارے ساتھ جانے نہیں دیں گے۔ حضرت صہیب نے کہا، میں اگر اپنا مال و متاع تمھیں دے دوں تو تم مجھے جانے دو گے؟ انھوں نے کہا، ہاں۔ حضرت صہیب نے اپنی دولت ان کے سپرد کر دی اور خود تن کے کپڑوں میں مدینے کی راہ لی۔ (مستدرک حاکم ۵۷۰۶)

حضرت صہیب مدینہ کی نواحی بستی قبا پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے انھیں آتے دیکھا تو آپ نے فرمایا، ابویحیٰ! تمھاری تجارت پھل لے آئی۔ حضرت صہیب کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ حضرت صہیب پر خوب منطبق ہوتی ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ "(البقرۃ، آیت: ۲۰۷)

ترجمہ: کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

غزوات و سرایا میں شرکت: حضرت صہیب تیراندازی میں مہارت رکھنے کی وجہ سے غزوات میں رسول کریم ﷺ کے پاس رہ کر آپ (ﷺ) کا دفاع کرتے جنگ بدر میں انھوں نے عثمان بن مالک اور حارث بن منبہ کو واصل جہنم کیا۔ حضرت صہیب نے جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق سمیت عہد رسالت کے دیگر تمام جنگوں میں شرکت کی۔ خود بیان کرتے ہیں، رسول ﷺ نے کسی جنگ میں شرکت نہیں کی مگر میں موجود تھا، جہاد کے لیے کوئی بیعت نہیں لی مگر میں حاضر تھا، آپ ﷺ کسی سریہ میں نہیں گئے لیکن میں ساتھ تھا۔ کسی غزوہ میں نہیں گئے کہ میں آپ (ﷺ) کے دائیں بائیں نہ ہوتا، میں نے کبھی آپ (ﷺ) کو اپنے اور دشمن کے درمیان نہیں آنے دیا۔ (المعجم الکبیر، طبرانی، ص:۷۳۰۹)

حضرت صہیب نگاہ نبوت میں: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: "چار افراد (خیر کی طرف) سبقت لے جانے والے (سابقین) ہیں، میں عربوں میں سبقت لے جانے والا ہوں، صہیب رومیوں میں (اسلام کی طرف) سبقت کرنے والے ہیں، سلمان ایرانیوں میں اور بلال حبشہ میں سبقت کرنے والے ہیں۔ (مستدرک حاکم، ص: ۵۷۱۵)

حضرت صہیب کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ نماز ادا فرمارہے تھے، میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے انگلی کے اشارے سے جواب دیا (ابوداؤد، ص: ۹۲۵، ترمذی، ص: ۳۶۷)

امام مالک اور امام شافعی نے اس روایت کی بنیاد پر نمازی کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ وہ اشارے سے سلام کا جواب دے، جب کہ احناف اسے درست نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں، یہ ایک طرح کا تکلم ہے جس کی نماز میں مصروف شخص کو اجازت نہیں۔ ان کی دلیل ابوسعید خدری کی روایت ہے، ہم نماز میں سلام کا جواب دے دیا کرتے تھے لیکن بعد میں ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (شرح معانی الآثار، ص: ۲۵۵۶)

وفات: حضرت صہیب رومی شوال ۳۸ھ (یا ۳۹ھ) میں مدینہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے۔ انھوں نے تہتر برس کی عمر پائی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۶۳)

حلیۂ مبارک: حضرت صہیب رومی میانہ قد کے تھے، رنگ گہرا سرخ اور سر کے بال موٹے اور گھنے تھے، بھویں ملی ہوئی تھیں۔ بڑھاپے میں بالوں پر مہندی لگاتے، بچپن رومیوں میں گزارنے کی وجہ سے ان کا لہجہ عجمی تھا اور زبان میں قدرے ہکلاہٹ تھی، حضرت صہیب خوش خوراک تھے۔

حضرت صہیب سے روایت کردہ حدیثیں: اکثر اصحاب رسول کی طرح حضرت صہیب روایت حدیث سے کتراتے تھے۔ کہتے، آؤ میں تمیں اپنے غزوات کی باتیں بتاؤں، یہ نہ کہوں گا، قال رسول اللہ ﷺ، اس کے باوجود انھوں نے نبی ﷺ سے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابوطالب سے تیس کے قریب احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے چند طویل بھی ہیں۔ جن میں سے تین صحیح مسلم میں شامل ہیں۔

من أهل الفتوى

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ولادت :۔۔۔وفات:۔۔۔

محمد انتخاب علی، ویشالی، جماعت: سابعہ Mob. 7808599915

اسم گرامی: برکت، **کنیت:** ام ایمن، **والد گرامی:** ثعلبہ حبشی

سلسلۂ نسب: برکت بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن النعمان۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۸، ص:۳۵۸، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، طبع ثانی:۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

قبول اسلام: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات ان نفوس قدسیہ میں سے ایک ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس وقت ایمان لائے جب کہ مذہب اسلام اپنے ابتدائی مرحلے میں تھا۔ جیسا کہ اسد الغابہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے کے تعلق سے مذکور ہے "و اسلمت قدیماً اول الاسلام"۔

(اسد الغابہ، ج:۷، ص:۲۹۱، عزالدین ابن اثیر ابی الحسن علی بن محمد جزری، طبع ثانی:۲۰۰۳ء۔۱۴۲۴ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

نکاح: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باندی تھیں، جسے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے والد سے وراثت میں پایا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کر دیا اور انھوں نے حارث بن خزرج کے خاندان سے وابستہ ایک شخص عبید بن زید سے شادی کر لی پھر ان کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوسرا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب اور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی سے ہوا۔

(طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۳۶۳، محمد بن سعد، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔لبنان، طبع ثانی:۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۱، ص:۱۴۳)

ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی: حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایام طفولیت ہی سے لگاؤ اور تعلق تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی باندی تھیں۔ جب حضرت عبد اللہ کا انتقال ہوا تو آپ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وراثت میں ملیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرورش کرنے کا شرف حاصل ہوا جسے آپ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ آپ نے خود کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعایت و خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا اور انھیں اپنی شفقت و محبت میں رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو "یا امہ" یعنی اے امی جان کہہ کر مخاطب فرماتے تھے اور آپ کے بارے میں فرماتے "ھذہ بقیۃ اھل بیتی" یہ میرے اہل بیت کی یادگار خاتون ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۴۴-۳۴۵، امام حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول:۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴ء)

ہجرت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حبشہ اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی۔ جب آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہی تھیں تو آپ کے ساتھ ایک بہترین واقعہ پیش آیا جو کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص فضل و اکرام کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ جب آپ ہجرت کے لیے عازم سفر ہوئیں اور مقام روحاء کے قریب پہنچیں تو ان کا پانی ختم ہو گیا اور یہ روزے سے تھیں جس کے سبب انھیں پیاس کی شدت محسوس ہوئی تو آسمان سے سفید رنگ کے ڈول میں ان کے لیے پانی لٹکایا گیا جس سے انھوں نے پیا اور سیر ہو گئیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ ”اس واقعہ کے بعد مجھے پیاس نہیں لگی۔ میں گرم سے گرم دنوں میں روزہ رکھا کرتی تھی مگر مجھے پیاس کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۴۵)

یقیناً یہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدا کے نزدیک محبوب و مکرم اور راضی ہونے کی دلیل ہے۔

غزوات میں شرکت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دل میں اسلام کے فروغ اور اس کی اشاعت کا سچا جذبہ رکھتی تھیں۔ اسی جذبۂ صادق کے تحت آپ نے جنگ کی ہولناکی اور اپنی درازی عمر کی پرواہ کیے بغیر ان غزوات میں شرکت کی۔

غزوۂ احد: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس غزوہ میں شرکت کی جس میں آپ کی ذمہ داری زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، ان کی امداد اور مجاہدین کو پانی پلانا تھا۔ اسی غزوہ میں آپ جس وقت زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں ایک کافر حبان بن عرفہ نے انھیں تیر مارا جس کے سبب آپ زمین پر گر گئیں تو وہ کافر بہت ہنسا یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت ناگوار لگی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر دیا جس کی نوک نہیں تھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”تیر پھینکو“ انھوں نے تیر چلایا جو حبان کو لگا اور وہ بدبخت زمین پر جا پڑا اور اس کی شرمگاہ کھل گئی پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ ”سعد نے ام ایمن کا بدلہ لے لیا اللہ تیری دعا قبول کرے اور تیرے تیر کو ٹھیک نشانہ پر لائے“۔

(سیرت خواتین، ج:۱، ص:۲۰۸، ہمشیرہ محمد صدیق عطاری قادری، مدنی بک ڈپو، دہلی، سن اشاعت:۲۰۱۳ء)

پھر جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کچھ افاقہ ہوا تو دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ یقیناً آپ کا یہ کردار اس بات پر غماز ہے کہ آپ اپنے دل میں اسلام کے فروغ اور اس کے استحکام کا کتنا جذبہ رکھتی تھیں۔

غزوۂ خیبر: اس غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیس خواتین نکلیں ان میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں اسی طرح ام عمارہ اور ام علاء انصاریہ وغیرہ بھی تھیں۔ اس غزوہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی عذر کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تو آپ نے انھیں بزدلی اور خوف پر عار دلائی جیسا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ان اشعار میں اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

علی حین ان قالت لایمن امه	جبنت و لم تشهد فوارس خیبر
و الایمن لم یجبن و لکن مهره	اضر به شرب المدید المخمر
ولو لا الذی قد کان من شان مهره	لقاتل فیها فارسا غیر اعسر

و لکنہ قد صدہ فعل مہرہ — و ما کان منہ عندہ غیر ایسر

ترجمہ: اس وقت ایمن کو اس کی ماں نے کہا — تو بزدل ہے اور خیبر کے بہادروں میں نہیں آتا
حالاں کہ ایمن بزدل نہیں ہوا لیکن اس کی سواری کو — تکلیف ہو گئی تھی نشہ آور پانی پینے سے
اگر اس کی سواری کی یہ حالت نہ ہوتی — تو اس میں وہ الٹے ہاتھ سے لڑنے والا شہسوار نہ ہوتا
اور لیکن اس کو روک دیا اس کی سواری کے فعل نے — اور اس کو اس کے علاوہ کوئی سواری میسر نہیں تھی۔

(ایضاً، ص:۲۰۹، سیرت ابن ہشام، حصہ سوم، ص:۳۴۸)

غزوۂ حنین: اس غزوہ میں بھی آپ شریک ہوئیں اور اپنے دونوں فرزند ارجمند حضرت ایمن بن عبید اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ساتھ لیتی گئیں اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاع کے لیے مقرر کر دیا جن میں حضرت ایمن رضی اللہ عنہ نے شجاعت و بہادری اور دفاع رسول میں حیرت انگیز مثال قائم کی اور راہ خدا میں مردانہ وار لڑتے لڑتے اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کر دیا۔ (ایضا، ص:۲۱۰)

سرکار دو عالم ﷺ کے نزدیک مقام و مرتبہ: آپ حضور سرور کائنات کے نزدیک بڑے رتبہ کی مالک تھیں اور محبوب بھی تھیں۔ حضور ﷺ آپ کا نہایت اور حد درجہ خیال فرمایا کرتے تھے، اگر آپ حضور ﷺ سے کسی چیز کا سوال فرماتیں تو وہ آپ کی مانگ کو پوری فرمایا کرتے۔ جیسا کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ان سے الفت و محبت کی غمازی کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی کریم ﷺ کو اپنے اموال اور باغات سے حسب توفیق کچھ عطیات دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے قریظہ اور نضیر کو اللہ کی نصرت و حمایت سے فتح کر لیا تو سرکار ﷺ ہر ایک کو بدلہ میں عطیات دینے لگے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھ سے بھی میرے گھر والوں نے کہا کہ جاؤ تم بھی حضور ﷺ سے کچھ عطیات لے لو، چناں چہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے مجھے بھی کچھ مال اور ہدایا وغیرہ دیے وہیں حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں انھوں نے میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور کہنے لگیں کہ میں تجھے یہ لے جانے نہ دوں گی حالاں کہ وہ مال مختار کائنات ﷺ نے مجھے عنایت فرمایا تھا یہ دیکھ کر سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ام ایمن اسے چھوڑ دو تو ام ایمن نے جواب دیا میں اسے نہیں چھوڑوں گی پھر نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا اے ام ایمن اسے چھوڑ دو مگر حضرت ام ایمن نہ چھوڑا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں مجھ سے دس گنا زیادہ دیا اور ایک صحیح حدیث میں یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے خود کہا کہ میں دس گنا زیادہ لوں گی۔ (سیرت خواتین، ج:۱، ص:۲۱۲، ملخصاً)

اس طرح ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب تک اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق مال نہ لے لیا تب تک راضی نہ ہوئیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی ان کی رضا کی خاطر منھ مانگا دیا۔

حضور سید الانبیا ﷺ کے نزدیک ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقام و مرتبہ کتنا بلند تھا اور حضور ﷺ آپ کی کس قدر عزت کیا کرتے تھے اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ

حضور ﷺ پانی نوش فرما رہے تھے۔ جب پانی نوش فرما چکے تو ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بھی پانی پلائیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے پانی پلانے کو کہہ رہی ہیں تو انھوں نے جواباً کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بہت خدمت کی ہے یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور پھر انھیں پانی پلایا۔ (ایضاً، ص:۲۱۱)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک آپ کی قدر و منزلت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بھی محبوب و مکرم تھیں اور صحابہ کرام انھیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ اپنی حیات طیبہ میں آپ کی زیارت کو آتے اور آپ کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ سرکار ﷺ کے بعد وفات بھی بعض صحابۂ کرام نے اس سنت کو جاری رکھتے ہوئے آپ کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور آپ کے حالات کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ چناں چہ حضور ﷺ کے دار البقار حلت کرنے کے بعد ایک روز حضرت ابو کر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ہمیں ام ایمن کی اس طرح خبر گیری کرنی چاہیے جس طرح حضور ﷺ کیا کرتے تھے۔ تو یہ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے جب حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انھیں دیکھا تو رونے لگیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں کہنے لگیں میں اس لیے نہیں رو رہی ہوں کہ حضور ﷺ کا ان کے خیر کی جگہ جانے کا مجھے علم نہیں بلکہ میں اس لیے رو رہی ہوں کہ آسمانی وحی آنا بند ہو گئی، اس پر ان دونوں حضرات پر بھی رقت طاری ہو گئی اور یہ بھی رونے لگے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۸، ص:۳۶۰)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آپ سے محبت آپ کی حیات تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ آپ کے بعد وفات بھی آپ کا احترام ان کے دلوں میں جاگزیں تھا جیسا کہ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی الفرات جو اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے ان کی ایک مرتبہ حسن بن اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تلخ کلامی ہو گئی، دوران گفتگو ابن ابی الفرات نے انھیں "اے ابن برکت" کہہ کر مخاطب کیا اس سے ان کی مراد ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات تھی تو حسن بن اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! گواہ رہنا اور پھر انھوں نے یہ معاملہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی بارگاہ میں پیش کیا (جو حضرت عمر بن عبد العزیز کی جانب سے مدینہ کے قاضی یا والی تھے) اور سارا واقعہ بیان کر دیا تو ابن حزم جناب ابن ابی الفرات کی طرف مخاطب ہوئے اور ان سے پوچھا کہ تم نے اپنے قول "اے ابن برکت" سے کیا مراد لیا تھا، اس نے کہا کہ میں نے اس سے ان کا نام مراد لیا تھا تو ابن حزم نے فرمایا کہ نہیں تم نے اس سے ان کی تحقیر اور تذلیل مراد لی ہے حالاں کہ تاریخ اسلام میں ان کا اہم کردار ہے اور رسول اللہ ﷺ انھیں امی جان اور ام ایمن کہہ کر مخاطب فرمایا کرتے تھے اب اگر اس جرم میں میں تجھے قتل کر دوں تو خدائے تعالیٰ مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اس کے بعد انھوں نے اسے ستر کوڑے لگوائے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۱۸۱)

علمی مقام: حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علمی پایہ بہت بلند تھا اور آپ کا شمار صاحب فتویٰ صحابیات میں ہوتا تھا، ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ نے اپنی زندگی کا وافر حصہ معلم کائنات ﷺ کی صحبت میں گذارا اور نبی کریم ﷺ کی مکی اور مدنی دونوں زندگی

کا مشاہدہ کیا۔

آپ کئی احادیث کی آپ کی مرویات کی صحیح تعداد کا تو علم نہ ہو سکا البتہ ابونعیم اصبہانی نے معرفۃ الصحابہ میں یہ نقل کیا ہے کہ آپ سے آپ کے بیٹے ایمن، انس بن مالک اور طارق بن شہاب نے روایت احادیث کی ہیں پھر موصوف مذکور نے چند حدیثیں مع سند تحریر کی ہیں۔

(معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۳۲۳، ابونعیم اصبہانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۲ء)

فقہ وافتا کے علاوہ شاعری جیسے لطیف فن میں بھی آپ کامل مہارت رکھتی تھیں چنانچہ جب نبی کریم ﷺ دار البقا کی طرف کوچ فرما چکے تو آپ نبی کریم ﷺ کی جدائی پر بہت غمگین ہوئیں، آپ کا سینہ شدت غم سے پھٹنے لگا، آپ کی نگاہوں کے سامنے حضور ﷺ کا بچپن جوانی اور آخری ایام پھرنے لگے ایک ہم درد اور عزت دینے والی شخصیت یاد آنے لگی تو آپ نے حضور ﷺ کی یاد میں یہ عربی قصیدہ کہا۔

عين جودی فان بذلك للد مع شفاء فاكثری البكاء

آنکھ نے آنسو بہائے کہ ان آنسوؤں میں شفا ہے اے آنکھ خوب رو

حين قالوا الرسول اسی فقيدا ميتا كان ذلك محل البلاء

جب لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ جدا ہو گئے۔ رحلت کر گئے تو یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔

وابكيا خير من ورثناه فی الدنيا و من خصه بوحی السماء

اے دونوں آنکھو! روؤ اس پر دنیا میں ہمیں جس کی جدائی کی تکلیف ملی ہے جو بہت اچھا تھا اور آسمانی وحی سے خاص تھا۔

بدموع غزيرة حتی يقضی الله فيك خير القضاء

خوب آنسو بہاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں کوئی اچھا فیصلہ کر دے۔

فلقد كان ما علمت وصولا ولقد جاء رحمته بالضياء

میں جانتی ہوں وہ بہترین رفیق تھا اور وہ روشنی کے ساتھ رحمت لایا تھا

ولقد كان بعد ذلك نوراً وسراجا يضیء فی الظلماء

اور اس کے بعد وہ نور اور چراغ تھا اندھیرے میں روشنی کرتا تھا۔

طيب العود والفريبة والمهادن والختم خاتم الانبياء

جس نے عود وعادات اور مھادن کو خوشبودی اور وہ خاتم الانبیا تھا۔ (سیرت خواتین، ج:۱، ص:۲۱۶۔ ۲۱۷)

خصوصیات: آپ نبی کریم ﷺ کی مربیہ تھیں، نبی کریم ﷺ کی پرورش و پرداخت کرنے کا شرف آپ کو حاصل ہوا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے لے کر وفات پانے تک کی پوری زندگی کا مشاہدہ کیا یہی نہیں بلکہ آپ نے اسلام کے عسرت و ثروت دونوں کا زمانہ پایا۔ آپ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ آپ کو یا امہ

یعنی اے امی جان کہہ کر مخاطب فرماتے اور آپ کے بارے میں ارشاد فرماتے هذه بقية اهل بيتي. آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے اہل خانہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت کو تشریف لاتے اور آپ کی خبر گیری کرتے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفا نے بھی اس کار خیر کو جاری رکھا۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت زیادہ خدمت کی اور تاریخ اسلام میں ایک اہم کردار ادا کیا جس کے سبب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے **متعلق** ارشاد فرمایا "من سره ان يتزوج امرأة من اهل الجنة فليتزوج ام ايمن" جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ کسی جنتی عورت سے شادی کرے تو وہ ام ایمن سے نکاح کرلے۔ آپ کے تعلق سے یہ خوش خبری سننے کے بعد حضرت زید بن حارثہ نے آپ سے نکاح فرمایا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۱۷۹)

اولاد: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بیٹے تھے ایک حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی کنیت آپ نے اختیار کی یہ آپ کے پہلے شوہر عبید بن زید سے تھے اور دوسرا بیٹا حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے دوسرے شوہر حضرت زید بن حارثہ سے تھے۔ یہ دونوں آپس میں اخیافی یعنی ماں شریک بھائی ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۴۴، ملخصًا)

وفات: آپ نے خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۳۴۵۔ طبقات ابن سعد، ج:۸، ص:۱۸۱) البتہ علامہ ابن اثیر جزری کی اسد الغابہ اور ابونعیم اصبہانی کی معرفۃ الصحابہ میں یہ مذکور ہے کہ آپ کی وفات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے چھ مہینہ بعد ہوئی۔ اور اسد الغابہ ہی میں ایک قول پانچ مہینہ کے بعد کا بھی ہے۔ (اسد الغابہ، ج:۷، ص:۲۹۱، علامہ ابن اثیر جزری، طبع ثانی:۲۰۰۲ء۔ ۱۴۲۴ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ معرفۃ الصحابہ، ج:۵، ص:۳۲۳)

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت :۔۔۔وفات:۴ھ

محمد رضا، حیدرآباد، جماعت: سادسہ Mob. 9336266092

اسم گرامی: حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بدری صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

والد کا نام: عدی بن مالک

لقب: بلیع الارض

سلسلہ نسب: خبیب بن عدی بن مالک بن عامر بن مجدعہ بن جحجبی بن عوف بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس انصاری۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ، ج:۲، ص:۲۲۵، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ولادت و قبول اسلام: آپ کی ولادت اور قبول اسلام کی تاریخ کے سلسلے میں تاریخ نویس حضرات خاموش ہیں۔

حادثۂ رجیع: عسفان اور مکہ کے درمیان "رجیع" نامی ایک مقام واقع ہے۔ جس کی زمین سات مقدس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خون سے رنگین ہوئی ہے۔ یہیں یہ دردناک حادثہ ۴ھ میں پیش آیا۔

اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قبیلۂ عضل و قارہ کے چند لوگوں نے بارگاہ رسالت میں حاضری دی، اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلے والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس لیے آپ اپنے چند اصحاب کو وہاں بھیج دیں، تاکہ ہم شرک و کفر کی آلائش سے پاکی کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیمات سے بھی بہرہ مند ہوں۔

(سیرت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ، ص:۲۰۶، نیو ایڈیشن، سن اشاعت: ۲۰۱۴ء، مطبوعہ: امام اعظم، دہلی)

ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس منتخب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں روانہ فرمایا، جن میں حضرت خبیب بھی تھے۔ جب یہ قافلہ مقام رجیع پر پہنچا تو ان کفار نے بد عہدی کی، اور قبیلۂ بنو لحیان کے تقریباً سو کفار ان پر حملہ آور ہو گئے۔ مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے، کافروں نے تیر چلانا شروع کر دیا، اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں، اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں، اس لیے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے دعا مانگی کہ "یا اللہ! تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما دے"۔ پھر وہ جوش جہاد میں ٹیلے سے اترے اور کفار سے لڑتے ہوئے اپنے چھ

ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ باقی تین اشخاص حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اتر آئے، لیکن انھوں نے بد عہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان حضرات کو باندھنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بد عہدی ہے اور میرے لیے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چناں چہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

لیکن حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافروں نے باندھ دیا تھا۔ اس لیے وہ مجبور ہو گئے تھے، پھر کفار نے انھیں مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر میں چوں کہ حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، اس لیے اس کے لڑکوں نے انھیں خرید لیا، تاکہ وہ ان کو قتل کر کے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیں۔ اور انھیں اپنے ایک بھائی عقبہ کے حوالے کر دیا، عقبہ نے انھیں اپنے گھر میں قید کر کے ان کی نگرانی پر موہب نامی شخص کو مقرر کیا۔ عقبہ کی بیوی، حضرت خبیب کی حسن سیرت سے اس قدر متاثر تھی کہ آپ کی بڑی قدر کرتی اور کھانے کے وقت آپ کے ہاتھ کھول دیا کرتی تھی۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موہب سے تین باتوں کی درخواست کی تھی۔

اول: وہ انھیں میٹھا پانی پلائے۔ **دوم:** بتوں کے نام کا ذبیحہ نہ کھلائے۔ **سوم:** قتل سے پہلے باخبر کر دے۔

(سیر اعلام النبلاء، حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، ج:۳، ص:۱۰۶، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اس کے علاوہ آپ نے یہ آخری درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی، چناں چہ جب قتل کا ارادہ ہوا تو اس نے آپ کو اس کی اطلاع دے دی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی، ج:۲، ص:۲۵، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

کفار مکہ نے جب آپ کے قتل کا عزم مصمم کر لیا تو آپ نے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے حارث کی بیٹی سے استرہ طلب کیا، اس نے استرہ لا کر دے دیا، تھوڑی دیر میں اس کا ایک بچہ کھیلتا ہوا آپ کی گود میں آبیٹھا، وہ یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھی، حضرت خبیب نے اس کے چہرے پر اس کی گھبراہٹ کے آثار پڑھ لیے اور فرمایا تو ڈر رہی ہے کہ میں اسے قتل کروں گا؟ یاد رکھ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن گفتار اور اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر وہ کہتی تھی کہ "میں نے خبیب جیسا نیک طینت قیدی آج تک نہیں دیکھا۔ اور بسا اوقات میں نے ان کے پاس انگور کے خوشے پائے، جب کہ نہ تو موسم انگور کا تھا، اور نہ ہی ان کے پاس انگور پہنچنے کی کوئی اور راہ تھی، بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق تھا جو انھیں خزانہ غیبی سے عطا کیا جاتا تھا۔

(صحیح بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ، کتاب المغازی، باب من شھد بدرا، ج:۲، ص:۵۶۸، مطبوعہ: مجلس برکات، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)

کفار نے حضرت خبیب کے قتل کا خاص اہتمام کیا تھا، پہلے وہ انھیں حرم سے باہر "تنعیم" میں لے گئے، سولی کا پھندا

لٹکایا، اور ایک منادی سے ندا کرادی، پھر جب لوگوں کا ازدحام ہوگیا تو آپ نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی، قاتلوں نے اجازت دے دی، آپ نے مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا: اے گروہ کفار! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا رہوں، کیوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے مگر اس خوف سے میں نے جلدی پڑھ لی کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں پھر کفار نے آپ کو سولی پر چڑھادیا۔(انا للہ و انا الیہ راجعون) اس وقت آپ کے لبہائے مبارک پر یہ اشعار تھے

فلست ابالی حین أقتل مسلما　　　علی أی جنب کان فی اللہ مصرعی
و ذلک فی ذات الإله و إن یشأ　　　یبارک علی أوصال شلو ممزع

(صحیح بخاری، ج:۲، ص۵۶۹)

ترجمہ: جب میں بحالت اسلام قتل کیا جاؤں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔ میری یہ جاں نثاری خدا کے لیے ہے، اگر وہ چاہے تو میرے پارہ پارہ جسم پر برکت نازل فرمائے۔

وفات: آپ کے وصال کی تاریخ کہیں صراحت سے نہیں ملی، البتہ قرین قیاس یہی ہے کہ ۰۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(جیسا کہ واقعہ رجیع کی تاریخ سے ظاہر ہورہا ہے)

مزار اقدس: اللہ رب العزت نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دی، چناں چہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: جو کوئی خبیب کی لاش کو سولی سے اتار کر لے آئے اس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما امتثال حکم کے لیے تیار ہوگئے، اور کفار سے بچتے بچاتے مقام تنعیم پر پہنچے۔ اس وقت حضرت خبیب کی لاش کے پاس چالیس کفار پہرہ دیتے سو رہے تھے، ان دونوں حضرات نے لاش کو سولی سے اتارا، گھوڑے پر سوار کیا اور جلد سے جلد وہاں سے واپس پلٹ آئے۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید ہوئے چالیس دن ہوگئے تھے، مگر خدا نے جس جان کو دائمی شادابی بخشی ہو، اس تازگی کو کون دور کر سکتا ہے۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی لاش بالکل تر و تازہ معلوم ہورہی تھی، اور اس سے خون ٹپک رہا تھا۔

صبح جب کفار بیدار ہوئے، اور انھوں نے وہاں پر لاش نہیں پائی تو اس کی تلاش میں نکل پڑے، اور ان حضرات کے نشان قدم سے ان تک پہنچ گئے۔

ان دونوں حضرات نے جب دیکھا کہ کفار ان کے تعاقب میں ان کے پاس آپہنچے تو انھوں نے حضرت خبیب کی لاش زمین پر رکھ دی، خدا کی شان کہ زمین نے فوراً آپ کی لاش کو نگل لیا۔ اسی وجہ سے آپ کو بلیع الارض کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت زبیر اور مقداد نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر سارا ماجرا عرض کیا اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی دربار رسالت میں حاضری کی سعادت سے بہرہ مند ہورہے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا "حضور! ہم فرشتوں کی جماعت کو بھی آپ کے ان دونوں اصحاب کے کارنامے پر فخر ہے۔(سیرت مصطفیٰ، ص:۲۰۸)

من أهل الفتوى

شاعر رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔وفات:۸ ھ

محمد نوری، امبیڈکر نگر، جماعت: خامسہ، 8004782722

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو محمد، شاعر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کا لقب ہے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امرأ القیس الاکبر بن مالک الاغر ابن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر والدہ کا نام کبشہ بنت واقد ابن اطنابہ تھا، اور خاندان حارث بن خزرج سے تھیں جو حضرت عبداللہ کا پدر اعلیٰ تھا۔

حضرت عبداللہ بڑے رتبے کے صحابی تھے ان کے تذکرے میں ہے:

”کان عظیم القدر فی الجاهلیة و الإسلام“

”یعنی آپ جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں عظیم المرتبت تھے“۔

ولادت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت مدینہ طیبہ میں ہوئی آپ ایک انصاری صحابی ہیں۔

قبول اسلام: بیعۃ العقبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔

غزوات اور دیگر حالات: حضرت مقداد بن اسود کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رشتۂ اخوت قائم ہوا۔ بدر میں شریک تھے اور غزوہ ختم ہونے کے بعد اہل مدینہ کو فتح کی بشارت آپ ہی نے سنائی تھی، غزوۂ خندق میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

أللهم لو لا أنت ما إهتدينا   و لا تصدقنا و لا صلينا

خداوندا! اگر تیری مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ زکوۃ دیتے نہ نماز پڑھتے

فأنزلن سكينة علينا   و ثبت الأقدام أن لا قينا

تو تو ہم پر اپنی تسکین نازل فرما اور معرکہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ

أن الأولى قد بغوا علينا   إذا أرادوا فتنة أبينا

(صحیح بخاری، ج:۲، ص:۵۸۹)

پہلوں نے ہم پر ظلم کیا ہے جب وہ فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم اس کا انکار کریں گے

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے موقع پر بھی تشریف فرما رہے۔

اسیر بن زارم یہودی کو ابو رافع کے بعد خیبر کا حاکم بنایا گیا تھا، اور اسلام کی عداوت میں اس کا کامل جانشین تھا، چنانچہ اس نے غطفان کا دورہ کر کے تمام قبائل کو آمادہ کیا جب حضور اقدس ﷺ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو رمضان ۶ھ میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ خیبر روانہ فرمایا، عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خفیہ طور سے اسیر کے تمام حالات معلوم کیے اور واپس آکر حضور ﷺ کو تمام حالات کی خبر دی، آپ ﷺ نے اس کے قتل کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا اور ۳۰ افراد کو ان کے ماتحتی میں ساتھ کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسیر سے ملے تو کہا کہ ہم کو امان دو، تم سے ایک بات کہنے آئے ہیں بولا کہو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تمھارے پاس بھیجا اور آپ کا ارادہ ہے کہ تم کو خیبر کا رئیس بنا دیں لیکن اس کے لیے تمھارا خود مدینہ چلنا ضروری ہے، وہ باتوں میں آگیا اور ۳۰ یہودیوں کو لے کر ان کے ساتھ ہو لیا، راستہ میں حضرت عبداللہ نے ہر یہودی پر ایک مسلمان مقرر کر دیا، امیر کو کچھ شک ہوا اور اس نے پلٹنے کا ارادہ ظاہر کیا مسلمانوں نے دھوکہ بازی کے جرم میں سب کی گردنیں اڑا دیں اور یہ اٹھتا ہوا طوفان وہیں دب کر رہ گیا۔ (طبقات ابن سعد، ص:۶۶)

خیبر فتح ہونے کے بعد حضور ﷺ مکہ تشریف لے گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیله   خلوا فکل الخیر مع رسوله

ان کے راستہ سے ہٹ جاؤ کیوں کہ تمام بھلائیاں انہیں کے ساتھ ہے

نحن ضربنا کم علی تأویله   کما ضربناکم علی تنزیله

ہم نے تم کو قرآن کی تاویل اور تنزیل پر مارا ہے جس سے سر دھڑ سے الگ ہو گئے ہیں

ضربا یزیل الهام عن مقیله   ویذهل الخلیل عن خلیله یا رب انی بقیله مؤمن

اور دوست دوستی بھول گئے ہیں خدایا میں حضور ﷺ کے اقوال پر ایمان رکھتا ہوں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ارے تم! خدا کے حرم اور رسول اللہ ﷺ کے روبرو شعر پڑھتے ہو، حضور ﷺ نے فرمایا عمر! میں سن رہا ہوں خدا کی قسم ان کا کلام کفار پر تیر نشتر کا کام کرتا ہے اس کے بعد ان سے فرمایا تم کہو، ”لا إله إلا الله وحده، نصر عبده وأعز جنده وهزم الأحزاب وحده“ عبداللہ بن رواحہ نے یہ پڑھا تو تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آواز ملا کر اس کو ادا کیا جس سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (طبقات ابن سعد و کتاب الرجال، ص:۸۸)

غزوۂ موتہ اور شہادت: جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوۂ موتہ واقع ہوئی۔ حضور ﷺ نے بصرہ کے رئیس کے پاس ایک نامہ بھیجا تھا، راستہ میں موتہ ایک مقام ہے وہاں ایک غسانی نے نامہ بر (سفیر) کو قتل کر دیا۔ سفیر کا قتل اعلان جنگ کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس بنا پر حضور اقدس ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے تین ہزار آدمی کو زید بن حارثہ کی زیر امارت موتہ روانہ کیا اور خیبر روانہ ہوتے وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ زید قتل ہو جائیں تو جعفر امیر لشکر ہیں اور ان کے بعد ابن رواحہ رضی اللہ عنہما سردار ہیں اور اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو جس کو مسلمان مناسب سمجھیں امیر بنا لیں۔

لشکر تیار ہوا تو ثنیۃ الوداع تک حضور ﷺ نے خود مشایعت کی، رخصت کے وقت اہل مدینہ نے یک زبان ہوکر کہا کہ خدا آپ لوگوں کو صحیح وسالم اور کامیاب واپس فرمائے، حضرت عبداللہ بن رواحہ کی حضور ﷺ سے یہ آخری ملاقات تھی اس لیے آپ رونے لگے لوگوں نے کہا: رونے کی کیا بات ہے؟ اآپ نے کہا مجھے دنیا کی محبت نہیں لیکن رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ "وإن منكم الأوا ردها ، كان على ربك حتما مقضيا" (یعنی ہر شخص کو جہنم میں جانا ہے) اسی بنا پر یہ فکر ہے کہ میں جہنم میں داخل ہو کر نکل بھی سکوں گا؟ سب نے تسکین دی اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا:

لكني أسئل الرحمٰن مغفرة وضربة ذات فرع تقذف الزبدا

لیکن میں خدا سے مغفرت اور ایک وار کا طالب ہوں جو کاری لگے جھاگ پھینک دے

حتى يقولوا إذا مرو على جدتي ما ارشد الله من غاز وقد رشدا

یہاں تک کہ قبر پر گزرنے والے پکار اٹھیں کہ کیسا اچھا غازی تھا

اس کے بعد حضور ﷺ سے ملنے آئے، آپ نے الوداع کہا اِدھر مدینہ سے مسلمان روانہ ہوئے اُدھر دشمن کو خبر ہو گئی، اس نے ہرقل کو خبر کر کے ۲؍ لاکھ آدمی جمع کر لیے مسلمانوں نے شام پہنچ کر معان میں دو رات قیام کیا اور یہ رائے قرار پائی کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دینی چاہیے عبد اللہ بن رواحہ نے نہایت دلیری سے کہا کہ کوئی پرواہ نہیں، ہم لڑیں گے، چناں چہ معان سے چل کر موتہ میں پڑاؤ ڈالا اور یہاں مشرکین سے مقابلہ ہوا۔ (مسلمانوں کی تعداد صرف ۳؍ ہزار تھی) اور مشرکین کی طرف آدمیوں کا جنگل نظر آرہا تھا میدان کارزار گرم ہوا، پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر کر آتش جنگ مشتعل کی اور نہایت جانبازی سے مارے گئے پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا اور نہایت بہادری سے شہادت حاصل کی اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رجز پڑھتے ہوئے بڑھے۔

نیزہ لے کر حملہ کیا اسی درمیان ایک کافر نے اس زور سے آپ پر نیزہ مارا کہ دونوں لشکروں کے درمیان بچھڑ گئے، خون چہرہ پر ملا اور پکارا۔ "مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ"۔ یہ سن کر تمام مسلمان ان کو گھیرے میں لے کر مشرکین پر ٹوٹ پڑے اور روح مطہر ملأ اعلیٰ کو پرواز کر گئی۔ إنا لله وإنا إليه رٰجعون.

حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ دم دم کی خبریں مل رہی تھیں اور آپ مجمع کے سامنے بیان کر رہے تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی خبر بیان کر کے خاموش ہوگئے انصار آپ کی خاموشی سے سمجھ گئے کہ شاید حضرت عبد اللہ بن رواحہ شہید ہو گئے، تھوڑی دیر سکون کے بعد بادیدۂ پرنم ارشاد فرمایا کہ ابن رواحہ نے شہادت پائی، انصار اس خبر کے کب متحمل ہو سکتے تھے، تا ہم آہ وزاری اور نالہ وفریاد کے بجائے صرف حقیقی حزن وملال پر اکتفا کیا گیا کہ یہ بھی اس شہید ملت کی وصیت تھی۔

ایک مرتبہ بیہوش ہوگئے تھے کہ آپ کی بہن نے جن کا نام عمرہ تھا نوحہ کیا کہ ہائے میرا پہاڑ ہائے ایسا ہائے ویسا، افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہی تھی مجھ سے اس کی تصدیق کرائی جاتی تھی کہ کیا تم واقعی ویسی تھی؟

اس بنا پر وفات کے وقت سب نے صبر کیا، صحیح بخاری میں ہے۔ "فلما مات لم تبك عليه "یعنی جب انہوں نے

شہادت پائی تو نوحہ اور بین نہیں کیا گیا۔(صحیح بخاری، ص:۶۱۲،۶۱۱۔اسد الغابہ، ج:۳، ص:۱۵۷تا۱۵۹۔ طبقات ابن سعد، ص:۹۳،۹۲)

اولاد امجاد: جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ موتہ روانہ ہوتے وقت بیوی بچے موجود تھے۔لیکن صاحب اسد الغابۃ لکھتے ہیں ''فقتل ولم یعقب'' یعنی ان سے نسل نہیں چلی۔(اسد الغابہ، ج:۳، ص:۱۵۹)

ان کی بیوی کے متعلق استیعاب میں عجیب قصہ موجود ہے انہوں نے ایک خاص بات پر ان سے کہا کہ آپ اگر پاک ہیں تو قرآن پڑھیئے تو اس وقت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عجیب چال سوجھی اور اس وقت چند اشعار پڑھا یہاں ان اشعار کے ترجمے پر اکتفا کرتا ہوں۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور عرش پانی کے اوپر ہے اور عرش پر جہاں کا پروردگار اور اس عرش کو خدا کے مضبوط فرشتے اٹھاتے ہیں''۔

چوں کہ اہلیہ محترمہ نے قرآن پڑھا نہیں تھا تو انھوں نے سمجھا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کی آیتیں پڑھ رہے ہیں۔اس پر وہ بولیں کہ خدا سچا ہے اور میری نظر نے غلطی کی تھی میں نے ناحق تم کو تہمت لگائی، زن وشو کے تعلقات بھی کیسے عجیب ہوتے ہیں !لونڈی سے ہمبستری کرنے پر بیوی کے غیظ و غضب سے بچنے کا حضرت عبد اللہ نے یہ طریقہ اختیار کیا۔(الاستیعاب، ج:۱، ص:۳۶۲)

فضل وکمال: اس عنوان میں قابل ذکر ہیں، کتابت اور شاعری۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔لیکن یہ معلوم نہیں کہ لکھنا کب سیکھا تھا؟ شاعری میں مشہور تھے، اور دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاعر تھے، کفر پر مشرکین کو عار دلانا ان کا موضوع تھا صاحب اسد الغابۃ لکھتے ہیں۔

دربار نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شعرا حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافروں کو لڑائی سے ڈراتے تھے۔اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب و نسب پر چوٹ کرتے تھے۔اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کافروں کو کفر سے عار دلاتے تھے۔(اسد الغابہ، ج:۴، ص:۲۴۸۔ حالات حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین شاعر تھے، حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اول الذکر نسب پر طعن کرتے تھے دوسرے لڑائی سے دھمکاتے تھے اور تیسرے کفر پر غیرت دلاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ اشعار فی البدیہہ کہتے تھے، ایک روز مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نکلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا مشرکین پر کچھ کہو! انہوں نے اس مجمع میں کچھ اشعار پڑھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنا تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا خدا تم کو ثابت قدم رکھے۔(الاستیعاب، ج:۱، ص:۳۶۲)

حدیث میں چند روایتیں ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت اسامہ، حضرت انس بن مالک، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطے سے مروی ہے۔خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایتیں ہیں۔

اخلاق و عادات: نہایت زاہد، عابد اور مرتاض تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ”خدا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم کرے وہ انہی مجلسوں کو پسند کرتے تھے جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں یعنی ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خدا کی رحمت ہو وہ ایسی مجلس پسند کرتے ہیں جس پر فرشتے بھی فخر کرتے ہیں۔ (الاصابہ، ج:۴؛ص:۶۶)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو میں یاد نہ کرتا ہوں وہ مجھ سے ملتے تو کہتے کہ آؤ تھوڑی دیر کے لیے مسلمان بن جائیں پھر بیٹھ کر ذکر کرتے اور کہتے یہ ایمان کی مجلس تھی۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۱۵۷)

ان کی بیوی کا بیان ہے کہ جب آپ گھر سے نکلتے دو رکعت نماز پڑھتے اور جب گھر واپس آتے تو اس وقت بھی ایسا ہی کرتے تھے اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ایک سفر میں ایسی شدید گرمی تھی کہ آفتاب کی تمازت سے لوگ اپنے سروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے ایسی حالت میں روزہ کون رہ سکتا ہے؟ لیکن حضور ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی صائم تھے۔

جہاد کا نہایت شوق تھا بدر سے لیکر موتہ تک ایک غزوہ بھی ترک نہ ہوا تھا، اسماء الرجال کے مصنفین اس ذوق و شوق کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ یعنی عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ غزوات میں سب سے پیشتر جاتے اور سب سے پیچھے آتے تھے۔ (الاصابہ، ج:۴، ص:۶۶) احکام رسول ﷺ کی اطاعت پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے حضرت ابن رواحہ پہنچے تو یہ ارشاد زبان پر تھا کہ ”سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ“ آپ مسجد کے باہر تھے اسی جگہ پر بیٹھ گئے جب حضور ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو کسی نے یہ خبر حضور تک پہنچا دی۔ یہ خبر سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خدا اور رسول کی اطاعت میں خدا ان کی حرص اور زیادہ کرے“

حضور ﷺ سے نہایت محبت تھی اور آپ کو بھی ان سے انس تھا، ایک دن ابن رواحہ رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے اور بے ہوش ہو گئے تو سرور عالم ﷺ عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا ”خدایا! اگر ان کی موت آئی ہو تو آسانی فرما ورنہ شفا عطا فرما“۔ (الاصابہ، ج:۴، ص:۲۶۶)

حضور ﷺ کی نعت میں شعر کہا کرتے تھے اور یہ بھی حب رسول اللہ ﷺ کا کرشمہ تھا ایک شعر بہت ہی اچھا کہا ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔ ایضاً، ص:۶۷)

”اگر آپ میں کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوں جب بھی آپ کی صورت خبر (رسالت) دینے کے لیے کافی تھی“۔

جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ ادھر سے گزرے تو سواری کی گرد اڑ کر اہل مجلس پر پڑی۔ ابن ابی نے کہا کہ گرد نہ اڑاؤ۔ آپ ﷺ وہیں اتر پڑے اور توحید پر ایک مختصر تقریر کی۔ ابن ابی اب تک مشرک تھا بولا یہ بات تو ٹھیک نہیں جو کچھ آپ ﷺ کہتے ہیں اگر حق ہے تو یہاں آکر ہمیں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جو آپ کے پاس جائے اس کو خوشی سے ایمان کی دعوت دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا اور بول پڑے یارسول اللہ ﷺ آپ ضرور فرمائیں ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں“۔ (صحیح بخاری، ج:۲، ص:۶۵۶)

من
أهل الفتوى

حضرت نافع بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:۔۔۔۔ وفات:۔۔۔۔

محمد کوثر رضا قادری، شراوستی، جماعت: سادسہ Mob.9984769974

اسم گرامی: آپ کا نام نافع بن حارث بن کلدہ ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (اسد الغابہ، ج:۵، ص:۲۸۵)

کنیت: ابو عبد اللہ ثقفی۔ ماں کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت ابو بکرہ کے بھائی ہیں، آپ کے نسب میں کافی کلام ہے۔

آپ طائف میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو ندا کروادی کہ ان کا جو غلام ہماری طرف آئے گا، وہ آزاد ہے، یہ اعلان سن کر نافع اور ان کے بھائی ابو بکرہ نکل آئے، پس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر دیا۔ (ایضا۵/۲۸۵،۲۸۶)

حضرت نافع ان چار حضرات میں سے ہیں جنھوں نے مغیرہ کے تعلق سے زنا کی گواہی دی مگر کسی وجہ سے وہ حد زنا سے بچ گئے۔ (ایضا۵/۲۱۶)

حضرت نافع نے بصرہ میں سکونت اختیار کی اور عمر کا کچھ حصہ گذار کر وفات پائی، تاریخ وفات کی صراحت نہیں ہے۔

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
جسے بھلا کہے عالم اسے بھلا سمجھو

صدائے بازگشت

"مجدد دین اسلام نمبر" اور زیر نظر کتاب
"مجتہدین اسلام۔ جلد اول" پر ملک کے
مقتدر علما و مشائخ اور دانشوران کے تاثرات

''الجامعۃ الاشرفیہ'' بڑا صرف ایکڑوں میں پھیلی ہوئی تعمیرات کی وجہ سے نہیں بلکہ ہمہ رخی خدمات کی وجہ سے بھی ہے

مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی
بانی و سربراہ جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج، اتر دیناج پور، بنگال

ہم اہل سنت میں بریلوی کہلاتے ہیں؛ اس لیے کہ گزشتہ صدی میں اہل سنت کی ہمہ جہت خدمت میں سب سے بڑا حصہ جس ذات کا ہے، وہ ذات شہر بریلی کی تھی۔ اس وجہ سے آج ہم فخر کے ساتھ بریلی کو اپنا مرکز قرار دیتے ہیں۔ مگر آج ہم بریلویوں کا سب سے بڑا علمی ادارہ اعظم گڑھ کے قصبہ مبارک پور میں ہے ''الجامعۃ الاشرفیہ''۔ بڑا صرف ایکڑوں میں پھیلی ہوئی تعمیرات کی وجہ سے نہیں بلکہ ہمہ رخی خدمات کی وجہ سے بھی ہے۔ یہی دیکھیے کہ وہاں کے طلبہ (فضیلت سال اول) ہر سال یوم مفتی اعظم کی تقریب منعقد کرتے اور اس موقع پر وقت کی ضرورت کے مطابق لاکھوں کی لاگت سے کوئی نہ کوئی اہم کتاب شائع کرتے ہیں۔ دو سال پہلے امام اعظم کی شخصیت پر عربی زبان میں ضخیم، نہیں، بلکہ اضخم ایک ہزار اسی صفحات پر مشتمل کتاب ''مناقب الامام الاعظم أبي حنيفه'' از امام موفق متوفی ۵۶۸ھ و امام حافظ الدین کردری متوفی ۸۲۷ھ شائع کی تھی۔ سال گزشتہ ''مجددین نمبر'' کی اشاعت فرمائی، اور امسال ''مجتہدین نمبر حصہ اول'' شائع کرنے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں نظر بد سے بچائے، ان کے علم وعمل میں ترقی دے اور مزید ان کے امثال پیدا فرماتا رہے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم!

فارغین کے ساتھ یہاں کی چٹخنے والی کلیاں بھی کچھ کم نہیں

مبلغ اسلام مفتی عبدالحلیم رضوی اشرفی
سرپرست دعوت اسلامی ہند

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

باغ فردوس چمن حافظ ملت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے علماء وفضلاء اپنی دینی وملی، مذہبی ومسلکی خدمات سے دنیا کو متاثر کر چکے ہیں ہر طرف ان کے کاموں کی دھوم ہے ہر شعبہ میں اپنی موجودگی درج کرانے کی سعی میں مشغول ہیں۔

فارغین کے ساتھ یہاں کی چٹخنے والی کلیاں بھی کچھ کم نہیں زیر تعلیم محنتی طلبا اپنے مصروف ترین اوقات میں سے قیمتی وقت نکال کر اپنے اساتذہ کی رہبری و راہنمائی میں سال نامہ باغ فردوس کا "مجددین اسلام نمبر" ترتیب دیا ہے۔ چار سو بتیس صفحات پر بکھرے مجددین کے حالات و کارنامے زیر تعلیم عزیز طلبہ سے لکھوا کر کتابی شکل میں ایک قیمتی تحفہ قوم و ملت کے حوالے کیا ہے۔ طلبۂ عزیز اپنے مشفق اساتذہ کی محبتوں عنایتوں کے زیر سایہ اتنا اہم قدم اٹھایا اور اسے انجام تک پہنچایا ہے اس کے لئے دل سے دعا نکلی۔ اس عظیم کارنامہ کو سرانجام دینے پر مرتبین و معاونین سبھی قابل مبارک باد اور لائق صد تبریک ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ طلبہ کی کاوشوں کو قبول فرمائے، دارین کی سعادتوں مسرتوں اور عنایتوں سے نوازے، علم نافع کے ساتھ عمل خیر کی توفیق دے سبھی مخلصین کو بہترین جزائے خیر سے سرفراز فرمائے۔

مجددین اسلام نمبر طلبہ جامعہ اشرفیہ کا قابل قدر کارنامہ

عطائے مفتی اعظم محمد شاکر علی نوری

امیر سنی دعوت اسلامی

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ جب بھی اسلام کے اصل چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، تو اللہ رب العزت نے مجددین اسلام کے ذریعہ اسلام کے تحفظ کا کام لیا، مجددین اسلام کا اہم کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کا اصل اور صاف و شفاف چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، وہ احقاق حق، ابطال باطل اور احیاے دین کے لیے آتے ہیں، مجددین اسلام کے ان کارناموں کو اس لیے بھی اجاگر کرنا ضروری ہے کہ آج کہیں احقاق نظر آتا ہے تو ابطال نہیں اور کہیں اس کا برعکس، اس کی اصل وجہ مجددین کے طریقۂ کار کو اختیار نہ کرنا ہے۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ مجددین اسلام قرآن و سنت اور صحابۂ کرام کے طور و طریقے کی روشنی میں دینی کام انجام دیتے ہیں، آج بھی ان کی داعیانہ زندگی سامنے رکھ کر ہم دین کا کام کریں گے تو ہی صحیح طور پر دین کی خدمت ہوسکے گی۔ طلبۂ اشرفیہ مبارک پور نے مجددین کے کارناموں کو منظر عام پر لا کر آج کے علما و دعاۃ کی خدمت میں عظیم تحفہ پیش کیا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہر کوئی مجدد نہیں بن سکتا اس کے لیے فقہاے اسلام نے جو شرطیں رکھیں ہیں ان پر جو پورا اترے گا وہی مجدد کہلا سکتا ہے۔ ہر کس و ناکس پر اس لفظ کا چسپاں کرنا قطعی مناسب نہیں، طلبۂ جامعہ اشرفیہ کا یہ کارنامہ بے شک قابل قدر اور قابل صد رشک ہے۔ سنی دعوت اسلامی دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اشرفیہ کے تمام طلبہ، اساتذہ، اراکین اور معاونین کے علم و عمر اور اقبال میں اضافہ فرمائے اور اہل سنت کے اس دینی قلعہ کو حوادث روزگار سے محفوظ و مامون فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

جامعہ اشرفیہ کے ہونہار طلبہ سے مزید عمدہ اور اچھے کام کی توقع ہے

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
سابق صدر شعبہء اردو۔ بی۔ آر۔ اے۔ بہار یونیورسٹی، مظفر پور

متاع لوح و قلم ودیعت ربانی ہے خوش نصیب ہیں وہ اصحاب علم و فن جن کو یہ نعمت کبریٰ میسر ہے۔ اس سے وابستگی اور رفاقت زندگی کے تمام شعبہ جات میں سربلندی و شادمانی کی ضمانت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بہر دور، انفس و آفاق میں اس کی عظمت و عمل داری رہی ہے اور رہے گی۔

خطابت کی اہمیت و افادیت مسلم، مگر اس کی طبعی عمر فقط ایام معدودات تک ہے مگر تحریر و تصنیف کی عمر،

نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ سب سے آسان تقریر، اس سے ذرا کٹھن تدریس اور سب سے مشکل تصنیف ہے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ از ہر ہند جامعہ اشرفیہ کے ہونہار طلبہ نے اس راز کو پالیا ہے جس کے نتیجے میں سالنامہ ''باغ فردوس'' کا ''مجدد دین اسلام نمبر'' جیسا وقیع علمی تحقیقی کارنامہ منصۂ شہود پر آیا۔ اور اب ان سے اور بھی خوب تر کام کی توقع اور تمنا کی جاتی ہے۔ رب کریم ان کے عزائم کو بلند رکھے۔ آمین

شاعر مشرق علامہ اقبال نے بڑی دل سوزی کے ساتھ جوانوں کو دعائیں دی ہیں۔ ان میں طلبۂ اشرفیہ بھی خود کو شریک سمجھیں، اور حیات و کائنات کی تعمیر و تزئین میں اپنا مثالی کردار ادا کریں۔ اقبال کہتے ہیں ؎

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

(آمین)

عزیزان گرامی محمد ابوہریرہ رضوی، محمد فیضان سرور اور ان کے تمام شرکاے سفر کو پر خلوص مبارک باد۔

’’کم ترك الأولون للآخرين‘‘ کا مقولہ ظہور پذیر ہوا

مفتی عابد حسین قادری نوری مصباحی
مدرسہ فیض العلوم، دھتکی ڈیہ، جمشید پور

صالح ذہن وفکر کی تعمیر اور اس کے استحکام کے لیے زبان وقلم کی اثر انگیزی وکرشمہ سازی ایک مسلم حقیقت ہے۔ اس کے بغیر نہ تو دین وملت کی خدمت مکمل ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی طوفان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ آج جب کہ نت نئے فتنوں کا طوفان ہے، اس کی سرکوبی کے لیے دوسرے ذرائع کے ساتھ قلم کی اہمیت مستزاد ہو جاتی ہے۔

اشرفیہ اور ابنائے اشرفیہ جہاں متنوع جولان گاہوں میں دوڑ لگاتے رہے ہیں، وہیں علمی، فکری اور قلمی خدمات کے حوالے سے بھی دنیا کے منظرنامے پر کئی دہائیوں سے ہیں۔ یہ سبک روی اور غفلت کی چادروں کو تار تار کرنے میں اپنی مثال آپ مانے گئے ہیں۔ آج سے ۳۱؍ سال قبل بھی فارغ ہونے والے طلبہ مثلا راقم السطور کی جماعت اور اس سے ایک سال قبل حافظ افضل حسین مصباحی کی جماعت والوں نے ’’الصوارم الھندیہ‘‘ اور ’’مناظرہ ادری‘‘ کی اشاعت کر کے قابل اتباع کارنامہ انجام دیا تھا۔ اور حال کے ابنائے اشرفیہ نے توانمٹ نقوش قائم کرنے میں بہت سے قلم کاروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، بلکہ ایسے خطوط متعیّن کر دے رہے ہیں، جن پر چل کر کئی نسلوں کو کام کرنا آسان تر ہو جائے گا۔ انوار آفتاب وصداقت، مناقب امام اعظم ابو حنیفہ اور مسانید امام اعظم وغیرہا کی اشاعت اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے۔ یہاں کے طلبہ تعمیری ذہن لے کر اٹھتے ہیں۔ زمانۂ طالب علمی سے خلوص وللّٰہیت، ایثار وقربانی، تصنیف وتالیف، ترویج واشاعت، مدارس ومساجد، تنظیم وتحریک اور اداروں واکیڈمیوں کے قیام کا جذبہ ان کے اندر جوش زن رہتا ہے، اس لیے فراغت کے بعد پورے جوش و ولولہ کے ساتھ میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔ حضور حافظ ملت قدس سرہ، حضور عزیز ملت دام ظلہ، اساتذہ کرام کی رہنمائی اور خود اپنا علم وتجربہ ہر قدم پر ساتھ دیتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے قائد اہل سنت اور معمار ملت بن جاتے ہیں۔

ابنائے اشرفیہ کی ان ہی فکری کاوشوں قلمی صلاحیتوں اور تحریکی وتنظیمی سرگرمیوں کا ایک آئینہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ’’باغ فردوس کا مجددین نمبر‘‘ جو محب گرامی قدر مولانا ابوہریرہ اور ان کے رفقائے سفر کے ارسال سے راقم الحروف کی میز پر پہنچا ہے۔ یہ نمبر کیا ہے، علم وادب کا مرقع ہے۔ معلومات کا گنج گراں مایہ ہے، خفتگان شب غفلت کو جگانے والا صور ہے۔ اساطین ملت کی خوشبوؤں سے مشام جاں کو معطر کرنے والا گلدستہ ہے۔ پہلی صدی ہجری کے مجدد سیدنا عمر بن عبد العزیز قدس سرہ سے لے کر حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہ تک کے ۵۵ مجددین اسلام کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالنے والا مینارۂ نور ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس میں ان مجددین کرام کے احوال وکوائف کو بھی دلائل کے ساتھ اجاگر کیا گیا، جن کے مجدد ہونے کے تعلق

سے کان غیر مانوس تھے، ہمارا مطالعہ قاصر تھا۔ حضرت محمد بن سیرین، حضرت عامر بن شعبی، حضرت امام طحاوی، امام کرخی، امام نسائی، حضور غوث اعظم، خواجہ غریب نواز اور امام احمد رضا کی طرح مظلوم مجدد حضرت اورنگ زیب وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان تجدید سے پردہ ہٹا اور بہتیرے کو حقائق تک پہنچانے کا کام اس کام نے انجام دیا۔ اب یہ عبقری شخصیتیں پردے میں نہیں پردے پر ہیں۔

یہ نمبر اپنی صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے لاجواب ہے، اس کے مندرجات پرکشش، دل آویز اور تحقیقی ہیں۔ خطیر رقم لگا کر اچھے کاغذ، مضبوط جلد اور دیدہ زیب ٹائٹل پیج کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ کام بہت پہلے ہونا تھا، مگر نہ ہوا، قرعۂ فال طلبۂ اشرفیہ کے نام نکلا اور "کم ترك الأولون للآخرين" کا مقولہ ظہور پذیر ہوا۔ ابھی تک اس قدر مجددین کے استقصا کے ساتھ اب تک راقم الحروف کی نظر سے کوئی صحیفہ نہ گزرا۔ اس لیے یہ کہنا مبنی بر صداقت ہوگا کہ مجددین کرام کی بارگاہ میں عظیم سوغات پیش کر کے اور اس گلدستہ کو ملت اسلامیہ کی میز پر پہنچا کر ارکان تنظیم پیغام اسلام (طلبۂ اشرفیہ مبارک پور) نے احسان شناسی، وفا شعاری اور اسلاف شناسی کا ثبوت دیا ہے، اس مجموعہ میں ان نائبین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات پر اگرچہ اختصاراً روشنی ڈالی گئی ہے، جنھوں نے دین اسلام اور مسلک حق اہل سنت و جماعت کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کو در گور کر کے اس کے پاک وصاف چہرے کو مسخ ہونے سے بچایا ہے، مگر طلبہ کا یہ اقدام آئیڈیل اور سنگ میل کی حیثیت سے ہے، لہٰذا یہ جملہ حرف بہ حرف صحیح ہے کہ اندھیرے سے اجالے میں آنے والوں کے لیے ان شاہین صفت نے زمین ہموار کر دی ہے، دیگر اصحاب قلم اس کی آبیاری کر کے شجر کاری کرتے رہیں گے۔ شجر ہو کے انسان پہلے نونہال ہوتا ہے، اس پر آب پاشی ہوتی رہتی ہے پھر وہ تناور ہو جاتا ہے۔ انھیں ہونہاروں کے لیے یہی دعا ہے کہ اپنے ماں باپ اور اساتذہ کرام کی دعاؤں کے ساتھ اسی طرح ان دینی کاموں میں لگے رہیں، کسی سے امید کے بجائے "إن اجري إلا على الله" کی رٹ لگائیں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔

صبوح اپنا اپنا، جام اپنا اپنا
کیے جاؤ میخوارو! کام اپنا اپنا

ان چھوٹے بھائیوں کے یہ بڑے کام

حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی
پرنسپل: دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی۔ ضلع بستی، یوپی

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے طلبہ اپنے خصوصی تعلیمی امتیاز کے ساتھ دیگر ثقافتی سرگرمیوں میں بھی امتیاز اور اولیت رکھتے ہیں، یہاں کے اقامتی ماحول میں ذہن و فکر کی صالح تربیت اور زندگی کے مختلف شعبوں میں مستقبل کی قائدانہ ذمہ

داریوں کی تیاری، خاص طور سے لوح وقلم کی پرورش کا سامان بھی ہوتا رہتا ہے۔

اسی کی دہائی میں سب سے پہلے یہیں کے طلبہ نے مدارس کی دنیا میں سالنامہ المصباح اور رسائل اعلیٰ حضرت الصمصام وغیرہ کی اشاعت کی طرح ڈالی۔ پھر دیکھتے دیکھتے دیگر بہت سے طلبہ مدارس نے بھی اس سنت پر عمل شروع کر دیا اور ایک اچھا خاصہ اشاعت کتب کا ماحول بن گیا۔

پھر غالباً نئی صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ یہاں کے طلبہ نے علمائے اہل سنت کی نایاب یا کم یاب کتابوں کی اشاعت جدید کا کام شروع کیا، اس طرح تصحیح، تسہیل، تخریج اور تحشیے کے ساتھ اب تک نصف درجن سے زیادہ دستاویزی کتابیں مزید مفید بن کر منظر عام پر آگئیں، خوبی یہ ہے کہ ان طلبہ نے اشاعتی اخراجات خود ہی برداشت کیے اور پھر مفت تقسیم کا بھی اہتمام کیا۔

اور اب تو دو تین سالوں سے یہ بھی ہو رہا کہ فراغت کے سال درجنوں طلبہ کسی خاص موضوع پر کتاب لکھ کر یا اردو ترجمہ کر کے جشن فراغت کے دعوت نامے کے طور پر پیش کرتے ہیں، جس سے دوسرے فائدوں کے ساتھ ان کی صلاحیتوں کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ مصباحی طلبہ کی ان تعلیمی، تنظیمی، تصنیفی، اشاعتی اور دیگر فلاحی واصلاحی سرگرمیوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ طلبہ اشرفیہ کے مبارک ماحول میں پہنچ کر سراغ زندگی پاجاتے ہیں اور اپنا بننے کے ساتھ اوروں کا بننے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

گزشتہ سال ۲۰۱۶ء میں طلبہ کی مرکزی تنظیم ''پیغام اسلام'' نے سالنامہ ''باغ فردوس'' کا وقیع ''مجددین اسلام نمبر'' شائع کیا، تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل اس خصوصی شمارے میں کسی حد تک موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پھر بھی کچھ مجددین کا ذکرہ باقی رہ گیا ہے۔

اس میں طلبہ کے قلم سے صدی وار پچپن مجددین کے حالات مذکور ہیں، بشکل مقدمہ، مولانا محمد فیضان سرور اورنگ آبادی کا مقالہ ''حدیث مجدد ایک تجزیاتی مطالعہ'' خاص طور سے مطالعے کے لائق ہے۔ مقالہ بڑی محبت سے لکھا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے اپنی صلاحیت نچوڑ کر رکھ دی ہے، موصوف لائق قدر دانی ہیں، خدا کرے اور محنت کریں اور خدمت کریں۔ آمین۔

اندازہ ہوا کہ مولانا ابوہریرہ رضوی تنظیم کی سرگرمیوں اور سالنامہ کی تیاری میں کلیدی کردار کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جیسے اور بھی پیدا فرمائے۔ آمین! بہت مخلص اور سرگرم ہیں۔

رواں سال ۲۰۱۷ء کے عرس عزیزی اور جشن فراغت کے موقع پر سالنامہ ''باغ فردوس'' مجتہدین اسلام نمبر پیش کرنے جارہا ہے، ان شاءاللہ امید ہے کہ طلبہ کی محنتوں سے یہ خصوصی نمبر بھی وقیع اور دستاویز حیثیت کا حامل ہوگا۔ دعا ہے کہ ہمارے ان چھوٹے بھائیوں کے یہ بڑے کام مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوکر خوب عام ہوں۔ آمین!

جامعہ اشرفیہ میں اکابر فراموشی کے بجائے اکابر شناسی کی روح آج بھی پھونکی جاتی ہے۔

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو

عالم اسلام کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی (انڈیا) نے اپنے یوم تاسیس سے طالبان علوم نبویہ کو علوم وفنون سے آراستہ کرنے اور دینی تربیت سے مزین کرنے میں جو جد و جہد اور کوشش و محنت صرف کی ہے وہ محتاج بیاں نہیں۔ اسی غیر معمولی محنت و کاوش کا ثمرہ ہے کہ بحمدہ تعالیٰ فارغین اشرفیہ پوری دنیا میں تعلیم و تدریس، تحریر و تبلیغ، تحریک اور دیگر دینی میدان میں بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں اور بے پناہ قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ بر صغیر ہند و پاک میں جامع اور ہمہ گیر دینی خدمات کے لحاظ سے جامعہ اشرفیہ ایک منفرد اور بے مثال ادارہ ہے۔ طلبہ کے اندر تحریری ذوق پیدا کرنے اور اس تعلق سے پیش قدمی کرنے میں بھی یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فارغین میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر و قلم کی صلاحیت بھی خاص حد تک پائی جاتی ہے۔ اس صلاحیت اور ذوق علم و تحریر کا اندازہ زیر نظر مجموعۂ مقالات سے بھی لگایا جاسکتا ہے چند سالوں سے طلبۂ اشرفیہ نے جدید اسلوب اور نئے رنگ و آہنگ میں عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جہاں اکابر ملت کے اہم مفید اور معتمد رشحات اور کتب و رسائل کی اشاعت کے سلسلے کو باقی رکھا ہے وہیں خود اپنی محنت و مطالعہ کی روشنی میں مخصوص و مفید عناوین پر طلبہ اپنے اشہب قلم کی تیز رفتاری کے لیے مقالات بھی لکھ رہے ہیں۔ اور انہیں شائع کر کے لائق و اہل افراد تک پہونچانے کی سعی بھی کر رہے ہیں۔ اس سے قبل مجددین اسلام کی حیات اور ان کے کارناموں کی تفصیل مشتمل مجددین اسلام نمبر کے نام سے ایک مفید مجموعہ شائع کر چکے ہیں، اور اب مجتہدین کے حالات، کارنامے خصوصًا ان کی عملی، فکری اور فقہی خدمات کے تعارف کے لیے ان طلبہ نے مقالے لکھے اور سال رواں عرس حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان میں شائع کر کے منظر عام پر لانے کا عزم رکھتے ہیں۔ مجتہدین اسلام نمبر اسی مبارک و مسعود سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس قسم کی تحریروں کا ایک اہم پہلو اکابر ملت اور بزرگان دین کی خدمات کا نہ صرف اعتراف بلکہ انھیں اجاگر کرنا اور انھیں خراج عقیدت پیش کرنا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مادر علمی جامعہ اشرفیہ میں اکابر فراموشی کے بجائے اکابر شناسی کی روح آج بھی پھونکی جاتی ہے۔ خدا کرے یہ سلسلہ باقی رہے۔ ہم تہ دل سے ان تمام طلبہ کو اور بالخصوص محمد ابوہریرہ رضوی، محمد ظفر الدین صدیقی، محمد فیضان سرور اورنگ آبادی اور محمد اسلم آزاد کو مبارک باد پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس گلدستۂ مضامین کو مرتب کرنے اور اسے شائع کرنے میں حصہ لیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ اس گلدستے کی خوشبو دور دور تک محسوس کی جائے گی اور قارئین اس کے رنگا رنگ پھولوں کی رنگت اور مہک سے اپنے مشام جاں کو مسرور و معطر کریں گے۔

(سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے) زیر نظر کتاب فقہ کی مختلف ادوار اور مجتہدین وفقہا کے حالات و اجتہادات کا اجمال

باتفصیل کے ساتھ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی بعثت مبارک سے لے کر آج تک فقہ اسلامی پر چھ ادوار گزرے ہیں، پہلا دور تو رسول پاک ﷺ کے عہد مبارک کا ہے اور یہی دور فقہ کی اصل ہے جو ہر فقیہ کا ماخذ ومنبع ہے۔ دوسرا دور کبار صحابہ کے عہد مبارک کا ہے جو ۱۱ھ سے لے کر ۴۰ھ تک پھیلا ہوا ہے یعنی یہ دور خلفاے راشدین کے زمانے کو محیط ہے۔ تیسرا دور صغار صحابہ اور ان کے تلامذہ یعنی تابعین کے عہد میں فقہ کا ہے جو ۴۱ھ سے شروع ہوکر دوسری صدی ہجری کے آغاز تک قائم رہا۔ چوتھا دور حدیث وفقہ کی تدوین اور ائمۂ کبار کے پیدا ہونے کا دور ہے یہ دوسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کی نصف تک قائم رہا۔ پانچواں دور چوتھی صدی کے آغاز سے بغداد میں خلافت عباسیہ کے زوال کے کچھ بعد تک قائم رہا۔ چھٹا دور تقلید محض کے زمانے میں فقہ کا دور ہے یہ دور ہلاکو خاں کے ہاتھوں سقوط بغداد سے اب تک قائم ہے۔ مال ومنال کے سبب پنپتی غیر مقلدیت کے اس دور میں ان تمام ادوار اور ان سے متعلق مجتہدین اور فقہا کے حالات اور کارناموں کو پیش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورتوں میں سے ہے۔ سادہ لوح عوام اور جواں سال نسل کو یہ کہہ کر کنفیوزن کا شکار بنانے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے کہ جب ہمارے پاس قرآن وحدیث موجود ہیں تو پھر مجتہدین کے اجتہاد کی ہمیں کیا ضرورت؟ غور کیجئے تو اس قسم کے اعتراضات صحابہ کرام کی اجتہاد خدمات کو بھی نشانۂ طنز وطعن بناتے ہیں اور اس کے پردے میں اس حقیقت سے چشم پوشی کی جاتی ہے کہ قیاس واجتہاد کی بنیاد تو قرآن وحدیث ہے اور اجماع امت ہے جس کا صریح ماخذ حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسری حدیثیں ہیں، پھر حضرات مجتہدین کا طریقہ کا یہ ہے اس وقت قیاس کرتے ہیں جب متعلقہ حکم کتاب وسنت اور اجماع میں نہ ملے، خود امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا ضابطہ وعمل یہ بتایا "إني أقدم العمل باالكتاب ثم باالسنة ثم بأقضية الصحابة مقدماً ما اتفقوا علی ما اختلفوا و حينئذ اقيس" (میزان الشریف الکبری للامام عبد الوهاب الشعرانی وخیرات الحسان لابن حجر المکی، ص:۲۹) یہ تفصیل کا موقعہ نہیں کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

اشرفیہ کے طلبہ میں پیدا ہورہی تحقیقی مزاج کا غماز ہے

حضرت مولانا محمد انور نظامی مصباحی

ادارۂ شرعیہ جھارکھنڈ

ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کی علمی فضا حافظ ملت علیہ الرحمۃ الرضوان کے اخلاص اور دعائے سحر گاہی سے ایسے معمور ہے کہ اس کی ہواؤں میں قلم کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں۔ "باغ فردوس" میں ایسے ایسے قلمی پھول کھلے ہیں جنھوں نے اپنی قوت قلم سے ایوان باطل میں زلزلہ پیدا کر دیا اور بدمذہبیت کی دنیا "زیروزبر" کر کے رکھ دی۔ علما میں قلمی انقلاب اور تحریری بیداری لا کر سالہا سال کے جمود کو توڑ کر اشاعتی تحریک بھی فرزندان اشرفیہ کے حصے میں آئی۔ سنی

دارالاشاعت سے فتاوی رضویہ کی طباعت، المجمع الاسلامی سے افکار رضا کی اشاعت اور المجمع العلمی جیسے چند دوسرے چھوٹے اداروں سے امام اہل سنت اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف منظر عام پر لانے کا اہم کارنامہ بھی تحریک اشرفیہ کا حصہ ہے۔

موجودہ دور میں فرزندان اشرفیہ (جدید وقدیم) میں تحریری شغف رکھنے والوں کی تعداد ہزاروں کو پہنچ رہی۔ اشرفیہ کی چہار دیواری میں ذوق تحریر پیدا کرنے والے اساتذہ کی محنتوں کا ثمرہ ہے کہ آج متعدّد جدارئیے عربی، اردو اور انگلش میں دعوت فکر ونظر دے رہے ہیں اور ہر سال اہم کتابوں کی اشاعت طلبہ کے ذوق اشاعت دین کا مظہر ہے۔

زیر نظر رسالہ "باغ فردوس" کا مجددین اسلام نمبر اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے۔ جس میں طلبۂ جامعہ نے ہر صدی کے مجددین کا تعارف پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر مقالہ بجائے خود اہم ہے اور اشرفیہ کے طلبہ میں پیدا ہورہی تحقیقی مزاج کا غماز ہے۔ مقدمہ حدیث مجدد ایک تجرباتی مطالعہ۔ محمد فیضان سرور اورنگ آبادی کا ایک تحقیقی اور معلومات افزا مقالہ ہے۔ حرف آغاز میں اس کار خیر کے محرک ابوہریرہ رضوی رام گڑھ جھارکھنڈ نے اس مجموعے کی ترتیب سے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ سب کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

ساتھ ہی مجتہدین صحابہ نمبر (دوسرے سالنامہ) کی اشاعت کا اعلان بھی نظر سے گزرا امید ہے کہ یہ مجموعہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد اول" کے مطابق مزید محاسن سے مزین ہوگا۔ فقط والسلام

طلبہ نے "مجددین اسلام نمبر" کی تالیف کر کے تصنیفی فرض کفایہ ادا کر دیا ہے

ڈاکٹر غلام زرقانی قادری، امریکہ
جانشین قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ

طلبہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی مؤقر تنظیم "پیغام اسلام" کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتاب "مجددین اسلام نمبر" میری میز پر ہے۔ ماشاء اللہ کاغذ، طباعت، جلد سازی سے لے کر مواد کتاب تک سب کچھ نہایت ہی معیاری ہے۔ مجھے یہ اعتراف ہے کہ طلبہ نے نہایت ہی سنجیدگی ومتانت کے ساتھ دلائل وبراہین کی روشنی میں مقالات پیش کیے ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ اردو زبان میں ایسی کتاب کی اشد ضرورت تھی، جس میں ملت اسلامیہ کے تمام مجددین کی سوانح حیات اور کارنامے اختصار کے ساتھ مل جائیں۔ اس طرح یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ طلبہ نے "مجددین اسلام نمبر" کی تالیف کر کے تصنیفی فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت یہ کوشش قبول فرمائے اور اجر عظیم سے نوازے۔

یہ یقیناً ایک علمی اور قابل ستائش کارنامہ ہے

ڈاکٹر امجد رضا امجد، پٹنہ
(القلم فاؤنڈیشن) قاضی ادارۂ شرعیہ پٹنہ

تعلیم کے ساتھ تربیت کا بڑا گہرا رشتہ ہے، یہ دونوں چیزیں جہاں یکجا ہوتی ہیں وہیں شخص اور شخصیت کا امتیاز ہوتا ہے، اب بالعموم ہمارے یہاں تربیت کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔ جس کے سنگین نتائج سامنے آرہے ہیں، الجامعۃ الاشرفیہ کے دامن سے وابستہ ایسے افراد کی کثرت ہے جنہوں نے تعلیم وتربیت دونوں حیثیت سے اپنا تعلیمی سفر مکمل کیا اور جہاں گئے وہاں اس کے خوش گوار، مثبت اور پاکیزہ اثرات مرتب کیے۔ آج بھی اشرفیہ کی گود میں ایسے افراد پل رہے ہیں جن کی فکر تعمیری ہے اور وہ جماعت کے لیے سرمایۂ افتخار بننے کا پاکیزہ جذبہ رکھتے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ان ہی طلبہ میں "تنظیم پیغام اسلام" سے وابستہ افراد ایسے بھی ہیں جنہوں نے پچھلے سال جلالۃ العلم حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کے موقع سے ۵۵ مجدد دین اسلام کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک دستاویزی کتاب بنام "مجدد دین اسلام نمبر" شائع کیا یہ یقیناً ایک علمی اور قابل ستائش کارنامہ ہے۔ جس کی جتنی تحسین کی جائے کم ہے۔ شاید یہ پہلی کتاب ہے جس میں ۵۵ مجدد دین اسلام کی حیات وخدمات کا تعارف یکجا ملتا ہے۔ میں دل کی گہرائی سے ان تمام شاہین صفت اور باذوق طلبہ بالخصوص "باغ فردوس" کے حلقۂ ادارت کے افراد مولانا فیضان سرور، مولانا ابوہریرہ، مولانا محمد اسلم آزاد، ظفر الدین صدیقی اور اس نمبر کی ترتیب وتکمیل میں معاونت کرنے والے سارے افراد کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ امسال پھر یہ حضرات عرس حافظ ملت کے موقع پر فقہاے اسلام کی حیات وخدمات پر مشتمل "فقہاے اسلام نمبر" لا رہے ہیں۔ ان کی گذشتہ کاروائیوں کو دیکھتے ہوئے یہ نمبر بھی وقیع اور تاریخ ساز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مزید نئے نئے گوشے پر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

مجھے امید ہے کہ جب یہ مجلہ ان کے ہاتھوں میں پہنچے گا جو خیر القرون کے سارے ذخیرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، تو پھر انھیں اپنی فکر ونظر پر نظر ثانی کا موقع ہاتھ آئے گا۔

انجینئر سید محمد فضل اللہ چشتی صابری
فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن، دہلی

خبر ملی کہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے شاہیں صفت طلبہ "مجتہدین اسلام" کے موضوع پر تحقیقی انداز میں کام کرنے کا

ارادہ رکھتے ہیں۔ اور امسال اس کی پہلی جلد ”صحابۂ مجتہدین واہل فتویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم“ کے نام سے منظر عام پر لا رہے ہیں، سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے عمر، اقبال اور علم میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

اتنے اچھے موضوع کا انتخاب کر کے حالات حاضرہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دی ہے۔ کہ آج جہاں ایک طرف تقلید بیزاری کی لہر پڑی ہے وہیں دوسری طرف ان میں کا ہر شخص مجتہد بننے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ کوئی مجتہدین اسلام کے فروعی اختلافات رحمت کو زحمت بنا کر پیش کر رہا ہے تو کوئی مسائل کے استنباط کو ایک عام سی بات سمجھ رکھا ہے۔

اس طرح کے غیر مناسب افکار کے مثبت علاج کا طریقہ ہمارے طلبہ نے ڈھونڈ نکالا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جب یہ مجلہ ان کے ہاتھوں میں پہنچے گا جو خیر القرون کے سارے ذخیرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، تو پھر انھیں اپنی فکر و نظر پر نظر ثانی کا موقع ہاتھ آئے گا۔ صحابۂ کرام کے مابین ہونے والی فقہی اختلافات، تقلید شخصی کی نوعیت اور اس کے دائرۂ کار کو پڑھ کر ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ”فقہ اسلامی“ کی جڑیں قرآن وحدیث سے ملتی ہیں اور صحابہ کرام ہی کے طریقۂ کار پر آج دنیا کے مسلمان اپنی زندگی گزار رہیں۔ یہ بھی پتہ چلے گا کہ نو پید مسائل کے حل اور شریعت کی تفہیم کے لیے بعض صحابۂ کرام کس طرح اپنے سے اعلم وافقہ صحابۂ کرام سے رابطہ فرماتے تھے اور آنکھیں بند کر کے ان پر اعتماد فرمایا کرتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ قرآن وحدیث سے اسی کا حکم ملتا تھا۔ اور اسی کو آج کی اصطلاح میں ”تقلید“ کا نام دیا جاتا ہے۔

سوچنے والی بات ہے کہ زمانۂ خیر القرون میں نشو نما پانے والے اور مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست فیض پانے والے ڈیڑھ لاکھ کے قریب جب صحابۂ کرام کی مقدس جماعت میں فقط ۲۰ر ہی افراد منصب اجتہاد پر فائز ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ تو پھر آج جب کہ علمی وفکری پستی کی کوئی حد ہی نہیں، کس شخص سے اجتہاد کی امید کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلاف کے نقش قدم پر چلائے، صاحبان امر سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان طلبہ کو اسی طرح مثبت انداز میں زمانے کے چیلنجز سے مقابلے کی ہمت و حوصلہ نصیب فرمائے۔

(آمین بجاہ النبی الامین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین)

”مجددین اسلام نمبر“ دیکھ کر طبیعت مچل گئی

اسیر مفتی اعظم ہند سعید نوری

رضا اکیڈمی، ممبئی

طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی انوکھی کوشش ”مجددین اسلام نمبر“ دیکھ کر طبیعت مچل گئی۔ جس نئے موضوع پر طلبۂ اشرفیہ نے قلم اٹھایا ہے، اس کے لیے وہ پوری جماعت اہل سنت کی جانب سے ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ عام طور پر مجدد کی حیثیت ہم حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کو

پڑھتے، لکھتے اور سنتے رہتے تھے۔ مگر ان نوخیز طلبہ نے تو کمال ہی کر دیا کہ پہلی صدی سے لے کر چودھویں صدی تک کہ ۵۵ مجد دین اسلام کا تعارف حیطہ تحریر میں لاکر ایک اہم موضوع کی جانب ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ اتنی شاندار کارکردگی پر ہم انھیں مبارکبادی کے گلدستے پیش کرتے ہیں۔ اور ان کے روشن مستقبل کے لیے دعاگو ہیں۔

اللہ تعالیٰ چمن حضور حافظ ملت کو یوں ہی چمکتا و دمکتا رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم

چودہ سو سالہ تاریخ کو چند گھنٹوں میں مطالعہ کر لینے کے لیے اس سے بہتر اور جامع کتاب دستیاب ہونا دشوار ہے۔

نازش فکر وفن حضرت مفتی عبدالمالک مصباحی

چیف ایڈیٹر دوماہی رضائے مدینہ، سنی دار الافتاء، مدینہ مسجد، جمشید پور۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا عطر بیز گلدستہ، باغ فردوس کا گراں قدر مجموعہ ”مجد د دین اسلام“ نمبر کی خوشبوؤں سے ابھی شام جاں معطر ہو ہی رہے تھے کہ ایک اور مژدۂ جاں فزا ”مجتہدین اسلام“ نمبر سے روح مچل اٹھی۔ از ہر ہند، مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ کے عقابی نظر اور شاہین صفت طلبہ جس انداز سے طالبان علوم نبویہ کی نمائندگی کر رہے ہیں اور دیگر مدارس کے طلبہ کو حوصلہ اور توانائی فراہم کر رہے ہیں ۔ وہ یقینا قابل ستائش اور لائق تعریف و توصیف ہے۔ مجد د دین اسلام کی حیات و خدمات کے روشن و تابندہ مگر منتشر اور گمشدہ گوشوں کو شبان روز کی عرق ریزیوں کے بعد جمع کرنا اور پھر انہیں لوئلوء و مرجان کی طرح صفحہ قرطاس پر مرصع کر کے اہل ذوق کے لے سرمۂ نگاہ بنانا تو اہل علم کی اکیڈمی کا کام تھا مگر آپ جیسے بلند پرواز طلبہ نے یہ کام کر کے یہ ثابت کر دیا کہ

چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسس　دنیا نہیں مردان جفاکش کے لیے تنگ

۴۲۰ رصفحات پر مشتمل مجد د دین اسلام کو جس خوش اسلوبی اور ژرف نگاہی سے پیش کیا گیا ہے، وہ اہل علم کو دعوت مطالعہ دے رہا ہے۔ تقریبا چودہ صدیوں پر محیط اسلام کے ان جیالوں کے زرین کارناموں کا دل کش مرقع جنہوں نے اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ دین متین کی سربلندی اور سرفرازی کے لیے وقف کر دیا تھا ان تمام کی خدمات کے تمام اہم پہلوؤں کو حیطہ تحریر میں لاکر تشنگی کو مٹا دینا یہ ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جسے فیضان حافظ ملت کے علاوہ و کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ چاہے وہ سربراہ اعلیٰ کے دعائیہ کلمات ہوں یا سراج الفقہا کے کلمات طیبات، مبلغ اسلام کی تقریظ جلیل ہو یا مرتب کا حرف آغاز ہو، ان تمام کی سطر سطر ہی نہیں بلکہ حرف حرف سے حافظ ملت کی روحانیت اور کرامت کے آبشار پھوٹ رہے ہیں۔

اس مشنیری دور میں جب کہ ہر شخص وقت کی تنگی کا شکوہ کناں ہے چودہ سو سالہ تاریخ کو چند گھنٹوں میں مطالعہ کر لینے کے لیے اس سے بہتر اور جامع کتاب دستیاب ہونا دشوار ہے۔ ہر صاحب نظر کو اس کے مطالعہ سے قلب و نگاہ کو شاد کرنے کی ضرورت ہے۔

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول کے مطابق مجتہدین اسلام کی عمدگی اور بہتری کے آثار ہویدا ہیں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آپ جفاکشوں کی کاوشیں قبول فرمائے اور علم و عمل اور عمر میں روز افزوں بے پناہ ترقیاں عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۵/فروری ۲۰۱۷ء

Mob. ۸۴۰۹۹۸۷۲۱۷

اس علمی اقدام سے دیگر مدارس کے طلبہ سبق حاصل کریں۔

حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری
پرنسپل الجامعۃ الرضویۃ ، پٹنہ

دنیا میں جس قدر علمی معرکے سر کئے گئے اس کے لیے لوح و قلم کو ہی آلہ کار بنایا گیا۔ علم و ادب، فکر و آگہی، دین و دانش اور شعور و ادراک کی ساری دولتیں لوح و قلم کے وسیلے سے ہی ہم تک پہنچی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر صرف سات صحابہ لکھنا جانتے تھے مگر جب خالق لوح و قلم کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری ظاہری نظروں سے اوجھل ہو رہے تھے تو اپنے پیچھے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقدس ہاتھوں میں قلم تھما کر جا رہے ہیں اور آج علوم و فنون کی جتنی شعاعیں ہیں یہ سب قلم کی برکتیں ہیں۔

الجامعہ الاشرفیہ جماعت اہل سنت کا ایک مرکزی اور معیاری ادارہ ہے جس کی ہر اینٹ پر حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عشق و عقیدت کی داستان مرقوم ہے۔ اس ادارہ نے علم کے فروغ، سنیت کی ارتقا اور مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا ہے وہیں جماعت اہل سنت کو نابغہ عصر مفسر، محدث، خطیب، ادیب، شاعر، نقاد اور قلم کار بھی دیے ہیں اور یہ سب فیضان اس مرد قلندر کا ہے جسے دنیا جلالۃ العلم حضور حافظ ملت کے نام سے جانتی ہے جن کے آستانہ علم و شعور پہ تربیت پانے والے طلبہ ہر سال آپ کے عرس سراپا قدس کے موقع سے مختلف موضوعات پر کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی سالنامہ باغ فردوس کا ”مجدد دین نمبر“ ہے جسے سال گزشتہ اشرفیہ کے طلبہ نے جمع و ترتیب کے مراحل سے گزار کر علمی دنیا کو ایک نیا تحفہ پیش کیا جس کے ذریعے پچپن مجدد دین اسلام کے

علم وفضل، حزم واتقا، سیرت وشخصیت، خدمات دینیہ اور تجدیدی کارناموں سے ایک جہاں کو روشناس کرانے کی سعئ محمود کی گئی ہے اور مقام مسرت کہ ان تمام شرکائے قلم کا تعلق اشرفیہ کے اس علمی کیمپ سے ہے جسے حضور حافظ ملت نے لگایا ہے اور اس کاروان فکر وشعور کے سرخیل کا نام ابوہریرہ رضوی ہے۔ عزیزم صالح فکر کے حامل اور اخلاص کے پیکر ہیں۔ علمی تڑپ اور قلمی جہاد ان کی زندگی کا اہم حصہ ہے میں ان کے ساتھ ان کے جملہ رفقائے فکر وقلم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں تاکہ یوں ہی ان حضرات کے قلم کی جولانیت اور فکر کی طہارت اپنے اکابرین سے خراج تحسین حاصل کرتی رہے۔

پچیپن شخصیات میں اکثر وہ ہیں جن پر گمنامی کی کائی جم گئی تھی اور ان کے آئینہ حیات سے غبار صاف کرنا کوہ کنی سے قطعی کم نہیں مگر اشرفیہ کے ان جیالے طلبہ کے جذبۂ صادقہ کو سلام جنھوں نے ایک سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ معرکہ سر کر ہی لیا اور آج جن کا یہ کارنامہ اوروں کے لیے دعوت فکر بھی ہے اور نشان منزل بھی گویا ان کے نقوش زندگی یہ آواز دے رہے ہیں کہ جب ذوق یقیں پیدا ہو جائے تو راہ میں حائل انگارے پھول بن جاتے ہیں اور ابھی تازہ اطلاع یہ کہ پھر اس سال عرس حافظ ملت کے موقع سے، ''مجتہدین نمبر'' شائع کرنے جارہے ہیں ہمیں یقین ہے کہ سابق نمبر کی طرح یہ نمبر بھی وقیع، معیاری اور معلوماتی ہونے کے ساتھ اس سے ان کی علمی، قلمی اور فکری فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوگا۔ خدا کرے اشرفیہ کے طلبہ کا یہ جوش جنوں ہمیشہ سلامت رہے تاکہ ان کی فکری کاشت میں ہر روز نئے پھول کھلتے اور مسکراتے رہیں اور ان کے اس علمی اقدام سے دیگر مدارس کے طلبہ سبق حاصل کریں۔

مجددین اسلام نمبر ایک تاریخی دستاویز

مولانا شاہد القادری

چیرمین: امام احمد رضا سوسائٹی کلکتہ

جماعت اہل سنت ہند کا شعبہ نشر واشاعت تقریبا ۱۰ر سالوں سے اشاعتی میدان میں خاطر خواہ نمایاں کردار ادا کر رہا ہے، ہندوستان کا قلب وجگر دہلی جس میں دو درجن سے زائد چھوٹے بڑے اشاعتی مراکز مصروف باعمل ہیں، شائقین کتب کے لیے سال کی کئی مخصوص تاریخیں باآسانی اسلامی کتب کے حصول کے لیے بھی اپنے دامن میں انفرادیت لیے ہوئے ہیں، جن میں عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ، عرس رضوی مرکز اہل سنت بریلی شریف، عرس حافظ ملت ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو نمایاں مقام حاصل ہے، ان میں اسلامی کتب میلہ بریلی شریف کو باعتبار کثیر بک اسٹال فوقیت حاصل ہے۔

الحمدللہ! نئے فائغین میں بھی تحریری ذوق پروان چڑھا ہے، اس عمل میں بڑے مدارس اسلامیہ کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں، ان میں الجامعۃ الاشرفیہ کو اولیت حاصل ہے، اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی طلبہ تنظیم "باغ فردوس" کا جہد مسلسل کا عمدہ

نتیجہ "**مجد دین اسلام**" کی شکل میں ہے، ان نمبر کی خصوصیت یہ ہے کہ طلبہ کرام نے اپنے اساتذہ کی نگرانی میں تحقیق مضامین مع حوالجات لکھے ہیں، اس طور پر جماعت اہل سنت کو مجد دین اسلام کے تعلق سے ایک تاریخی دستاویز حاصل ہوا، اللہ تعالی تمام طلبہ کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔(آمین)

مجد دین اسلام میں بالخصوص بارہویں اور تیرہویں صدی کی فہرست میں چند اکابرین اہل سنت کے ایسے نام آئے ہیں، جن کا ذکر جمیل بحیثیت مجد د خود افراد خاندان نے بھی نہیں کیا ہے؟ اور چودہویں صدی کی فرست میں حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کا بھی اسم گرامی قابل غور ہے جب کہ آپ کا شمار بالاتفاق خواص پندرہویں صدی کے مجد د کی حیثیت سے کر رہیں ہیں۔

اس عظیم نمبر کی اشاعت پر الجامعۃ الاشرفیہ کے تمام اساتذہ کرام و طلبہ عظام لائق صد مبارک باد ہیں اور آنے والی نسل کے لیے خوش آئندہ عظیم پیغام ہے، جس قدر ستائش کی جائے کم ہے، "**مجتہدین صحابہ نمبر**" کا انتظار اہل علم وفہم شدت سے کر رہیں ہیں ممکن ہے کہ اپنے دامن میں فکر و فن کا علمی اور معلوماتی خزانہ لے کر اشاعتی دنیامیں جلوہ گر ہوگا اور ان شاءاللہ تحقیقات کا عظیم مرقع ثابت ہوگا، برادر طریقت عزیزم مولانا ابو ہریرہ رضوی سلمہ کو صد بار مبارک باد۔

اس کے مطالعہ کے بعد بالکل مختلف اور خوش گوار تاثر یہ ابھرا کہ اس کتاب کی ترتیب ہو یا تحریر، مواد کا انتخاب ہو یا حسن بیان کہیں سے نہیں لگتا کہ یہ نوآموز طلبہ کی کاوش ہے۔

حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی، مقیم حال ہیوسٹن امریکہ
مدیر اعلی ماہنامہ پیغام شریعت، دہلی، (ہند)

اکتوبر ۲۰۱۶ء میں میرے تلمیذ رشید مولوی عمیر شریف نے ہندوستان کا سفر کیا اور ملک کے مختلف جامعات اور دار العلوم کے دورے کیے، میں نے کہا تھا کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور جامعہ امجدیہ گھوسی بھی ضرور جائیں اور طلبہ واساتذہ سے ملاقات کریں۔ وہ واپسی میں طلبہ اشرفیہ کی طرف سے تحفتاً چند کتابیں بھی ساتھ لائے، جن میں ایک نسخہ "مجد دین اسلام نمبر" کا تھا، موضوع کی کشش نے دعوتِ مطالعہ دیا، اور کچھ صفحات تو ہم اُسی وقت چٹ کر گئے۔ ویسے نئی کتابیں پڑھنے کا شوق ہم اپنے اندر کم ہی پاتے ہیں، کیوں کہ نئی کتابیں عموماً شوقِ تصنیف میں معرضِ وجود میں آجاتی ہیں؟ یا کسی تقریب کی زیب داستان بن کر، یا پھر کسی دولت مند کی جیب ہلکی کرنے کو، لیکن یہ مجموعہ مقالات ہمارے لیے کئی جہتوں سے پرکشش تھا لہٰذا مصروفیات کی ہماہمی میں اس کے مختلف مقامات کے مطالعہ کا موقع نکال لیا۔

جب کسی کتاب یا مجموعہ مقالات کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ طلبہ کی کوشش ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مشکل الفاظ، گاڑھے گاڑھے جملے اور ثقیل تعبیرات کا ایک ہنگامہ ہوگا، تحریر میں پختگی کا فقدان ہوگا، جگہ جگہ تعبیرات کا اتار چڑھاؤ

اپنا توازن کھوتا ہوا محسوس ہوگا۔ لیکن اس کے مطالعہ کے بعد بالکل مختلف اور خوش گوار تاثر یہ ابھرا کہ اس کتاب کی ترتیب ہو یا تحریر، مواد کا انتخاب ہو یا حسن بیان کہیں سے نہیں لگتا کہ یہ نوآموز طلبہ کی کاوش ہے۔ ان طلبہ کی یہی اٹھان رہی تو یہ انجمن تحریر وقلم کا بڑا سے بڑا میدان سر کر سکتی ہے۔

''مجد دین اسلام نمبر'' کے مشتملات دیکھیں تو از اول تا آخر مضامین کی ترتیب اور پیرایۂ بیان کی خوبی قاری کے دل ودماغ پر قبضہ جمالیتی ہے۔ بنیادی مراجع سے مواد اخذ کرنا بھی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے کافی تجربے کی ضرورت ہوتی ہے، پرانی کتابوں میں یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا کہ کون کون سی کتابیں اور مصنفین مقبول ومعتمد ہیں اور کون اہل تحقیق کے نزدیک لائق اعتنا نہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تمام مراحل مرتبین نے بڑے سلیقے سے طے کیے ہیں۔ اس کتاب کا مقدمہ اس کی جان ہے، اسے بالاستیعاب پڑھا اور اپنے موضوع پر سیر حاصل پایا۔ مولوی فیضان سرور زید فضلہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے تحریری صلاحیتوں کے ساتھ علمی مواد کی سمجھ بھی رکھی ہے۔ ''مجد دین اسلام نمبر'' کے مقالات کے جو بنیادی عناصر ہونے چاہیئے وہ سب بخوبی ان میں موجود ہیں۔ مثلاً مجد دین کرام کا تعارف، علمی مقام اور تجدیدی کارنامے بہت اچھے اور سہل انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ تاہم کہیں کہیں تشنگی رہ گئی ہے، مثلاً حضرت عامر بن شراحیل شعبی، امام ابن کثیر مکی، حضرت امام علی رضا بن موسی کاظم، حضرت معروف کرخی علیہم الرحمۃ کے فضائل ومناقب تو بیان کیے گئے ہیں، لیکن ان کے تجدیدی کارناموں کو بین السطور میں تلاش کرنا ہمارے لیے مشکل تھا، شاید اس کی وجہ کتب رجال میں مواد کی کمی ہوگی یا تتبع کا پورا موقع میسر نہ ہوا ہوگا، اس کا احساس اس وجہ سے ہوا کہ عموماً مجد دین کے تذکروں میں اُن تجدیدی کارناموں کو بھرپور واضح کیا گیا ہے جن کی وجہ سے وہ مجدد قرار پائے۔

یہ کتاب میرے لیے اس وجہ سے بھی مرکز توجہ رہی کہ اسے دیکھ کر ہمیں اشرفیہ میں اپنا دور طالب علمی یاد آگیا جب ہم نے طلبہ کی طرف سے طبع واشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا، یہ ۱۹۹۴ کی بات ہے جب ہم نے جماعت سابعہ کی طرف سے حسب معمول ''یوم مفتی اعظم ہند'' کا اہتمام کیا اور اس موقع پر کوئی کتاب شائع کر کے منظر عام پر لانے کا منصوبہ بنایا۔ اس وقت جماعت میں ساٹھ ستر طلبہ ہوا کرتے تھے، اور سرمایہ کی اتنی فراوانی نہیں تھی، نہ طباعت کا اتنا اچھا انتظام، پھر بھی ہم نے اعلیٰ حضرت کے حاشیہ سے مزین ان کے والد گرامی علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی تصنیف ''احسن الوعا لآداب الدعا'' شائع کی تھی، اس وقت طلبہ کے مابین اتنا چندہ بھی نہ ہو سکا تھا جو اس کی طباعت کے اخراجات کو پورا کرتا، بالآخر اس کتاب کو مختلف کتب خانوں کو فروخت کر کے ہم نے اس کی طباعت کے اخراجات ادا کیے تھے۔ آج یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ اشرفیہ کے طلبہ اس مقام پر آچکے ہیں کہ کئی کئی ضخیم کتابیں اپنے خرچ اور اپنی تحریری صلاحیتوں سے مرتب کر کے منظر عام پر لاتے ہیں۔

۴۲۰ر صفحات پر مشتمل مجد دین اسلام نمبر جو تاریخ اسلام کی ۵۵ عبقری شخصیتوں کے تذکرے پر مشتمل ہے ہم اس کی ترتیب واشاعت پر تہ دل سے طلبہ اشرفیہ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں، ان سے امید ہے کہ اپنی صلاحیت کو مثبت اور تعمیری

کاموں میں استعمال کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس انجمن کے تمام رفقائے کار کو وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق دین وسنیت کی ہر طرح کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۸ر فروری ۲۰۱۷ء

"باغ فردوس" مبارک پور کا "مجددین اسلام نمبر" اسی زندہ ترقی پذیر، روایت کی زندہ مثال اور تحریکی نمونہ ہے۔

محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی
مدیر اعلیٰ ماہنامہ کنز الایمان، دہلی

تحریک و تنظیم میں ایک بڑا واضح فرق یہ ہے کہ تحریک ایک فرد کی شکل میں زندہ رہتی ہے اور نیک نام بنا دیتی ہے۔ اس کی مثال ایک نہیں، کئی ایک ہیں جیسے صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی جو کہ اپنی ذات میں علم و عمل اور تحقیق و تدریس کی ایک تحریک ہیں جن کے نقوش فکر و عمل کی وجہ سے بہت سے نامور علمائے اہل سنت میں حرکت عمل پیدا ہوتی ہے۔ تحریک کی دوسری مثال مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد المبین نعمانی ہیں جن کی استقامت اور کارِ دعوت واصلاح کی تحریک سے ایک نوجوان قلم کار عالم دین نے آج اپنی قلمی صلاحیتوں کا شہرہ برپا کر رکھا ہے اور صرف ایک دہائی میں دو درجن کتابوں کا مصنف و مولف اور مترجم ہو گیا ہے، ہم انھیں افروز قادری چریا کوٹی سے جانتے ہیں۔

تحریک کے تیسرے عملی نمونہ حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی ہیں جنھوں نے عقائد و معمولات اہل سنت اور تاریخ ہند میں علمائے اہل سنت کی خدمات و کارنامے کے اعتراف واظہار کے حوالے سے جو خدمت انجام دی ہے، وہ ان کی ذاتی دلچسپی اور تحریک کے تحت ہی ممکن ہو پایا ہے اور چوتھے نمونہ حضرت مولانا محمد حنیف رضوی بریلوی ہیں جنھوں نے بریلی شریف کی علمی تاریخ کو عملی طور سے زندہ کر دیا ہے، یہ بھی ان کی اپنی ذاتی دلچسپی اور تحریک کا نتیجہ ہے۔

انہیں تحریکی شخصیات میں نیک نام نامور فقہی شخصیت حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی بھی ہیں جن کی فقہی بصیرت اور محققانہ خدمت ان کی ذاتی تحریک اور دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ ایسی مثالی تحریک اور تحریکی عمل کی کئی مثال ہم دے سکتے ہیں لیکن یہ ابھی ضروری نہیں، بس یہ کہنا ہے کہ تحریک جلدی مرتی نہیں، کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہتی ہے، کبھی انفرادی شکل میں اور کبھی اجتماعی شکل میں۔ جب کہ تنظیم کے لیے افراد کی ضرورت ہے تاہم ایک فرد، ایک تنظیم کا کام کر سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک فرد بھی تنظیم نہیں ہوتا۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ نے ایک زمانے سے قدیم وجدید دینی کتابوں کی طباعت واشاعت کا مبارک سلسلہ شروع کر رکھا ہے، یہ سلسلہ تنظیم نہیں، تحریک کی مثال اور نمونہ ہے جو انھیں ان کے اسلاف سے ملی ہے۔ اکیسویں صدی میں

اِس تحریک میں ترقی ہوئی ہے کہ قدیم کتابوں کی جدید ترتیب، حروف سازی، تحشیہ اور ترجمہ و تقدیم کی زندہ روایت کے ساتھ منصوبہ بندی کے ساتھ کسی منتخب موضوع پر باضابطہ تصنیف و تالیف اور تدوین و ترتیب کی روایت بھی تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ ”باغ فردوس“ مبارک پور کا ”مجد دین اسلام نمبر“ اسی زندہ ترقی پذیر، روایت کی زندہ مثال اور تحریکی نمونہ ہے۔ باغ فردوس، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ کا قلمی انجمن ہے جس کی یہ پہلی معیاری اور عظیم یادگاری پیش کش ہے۔ یہ تاریخی دستاویز پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کے ۵۵ مجد دین اسلام کی تاریخی سوانحی تفصیلی فہرست اور مقالات کا مجموعہ ہے اور یہ مقالات درس نظامی کے درجہ عالمیت اور فضیلت کے طلبہ نے لکھے ہیں اور کہنہ مشق معروف قلم کار علمائے کرام اساتذہ سے نظر ثانی کرانے کے بعد دستاویز کا حصہ بنایا ہے پھر ”تنظیم پیغام اسلام“ کی طرف سے شائع کیا ہے۔ اس کے لیے ہم ”تنظیم پیغام اسلام“ کے سبھی ارکان کو بالعموم اور سبھی مقالہ نگار حضرات کو بالخصوص مبارک بادی پیش کرتے ہیں اور پھر بطور خاص محبانِ گرامی ابوہریرہ رضوی، محمد فیضان سرور، محمد اسلم آزاد، محمد ظفر الدین صدیقی کو پیشگی مبارک بادیاں پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے اب ”مجتہدین صحابہ کرام“ یعنی فقہا صحابہ کی حیات اور فقہی بصیرت و کارنامے کا تذکرہ بھی دستاویزی صورت میں پیش کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ انھیں کامیاب عطا فرمائے اور اِس راہ کی رکاوٹیں دور فرمائے۔ آمین

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ / ۶ فروری ۲۰۱۷ء بروز پیر

یہ طلبۂ اشرفیہ کی علمی زندگی کا ایسا بے مثال کارنامہ ہے جسے علمی دنیا صدیوں یاد رکھے گی اور اس سے استفادہ کرتی رہے گی۔

مفتی توفیق احسنؔ برکاتی، ممبئی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں طلبہ انجمنوں اور ادبی بزموں کی اچھی خاصی تعداد ہے، ان کی اپنی لائبریریاں ہیں، ماہانہ نشستیں ہوتی ہیں، جدار یے تحریر کیے جاتے ہیں، مقابلہ جاتی پروگرام بھی منعقد ہوتے ہیں، تحریر و قلم کا ایسا چوکھا رنگ ان پر چڑھا ہوا ہے کہ کیا کہنے۔ ستھرا علمی و ادبی ذوق رکھنے والے طلبہ کی تعداد بھی کافی ہے جو باقاعدہ مختلف موضوعات پر قیمتی مضامین و مقالات لکھتے رہتے ہیں اور رسائل میں ان کی اشاعت ہوتی ہے۔ طلبہ کی تنظیموں نے اس برس یہ پلان تیار کیا کہ ہر سال ایک کتاب سالنامہ کی شکل میں نکالی جائے اور اس میں اشرفیہ کے طلبہ کے منتخب مقالات شامل کیے جائیں اور وہ بھی ایک خاص موضوع پر تاکہ اس کی حیثیت دستاویزی نوعیت کی ہو اور دنیاے علم کو ایک اچھا تحفہ دیا جا سکے۔ سال گزشتہ باغ فردوس کا ”مجد دین اسلام نمبر“ اسی علمی و قلمی پیش رفت کا نقش اول ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل منفرد المثال

ہے۔ کم ازکم میری معلومات کی حد تک اس موضوع پر کوئی قابل قدر کتاب نہیں تصنیف کی گئی اس لیے طلبہ اشرفیہ کا یہ کام نہ صرف تاریخ ساز کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے بلکہ اپنے موضوع و مواد ہر دو اعتبار سے ایک بے مثال علمی تحفہ بھی مانا جائے گا۔اس کام کے لیے نمائندگی کا فریضہ محمد ابوہریرہ رضوی (درجۂ سابعہ) اور محمد فیضان سرور اورنگ آبادی (درجۂ فضیلت) نے انجام دیا ہے اور اپنے رفقا کے ساتھ مل کر یہ تاریخ اپنے نام کرلی ہے، خصوصی مبارک باد۔

طلبۂ اشرفیہ کی چالیس کے قریب علمی انجمنوں اور ادبی تنظیموں کے دو دو منتخب طلبہ اور چند دیگر خصوصی طلبہ قلم کاروں نے اس کتاب میں مقالات تحریر کیے ہیں۔ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کے ۵۵ مجددین اسلام پر اتنے ہی مضامین ہیں جن میں مجددین کی سوانح، علمی خدمات اور تجدیدی کارناموں کو حوالوں کی روشنی میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا نوری علیہ الرحمۃ تک بسیط ہے اور بہت ساری خوبیوں کا حامل قرار پاتا ہے۔ شرف انتساب جامعہ اشرفیہ کے نام ہے، دعائیہ کلمات سربراہ اعلیٰ قبلہ عزیز ملت دام ظلہ نے تحریر فرمائے ہیں، چار صفحات میں سراج الفقہاء مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ کے تحقیقی قلم کے جلوے نظر آتے ہیں، تین صفحے میں بزرگ مصنف و قلم کار حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی قبلہ نے تقریظ رقم فرمائی ہے۔ اخیر میں آپ نے ایک بے حد قیمتی بات تحریر کی ہے جس کا تعلق حضور مفتی اعظم ہند کی چودھویں صدی ہجری میں شمولیت سے ہے، لکھتے ہیں:

”یہ حقیقت ہے کہ سرکار مفتی اعظم ہند کی زیادہ تر خدمات کا تعلق چودھویں صدی ہی کے اواخر سے ہے اور پندرہویں صدی کا بھی ایک سال ۱۳/ دن پایا ہے۔ مجدد کے لیے جو خصوصیات اور علامات بتائی گئی ہیں وہ ان میں موجود ہیں۔“ آگے مزید لکھا ہے:

”محب گرامی مولانا محمد احمد مصباحی (رکن المجمع الاسلامی وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور) کا کہنا ہے کہ سرکار مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفی رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۳۱۰ھ-محرم ۱۴۰۲ھ) کو اگر چودھویں صدی کا مجدد کہا جائے تو یہ اجلہ ائمہ اور علمائے اعلام کے بیان کردہ اصول اور حضرت مرشدنا الکریم کے زمانہ خدمات، دونوں اعتبار سے بالکل درست ہے۔ پندرہویں صدی کے مجدد ہونے کی تعیین اس وقت ہو سکے گی جب سولہویں صدی کا آغاز ہوا اور اس وقت کوئی عالم برحق دین وسنیت کی نمایاں خدمات اور بدعات وفتن کے ابطال وانکار میں پندرہویں صدی کے دور اختتام سے ہی معروف و مشہور اور سولہویں صدی کے آغاز میں بقید حیات ہو۔ موصوف کا کہنا ہے کہ اس موضوع پر میں نے خود امام احمد رضا قدس سرہ کی نگار شات اور امام سیوطی وغیرہ اجلہ ائمہ کی تصریحات کا مطالعہ کیا ہے، ان سب سے یہی مستفاد ہے۔“ (ص:۱۵)

بلکہ اس خاص موضوع پر مولانا محمد فیضان سرور اورنگ آبادی نے اسی کتاب میں ”حدیث مجدد: ایک تجزیاتی مطالعہ“ کے عنوان سے ایک بے حد قیمتی علمی و تحقیقی مضمون قلم بند کیا ہے جو کتاب کے صفحہ ۱۹ سے ۴۸ صفحے تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ مضمون بڑی محنت اور جگر کاوی سے لکھا گیا ہے اور حقائق معروضی انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ موصوف اس کے لیے

مبارک باد کے حق دار ہیں۔ اللہ عزوجل ان کے علم وعمل میں برکتیں عطافرمائے اور قلم وفکر کو توانائی بخشے، آمین۔ درمیان میں ڈھائی صفحات میں مولانا ابوہریرہ رضوی نے احوال واقعی بیان کیے ہیں جس میں منصوبے سے زمینی حقیقت تک کے حقائق زیر بحث آئے ہیں۔ مجد دین اسلام نمبر طلبہ اشرفیہ کی علمی زندگی کا ایسا بے مثال کارنامہ ہے جسے علمی دنیا صدیوں یاد رکھے گی اور اس سے استفادہ کرتی رہے گی۔ کاش ہم اعتراف کرتے اور ان کی حوصلہ افزائیوں کے لیے چند کلمات لکھ کر انہیں بھیج دیتے تو اس جیسے مزید علمی وقلمی کارنامے انجام پاسکتے ہیں۔ راقم دل کی گہرائیوں سے ان طلبہ کو مبارک باد اور ان کے حوصلوں کو سلام پیش کرتا ہے۔ اللہ عزوجل ان کے قلم وعلم میں طاقت عطافرمائے اور جامعہ اشرفیہ کو روزافزوں ترقی وعروج بخشے، آمین۔

ہر انصاف پسند قلمکار ومحقق اس نمبر کو اپنے خزانۂ مراجع وماٰخذ میں رکھنے پر فخر کرسکتا ہے

حضرت مولانا اقبال حسنی برکاتی،
جامعہ برکات منصور، پیر منصور جی-پی روڈ شہر، گیا (بہار)

''مجد دین اسلام نمبر'' طلبۂ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ (اتر پردیش) کی ''تنظیم پیغام اسلام'' کے زیر اہتمام شائع شدہ سالنامہ ''باغ فردوس'' کا وقیع نمبر ۲۰۱۶ء ہے۔ جسے طلبائے جامعہ اشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کی علمی شیفتگی وفنی وابستگی کا عنوان اور جذبات تفحص وتلاش کی تسکین کا سامان کہنا بجا ہے۔ طلبائے جامعہ نے اس نمبر کو اسلامیان ہند وبیرون ہند کی آنے والی نسلوں، متلاشیان زاویہ ہائے تحقیق اور محققین کرام کیلئے ماخذ تحقیق بناکر اپنی بساط سے زیادہ آب وتاب کے ساتھ پیش کیاہے۔ اور انتہائی خاموشی کے ساتھ قرطاس وقلم کی میز پر ایک گلدستۂ روح افزا رکھ دیا ہے جس کی خوشبو نسلوں تک محسوس کی جاسکے گی۔

ہم کوئی شور نہیں ہیں کہ سنائی دینگے ہم کو محسوس کیا جائے ہے خوشبو کی طرح

چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ نمبر، مجد دین اسلام اور مفکرین ومحققین شرع ذی احترام کی چودہ سو سالہ عالمانہ، زاہدانہ، متصوفانہ، مجاہدانہ، عادلانہ، محققانہ، مجددانہ، حق پسندانہ اور عبادات روز وشبانہ سے عبارت، زندگیوں کا ایسا شاندار مرقع اور عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا ہے جو اپنے تنوعات علمیہ اور عنوانات مقتدرہ کے سبب طلبۂ جامعہ کے شوق قلم آرائی اور عالمی سطح پر مسلمہ علمی بلندیوں کی کوہ پیمائی کا منہ بولتا ثبوت بن گیاہے۔ مستقبل کا ہر غیر جانبدار اور انصاف پسند قلمکار ومحقق اس نمبر کو اپنے خزانۂ مراجع وماٰخذ میں رکھنے پر فخر کرسکتا ہے۔

ہر دو جہاں را بہ نگاہے گاہے دیدہ ام میشود پردۂ چشم پر گاہے گاہے (ڈاکٹر اقبال)

مضامین تحقیقی وعلمی کے ساتھ لاحقین کے لیے قابل اتباع بھی ہیں

حضرت مولانا ازہار احمد امجدی (بستوی)
فاضل جامعہ ازہر، مصر، شعبہ حدیث ایم، اے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامدا و مصلیا و مسلما

ائمۂ کرام، فقہاے عظام اور علماے عاملین کی حیات وخدمات خصوصًا ان مجددین علما کی زندگی جنھوں نے احقاق حق وابطال باطل اور احیائے سنت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی، امت مسلمہ بالخصوص طالبان علوم نبویہ کی رہنمائی اور تربیت کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے، اس موضوع پر مستقل کتاب کی ضرورت تھی، الحمدللہ ثم الحمدللہ "تنظیم پیغام اسلام" کے بینر تلے جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کے کچھ متحرک وفعال طلبہ نے اپنے مخلص اساتذہ ومربین کے زیر نگرانی، اس ضرورت کو پوری کر کے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قول "ہر مخالفت کا جواب کام ہے" کو عملی جامہ پہنا کر سابقہ علماے جامعہ اشرفیہ کی روایات کو باقی رکھنے کی کوشش کی ہے، اور ان شاء اللہ تاقیامت یہ کوشش جاری رہے گی۔

مرکز تربیتِ افتا کے ایک طالب علم مولانا کلام مؤمن مصباحی زید علمہ کے ذریعہ کتاب "مجددین اسلام نمبر" ۲۰۱۶ء میں نظر نواز ہوئی، اس ضروری کام کو جب میں نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا اور مضامین پر سرسری نظر ڈالی؛ تو آنکھوں نے کافی ٹھنڈک محسوس کیا، پھر محب گرامی مولانا غلام جیلانی مصباحی زید علمہ کی دعوت پر کھنڈوا کے سفر میں بعض مضامین بالاستیعاب پڑھنے کا موقع ملا، دل مزید فرحت وانبساط سے جھوم اٹھا، مضامین تحقیقی وعلمی کے ساتھ لاحقین کے لیے قابل اتباع بھی ہیں۔

اس سفر سے تقریبا ایک ماہ پہلے ایک جدید خوشخبری مولانا ابوہریرہ رضوی مصباحی زید علمہ کے ذریعہ ملی کہ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ "مجددین اسلام نمبر" کے بعد اب "مجتہدین صحابہ نمبر" بموقع عرسِ عزیزی ۲۰۱۷ء میں نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، متحرک فعال نوجوان طلبہ کا یہ پختہ ارادہ دیکھ کر ایک بار پھر خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا، یہ جو کہا جاتا ہے کہ نوجوان اگر زندہ ہیں؛ تو قوم زندہ ہے، یہی لوگ اپنے بزرگوں کی رہنمائی میں قوم کو عوجِ ثریا پر لے جانے والے ہیں، اس کا عکس ان نوجوان علما کی کاوش میں بھرپور نظر آرہا ہے، اس کاوش میں حصہ لینے والے تمام علما، اساتذہ وطلبہ قابل صد مبارک باد ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان کی اس سعی مسعود کو قبول فرمائے، نیز اس طرح کے نوجوان علما میں مزید اضافہ کرے، اور سب کو قوم وملت کی ضرورت بن کر ان کے لیے مفید سے مفید تر کام کرنے کے لیے راستے ہموار کر کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جامعہ اشرفیہ، زندہ باد　　　　علماے اشرفیہ، پائندہ باد

یہ یقیناً ایک لائق تحسین قدم ہے

حضرت مولانا حبیب عالم رضوی

مہتمم مظہر حسنات، رام گڑھ، جھارکھنڈ

مجد دین اسلام نمبر کے بعد مجتہدین صحابہ کی مقدس زندگیوں پر مشتمل طلبہ اشرفیہ کے مقالات کا وقیع مجموعہ مجتہدین صحابہ نمبر یقیناً ایک لائق تحسین قدم ہے۔ یہ سالنامہ باغ فردوس کی دوسری کڑی ہے۔

اس تحقیقی کام کے لیے طلبہ اشرفیہ خصوصاً محمد ابوہریرہ رضوی محمد فیضان سروری اورنگ آبادی، محمد اسلم آزاد گڈاوی، محمد ظفرالدین صدیقی وغیرہ تمام طلبۂ اشرفیہ کو پر خلوص مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کی عمر اور اقبال میں برکتیں عطا فرمائے۔

امید ہے کہ یہ سالنامہ علمی وادبی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرے گا

حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی علمی فضا میں پروان چڑھنے والے شاہین صفت طلبہ ہر زمانے میں ایسے کارنامے انجام دیتے رہے ہیں جو نہ صرف تاریخ بلکہ دوسروں کے لیے نمونہ عمل اور لائق تقلید ہوا کرتے ہیں، زیر تبصرہ اولین سالانہ مجلہ ''مجد دین اسلام نمبر''بھی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے جواں عزم، باحوصلہ اور بلند فکر طلبہ کا ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ مجد دین اسلام نمبر کی اشاعت جہاں جامعہ اشرفیہ کی قدیم روایتوں کا تحفظ ہے وہیں نسل نو کے فکر و عمل کو مہمیز کرنے کا عمدہ سامان بھی ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے باشعور طلبہ کی تنظیم ''پیغام اسلام '' کے زیر اہتمام شائع ہونے والا ۴۳۲ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم نمبر کئی جہتوں سے متاثر کن ہے ۔ مجد دین اسلام کے حوالے سے اردو زبان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا مجموعہ ہے جس میں پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک ۵۵ مجد دین اسلام کا ذکر جمیل اور ان کے تجدیدی کارناموں کا اجمالی خاکہ شامل ہے۔

مجد دین اسلام کے حالات اور ان کے تجدیدی کارناموں کو مستند کتابوں سے اخذ کر کے ہنر مندی کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے، حوالوں کا التزام کیا گیا ہے، اکثر مقامات پر عربی عبارات کے ترجمے کر دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے افادیت دوبالہ ہوگئی ہے۔

یہ پورا مجلہ اپنے موضوع پر ایک عظیم شاہ کار اور معلومات کا سمندر ہے۔ خاص طور سے فیضان سرور اورنگ آبادی کا مقالہ اس لائق ہے کہ اسے مستقل رسالے کی صورت میں شائع کیا جائے۔ کتابت وطباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے، ہزار احتیاط کے باوجود پروف کی غلطیوں کا رہ جانا کوئی نئی بات نہیں۔ بہر حال اس عظیم کارنامے پر جامعہ اشرفیہ کے بافیض اساتذہ (جن کی

نگرانی میں یہ کام ہوا) اور بلند ہمت طلبہ خصوصاً تنظیم پیغام اسلام کے ارباب حل و عقد محمد ابوہریرہ رضوی، فیضان سرور اورنگ آبادی، محمد اسلم آزاد گڈاوی، محمد ظفرالدین صدیقی وغیرہ ڈھیر ساری مبارک باد کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ سالنامہ علمی و ادبی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرے گا اور طلبہ اشرفیہ کا علمی و قلمی سفر اسی شان کے ساتھ جاری رہے گا۔

”مجدد دین اسلام ایوارڈ“ سے سرفرازی

مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی
ڈائرکٹر تحریک اصلاح ملت، مظفر پور

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی اگر میں علامہ اقبال کے اس شعر کا کامل انطباق جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ کے ان جواں سال طلبہ کی جماعت پر کردوں جو متاع لوح و قلم سنبھال کر ملک کی وسعتوں میں اپنے علم و آگہی اور فکر و شعور کا اجالہ بکھیر دینا چاہتی ہے۔ گفتگو جب جامعہ اشرفیہ کے قلم کار طلبہ کی چل پڑی ہے تو میری نگاہوں میں اپنے عہد طالب علمی کا ایک خوب صورت منظر گھوم گیا ہے۔ غالباً میں جامعہ اشرفیہ میں جامع ترمذی کا طالب علم تھا ان دنوں ”تنظیم فکر و اصلاح“ کی جانب سے عزیزی ہاسٹل کے ایک نمایاں ہال میں تحریری انعامی مقابلہ کی محفل منعقد ہوئی تھی جس میں جماعت اولی کے ایک ہونہار طالب علم کو اس کی دل کش مضمون نگاری کی بنیاد پر انعام و اکرام اور تحسین و آفریں سے سرفراز کیا جارہا تھا۔ اس کی بلند اقبال پیشانی کا مطالعہ کر کے میں سمجھ گیا تھا کہ یہ طالب علم آگے چل کر تحریر و قلم کے حوالے سے نمایاں کارنامہ انجام دے گا۔ جب وہی طالب علم جماعت سادسہ کی دہلیز پر قدم رکھا تو اپنے اخلاص و وفاشعاری اور مشقت و جفاکشی کے نتیجے میں باذوق قلم کار طلبہ اشرفیہ کے قافلے کا سالار بن گیا اور اپنی شاندار ادارت میں سالنامہ ”باغ فردوس“ مبارک پور کا ”مجدد دین اسلام نمبر“ شائع کر کے ارباب علم و دانش کا محبوب نظر اور طلبۂ مدارس کی راہ کا مشعل بن گیا۔ اشرفیہ کے اسی طالب علم کو آپ محمد ابوہریرہ رضوی کی خوب صورت شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔

سال گزشتہ محترم ابوہریرہ رضوی نے عزیزم اکرم نورانی و ناصر حسین مصباحی کے ہاتھوں میرے لیے مجدد دین اسلام نمبر کی ایک کاپی ارسال کردی تھی۔ خوب صورت ٹائٹل، دیدہ زیب پیش کش کے ساتھ علمی و تحقیقی مضامین کا مطالعہ میری نگاہوں کو نور عطا کر رہا تھا اور میں بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ ایک طرف جامعہ اشرفیہ کا کامل نصاب اور دوسری طرف تعلیم کے ایام میں ہی اس ضخیم نمبر کے لیے طلبا کا مقالہ لکھنا نیز اپنی جیب خاص سے اس کی اشاعت کرنا یقیناً طلبۂ اشرفیہ کا تحریر و قلم سے والہانہ وارفتگی

کے ساتھ اہل سنت کے کاروان لوح وقلم کو آگے بڑھانے کا ایسا نتیجہ خیز منصوبہ ہے جس کے لیے طلبہ پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے ہزاروں بار مبارکبادی کے مستحق ہیں۔طلباکی اس خوب صورت کاوش کو دیکھ کر ''تحریک اصلاح ملت'' مظفرپور، بہار نے انھیں ''مجددین اسلام ایوارڈ'' سے سرفراز کرنے کا فیصلہ کرلیا۔چناں چہ ۲۹ مئی ۲۰۱۶ء کو تحریک اصلاح ملت مظفرپور کے زیراہتمام منعقد حافظ ملت کوچنگ سینٹر، مظفرپور، جہاں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلے کی تیاری کرائی جاتی ہے، کے چھٹا سالانہ افتتاحی اجلاس میں حضرت پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب، مفتی شمیم القادری مظفرپوری اور روزنامہ انقلاب کے چیف ایڈیٹر احمد جاوید صاحب کے ہاتھوں پانچ مخصوص طلبۂ اشرفیہ محمد ابوہریرہ رضوی، فیضان سرور مصباحی، اسلم آزاد مصباحی، ظفرالدین صدیقی، ضیاء المصطفی مصباحی کو مجددین اسلام ایوارڈ سے نوازا گیا۔

ابھی چندماہ پیشتر جناب ابوہریرہ رضوی نے میرے کانوں میں یہ رس گھول دیا تھاکہ اس سال عرس حافظ ملت کے پرکیف موقعہ پر طلبۂ اشرفیہ کی جانب سے ''مجتہدین صحابہ نمبر'' کا اجرا عمل میں آرہاہے اور سال آئندہ ''مجتہدین تابعین نمبر'' کی اشاعت کا مصمم ارادہ ہے۔مولانا ابوہریرہ رضوی مصباحی اوران کے تمام رفیقان گرامی کا یہ قابل قدر کارنامہ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ کی تاریخ کا ایک سنہراباب بنتاجارہاہے جسے نظرانداز کرکے طلبۂ اشرفیہ کی قلمی خدمات کی تاریخ مرتب نہیں کی جاسکتی ہے۔

اخیر میں یہ کہناچاہوں گا کہ طلبۂ اشرفیہ کی یہ خوب صورت کاوش دیگر معیاری مدارس کے طلباکے لیے نمونۂ عمل ہے اور قابل تقلید بھی۔امید ہے کہ وہ اس پہلو پر غور وفکر فرمائیں گے:

عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیل گوں افلاک

یہ عظیم کارنامہ لائق تحسین وتقلید ہے

مولانا محمد تبارک حسین رضوی

صدرالمدرسین جامعہ برکات منصور، پیر منصور، شہرگیا(بہار)

مجھے یہ سن کر بے پناہ خوشی ہوئی کہ مجددین اسلام نمبر کے بعد دوسری تحقیقی، تاریخی اور قلمی کاوش **''صحابۂ مجتہدین و اہل فتویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم''** کی شکل میں منظرعام پر آنے والی ہے۔اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا کام طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی ایک فعال تنظیم ''پیغام اسلام'' کے زیراہتمام ہورہاہے جو ان کی ایک منتخب جماعت کی عظیم قربانی کا حسین ثمرہ ہے۔ان کا یہ عظیم کارنامہ لائق تحسین وتقلید ہے اور اہل سنت وجماعت کے لیے دل کش تحفہ ہے۔ازہر ہند جامعہ اشرفیہ کے جیالے اور شاہین صفت فرزندوں کے اس علمی کارنامے پر ہم انھیں دلی مبارک بادی پیش کرتے ہیں جو اس عظیم وضخیم مجموعۂ مقالات

کی ترتیب واشاعت کے قلمی اور علمی میدان میں پیش قدمی کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کی سعی جمیل کو قبول فرمائے اور مزید اس قسم کے کارناموں کے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم)

یہ پیش رفت ایک وقیع اور گراں قدر دستاویز ثابت ہوگا

فیاض احمد مصباحی، شراوستی
ناظم اعلی: مدرسہ اہل سنت اشرفیہ بحرالعلوم وجامعہ برکاتیہ نجم البنات

عصر حاضر میں ہم مسلمانوں کو عالمگیر سطح پر مشکلات کا سامنا ہے ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی ہے شر پسند عناصر اسلام اور مسلمانوں پر طرح طرح سے الزامات اور بہتان تراشی کررہے ہیں، پوری دنیا میں اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں سرگرم ہیں، پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی لہر چل رہی ہے ہم ایک خطرناک اور نازک دور سے گذر رہے ہیں ان حالات میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مثالی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے ان پاکیزہ نفوس کو بھی ان حالات کا سامنا تھا بلکہ بعض اعتبار سے آج کے حالات سے زیادہ خطرناک صورتِ حال تھی مکہ میں ابتلاء وآزمائش کے شدید دور سے گذرتے تھے تعداد بھی کم تھی اور وسائل بھی نہیں تھے! حدیبیہ میں یہودیوں اور منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور سازشیں تھیں، مشرکین مکہ کے حملے اور یہودی قبائل سے لڑائیاں تھیں پھر دائرہ وسیع ہوا تو قیصر روم اور کسریٰ کے خطرناک عزائم تھے ان سب حالات کا مقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس حکمت عملی اور صبر واستقامت سے کیا وہی تاریخ ہم کو دہرانی پڑے گی، اس لئے ضروری ہے کہ ہم سیرتِ صحابہ کا مطالعہ کریں ان کو اپنا رہنما ومقتدا جان کر اِس محبت وعقیدت سے ان کی پیروی کریں کہ ان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہے اور صحابہ کرام ہمارے لئے معیار حق اور مشعل راہ ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت وعقیدت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی محبت نہیں ہوسکتی اور صحابہ کرام کی پیروی کیے بغیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کا تصور محال ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ عین اسلام اور اتباع سنت ہے اور ان کے ایمان کے کمال وجمال، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت واچھائی اور صلاح وتقویٰ کی عمدگی کی سند خود رب العالمین نے ان کو عطا کی ہے اور معلم انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قولِ پاک سے اپنے جاں نثاروں کی تعریف وتوصیف اور ان کی پیروی کو ہدایت وسعادت قرار دیا ہے اس لیے ان پاکیزہ نفوس کی خدمات اور کارنامے کو منظر عام پر لانا باعث خیر واجر اور لائق تحسین پیش رفت، قابل داد عمل اور قابل ستائش قدم ہے! راقم الحروف مبارک باد پیش کرتا ہے طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی قلمی انجمن "**سالنامہ باغ فردوس مبارک پور**" سے تعلق رکھنے والے ان ہونہار طلبہ کو جنھوں نے یہ

بار گراں اٹھایا اور اس کو ایک حد تک پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں! باغ فردوس کی ٹیم مکمل جذبہ ولگن، خلوص وللٰہیت کے ساتھ جد وجہد کرتے ہوئے کامیابی کی طرف رواں دواں ہے اور یہ ٹیم اس سے پہلے مجددین اسلام نمبر منظر عام پر لاکر اہل علم سے خراج عقیدت اور دادتحسین قبول کرچکی ہے اور یہ عمل ان ہونہار طلبہ کی مشترکہ جدوجہد اور کوشش کا ثمرہ ہے اور ان شاء اللہ تعالی "مجتہدین صحابہ کے فقہی کارنامے" کے نام سے سلسلہ وار پیش رفت ایک وقیع اور گراں قدر دستاویز ثابت ہوگا اور مقبول عام وخاص ہوگا۔

اللہ تعالی ان طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

فارغین اشرفیہ نے پورے ملک ہندوستان اور یورپ ایشا میں اپنی خدمات کا ڈنکا بجایا ہے۔

محمد ارشد رضا قمر اخلاقی امجدی

استاد جامعہ سعدیہ عربیہ، کیرلا

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم أما بعد

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور شمالی ہند کی ایسی درسگاہ ہے جہاں کے اساتذہ اور انکے تلامذہ اپنی اعلی علمی تبلیغی تصنیفی تدریسی خدمات کے سبب پورے برصغیر میں ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔

سنیت کا یہ واحد ایسا عظیم قلعہ ہے جہاں کے فارغین نے پورے ملک ہندوستان اور یورپ ایشا میں اپنی خدمات کا ڈنکا بجایا ہے۔

اور کیوں نہ ہوں جسکی بنیاد اور تعلیمی وتعمیری ترقیوں کی خاطر ایک ولی کامل محدث مرادآبادی علامہ حضور عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی کے تمام آرائش آرام کو تج دیا آج دنیا انکا نام اس لئے لے رہی ہے کہ آپ نے پرزور مخالفت کے باوجود اپنا علمی اور عملی مشن جاری رکھا۔

وہ جامعہ جس نے مسلک رضا کی حفاظت وصیانت کی خاطر ہر محاذ پر پاسداری کی اور علما فقہا اور قلم کاروں کی ایک ایسی ٹیم تیار کی جس نے مسلک رضا کو ایک امتیازی رنگ میں رنگ دیا اور آج بھی تصنیفات رضا پر اگر کسی نے سب سے زیادہ کام کیا ہے تو وہ جامعہ کے ہی فیض یافتہ بوریا نشیں اشخاص ہیں بلکہ فتوی رضویہ جیسی عظیم نعمت اگر آج ہمارے پاس موجود ہے تو وہ اس جامعہ کے فارغین کی ہی مرہون منت ہے۔

آئیے اب آپکو ہم جامعہ کے موجودہ ان طلبہ کی بیش بہا قلمی خدمات کی طرف توجہ مبذول کرائیں جن خدمات کے سبب یہاں کے طلبہ آفرینش سے متعارف ہیں، جامعہ کے منتہا جماعت کے طلبہ دیگر مدارس کے اعتبار سے کافی متحرک اور اپنے

منصوبہ میں فعال وحساس رہتے ہیں، دور حاضرہ کی ضرورت کے مطابق ان کی خدمات پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے باعث احسان شکر ہے۔

گذشتہ سال کسی خاص موقع سے احقر کا حضرت مولانا شیخ سید سہیل میاں ولی عہد خانقاہ واحدیہ طیبیہ بلگرام شریف کی مصاحبت میں جامعہ اشرفیہ جانا ہوا، وہاں ہماری ملاقات مولانا ابوہریرہ رضوی مصباحی، فیضان سرور مصباحی، اسلم آزاد مصباحی اور مولانا محتشم سے ہوئی جنھوں نے اپنی ساتھیوں کی اجتماعی قوت کی ایک علمی یادگار پیش کیا، جسے اب علم وادب کی دنیا میں ''مجددین اسلام نمبر'' سے جانا جارہا ہے۔

میں نے اس نمبر کو کئی مواقع پر بطور استفادہ مطالعہ کیا واقعی معلومات کا بیش بہا خزانہ پایا اور بعض مراحل پر تو میری کم علمی کیلئے ایک ہتھیار ثابت ہوا۔

یہ امر کافی دشوار گذار ہوتا ہے کہ آپ کسی ایک شخصیت پر بھی قلم اٹھائے اور ان کی زندگی کے تمام خدوخال کو قرطاس کے حوالہ کردیں لیکن قربان جائیے جامعہ کے ان محنت اور جفاکش متلاشیان علوم دینیہ پر جنھوں نے پہلی صدی سے لیکر چودھویں صدی تک کے تمام مجددین اسلام کی حیات وخدمات کو قلم بند کرکے ایک علمی ذخیرہ کا روپ دے دیا۔

اللہ تعالیٰ علم نافع اور زندگی وآخرت کی تمام برکتوں سے نوازے ان افراد کو جنھوں نے اس نمبر کی اشاعت میں کسی طرح سے بھی معاونت کی اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ رواں سال عرس حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے حسین موقع سے اس کڑی کا نقش ثانی یعنی ''مجتہدین اسلام جلد اول'' اشاعت پارہی ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے۔

ایک مرتبہ پھر قلب کے نہاخانہ سے دعاگوں ہوں کہ رب تعالیٰ ان طلبہ کو زندگی اور آخرت کی تمام طرح کی نعمتوں سے نوازے اور دیار حافظ ملت کا فیض ہمیں بھی نصیب ہوں۔

سنی دعوت اسلامی کی جانب سے جامعہ تمام اساتذہ، اراکین اور شاہین صفت طلبہ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش ہے اور دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقے ان طلبہ کو اپنے دین کا سچا داعی و مبلغ بنائے۔

سنی دعوت اسلامی کی خدمات واثرات اور سرگرمیوں سے واقفیت کے لیے وزٹ کریں۔

www.sunnidawateislami.net

Email: sdiheadofficer@gmail.com

Contact: 022-23451292 / 022-23434366

Office: Sunni Dawate Islami Fine Mantion 1st Floor

دار العلوم اہلسنت
عین العلوم خانقاہ بیت الانوار
ایک دینی تعلیمی تربیتی درسگاہ ہے جو صوبہ (بہار) کے شہر گیا میں واقع ہے، یہ شہر ایک زمانہ سے علما کا مسکن رہا ہے اسی وجہ سے اسکی شہرت پورے ریاست بہار میں ہے، خصوصا نور الھدیٰ و سراج الھدیٰ علیہما الرحمہ جیسی عظیم المرتبت صاحب کمال شخصیت خانقاہ بیت الانوار میں محو استراحت ہیں۔ آپ کے مزار پر انوار کے جوار میں عالیشان مسجد نوری اور دار العلوم کی عمارت اسلامی تہذیب وثقافت کا بہترین علمبردار ہے، یہ عالم ربانی حضور سید عین الھدیٰ قادری کلکتوی علیہ الرحمتہ والرضوان کے نام سے منسوب ہے اور یہ ان کی عظیم یادگار ہے جو شہزادۂ حضور سراج ملت حضرت علامہ شاہ نعیم الھدیٰ قادری مدظلہ النورانی کے زیر نگرانی رواں دواں ہے، جس میں شعبہ حفظ وقرات کے علاوہ درس نظامی کی تعلیم الجامعتہ الاشرفیہ کے نصاب کے مطابق ہو رہی ہے۔ نیز شعبۂ نشر واشاعت میں بھی سرگرم عمل ہے۔
الحمد للہ مدرسہ کی عمارت تین منزلوں پر مشتمل ہے جس میں طلبہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم سے بھی مستفیض ہو رہے ہیں، اسی وجہ سے آج یہ صوبہ بہار کے مثالی درسگاہوں میں سے ایک ہے آج سبھی لوگ اس کی دینی وعلمی خدمات کے معترف ہیں۔ یہ حضور نور الھدیٰ و سراج الھدیٰ علیہما الرحمتہ والرضوان کا فیضان ہے اور ان کی علمی جلالت وشان وفقاہت کے سچے جانشیں حضور نعیم الھدیٰ صاحب قبلہ مدظلہ النورانی کے حسن اخلاق اور نیک نیتی کا ثمرہ ہے جنہوں نے دین کے اس قلعہ کے تعمیر میں اپنی جدو جہد اور بے مثال قربانیاں پیش کی۔ باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ادارہ کو مزید ترقی عطا فرمائے اور اسے حوادث زمانہ سے محفوظ رکھے آمین۔
جس نے تاریک صحرا کو روشن کیا
اس سراج شریعت پہ لاکھوں سلام
سربراہ اعلیٰ
حضرت نعیم الھدیٰ قادری گیاوی
8986416464. 8960739720

صوبۂ جھارکھنڈ کے

ضلع رام گڑھ میں اسلاف کی عظیم یادگار

مدارس اسلامیہ دین کے وہ عظیم قلعہ ہیں جہاں پر طلبۂ علوم نبویہ کو قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم و تربیت سے آراستہ وپیراستہ کیا جاتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کے میدان میں اس کی جو اہمیت وافادیت ہے وہ کسی صاحب فکرو نظر سے پوشیدہ نہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روح پوری دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، یہی نہیں بلکہ ایسے صالح افراد پیدا کیے جائیں جو در حقیقت اسلامی تعلیمات کے مظہر ہوں۔

علاوہ ازیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مدارس میں عصری علوم وفنون کا بھی نظم کرنا از حد لازم وضروری ہے، اسی مقصد کے تحت رئیس القلم مناظر عالم اسلام حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے مذہبی، تعلیمی، سماجی، شرعی، ملی وثقافتی ادارہ دارالعلوم اہل سنت مظہر حسنات گول پار، رام گڑھ کو ۱۹۷۳ء میں قائم کیا۔ جہاں دارالقضاء وافتا شعبۂ حفظ وقرأت ودرس نظامیہ میں عالمیت تک کی تعلیم حاصل کرنے والے بیرونی طلبہ مع قیام وطعام مشفق اساتذۂ کرام کے زیر نگرانی حصول علم وادب میں شب و روز سرگرم عمل ہیں۔

الحمدللہ دارالعلوم ھٰذا کی پرشکوہ عمارت قائم ہے، اس میں کچھ تعمیری کام باقی ہیں جسے پورا کرنے میں اور اس کے علمی معیار کو بلند کرنے میں اراکین ادارہ پابند عہد ہیں۔ دارالعلوم کا کوئی مستقبل ذریعہ آمدنی نہیں ہے صرف مخیر حضرات کے دست تعاون پر منحصر ہے۔

لھٰذا اہل خیر حضرات سے گزارش ہے کہ اس ادارے کی فلاح و بہبودی اور تعمیر وترقی کے لیے دست تعاون دراز فرمائیں اور اسلاف کی اس یادگار کو باقی رکھنے میں ہمارے شریک ہوکر دارین کی نعمتوں سے مالا مال ہوں۔ فقط

العارض:

محمد حبیب عالم رضوی مہتمم دارالعلوم ھٰذا

موبائل نمبر: 9973779975

جامعہ ملک العلما
چر گاہاں، ترکولیا، ضلع موتی ہاری (بہار)
کی ایک عظیم الشان درس گاہ ہے جہاں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں پرائمری درجات اور درجہ حفظ کے
علاوہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ کے مکمل نصاب کے مطابق جماعت رابعہ تک کی تعلیم کا انتظام
مع قیام وطعام ہے۔ اہل سنت کا یہ محبوب ادارہ "تحریک اصلاح ملت" مظفر پور کے زیر اہتمام ارتقا کی
منزل طے کرتا جا رہا ہے۔ اس ادارہ کا تعاون اہل اسلام کا دینی وملی فریضہ ہے۔ معاونین ومخلصین حضرات
امداد کے لیے اور خواہش مند طلبہ داخلہ کے لیے مندرجہ ذیل حضرات سے رابطہ کریں:
حضرت مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی
سرپرست اعلیٰ جامعہ ملک العلما موتی ہاری وڈائرکٹر تحریک اصلاح ملت، مظفر پور (بہار)
موبائل نمبر: 9199307982
حضرت مولانا محمود عالم رضوی
سربراہ اعلیٰ جامعہ ملک العلما، موتی ہاری ورکن خاص تحریک اصلاح ملت، مظفر پور (بہار)
موبائل نمبر: 8084308782
حضرت مولانا تحسین ضیا فیضی مصباحی
صدر المدرسین جامعہ ملک العلما، موتی ہاری ورکن خاص تحریک اصلاح ملت، مظفر پور (بہار)
موبائل نمبر: 7296053601
S.B.I- A/C NO:31731521455
MD MAHMOOD ALAM
BRANCH:TURKAULIYA,(EAST CHAMPARAN)

دارالعلوم فیض الباری، نوادہ، بہار
صوبہ بہار کے مردم خیز شہر نوادہ میں ''دارالعلوم فیض الباری ''مگدھ کمشنری پر اپنی ملی، مسلکی اور مذہبی خدمات عمدہ طور پر انجام دے رہا ہے۔ یہ ادارہ رانچی پٹنہ ہائیوے پر امتیاز اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کی بے باک ترجمانی اور عشق رسول کی پرچم کشائی کر رہا ہے۔
فخر ملت الحاج عبدالباری خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شہر نوادہ میں دارالعلوم ہذا کے قیام کا منصوبہ پیش کیا، عارف باللہ مولانا حضور ابو محمد فریدی کے مبارک ہاتھوں سنگ بنیاد رکھی گئی، وقار ملت علامہ جمال احمد قادری نے دارالعلوم ہذا کے معاونین کے جلو میں اسے اپنی سعی پیہم سے تناور درخت بنایا۔ حضور حافظ ملت، مجاہد ملت، سرکار کلاں، باقر ملت، مجاہد دوراں، خطیب مشرق، فیض العارفین، قائد اہل سنت و دیگر مشائخ حق واساطین امت کے قدوم میمنت لزوم کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ادارہ روز اول سے آج تک دین وسنیت کی حفاظت وصیانت کا کام انجام دے رہا ہے۔
لہذا اہل خیر حضرات سے تعاون کی اپیل ہے۔
متحرک وفعال شعبے: دارالقضا مگدھ کمشنری شاخ مرکزی ادارۂ شرعیہ پٹنہ، دارالافتا عالمیت تک کی تعلیم (از نصاب جامعہ اشرفیہ مبارک پور) شعبۂ حفظ وقرأت، فیض الباری مڈل اسکول، شعبۂ کمپیوٹر، سہ ماہی جمال حرم، مدارس اسلامیہ ٹریننگ سینٹر، انگلش اسپیکنگ کورس۔ اور وقار ملت درس نظامی کوچنگ سینٹر
منصوبہ جاتی شعبے: عصری تعلیم سے آراستہ کرنا، فیض الباری گرلس اسکول کا قیام، حافظ ملت ہال کی تعمیر، وقار ملت اسٹڈی ہال، جامعہ اشرفیہ سے الحاق۔
آئینۂ دارالعلوم:
بیرونی طلبہ ---------------- ۱۵۰
مقامی طلبہ وطالبات ---------------- ۵۰۰
طباخہ ---------------- ۳
اعلان داخلہ: دارالعلوم ہذا میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ اپنی اپنی درخواستیں ۱۲/ شوال المکرم تک صدر المدرسین دارالعلوم ہذا کے نام ارسال کریں، ۱۶/ شوال المکرم کو ٹسٹ ہوگا اور ۱۷/ شوال المکرم کو ریزلٹ آؤٹ کر دیا جائے گا، جو طلبہ جس جماعت کے لائق ہوں گے، وہی داخلہ کے مجاز ہوں گے۔
نوٹ: جامعہ اشرفیہ مبارک پور، جامعۃ الرضا بریلی شریف اور اہل سنت کے دیگر معیاری ادارے میں حصول علم کے خواہش مند طلبہ کے لیے ''رہنمائے ملت ویلفیر سوسائٹی'' کی جانب سے دارالعلوم ہذا میں ٹسٹ کی تیاری کرائی جاتی ہے؛ لہذا خواہش مند طلبہ اراکین رہ نمائے ملت سے رابطہ کریں۔
رابطے کے نمبرات:
حضرت مولانا محمد نعمان اختر فائق الجمالی
9572469157
حضرت مولانا محمد صادق حسین اشرفی
9801735997
المشتہر:
محمد نعمان اختر فائق الجمالی، مہتمم دارالعلوم فیض الباری نوادہ (بہار)

سرکار مجی کی عظیم یادگار انجمن نور اسلام
کے زیر اہتمام چلنے والا شمالی ہند میں تعلیم وتربیت کا حسین مرکز
دارالعلوم قادریہ رحمانیہ
جہاں حفظ وقرأت کے ساتھ باضابطہ درجۂ ثانیہ تک کی تعلیم جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے نصاب پر دی جارہی ہے..
سرپرست اعلیٰ: عالم عرب وعجم فضیلۃ الشیخ ابوبکر احمد مدظلہ کیرلا
سرپرست : استاذالعلماء حضرت علامہ محمد فاروق احمد مصباحی مدظلہ العالی.. چھپرہ
سرپرست: مبلغ اہل سنت حضرت مولانا الحاج ابوالحسنات نوری صاحب مقیم حال سعودی عرب
خواہش مند طلبہ پندرہ شوال تک رابطہ کرسکتے ہیں..
اسیر مجیؒ: محمد ریحان رضا انجم مصباحی
بانی ومہتمم : دارالعلوم قادریہ رحمانیہ پوکھر ٹولا بسفی ضلع مدھوبنی.. بہار
misbahianjum@gmail.com
۰۹۴۳۰۸۶۶۵۸۴
بہار، نیپال اور بنگال میں تقریبا ڈیڑھ سو سال سے اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت اور مسلک اعلی حضرت کی ترجمانی کرنے والی قدیم خانقاہ
خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ رحمانیہ
پوکھریرا شریف ضلع سیتامڑھی بہار
جہاں سلسہ چشتیہ، برکاتیہ، رضویہ، اشرفیہ، رشیدیہ، وارثیہ کی بھی نہریں موجود ہیں اور اہل دل کے مشام جاں کو معطر کررہی ہے فرزندان اشرفیہ کی تمام تر خدمات کے ساتھ مجتہدین صحابہ واہل فتویٰ کی طباعت پر دلی مبارکباد پیش کرتی ہے....
فقیر بارگاہ مجی : محمد انوار رضا منانی مصباحی
خادم خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ رحمانیہ پوکھریرا شریف ضلع سیتامڑھی بہار ۰۹۹۷۳۳۲۹۲۷۱

مولانا محمد رحمت اللہ مصباحی
نمائندہ
روزنامہ
''انقلاب'' مبارک پور
mob:.
9889112992
مولانا محمد عالمگیر مصباحی
بانی
مجبیٰ فاؤنڈیشن
سیتامڑھی (بہار)
استاذ: دارالعلوم عزیزیہ قادریہ
عظمت گڑھ، اعظم گڑھ
Mob:-
9431253282
8858955161
محمد جاوید شتی
نمائندہ
روزنامہ ''وارث اودھ''
مبارک پور، اعظم گڑھ
Mob:-
9236498249
محمد تہذیب انور انصاری
صالحہ سائبر کیفے
بڑی ارجنٹی، مبارک پور
Mob:-
9236617000
مجتہدین اسلام نمبر شائع کرنے پر تنظیم پیغام اسلام کے اراکین کی ہم تہ دل سے مبارک باد پیش کرتے ہیں

جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف

جامعہ احسن البرکات ایک خالص دینی اور مذہبی ادارہ ہے۔ جو اسلام وسنیت کی اشاعت اور تصوف کے فروغ کے لئے ۱۱ر ستمبر ۲۰۱۲ء کو خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشینان کے ہاتھوں قائم ہوا۔ یہ ادارہ حضور امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری دام ظلہٗ کی سرپرستی اور حضور رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر نوری دام ظلہ کی نیابت اور دیگر افراد خاندان کی نگرانی میں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

اس ادارہ کے تحت درجات پرائمری، حفظ قرآن، درجۂ قرأت اور درجہ عالمیت وغیرہ مختلف شعبہ جات قائم ہیں، جس میں جامعہ اشرفیہ، مبارکپور کے نصاب تعلیم کے مطابق ملک و بیرون ملک کے نامور اداروں سے فارغ التحصیل علماء و حفاظ کرام درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ادارہ کے جملہ تعلیمی امور کی نگرانی خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات و سابق صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ مبارکپور فرما رہے ہیں۔

اس وقت جامعہ کے تمام شعبوں میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ادارہ ان کی تعلیم اور خورد و نوش کا اعلیٰ انتظام کرتا ہے۔ طلبہ کے قیام کے لئے وسیع و عریض اور خوبصورت کمرے بجلی و پانی اور دیگر سہولیات کے ساتھ فراہم کیے گئے ہیں۔

اس ادارے کے تمام شعبوں میں داخلہ ۱۳ر شوال کو تحریری امتحان اور انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جس میں ملک کے بیشتر صوبوں سے طالبان علوم نبویہ سیکڑوں کی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

امیدوار کو امتحان داخلہ سے پہلے نام، ولدیت، تاریخ پیدائش، پتہ، مطلوبہ جماعت کی تفصیل کے ساتھ ایک درخواست اور شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی جمع کرنی ہوتی ہے۔ درخواست بذریعہ ڈاک یا ای میل بھی بھیجی جا سکتی ہے۔

محمد اقبال احمد نوری
(پرنسپل) جامعہ احسن البرکات مارہرہ مطہرہ

رابطہ کا پتہ: جامعہ احسن البرکات، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف، ضلع ایٹہ-۲۰۷۴۰۱ (یو. پی)
فون نمبر: 09997340248، **ای میل:** ahsanulbarkaat@gmail.com

صد سالہ عرس رضوی شریف

- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۲ / محرم الحرام ۱۲۹۰ھ کو "چشم و چراغ خاندان برکاتیہ" کا خطاب دیا تھا۔
- اعلیٰ حضرت کا وصال ۱۳۴۰ھ میں ہوا۔ دو سال بعد ۱۴۴۰ھ میں ان کے وصال کو (۱۰۰) سال مکمل ہو جائیں گے۔
- صد سالہ عرس رضوی عالم اسلام کو مبارک ہو۔
- صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر اعلیٰ حضرت کے پیغامات گھر گھر پہنچادو

اسیر مفتی اعظم محمد سعید نوری

خادم: رضا اکیڈمی، ممبئی

برائے ایصال ثواب

خلیفۂ حضور مفتی اعظم حضرت صوفی ابراہیم معرفانی علیہ الرحمہ

خلیفۂ حضور برہان ملت الحاج عبداللہ معرفانی علیہ الرحمہ

الحاج شفیع احمد رضوی (والد ماجد محمد سعید نوری)

ام البلاد کولکاتا کے قلب میں ودینی تعلیم وتربیت کے دو عظیم ادارے
دارالعلوم قادریہ ضیاے مصطفی
Noori Masjid, 7/1B, Tiljala Road,Kolkata - 700046
جامعہ عبداللہ بن مسعود
Garib Nawaz Masjid,92 West Chowbhaga, (A/15,Gulshan Colony) Kolkata - 700100
الحمدللہ ! یہ دونوں ادارے برسوں سے علم دین کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ اور اپنی دینی وملی کے سبب مغربی بنگال کے علاوہ
پورے ہندوستان میں قدر کی نگاہ سے جانے جاتے ہیں۔ دارالعلوم اور جامعہ کے ماتحت صوبہ بنگال کے علاوہ دوسرے صوبوں میں علمی مراکز
اور ادارے چل رہے ہیں جن میں سرفہرست دارلعلوم قادریہ معتبریہ، (بشرام پور، امام گنج، ضلع گیا بہار) ہے
زیرسربراهی:۔ حضرت علامہ مفتی محمد رحمت علی تیغی مصباحی مدظلہ العالی۔
شعبہ جات:۔ (۱) اعدادیہ تاعالمیت (۲) حفظ بالحدر مع تجوید وقرأت (۳) ناظرہ قرآن مع درجہ اطفال مقامی (۴) نوری دارالافتا
(۵) مجلس اصحاب قلم (برائے تصنیف وتالیف) (۶) امام أعظم لائبریری (۷) کمپیوٹر وعصری علوم
تعداد طلبہ:۳۰۰
مدرسین:۲۵
ملازمین:۷
اپیل:۔ اہل ثروت حضرات سے گزارش ہے کہ دارالعلوم وجامعہ کو اپنے خاص تعاون سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں
ڈرافٹ اور چیک بنام:
Edara -e- Millat -e- Islamia (SBI)
A/C No. 30593027874 ifsc : SBIN0011532
Contact No. 9433295643 - 9163146766 - 9331788414 - 9163900219
E-mail: Jamia092@gmail.com
المشتهر:۔ مولانا محمد حسان رضا تیغی مصباحی، خادم جامعہ ودارالعلوم، کولکاتا
9748876745
8442907395
رواں سال جامعہ عبداللہ بن مسعود کے ب زیراہتمام سالنامہ ضیاے مصطفی کا
ملک العلما نمبر
کا رسم اجرا عمل میں آئے گا۔
۱۳/ مئی ۲۰۱۷ بروز سنیچر

صوبہ راجستھان ضلع ناگور میں ایک علمی، ادبی عظیم الشان درسگاہ جامعہ فیضان اشفاق اپنی دعوتی، تعلیمی، تبلیغی کارکردگی کی بنیاد پر بہت ہی قلیل مدت میں ایک مقام اور بلند مرتبہ حاصل کر چکا ہے اور قیام سے لے کر اب تک دین وسنت کی اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نمائندگی کرتا آرہا ہے اور ان شاء اللہ تاقیامت کرتا رہے گا۔ جامعہ ھذا کی بنیاد آج سے تقریباً ۱۷؍سال قبل پیر طریقت صوفئ باصفا حضرت الحاج صوفی عبد الوحید قادری مدظلہ النورانی کی تحریک پر مفتئ اعظم راجستھان حضرت علامہ مفتی محمد اشفاق نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقدس ہاتھوں ۲۶؍نومبر ۱۹۹۹ء مطابق ۳؍شعبان ۱۴۲۰ھ جاجولائی ناگور شریف میں رکھی گئی۔ اور اللہ کے خاص فضل وکرم اور غوث وخواجہ ورضا کی عنایتوں کی بدولت اور حضرت صوفی عبد الوحید خان قادری مدظلہ العالی کی محنت وکوشش سے یہ جامعہ آج اپنی برق رفتاری اور ترقی کی ایسی منزل پر کھڑا ہے کہ اسے اگر ہم راجستھان کی ایک اسلامک یونیورسٹی کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

جامعہ کے تعلیمی، تعمیری شعبے وکلیات

اب تک جو شعبے اور کلیات عمل تاسیس میں آئی ہیں ان کی تفصیل یہاں ناممکن ہے البتہ ان کی اجمالی فہرست یہ ہے (۱) شعبہ درس نظامی (از اولیٰ تا فضیلت) (۲) شعبہ تربیت افتا (۳) شعبۂ حفظ (۴) شعبہ تجوید وقرأت (۵) شعبۂ تربیت (۶) شعبۂ تصنیف وتالیف (۷) شعبۂ نشر واشاعت (۸) شعبۂ کمپیوٹر (۹) اردو ڈپلوما، عربی ڈپلوما، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی (۱۰) اشفاقیہ پبلک اسکول (انگلش میڈیم وہندی میڈیم) (۱۱) اشفاقی دار الافتا (۱۲) تنظیم ابنائے جامعہ (۱۳) مسجد غوث اعظم (۱۴) برکاتی کمپیوٹر سینٹر (۱۵) امام احمد رضا لائبریری (۱۶) غوثیہ لنگر خانہ (۱۷) غوثیہ دار الاقامہ (۱۸) جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے معادلہ (۱۹) جامعہ ہمدرد یونیورسٹی سے معادلہ (۲۰) ماہنامہ فیضان اشفاق

مستقبل کے عزائم اور منصوبے

(۱) دار الحدیث (۲) دار التفسیر (۳) دار المطالعہ (۴) ایک عظیم الشان لائبریری (۵) الامین ہاسٹل (۶) برکاتی ڈائننگ ہال (۷) باب غوث اعظم (۷) دار القرأۃ والتجوید (۹) دار التصنیف والتالیف (۱۰) سیمینار ہال (۱۱) چالیس کمروں پر مشتمل انٹر کالج کی چار منزلہ عمارت

جامعہ میں داخلہ کیسے کرائیں؟

درس نظامی، تخصص فی الفقہ اور شعبۂ حفظ وقرأت میں داخلہ کے خواہش مند حضرات دس شوال تک جامعہ میں پہنچ کر فارم پر کرادیں، واضح رہے کہ تخصص فی الفقہ اور درس نظامی کا ٹیسٹ تقریری اور تحریری دونوں صورتوں میں ہوگا، جب کہ حفظ وقرأت کا ٹیسٹ صرف تقریری ہوگا۔ ٹیسٹ میں کامیابی کے بعد داخلہ کے لیے پاسپورٹ سائز فوٹو دو عدد، شناختی کارڈ اور تاریخ پیدائش سرٹیفکیٹ کی فوٹو کاپی لازم وضروری ہے۔

اپیل

اہل ثروت حضرات سے گزارش ہے کہ آپ دل کھول کر اس محبوب ادارہ کا تعاون کریں اور چرم قربانی کے علاوہ عطیات، زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ اس کا بھرپور خیال رکھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کا بے پناہ اجر عطا فرمائے۔ آمین

SBI A/C: Kadri Trust , Nagaur (34465636080) IFSC Code: SBIN003875
AXI A/C: Madarsa Faizan-e- Ashfaque Nagaur (914010001913157)
رابطہ نمبر۔ 9413500786 - 9783006786

دارالعلوم تاج الشریعہ

دین وسنیت کی بقاءواستحکام میں مدارس اسلامیہ کا اہم رول رہا ہے۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مشرقی اترپردیش شہر لکھیم پور (کھیری) میں ایک مدرسہ بنام ''دارالعلوم تاج الشریعہ'' قائم ہوا جس کا سنگ بنیاد ۱۰/ شوال المکرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۶/ جولائی ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ پڑ چکا ہے۔ سات ہزار (۷۰۰۰) اسکوائرفٹ زمین ہے جس پر اس کا تعمیری کام چل رہا ہے۔ تمام سنی مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ بھرپور امداد کریں اور اس کے دینی منصوبوں کو پائے تکمیل تک پہنچائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

(مفتی) محمد الطاف حسین رضوی

دارالعلوم تاج الشریعہ، لکھیم پور کھیری، یوپی (انڈیا)

رابطہ: +91-9451416418, +91-9838984145

دارالعلوم غریب نواز، روپن فتح پور، پہاڑپور، ضلع گیا (بہار)

سواداعظم اہل سنت و مجدد اعظم امام اہل سنت کے عقائد و نظریات کا بے باک علمی ومشربی ترجمان

مسلکی استحصال اور علوم دینیہ سے فکری عدم ارتباط کے اس دور پر فتن میں جنوبی بہار کے ضلع گیا کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کی مذہبی علمی، فکری، تہذیبی و معاشرتی تربیت کے لیے یہ عظیم الشان ادارہ تائید غوثیت وخواجگی کے روحانی سائے اور حضرت وقار ملت جمال العلما علیہ الرحمۃ نوادہ کی دعائے صبح گاہی کے نتیجے میں ۲۰۰۷ء میں قیام پذیر ہوا جس کی وسیع خدمات کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے، اور ان شاءاللہ تاقیامت جاری رہے گا

کارہائے نمایاں

(۱) مسلکی پختگی کے ساتھ علوم دینیہ کی ترویج وارتقاء
(۲) قوم وملت کو پختہ کار حفاظ وقراء وعلماء کا قافلہ بہم پہونچانا
(۳) انتہائی قلیل مدت میں تعلیم و تعلم دونوں مراحل پر کامیاب ہونا
(۴) شادیات و دیگر مواقع پر اصلاح معاشرہ کے لیے موثر اور کامیاب اقدام
(۵) الحرمین ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی (رجسٹرڈ) روپن فتح پور کے پلیٹ فارم سے متعدد سماجی وفلاحی خدمات

دارالعلوم کا علمی قافلہ

(۱) اساتذہ وعملہ ۶
(۲) اساتذہ عصری وتکنیکی علوم ۱۱
(۳) بیرونی طلبا ۵۰
(۴) طلبا وطالبات (مقامی وعلاقائی) ۳۷۵

منصوبے

(۱) شعبۂ عربی وفارسی کے درجات میں سال بہ سال اضافہ
(۲) مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لیے جابجا مبلغین کی تقرری
(۳) اساتذہ کے لیے فیملی کوارٹر
(۴) مدرسۃ البنات کا قیام
(۵) غریب نواز ہاسپٹل کا قیام

شعبہ جات

(۱) حفظ وقرأت
(۲) شعبۂ عربی وفارسی (اعدادیہ تا ثانیہ
(۳) شعبۂ افتا
(۴) شعبۂ سائنس تکنیکی (کمپیوٹر)
(۵) شعبۂ عصری علوم (نرسری تا کلاس ششم)
(۶) شعبۂ تربیت ائمہ مساجد
(۷) تعلیم بالغاں
(۸) اے۔آرانٹرنیشنل اکیڈمی

اپیل

دارالعلوم ہذا کی علمی وتبلیغی خدمات کی روشنی میں قوم کے مخیر وکشادہ دل حضرات سے پرخلوص گزارش ہے کہ خواطر خواہ تعاون فرماکر ادارہ ہذا کے دائرہ خدمات و پیغامات کو وسیع سے وسیع تر کرنے کا حوصلہ عطا کریں

مخلص

محمد مظفر حسین رضوی مصباحی

بانی وناظم دارالعلوم غریب نواز مقام روپن، پوسٹ فتح پور، پہاڑپور، ضلع گیا (بہار)

9955560365

"**جامعہ فاطمہ للبنات**" صوبہ جھارکھنڈ کے ضلع کوڈرما میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کا ایک معیاری ومثالی اقامتی ادارہ ہے۔ شاندار دو منزلہ عمارت بلند چہار دیواریوں کے اندر تمام ضروریات کے ساتھ باصلاحیت معلمات کی نگرانی میں ہاسٹل کا مناسب انتظام صاف ستھرا، اسلامی ماحول دعوت وفکر دیتا ہے۔ بہت سے غریب، یتیم ونادار بچیوں کی کفالت جامعہ خود کرتا ہے۔ تقریباً سالانہ بجٹ تیس لاکھ روپے ہیں، لہذا تمام مخیر و ہمدردان قوم وملت سے گزارش ہے کہ اپنا تعاون پیش کرکے اسلامی بچیوں کی تابناک مستقبل میں حصہ دار بنیں اور اجر عظیم کے زیادہ مستحق بنیں۔

آئینہ جامعہ

موجودہ عمارت: دو منزلہ پندرہ کمرے	تعداد معلمات: ۱۵
تعداد طالبات: ۲۳۰	ماہانہ صرفہ: ۲۵۰۰۰
سالانہ بجٹ: ۳۰۰۰۰۰۰	

مخیر حضرات اس اکاؤنٹ میں اپنا تعاون بذریعہ چیک یا ڈرافٹ ارسال کرسکتے ہیں

محمد محبوب عالم رضوی مصباحی، ناظم جامعہ فاطمہ۔ Mob: 9934336783

دارالعلوم تیغیہ شمس العلوم

رکسھا شریف

ضلع غازی پور میں علاقہ کمسار وبار کا مرکزی ادارہ دارالعلوم تیغیہ شمس العلوم جو چالیس سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ سرکار شمس العلوم کے فیضان اور حضرت علامہ مولانا ریاض حسین خان قادری تیغی شمسی کے زیر نظامت یہ ادارہ نہ صرف ضلع غازی پور بلکہ اتر پردیش اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنی دینی خدمات سے ایک مقام رکھتا ہے۔

آئینہ دارالعلوم: ۲۰۰ر سے زائد بیرونی طلبہ زیر تعلیم ہیں جن کے طعام وقیام کا ذمہ دار ادارہ ہے

شعبہ حفظ کی تین درسگاہ ۔شعبہ عالیہ: اعدادیہ تا سادسہ اور نصاب تعلیم الجامعۃ الاشرفیہ کے مطابق شعبہ قرأت۔ شعبہ دعوت وتبلیغ، شعبہ مشق تصنیف وتالیف۔

داخلہ: ۸ر شوال سے ۱۵ر شوال تک لیا جاتا ہے۔

زیر سرپرستی: الحاج مولانا محمد ریاض حسین خان قادری تیغی ناظم اعلیٰ دارالعلوم تیغیہ شمس العلوم وبانی الکلیۃ الشمسیہ للبنات الاسلامیہ، رکسھا شریف

الکلیۃ الشمسیہ للبنات الاسلامیہ، رکسھا شریف

غازی پور یوپی

ضلع غازی پور میں مشرقی یوپی اور مغربی بہار کے دامن میں آباد علاقہ کمسار وبار انتہائی حساس اور زرخیز علاقہ ہے جہاں لڑکوں کو دینی وعصری تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے لیے کئی ایک مدارس ہیں مگر دختران اسلام کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے پورے ضلع میں باضابطہ اب تک کوئی نسواں موجود نہیں اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے سرزمین رکسھا پر حضرت مولانا ریاض حسین خان شمسی قادری کے زریعہ ایک ادارہ نسواں بنام الکلیۃ الشمسیہ للبنات الاسلامیہ کا قیام عمل میں آیا ہے

موجودہ صورت حال: الکلیۃ الشمسیہ یہ ادارہ اس وقت ۲۰ کمروں پر مشتمل رہائشی عمارت کے ساتھ مکمل ہو چکا ہے۔

معیار تعلیم وخصوصیات: تعلیم وتربیت کی خدمات معلمات کے ذریعہ انجام دی جاتی ہے۔ ہفتہ وار تربیتی پروگرام منعقد کیا جاتا ہے طالبات کے علاوہ بیرونی عورتوں کے لیے سہ ماہی تربیتی پروگرام منعقد کیا جاتا ہے۔

پڑھائے جانے والے مضامین: درجہ تحتانیہ اول تا پنجم: قرآن، قرأت، اردو نقل واملا، حساب، ہندی، انگریزی، سائنس، جغرافیہ، اخلاقیات، عام معلومات، تربیت۔ درجہ فوقانیہ وعالیہ اعدادیہ تا خامسہ: درس قرآن، فارسی، دینیات، نحو، صرف، عربی، فقہ، انگریزی، امور خانہ داری، تربیت۔

داخلہ: ۶ر شوال سے ۱۴ر شوال تک لیا جاتا ہے۔

مولانا ندیم الدین شمسی مصباحی
مدیر الکلیۃ الشمسیہ للبنات الاسلامیہ
Mob: 8127798527
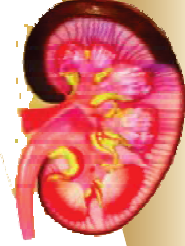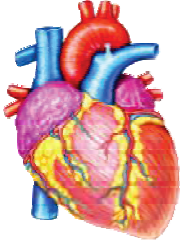
جھارکھنڈ اوشدھالے اینڈ ریسرچ سینٹر

ایک بار ضرور رابطہ کریں

حکیم مولانا محمد ممتاز احمد مصباحی، لوہردگا، جھارکھنڈ

Email:jharkhandaushadhalaya22@gmail.com
Mobile No: 7482992829, 7781046152
Whats App No: 9334709784